UNIVERSAL LIBRARY

OU_224627

UNIVERSAL LIBRARY

Osmania University Library

Call No. ٨٩٢ مص   Accession No. 23756

Author

Title مصباح الظلام

This book should be returned on or before the date last marked below;

المنصوبات

هُوَمَا اشْتَمَلَ عَلیٰ عَلَمِ الْمَفْعُوْلِیَّۃِ قد تبیّن شرحُه بما ذکر فی المرفوعات والمرادُ بعلمِ المفعولیۃ علامۃ کون الاسم مفعولاحقیقۃً اوحکماو ھی اربعُ الفتحۃُ والکسرۃُ والالفُ والیاءُ نحورایت زیدًا ومسلماتٍ و ایاك ومسلمیَن ومسلِمین فَمِنْہُ ای من المنصوب اوممااشتمل علی

المنصوبات (منصوب کی جمع ہے اور منصوب) (وہ ہے جو مفعولیت کی علامت پر مشتمل ہو) اس کی شرح اس (بیان) سے روشن ہوچکی جو مرفوعات میں مذکور ہوا اور مفعولیت کی علامت سے مراد اسم کے مفعول ہونے کی علامت ہے حقیقت کی رو سے (مفعول) ہو (جیسے مفاعیل خمسہ ہیں) یا حکم کی رو سے (جیسے ملحقات سبعہ بمفعول) اور علامتیں چار ہیں فتحہ اور کسرہ اور الف اور یا جیسے رأیت زیدا اور (رأیت) مسلمات اور (رایت) ایاک اور (رأیت) مسلمین (تثنیہ) اور (رأیت) مسلمین (جمع) (پس اس میں سے) یعنی منصوب میں سے یا اس میں سے جو مفعولیت کی علامت

۱؎ قولہ المنصوبات الخ مصنف علیہ الرحمۃ کو مرفوعات سے فراغت حاصل ہوگئی تو منصوبات کو شروع کردیا رہا یہ امر کہ مرفوعات کی وجہ تقدیم کو شارح نے بیان نہیں کی اور منصوبات کی بنا رتقدیم کا ذکر کردیا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو چونکہ مرفوعات کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اس لئے اس کے تو بیان کی حاجت ہی نہیں البتہ منصوبات اور مجرورات کا قصہ باقی رہ گیا کہ ان میں سے کون مقدم ہونا چاہئے تو چونکہ منصوبات بکثرت ہیں یعنی بارہ ہیں اور مجرورات صرف دو نیز منصوبات اکثر فاعل کے ساتھ آتے رہتے ہیں اور فاعل کا عمدہ ہونا ظاہر ہے پس اس مصاحبت فاعل کے باعث ان کو بھی مقدم کرنا چاہئے نیز یہ کہ نصب میں خفت ہوتی ہے اس لئے بھی انہیں کی تقدیم اولٰے ہے مجرورات پر لہذا مصنف منصوبات کو شروع کرتے ہیں پس کہتے ہیں المنصوبات اس قول کے متعلق ماسبق یعنی المرفوعات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ کس کی جمع ہے المرفوع کی ہے یا المرفوعۃ کی منصوبات کی تعریف کرتے ہوئے مصنف کہتے ہیں کہ منصوب وہ اسم ہے جو اسم کے مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو عام ازیں کہ مفعول حقیقۃً ہو یا حکماً اس کی بحث بھی مفصلاً مرفوعات کی تعریف کے ضمن میں گذر چکی کہ ہو کا مرجع المرفوع ہے جو المرفوعات کے ضمن میں متحقق ہوتا ہے۔ نیز اشتمال علی علم المفعولیۃ سے مراد اسم کا علامت مفعولیت کے ساتھ موصوف ہونا ہے وغیرہ وغیرہ سب اسی جگہ ملاحظہ کی جائیں اور اس کی وجہ بھی وہیں بیان ہوچکی ہے کہ ما اشتمل علی علم المفعولیۃ کی شرح علامۃ کون الاسم مفعولاً سے کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ مختصرا یہ کہ علم بمعنے علامت ہے نہ کہ علم بمعنے اسم کہ اس کو لے کر اعتراض کردیا جائے کہ علم اس کو کہتے ہیں کہ جو کسی شے کیلئے بعینہ وضع کیا جائے ابھی واحد وضع کے ساتھ جو اپنے غیر کو متناول نہ ہو اور علم مفعولیۃ ایسا نہیں اس لئے کہ وہ حال وتمیز وغیرہ بہت سی اشیاء کو شامل ہے یا اعتراض کی تقریر یاں طور کی جائے کہ منصوبات کی تعریف افراد منصوبات میں سے ایک فرد پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ زید مثلاً رئیت زیدًا میں افراد منصوبات سے ہے مگر اس کے باوجود یہ علم مفعولیت کو شامل نہیں اس لئے کہ اس جگہ کوئی دوسرا اسم ہے ہی نہیں کہ زید اس پر مشتمل ہوجائے کیونکہ ما اشتمل میں ما سے بھی مراد اسم ہوگا اور علم سے بھی مراد اسم اور اگر یہ کہا جائے کہ زید خود اپنے نفس پر مشتمل ہے تو اشتمال الشئ علی نفسہ لازم آئیگا اور یہ باطل ہے پس ان تمام اعتراضات کا جواب بالتفصیل وہیں ملاحظہ فرمایا جائے۔ حقیقۃً کہنے سے تعریف میں تمام مفاعیل داخل ہوگئے اور حکماً کے اضافہ سے تمام ملحقات بالمفاعیل حال تمیز وغیرہ علامت مفعول چار ہیں فتحہ، کسرہ، الف یاء جیسے رئیت زیدًا۔ رئیت مسلمات، رئیت ایاک۔ رئیت مسلمین۔ رئیت مسلمین، لف ونشر مرتب کے طور پر۔ دلیل حصر یہ ہے کہ اعراب بالحرکۃ ہوگا یا بالحرف اگر اول ہے تو یا بالفتح ہوگا یا بالکسر اور ثانی ہے تو یا بالالف ہوگا یا بالیاء، مثالیں گذر چکیں تفصیل دیکھنی ہو تو اسم متمکن کی سولہ اقسام پر غور کیا جائے۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اسماء ایسے ہیں جن کو علامت مفعولیت کے باوجود منصوبات کا حکم نہیں دیا جاتا پس تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی کیونکہ اس میں مررت بمسلمات کا مسلمات داخل ہوگیا اس لئے کہ کسرہ علامات مفعول سے ہے اور یہاں کسرہ موجود ہے مگر اس کو کوئی بھی مفعول سے تعبیر نہیں کرتا صرف مجرور کہتے ہیں جواب یہ ہے کہ تعریف میں قید حیثیت کا اعتبار کیا جائیگا یعنی منصوب وہ ہے کہ جس میں علامت مفعولیت اس حیثیت سے پائی جائے کہ وہ مفعولیت کی علامت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مررت بمسلمات میں کسرہ اس حیثیت سے نہیں پایا جارہا کہ یہ مفعولیت کی علامت ہے لہذا مسلمات تعریف مذکور سے خارج ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۲؎ قولہ فمنہ الخ پس ان منصوبات میں سے ایک مفعول مطلق ہے اس جگہ شارح نے منہ کی تفسیر ای من المنصوب او مما اشتمل الخ سے کرکے ضمیر مجرور کے مرجع کو ظاہر کیا ہے یعنی ہ ضمیر مجرور کا مرجع یا تو المنصوب ہے یا ما اشتمل الخ اول تو اس لئے مرجع

علم المفعولية الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ سُمِّيَ به لصحة اطلاق المفعول عليه من غير تقييده بالباء او فى او مع او اللام بخلاف المفاعيل الاربعة الباقية فانه لا يصح اطلاق صيغة المفعول عليها الا بعد تقييدها بواحدة منها فيقال المفعولُ به او فيه او معه او له وَهُوَ[۳۵] اى المفعولُ المطلقُ اِسْمُ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ والمرادُ بفعل الفاعل اياه قيامُه به بحيث يصح اسنادُه اليه لا ان يكون مؤثِرًا فيه مُوجِدًا اياه فلا يردُ عليه مثلُ مات موتا وجسم

پر مشتمل ہو ((مفعول مطلق ہے))، اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اس پر مفعول کا اطلاق با (بہ) یا فی (فیہ) یا مع (معہ) یا لام (لہ) کے ساتھ اسے مقید کئے بغیر صحیح ہے باقی چار مفعولوں کے برعکس کہ ان پر مفعول کا اطلاق انہیں قیود میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید کرنے کے بعد ہی صحیح ہوگا لہذا کہا جائے گا۔ مفعول بہ یا (مفعول) فیہ یا (مفعول) معہ یا (مفعول لہ) ((اور وہ)) یعنی مفعول مطلق ((اس کا نام ہے جیسے کیا ہو ایسے فعل کے فاعل نے)) اور فاعل کے فعل کو کرنے سے مراد فعل کا فعل کا فاعل کے ساتھ اس طرح سے قائم ہونا ہے کہ فعل کی اسناد فاعل کی طرف صحیح (خواہ اس میں فاعل مؤثر ہو یا اس کا موجد ہو یا نہ ہو صرف فعل کی اسناد اس کی طرف صحیح ہونا چاہئے) ہو نہ یہ کہ فاعل اس (فعل) کو وجود میں لانے والا ہو لہذا اس (تعریف) پر مات (زید) موتا وجسم (از باب شرف) جسامۃ

بن سکتا ہے کہ وہ مقصود بالذات ہے کیونکہ اسی سے بحث ہو رہی ہے اور ثانی کو اس لئے مرجع قرار دے سکتے ہیں کہ یہ اگرچہ مقصود بالذات تو نہیں لیکن اس کے قریب ضرور ہے کیونکہ منصوب کی تعریف ہی یہ ہے مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس پر بلا کسی قید کے صیغۂ مفعول کا اطلاق درست ہے یعنی اس کو با یا فی یا مع یا لام کے ساتھ مقید کئے بغیر مفعول کہہ سکتے ہیں بخلاف دیگر مفاعیل باقیہ (مفعول بہ فیہ معہ لہ) کے کہ ان پر اس وقت تک صیغۂ مفعول کا اطلاق ہی نہیں کر سکتے جب تک کہ بہ۔ فیہ۔ معہ۔ لہ میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید نہ کر لیا جائے اسی بنا پر مفعول بہ مفعول فیہ مفعول معہ مفعول لہ کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ دیگر مفاعیل پر اس کی تقدیم کی بھی ہے کہ اس میں مذکورہ تقییدات میں سے کوئی بھی قید نہیں پائی جاتی واللہ اعلم۔

۳۵ قولہ وہو الخ مفعول مطلق اس کو کہتے ہیں جس کو اس فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور وہ اس فعل مذکور کے ہم معنی ہو دوسرے لفظوں میں اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ مفعول مطلق وہ اسم ہے جو فعل مذکور کے ساتھ معنے مصدری میں شریک ہو اور دونوں کا فاعل ایک ہو عام ازیں کہ فعل مذکور لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ یہ بعض مفاعیل مطلق پر صادق نہیں آتی اور وہ اس تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ مفعول مطلق ہیں مثلاً یہ تعریف فعل منفی کے مفعول مطلق پر صادق نہیں آتی جیسے لم یضرب ضرباً اس لئے کہ فعل مذکور کے فاعل نے اس کو نہیں کیا اور تعریف میں کرنا شرط ہے نیز فعل مجہول کے مفعول مطلق پر بھی یہ تعریف صادق نہیں آتی جیسے ضُرِبَ ضرباً اس لئے کہ یہاں بھی فعل مذکور کے فاعل سے اس کا صدور نہیں ہوا بلکہ فعل مذکور کے مفعول سے اس کا تعلق ہے اور جیسے مات موتاً جسم جسامۃً ان پر بھی مفعول مطلق کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ ان کو بھی فعل مذکور کے فاعل نے نہیں کیا اس لئے کہ موت فعل مذکور کے فاعل کا اثر نہیں بلکہ موت

کو اگر وجودی کہا جائے تو اس کا موجد باری تعالیٰ ہے اور عدمی کہا جائے تو مؤثر کی محتاج نہیں ایسے ہی جسیم ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہے نہ کہ اختیار اور تاثیر جسم سے پس تعریف مذکور جامع نہ ہوئی ان تمام اعتراضات کا جواب شارح والمراد بفعل الفاعل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ فاعل فعل کے اس کو کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ یعنی مفعول مطلق فاعل فعل کے ساتھ اس طرح قائم ہو کہ فعل کی نسبت یعنی اسناد فاعل کی طرف درست ہو سکے عام ازیں کہ نسبت ایجابیہ ہو یا سلبیہ نسبت ایجابیہ جیسے ضرب زیدٌ ضرباً اور نسبت سلبیہ جیسے ما ضربتُ ضرباً۔ لہذا پہلا اعتراض مندفع ہو گیا کیونکہ نسبت میں تعمیم ہے منفی اور مثبت دونوں تعریف میں داخل ہیں اور فعل مجہول کے مفعول مطلق کے بارے میں یہ ہے کہ جب مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل کے قائم مقام ہو گیا تو اس نے فاعل کا ہی حکم لے لیا پس فعل کا اسناد فاعل کی طرف درست ہو گیا اور جب

یہ معلوم ہو گیا کہ ہماری مراد یہ ہے کہ قیام مفعول مطلق فاعل کے ساتھ اس طرح پر ہو کہ اس کی نسبت فاعل کی طرف درست ہو سکے اور یہ مراد نہیں ہے کہ تاثیر اور ایجاد فاعل کو اس میں دخل ہو تو اب مات موتاً جسم جسامۃً اور شرف شرافۃً والا اعتراض بھی واقع نہ ہوگا اس لئے کہ یہ افعال اس قسم کے ہیں کہ ان کا اسناد اس چیز کی طرف صحیح ہے کہ جس کے ساتھ یہ قائم ہیں اس لئے کہ موت زید کے ساتھ قائم ہے اگرچہ وہ موت زید میں مؤثر نہیں علیٰ ہذا القیاس جسم جسامۃً اور شرف شرافۃً میں جسامت اور شرافت زید کے ساتھ قائم تو ہیں اور زید کی طرف جسامت اور شرافت کی نسبت تو صحیح ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ زید قوی ہیکل اور بلند مرتبہ ہو گیا پس اس نسبت کے باعث موتاً جسامۃً اور شرافۃً کا مفعول مطلق ہونا درست ہو گیا تاثیر اور ایجاد فاعل جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں وہ چونکہ تعریف میں

جَسامة وشَرُف شَرَفا وانما زِيدَ[سکہ] لفظُ الاسم لِاَنَّ ما فعله الفاعلُ هو المعنى والمفعولُ المطلقُ من اقسام اللفظِ ويدخل فيه المصادرُ كلها مَذْكُوْرٍ صفةٌ للفعل وهو اعم من ان يكون مذكورا حقيقة كما اذا كان مذكورا بعينه نحو ضربتُه ضربا او حكما كما اذا كان مقدّرا نحو فضَرْبَ الرِقابِ او اسما فيه معنى الفعل نحو ضاربٌ ضربا وخرج به المصادر التى لم يُذكر فعلها لا حقيقة ولا حكما نحو الضربُ واقع على زيد بِمَعْنَاهُ[۵] صفة ثانية

(بروزن کرامۃ) اور شرف شرفا (بروزن طلبا) کے مثل کا اعتراض نہ پڑیگا (کہ ان جیسے کی اس شخص کی طرف اسناد صحیح ہے جس کے ساتھ یہ قائم ہیں بغیر اس کے کہ فاعل کا ان افعال میں کوئی اثر ہو یا وہ ان کا موجد ہو مثلا موت زید کے ساتھ قائم ہے اگرچہ زید اس میں مؤثر نہیں) اور (تعریف میں لفظ اسم اس لئے زائد کیا گیا کہ جسے فاعل نے کیا وہ معنے ہے (جو فاعل کے ساتھ قائم ہے اور وہ ضرَ ضربا اور مات موتا میں ضرب اور موت ہے) اور مفعول مطلق لفظ کے اقسام سے ہے اور (مصنف نے تعریف میں جو اسم ما فعلہ فاعل فعل کہا جنس کے بمنزلے ہے اس لئے) اس میں تمام مصادر داخل ہوجاتے ہیں ((جو مذکور ہو)) یہ فعل کی صفت ہے اور فعل اس سے عام ہے کہ حقیقت میں مذکور ہو جیسا کہ وہ بعینہ مذکور ہو جیسے ضربتہ ضربا یا حکمی طور پر مذکور ہو جیسا کہ (عبارت میں) مقدر ہو جیسے فضرب الرقاب (یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یہاں تقدیر عبارت اس طرح فاضربوا ضرب الرقاب ای رقاب الکفار) یا اسم ہو جس میں فعل کا معنی ہو جیسے ضارب ضربا اور اس (مذکور کی) قید سے وہ تمام مصادر (مفعول مطلق کی تعریف میں آنے سے) نکل گئے جن کے فعل نہ حقیقت میں مذکور ہوں اور حکم میں جیسے الضربُ واقع علی زید (میں الضرب مصدر ہے) ((مصدر کے معنی کے ساتھ ہو)) یہ

مراد ہی نہیں اس لئے ان کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا۔
(فائدہ) عبارت میں قدرے گنجلک ہے۔ اس لئے اس کے ضمائر کے مرجع وغیرہ سمجھ لینے چاہئیں اسم ما فعلہ فاعل فعل میں ما سے مراد شئے ہے اور شئے سے مراد مفعول مطلق کیونکہ اسی کی تعریف کی جارہی ہے یعنی مفعول مطلق اس شئے کا نام ہے اور پھر اس سے فعل بھی مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ جس چیز کو فاعل فعل نے کیا ہوگا وہ فعل ہی ہوگا پس فعلہ میں ہ ضمیر کا مرجع ما ہے اور والمراد بفعل الفاعل ایاہ قیامہ بہ الخ میں ایاہ کی ضمیر مرجع سے کلمہ ما یعنی فعل کی طرف قیامہ کی ضمیر کا مرجع بھی یہی ہے البتہ بہ کی ضمیر مجرور فاعل کی طرف لوٹتی

ہے اسنادہ الیہ میں بھی ضمیر اول کا مرجع فعل ہے اور ضمیر ثانی کا فاعل پس عبارت اس طرح ہوسکتی ہے والمراد بفعل الفاعل فعلا قیام فعل الفاعل بحیث یصح اسناد الفعل الی الفاعل لا ان یکون الفاعل مؤثرا فی الفعل موجدا فعلا جس کا مطلب یہ ہے کہ فعل مذکور کے فاعل کے اس فعل کو کرنے سے مراد یہ ہے کہ فعل کا (یعنی مفعول مطلق) کا قیام فاعل کے ساتھ اس حیثیت سے ہو کہ فعل (یعنی مفعول مطلق) کا اسناد فاعل کی طرف صحیح ہوجائے نہ یہ کہ فاعل فعل میں مؤثر اور فعل کا موجد ہو جیسے مثلاً مات زیدٌ موتا کہ اس میں فعل (یعنی مفعول مطلق موتًا)

فاعل کے ساتھ اس طرح قائم ہے کہ فعل موت کا اسناد فاعل (زید) کی طرف صحیح ہو رہا ہے یعنی مرنے والا زید ہے اور زید اس فعل میں موثر نہیں بلکہ باری تعالیٰ ہے واللہ اعلم ۱۲

سکہ قولہ وانما زید الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں تقریر سوال کی یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف میں لفظ اسم کی زیادتی کی کیا وجہ ہے جبکہ اس کے بغیر بھی مطلب اختصار کے ساتھ حاصل ہوجاتا ہے جواب یہ ہے کہ لفظ اسم اس وجہ سے زائد کیا کہ اس کے اضافہ کے بغیر خلاف مقصود لازم آتا ہے کیونکہ اس وقت تعریف مذکور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول مطلق ان معنی کو کہتے ہیں جن کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ مفعول مطلق اقسام لفظ سے ہے از قسم معنی نہیں اس لئے کہ نحوی لفظ سے بحث کرتے ہیں معنے سے نہیں پھر چونکہ تعریف مذکور اسم ما فعلہ فاعل فعل سے کی گئی ہے اس لئے اس میں تمام مصادر داخل ہوجاتے ہیں اس لئے کہ ہر مصدر اپنے فاعل کا فعل ہے پس جب مصنف نے فعل کی صفت مذکور کی قید کا اضافہ کردیا تو اس سے وہ تمام مصادر خارج ہوگئے کہ جن کا فعل مذکور نہیں پھر اس مذکور میں تعمیم ہے یعنی مذکور خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً پس جس مصدر کا فعل نہ حقیقۃً مذکور ہو اور نہ حکماً وہ اس سے خارج ہے جیسے الضربُ واقعٌ علی زید کہ اس میں الضرب مصدر تو ہے مگر اس کا فعل مذکور نہیں نہ حقیقۃً اور نہ حکماً مذکور حقیقۃً کی مثال یعنی جبکہ فعل بعینہ مذکور ہو جیسے ضربتہ ضرباً کہ مصدر کا فعل ضربت بعینہ مذکور ہے اور حکماً کی مثال یہ ہے یعنی جبکہ مصدر کا فعل مقدر ہو جیسے فضرب الرقاب ای فاضربوا ضرب الرقاب کہ اس جگہ ضرب مصدر کا فعل اگرچہ لفظاً مذکور نہیں مگر حکماً (تقدیراً اضربوا) مذکور ہے یعنی اضربوا پھر اس مذکور میں اس لحاظ سے بھی تعمیم ہے کہ اگر مصدر کا فعل حقیقۃً یا حکماً مذکور ہو تو کم از کم ایک ایسا اسم ہی

للفعلِ وليس المراد به اَنَّ الفعلَ كائنٌ بمعنى ذلك الاسم فان معنى الاسم جزءُ معناه بل المرادُ ان معنى الفعل مشتملٌ عليه اشتمالَ الكل على الجزء فخرج به مثلُ تاديبا فى قولك ضربته تاديبا فانه وان كان مما فعله فاعلُ فعلٍ مذكورٍ لكنه ليس مما يشتمل عليه معنى الفعل وكذلك[٥٦] خرج به مثلُ كراهتى فى نحو كرهت كراهتى فان للكراهة اعتبارَين احدهما

فعل کی دوسری صفت ہے (کہ وہ مصدر کے معنی میں ہو) اور اس (بمعناہ کی قید) سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فعل اس اسم کے معنی کے ساتھ (مطابق) ہو کیونکہ اسم کا معنی تو فعل کے معنی کا جز ہے (کہ فعل کا معنی حدث اور زمان ہے جبکہ اسم کا معنی صرف حدث ہے پس فعل کا معنی متعدد ہوا اور اسم کا واحد اور ظاہر ہے کہ واحد متعدد کا جز ہوتا ہے لہذا اسم کا معنی فعل کے معنی کا جز ہوا) بلکہ مراد یہ ہے کہ فعل کا معنی اسم کے معنی پر مشتمل ہو جیسے کل جز پر مشتمل ہوتا ہے اس بمعناہ کی قید) سے تادیبا کی مانند (مصادر) خارج ہو گئے جو تمہارے قول ضربتہ تادیبا میں ہے کہ تادیبا (یعنی مفعول لہ) اگرچہ اس قبیل سے ہے جسے فعل مذکور کے فاعل نے کیا لیکن اس قبیل سے نہیں کہ جس پر فعل کا معنی مشتمل ہو اور اسی طرح اس (بمعناہ کی قید) سے کرِھتُ (از باب علم) کراھتی میں کراھتی کی مانند (وہ مصدر جو فعل مذکور کے فاعل کی طرف مضاف ہو مفعول مطلق کی تعریف سے) نکل گیا پس (اس مثال میں) کراھۃ

مذکور ہونا چاہیئے کہ جس میں فعل کے معنی پائے جائیں یعنی شبہ فعل ہو جیسے ضاربٌ ضربًا واللہ اعلم۔

٥٥ قولہ بمعناہ الخ فعل کی پہلی صفت مذکور ہو چکی ہے اس کی دوسری صفت ہے یعنی مفعول مطلق اس اسم کو کہتے ہیں جس کو اس فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور وہ فعل مذکور اس اسم کے ہم معنی ہو یعنی فعل اور اسم دونوں کا فاعل ایک ہو ولیس المراد سے شارح لفظ معناہ کے معنے بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ قولہ بمعناہ سے یہ مراد نہ لیا جائے کہ فعل اس اسم کے معنی میں ہو گا یعنی فعل اس اسم کے معنے کے مطابق ہو گا جیسے ضربتہ تادیبا میں تادیبا کے معنے بعینہ ضرب کے ہیں. کیونکہ ضرب اور تادیب کا زمانہ دونوں متحد ہیں پس ضربا نہیں کہا تادیباً کہدیا ایک ہی بات ہے. لہذا تادیباً کو بھی مفعول مطلق کہا جائے کیونکہ فعل اور معنی اسم دونوں ایک ہیں اس لئے کہ معنی اسم معنی فعل کے جز ہوتے ہیں کیونکہ اسم معنے حدثی کا نام ہے اور فعل حدث اور زمان کے مجموعہ کو کہتے ہیں پس اسم یعنی معنے حدثی معنے فعل یعنی حدث اور زمان کا جز ہو گیا کیونکہ متعدد کے ضمن میں واحد موجود ہوا کرتا ہے لہذا تعریف مانع دخول غیر سے مانع نہیں رہتی شارح نے بل المراد سے اس کی مانعیت کا جواب یہ دیا کہ تم نے معناہ سے جو معنے مراد لئے ہیں وہ غلط ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ معنے فعل معنے اسم پر اس طرح مشتمل ہوں جیسے کل کا اشتمال جز پر ہوتا ہے کیونکہ کل میں جز بھی پایا جاتا ہے پس وہ کل اپنے بعض اجزاء کے اعتبار سے جز پر مشتمل ہو گا لہذا اس سے ضربتہ تادیبًا مثال کا تادیبًا خارج ہو گیا اس لئے کہ یہ اگرچہ اس قبیل سے ہے کہ اس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے لیکن یہ اس قبیل سے نہیں کہ معنے فعل اس پر مشتمل ہوں یعنی معنے اسم پر اشتمال معنے فعل کا اس جگہ قصد نہیں کیا گیا کیونکہ تادیب اس جگہ ضرب کے معنے کا جز نہیں کہ وہ اس پر مشتمل ہو جائے بلکہ تادیب ضرب کی علت واقع ہے اور جب علت واقع ہے تو مفعول لہ ہو گا مفعول مطلق نہیں ہو گا واللہ اعلم۔

٥٦ قولہ وکذلک الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ یہ اس کراہتی پر صادق آتی ہے جو کرہت کراہتی میں واقع ہے حالانکہ کراہتی مفعول بہ ہے مفعول مطلق نہیں مگر اس کے باوجود یہ اس قبیل سے ہے کہ اس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے جواب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے معناہ کی توجیہ کرنے پر تادیباً مفعول لہ خارج ہو گیا اسی طرح یہ کراہتی بھی تعریف سے خارج ہے کیونکہ کراہتہ کے لئے دو اعتبار ہیں ایک تو اس کا اس طرح پر ہونا کہ یہ فاعل فعل مذکور کے ساتھ قائم ہے اور اس سے وہ فعل مشتق ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف کی گئی ہے پس فعل مشتق ہو گا اور کراہت مشتق منہ پس معنی یہ ہو جائیں گے کہ کرہتُ کراہتہً یعنی مکروہ سمجھا میں نے مکروہ سمجھنا پس اس اعتبار سے بلاشک معنی فعل معنی اسم کو مشتمل ہیں اور یہ تعریف مفعول مطلق میں داخل ہے اور دوسرا اعتبار اس میں اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل کراہتہ واقع ہے پس اس صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ کرہتُ کراہتی یعنی مکروہ سمجھا میں نے اپنے مکروہ سمجھنے کو تو بلاشبہ یہ اس وقت مفعول بہ ہو گا نہ کہ مفعول مطلق پس جب کراہتی کو فعل کے بعد اعتبار اول کے مطابق ذکر کیا جیسا کہ قول قائل کرہت کراہتہً کی صورت میں تو یہ مفعول مطلق ہو گا اور جب اس کو اعتبار ثانی کے لحاظ سے ذکر کیا جائیگا جیسا کہ قول قائل کرہتُ کراہتی میں ہے تو وہ مفعول بہ ہو گا نہ کہ مفعول مطلق اس لئے کہ اس صورت میں یہ فعل اس اعتبار سے اس مصدر (یعنی اسم) پر مشتمل نہیں ہو گا بلکہ وہ فعل اس اسم پر واقع ہو گا جیسا کہ فعل متعدی مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے پس اس اعتبار سے وہ تعریف سے خارج ہو گیا اور تعریف محدود پر منطبق ہو گئی یعنی اپنے افراد کو جامع ہو گئی اور دخول غیر سے مانع واللہ اعلم

كونُهابحيث قامت بفاعل الفعل المذكور واشتُقّ منها فعلٌ اسند اليه ولاشكّ ان معنى الفعل مشتملٌ عليها حينئذٍ وثانيهما كونُهابحيث وقع عليها فعلُ الكراهة فاذا ذُكرت بعدَ الفعل بالاعتبار الاولِ كمافى قولك كرِهت كراهةً فهومفعولٌ مطلقٌ واذا ذُكرت بعدَه بالاعتبار الثانى كما فى قولك كرِهتُ كراهتى فهو مفعول به لامفعولٌ مطلقٌ اذليس ذلك الفعلُ مشتملاً عليه بهذا الاعتبار بل هو واقعٌ عليه وقوعَ الفعل على المفعول به فخرج بهذا الاعتبار عن الحد وانطبق الحدُّ على المحدودِ جامعاومانعا وَقَدْ يَكُوْنُ الْمفعولُ المطلقُ لِلتَّاكِيْدِ ان لم يكن فى مفهومه زيادةٌ على مايفهمُ من الفعل وَالنَّوْعِ ان دلّ على بعض انواعه وَالْعَدَدِ ان دلّ على عدده نحْوُ جَلَسْتُ جُلُوْسًا للتاكيد وَجِلْسَةً بكسر الجيم للنوع وَجَلْسَةً بفتحها للعدد فَالْاَوَّلُ اى الذى للتاكيد لَايُثَنّٰى وَلَا يُجْمَعُ لانه دال على الماهية المعراة عن الدلالة

کے لئے دو اعتبار ہیں ایک تو کراہتہ کا اس طرح ہونا ہے کہ وہ فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہوئی اور اس سے فعل مشتق کیا گیا جو فاعل کی طرف منسوب کیا گیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت فعل کا معنی کراہتہ پر مشتمل ہے اور دوسرا کراہتہ اس طرح ہونا ہے کہ اس پر کراہتہ کا فعل واقع ہوا پس جب اعتبارِ اول سے فعل کے بعد کراہتہ کا ذکر کیا جائے جیسا کہ تمہارے کرِہتُ کراہتہ میں ہے تو کراہتہ مفعول مطلق ہے اور جب کراہتہ کا فعل کے بعد دوسرے اعتبار سے ذکر کیا جائے جیسا کہ تمہارے قول کرہت کراھتی میں ہے تو وہ مفعول بہ ہے مفعول مطلق نہیں ہے کیونکہ اس اعتبار سے وہ فعل اس پر مشتمل نہیں بلکہ اس پر واقع ہے جیسا کہ فعل مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے پس اس اعتبار سے کرہت کراھتی مفعول کی تعریف سے خارج ہوا اور تعریف اپنے معرَّف پر جامع اور مانع ہو کر منطبق ہو گئی ((اور کبھی ہوتا ہے)) مفعول مطلق ((تاکید کے لئے)) اگر اس کے مفہوم میں اس (مفہوم) پر کوئی زیادتی نہ ہو جو (مفہوم) فعل سے سمجھا جا رہا ہے (بلکہ دونوں مفہوم متحد ہوں کہ مؤکِّد کے لئے ضروری ہے کہ وہ مؤکَّد کا عین ہو) ((اور نوع کے لئے)) اگر وہ (مفعول مطلق) فعل کے (مفہوم اور اس کے) بعض انواع (واقسام) پر دلالت کرے ((اور عدد کے لئے)) اگر (مفعول مطلق) فعل کے (مفہوم اور اس کے) عدد پر دلالت کرے ((جیسے جلست جلوسا)) تاکید کے لئے ((اور جلسۃ)) جیم کی کسرہ سے نوع کے لئے ((اور جلسۃ)) جیم کی فتح سے عدد کے لئے ((پس اول)) یعنی جو کہ تاکید کے لئے ہے ((تثنیہ نہیں کیا جاتا اور نہ جمع بنایا جاتا ہے)) کیونکہ وہ ایسی ماہیت پر دلالت کرتا ہے جو کہ تعدد پر دلالت کرنے سے عاری ہے اور

۵۷ قولہ وقد یکون الخ اب مصنف رحمۃ اللہ مفعول مطلق کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تقسیم کو شروع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مفعول مطلق کبھی تاکید فعل کے لئے آتا ہے یعنی جو معنے کہ فعل سے مستفاد ہوتے ہیں ان سے زائد پر دلالت نہ کرے بلکہ مفعول مطلق صرف معنی مستفاد عن الفعل بتائے تو یہ تاکید کے لئے ہوتا ہے جیسے ضربتُ ضرباً اور اگر بعض انواع فعل پر دلالت کرے تو نوع کے لئے ہے اور اگر عدد بتلائے تو عدد کے لئے یعنی جو کچھ فعل سے مستفاد ہوتا ہے اس کو بتلانے کے ساتھ ساتھ نوع یا عدد پر بھی دلالت کرے اور اگر صرف نوع یا عدد تو بتائے لیکن جو فعل کا مفہوم ہے اس پر دلالت نہ کرے تو یہ تعریف مفعول مطلق سے خارج ہو جائیگا تاکید کی مثال جیسے جلستُ جلوساً اس میں مفہوم مستفاد عن الفعل پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو رہی لہذا یہ تاکید کے لئے ہے اور جلستُ جِلسۃ بکسر الجیم یہ اپنے مفہوم مستفاد کے ساتھ ساتھ نوع کو بھی بیان کر رہا ہے یعنی بیٹھا میں ایک قسم کا بیٹھنا مثلاً جلستُ جلسۃ القاری لہذا یہ نوع کے لئے ہوگا اور جلستُ جَلسۃ بفتح الجیم عدد پر دلالت کر رہا ہے اپنے مفہوم مستفاد کے ساتھ لہذا یہ بیان عدد کے لئے ہے اس لئے کہ جَلسۃ ایک مرتبہ بیٹھنے کو کہتے ہیں (فائدہ) فَعلۃٌ کا وزن بیان عدد کے لئے آتا ہے اور فِعلۃٌ کا بیان نوع کے لئے ذکر فی فن الصرف واللہ اعلم ۱۲

۵۸ قولہ فالاول الخ یعنی جو مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو وہ تثنیہ اور جمع نہیں لایا جاتا بلکہ ایک ہی حالت یعنی افراد پر رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکید ایسی ماہیۃ پر دلالت کرتی ہے جو دلالت علی التعدد وغیرہ سے خالی ہو ورنہ اگر اس کو تثنیہ و جمع لایا جائے تو اس کے مفہوم میں فعل کے مفہوم پر زیادتی لازم آتی ہے اور پھر اس سے تاکید کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا لہذا تاکید کی صورت میں مفعول مطلق کا افراد پر باقی

علی التعدد والتثنیةُ والجمعُ یستلزمان التعددَ فلا یقال جلست جُلوسین اوجلوساتٍ الا۹ اذا قُصِدَ به النوعُ اوالعددُ بخلافِ اَخَوَیْهِ اللذَیْنِ هما للنوع والعددِ نحو جلست جِلستَین وجَلساتٍ بکسر الجیم اوفتحها وَ قَدْ۱۰ یَکُوْنُ المفعول المطلق بِغَیْرِ لَفْظِہٖ ای مغایر اللفظ فعلہٖ اما بحسب المادة نَحْوُ قَعَدْتُ جُلُوْسًا واما بحسب الباب نحو اَنْبَتَهُ اللّٰهُ نَبَاتًا وسیبویه۱۰ یقدر لہ عاملاً من بابه ای قعدت وجلست جلوسًا و انبته الله فنبت نباتا وَقَدْ۱۱ یُحْذَفُ الْفِعْلُ الناصب للمفعول المطلق

تثنیہ وجمع تعدد کو مستلزم ہیں لہذا جلست جلوسین اور جلوسات نہیں کہا جا سکتا مگر اسوقت (کہا جا سکتا ہے) جبکہ اس (مفعول مطلق) سے نوع یا عدد کا قصد کیا جائے (کہ اب وہ ماھیت پر نہیں نوع یا عدد یعنی تثنیہ یا جمع ہونے پر دلالت کرے گا) (اس کے دو بھائیوں کے برعکس)) جو کہ وہ دونول (ان میں سے ایک) نوع اور (دوسرا) عدد کے لئے ہیں جیسے جلست جلستین (تثنیہ یعنی دو نشستہائے مختلفہ) یا (جلست) جلسات جیم کی کسرہ یا اس کی فتحہ کے ساتھ (جمع یعنی نشستہائے متعدد) ((اور کبھی ہوتا ہے)) مفعول مطلق ((اس کے لفظ کے غیر سے)) یعنی اپنے فعل کے لحاظ سے مغایر (و مختلف) ہو مادہ کے اعتبار سے (مختلف ہو) جیسے قعدت جلوسا اور یا باب کے اعتبار سے جیسے انبتہ اللہ نباتا اور سیبویہ اس (مفعول مطلق) کے لئے عامل کو اس کے باب سے مقدر کرتے ہیں یعنی قعدت وجلست جلوسا وانبتہ اللہ فنبت نباتا ((اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فعل)) مفعول مطلق کو نصب دینے والا (قیام

رہنا ضروری ہے بخلاف تثنیہ اور جمع کے کہ یہ دونوں ماہیت مقیدہ بالتعدد پر دلالت کرتے ہیں اور دونوں کو تعدد مستلزم ہے پس جلستُ جلوسین یا جلستُ جلوسات نہیں کہا جا سکتا مگر جبکہ اس کے ساتھ نوع یا عدد کا قصد کیا جائے تو تثنیہ وجمع لایا جا سکتا ہے پس جب نوع واحد یا عدد واحد کا ارادہ کیا جائیگا تو مفعول مطلق مفرد لایا جائیگا اور جب نوعین یا انواع، عددین یا اعداد مقصود ہوں گے تو مفعول مطلق بھی تثنیہ یا جمع لایا جائیگا کیونکہ مفرد تثنیہ یا جمع پر دلالت نہیں کر سکتا اسی کو مصنف بخلاف اخویہ سے بیان کر رہے ہیں یعنی بخلاف تاکید دونوں نظیر وں کے یعنی نوع وعدد کے کہ یہ تثنیہ وجمع لائے لائے جا سکتے ہیں جیسے جلستُ جلستین جَلستین جِلساتٍ وجلسات بکسر الجیم للنوع وبفتحہا للعدد (فائدہ) مفعول مطلق کے ان تینوں قسموں میں منحصر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مفعول مطلق دو حال سے خالی نہیں اس کے مفہوم میں مفہوم پر زیادتی ہوگی یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو تاکید کے لئے ہے اور اگر زیادتی ہوگی تو پھر دو حال سے خالی نہیں اس سے انواع کا قصد کیا جائیگا یا اعداد کا اگر انواع مقصود ہوں تو نوع کے لئے ورنہ بصورت اعداد عدد کے لئے واللہ اعلم ۱۲

۹ قولہ قد یکون الخ کبھی مفعول مطلق بغیر لفظہ کبھی آتا ہے یعنی اپنے فعل کے لفظ کے مغایر کہ فعل کے الفاظ کچھ اور ہیں اور مفعول مطلق کے کچھ اور اس کی متعدد صورتیں ہیں یا یہ مغایرت باعتبار مادہ کے ہوگی جیسے قعدتُ جلوسًا کہ دونوں کا مادہ مختلف ہے یا باعتبار باب کے جیسے انبتہ اللہ نباتا کہ اس میں انبت باب افعال سے ہے اور نباتًا باب نصر سے یا باب اور مادہ دونوں کے اعتبار سے جیسے فاوجس فی نفسہ خیفةً موسیٰ کہ اس میں اوجس اور خیفةً کا مادہ بھی مختلف ہے اور باب مغایر بھی کہ فعل کا افعال ہے اور مفعول مطلق کا جمع ایجاس کے معنی ہیں دل میں خوف ڈالنا مگر ان تمام مغایرتوں کے باوجود یہ ضروری ہے کہ مفعول مطلق معنے کے اعتبار سے کبھی اپنے فعل کے مغایر نہیں ہوگا ورنہ اس کا مفعول مطلق ہونا صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ ضربتُ تادیبًا کے ضمن میں گذرا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۰ قولہ وسیبویہ الخ سیبویہ کہتے ہیں کہ جس طرح مفعول مطلق اور اس کے فعل میں باعتبار معنے کے اتحاد ضروری ہے اسی طرح باعتبار الفاظ کے موافقت لابدی ہے اور وہ قعدت جلوسًا وغیرہ امثلہ میں اسی باب کا عامل مقدر مانتے ہیں یعنی قعدت جلوسًا میں قعدت وجلستُ جلوسًا اور انبتہ اللہ نباتًا میں انبتہ اللہ فنبت نباتا کے قائل ہیں بخلاف مازنی مبرد وغیرہ کے کہ یہ فعل ظاہر ہی کی وجہ سے مفعول مطلق کو منصوب قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تقدیر کی اس وقت ضرورت پیش آتی ہے جبکہ اس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو اور یہاں قعدت اور انبت کے ہوتے ہوئے تقدیر عبارت کی کوئی حاجت نہیں (فائدہ) قعدتُ جلوسًا والی مثال اس وقت درست ہو سکتی ہے جبکہ دونوں کے معنی محض بیٹھنے کے لئے جائیں لیکن جبکہ قعود کے معنے لیٹنے کی حالت سے بیٹھنے کے اور جلوس کے معنے حالت قیام سے بیٹھنے کے لئے جائیں تو اس صورت میں جلوسًا کو قعدتُ کا مفعول مطلق بنانا درست نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے مغایرت پیدا ہوگئی اور یہ مفہوم مفعول مطلق کے خلاف ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۱ قولہ وقد یحذف الفعل الخ کبھی مفعول مطلق کے فعل ناصب کو جب کوئی قرینہ اس کے حذف پر قائم ہو جائے تو حذف کر دیتے ہیں مگر یہ

لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوَازًا كَقَوْلِكَ لِمَنْ قَدِمَ من سفره خَيْرَ مَقْدَمٍ اى قدمت قدوماً خير مقدم فخير اسم تفضيل ومصدرية باعتبار الموصوف او المضاف اليه لان اسم التفضيل له حكم ما اضيف اليه[۱۲] وَوُجُوبًا اى حذفا واجبا سَمَاعًا اى سماعيا موقوفا على السماع لا قاعدة له يعرف بها مِثْلُ سَقْيًا اى سقاك الله سقيا وَرَعْيًا اى رعاك الله رعيا وَخَيْبَةً اى خاب خيبة من خاب الرجل خيبةً اذا لم ينل ما طلب وَجَدْعًا اى جدع جدعا والجدع قطع الانف والاذن والشفة واليد وَحَمْدًا اى حمدت حمدا وَشُكْرًا اى شكرت شكرا وَعَجَبًا اى

قرینے کے وقت جوازاً جیسے تمہارا قول ہے اس شخص کے لئے جو آئے)) اپنے سفر سے ((خیر مقدم)) یعنی قدمت قدوماً خیر مقدم تو "خیر" اسم تفضیل (اخیر سے مخفف) ہے اور اس کا مصدر (مفعول مطلق) ہونا (اپنے) موصوف کے اعتبار سے ہے (کہ صفت موصوف کا عین ہے جبکہ اس کے ساتھ قائم ہو) یا مضاف الیہ کے اعتبار سے کیونکہ اسم تفضیل کے لئے اسی کا حکم ہے جس کی طرف (اسم تفضیل) مضاف ہو (کیونکہ مضاف الیہ اس کے لئے متمم ہے) ((اور وجوبا)) یعنی حذفِ واجب ((سماعی)) یعنی سماعی سماع پر موقوف جس کے لئے کوئی قاعدہ نہیں جس سے اسے معلوم کیا جائے ((جیسے سقیا)) یعنی سقاک اللہ سقیا ((اور رعیا)) یعنی رعاک اللہ رعیا ((اور خیبۃً)) یعنی خاب خیبۃ (یہ) خاب الرجل خیبۃً سے ماخوذ (ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے) جبکہ کوئی شخص اپنے مطلوب کو نہ پائے ((اور جدعا)) یعنی جدع جدعا اور جدع (کا معنی) ناک اور کان اور ہونٹ اور ہاتھ کا کاٹنا ہے ((اور حمدا)) یعنی حمدت حمدا ((اور شکرا)) یعنی شکرت شکرا ((اور عجبا)) یعنی عجبت عجبا (از باب ضرب) پس حال یہ ہے کہ کلام عرب میں ان افعال کا استعمال کہ جو ان مصادر میں عمل کرتے ہیں نہیں پایا اور وجوب الحذف سماعا کا یہی معنی ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اہل عرب نے حمدت اللہ حمدا اور شکرتہ شکرا اور عجبت عجبا کہا ہے تو بعض نے

حذف جائز ہے واجب نہیں جیسے کوئی شخص سفر سے واپس آئے تو اس کو دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں خیر مقدم یعنی قدمت قدوماً خیر مقدم کے بجائے صرف خیر مقدم پر اکتفا کر لیتے ہیں کیونکہ یہاں مسافر کا آنا ہی اس کے حذف پر بصراحت دلالت کر رہا ہے پس اول قدمت کو جو کہ مفعول مطلق کا ناصب ہے بقرینہ حال مخاطب حذف کیا گیا اور پھر قدوماً کو بھی حذف کر کے اس کی صفت کو قائم مقام کر دیا گیا اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیرٌ اسم

تفضیل ہے اصل میں اخیر تھا کثرت استعمال کے باعث الف کو خلاف قیاس حذف کر دیا گیا پس جب خیر اسم تفضیل ہے تو اس کو مفعول مطلق بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے اس کا جواب شارح مختصرؒ اسم تفضیل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ خیر اسم تفضیل ہے یہ درست ہے مگر اس کی مصدریت کی دو صورتیں ہیں باعتبار موصوف کے ہو گی یا باعتبار مضاف الیہ کے یعنی اگر موصوف محذوف قدوماً کی صفت واقع ہونے کا اس میں لحاظ کیا جاتا ہے تو چونکہ قدوماً مصدر ہے

لہذا اس کا اثر صفت میں بھی جاری و ساری ہوگا کیونکہ صفت موصوف بمنزلہ شئے واحد کے ہوتے ہیں اور اسی طرح سماعاً سماعیاً کے معنی میں ہو کر مفعول مطلق ہے حذفاً کی صفت ثانیہ ہو کر اس توجیہ کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ اگر وجوباً اور سماعاً کو اپنی حالت پر برقرار رکھا جاتا تو صفت کا حمل موصوف پر درست نہ ہوتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوتے کہ کبھی فعل حذف کر دیا جاتا تو ایسا حذف ہو کہ وجوب اور سماع ہے حالانکہ وجوب اور سماع حذف نہیں ہوتے پس اس توجیہ سے معلوم ہو گیا کہ حذف ایسا ہو گا جو واجب اور سماعی ہو مفعول مطلق کے اگر اس میں مقدم مصدر میمی کی طرف اضافت کا اعتبار کرتے ہیں تو جو حکم مضاف الیہ کا ہو گا وہی اسم تفضیل کا بھی ہو گا کیونکہ اسم تفضیل جب کسی شئے کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے تو وہ بعض مضاف الیہ اور اس کے افراد میں سے ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مقدم مصدر ہے پس خیر بھی مصدر کے حکم میں ہو گیا اور ماحصل یہ ہوا کہ اسم تفضیل جب کسی چیز کی صفت یا چیز کی طرف مضاف ہو تو اس کے موصوف اور اس کے مضاف الیہ کی پیروی کرتے ہیں یعنی اس کے معنے موصوف اور معنے مضاف الیہ کی طرف منقلب ہو جاتے ہیں پس خیر کا مفعول مطلق بننا درست ہو گیا واللہ اعلم ۱۲

۱۲ قولہ ووجوباً الخ اس کا عطف جوازاً پر ہے اور واجباً کے معنی میں ہو کر مفعول مطلق ہے یعنی حذفاً کی صفت ہے ای یحذف حذفاً واجباً وجوباً حذف کرنے کی دو صورتیں ہیں حذف کے لئے کوئی قاعدہ مقرر ہو گا یا نہیں اگر کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے تو سماعی ہے ورنہ قیاسی حذف سماعی کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عرب سے چند مخصوص امثلہ میں حذف سنا گیا ہے عام طور سے ان جیسی امثلہ میں حذف نہیں سنا گیا اس لئے ان سے کوئی ضابطہ حذف نہیں بنایا گیا تاکہ ہر متکلم اپنے کلام میں جو اس مثال کے مانند ہو حذف کر کے بولے جیسے سقیاً سقاک اللہ سقیاً کی جگہ بحذف فعل بولتے ہیں یعنی سیراب کرے تجھ کو اللہ تعالی سیراب کرنا یعنی تجھ کو اللہ

عجبت عجبًا فانه[۱۳] لم یوجد فی کلامهم استعمال الافعال العاملة فی هذه المصادر وهذا معنی وجوب الحذف سماعًا قیل[۱۴] علیه قد قالوا حمدت الله حمدًا وشکرته شکرًا وعجبت عجبًا فاجاب بعضهم بان ذلک لیس من کلام الفصحاء وبعضهم بان وجوب الحذف انما هو فی ما استعمل باللام نحو حمدًا له وشکرا له وعجبا له وقد[۱۵] یحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق حذفًا واجبًا وَقِیَاسًا ای حذفا قیاسیًا یعلم له ضابط کلی یحذف معه الفعل

جواب دیا ہے کہ یہ (عوامل کا استعمال) کلام فصحاء سے نہیں ہے اور بعض نے یہ (جواب دیا ہے) کہ (عوامل کا) وجوب حذف اسی (مفعول مطلق) میں ہے جو لام کے ساتھ استعمال ہو جیسے حمدا لہ اور شکرا لہ اور عجبا لہ ((اور)) کبھی مفعول مطلق کے نصب دینے والے فعل کو واجبًا حذف کیا جاتا ہے ((قیاسا)) یعنی حذف قیاسی کے طور پر اس کا ایک قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے جس کے ہمراہ فعل کو لازما حذف

تعالیٰ اچھی جزا دے اور [stamp] رعیًا کی جگہ صرف رعیًا کہتے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ [stamp] حفاظت کرنا اور خاب زید خیبۃً کی جگہ صرف خیبۃ کہا جاتا ہے خیبۃ ماخوذ ہے خاب الرجل خیبۃً سے جس کے معنی ہیں ناامید ہونا یعنی یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ کوئی شخص اپنے مطلوب کو پانے میں ناکام رہے جدعًا بددعائیہ کلمہ ہے جدع لغت میں ناک کان لب اور ہاتھ کے کاٹنے کو کہتے ہیں یہ کلمہ جدعک اللہ جدعًا کی بجائے اس وقت بولتے ہیں جب کسی سے ناراضگی ہو اور اس کو بددعا دینی مقصود ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تجھ کو اللہ تعالےٰ ذلیل و رسوا کرے بہت زیادہ۔ حمدًا حمدتُ حمدًا کی جگہ پر بولا جاتا ہے اور شکرًا شکرت شکرًا کی جگہ پر اور عجبًا عجبتُ عجبًا کے موقعہ پر ان مفاعیل مطلق کو ہر شکلم بحذف فعل بدل سکتا ہے لیکن ضرب ضربًا کو اس پر قیاس کر کے صرف ضربًا نہیں بدل سکتا کیونکہ عرب سے یہ مسموع نہیں ہے۔

۱۳ قولہ فانہ لم یوجد الخ یہاں سے شارح علیہ الرحمۃ اس امثلہ میں وجوب حذف فعل کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ان میں وجوب حذف فعل کی دلیل یہ ہے کہ کلام عرب میں ان مصادر کا استعمال افعال عاملہ سقا۔ رعا وغیرہ کے ساتھ نہیں دیکھا گیا پس ان افعال کے استعمال کا عدم وجدان ہی انکے وجوب حذف کی دلیل ہے یہی معنی ہیں وجوب حذف سماعی کے ورنہ اگر اہل عرب سے ان کا استعمال افعال عاملہ کے ساتھ سن لیا جاتا تو پھر یہ حذف واجب نہ رہتا اور اگر اس کو واجب ہی قرار دیا جاتا تو اس کے لیے محض سماع کافی نہیں تھا بلکہ علیحدہ دلیل بیان کرنا ضروری ہوجاتا جیسا کہ قیاسًا کی صورت میں دلیل بیان کی گئی ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۴ قولہ قیل علیہ الخ اس سے شارح اوپر کے بیان کردہ مسئلہ پہ ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا درست نہیں کہ ان مصادر کا استعمال افعال عاملہ کے ساتھ کلام عرب میں پایا نہیں جاتا حالانکہ حمدت اللہ حمدًا شکرتہ، شکرًا اور عجبت عجبا استعمال کیا جاتا ہے لہذا سماع اہل عرب اور عدم وجدان استعمال کو افعال عاملہ کے ساتھ دلیل قرار دینا وجوب حذف کے لیے صحیح نہیں پس اس کا جواب بعض نحاۃ نے تو یہ دیا کہ ان مصادر کے عوامل کا ذکر کرنا کلام فصحاء سے نہیں بلکہ بعد کے لوگوں کا کلام ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ وجوب حذف عام نہیں بلکہ خاص ہے یعنی اگر ان مصادر کا استعمال لام کے ساتھ کیا جائے جیسے حمدًا لہ وشکرًا لہ وعجبًا لہ تو حذف فعل ناصب واجب ہے لیکن اگر ان کا استعمال بغیر لام کے ہو تو حذف فعل ناصب واجب نہیں اور اس وجوب پر دلیل یہ ہے کہ جب ان مصادر کو لام کے ساتھ استعمال کریں گے تو کلام طویل ہو جائیگا اس لیے تخفیف کی ضرورت پیش آئے گی اور جب اس کا استعمال بغیر لام کے ہوگا تو چونکہ کچھ طوالت ہی کلام میں پیدا نہیں ہوگی اس لئے فعل کا حذف جائز ہوگا واجب نہیں اور جی چاہے تو فعل کو ذکر بھی کر سکتے ہیں جیسے حمدتُ حمدًا لیکن یہ جواب مصنف کی عبارت کے مناسب نہیں چونکہ مصنف کی بیان کردہ امثلہ میں مصادر کا استعمال لام کے ساتھ نہیں ہے اور مصنف نے مطلقًا یہ امثلہ بیان کی ہیں لہذا یہ جواب درست نہیں یعنی استعمال باللام کا ورنہ لازم آئے گا کہ مصنف نے غلط بیان کیا واللہ اعلم ۱۲

۱۵ قولہ وقد یحذف الخ اس تمام عبارت کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ قیاسًا کا عطف سماعًا پر ہے اور سماعًا حذفًا موصوف محذوف کی صفت ثانیہ ہے پس قیاسًا بھی عطف کی بنا پر حذفًا موصوف کی صفت ثانیہ بن کر یحذف کا مفعول مطلق بنے گا اور الناصب للمفعول المطلق کا اضافہ شارح نے پہلے بھی کیا ہے اور یہاں بھی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مفعول مطلق کی بحث ہو رہی ہے نہ کہ حذف فعل کی لہذا اشتغال بمالایعنی لازم آتا ہے تو اس اضافہ سے یہ شبہ دور ہوگیا کیونکہ اگرچہ یہاں حذف فعل کا ذکر ہے مگر چونکہ اس حذف فعل کا تعلق ناصب ہونے کی حیثیت سے مفعول مطلق کے ساتھ ہے اس لئے اس کو ذکر کرنا ضروری ہوا اور ای حذفًا قیاسیًا الخ کے اضافہ سے یہ امر واضح کردیا کہ دونوں صورتیں سماعی اور قیاسی کی ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں یعنی سماعی کی صورت میں کوئی دلیل وجوب حذف پر سوائے عدم وجدان استعمال کے پائی نہیں جاتی اور قیاسی کی صورت میں دلیل موجود ہونی ضروری ہے

HYDERABAD

لزوماً فی مَوَاضِعَ متعددة مِنْهَا ای من هذه المواضع موضع مَا وَقَعَ ای مفعول مطلق وقع مُثْبَتًا ارید اثباته لا نفیه فانه لو ارید نفیه نحو ما زید یسیر سیرًا لم یجب حذفه بَعْدَ نَفْیٍ داخل علی اسم لا یکون المفعول المطلق خبرًا عنه اَوْ بعد مَعْنٰی نَفْیٍ دَاخِلٍ عَلٰی اِسْمٍ لَا یَکُوْنُ المفعول المطلق خَبَرًا عَنْهُ ای عن ذلك الاسم وانما قال علی اسم لانه لو دخل علی فعل نحو ما سرت الا سیرا او انما سرت سیرًا لا یکون منه وانما وَصَفَ الاسمَ بان یکونَ لا المفعولُ المطلق خبرا عنه لانه لو

کیا جاتا ہے ((مواضع)) متعددہ ((میں ان میں سے)) یعنی ان مواضع میں سے ایک ((وہ)) موضع ((مقام)) (ہے کہ واقع ہو)) یعنی مفعول مطلق ((مثبت)) واقع ہو (یعنی) اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو نہ کہ نفی کا کیونکہ اگر اس کی نفی کا ارادہ کیا گیا ہو جیسے ما زید یسیر سیرا تو اس کا حذف واجب نہ ہوگا ((نفی کے بعد)) جو ایسے اسم پر داخل ہوئی ہو کہ مفعول مطلق اس (اسم) کی خبر نہ ہو سکتا ہو (جبکہ اس اسم کو مبتداء اور مفعول مطلق کو اس کی خبر بنایا جائے تو یہ اس کی خبر نہ بن سکے) ((یا)) بعد ((معنیٔ نفی کے جو ایسے اسم پر داخل ہو کہ نہ ہو سکے وہ)) یعنی مفعول مطلق ((اس کی خبر)) یعنی اس اسم کی اور مصنف نے جو کہا کہ وہ نفی یا معنیٔ نفی ایسے اسم پر داخل ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ نفی یا معنی نفی فعل پر داخل ہو جیسے ما سرت الا سیرا اور انما سرت سیرا (یہاں حرف ما برائے نفی اور انما جو نفی کے معنے دیتا ہے فعل پر داخل ہیں) تو یہ (مثال) اس (زیر بحث قاعدے کہ جہاں مفعول مطلق کے ناصب کو جوازا یا وجوبا حذف کیا جاتا ہے) سے نہ ہوتی اور مصنف نے اس اسم کی (جو کہ نفی یا معنیٔ نفی کے بعد واقع ہو) اس طرح وصف بیان کی کہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ بن سکے کیونکہ اگر مفعول مطلق اس کی خبر بن سکے

یعنی اس کے لئے ایک ضابطہ کلی وضع کیا جائے گا جو اس کی جزئیات پر منطبق ہوگا اور پھر اس ضابطہ کلی کی وجہ سے فعل کو حذف کیا جائیگا پس اس کے لئے بہت سے مواضع ہیں شارح کی شرح متعددۃ سے اسی کثرت پر اشارہ ہو رہا ہے مگر مصنف نے صرف مشہور مواضع پر اکتفا کیا واللہ اعلم۔

۱۶ قولہ منہا الخ اوپر کہا جا چکا ہے کہ مصنف نے تمام مواضع بیان نہیں کئے بلکہ صرف بعض مشہور پر اکتفا کیا ہے اس لئے من تبعیضیہ کے ساتھ منہا کہا یعنی بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کا حذف کرنا واجب ہے ایک وہ جگہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق نفی یا

معنے نفی کے بعد مثبت واقع ہوا اور وہ نفی یا معنے نفی ایسے اسم پر داخل ہوں کہ اس سے یہ مفعول مطلق خبر نہ بن سکتا ہو اس جگہ شارح نے ما وقع سے پہلے موضع مضاف مقدر نکال کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر یہ مضاف مقدر نہ ہوگا تو مفعول مطلق کا بعض مواضع پر حمل لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے پس جب موضع کا اضافہ ہو گیا تو بعض مواضع کا بعض پر حمل درست ہو گیا اور مثبت کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر مفعول مطلق مثبت نہ ہو منفی ہو تو ارادۂ نفی کے وقت ناصب مفعول مطلق کا حذف واجب نہ ہوگا جیسے ما زید یسیر سیرا میں اس لئے کہ اس صورت

میں وہ حصر مفقود ہو جاتا ہے جس کے مقدر بر فعل ناصب کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ نفی چاہتی ہے منفی کو اور سیرا میں منفی ہونے کی صلاحیت موجود ہے اس لئے کہ حرف نفی یعنی ما اس میں عامل ہو رہا ہے کیونکہ یسیر ما مشبہ بلیس کی خبر ہے اور پھر نفی کا معمول بننے کے بعد مطلق کو یسیر نصب بھی دے رہا ہے اس لئے وہ نفی مفعول مطلق میں بھی سرایت کرے گی پس حصر فوت ہو گیا لہذا تقدیر عامل نصب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ رہی یہ بات کہ نفی اور معنے نفی کے دخول کو اسم پر کس لئے مشروط کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نفی یا معنے نفی اسم پر داخل نہ ہوں فعل پر داخل ہوں گے تو فعل کا حذف واجب نہ ہوگا جیسے ما سرت الا سیرا و انما سرت اس لئے کہ اس صورت میں فعل مذکور ہی محذوف نہیں اور جب فعل مذکور ہے تو یہ حذف فعل کے قبیل سے نہیں لہذا یہ ما نحن فیہ سے خارج ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسم کو اس وصف کے ساتھ متصف کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ ہو سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ما سیری الا سیرٌ شدیدٌ کو خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ اگر مفعول مطلق اس اسم سے خبر واقع ہو سکے تو یہ بنا بر مفعول مطلق ہونے کے منصوب نہیں ہوگا بلکہ خبریت کی بنا پر مرفوع ہو جائیگا کیونکہ اس جگہ خبر بننے کا قرینہ زیادہ ہوگا اس لئے کہ سیر کی صفت شدید لائی گئی ہے ورنہ اگر صرف ما سیری الا سیر کہا جاتا تو سیرٌ میں خبریت کا احتمال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا اور سیرٌ کو مرفوع بھی نہ پڑھا جاتا لہذا یہ مفعول مطلق ہو جاتا اور یہ خبریت کا ذکر اس وجہ سے کرنا پڑا کہ جب کسی کلمہ کا اعراب مثلاً نصب متعین ہوتا ہے تو اس اعراب کے خلاف بھی دوسرا اعراب اس پر پڑھ لیتے ہیں جیسا کہ اسی صورت میں کیونکہ کبھی مفعول بھی مرفوع ہو جاتا ہے اپنا اعراب نصب متعین ہونے کے باوجود پس ما سیری الا سیرٌ شدیدٌ میں دونوں احتمال تھے مگر احتمال خبریت راجح تھا اس لئے اس کو مفعول مطلق سے خارج کرنا پڑا واللہ اعلم۔

كان خبراعنه نحو ما سيرى الاسير شديد لكان مرفوعا على الخبرية
اَوْ وَقَعَ المفعولُ المطلق مُكَرَّرًا اى فى موضع الخبر عن اسم لا يصح
وقوعه خبرًا عنه فلا يرد نحو دُكَّتِ الارضُ دَكًّا دَكًّا وانما جمع بين
الضابطتين لاشتراكهما فى الوقوع بعد اسم لا يكون خبرا عنه نحو ما
اَنْتَ اِلَّا سَيْرًا اى تسير سيرًا وَمَا اَنْتَ اِلَّا سَيْرَ الْبَرِيْدِ اى تسير سير
البريد هذان مثالان لِمَا وقع مُثْبَتًا بعد نفى وانما اورد مثالين تنبيهًا

جیسے ما سیری الاسیر شدید (کہ یہاں سیر شدید کا سیری پر حمل صحیح ہے) تو مفعول مطلق خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہوگا (پھر مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب نہوگا) ((یا واقع ہو)) مفعول مطلق ((مکرر)) یعنی ایسے اسم کی خبر کی جگہ میں (مکرر واقع) ہو کہ اس مفعول مطلق کا اس اسم کی خبر واقع ہونا صحیح نہ ہو (جبکہ وہ اسم خبر کا طالب ہو) لہذا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا کی مانند کا اعتراض واقع نہ ہوگا (کیونکہ یہاں مفعول مطلق ایسے اسم کی خبر کی جگہ واقع نہیں ہوا جو کہ خبر کا تقاضا کرتا ہو مگر یہ کہ وہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ ہو سکے بلکہ یہاں مفعول مطلق اپنے محل میں واقع ہوا ہے) اور مصنف نے دونوں ضابطوں کو جمع کیا (اور ومنہا ما وقع کہہ کر دونوں کو الگ الگ بیان نہ کیا) اس لئے کہ دونوں ضابطے اسبات میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق ایک ایسے اسم کے بعد واقع ہو کہ (وہ اسم خبر کا طلبگار ہو مگر وہ) مفعول مطلق اس کی خبر نہ ہو سکے ((جیسے ما انت الا سیرا)) یعنی تسیر سیرا ((اور ما انت الا سیر البرید)) یعنی تسیر سیر البرید) یعنی تسیر سیر البرید یہ دونوں مثالیں اس مفعول مطلق کی ہیں جو نفی کے بعد مثبت واقع ہو اور

واقع ہے مگر اس اسم سابق سے خبر کے موضع میں نہیں اسلئے کہ اسم سابق الارض ہے اور یہ دکت کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے مبتدا نہیں کہ خبر کا مقتضی ہو اور اقتضاء خبر کے باوجود وہ خبر نہ بن سکے ہیں یہاں جب وجوب حذف کی شرط نہیں پائی گئی تو فعل کو لامحالہ ذکر کرنا پڑا الا ان اذا فات الشرط فات المشروط باقی رہا یہ امر کہ ان دونوں موضعوں میں فعل ناصب کے حذف کا باعث کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ موضع اول میں حصر سے اور موضع ثانی میں تکرار سے مراد دوام واستمرار ہے اور فعل حدوث وتجدد پر دلالت کرتا ہے پس اگر فعل کو محذوف نہ مانیں گے تو دوام واستمرار فوت ہو جائیگا اور یہ خلاف مقصود ہے اب رہا یہ سوال کہ مصنف نے دو ضابطوں کو ایک ہی فصل میں کیوں منسلک کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایسے اسم کے

کلہ قولہ او وقع الخ یہ مواقع حذف فعل ناصب وجوبًا میں سے دوسرا موقع ہے کہتے ہیں کہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو تو اس صورت میں بھی فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہوگا اب ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض مواقع میں مفعول مطلق مکرر ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اس کے فعل ناصب کو حذف نہیں کیا جاتا جیسے قولہ تعالی اذا دُكَّتِ الارض دکًّا دکًّا کہ اس میں [illegible] مطلق مکرر ہے مگر ساتھ ہی ساتھ فعل ناصب دکت بھی موجود ہے اس کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب شارح نے ای فی موضع الخبر الخ سے یہ دیا کہ تکرار مفعول مطلق کی صورت میں اس کے فعل ناصب کو حذف کرنے کی شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق اسم کے بعد موضع خبر میں تو واقع ہو مگر وہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر بننے کی صلاحیت نہ رکھے اور آیت مذکورہ میں اگرچہ مفعول مطلق کے بعد مکرر بعد واقع ہونے میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ بن سکے لہذا دونوں کو ایک جگہ بیان کر دیا نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ [illegible] حذف فعل دونوں میں ایک ہی ہے یعنی فائدہ دوام واستمرار اس لئے بھی دونوں کو ایک ہی باب میں

ذکر کر دیا واللہ اعلم۔

۱۸ھ قولہ نحو ما انت الخ ما انت الا سیرًا ای تسیر سیرًا اور ما انت الا سیر البرید ای تسیر سیر البرید دونوں مثالیں ضابطہ اولی کی ہیں یعنی جبکہ مثبت مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو پس مثال مذکور میں سیرًا مفعول مطلق مثبت بعد نفی کے واقع ہے اور وہ نفی ایک ایسے اسم یعنی انت پر داخل ہے کہ سیرًا مفعول مطلق اس سے خبر نہیں بن سکتا اس لئے کہ سیرًا مصدر ہے اور انت ذات اور مصدر کا حمل ذات پر ہوا نہیں کرتا پس یہاں پر قصد دوام واستمرار کے باعث دونوں مثالوں کے تسیر فعل ناصب کو وجوبًا حذف کر دیا گیا اسی کو شارح نے ای تسیر سیرًا سے ظاہر کیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز کے دو مثالیں ذکر کرنے سے فائدہ کیا

ہے جبکہ ایک مثال سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے اس کا جواب شارح وانما اورد مثالین الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جو اسم یعنی مفعول مطلق موقع خبر میں واقع ہو وہ ضابطہ اولی میں نکرہ اور معرفہ کی طرف منقسم ہو جاتا ہے یعنی کبھی مفعول مطلق نکرہ ہوتا ہے جیسا کہ مثال اول میں اور کبھی معرفہ جیسا کہ مثال ثانی میں یا اس امر پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ مثال اول میں ذات مبتدا یعنی مخاطب کے فعل کو بیان کیا گیا ہے اور سیرًا مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے اور مثال ثانی میں اس چیز کو بیان کیا گیا ہے جس کے ساتھ فعل مبتدا کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی مبتدا کو بمنزلہ مشبہ کے قرار دے کر اس کے لئے مشبہ بہ کو ثابت کیا گیا ہے کیونکہ مخاطب کے لئے سیر کا تذکرہ کیا

علیٰ اَنّ الاسم الواقعَ موقعَ الخبرِ ينقسم الی النكرة والمعرفة اوالی ماهو فعلٌ للمبتدأ اوالی مايشبّه به فعلُه اوالی مفردٍ ومضافٍ وَاِنّمَا اَنْتَ سَيْرًا ای تسير سيرًا مثال لما وقع بعد معنی النفی وَزَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا ای يسير سيرًا مثال لما وقع مكررًا وَمِنْهَا ای من المواضع التی يجب حذف الفعل الناصب للمفعول المطلق فيها مَا وَقَعَ ای موضعُ مفعولٍ مطلقٍ وقع تَفْصِيْلًا لِاَثَرِ مَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ والمراد بمضمون الجملة مصدرُها المضافُ الی الفاعل او المفعول وباثره غرضه

مصنف نے دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ہی وارد کی ہیں کہ خبر کی جگہ واقع ہونیوالا اسم نکرہ اور معرفہ کی طرف منقسم ہوتا ہے (جیسا کہ اول اور دوسری مثال میں) یا اس بات کی طرف (منقسم ہوتا ہے) کہ مفعول مطلق مبتدا کا فعل ہے اور اس کی طرف کہ مفعول مطلق مبتداء کے فعل کے مشابہ ہے (جیسا مثال اول میں مفعول مطلق مبتداء کا فعل ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے اور دوسری مثال میں مفعول مطلق مبتداء کے فعل کے مشابہ ہے کہ مبتداء کے فعل کو مفعول مطلق سے تشبیہ دی گئی ہے) یا (مصنف نے دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے وارد کی ہیں کہ خبر کی جگہ واقع ہونیوالا اسم) مفرد (غیر مضاف) اور مضاف کی طرف (منقسم ہوتا ہے) ((اور انما انت سیرا)) یعنی تسیر سیرا یہ اس کی مثال ہے جو معنیٔ نفی کے بعد واقع ہو ((اور زید سیرا سیرا)) یعنی یسیر سیرًا یہ اس (مفعول مطلق) کی مثال ہے جو مکرر واقع ہو ((اور ان مواضع میں سے)) یعنی ان مواضع میں سے کہ جن میں مفعول مطلق کو نصب دینے والے فعل کا حذف واجب ہے ((وہ ہے کہ واقع ہو)) یعنی وہ جگہ ہے کہ مفعول مطلق واقع ہو ((تفصیل جملۂ متقدمہ کے مضمون کے اثر کے لئے)) اور مضمونِ جملہ سے مراد جملہ کا مصدر ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی طرف مضاف ہو اور مضمون کے اثر سے (مراد) اس مضمون کی غرض ہے جو اس مضمون

گیا ہے کہ مطلق سیر کا نہیں بلکہ قاصد کی سیر کا پس اس صورت میں سیرا بریدٍ مفعول مطلق نوع کے لئے ہوگا یا اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس ضابطہ اولیٰ میں مفعول مطلق کو مفرد یعنی بلا اضافت اور باضافت دونوں طریقوں سے لاسکتے ہیں پس مثال اول میں بلا اضافت ہے اور مثال ثانی میں بالاضافت واللہ اعلم ١٢

۱۹ قولہ وانما انت الخ ضابطہ اولیٰ میں مفعول مطلق کے متعلق دو شقیں ہوگئی تھیں ایک یہ کہ مفعول مطلق مثبت بعد نفی کے واقع ہو اور دوسری یہ کہ معنی نفی کے بعد واقع ہے

پس پہلی دو مثالیں شق اول سے متعلق تھیں اور یہ مثال شق ثانی سے متعلق ہے یعنی اس میں مفعول مطلق مثبت معنے نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے کیونکہ انما حرف نہیں ہے بلکہ ما اور الا کے معنی میں ہے اس کی تقدیر عبارت انما انت تسیر سیرًا ہے اس میں سے فعل ناصب کو وجوبًا حذف کردیا گیا واللہ اعلم۔

۲۰ قولہ وزیدٌ الخ یہ اس مفعول مطلق کی مثال ہے جو مکرر واقع ہو رہا ہے اور ضابطہ ثانیہ سے متعلق ہے اس میں مفعول مطلق زیدٌ اسم کے بعد موقع خبر میں واقع ہے لیکن خبر

بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ورنہ وصف کا حمل ذات پر لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے پس اس کی تقدیر عبارت زیدٌ یسیر سیرًا ہے واللہ اعلم ١٢۔

۲۱ قولہ ومنھا الخ یہ تیسرا موضع ہے کہتے ہیں اور بعض ان مواضع میں سے کہ مفعول مطلق کے لئے فعل ناصب کا حذف کرنا ان مواضع میں قیاسًا واجب ہے وہ موضع ہے کہ جس میں مفعول مطلق مضمون جملہ متقدمہ کی غرض اور فائدہ کے بیان کے لئے ہو اور مضمون جملہ سے مصدر مراد ہے جو جملہ سے سمجھ میں آئے ہوئے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو یعنی اگر فائدہ کا مدار فاعل پہ ہے تو اضافت فاعل کی طرف اور مفعول پر اگر مدار فائدہ ہو تو مفعول کی طرف اور مضمون جملہ کے اثر سے اس کی غرض مطلوب اور غایت مراد ہے اور تفصیل اثر سے اثر کی انواع محتملہ کا بیان پس جب سب شرط پائی جاویں گی تو اس جگہ ناصب مفعول مطلق کا حذف کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ اگر اس جگہ اس کو تفصیل کے موقع پہ ذکر کریں گے تو چونکہ وہ اجمال میں مذکور ہے لہذا اس کا ذکر لغو اور باطل ہو جائیگا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ جبکہ ہم کو بصورت اجمال ہماری غرض جو اس سے وابستہ ہے حاصل ہو جاتی ہے تو تفصیل میں پڑنا تطویل لاطائل اور اشتغال بالایعنی ہے لہذا ایسے مواقع پہ شرط مذکورہ بالا کے ساتھ مفعول مطلق کے فعل ناصب کا حذف کرنا واجب ہے۔

فائدہ - جملہ فعلیہ میں مضمون جملہ معلوم کرنے کی صورت تو مذکورہ بالا ہے لیکن اگر جملہ اسمیہ کا مضمون جملہ معلوم کرنا ہو تو اسکی صورت یہ ہے کہ خبر کے مصدر کو مبتدا کی طرف مضاف کردو مضمون جملہ حاصل ہو جائیگا جیسے زیدٌ قائمٌ میں قائمٌ خبر ہے اس کے مصدر قیام کو زید کی طرف (جو کہ مبتدا واقع ہو رہا ہے)

المطلوب منه وبتفصيل الاثر بيانُ انواعه المحتملة ۲۲ مِثْلُ قوله تعالٰی فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ ای بعد شدِ الوثاق وَ اِمَّا فِدَآءً فقوله فشدوا الوثاق جملة مضمونها شدُ الوثاق والغرض المطلوبُ من شد الوثاق اما المنُّ والفداءُ ففصّل اللّٰهُ سُبحانه هذا الغرضَ المطلوبَ بقوله فاما منًّا بعدُ واما فداءً ای اما تَمُنُّونَ مَنًّا بعد الشدّ واما تفدونَ فداءً ۲۳ وَ مِنْهَا ای من تلك المواضع مَا وَقَعَ ای موضعُ مفعولٍ مطلقٍ وقع لِلتَّشْبِيْهِ

سے مطلوب ہو اور (مضمون کے) اثر کی تفصیل سے (مراد) اس (اثر) کے انواع محتملہ کا بیان ہے (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ کا قول (فشدوا الوثاق فامامنا بعد) یعنی شد الوثاق کے بعد (واما فداء ہے) پس قول باری تعالیٰ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ایک جملہ ہے جس کا مضمون شد الوقاق ہے اور شد الوثاق سے غرض مطلوب یا احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً" کے ذریعے اس غرض مطلوب کی تفصیل فرمادی یعنی کفار کو بیڑیاں باندھنے کے بعد یا تو ان پر احسان کرکے انہیں بلا معاوضہ چھوڑ دو اور یا معاوضہ لیکر (اور ان میں سے) یعنی ان مواضع میں سے (وہ ہے کہ واقع ہو)

مضاف کرکے قیام زید حاصل ہوجائے گا یہی مضمون جملہ ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۲ قولہ مثل قولہ تعالیٰ الخ اب مصنف قاعدہ مذکورہ کی مثال بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں جیسے قول باری تعالیٰ فشدوا الوثاق فاما منا بعدُ واما فداءً یہ ایک جملہ ہے اور اس کا مضمون شد وثاق ہے اور غرض شد وثاق سے یا احسان ہے یعنی مشرکین پر احسان کرنا یا فداء یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دینا اور تفصیل یہ ہے کہ اس جگہ اثر کی یعنی غرض کی انواع محتملہ دو نکلتی ہیں ایک من اور دوسری فداء پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ جملہ متقدمہ یعنی فشدوا الوثاق اپنے مضمون یعنی شد وثاق پر دلالت کررہا ہے اور اس سے اس کی غایت یعنی مفعول مطلق کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے تو فعل کو حذف کیا جائیگا پھر جب مفعول مطلق کو محذوف کا قائم مقام بنایا گیا تو فعل کا حذف واجب ہو جائیگا کیونکہ اصل اور نائب کا ایک جگہ جمع ہونا لغو و مہمل ہے پس اللہ تعالیٰ شانہ نے اس غرض مطلوب کی تفصیل فاما منًّا بعد واما فداءً سے کردی یعنی منًّا اور فداءً کو فعل محذوف کے قائم مقام کردیا پس تقدیر عبارت یہ ہوگی فشدوا الوثاق فاما تمنون منًّا بعد شد الوثاق واما تفدون فداءً۔ یعنی جس وقت تم کفار کو گرفتار کرلو تو ان کو بیڑیوں میں مضبوط باندھ لو (مشکیں کس لو) (حتی کہ ان کے فرار ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہے) پھر اس کے بعد تم کو اختیار ہے کہ یا تو ان پر احسان کرکے انکو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لینے کے بعد رہائی دو۔ اس مثال میں چونکہ مدار فائدہ مفعول پر ہے اس لئے مضمون فعل یعنی شد مصدر کو مفعول یعنی وثاق کی طرف مضاف کرکے مضمون جملہ حاصل کیا گیا ہے اور شارح نے بعد کے بعد شد الوثاق کا اضافہ کرکے اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ بعد کا مضاف الیہ چونکہ محذوف منوی ہے اس لئے بعد ضمہ پر مبنی ہے واللہ اعلم۔

۲۳ قولہ ومنہا الخ یہ چوتھا موضع ہے یعنی بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کا حذف کرنا قیاسًا واجب ہے وہ موضع ہے کہ جہاں مفعول مطلق کے ساتھ کسی امر آخر کو تشبیہ دینا مقصود ہو درانحالیکہ وہ مفعول مطلق کسی ایسے فعل پر دلالت کرے کہ جو افعال جوارح سے ہو یعنی آلات بدنی کا محتاج ہو افعال قلب سے نہ ہو نیز وہ مفعول مطلق ایسے جملہ کے بعد واقع ہو جو اس کے ہم معنی اسم اور صاحب اسم پر مشتمل ہو اب فوائد قیود ملاحظہ فرمائیے تشبیہ کی قید سے لزید صوتٌ صوتٌ حسنٌ جیسی مثال خارج ہوگئی اس لئے کہ اس جگہ تشبیہ نہیں ہے پس صوتٌ حسنٌ کو صوتٌ اول کا بدل قرار دیں گے اور اگر اس کو مفعول مطلق قرار بھی دیتے ہیں تو چونکہ یہ تشبیہ کے لئے نہیں ہے اس لئے اس میں فعل ناصب کو ذکر کرنا پڑیگا حذف جائز نہیں ہوگا اور علاجًا یعنی افعال جوارح کی قید کا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے لزید زہدٌ زہد الصلحاء خارج ہوگیا اس لئے کہ زہد

اور یا منصوب بنزع الخافض اور مشتملۃ علی اسم بمعناہ کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مررت بزید فاذا له ضربٌ صوت حمارٍ خارج ہوگیا کیونکہ اس میں صوت حمار ایسے جملہ کے بعد واقع نہیں ہے جو اس کے ہم معنی اسم پر مشتمل ہے بلکہ ضربٌ اور شئے ہے اور صوت اور شئے رہی وصاحبہ کی قید تو اس سے مررتُ بالبلد فاذا به صوتٌ صوت حمار کو خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ اگرچہ اس میں صوت حمار ایسے جملہ کے بعد واقع ہے جو اس کے ہم معنی اسم یعنی صوتٌ پر مشتمل ہے مگر صاحب اسم پر مشتمل نہیں کیونکہ اگرچہ بہ موجود ہے مگر اس کا مرجع بلد ہے اور ظاہر ہے کہ البلد صاحب اسم نہیں ہوسکتا لہذا یہ بھی اس موضع سے خارج ہوگیا پس افعال جوارح سے نہیں افعال قلوب سے ہے پس اس کو بھی بنا بر بدلیۃ کے مرفوع پڑھا جائے گا اور بعد جملۃ کی قید سے صوتُ زیدٍ صوت جملہ کو خارج کرنا مقصود ہے اس لئے کہ صوت حمار جملہ کے بعد نہیں مفرد کے بعد ہے اس سے مل کر جملہ بنتا ہے پس یہ یا تو بنا بر خبریت کے مرفوع ہوگا

اى لان يُشَبَّهَ به امرآخرُ واحترز به عن نحولزيد صوتٌ صوتٌ حسن لانه لم يقع للتشبيه عِلَاجًا اى حال كونه والاً على فعلٍ من افعالِ الجوارح واحترز به عن نحولزيد زهدٌ زهدُ الصلحاءِ لان الزهدَ ليس من افعالِ الجوارح بَعْدَ جُمْلَةٍ واحترزبه عن نحوصوتُ زيدٍ صوتُ حمارٍ مُشْتَمِلَةٍ تلك الجملة عَلٰى اِسْمٍ كائنٍ بِمَعْنَاهُ اى بمعنى المفعول المطلق واحترز به عن نحو مررت بزيد فاذاله ضربٌ صوتُ حمارٍ عَلٰى صَاحِبِهٖ اى صاحبِ ذلك الاسمِ اى الذى قام به معناه واحترز به عن نحو مررتُ بالبلد فاذابه صوت صوت حمار نَحْوُ مَرَرْتُ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ اى يصوت صَوتَ حمار من صات الشئ صوتا بمعنى صوّت تصويتًا فصوتَ حمارٍ مصدر وقع للتشبيه علاجًا بعد جملةٍ هى قوله له صوت وهى مشتملةٌ على اسمٍ بمعنى المفعول المطلقِ

یعنی وہ موضع ہے کہ مفعول مطلق واقع ہو ((تشبیہ کے لئے)) یعنی (مفعول مطلق) اس لئے (واقع ہو) کہ اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو تشبیہ دی جائے اور مصنف نے اس (للتشبیہ) سے لِزَیْدٍ صَوْتٌ صَوْتٌ حَسَنٌ کیونکہ صَوْتٌ حَسَنٌ تشبیہ کے لئے واقع نہیں ہوا ((علاج ہوکر)) یعنی اس حالت میں ہو کہ افعال جارح (ظاہری اعضاء) میں سے کسی فعل پر دلالت کرنے والا ہو اس قید (علاجا) سے مصنف نے لزید زہد زہد الصلحاء کی مانند سے احتراز کیا ہے کیونکہ زہد افعال جوارح میں سے نہیں ((ایک جملہ کے بعد)) اس قید سے مصنف نے صوتُ زیدٍ صوتُ حمارٍ کی مانند سے احتراز کیا ہے (کیونکہ اس میں صوت حمار جملہ کے بعد واقع نہیں ہوا) ((جو مشتمل ہو)) وہ جملہ ((ایک اسم پر)) کہ ہو وہ اسم ((اس کے معنی کے ساتھ)) یعنی مفعول مطلق کے معنی میں ہو اور مصنف نے اس قید سے مررت بزید فاذا لہ ضرب صوتُ حمار کی مانند سے احتراز کیا ہے (کیونکہ یہاں پر جملہ اس اسم پر مشتمل نہیں جو مفعول مطلق کا ہم معنی ہو) ((اس کے صاحب پر)) یعنی (وہ جملہ مشتمل ہو) اس اسم والے (کے ذکر) پر کہ جس کے ساتھ اس اسم کا معنی قائم ہو اور مصنف نے اس قید سے مررت بالبلد فاذا بہ صوت صوت حمار کی مانند سے احتراز کیا ہے (کیونکہ یہاں پر جملہ متقدمہ اسم والے پر مشتمل نہیں ہے) ((جیسے مررت بہ فاذا لہ صوت صوت حمار)) یعنی یصوت صوت حمار یہ صات الشئ صوتا سے ماخوذ ہے بمعنی صوّت تصویتا (آواز بلند کرنا) پس صوتَ حمارٍ مصدر ہے جو ایک جملہ کے بعد جملہ اس کا قول لہ صوت ہ

پس اس وقت صات الشئ صوتًا بمعنے صوت الشئ تصویتًا کے ہوگا یعنی آواز بلند کرنا اور کبھی صوت بغیر مصدر کے معنی آتا ہے مطلق آواز کے معنے میں پس صوت اس معنے کے اعتبار سے مفعول مطلق نہیں بن سکتا کیونکہ مصدر نہیں ہے پس اس سے مثال دینا درست نہیں رہتا اس لئے شارح نے کہا کہ صات الشئ صوتًا معنے میں صوت تصویتًا کے ہے یعنی صوت سے مصدر مراد ہی اسم نہیں پس صوت حمارٍ مصدر مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہے کہ زید کی آواز کو حمار کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے اور افعال جوارح سے ہے کیونکہ آواز عضو ظاہری یعنی منہ سے صادر ہوتی ہے اور جملہ یعنی لہ صوت کے بعد واقع ہے اور یہ جملہ ایک ایسے اسم پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے یعنی (صوت) اور صاحب کو بھی مشتمل ہے کہ وہ قول مصنف لہ میں ضمیر مجرور ہے اور یہ ضمیر صاحب اسم اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مرجع زید ہے پس جو حکم مرجع کا ہوگا وہی راجع کا بھی ہوگا لہٰذا اس مصدر کے فعل یصوت کو وجوبًا حذف کر دیا گیا اس لئے کہ اس کے معنی جملہ ماسبق سے مستفاد ہوتے ہیں اور اس کا بیان یہ ہے کہ لہ نسبت الی فاعل ما پر اور صوت مصدر معنی حدثی پر اور اذا اقترانِ زمان پر دلالت کرتا ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کی فعل کے لئے ضرورت ہوتی ہے پس یہ اس کے قائم مقام ہوں گے پھر اگر لفظ لہ نہ بھی ہو تب بھی زمانہ سیاق کلام سے معلوم ہوجاتا پس جب یہاں فعل کا قائم مقام موجود ہے اور فعل کے معنے جملہ متقدمہ سے حاصل ہوجاتے ہیں تو اب فعل کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں رہی لہٰذا وجوبًا حذف کر دیا گیا واللہ اعلم ۱۲

صوت حمارٍ کو بنا بر حالیت نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بنا بر بدلیت رفع بھی صاحب اسم کا مطلب یہ ہے کہ جس کے ساتھ معنے قائم ہوں جیسے مثلاً صوت قائم ہوتی ہے زید کے ساتھ باعتبار مرجع کے ضمیر کی صورت میں اور باعتبار حقیقتہ لفظ زید کے ذکر کی صورت میں واللہ اعلم۔

۲۴ قولہ نحو مررت الخ اس مثال میں صوت حمارٍ محل استشہاد ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای الصوت صوتُ حمارٍ یہ ماخوذ ہے صات الشئ صوتًا سے اس جگہ صوتًا مصدر بمعنی تصویت ہے

وِهوصوتٌ ومشتملةٌ علےصاحب ذلك الاسمِ وهوالضمیرالمجرورفی قوله لَهٗ
وَنحو[25] مررت به فاذاله صُرَاخٌ صُرَاخَ الثَّکْلٰی ای یَصْرُخُ صُرَاخَ وهی امرأةٌ
مات وَلَدُها وَمِنْهَا[26] ای من تلك المواضعِ مَا وَقَعَ ای موضعُ مفعولٍ مطلقٍ
وقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ لَا مُحْتَمَلَ لَهَا ای لهذه الجملة غَیْرُهٗ ای غَیْرُ
المفعولِ المطلقِ نَحْوُلَهٗ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ اِعْتِرَافًا اِعْتَرَفْتُ اِعْتِرَافًا فاعترافًا
مصدرٌ ماوقع مضمونَ جملةٍ وهی له علیَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ لان مضمونه الاعترافُ
لا محتمَلَ له سواه وَیُسَمّٰی[27] هذا النوعُ من المفعول المطلق تَاکِیْدًا لِنَفْسِهٖ

ہے افعال جوارح میں سے ایک فعل پر دلالت کرتے ہوئے تشبیہ کے لئے واقع ہوا ہے ایک اسم پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے اور وہ (اسم) صوت ہے اور وہ جملہ اس اسم والے (کے ذکر) پر بھی مشتمل ہے اور وہ (اسم والا) ضمیر مجرور ہے اس کے قول "لہ" میں (کیونکہ ضمیر زید کی طرف راجع ہے پس یہاں تمام شرطیں پائی گئیں تو جملہ کی اس پر دلالت کاملہ کی وجہ سے فعل کا حذف واجب ہوگیا) ((اور)) جیسا کہ مررت بہ فاذالہ ((صراخ صراخ الثکلی)) یعنی یصرخ صراخ الثکلی (صراخ صاد کے پیش کے ساتھ بروزن سُوال از باب علم اور ثکلی اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بچہ فوت ہوجائے ثکل از باب علم گم پانا حدیث میں ہے ثکلتک امک اور کہا جاتا ہے امرأۃ ثکلۃ وثکلی اور مصنف نے دو مثالیں اس لئے دیں کہ معلوم ہوجائے کہ مفعول مطلق کبھی تو اسم غیر ذوی العقول کی طرف ہوتا ہے جیسے مثال اول میں اور کبھی ذوی العقول کی طرف جیسے مثال ثانی میں یا یہ کہ مفعول مطلق کبھی نکرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے مثال میں اور کبھی معرفہ کی طرف جیسے مثال ثانی) ((اور ان میں سے)) یعنی ان مواضع میں سے ((وہ ہے کہ واقع ہو)) یعنی مفعول مطلق کی وہ موضع ہے کہ (مفعول مطلق) واقع ہو ((جملہ کا مضمون کہ نہ مُحْتَمَلْ ہو اس کے لئے)) یعنی اس جملے کے لئے ((اس کے سوا کوئی)) یعنی مفعول مطلق کے سوا کوئی ((جیسے لہ علی الف درہم اعترافا)) یعنی اعترفتُ اعترافا پس اعترافا مصدر ہے جملے کا مضمون واقع ہوا ہے اور جملہ "لَہٗ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْہَمٍ" ہے کیونکہ اس کے قول کا مضمون اعتراف ہے اور اس کے قول کا محتمل اعتراف کے سوا اور کوئی نہیں ((اور نام رکھا جاتا ہے)) اس قسم کا مفعول مطلق میں سے ((تاکید لنفسہ)) یعنی برائے نفس مفعول مطلق کیونکہ مفعول اپنے نفس اور ذات ہی کی تاکید کرتا ہے کسی ایسی چیز کی نہیں جو مفعول مطلق کی ذات ونفس کے علاوہ کچھ اور ہو بالاعتبار (وبالفرض)

۲۵ قولہ ونحو الخ یہ مذکورہ بالا ضابطہ کی دوسری مثال ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ توضیح کے لئے ایک مثال کافی ہوتی ہے۔ یہاں دو کے ذکر سے کیا فائدہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ مصنف نے پہلی مثال مصدر تاویلی کی دی ہے کیونکہ صوت حقیقۃً مصدر نہیں بلکہ تصویتاً کے معنے میں ہوکر مصدر ہے اور دوسری مثال میں مصدر حقیقی یعنی صراخ موجود ہے (جس کے معنے ہیں چیخنا) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مثال اول میں مصدر نکرہ یعنی حمار کی طرف مضاف ہے اور ثانی میں معرفہ یعنی الثکلی کی جانب۔ نیز اول کا مضاف غیر ذوی العقول سے ہے اور ثانی ذوی العقول سے کیونکہ ثکلی اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بچہ مرگیا ہو پس اس مثال میں (یعنی مررتُ بہ فاذالہ صراخ صراخ الثکلی میں) صراخ الثکلی مفعول مطلق ہے اور اس سے پہلے یصرخ فعل ناصب محذوف ہے ای یصرخ صراخ الثکلی واللہ اعلم ۱۲

۲۶ قولہ ومنہا الخ یہ پانچواں موضع ہے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے کہتے ہیں کہ بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کا حذف قیاساً واجب ہے یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا مضمون یعنی خلاصہ اور لب لباب واقع ہو کہ اس میں سوائے مفعول مطلق کے معنے کے دوسرے معنے کا احتمال نہ ہوسکے پس لا محتمل لہا میں ہا ضمیر جملہ کی طرف راجع ہے اور غیرہ کی مفعول مطلق کی طرف جیسے لہ علی الف درہم اعترافاً اس میں اعترافاً مصدر مفعول مطلق مضمون جملہ واقع ہے جو کہ لہ علی الف درہم کا ماحصل ہے کیونکہ اس سے بھی اعتراف ہی ثابت ہو رہا ہے خواہ اعترافاً کا ذکر ہو یا نہ ہو پس یہ ایسا جملہ ہوا کہ اس میں مفعول مطلق کے معنے کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں اسلئے کہ متکلم کا مقصود اس جملہ سے ایک ہزار درہم کا اقرار واعتراف کرنا ہے نیز اس کے کچھ اور بھی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص قاضی کی عدالت میں لزید علی الف درہم کہہ دے تو قاضی اس اعتراف کے باعث اس پر ایک ہزار درہم واجب قرار دے دیگا پس یہاں پر فعل کو حذف کرنا واجب ہوگیا کیونکہ جملہ لہ علی الخ اعترفت فعل محذوف کا قائم مقام ہوجاتا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوتی لہ علی الف درہم اعترفت اعترافاً واللہ اعلم ۱۲

۲۷ قولہ ویسمی ہذا النوع الخ مفعول مطلق کی اس قسم کو تاکید لنفسہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ جملہ متقدمہ جبکہ اس کو مستلزم ہوتا ہے تو یہ جملہ بمنزلہ نفس مفعول مطلق کے ہوجاتا ہے پھر

ای لنفس المفعول المطلق لانه انما یؤکد نفسه وذاته لا امرًا یغایرہ ولو باعتبار
وَمِنْهَا[٢٨] مَا وَقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ لَهَا ای لهذه الجملة مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ ای
غیرُ المفعول المطلق نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا ای اَحِقّ حقًّا من حَقَّ یحِقُّ اذا ثبت
ووجب فحقًّا مصدرٌ وقع مضمونَ جملہ وھی قوله زید قائم ولها محتمل غیرُہ
لانها تحتمل الصدق والکذب والحق والباطل وَيُسَمَّى[٢٩] هٰذا النوعُ من المفعول
المطلقِ تَاكِيدًا لِغَيْرِهٖ لانه من حیث هو منصوص علیه بلفظ المصدر یؤکد
نفسه من حیث هو محتمل الجملةِ فالمؤکَّد اسم مفعول من حیث اعتبار وصف

ہی ہی (گویا اعتراف مؤکَّد بہ صیغہ اسم مفعول حکما ملفوظ ہے جس کی اعترافًا مؤکِد بہ صیغہ اسم فاعل ملفوظ حقیقۃً تاکید کرتاہے یا یوں سمجھئے کہ اعترافًا تاکید یعنی مؤکِد بہ صیغہ اسم فاعل کو جملے کا حکمی مضمون بنایا جائے جس طرح کہ جملے میں اعتراف حکمی طور پر سمجھا جاتا ہے تاکہ اول صورت میں ملفوظ ملفوظ کی اور دوسری صورت میں مضمون مضمون کی تاکید کرے) (اوران مواضع میں سے ایک وہ موضع ہے کہ مفعول مطلق ایک جملے کا مضمون واقع ہو کہ اس کے لئے) یعنی اس جملے کیلئے مفعول مطلق کے علاوہ کسی دوسری چیز کا بھی احتمال ہو کیونکہ جملہ صدق وکذب اور حق وباطل سب کا احتمال رکھتاہے ((اور نام رکھا جاتا ہے)) اس نوع کا مفعول مطلق میں سے ((تاکید لغیرہ)) کیونکہ مفعول مطلق اس حیثیت سے کہ لفظ مصدر (یعنی حقًا) کے ساتھ منصوص علیہ ہے (ای المصدر یدل علیہ بالصراحۃ) اپنے نفس کی تاکید کرتاہے اس حیثیت سے کہ وہ جملہ کا محتمل ہے (یعنی جملہ اس کا احتمال رکھتا ہے) پس مؤکد (بہ صیغہ) اسم مفعول (یعنی جس کا کہ جملہ زید قائم احتمال رکھتا ہے) اس حیثیت سے کہ اس میں وصف

جب اس کا مفعول مطلق صراحۃً لایا جاتا ہے تو وہ اپنے نفس یعنی جملہ متقدمہ کی تاکید بن جاتا ہے اور اس مفعول مطلق سے کسی امر مغایر کی اگرچہ وہ اعتباری ہی کیوں نہ ہو تاکید ہوتی نہیں اس لئے اس کو تاکید لنفسہ ہی کہیں گے ہاں اگر کسی امر مغایر کی تاکید ہوگی تو اس کا ذکر ابھی آتا ہے واللہ اعلم

۲۸ قولہ ومنها ما وقع یہ چھٹا موضع ہے اور یہ پانچویں موضع کے برعکس ہے کہ اس میں مفعول مطلق تاکید لغیرہ پر دلالت کرتا ہے اور اس میں تاکید لنفسہ پر دال تھا کہتے ہیں کہ بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کا قیاسًا حذف واجب ہے ایک موضع یہ ہے کہ مفعول مطلق اس جملہ کا خلاصہ اور مضمون ہو کہ جس میں مفعول مطلق کے ماسوا دوسرے معنے کا بھی احتمال ہو

جیسے زیدٌ قائمٌ حقًا ای اُحِقُّ حقًّا یہ ماخوذ ہے حَقَّ یَحِقُّ سے جو کہ ثبت اور واجب کے معنی میں ہے پس حقًا مصدر ہے اور جملہ کا مضمون وما حصل واقع ہے کیونکہ جو بات زیدٌ قائمٌ سے حاصل ہوتی یعنی قیام زید کا ثابت اور مستحق ہونا اسی پر حقًا بھی دلالت کر رہا ہے لیکن اس میں دوسرا بھی احتمال ہے اس لئے کہ یہ صدق وکذب حق وباطل کا احتمال بھی رکھتا ہے پس ہوسکتا ہے کہ قیام زید حق نہ ہو بلکہ باطل یعنی جھوٹ ہو اور حقًا نے آکر اس کی تخصیص کی ہے لہٰذا یہ مفعول مطلق اپنے غیر کی تاکید کے لئے ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۲۹ قولہ ویسمی ہذا النوع الخ مفعول مطلق کی اس نوع کو تاکید لغیرہ کہتے ہیں اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ تاکید نفس شے کی ہوتی ہے نہ کہ غیر شئے کی کیونکہ تاکید کا مطلب ہی یہ ہے کہ شئے واحد کا دو مرتبہ تلفظ کیا جائے پس اس کو تاکید لغیرہ کہنا کیونکر درست ہوگا اس کا جواب شارح لانہ من حیث منصوص الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس غیرت سے مراد یہاں پر مغایرت اعتباری ہے مغایرت ذاتی نہیں ذات کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں اس لئے کہ مضمون جملہ اس حیثیت سے کہ وہ لفظ مصدر سے منصوص علیہ ہے یعنی مصدر اس پر صراحۃً دلالت کر رہا ہے اس چیز کے مغایر ہے کہ جملہ میں اس چیز کا احتمال موجود ہے یعنی ایک اعتبار تو یہ ہے کہ مصدر سے مضمون جملہ پر دلالت ہو رہی ہے اور ایک اعتبار یہ کہ مصدر سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے کہ مضمون جملہ میں غیر کا بھی احتمال ہے پس موکد (اسم مفعول) (یعنی مضمون جملہ) اس میں وصف احتمال کے اعتبار کی حیثیت سے موکد (اسم فاعل) یعنی مصدر حقًا) کے اس حیثیت سے مغایر ہے کہ اس پر مصدر صراحۃً دلالت کر رہا ہے اور یہ مغایرت اعتباری ہے ذاتی نہیں ذاتی تو اس لئے نہیں کہ دونوں حق ہیں اور اعتباری اس لئے ہے کہ اس میں موکد یعنی جس پر مصدر صراحۃً دلالت کر رہا ہے یقینی ہے اور موکد کہ جس میں احتمال غیر موجود ہے محتمل پس جب یہ معلوم ہوا کہ دونوں میں تغایر اعتباری ہے تو اس تغایر کی وجہ سے اس کو تاکید لغیرہ کہتے ہیں ورنہ حقیقۃً میں یہ تاکید لنفسہ ہی ہے دوسرے لفظوں میں اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ موکد یعنی مضمون جملہ اور موکد منہ یعنی منصوص علیہ یا مصدر کے درمیان اتحاد ذاتی اور مغایرت اعتباری ہے کیونکہ جملہ زیدٌ قائمٌ سے جو حق سمجھا جاتا ہے وہ محتمل غیر یقینی ہے اس لئے کہ جملہ خبریہ حق وباطل صدق وکذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور جو حق کو قول مصنف حقًا سے واضح ہو رہا ہے وہ یقینی ہے کیونکہ لفظ حق حق پر ہی دلالت کرتا

الاحتمال فیه یُغائرُ الموکدِ اسم فاعل من حیث انه منصوصٌ علیه بالمصدر

وتحتمل۳۰ ان یکون المراد انه تاکیدٌ لاجل غیرہ لیندفع وعلی هذا ینبغی ان یکون

المرادُ بالتاکید لنفسه انه تاکید لاجل نفسه لیتکرر ویتقرر حتی یحسن التقابل

ومنها۳۱ مَا وَقَعَ مُثَنًّى ای علی صیغة التثنیة وان لم یکن للتثنیة بل للتکریر

والتکثیر ولابد فی تتمیم هذہ القاعدة من قید الاضافة ای مثنی مضافاً الی

الفاعل او المفعول لئلا یرد مثل قوله تعالیٰ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ ای رجعاً

احتمال کا اعتبار ہے مؤکِدْ (بہ صیغہ) اسم فاعل کے متایر ہے اس حیثیت سے کہ وہ (مؤکد بہ صیغہ اسم فاعل) مصدر (یعنی حقاً) کے ساتھ منصوص علیہ ہے (کہ مصدر اس پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے لہذا یہ اعتراض مندفع ہوا کہ تاکید تو مؤکد کا عین ہوتی ہے پھر اسے تاکید لغیرہ کہنا کیونکر صحیح ہوا خلاصہ یہ کہ یہ ہے تو تاکید لذاتہ مگر اعتباری طور پر چونکہ مغایرت ہے اس لئے اسے تاکید لغیرہ کہا گیا) اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ (مصنف کے قول تاکید لغیرہ) مراد یہ ہو کہ یہ (عبارت بحذف مضاف) تاکید لاجل لغیرہ ہو (یعنی لغیرہ کا لام تاکید کے لئے صلہ نہ ہو بلکہ علت ہو اور لاجل غیرہ کا معنی یہ ہوگا) تاکہ غیر مندفع ہو جائے (اور جو مقصود ہے وہ مقرر ہو جائے) اور اس توجیہ کی بنا پر مناسب ہے کہ تاکید لنفسہ سے مراد تاکید لاجل نفسہ ہو (یعنی اس میں بھی مضاف محذوف ہو اور معنی یہ ہوگا) تاکہ وہ (مفعول مطلق) مکرر اور مقرر ہو تاکہ (اس توجیہ سے تاکید کے دونوں قسموں میں) تقابل خوب ہو جائے (اور ان مواضع میں سے وہ موضع ہے کہ مفعول مطلق مثنّیٰ واقع ہو) یعنی تثنیہ کے صیغے پر (واقع ہو) اگرچہ تثنیہ کے لئے نہ ہو بلکہ تکریر اور تکثیر کیلئے (کیونکہ تثنیہ جمع کی نسبت کثیر الاستعمال ہے) اور اس قاعدے کی تکمیل میں اضافت کی قید ضروری ہے یعنی (ان مواضع میں سے ایک وہ موضع ہے کہ مفعول مطلق) تثنیہ واقع ہو جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو (اضافت کی قید اس لئے ضروری ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ کے قول ثم ارجع البصر کرتین کے مثل سے اعتراض وارد نہ ہو (کہ آیت میں مفعول مطلق صیغہ تثنیہ پر ہے

ہے باطل پر نہیں پس اول یعنی حق محتمل موکد اور مضمون جملہ ہے اور ثانی یعنی حق متیقن موکد منہ اور منصوص علیہ بالمصدر ہے اور دونوں کے درمیان اتحاد ذاتی اور مغایرت اعتباری ہے کما مر آنفاً واللہ اعلم ۱۲

۳۰ قولہ ویحتمل الخ اس عبارت سے اوپر والے اعتراض کا دوسرا جواب ہے ان دونوں جوابوں کی دلیل حصر اس طرح کرنی چاہئے کہ قول مصنف لغیرہ کے لام میں دو احتمال ہیں لام یا تو تعلیلیہ ہوگا یا صلہ کے لئے اگر صلہ کیلئے ہو تو اس صورت میں مذکورہ اعتراض واقع ہوگا کیونکہ اس وقت اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ غیر کی تاکید کرتا ہے پس مذکورہ بالا جواب دیا جائیگا اور اگر لام تعلیل کے لئے لیں تو اس کے معنی تاکید لاجل اندفاع الغیر کے ہوں گے یعنی یہ تاکید ہے تو اپنے ہی نفس کے لئے ہے تا کہ غیر مندفع ہو جائے پس یہ تاکید لنفسہ ہے لاجل نفسہ تاکید لغیرہ نہیں پس نوع اول اور نوع ثانی میں فرق یہ ہوا کہ وہ تاکید تو لنفسہ ہے مطلقاً اور یہ تاکید لنفسہ لاجل نفسہ ہے اسی کو وعلی ہذا اضافہ کا اضافہ کرنا پڑیگا یعنی مفعول مطلق بصورت تثنیہ فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو پس اب مذکورہ بالا اعتراض واقع نہ ہوگا اس لئے کہ کرتین اگرچہ بصورت تثنیہ بھی ہے اور تکریر و تکثیر کا فائدہ بھی دے رہا ہے مگر فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں لہذا یہ اس ضابطہ سے خارج ہے اور اس میں فعل ناصب کا حذف واجب ینبغی الخ سے بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ اس بنا پر مناسب یہ ہے کہ تاکید لنفسہ سے مراد لیا جائے کہ یہ تاکید لاجل نفسہ ہے تاکہ تاکید میں تکرار اور تقرر پیدا ہو جائے اور نوع اول کا نوع ثانی سے تقابل عمدہ ہو جائے تکرار اور تقرر اس لئے پیدا ہوگا کہ ایک تو خود تاکید اپنے نفس کے لئے اور دوسرے اپنے نفس کی وجہ سے ہوگی وجوب حذف فعل کی وجہ

گذر رہی چکی کہ جملہ متقدمہ فعل کے قائم مقام ہو جاتا ہے الخ واللہ اعلم ۱۲

۳۱ قولہ ومنہا ما وقع الخ یہ ساتواں موضع ہے یعنی بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے ایک یہ بھی ہے کہ مفعول مطلق تثنیہ کی صورت پہ واقع ہو اگرچہ درحقیقت تثنیہ کے لئے نہ ہو بلکہ تکریر اور تکثیر کے لئے واقع ہو اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب

مفعول مطلق تثنیہ کی صورت میں ہوگا تو اس کے ناصب کا حذف کرنا واجب ہوگا مگر بعض جگہ اس کے خلاف بھی پایا جاتا ہے کہ مفعول مطلق بصورت تثنیہ ہے مگر حذف فعل واجب نہیں جیسے قولہ تعالیٰ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب میں کہ کرتین مفعول مطلق صورت تثنیہ پر ہے مگر اس کا فعل ناصب محذوف نہیں بلکہ مذکور ہے یعنی ارجع اس کا جواب شارح ولابد فی تتمیم الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس قاعدہ کو مکمل کرنے کے لئے ہم کو قید

مکرّرًا کثیرًا وفی[۳۲] جعل المثال من تتمہ التعریف لافادۃ ھذا القید تکلّفٌ مِثْل[۳۳] لَبَّیْکَ اصلہ البّ لک البابین ای اقیم لخدمتک وامتثال امرک ولا ابرح عن مکانی اقامۃً کثیرۃً متتالیۃً فحذف الفعل واقیم المصدر مقامہ وردّ الی الثلاثی بحذف زوائدہ ثم حذف حرف الجر من المفعول واضیف المصدر الیہ ویجوز[۳۴] ان یکون من لبّ بالمکان بمعنی البّ فلا یکون محذوف الزوائد وعلٰی[۳۵] ھذا القیاس سَعْدَیْکَ ای اُسْعِدُکَ اسعادًا بعد اسعادٍ بمعنی اُعِینُکَ الا[۳۶] ان اُسْعِدُ یتعدی بنفسہ بخلاف اُلِبُّ فانہ یتعدی باللام المفعولُ[۳۷]

واقع ہؤا ہے جو تکریر وتکثیر کے لئے ہے حالانکہ اس کا فعلِ ناصب حذف نہیں کیا گیا نہ جوازًا اور نہ وجوبًا بلکہ لفظًا مذکور) اور (لبیک وسعدیک کی) مثال کو اس (اضافت کی) قید کے افادے کے لئے (اس قاعدے کی) تعریف کی تکمیل (کے حصے) سے بنانا تکلّف ہے (جیسے لبّیک وسعدیک) اس کی اصل البُّ لک البابین ہے یعنی میں تمہاری خدمت اور تمہارے حکم کی بجا آوری کے لئے (حاضر) کھڑا ہوں اور میں اپنی جگہ سے الگ نہیں ہوں گا (یہ لبیک کے معنے ہیں) اور میں بہت دیر تک (کہ جسکی کوئی انتہا نہیں) لگاتار کھڑا رہونگا (یہ سعدیک کے معنے ہیں) پھر اس کا فعل (اپنے فاعل کے ساتھ) حذف کیا گیا اور مصدر (البابین) کو (لک سے مقدم کرکے اس (فعل) کی جگہ کھڑا کیا گیا اور اس (مصدر) کو (باب افعال ثلاثی مزید فیہ سے) ثلاثی مجرد کی طرف اس کے زوائد کے حذف کے بعد پھیر اگیا (زوائد سے دو حرف زائد مراد ہیں یعنی باب افعال کا ہمزہ اور الف) اس کے بعد مفعول بہ (لک کے کاف) سے حرف جر (یعنی لام) کو حذف کرکے مصدر کو اس (مفعول بہ) کی طرف مضاف کردیا گیا (تو لبیک ہوگیا) اور جائز ہے کہ لبیک لبَّ بالمکان سے ماخوذ بمعنی اَلَبَّ (یعنی اقام بالمکان) لہذا لبیک (اس صورت میں) محذوف الزوائد نہ ہوگا (اور) اسی قیاس پر (سعدیک ہے) یعنی اسعدک اسعادًا بعد اسعادٍ اعینک (میں تیری مدد کرتا ہوں) کے معنی میں مگر یہ کہ اسعد متعدی بنفسہ ہے (اس لئے یہاں حرف جر کو صلے کے طور پر ساتھ نہیں لگایا گیا) اُلِبُّ کے برعکس کہ وہ لام کے ساتھ اور لبّ با کے

نہ ہوگا اس جگہ شارح نے آیۂ کریمہ کے بعد ای رجعًا مکرّرًا کثیرًا کا اضافہ کرکے کرّتین کے معنی بھی بتائے ہیں اور یہ بھی ظاہر کردیا ہے کہ کرّتین کے مفعول مطلق بننے کی صورت میں عبارت اس طرح ہوگی یعنی ارجع البصر رجعًا مکرّرًا کثیرًا تاکہ مفعول مطلق اور فعل ناصب کے درمیان باعتبار الفاظ کے اتحاد ہوجائے واللہ اعلم۔

۳۲ قولہ وفی جعل الخ اس عبارت سے شارح فاضل ہندی پر رد کرنا چاہتے ہیں انہوں نے اعتراض مذکور کا یہ جواب دیا تھا کہ مصنف نے ضابطہ کی تتمیم کے لئے قید کا اضافہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ مثال پر اکتفا کرلیا اور مثال تتمۂ ضابطہ کے بطور ہے پس شارح نے رد کیا کہ مثال کو تتمۂ تعریف سے قرار دینا تاکہ اس قید کا فائدہ ہو تکلف سے خالی نہیں اس لئے کہ مثال قاعدہ کے تمام ہونے کے بعد اس کی وضاحت کے لئے ہوتی ہے نہ کہ وہ تعریف و ضابطہ کا تتمہ بنے مگر میری رائے یہ ہے کہ مصنف نے دو مثالیں ایک ہی ضابطہ کی ذکر کی ہیں اور دونوں میں قید اضافت ملحوظ ہے بلا اضافت ایک بھی مثال ذکر نہیں کی لہذا اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ مصنف کے ذہن میں قید اضافت موجود تھی اور وہ اس کو اختصار کے باعث ذکر نہ کرسکے واللہ اعلم

۳۳ قولہ مثل لبیک الخ یہ ضابطۂ مذکورہ کی مثال ہے یہ اصل میں اُلِبُّ لک البابین تھا یعنی میں تیری خدمت اور امتثال امر کیلئے کھڑا ہوتا ہوں بار بار کثرت سے پے درپے کھڑا ہونا اور میں اپنی جگہ سے نہیں ٹلتا یعنی برابر خدمت کے لئے آمادہ اور ایستادہ رہتا ہوں پس فعل کو حذف کرکے مصدر کو اس کے قائم مقام کردیا گیا لک البابین باقی رہ گیا پھر مصدر سے زوائد یعنی ہمزہ مکسورہ اور الف کو حذف کرکے ثلاثی مجرد میں لے گئے پھر لک سے لام حرف جر کو حذف کیا لک سے ک باقی رہ گیا پھر مصدر کو اس کاف ضمیر مفعول کی طرف مضاف کردیا لبیک ہوگیا واللہ اعلم۔

۳۴ قولہ ویجوز الخ یہ لبیک کی دوسری توجیہ ہے اس کے مطابق اس کی اصل البّ لک بین ہوگی اور لبین اس صورت میں لبّ بالمکان سے ماخوذ ہے اور لبّ چونکہ با کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے اس لئے البّ کے معنے میں ہوگا پس اس صورت میں لبیک محذوف الزوائد نہیں ہوگا کیونکہ زوائد ہمزۂ مکسورہ اور الف تھے وہی اس کی اصل میں موجود نہیں باقی تعلیلات وہی ہوں گی جو اوپر مذکور ہوئیں واللہ اعلم ۱۲

۳۵ قولہ وعلی ہذا القیاس الخ مذکورہ بالا مثال کی توجیہ پر اس کو بھی قیاس کر لینا چاہئے یعنی سعدیک اصل میں اسعدک اسعادین ای اسعادًا بعد اسعادٍ تھا اور اسعد ہے معنی میں اعینک کے یعنی تیری مدد اور تائید کرتا ہوں میں بار بار کثرت سے مدد کرنا یکے بعد دیگرے پس اس میں بھی لبیک کی طرح تصرفات کئے گئے ہیں مگر دونوں میں فرق اس قدر ہے کہ اسعاد متعدی بنفسہ ہے اور الباب متعدی بواسطہ لام اسی واسطے مصنف نے دو مثالیں

بِہٖ[36] هُوَ مَا وَقَعَ ای هو اسم ما وقع عَلَیۡهِ فِعۡلُ الۡفَاعِلِ ولم یذکر الاسم اکتفاءً بما سبق فی المفعول المطلق المراد بوقوع فعل الفاعل علیه تعلقُه به بلا واسطةِ حرفِ الجرِ فانهم یقولون فی ضربتُ زیدا ان الضربَ واقعٌ علی زیدٍ ولا یقولون فی مررتُ بزیدٍ ان المرور واقعٌ علیه بل متلبسٌ به فخرج به المفاعیل الثلثة الباقیةُ فانه لا یقال فی واحد منها ان الفعلَ وقع علیهِ بل فیه اوله او معه والمفعولُ[37] المطلقُ بما یُفهَمُ مِنۡ مُغایَرَتِهٖ لفعل الفاعلِ فان المفعولَ المطلقَ عینُ فعله والمراد[38] بفعل الفاعل فعلُ اِعۡتُبِرَ اسنادُه الی ما هو فاعلٌ حقیقةً او

ساتھ متعدی ہوتا ہے (مفعول بہ وہ ہے کہ واقع ہو) یعنی (مفعول بہ) وہ اسم ہے کہ واقع ہوا اس پر فاعل کا فعل) اور مصنف نے (مفعول بہ کی تعریف میں لفظ "اسم"، کو اس پر اکتفاء کرنے کیوجہ سے جو کہ مفعول مطلق (کی تعریف) میں گذرا ذکر نہیں کیا (چنانچہ کہا گیا تھا ھو اسم ما فعلہ الخ) مفعول بہ پر فاعل کے فعل کے واقع ہونے سے مراد فعل کا مفعول بہ کے ساتھ حرف جر کے واسطے کے بغیر متعلق ہونا ہے کہ اہل لغت "ضربت زیدا" میں کہتے ہیں کہ ضرب (بلا واسطۂ حرف) زید پر واقع ہے (تو زید مفعول بہ ہوا) اور "مررت بزید" میں نہیں کہتے کہ مرور زید پر واقع ہے بلکہ اس کے ساتھ متعلق (اور ملصق) ہے پس اس (وقع کی) قید سے باقی تینوں مفعول (مفعول فیہ و مفعول لہ و مفعول معہ) خارج ہوگئے اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی نہیں کہا جاتا کہ فعل اس پر واقع ہے بلکہ (کہا جاتا ہے کہ فعل) اس میں یا اس کے لئے یا اس کے ساتھ (واقع ہوا ہے) اور مفعول مطلق (مفعول بہ کی تعریف سے مفعول بہ کی اس مغایرت کی وجہ سے (خارج ہوگیا) جو فاعل کے فعل کے لئے سمجھی جاتی ہے (کہ مفعول بہ فعل کا غیر ہوتا ہے مفعول مطلق کے برعکس) کہ مفعول مطلق اپنے فعل کا عین ہوتا ہے اور (یہاں) فاعل کے فعل سے وہ فعل مراد ہے کہ اس کی اسناد کا ہر اس کی طرف اعتبار

ذکر کی ہیں تاکہ اس فرق پر تنبیہ ہوجائے۔ ورنہ توضیح کے لئے صرف ایک مثال بھی کافی ہے واللہ اعلم ۱۲

۳۶ قولہ المفعول بہ الخ ما وقع کی شرح ای ھو اسم ما وقع سے کرکے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ما سے مراد اسم ہے پس مفعول بہ وہ اسم ہے کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو اور مصنف نے لفظ اسم کا ذکر یہاں اس وجہ سے نہیں کیا کہ تعریف مفعول مطلق میں اس کے ذکر پر اکتفاء کرلیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعریف ضمیر منصوب پر صادق نہیں آتی جیسے نعبد ایاک کیونکہ اس میں ایاک اگرچہ فعل کا مفعول بہ ہے مگر فاعل کا فعل اس پر واقع نہیں کیونکہ فعل عبادت اللہ تعالیٰ پر واقع نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے شارح اسکا جواب والمراد الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ ما وقع علیہ فعل الفاعل سے مراد یہ ہے کہ فعل کا تعلق مفعول بہ کے ساتھ ہو بلا واسطہ حرف جر کے اور نعبد ایاک میں ظاہر ہے کہ فعل کا تعلق مفعول بہ کے ساتھ موجود ہے اور بلا واسطہ حرف جر کی قید سے مررت بزید کا زید خارج ہوگیا کیونکہ اس پر بھی مفعول بہ کی تعریف صادق آتی تھی اس لئے کہ فعل مرور بواسطہ حرف جر زید پر واقع ہے پس جب بلا واسطہ حرف الجر کہا تو یہ خود بخود نکل گیا کیونکہ اس میں حرف جر کا واسطہ موجود ہے پس ضربت زیدا میں تو لوگ کہتے ہیں کہ ضرب زید پر واقع ہے لیکن مررت بزید میں یہ نہیں کہتے کہ مرور زید پر واقع ہے کیونکہ حرف جر کا واسطہ درمیان میں آگیا پس اس واسطہ کے باعث یہ کہتے ہیں کہ مرور زید کے ساتھ متلبس اور ملصق ہے پس جب ہم نے مفعول بہ کی تعریف ما وقع علیہ الخ کے ساتھ کی تو اس سے مفاعیل ثلثہ باقیہ یعنی مفعول معہ، لہ، فیہ خارج ہوگئے اس لئے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ فعل اس پر واقع ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ فعل اس میں یا اس کے لئے یا اس کے ساتھ ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۷ قولہ والمفعول المطلق الخ اس کا عطف المفاعیل الثلثۃ پر ہے اور مطلوب یہ ہے کہ ما وقع علیہ فعل الفاعل سے مفعول مطلق بھی خارج ہوجائیگا اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ دونوں میں مغایرت ہے کیونکہ ما وقع علیہ فعل الفاعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فعل فاعل اور ما وقع علیہ الفعل یعنی مطلق میں مغایرت ہونی چاہیئے اس لئے کہ ایک شئے اپنے نفس پر واقع نہیں ہوا کرتی اور مفعول مطلق میں مفعول اور فعل فاعل کے درمیان اتحاد ضروری ہے یعنی مفعول مطلق عین فعل ہوتا ہے اور مفعول بہ غیر فعل پس مفعول مطلق اس سے خارج ہوجائیگا۔ اور تعریف مفعول بہ جامع مانع ہوجائے گی۔ واللہ اعلم۔

۳۸ قولہ والمراد الخ اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے سوال یہ ہے کہ تعریف مذکور مانع نہیں کیونکہ ضُرِبَ زیدٌ میں زید پر صادق آتی ہے اس لئے کہ فعل فاعل زید پر واقع ہے حالانکہ اس کو مفعول بہ نہیں کہا جاتا مفعول مالم یسم فاعلہ کہتے ہیں شارح نے جواب دیا کہ فعل فاعل سے مراد یہ ہے کہ فعل کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو عام ازیں کہ فاعل حقیقۃً ہو یا حکماً پس اس سے ضُرِبَ زیدٌ کا زید خارج ہوگیا اس لئے کہ

حکمًا فخرج به مثلُ زیدُ فی ضُرِبَ زیدُ علی صیغةِ المجهول فانه لم یعتبر اسنادُه الی فاعلِه ولا یُشکل بمثل اُعطِیَ زیدُ درهمًا فانه یصدق علی درهمًا انّهٗ وقع علیه فعلُ الفاعلِ الحکمی المعتبر اسنادُ الفعلِ الیه فان مفعولَ ما لم یسم فاعله فی حکمِ الفاعلِ و[۳۹] بما ذکرنا ظهر فائدةُ ذکرِ الفاعلِ فلا یرد انّه لو قال ما وقع علیه الفعلُ لکان اخصر نحو ضربتُ[۴۰] زیدًا فان زیدًا قد وقع علیه بلا واسطةِ حرفِ الجرِ فعلُ باعتبار اسنادُه الی الفاعلِ الذی هو ضمیرُ المتکلمِ وَقَدْ[۴۱] یَتَقَدَّمُ المفعول به عَلَی الْفِعْلِ العامل فیه لقوة الفعل

کیا جائے جو حقیقت میں (اس فعل کا) فاعل ہو جیسے ضَرَبْتُ زَیْدًا میں ت کی طرف فعل کی اسناد ہے اور وہ اس کا فاعل حقیقی ہے) یا حکم کی رو سے (اس کا فاعل ہو) پس اس (فعل الفاعل کی قید اور جو اس سے مراد ہے) سے ضرب زید صیغۂ مجہول کی بنا پر کے مثل میں زید خارج ہوگیا کہ ضُرِبَ کی اسناد کا اس کے فاعل کی طرف اعتبار نہیں کیا گیا (نہ حقیقت کی رو سے اور نہ حکم کی رو سے کیونکہ زید دراصل حقیقی اور حکمی طور پر مفعول بہ ہے اور جب اس کی طرف فعل کی اسناد ہوگی تو وہ مفعول بہ ہونے سے خارج ہو جائے گا اور فاعل کے حکم میں ہوگا اور اعطی زید درھما کے مثل (باب اعطیت کے مفعول ثانی) سے (مفعول بہ کی تعریف پر) اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ درھما پر صادق آتا ہے کہ اس پر فاعل حکمی کا کہ جس کی طرف فعل کی اسناد معتبر ہے فعل واقع ہوا ہے اس لئے (اعتراض نہ ہوگا) کہ (باب اعطیت اور اعلمت کا) مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل کے حکم میں ہے (کیونکہ وہ معنی کی رو سے فاعل ہے کہ وہ درھم کا آخذ ہے) اور اس سے جو کہ ہم نے (فاعل کے ذکر کا قاعدہ ظاہر ہوگیا لہذا اعتراض نہ ہوگا کہ اگر مصنف (مفعول بہ کی تعریف میں) ما وقع علیہ الفعل کہتے تو زیادہ مختصر تھا (جیسے ضربت زیدا) تو بلا شبہ زید پر بلا واسطۂ حرف جر ایسا فعل واقع ہوا ہے کہ جس کی اس فاعل کی طرف جو کہ متکلم کی ضمیر ہے اسناد کا اعتبار کیا گیا ہے (اور کبھی مقدم ہوتا ہے) مفعول بہ (فعل پر) جو کہ اس میں عمل کرنے والا ہوتا ہے فعل کے عمل میں قوت کی وجہ سے مفعول

اس میں فاعل کی طرف فعل کے اسناد کا اعتبار ہی نہیں کیا گیا نہ حقیقۃً اور نہ حکمًا کیونکہ مثال مذکور میں زید دراصل مفعول بہ ہے حقیقۃً بھی اور حکمًا بھی پس جبکہ فعل کی اسناد زید کی طرف کر دے گی تو زید مفعول بہ ہونے سے خارج ہوگیا اور فاعل کے حکم میں ہوگیا اور جب یہ فاعل کے حکم میں ہوگیا تو مفعول بہ نہیں رہا حالانکہ دراصل بہ ہی ہے پس یہاں چونکہ اسناد فعل الی الفاعل مفقود ہے لہذا اس کو مفعول بہ بھی نہیں کہہ سکتے اور یہ اس سے خارج ہے پس

اسناد حقیقی . . . . یہ ہے جیسے ضربت میں ضرب فعل کا اسناد تا متکلم فاعل کی طرف اور اسناد حکمی یہ ہے جیسے اعطی زید درہمًا کہ اس میں زید مفعول مالم یسم فاعلہ کے قائم مقام ہو کر فاعل حکمی ہے اور درہمًا پر فاعل حکمی کا فعل عطا واقع ہو رہا ہے اور فعل کا اسناد فاعل حکمی کی طرف معتبر بھی ہے اسلئے کہ باب اعطیتُ اور اعلمتُ کا مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ اس باب مفعول مالم یسم فاعلہ در

اصل فاعل ہوتا ہے اس لئے کہ وہ آخذ یعنی لینے والا ہوتا ہے پس اعطی زید درہما کا ترجمہ "لیا زید نے درہم کو" ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۳۹ قولہ وبما ذکرنا الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عبارت میں اصل ایجاز و اختصار ہے پس اگر مصنف ما وقع علیہ الفعل بغیر ذکر فاعل کے کہتے تو مطلب بھی حاصل ہو جاتا اور اختصار بھی۔ جواب یہ ہے کہ اگر فاعل کا ذکر نہ کیا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ فعل سے مراد مطلق فعل ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ فعل مراد ہے جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو اور پھر فاعل میں تعمیم ہو یعنی فاعل حقیقی ہو یا حکمی پس شارح کے . . . ذکر فاعل کا فائدہ ظاہر ہوگیا لہذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا واللہ اعلم ۱۲۔

۴۰ قولہ نحو ضربت زیدا الخ یہ مفعول بہ کی مثال ہے اس لئے کہ زید پر بلا واسطہ حرف جر کے وہ فعل واقع ہے کہ جس کا اسناد فاعل یعنی ضمیر متکلم کی طرف معتبر ہے اس عبارت زیدًا اِنّ کا اسم ہے اور علیہ کی ضمیر مجرور اسی کی طرف راجع ہے اور وقع کا فاعل فعل ہے اعتبر ہے پھر فعل میں تعمیم ہے عام ازیں کہ مثبت ہو جیسے مثال مذکور میں یا منفی جیسے لم اضرب زیدًا واللہ اعلم ۱۲

۴۱ قولہ وقد یتقدم الخ مفعول بہ کبھی اپنے فعل عامل پر مقدم بھی ہوتا ہے کیونکہ فعل عامل عمل میں قوی ہوتا ہے پس وہ خواہ مقدم ہو یا مؤخر بہر صورت مفعول بہ میں عمل کریگا اس جگہ قید عامل کے اضافہ کا فائدہ یہ ہے فعل صرف فعل میں ہی محدود نہ رہے بلکہ مطلق عامل ہونے کے لحاظ سے شبہ فعل کو بھی مشتمل ہو جائے نیز یہ فعل متعلقات اسم سے ہے عامل ناصب ہونے کی جہت سے متعلقات فعل سے نہیں اس لئے عامل کا اضافہ کر دیا اب اس کی دو صورتیں ہیں یعنی یہ کہ فعل ناصب پر مفعول بہ کا تقدم جائز بھی ہے اور واجب بھی جواز کی صورت تو یہ ہے

فی العمل فیعمل فیہ متقدما ومتاخرا اما جوازا مثل اللہ اعبد ووجہ الحبیب اتمنّٰی واما وجوبا فیما تضمن معنی الاستفہام او الشرط نحو من رایت ومن تکرم یکرمک ھذا اذا لم یکن مانع من التقدیم کوقوعہ فی حیز ان نحو من البر ان تکف لسانک وقد یحذف الفعل العامل فی المفعول بہ لقیام قرینۃ مقالیۃ اوحالیۃ جوازا کقولک زیدا لمن قال من اضرب ای اضرب زیدا فحذف الفعل للقرینۃ المقالیۃ التی ھی السوال و نحو مکۃ للمتوجہ الیھا ای ترید مکۃ فحذف الفعل للقرینۃ الحالیۃ ووجوبا فی

کی تقدیم جائز ہے) پس فعل مفعول بہ میں (ہر صورت) عمل کرے گا (مفعول بہ) متقدم ہو یا متأخر (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) یا جوازی طور پر (مفعول بہ مقدم ہوگا تاکہ فعل اس مفعول بہ کے مخصوص اور اس میں منحصر ہو بہ مطابق تقدیم ما حقہ التاخیر مفید الحصر والتخصیص) جیسے اَللّٰہَ اَعْبُدُ اور (یا اہتمام کو مفید ہو جیسے) وجہ الحبیب اتمنّٰی اور یا (مفعول بہ اپنے فعل سے) وجوبی طور پر مقدم ہوگا (اور یہ) اس مفعول بہ میں (ہوگا) جو کہ معنیٔ استفہام یا (معنیٔ) شرط کو متضمن ہو جیسے من رأیت اور من تکرم یکرمک یہ (مفعول بہ کی فعل پر تقدیم خواہ جوازی ہو خواہ وجوبی) اس وقت ہے جب کہ (مفعول کی فعل پر) تقدیم سے کوئی مانع (درپیش) نہ ہو (اور اگر کوئی مانع پیش آجائے تو اس وقت مفعول کی تقدیم جائز نہ ہوگی) جیسا کہ مفعول بہ اَن (مصدریہ) کے تحت واقع ہو جیسے من البرِ اَن تکف لسانک (یہاں مفعول بہ کی تقدیم جائز نہیں کہ ان تکف بتاویل مصدر ہے جو کہ عامل ضعیف ہے اس لئے اس کا معمول لسانک اس سے مقدم نہیں ہو سکتا) (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فعل) جو کہ مفعول بہ میں عمل کرتا ہے (قیام قرینہ کے وقت) خواہ مقالیہ (یہ قرینہ) یا حالیہ (جوازی طور پر جیسے زیدا اس شخص کے لئے جس نے کہا من اَضرب) یعنی اضرب زیدا تو فعل (اضرب) کو قرینہ مقالیہ جو کہ سوال ہے کی وجہ سے اور اسی طرح (تمہارا قول) مکہ (ہے) اس شخص کے لئے جو مکہ مکرمہ کو جا رہا ہے یعنی ترید مکۃ (جو کہ دراصل أترید مکۃ ہے ہمزۂ استفہام محذوف ہے) پس فعل (ترید) کو قرینہ حالیہ (جو کہ تیاری کرنا ہے) کی وجہ سے حذف کیا گیا (اور وجوبی طور پر چار مواضع میں) مصنف

جبکہ اس سے تخصیص مفعول بہ مقصود ہو جیسے اللہ اعبد یعنی اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں پس تقدیم مفعول بہ عبادت کی اللہ کے ساتھ تخصیص ہو گئی بخلاف اعبد اللہ کے کہ اس میں عبادت غیر اللہ کا بھی امکان ہے اور دوسری مثال جیسے وجہ الحبیب اتمنی یعنی میں محبوب ہی کے دیدار کا خواہشمند ہوں کسی اور کا نہیں اس میں تمنا کے ساتھ وجہ الحبیب کی تخصیص ہو گئی اور وجوب کی صورت یہ ہے کہ مفعول بہ معنیٔ استفہام یا معنیٔ شرط کو متضمن ہو پس چونکہ استفہام اور شرط صدارت کلام کے مقتضی ہیں اس لئے تقدیم مفعول بہ فعل پر واجب ہو گی جیسے من رأیتَ (مثال استفہام) یعنی کس کو دیکھا تو نے اس میں من مفعول بہ اپنے فعل رأیتَ پر مقدم ہے ومن تکرم یکرمک یہ شرط کی مثال ہے یعنی جس شخص کا تو اکرام کرے گا وہ تیرا اکرام کریگا اس میں بھی من مفعول بہ تکرم فعل پر مقدم ہے وجوبا مگر یہ تقدیم مفعول بہ کی دونوں صورتیں اس وقت ہیں جبکہ تقدیم سے کوئی مانع پیش نہ آئے مثلاً مفعول بہ اگر ان مصدریہ کے تحت میں واقع ہو جائے تو مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا ممتنع ہو جائیگا اس لئے کہ اَن مصدریہ کے فعل مضارع پر دخول کے باعث فعل مضارع مصدر کی تاویل میں ہو جائیگا پس فعل مضارع کی جانب فعلیۃ ضعیف ہو جائیگی پس یہ اپنے ماقبل میں عمل نہیں کریگا جیسے من البر ان تکف لسانک اس میں لسانک مفعول بہ ہے مگر چونکہ فعل مضارع پر ان مصدریہ داخل ہے اس لئے اسکی تقدیم ممتنع ہے ترجمہ تیرا زبان کو روک لینا (یعنی کم گوئی اختیار کرنا) بھلائی سے ہے (فائدہ) شارح کے قول ہذا اذا لم یکن الخ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تقدیم مفعول بہ کی تین صورتیں ہیں جائز، واجب، ممتنع کما مر واللہ اعلم ۱۲۔

۴۲ قولہ وقد یحذف الخ کبھی مفعول بہ کے فعل عامل کو حذف بھی کر دیتے ہیں بشرطیکہ کوئی قرینہ موجود ہو خواہ وہ قرینہ مقالیہ ہو یعنی قول سے معلوم ہو رہا ہو یا حالیہ، اس حذف کی دو صورتیں ہیں جائز اور واجب جائز کی مثال جیسے زیدا جبکہ یہ اس شخص کے جواب میں واقع ہو جو من اَضربُ کہے یعنی سائل سوال کرے کہ میں کس کو ماروں گا تو مجیب جواب میں صرف زیدا کہہ سکتا ہے یعنی زید کو اِضرِبْ زیدا کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس پر قرینہ مقالیہ یعنی سوال دلالت کر رہا ہے اور چاہے تو اضرب زیدا بھی کہہ سکتے ہیں دونوں جائز ہیں اور جو شخص مکہ کی جانب متوجہ ہو یعنی حج بیت اللہ کے قصد سے جا رہا ہو تو اس کا خیال کرتے ہوئے صرف مکہ بھی کہہ سکتے ہیں اترید فعل کے حذف کے ساتھ

اَرْبَعَةِ مَوَاضِعَ تخصيصها بالذكر ليس للحصر لوجوب الحذفِ فی باب الاغراءِ والمنصوبِ على المدحِ اوالذم اوالترحمِ بل للكثرة مباحثِها بالنسبة الى هذه الابواب اَلْاَوَّلُ [۴۴] من تلك المواضع الاربعة سَمَاعِیٌّ مقصورٌ على السماع لايتجاوزُ عن امثلةٍ محدودةٍ مسموعةٍ بان يُقاسَ عليها امثلةٌ اُخرى نَحْوُ اِمْرَأً وَنَفْسَهٗ اى اترك امرأً ونفسه وَانْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اى انتهوا عن التثليث واقصِدُوا خيرًا لكم وهوالتوحيدُ وَ اَهْلًا وَسَهْلًا اى اتيت

کا ان چار کو خاص کر ذکر کرنا حصر کے لئے نہیں (کیونکہ مصنف کے کلام میں کوئی ایسا کلمہ نہیں جو حصر کو ظاہر کرتا ہو اور صرف عدد حصر پر دلالت نہیں کرتا کما قال الجمہور) کیونکہ باب اغراء (آمادہ اور برانگیختہ کرنا) اور باب منصوب بالمدح یا بالذم یا بالترحم میں بھی فعل کا حذف واجب ہے (پھر ان چار مذکور فی المتن مواضع میں حذف فعل کیونکر منحصر ہو سکتا ہے) بلکہ ان چار ابواب کی نسبت ان مواضع اربعہ کے کثیر المباحث ہونے کی وجہ سے (مصنف نے ان مواضع اربعہ کو ذکر کیا نہ کہ حصر کی وجہ سے) ((پہلا)) ان مواضع اربعہ میں سے ((سماعی ہے)) جو سماع پر محدود ہے کہ سنی ہوئی محدود مثالوں سے (فعل کے حذف کے سلسلے میں اس طرح) تجاوز نہ کیا جائے گا کہ اس پر دوسری مثالوں کا قیاس کیا جائے ((جیسے امرأ ونفسہ)) یعنی اترک امرءً ونفسہ ((انتہوا خیرا لکم)) یعنی اے عیسائیو! تثلیث سے باز آجاؤ اور اپنے لئے بہتر بات کا ارادہ کرو اور وہ (بہتر بات)

اور فعل کو بھی ذکر کر سکتے ہیں ای اتزید مکۃ پس اگر صرف مکۃ کہا جائیگا تو قرینہ حالیہ یعنی حج کے لئے جانا اس پر دال موجود ہے پس دونوں کا اختیار ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۴۳ قولہ وجوبًا الخ یہ حذف فعل کی دوسری صورت ہے یعنی اس میں فعل کا حذف واجب ہے اور یہ چار مواضع میں ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وجوب حذف فعل کی تو بہت سی صورتیں ہیں مصنف نے چار کا ذکر کر کے ان میں کیوں منحصر کر دیا اس کا جواب شارح تخصیصها بالذکر الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ انہی چار کے ذکر کے ساتھ حذف فعل وجوبًا کو خاص کرنا حصر کے لئے نہیں ہے بلکہ ان چاروں میں مباحث بکثرت ہیں بہ نسبت دوسرے مواضع کے لہذا انہی چار پر اکتفا کیا دوسرے مواضع کہ جہاں فعل ناصب مفعول بہ کو حذف کرنا ہے یہ ہیں۔ ۱ باب اغراء یعنی کسی کو برانگیختہ کرنا اور بھڑکانا جیسے اخاک اخاک ای الزم اخاک اس میں الزم فعل کو بوجہ تنگی وقت اور کمی فرصت کے حذف کرنا واجب ہے ۲ منصوب علی المدح جیسے الحمد للہ الحمید ای اعنی الحمید ۳ منصوب علی الذم جیسے اتانی زید لفاسق الخبیث ای اعنی الخبیث ۴ منصوب علی الترحم جیسے مررت بزید المسکین ای اعنی المسکین او ارحم المسکین اور تینوں صورتیں اسی وقت متحقق ہو سکتی ہیں جبکہ ان کو اپنے ماقبل کی صفت نہ قرار دیتے ہوئے منصوب پڑھیں اور اگر ان کو ماقبل کی صفت قرار دیں گے تو پھر منصوب نہیں پڑھ سکتے پس الحمید اور المسکین دونوں مجرور کی صفت کی بنا پر مجرور رہیں گے اور الخبیث مرفوع کی صفت ہونے کے باعث مرفوع ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۴۴ قولہ الاول الخ یعنی ان مواضع اربعہ میں موضع اول سماعی ہے کسی قاعدہ اور قیاس کو اس میں دخل نہیں بلکہ وہ مورد سماع پر مقصور ہے اور یہ حذف چند سنی ہوئی محدود متعین مثالوں سے متجاوز نہیں کہ اس پر دوسری امثلہ کو قیاس کر لیا جائے اس کی پہلی مثال امرأ ونفسہٗ ہے ای اترک امرأً ونفسہٗ یعنی مرد اور اس کے نفس کو چھوڑ (اور اپنے ہاتھ اور زبان کو اس کے مارنے اور نصیحت کرنے سے روک لے) پس یہاں امرأً اترک کا مفعول بہ ہے فعل کو حذف کر دیا گیا اور اس کے وجوب حذف کی وجہ یہ ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں اہل عرب بغیر ذکر فعل کے اس کو ذکر کرتے ہیں دوسری مثال قول باری تعالیٰ انتہوا خیرًا لکم ہے یہ اصل میں انتہوا عن التثلیث واقصدوا خیرًا لکم تھا یعنی تم تین خدا کہنے سے گریز کرو اور اپنے لئے بھلائی کا قصد کرو یعنی توحید اختیار کرو پس یہاں خیرًا اقصدوا کا مفعول بہ ہے اقصدوا فعل ناصب کو محذوف کر دیا گیا یہ آیۃ نصاریٰ سے خطاب کے لئے نازل ہوئی اور نصاریٰ تین خداؤں کے قائل تھے اس لئے عن التثلیث کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کیونکہ قرینہ موجود ہے تیسری مثال اس کی یہ ہے اہلًا وسہلًا ای اتیت اہلًا ووطیت سہلًا لفظ اہل دو چیزوں کے مقابلہ میں آتا ہے ایک خرابہ یعنی ویرانہ کے دوسرے اجانب یعنی بیگانوں کے پس معنیٰ ثانی کی بنا پر اہل بمعنے ماہول ہوگا یعنی معمور اور آباد اور اس کے لئے موصوف مقدر کیا جائیگا یعنی لفظ مکان پس تقدیر عبارت یہ ہوگی ای اتیت مکانًا ماہولًا معمورًا لاخرابًا اور بنا بر ثانی کے تقدیر عبارت یہ ہوگی اتیت اہلًا لا اجانب یعنی تو اپنے رشتہ داروں میں آیا ہے غیروں میں نہیں آیا اور سہل نرم زمین کے معنے میں آتا ہے بمقابلہ حزن یعنی زمین درشت و ناہموار کے پس انکی تقدیر عبارت یہ ہوگی وطیت سہلًا من البلاد لاحزنًا یعنی تو نے شہروں کی نرم زمین میں سفر کیا نہ کہ سخت اور ناہموار زمین میں پس مثال مذکور میں مفعول بہٖ کے فعل کو سماعًا حذف کر دیا گیا اور یہ حذف واجب ہے بدلیل سماع اہل عرب یہ جملہ اس وقت استعمال

اهلاً ای مکانا ماهولاً معموراً لا خرابًا او اهلاً لا اجانب ووطیت سهلاً من
البلاد لا حزنا وَالموضع الثَّانِیْ[۴۵] من تلك المواضع الاربعة اَلْمُنَادٰی وَهُوَ
الْمَطْلُوْبُ اِقْبَالُهٗ ای توجُّهه الیك بوجهه او بقلبه کما اذا نادیتَ مُقبِلاً
علیك بوجهه حقیقةً مثلُ یا زیدا وحُکمًا مثل یا سماءُ ویا جبالُ ویا ارضُ
فانها اُنزِّلت اولاً منزِلَةَ من له صلاحیة النداء ثم اُدْخِلَ علیها حرفُ النداء
وقُصِد نداؤُها فهی فی حکم من یُطلَبُ اقبالُه بخلاف المندوب[۴۶] لانه

توحید ہے ((اور اهلاً وسهلاً)) یعنی اتیت اهلا (اور اہل یا تو مصدر ہے از اہل یأہل سمع کی طرح اور مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہوگا جس طرح کہ شارح فرماتے) یعنی مکان ماهول (یعنی معمور میں آئے ہو جو خراب نہیں (بلکہ آباد وشاد ہے یا اهل اسم ہے قریب کے معنی میں جیسا کہ شارح نے اس کی طرف اشارہ فرمایا) یا اهل (یعنی قریبیوں میں آئے ہو جو اجنبی نہیں اور تم نے سخت جگہ پر نہیں نرم جگہ پر قدم رکھا ہے (اور دوسری)) جگہ ان مواضع اربعہ میں سے ((منادی ہے اور منادی وہ ہے جس کا اقبال مطلوب ہو)) یعنی اس کے دل یا رخ کی تمہاری طرف توجہ (مطلوب ہو) جیسا کہ تم ایسے شخص کو ندا کرو جو اپنے منہ سے تمہاری طرف متوجہ ہے (تو اسے نداء کی جائے تو وہ اب دل سے تمہاری طرف متوجہ ہوگا پھر یہ اقبال) خواہ حقیقی طور پر ہو جیسے یا زید (کہ تمہیں زید کو اس کے منہ یا منہ کے بعد دل سے اپنی طرف متوجہ کرنا ہو) یا حکمی طور پر جیسا کہ (قول باری تعالیٰ ہے) یَا سَمَاءُ وَیَا جِبَالُ وَیَا اَرْضُ (کہ جن میں منہ یا دل سے متوجہ ہونے کی صلاحیت نہ ہو ان کا اقبال حکمی ہے نہ کہ حقیقی) کہ پہلے تو ان اسماء کو ان کے بمنزلے کیا گیا کہ جن میں نداء کی صلاحیت ہے (اور وہ ذی روح وذی عقل ہیں) پھر ان پر حرف ندا داخل کیا گیا اور ان کی ندا کا قصد کیا گیا لہذا یہ اسماء ان (ذی روح وذی عقل و بصیرت) چیزوں کے حکم میں ہیں کہ جن کا اقبال (یعنی منہ اور دل سے تمہاری طرف) متوجہ ہونا مطلوب ہو مندوب کے برعکس (یعنی مندوب، منادی کے خلاف ہے) کیونکہ مندوب

کرتے ہیں جب کوئی شخص سفر کرکے بطور مہمان کے وارد ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲

۴۵ قولہ والموضع الثانی الخ ان مواضع اربعہ میں سے کہ جہاں فعل ناصب مفعول بہ کو حذف کرنا واجب ہے دوسرا موضع منادی ہے اور منادی ایسی شے کے اسم کو کہتے ہیں جس کے متوجہ ہونے کو اس حرف کے ذریعہ طلب کیا جائے جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے عام ازیں کہ وہ لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً ای توجهه الخ سے شارح اقبال کے معنی بیان فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ اقبالہ کا مطلب یہ ہے کہ شئے کی توجہ یعنی جس کو پکارا جائے اسکی توجہ چہرہ یا قلب کے ذریعہ تمہاری طرف ہوجائے پس اقبال یعنی توجہ کرنے کی دو قسمیں ہوئیں ایک وجہی دوسری قلبی۔ پھر اس حیثیت سے دو قسمیں اور نکلتی ہیں کہ منادیٰ میں متوجہ ہونے کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں ہے اگر صلاحیت ہوگی تو اس کو توجہ حقیقی کہیں گے عام ازیں کہ وہ بالوجہ ہو یا بالقلب اور اگر صلاحیت نہ ہو تو یہ توجہ حکمی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہم سے پشت کئے کھڑا ہو اور ہم آواز دیکر اس کے چہرہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں تو یہ توجہ حقیقی وجہی ہوگی اور اگر کوئی شخص ہماری طرف رخ کئے ہوئے کھڑا ہو اور ہم اس کے دل کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں تو یہ توجہ حقیقی قلبی ہوگی پس چونکہ شخص منادی میں متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے دونوں صورتیں یا زید مثلاً میں جمع ہوسکتی ہیں یعنی توجہ چہرہ کے ذریعہ بھی اور دل کے ذریعہ بھی یہی توجہ حقیقی ہے اور توجہ حکمی یہ ہے کہ جس چیز میں متوجہ ہونے کی صلاحیت نہیں اس کو بمنزلہ اس چیز کے فرض کریں کہ جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے پھر اس پر حرف ندار کو داخل کریں جیسے یا سماءُ یا جبال یا ارضُ پس ان اسماء کو پہلے بمنزلہ اس چیز وں کے فرض کیا گیا کہ جن میں صلاحیت ندا موجود ہے پھر ان پر حرف ندا داخل کردیا گیا اور ان کی ندا کا قصد کیا گیا پس یہ بھی ندا حقیقی کے حکم میں ہوگئے کیونکہ ان کو حقیقۃً اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود نہیں واللہ اعلم

۴۶ قولہ بخلاف المندوب الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مندوب کو بھی منادی حکمی کہنا چاہئے اس لیے اس کا بھی اقبال مطلوب ہوتا ہے اور اس پر بھی قائم مقام ادعو حرف ندا داخل ہوتا ہے پس اولاً مندوب کو بمنزلہ اس چیز کے فرض کریں جس میں صلاحیت ندا ہو پھر اس پر حرف ندا داخل کردیں اور اس کو منادی حکمی کہنا اولیٰ وانسب بھی ہے اس لئے کہ مندوب قبل الموت منادی حقیقی تھا اس کا جواب شارح بخلاف المندوب سے یہ دے رہے ہیں کہ مندوب اس کو کہتے ہیں جس پر اظہار تفجع اور گریہ کیا جائے پس اس پر حرف ندا محض تفجع کے لئے داخل کیا گیا ہے بمنزلہ منادی کے قرار دینے کے لئے نہیں اور منادی کی ندا مقصود ہوتی ہے پس شرط اقبال ہی فوت ہوگئی واذا فات الشرط فات المشروط کے بموجب مندوب تعریف منادیٰ سے خارج ہوگیا پھر چونکہ یہ منادیٰ سے خارج ہوکر ایک مستقل باب ہے اسی واسطے مصنف

المتفجع علیه اُدخِلَ علیه حرفُ النداءِ لمجرد التفجع لا لتنزیله منزلةَ المنادی وقصد ندائه فخرج بهذا القید عن تعریف المنادی ولهذا اَفْرَدَ المصنفُ احکامَهٗ بالذکر فیما بعد وفیه[47] تحکمٌ فان المندوبَ ایضًا کما قال بعضُهم منادیً المطلوبُ اقبالُه حکمًا علی وجه التفجع فاذا قلت یا محمداہ فکانک تُنادِیه وتقولُ له تعالَ فاَنَا مشتاقٌ الیک فالاولی ادخالُه تحتَ المنادی کما فعله صاحب المفصلِ وقیل الظاهرُ من کلام سیبویه ایضًا انه داخلٌ فی المنادی بحرفٍ[48] نائبٍ منابَ اَدْعُوْ من الحروف الخمسة وهی یا وایا وهیا وای والهمزة واحترز به عن نحو لِیُقْبِلْ زیدٌ لفظًا[49] اَوْ تقدیرًا

متفجع علیہ ہے (اس کی بحث عنقریب آئے گی) اس پر حرف ندا محض تفجع کے لئے داخل کیا گیا ہے اس لئے نہیں کہ اسے منادی کے بمنزلے کیا گیا اور اس کی ندا کا قصد کیا گیا لہذا مندوب اس قید سے (کہ ھو المطلوب اقبالہ حقیقۃ او حکما) منادی کی تعریف سے خارج ہو گیا اور اسی وجہ سے مصنف نے مندوب کے احکام کا ذکر ما بعد میں علیحدہ کیا ہے اور اس (مندوب کے منادی کی تعریف سے خارج کرنے) میں بلا وجہ کا فیصلہ ہے (جو لائق نظر ثانی ہے) کیونکہ مندوب بھی جیسا کہ بعض (جزوی ایسے محققین) نے فرمایا ہے (وہ بھی) منادی ہے جس کا اقبال حکما تفجع کے طور پر مطلوب ہے پس جب تم نے یا محمداہ (ان کے مندوب ہونے کی حالت میں) کہا تو گویا تم انہیں ندا کر رہے اور ان سے عرض کر رہے ہو کہ تشریف لائیے میں آپ کا مشتاق ہوں پس اولی (اور انسب) مندوب کو منادی کے تحت داخل کرنا ہے جیسا کہ اسے صاحب مفصل (علامہ زمخشری) نے کیا۔ اور کہا گیا ہے کہ سیبویہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہے کہ مندوب منادی میں داخل ہے (ایسے حرف کے ساتھ جو ادعو کے قائم مقام ہے) پانچ حروف میں سے اور وہ پانچ حروف یا اور ایا اور ھیا اور ای اور ہمزہ ہے اور مصنف نے اپنے قول "بحرف نائب مناب ادعو" کی قید سے "لیقبل زید (امر غائب از اقبال اور زید اس کا فاعل ہے اور اس کا اقبال منہ یا دل سے مطلوب ہے مگر ایسے حرف کے ذریعے نہیں جو کہ ادعو کے قائم مقام

نے اس کے احکام کو آگے چل کر مستقلاً علیحدہ صورت میں بیان کیا ہے ندبہ کہتے ہیں نالہ و شیون (نوحہ) کرنے کو اور تفجع کے معنے آتے ہیں دردمند اور غمگین ہونا واللہ اعلم۔

۴۷ قولہ وفیہ تحکم الخ اس عبارت سے شارح مصنف پر ایک اعتراض کر رہے ہیں جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کا المطلوب اقبالہ کی قید لگا کر مندوب کو تعریف منادی سے خارج کرنا تحکم اور دعوی بلا دلیل ہے مصنف نے سماء ارض جبال وغیرہ کو تو تعریف منادی میں داخل کر دیا اور اس کو خارج حالانکہ مندوب بھی منادی حکمی ہے جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ اس سے بھی حکما بناپر تفجع اور اظہار درد مندی کے اقبال مطلوب ہوتا ہے پس مثلاً جب یا محمداہ کہا جائیگا تو گویا کہ تم محمدؐ کو پکار رہے ہو اور اس سے کہہ رہے ہو کہ ہمارے پاس آ ہم تیرے مشتاق ہیں پس اولی یہی ہے کہ اس کو منادی کے تحت میں داخل کر لیا جائے جیسا کہ صاحب مفصل نے کیا ہے اور بقول رضی کے سیبویہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مندوب منادی میں ہی داخل ہے علیحدہ قسم نہیں مگر شارح کا یہ اعتراض کرنا درست نہیں اس لئے کہ نادب کا مقصود اقبال مندوب نہیں ہوتا بلکہ مندوب کے سبب سے سامعین کے سامنے اظہار رنج و غم مقصود ہوتا ہے نیز اقبال مندوب مقصود ہو بھی نہیں سکتا نہ حقیقۃً اور نہ حکماً حقیقۃً تو ظاہر ہے رہا حکما تو وہ اس طرح کہ حکما کہنے سے مجاز لازم آتا ہے اور باب مندوب کثیر الاوزان کثیر الوقوع ہے اور واسع ہے اہل عرب کی زبان پر بکثرت جاری و ساری رہتا ہے پس اس کو مجاز قرار دینا ممکن نہیں بخلاف یا سماء و یا جبال وغیرہ کے کہ وہ اس قدر کثیر الوقوع نہیں لہذا وہ مجاز قرار دئے جا سکتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۴۸ قولہ بحرف الخ یہ جار مجرور المطلوب کے متعلق ہے اور جو حروف ادعو کے قائم مقام ہوتے ہیں وہ پانچ ہیں۔ یا۔ ایا۔ ھیا۔ ای۔ ہمزہ مفتوحہ۔ ان کو حروف ندا سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ قید احترازی ہے پس جس جگہ حرف ندا نہیں پایا جائیگا وہ منادی سے خارج ہے جیسے لیقبل زیدٌ (چاہئے کہ زید متوجہ ہو) پس اس میں چونکہ حرف ندا موجود نہیں بلکہ زید کا اقبال لام امر سے مطلوب ہے اور وہ ادعوا کا قائم مقام نہیں لہذا یہ اس بحث سے خارج ہے نیز اس میں چونکہ حرف کی قید ہے اسلئے منادی کی تعریف سے ادعوا زیداً بھی خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس میں زید کا اقبال فعل کے ذریعہ سے مطلوب ہو رہا ہے حرف کے ذریعہ نہیں واللہ اعلم۔

۴۹ قولہ لفظاً او تقدیراً الخ اسکی شرح تفصیل المطلب الخ سے کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے تقریر سوال یہ ہے کہ قول مصنف لفظاً او تقدیراً یا تو المطلوب کا مفعول مطلق ہوگا یا لفظ نائب کا یا اقبالہ کی ضمیر سے حال

تفصیلٌ للطلب اے طلبا لفظیًا بان تکون آلۃُ الطلب لفظیۃً نحو یا زیدُ او تقدیریًا بان تکون آلتُہ مقدرۃً نحو یُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذا اوللنیابۃ اے نیابۃً لفظیۃً بان یکونَ النائبُ ملفوظًا او تقدیریۃً بان یکون النائبُ مقدرًا کما فی المثالین المذکورین اوللمنادی والمنادی اما الملفوظُ مثل یا زیدُ والمقدرُ مثل اَلَا یا اسجُدُوا اے اَلَا یا قومِ اسجُدُوا وانتصابُ المنادی عند سیبویہ علےٰ انہ مفعول بہ وناصبہ الفعلُ المقدرُ واصلُ یا زیدًا ادعو زیدًا فحذفَ الفعلُ حذفًا لازمًا لکثرۃ استعمالہ ولدلالۃ حرفِ النداء علیہ وافادتہ

ہو لہٰذا اس) کی مانند سے احتراز کیا ہے (لفظًا یا تقدیرًا) یہ طلب کی تفصیل ہے یعنی طلب لفظی ہو اس طرح کہ آلۂ طلب (حرفِ ندا) لفظی طور پر ہو جیسے یا زید یا (طلب) تقدیری ہو اس طرح کہ آلۂ طلب (حرف ندا) مقدر ہو جیسے (قرآن مجید میں ہے) یوسف اعرض عن ہذا (یعنی یا یوسف اعرض عن ہذا) یا (مصنف کا قول لفظا او تقدیرا) نیابت کی تفصیل ہے یعنی نیابت لفظی ہو اس طرح کہ نائب (وہ حرف جو کہ ادعو کے قائم مقام ہو) ملفوظ ہو یا (نیابت) تقدیری ہو اس طرح کہ نائب (حرف ندا قائم مقام ادعو) مقدر ہو جیسا کہ دو مذکورہ مثالوں میں ہے یا (مصنف کا قول لفظا او تقدیرا) منادی کی تفصیل ہے اور منادی ملفوظ جیسے یا زید اور مقدر جیسے الا یا اسجدو یعنی الا یا قوم اسجدوا۔ اور منادی کا (لفظا یا تقدیرا یا محلا) منصوب ہونا سیبویہ کے نزدیک اس بنا پر ہے کہ وہ (فعلِ محذوف واجب الحذف کا) مفعول بہ ہے اور اس کا ناصب فعل مقدر ہے اور یا زید کی اصل ادعو زیدا ہے فعل (ناصبِ منادی) کو اس (کلام) کے کثرت استعمال اور حرف نداء کے فعل محذوف پر دلالت کرنے اور حرف نداء کے فعل کے

واقع ہوگا یا حرف سے اور کل کے کل غلط ہیں المطلوب کا تو اس واسطے مفعول مطلق نہیں ہو سکتا کہ یہ طلب پر مشتمل ہے نہ کہ لفظاً او تقدیراً پر اور نائب کا اس واسطے مفعول مطلق نہیں ہو سکتا کہ نائب کے معنی بھی نیابت کو مشتمل ہیں لفظاً او تقدیراً کو نہیں اور اقبالہ کی ضمیر سے حال قرار دینا اسلئے درست نہیں کہ یہ ضمیر راجع ہے منادی کی طرف اور حال میں اصل وضابطہ یہ ہے کہ وہ ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے اور اس جگہ حمل صحیح نہیں اس لیے کہ وہ لفظاً او تقدیراً نہیں بلکہ ملفوظ یا مقدر ہے اسی طرح حرف سے بھی حال قرار دینا صحیح نہیں شارح نے جواب دیا کہ یہ تمام صورتیں صحیح و درست ہیں، اور اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ اگر انکو المطلوب کا مفعول مطلق قرار دیں تو یہ باعتبار موصوف محذوف کے ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی المطلوب اقبالہ بحرفٍ نائبٍ مناب ادعوا طلباً لفظیاً او تقدیریاً۔ طلب لفظی کا مطلب یہ ہوگا کہ آلۂ طلب یعنی جس کے ذریعہ آواز دی جائے وہ لفظی ہے جیسے یا زیدُ کہ اس میں حرف ندا لفظاً موجود ہے اور طلب تقدیری کا حاصل یہ ہے کہ آلۂ طلب لفظوں میں نہ ہو مقدر ہو جیسے قول باری تعالےٰ یُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ہٰذا۔ ای یا یوسف اعرض عن ہذا اور اگر لفظاً و تقدیراً کو نائب کا مفعول مطلق قرار دیں یعنی ان کو نیابت کی تفصیل قرار دیا جائے تو اس وقت بجائے طلب مصدر موصوف محذوف کے نیابت مصدر موصوف محذوف نکالا جائیگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی بحرف نائب مناب ادعوا نیابۃً لفظیۃً او تقدیریۃً پس نیابۃ لفظیۃ کا مطلب یہ ہے کہ ادعوا کا نائب یعنی قائم مقام لفظاً موجود ہو جیسے یا زید میں اور تقدیریۃ کا یہ مطلب ہے کہ ادعوا کا نائب مقدر یعنی محذوف ہو جیسے یوسف اعرض عن ہذا میں دونوں کی امثلہ ایک ہیں اور اگر اس کو منادی کی تفصیل قرار دیں یعنی اقبالہ کی ضمیر جو منادی کی طرف راجع ہے اس سے اس کو حال قرار دیں تو حمل درست ہونے کی صورت یہ ہے کہ لفظاً او تقدیراً کو بمعنے ملفوظاً او مقدراً کے قرار دیں پس اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی ہو المطلوب اقبالہ حال کون المنادی ملفوظاً او مقدراً پس حال کا حمل ذوالحال پر درست ہو جائیگا منادی ملفوظ کی مثال جیسے یا زید کہ اس میں زید لفظاً موجود ہے اور منادی مقدر کی مثال جیسے اَلَا یا اسجدوا ای الا یا قوم اسجدوا کہ اس میں قوم منادیٰ ملفوظ نہیں مقدر ہے علی ہذا القیاس اگر اس کو حرف سے حال قرار دیں تب بھی ملفوظ اور مقدر کے معنی میں کرنا ہوگا۔ اور تقدیر عبارت یہ ہوگی بحرف نائب مناب ادعو حال کون الحرف ملفوظاً او مقدراً پس اول۔ ثانی اور رابع صورت کا تو حال یہ ہے کہ تینوں حرف ندا سے متعلق ہیں یعنی حرف ندا لفظاً ہو یا تقدیراً اور ثالث صورت اس کے خلاف ہے یعنی ندا سے متعلق نہیں منادی سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی منادی لفظاً ہو یا تقدیراً واللہ اعلم۔

۵۰ قولہ وانتصاب الخ منادی کو یہاں اس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ منصوب ہوتا ہے پس یا زیدُ میں منادی جو حالت رفع پر مبنی ہے وہ اگرچہ بظاہر مرفوع ہے مگر درحقیقت منصوب ہے کیونکہ یہ فعل اعراب کے اعتبار سے مفعول بہ کی جگہ میں واقع ہے پس یہاں سے شارح منادی کے منصوب ہونے کا سبب بیان فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سیبویہ کے نزدیک منادی کے منصوب

فائدته وعند المبرد بحرف النداء لسدّه مسدّ الفعل وقال (۵۱) ابو علی فی بعض کلامه ان یا واخواتها اسماء الافعال فعلی هذین المذهبین لا یکون من هذا الباب ای مما انتصب المفعول به بعامل واجب الحذف وعلی (۵۲) المذاهب کلها مثل یا زید جملة ولیس المنادی احد جزای الجملة فعند سیبویه جزاء الجملة ای الفعل والفاعل مقدران وعند المبرد حرف النداء قائم مقام احد جزای الجملة ای الفعل والفاعل مقدر وعند ابی علی احد جزائها اسم الفعل والآخر ضمیر

فائدہ دینے کی وجہ سے حذف کیا گیا (کہ فعل ادعو یا ارید یا اعنی بلانے کا فائدہ دیتا ہے اور حرف نداء بھی بلانے پر دلالت کرتا ہے) اور امام مبرد کے نزدیک (منادی کا منصوب ہونا) حرف نداء کی وجہ سے ہے کیونکہ حرف نداء فعل کے قائم مقام ہے (کہ جب فعل کو حذف کر کے حرف کو اس کی جگہ رکھا گیا اور فعل کو عمل دینے سے روک دیا گیا تو عمل دینا حرف کے ورثے میں آجائے گا لہذا یہی حرف ہی منادی کو نصب دیتا ہے) اور ابو علی (فارسی) نے اپنے بعض کلام میں کہا کہ یا اور اس کے امثال (حروف نداء) اسماء افعال ہیں (منادی کو بنا بر مفعولیت نصب دیتے ہیں جس طرح کہ اسماء افعال متعدیہ اپنے مفعول بہ کو نصب دیتے ہیں) پس دونوں مذہبوں کی بناء پر منادی اس باب سے نہ ہوگا یعنی اس قبیل سے کہ مفعول بہ واجب الحذف عامل کی وجہ سے منصوب ہو (نہ ہوگا) اور کل (سیبویہ و مبرد و ابو علی کے تینوں) مذہبوں کی بنا پر یا زید کے مثل جملہ ہے اور منادی جملے کی دو جزوں (مسند و مسند الیہ) میں سے کچھ نہیں پس (تفصیل یہ ہے کہ) سیبویہ کے نزدیک جملہ کے دو جز یعنی فعل اور فاعل مقدر ہیں اور مبرد کے نزدیک حرف نداء جملہ کے دو جزوں میں سے ایک یعنی فعل (ادعو) کے قائم مقام ہے اور (صرف) فاعل مقدر ہے اور ابو علی فارسی کے نزدیک جملے کے دو جزوں میں سے ایک (یعنی یا) اسم فعل ہے اور دوسری جز

ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مفعول بہ ہوا اور اس کا ناصب فعل مقدر ہے جس کو وجوباً حذف کر دیا گیا۔ پس یا زید کی اصل ادعوا زیداً ہے فعل کو کثرت استعمال کے باعث وجوباً حذف کر دیا گیا نیز حرف ندا بھی اس حذف فعل پر دلالت کرتا ہے۔ اور حرف ندا اس فعل محذوف کا فائدہ بھی دیتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی حذف کرنا ضروری ہوا کیونکہ قائم مقام موجود ہے لیکن مبرد سیبویہ سے قدرے اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حرف ندا چونکہ فعل کا قائم مقام ہے اس لئے منادی منصوب ہوتا ہے یہ وجہ نہیں کہ حرف ندا اس پر دلالت کرتا ہے اس لئے فعل محذوف ہے بلکہ سرے سے یہاں اس کے فعل کا وجود ہی نہیں واللہ اعلم۔

۵۱ قولہ وقال ابو علی الخ یہاں سے شارح ایک تیسرا مذہب ابو علی فارسی کا بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ ابو علی فارسی نے اپنے بعض کلام میں کہا ہے کہ یا اور اس کے اخوات یعنی تمام حروف ندا اسماء افعال ہیں یعنی جس طرح بعض اسماء افعال جو امر حاضر کے معنی میں ہوتے ہیں وہ اسم کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں اسی طرح حروف ندا بھی اسماء افعال ہونے کے باعث منادی کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں

پس ان دونوں یعنی مبرد اور ابو علی کے مذہبوں کی بنا پر یہ اس باب سے خارج ہو جائیں گے کہ یہ عامل واجب الحذف کے باعث مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کے نزدیک حذف فعل ماننے کی ضرورت نہیں رہتی اور یہاں مطلب حذف فعل سے ہے اقول مبرد کی بات تو قرین قیاس اور قابل قبول ہو سکتی ہے لیکن قول ابو علی درست نہیں اس لئے کہ اسماء افعال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دو حروف سے کم نہ ہو اور حروف ندا میں ہمزہ مفتوحہ صرف ایک حرف ہے نیز اسم فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ ہو جاتا ہے پس یہاں بھی بغیر منادی کے حرف ندا کو جملہ قرار دیا جائے حالانکہ ایسا نہیں علیٰ ہذا القیاس۔ اسم فعل کا انحصار دو قسموں میں ہے بعض ماضی اور بعض امر حاضر معروف اور یہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں کیونکہ یہ بمعنی فعل مضارع معروف ہے واللہ اعلم۔

۵۲ قولہ وعلی المذاہب الخ بہر حال منادی کے منصوب ہونے کی خواہ کوئی توجیہ کی جائے مگر یہ بات مسلم ہے کہ سب کے نزدیک مثل یا زید جملہ ہے اور منادی کسی کے نزدیک بھی جملہ کا جز نہیں نہ یہ مسند ہے نہ مسند الیہ پس اس کے جملہ ہونے کی توجیہ ہر شخص کے نزدیک مختلف ہے سیبویہ تو کہتے ہیں کہ جملہ کے دونوں جز یعنی فعل اور فاعل دونوں مقدر ہیں یعنی ادعوا اپنی ضمیر متکلم مستتر سمیت پس ان کے نزدیک نہ حرف ندا جملہ کا جز ہے اور نہ منادی اور مبرد یہ کہتے ہیں کہ حرف ندا جملہ کے دو جزوں میں سے ایک یعنی فعل کا قائم مقام ہے اور فاعل مقدر ہے مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس سے تنہا حذف فاعل لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے اور ابو علی کا مسلک یہ ہے کہ اس کا ایک جز تو اسم فعل ہے اور دوسرا جز اس ہی ضمیر مستتر حاصل یہ ہوا کہ منادی کسی کے نزدیک بھی جملہ کا جز نہیں نہ سیبویہ کے نزدیک نہ مبرد کے نہ ابو علی کے لیکن ان مذاہب میں مذہب

مستتر فیه وَیُبْنٰی[۵۳] ای المنادی قَدَّمَ بیان البناء والخفض والفتح علی النصب لقلتها بالنسبة الی النصب ولطلب الاختصار فی بیان النصب بقوله ویُنْصَبُ ماسواهما عَلٰی مَا یُرْفَعُ بِهٖ ای علی الضمة او الالف او الواو التی یُرفعُ بها المنادی فی غیر صورة النداء او الفعلُ مسند الی الجار والمجرور اعنی به و[۵۴] لاضمیرَ فیه وارجاعُ الضمیر الی الاسم غَیْرُ ملایم لسوق الکلام اِنْ کَانَ

اس میں مستتر ہے (یعنی ضمیر فاعل) ((اور مبنی کیا جائیگا)) یعنی منادی کو اور مصنف نے بناء اور جر اور فتح کے بیان کو نصب پر ان (تینوں) کی نصب کی بہ نسبت قلیل ہونے اور نصب کے بیان میں اپنے قول "وینصب ماسواہما" سے طلب اختصار کی وجہ سے مقدم کیا (بناء و جر اور فتح کو نصب سے اس لئے مقدم کیا کہ تینوں میں ہر ایک کا ایک ایک محل ہے مگر نصب کے محل تین ہیں منادی مضاف و مشابہ مضاف و نکرہ غیر معین اور اس لئے کہ مصنف کو نصب کے بیان کو مختصر کرنا مطلوب تھا کہ نصب کے ماسوا کا کہ نصب کی نسبت قلیل المحل ہیں پہلے ذکر ہو اور نصب کہ متعدد المحل ہے کو مصنف "وینصب ماسواھما کہہ کر مختصراً بیان کر دیں جس طرح کہ اعراب لفظی کو" واللفظی فیما عداہ" کو بیان کیا) ((اس پر کہ اس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے)) یعنی (منادی کو) ضمہ پر (اعراب بالحرکۃ میں) یا الف (پر) یا واؤ (پر تثنیہ و جمع مذکر سالم میں جبکہ اعراب بالحرف ہو مبنی کیا جاتا ہے) کہ جن کے ساتھ منادی کو نداء کی صورت کے علاوہ (قبل از نداء اطلاق منادی از قبیل من قتل قتیلا ہے) رفع دیا جاتا ہے (اور فعل یرفع یا تو ضمیر کی طرف مسند ہے کہ اس میں مستتر اور منادی کی طرف راجع ہے یا) یہ فعل جار اور مجرور یعنی بہ کی طرف مسند ہے او (اس صورت میں) اس میں ضمیر نہ ہوگی اور (یرفع کی) ضمیر کا (منادی کی بجائے مطلق اسم کی طرف لوٹانا سیاق کلام کے مناسب نہیں (کہ بحث منادی میں ہے مطلق اسم میں

مختار عند المصنف چونکہ مذہب سیبویہ ہے اس لئے اس کو اس باب میں ذکر کیا یعنی جہاں فعل ناصب مفعول بہ کو وجوباً حذف کرنا واجب ہے بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ یہ اس باب میں داخل ہی نہیں واللہ اعلم۔

۵۳ قولہ ویبنی الخ یبنی بصیغۃ المجہول ہے اور اس کا نائب فاعل المنادی محذوف ہے اسی کی طرف شارح نے ای المنادی سے اشارہ کیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارح نے منادی کے مبنی علی الرفع کو مجرور و مفتوح ہونے کے بیان پر کیوں مقدم کیا حالانکہ چاہیئے یہ تھا نصب کے بیان کو مقدم کرتے کیونکہ منادی میں نصب ہی اصل ہے اس لئے کہ منادی منصوبات سے ہے اس کا جواب شارح نے لقلتہا الخ سے یہ دیا کہ ان کے بیان کی تقدیم کا باعث یہ ہے کہ تحقق و استعمال کے اعتبار سے بہ نسبت نصب کے یہ بہت کم پائے جاتے ہیں یعنی منادی علی الرفع وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بیان نصب میں اختصار مطلوب ہے یعنی نصب کے مواقع بہت ہیں اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو طوالت ہو جاتی ہے اس لئے نصب کے مغایرات کو بیان کر کے کہہ دیا ہے کہ ان کے علاوہ سب جگہ منادی کو نصب ہوتا ہے پس کہتے ہیں کہ منادی کو علامت رفع پر مبنی بھی کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ منادی مفرد معرفہ ہو اس جگہ مصنف نے علی ما یرفع بہ کہا اور مبنی علی الضم نہیں کہا تو اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ رفع کی دونوں صورتوں کو شامل ہو جائے یعنی خواہ مرفوع بالحرکۃ ہو یا بالحرف اسی طرف شارح نے ای علی الضم الخ سے رہنمائی فرمائی ہے یعنی منادی مبنی علی الرفع خواہ ضمہ پر مبنی ہو جیسے یا زید یا الف پر جیسے یا زیدان یا واو پر جیسے یا زیدون پھر التی یرفع بہا الخ کا اضافہ کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یبنیٰ اور یرفع دونوں کی ضمیر منادی کی طرف راجع ہے پس عبارت یہ ہو گی ویبنی المنادیٰ علی ما یرفع المنادیٰ بہ پس اس وقت مصنف کے کلام میں تناقض پیدا ہو گیا کیونکہ بناء اور اعراب کا اسم واحد میں اجتماع لازم آیا اس لئے کہ یبنیٰ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ منادی کا مبنی ہونا صریح ہے اور یُرفع اعراب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ رفع معرب کے القاب میں سے ہے۔ پس منادی کیلئے بناء بھی ثابت ہوئی اور اعراب بھی اور یہ کھلا ہوا تناقض ہے شارح نے جواب دیا کہ اس میں کوئی تناقض نہیں اس لئے بناء کا تعلق صورت ندا کے ساتھ ہے یعنی جب منادی پر حرف ندا داخل ہو جائے۔ تب تو وہ مبنی ہو جائے گا اور رفع کا تعلق غیر صورت النداء سے ہے یعنی حرف ندا کے دخول سے قبل وہ مرفوع ہو گا ضمہ یا الف یا واو کے ساتھ پس غیر صورت ندا میں اسم پر منادی کا اطلاق کرنا مجازاً ہے۔ اور اس کے ارتکاب کی ضرورت اسی وجہ سے پیش آئی کہ یرفع کی ضمیر منادیٰ ہی کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۴ قولہ والفعل الخ یہ مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر یرفع میں ضمیر نہ مانی جائے اور بہ جار مجرور کو ہی نائب فاعل قرار دے لیا تو اس وقت بھی اعتراض مندفع ہو جائیگا اس لئے کہ اس وقت تقدیر عبارت یہ ہو گی ویبنی المنادی علی ما بہ الرفع یعنی منادیٰ

ای المنادی مُفرَدًا ای لایکون مضافًا ولا شبهَ مضافٍ وھو کلُّ اسمٍ لایتم معناهُ الا بانضمامِ امرٍ آخرَ الیه مَعرِفَۃً قبل النداءِ اوبعدہ و [۵۶] انما بنی المفردُ المعرفۃُ لوقوعه موقع الکاف الاسمیۃ المشابھۃ لفظًا ومعنی لکاف الخطاب الحرفیۃ وکونِهٖ مثلها افرادًا وتعریفًا وذلك لان یا زید بمنزلۃ ادعوك وهذہ الکاف ککاف ذلك لفظًا ومعنی و[۵۷] انما قلنا ذلك لان الاسم لایبنی الا لمشابھۃ الحرف اوالفعلِ ولا یبنی لمشابھۃ

نہیں) ((اگر ہو)) یعنی منادی ((مفرد)) یعنی مضاف نہ ہو (جیسے یا عبد اللہ) اور مشابہ مضاف نہ ہو (جیسے یا من خیرا من زید) اور وہ (مشابہ مضاف) ہر اسم ہے کہ جس کا معنی پورا نہ ہو مگر اس کی طرف (من زید کے خیرا کی طرف ملانے کی طرح) کسی چیز کو ملانے سے ((معرفہ)) نداء سے پہلے (معرفہ ہو جیسے یا زید) یا (نداء کے) بعد جیسے یا رجل) اور مفرد معرفہ کو (ادعوک کے) کاف اسمیہ جو کہ (ذلک اور ایاک کے) کافِ خطاب حرفیہ سے لفظا و معنی مشابہ ہے کی جگہ واقع ہونے اور اسی کی مثل مفرد اور معرفہ ہونیکی وجہ سے ہی مبنی کیا گیا اور یہ (مشابہت و مثلیت) اس لئے ہے کہ یا زید ادعوک کے بمنزلے ہے اور یہ (ادعوک کا) کاف لفظا اور معنی "ذلک" کے کاف کی مثل ہے اور یہ (جو) ہمنے کہا (کہ منادی ادعوک کے کاف کے واسطہ سے کاف خطاب حرفیہ کے مشابہ ہے اور ادعوک کے ساتھ مشابہت پر ہم نے اکتفاء نہ کیا) اسلئے کہ اسم حرف یا فعل کی مشابہت ہی کی وجہ سے مبنی کیا جاتا ہے اور اسمِ مبنی کی مشابہت کیوجہ

علامت رفع پر مبنی ہوگا۔ اب رہا یہ امر کہ ایسا کیوں نہ کر لیا جائے کہ یرفع کی ضمیر کو اسم کی طرف راجع کر دیا جائے تو کوئی بھی اعتراض لازم نہیں آئے گا اس کا جواب وارجاع الضمیر الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگرچہ یہ جواب چل سکتا ہے مگر ضمیر کو اسم کی طرف راجع کرنا غیر مناسب ہے اس لئے کہ سیاق کلام اس کے خلاف ہے یعنی سیاق کلام کا تقاضا یہ ہے کہ منادی کی ہی جانب ضمیر راجع ہو کیونکہ منادی کا بیان ہو رہا ہے مطلق اسم کی طرف راجع نہ ہو مگر یہ کہ اسم کا بیان منادی کے ضمن میں آجائے واللہ اعلم

۵۵ قولہ ان کان مفردًا الخ یہ عبارت مبنی علی الرفع کے لئے بطور شرط کے ہے یعنی منادی مفرد معرفہ ہو شارح نے ای لایکون مضافًا الخ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفرد کے معنے متعدد آتے ہیں یعنی مقابل تثنیہ و جمع و مضاف و شبہ مضاف

وغیرہ پس یہاں مفرد سے مراد مضاف اور شبہ مضاف کا مقابل ہے تثنیہ و جمع کا مقابل نہیں تاکہ یا زیدان یا زیدون بھی اس میں داخل ہو جائیں اب رہی یہ بات کہ شبہ مضاف کس کو کہتے ہیں؟ تو اس کا جواب وہو کل اسم الخ سے شارح نے یہ دے دیا کہ شبہ مضاف ہر اس اسم کو کہہ سکتے ہیں کہ جس کے معنی بغیر امر آخر کے ملائے تمام نہ ہو سکیں جیسے یا طالعًا جبلًا میں طالعًا کے معنے بغیر جبلًا کے ذکر کے تمام نہیں ہوتے پس طالعًا شبہ مضاف ہے اور معرفہ سے مراد عام ہے خواہ قبل ندا کے معرفہ یعنی متعین ہو جیسے یا زید یا ندا سے تعیین پیدا ہو جائے جیسے یا رجل کہ اس میں رجل نکرہ تھا ندا کے بعد خاص ہو گیا ہر شخص اس سے مراد نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔

۵۶ قولہ وانما بنی المفرد الخ یہاں سے شارح منادی مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ منادی مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کاف اسمیہ کے موقع میں واقع ہوتا ہے جو کہ لفظاً و معنیً کاف خطاب حرفیہ وہ ہے جو مثلاً ذلک میں ہے کیونکہ اس میں اسم اشارہ حرف ذا ہے اور لام اسم اشارہ اور کاف کے درمیان فصل کے لئے ہے اور ذلک کے کاف کو خطابیہ اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ اصل میں خطاب کے لئے ہی ہوتا ہے اسم اشارہ پر عارضاً داخل ہے اسم اشارہ کا جز نہیں پھر اس کو حرفیہ اس واسطے کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اس کی جگہ پر واقع نہیں ہو سکتا کیونکہ ذلک میں اس کی حیثیت حرف سے زیادہ نہیں رہی اور پھر یہ اس میں خطاب کے لئے استعمال بھی نہیں ہوتا صرف اصل کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو خطابیہ کہہ دیتے ہیں دوسری وجہ اس مناسبت کی یہ بھی ہے کہ منادی مفرد معرفہ افراد اور تعریف کے اعتبار سے کاف اسمیہ سے مشابہت رکھتا ہے یعنی جس طرح کاف اسمیہ سوائے مفرد اور معرفہ ہونے کے مضاف اور نکرہ نہیں ہو سکتا اسی طرح منادی مفرد معرفہ بھی مضاف اور نکرہ نہیں ہو سکتا بیان اس کا یہ ہے کہ یا زید بمنزلہ ادعوک کے ہے اور ادعوک میں کاف اسمیہ ہے کیونکہ یہ اسم ظاہر کے موقع میں واقع ہو رہا ہے پھر یہ کاف اسمیہ کاف ذلک کے مشابہ ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی۔ لفظاً تو ظاہر ہے کہ دونوں جگہ کاف کی صورت ایک ہی ہے نیز دونوں مفرد ہیں اور معنیً مشابہت یہ ہے کہ دونوں تعریف کے لئے بھی ہیں اور خطاب کے لئے بھی پس بوجہ مناسبت مبنی اصل کے منادی مفرد معرفہ مبنی ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۵۷ قولہ وانما قلنا الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عبارت میں اصل اختصار ہے پس اتنی طول طویل عبارت کی کیا ضرورت تھی اس قدر کہہ دینا کافی تھا وانما بنی لوقوعه موقع الکاف الاسمیۃ۔ اور المشابھۃ لفظاً و معنیً کہنے سے کیا فائدہ ہوا؟ جواب یہ دیا کہ ہم نے یہ طول اس لئے اختیار کیا کہ اسم مبنی نہیں

الاسم المبنی نحو یا زَیدُ وَ یا رَجُلُ مثالان لما هو مبنيٌّ علی الضمة اَوَّلُهما معرفةٌ قبل النداء وثانیهما معرفةٌ بعد النداء وَ یا زَیدَانِ مثالُ المبنی علی الالف وَ یا زَیدُونَ مثال المبنی علی الواو وَ یُخفَضُ ۵۹ ای یجر المنادی بِلَامِ الِاستِغَاثَةِ ای بلام تدخله وقتَ الاستغاثة وهی لام التخصیص اُدخلتْ علی المستغاث دلالةً علی انه مخصوص من بین امثاله بالدعاء نحوُ یالَزَیدٍ وانما فتحت لئلا یلتبسَ بالمستغاث له اذا حذفُ المستغاثُ نحو یا للمظلومِ ای یالَقومِ فانه لولم تُفتحِ لامُ المستغاثِ

سے مبنی نہیں کیا جاتا کہ حرف اور فعل ہی مبنی الاصل ہیں) ((جیسے یا زید اور یا رجل)) یہ دونوں اس منادی کی مثالیں ہیں جو مبنی علم الضم ہوتا ہے ان دونوں میں سے پہلا منادی قبل از نداء معرفہ ہے اور دوسرا بعد از نداء معرفہ ہے ((اور یا زیدان)) مبنی بر الف کی مثال ہے ((اور یا زیدون)) مبنی بر واؤ کی مثال ہے ((اور زیر دیا جاتا ہے)) یعنی منادی مجرور ہو جاتا ہے ((استغاثہ کے لام سے)) یعنی اس لام سے جو استغاثہ کے وقت منادی پر داخل ہوتا ہے اور یہ (لام استغاثہ) لام تخصیص ہے جو مستغاث پر اس بات کی دلالت کرنے کے لئے داخل کی جاتی ہے کہ مستغاث اپنے امثال (واشباہ) کے درمیان سے دعاء کے ساتھ مخصوص ہے ((جیسے یا لزید)) اور لام استغاثہ کو اس لئے فتح دی گئی کہ مستغاث کا مستغاث لہ کے ساتھ التباس (اختلاط) نہ ہو جائے جبکہ مستغاث کو حذف کیا جائے جیسے یا للمظلوم یعنی یا القوم (للمظلوم) پس صورتِ حال یہ ہے کہ اگر لام مستغاث کو فتح نہ دی جاتی . . . .

ہوا کرتا تا وقتیکہ یہ حرف یا فعل کے مشابہ نہ ہو کیونکہ حرف اور فعل ہی بنار میں اصل ہیں پس اگر صرف موقع موقع الکاف الاسمیۃ پر اکتفاء کیا جاتا تو منادی مفرد کا کاف کی جگہ پر واقع ہونا اس کے مبنی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا تھا پس جب یہ کہدیا گیا کہ کاف اسمیہ کاف خطاب حرفیہ سے مشابہ ہے اور کاف حرفیہ مبنی اصل ہے تو اس کا کاف اسمیہ کے موقع میں واقع ہونا اس کے مبنی ہونے کے لئے دلیل بن گیا اس لئے کہ کاف حرفیہ مبنی اصل کے ساتھ کاف اسمیہ کے مشابہ ہونے کے باعث تو کاف اسمیہ میں بنار آئی اور کاف اسمیہ کے باعث منادی مفرد معرفہ میں پس لازم کا لازم اپنا لازم سمجھتے ہوئے ہوئے مفرد معرفہ کو مبنی قرار دے دیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر منادی مفرد معرفہ کو مبنی کرنا تھا تو سکون پر مبنی قرار دیتے اس لئے کہ بنار میں سکون اصل ہے علامت رفع پر مبنی کرنے کا کیا باعث ہے جواب یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ یعنی اصل سے مشابہت کی بنار پر مبنی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ابھی گذرا اور سکون اس مبنی کی علامت ہے جو کہ اصل ہے۔ پس اس کی بنار اصل کے مطابق سکون پر نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ فرع ہے اور فرع میں کچھ تو اصل سے علیحدہ ہونا ہی پڑتا ہے ورنہ دونوں میں اتحاد لازم آتا ہے اور فرع فرع نہیں رہتا اور فتحہ پر اس وجہ سے بنا نہیں ہو سکتی کہ اس حالت میں اس کا التباس اس منادی کے ساتھ لازم آئے گا جو یار متکلم کی طرف مضاف ہے اور یار متکلم کو الف سے بدل کر ما قبل کو فتحہ دے کر الف کو گرا دیا گیا ہے جیسے بعض لغات کی بنار پر یا غلام کہ اس کی اصل یا غلامی تھی ی کو الف سے بدل کر میم کو فتحہ دیا اور پھر الف کو گرا دیا یا غلام ہو گیا اور جر یعنی کسرہ پر اس وجہ سے مبنی نہیں کہہ سکتے کہ اس صورت میں اس منادیٰ کے ساتھ التباس لازم آتا ہے جو یار متکلم کی طرف مضاف ہے اور یار کو حذف کر کے کسرہ کو باقی رکھا گیا ہے جیسے یا غلام یا قوم یا رب وغیرہ پس اب بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ منادی مفرد معرفہ کو علامت رفع پر ہی مبنی قرار دیا جائے واللہ اعلم

۵۸ قولہ مثل یا زید الخ یہ دونوں مثالیں اس منادیٰ کی ہیں جو کہ ضمہ پر مبنی ہے ان میں سے اول یعنی زید تو قبل الندار ہی معرفہ ہے اور ثانی قبل الندار تو نکرہ تھا لیکن بعد الندار معرفہ ہو گیا اور یا زیدان مبنی علی الالف کی مثال ہے اور یا زیدون مبنی علی الواو کی واللہ اعلم ۱۲

۵۹ قولہ ویخفض الخ منادیٰ پر جب لام استغاثہ داخل ہوگا تو منادی مجرور ہوگا کیونکہ لام استغاثہ حقیقۃً میں یہ وہی لام جر ہے جو اسم کے خواص میں سے ہے اور اسم پر داخل ہوتا ہے پھر اس کو لام استغاثہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ استغاثہ کے معنی فریاد طلب کرنے کے ہیں پس یہ مستغاث پر اس وجہ سے داخل ہوتا ہے کہ اس امر پر دلالت کرے کہ یہ اپنی امثال میں دعا کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اسی کو مدد کے لئے طلب کیا جا رہا ہے دوسرے کو نہیں جیسے یا لزید کہ اس میں زید عمرو بکر وغیرہ امثال سے زید کی مستغاث کے لئے تخصیص ہو گئی۔ اب رہا یہ سوال کہ جب کہ یہ درحقیقت حرف جر ہی ہے تو خود مکسور کیوں نہیں ہوتا مفتوح کیوں کیا جاتا ہے؟ اسکا جواب شارح وانما فتحت لئلا یلتبس الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگر اس کو مفتوح نہ کیا جائے مکسور ہی رکھا جائے تو اس کا التباس مستغاث لہ کے لام مکسور سے ہو جائے گا جبکہ مستغاث کو حذف کر کے صرف مستغاث کو باقی رکھا جائے جیسے یا للمظلوم

لم يُعلم انّ المظلومَ فى هذا المثال مستغاثٌ او مستغاثٌ له ولم يعكس[٦٠] الامر لان المنادى المستغاثَ واقع موقعَ كاف الضمير التى تفتح لامُ الجر معها نحو لَكَ بخلاف المستغاث له لعدم وقوعه موقعَ الضمير فان عطفتَ على المستغاث بغير يا نحو يالَزيد ولِعمرٍ وكسرت لامُ المعطوف لان الفرقَ بينه وبين المستغاثِ له حاصلٌ بعطفه على المستغاث وان عطفتَ مع يا فلابد من فتح لام المعطوفِ ايضاً نحو يالزيد ويالعمرٍو وانّما[٦١] اُعرِبَ المنادى بعد دخول لامِ الاستغاثةِ لان علةَ بنائه كانت مشابهتُه للحرف واللامُ الجارةُ من خواص الاسم فبدخولها ضَعُفت مشابهتُه للحرف فَاُعرِبَ على ما هو الاصل فيه قيل[٦٢] قد يُخفَضُ المنادى

تو معلوم نہ ہوتا کہ مظلوم اس مثال میں مستغاث ہے یا مستغاث لہ اور یہ بات برعکس نہ کی گئی (کہ لام مستغاث مکسور اور لام مستغاث لہ مفتوح ہوتی) اس لئے کہ منادی مستغاث اس کافِ ضمیر کی جگہ واقع ہوتا ہے جو کہ جس کے ساتھ لام جر مفتوح ہوتا ہے جیسے لَکَ، مستغاث لہ کے برخلاف کہ وہ کافِ ضمیر کی جگہ واقع نہیں ہوتا پس جب تم یا (حرفِ نداء) کے بغیر مستغاث پر عطف ڈالو جیسے یالزیدٍ ولِعمرٍو تو لام معطوف کو کسرہ دو کیونکہ معطوف کے مستغاث پر عطف ڈالنے کی وجہ سے مستغاث اور مستغاث لہ کے درمیان فرق حاصل ہے (کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے لہذا جب معطوف علیہ مستغاث ہے تو معطوف بھی مستغاث ہوگا) اور اگر یا (حرف نداء) کے ہمراہ عطف ڈالو تو معطوف کی لام کا فتح بھی ضروری ہے (کہ ہر ایک گویا مستقل منادی ہے) جیسے یالزیدٍ ویالعمرٍو اور منادی کو لامِ استغاثہ کے دخول کے بعد (علت بنا یعنی مفرد معرفہ ہونے کے باوجود) معرب کیا گیا اس لئے کہ اس کے مبنی ہونے کی علت حرف سے اس کی مشابہت تھی اور لام جارہ اسم کے خواص میں سے ہے پس لام جارہ کے دخول سے منادی کی حرف سے مشابہت ضعیف ہوگئی لہذا اسے اس پر معرب کیا گیا جو اس (اسم) میں اصل ہے (اور وہ اعراب ہے تو وہ لام جار سے لفظاً یا تقدیراً مجرور ہوگا) اور (مصنف کے قول ویخفض بلام الاستغاثہ پر) اعتراض

کہ اصل میں یالقوم للمظلوم تھا پس اگر لام مستغاث کو مفتوح نہ کیا جاتا تو اس بات کا پتہ نہ چلتا کہ اس مثال میں مظلوم مستغاث ہے یا مستغاث لہ حالانکہ یہ امر یقینی ہے کہ مظلوم مستغاث لہ ہے مستغاث نہیں واللہ اعلم۔

٦٠ قولہ ولم یعکس الامر الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اس کا برعکس کیوں نہیں کیا گیا یعنی لام مستغاث کو مکسور اور لام مستغاث لہ کو مفتوح کر دیتے تو اس صورت میں بھی کوئی التباس لازم نہیں آتا تھا اس کا جواب یہ دیا کہ برعکس اس لئے نہیں کیا گیا کہ منادی مستغاث کاف ضمیر کے موقع میں واقع ہے اور کاف ضمیر پر جب لام جارہ داخل ہوتا ہے تو وہ مفتوح ہوتا ہے جیسے لک لہذا یہ لام بھی مفتوح ہوگا بخلاف مستغاث لہ کے کہ وہ ضمیر کی جگہ پر واقع نہیں لہذا اس پر داخل ہونے والا لام بھی مفتوح نہ ہوگا پس ثابت ہوا کہ لام مستغاث مفتوح اور لام مستغاث لہ مکسور ہوتا ہے اس کا برعکس نہیں ہو سکتا پس اگر کوئی صورت ایسی ہے کہ اس سے مستغاث اور مستغاث لہ میں امتیاز ہو سکے تو لام مستغاث کو بنا بر اصل کے مکسور بھی کر سکتے ہیں مثلاً مستغاث پر اگر بغیر اعادہ یا کے عطف کیا جائے تو لام کو مکسور پڑھ سکتے ہیں کیونکہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور یہی وجہ بہت کافی ہے کہ مستغاث اس کے باعث مستغاث لہ سے ممتاز ہو جاتا ہے جیسے یالزید ولعمرو لام عمرو کے کسرہ کے ساتھ لیکن اگر یہی عطف اعادۂ یا کی صورت میں کہا جائے گا تو پھر لام معطوف کو مکسور نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس صورت میں پھر وہی التباس کا اشکال سامنے آجائیگا یعنی یالزید تک تو بات درست ہوگی اور پھر جب معطوف یعنی یالعمر بھی یا کا اعادہ ہوگا تو اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید یہ لام مستغاث لہ کے لئے ہے کیونکہ یہ اس صورت میں ایسا ہو جائیگا گویا کہ عطف ہوا ہی نہیں بلکہ منادی مستغاث ہے مستقلاً پس فتح لام ضروری ہوا واللہ اعلم۔

٦١ قولہ وانما اُعرب الخ یہاں سے شارح منادی کے مجرور ہونے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ منادیٰ مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی قرار دیا گیا تھا لیکن جب اس پر لام مستغاث داخل ہوتا ہے تو اس کے معرب ہونے کا کیا سبب ہے حالانکہ یہ مفرد بھی ہے اور معرفہ بھی شارح نے کہا کہ لام استغاثہ کے دخول کے بعد منادی کو اعراب دینے یعنی معرب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنا حرف سے مشابہت کے باعث تھی کیونکہ حرف مبنی اصل میں داخل ہے اور لام جارہ اسم کے خواص میں سے ہے پس اسکے

بلامی التعجبِ والتهديد ايضا فلامِ التعجب نحو ياءِ لَلْماءِ ويا لَلدّواهي
ولامِ التهديد نحو يالَزيدٍ لاقتلنك فَلِمَ اَهْمَلَ المصنّف ذِكرَهُمَا وكيف
يصدقُ قولُه فيما بعد ويُنْصَبُ ما سواهما كليًّا واجيب بان كلًّا من
هاتين اللامين لامُ الاستغاثة كان المهدِّدَ اسمَ فاعلٍ يستغيث
بالمهدَّد اسم مفعول ليَحْضُرَ فينتقم منه ويستريحَ من اَلَمِ خُصومته
وكَاَنَّ المتعجبَ يستغيث بالمتعجَّبِ منه ليحضر فيقضي منه العجبَ ويتخلَّصَ
منه واجيبَ ٥٦٣ عن لام التعجب بوجه آخر ذكره المصنفُ في الايضاح
وهو ان المنادى في قولهم يا لَلماءِ ويا لَلدّواهي ليس الماءَ ولا الدّواهي

کیا گیا ہے کہ کبھی منادی تعجب اور تہدید کے دو لاموں سے بھی مجرور ہوتا ہے جیسے (پانی کو ایسی جگہ دیکھ کر کہ جہاں اس کا پہنچنا خلاف توقع تھا کہتے ہیں) یا لَلماءِ (معناہ تعال فانک عجیب الشان لا یعرفک کل واحد) اور یا لَلدّواہی (داھیۃ کی جمع بمعنی مصیبت عظمیٰ) اور لام تہدید سے جیسے یا لَزیدٍ لاقتلنک (یا لَلماء اسوقت کہا جاتا ہے کہ جب خلاف توقع پانی کثیر ہو اور اسے عبور کرنا ہو اور یا لَلدّواہی نزول مصیبت عظمیٰ کے وقت کہا جاتا ہے) تو مصنف نے ان دونوں لاموں کو کیونکر چھوڑ دیا اور مصنف کا بعد میں کلی طور پر "وینصب ما سواھما" کہنا کیونکر صادق ہو گا؟ اور (اس اعتراض کا) اس طرح جواب دیا گیا ہے کہ ان دونوں لاموں میں سے ہر ایک لام لامِ استغاثہ ہے گویا کہ مہدِّد (بصیغہ) اسم فاعل (دھمکانے والا) مہدَّد (بصیغہ) اسم مفعول (جسے دھمکی دی گئی) سے استغاثہ کرتا ہے تاکہ وہ حاضر ہو تو وہ اس سے انتقام لے اور اس کی خصومت کے رنج سے راحت پائے اور گویا کہ تعجب کرنے والا متعجب منہ (جس پر تعجب کیا گیا) سے استغاثہ کرتا ہے تاکہ وہ حاضر ہو تو وہ اپنے (نفس) سے تعجب کو پورا کر لے (اور زائل کر دے) اور تعجب سے رہائی پائے (لہٰذا لامِ تہدید اور لام تعجب بھی لام استغاثہ ٹھیری اس طرح مصنف کا کلام جامع قرار پایا) اور لام تعجب (اور اسی طرح لام تہدید کے سلسلے میں ہونیوالے اعتراض) سے ایک اور طریقے سے جواب دیا گیا ہے جسے مصنف نے (اپنی مشہور کتاب الایضاح (شرح مفصل) میں دیا وہ یہ کہ ان کے قول یا لَلماءِ و یا لَلدّواہی

دخول کی وجہ سے حرف کے ساتھ مشابہت ضعیف ہو گئی اور ضعیف خلاف اصل میں موثر نہیں ہوا کرتا پس اس کو بنا بر اصل کے کہ اسم میں اصل اعراب ہے معرب کر کے مجرور کر دیا گیا تفصیل مقام کی یہ ہے کہ اس وقت منادیٰ پر دو عامل مجتمع ہیں ایک یا دوسرے لام اور دونوں میں لام عامل بنفسہا اور منادیٰ کے قریب ہے یا رہیں دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ عامل بنفسہا نہیں بلکہ باعتبار فعل کے عامل ہے اور بہ نسبت لام کے منادیٰ سے بعید ہے پس جب لام بہ نسبت یا ر کے عامل قوی اور قریب ہے تو اسی کو عمل دیا جائے گا لہٰذا منادیٰ مجرور ہوگا واللہ اعلم۔

٥٦٣ قولہ قیل فذا الخ یہاں سے شارح مصنف پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے اعتراض یہ ہے کہ منادیٰ کبھی لام تعجب اور لام تہدید کے باعث بھی مجرور ہوتا ہے پس مصنف نے اس کو کیوں بیان نہیں کیا ترک کی کیا وجہ ہے! نیز اس کے عدم ذکر کے باعث مصنف کا آئندہ قول وینصب ما سواھما کس طرح صادق آئے گا اس لئے کہ ما سوا میں منادیٰ بالام تعجب و بالام تہدید بھی داخل ہیں اور ان کے دخول کے باعث منادیٰ مجرور ہوتا ہے منصوب نہیں ہوتا لام تعجب کی مثال جیسے کوئی شخص ایسی جگہ پانی دیکھ کر کہ جہاں اس کا امکان بھی نہ ہو تعجب سے کہے یا لَلمار اسی طرح خلاف توقع اچانک کوئی مصیبت پیش آجائے تو اس پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہے یا لَلدّواہی دواہی جمع ہے داہیۃ کی جس کے معنی ہیں بڑی اور سخت مصیبت پس ان دونوں جگہوں میں المار اور الدواہی منادیٰ لام تعجب کے باعث مجرور ہو رہے ہیں اور لام تہدید یعنی زجر و توبیخ ڈانٹ ڈپٹ کی مثال جیسے یا لَزید لاقتلنک کہ اس میں زید کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے اور یہ منادیٰ ہے جو کہ لام تہدید کے باعث مجرور ہے واجیب سے اس کا جواب ہے یعنی جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ دونوں لام بھی لام استغاثہ ہی کی شاخ ہیں کیونکہ مہدِّد بصیغہ

اسم فاعل یعنی دھمکی دینے والا مہدَّد بصیغہ اسم مفعول یعنی زید سے فریاد طلب کر رہا ہے تاکہ وہ حاضر ہو جائے پھر اس سے انتقام لے کر دشمن سے دشمنی و رنجش کی کوفت و تکلیف سے ہمیشہ کے لئے نجات و راحت حاصل کر لے پس دھمکی دینے والا زید کو ہوشیار کر رہا ہے کہ اپنے نفس کو قتل کے

لئے تیار کر لے تاکہ میں اپنے دل کی آتش بغض و کینہ فرو کر سکوں اور ہوشیاری کی وجہ یہ ہے کہ بہادر اور دلیر کبھی غافل پر حملہ نہیں کیا کرتا غافل پر حملہ کرنا بزدل کا کام ہے پس اس کو اپنے ارادۂ جدل و قتال سے آگاہ کر دیا اسی طرح تعجب کرنے والا بھی گویا کہ متعجب منہ یعنی تعجب میں ڈالنے والی

وانما المرادُ یا قومِ او یا ھؤلاءِ اعجبوا للماءِ وللدواھی ولا یخفٰی علیك[۶۴] ان القول بحذف المنادی علی تقدیر کسر اللام ظاھر واما علی تقدیر فتحھا فمشکل لانتفاء ما یقتضی فتحھا حینئذ کما ھو الظاھر مما سبق[۶۵] ویُفتَحُ ای یُبنَی المنادی علی الفتحِ لِالحاقِ اَلفِھا ای الفِ الاستغاثۃ بآخرہ

میں الماء اور الدواہی منادی ہی نہیں ہے اور مراد "یا قوم" "یا ھؤلاء اعجبوا للماء و للدواھی" ہے (اعجبوا بروزن اعلموا یعنی تعجبوا گویا اس کلام میں منادی محذوف ہے) اور تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ (یا للماء اور یا للدواہی میں لام کی کسرہ کی تقدیر حذف منادی کی بابت تو ظاہر ہے (کہ درست ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ حرف نداء کے ساتھ والے اسم پر لام کا کسرہ منادی کے محذوف ہونے کی دلیل کہ منادی مستغاث کا لام تو مفتوح ہی ہوتا ہے اور جب اس کلام میں مکسور ہے تو معلوم ہوا کہ یہ منادی مستغاث نہیں ہے) اور بہرحال لام کے فتحہ کی تقدیر پر (منادی کے محذوف ہونے کی بات) تو مشکل ہے اس لئے کہ جو چیز لام کے فتحہ کی مقتضی تھی (یعنی منادی کا اس کاف کے قائم مقام ہونا کہ جس کیساتھ لام مفتوح ہوتا ہے وہ اس (منادی کے محذوف ہونے کے) وقت منتفی (اور مفقود) ہے جیسا کہ ماسبق سے ظاہر ہے (اور مفتوح ہوگا) یعنی منادی مبنی بر فتح ہوگا (اس کے الف کے الحاق کے وقت) یعنی منادی کے آخر میں الفِ استغاثہ کے الحاق کے وقت (منادی

شے فریاد طلب کر رہا ہے تاکہ وہ شے متعجب منہ حقیقۃً اس کے سامنے آجائے اور وہ اس سے اپنے تعجب کو ظاہر کر کے اس سے خلاصی حاصل کر لے کیونکہ جس چیز پر تعجب ہوتا ہے اور وہ سامنے آتی ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کہیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں اس چیز کو یہاں کیسے دیکھ رہا ہوں پھر جب اس کا شک یقین سے تبدیل ہو جاتا ہے تو وہ دل سے تعجب کو نکال کر اس سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے واللہ اعلم۔

۶۳ قولہ واجیب عن لام الخ یہاں سے لام تعجب سے متعلق اعتراض کا شارح دوسرا جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ لام تعجب کی بابت دوسرے طریقہ پر ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے جس کو مصنفؒ نے بھی ایضاح شرح مفصل میں ذکر کیا ہے کہ قول قائل یا للماء و یا للدواہی میں منادی الماء والدواہی نہیں ہیں بلکہ ان سے مراد یا قوم ہے اور یا ہٰؤلاء

یعنی متعجب یہ کہنا چاہتا ہے کہ یا قوم اعجبوا للماء وللدواہی یا ہٰؤلاء اعجبوا للماء والدواہی یعنی اے قوم یا اے لوگو اپنے نفس کو تعجب میں ڈالو پانی اور مصیبت عظیمہ سے یعنی جہاں پانی کا وہم و گمان بھی نہ تھا وہاں پانی نکل آیا۔ اسی طرح خلاف امید مصیبت سامنے آگئی پس معلوم ہوا کہ یہ منادی کی اس قسم میں داخل ہے جس میں منادی کو حذف کر سکتے ہیں جیسے الا یا اسجدوا میں پس اس صورت میں وبخفض بلام الاستغاثہ سے خارج ہو جائے گا۔ کیونکہ اب لام کا تعلق منادی سے نہیں رہا واللہ اعلم ۱۲۔

۶۴ قولہ ولا یخفی علیک الخ یہاں سے شارح جواب ثانی پر اعتراض کر رہے ہیں تقریر اعتراض یہ ہے کہ اس جگہ لام تعجب میں کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں پس اگر اس میں لام کو مکسور پڑھتے ہیں تو الماء اور الدواہی مستغاث لہ ہو جائیں گے اور مستغاث یعنی قوم یا ہؤلاء محذوف ہو جائے گا پس اس صورت میں تو کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر لام تعجب کو مفتوح پڑھیں گے تو قابل اعتراض امر یہ ہے کہ منادی تو اس وقت محذوف ہوگا پس اس کو مفتوح پڑھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ مستغاث لہ ہوگا اور لام مستغاث لہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے نیز لام مستغاث کو مفتوح قرار دئے جانے کا جو سبب تھا وہ بھی اب ختم ہو جاتا ہے یعنی مستغاث کا التباس مستغاث لہ کے ساتھ کیونکہ اب کوئی التباس ہی نہیں رہتا اس لئے کہ مستغاث تو محذوف ہو گیا اس پر تو لام کی ضرورت نہیں رہی صرف مستغاث لہ رہ گیا سو اس کا لام مکسور ہو جائیگا لام مفتوح کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی پھر اس صورت میں یہ خبر بھی نہیں رہتی کہ منادی کاف کے قائم مقام ہے یعنی جس طرح کاف کا ماقبل لام مفتوح ہوتا ہے اسی طرح منادی بھی اس کے موقع میں واقع ہونے کے باعث لام مفتوح ہو اور یہ اس وجہ سے کہ منادی تو محذوف ہی ہو گیا اب لام ہی کی کیا ضرورت رہی جو اس قائم مقامی کا بھی لحاظ کیا جائے اس کا جواب شارح نے کچھ نہیں دیا مگر جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ منادی محذوف ہے مگر چونکہ یہ موقع میں منادی کے واقع ہے لہذا لام مفتوح ہو سکتا ہے جیسا کہ اصل منادی میں ہوتا ہے واللہ اعلم۔

۶۵ قولہ ویفتح الخ یہ منادی کے مبنی علی الفتح ہونے کی صورت ہے یعنی جب منادی کے آخر میں الف استغاثہ لاحق کیا جائیگا تو منادی مبنی علی الفتح ہوگا اس لئے کہ الف اپنے ماقبل کو فتحہ چاہتا ہے اور اس وقت یعنی آخر میں الف استغاثہ کے الحاق کے بعد اس پر لام مستغاث داخل نہیں ہوگا اس لئے کہ لام اپنے مدخول کو مجرور بنانے کا مقتضی ہوتا ہے اور الف اپنے ماقبل کی فتحہ چاہتا ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے یعنی فتحہ اور کسرہ ایک حرف پر ایک وقت میں

لاقتضاء الالف فتحَ ماقبلها وَلَا لَامَ فِيهِ حينئذٍ لان اللام يقتضى الجرَّ والالف الفتحَ فبين اَثرَيهما تنافٌ فلايحسُنُ الجمعُ بينهما نحُو يا زَيدَاهُ ٦٦ بالحاقِ الهاء به للوقف وَيُنصَبُ ٦٧ مَاسِوَاهُمَا اى وَيُنْصَبُ بالمفعولية ما سوى المنادى المفردِ المعرفةِ والمنادى المستغاثُ مع اللام او الالف لفظًا وتقديرًا ان كان معربًا قبلَ دخول حرفِ النداء لان علةَ النصبِ وهى المفعوليةُ متحققةٌ فيه وماغيّره مغيّرٌ عن حاله ٦٨ وماسوى المفردِ المعرفةِ اِمَّا ما لا يكون مفردًا بان يكون مضافًا اوشبهَ مضافٍ واما ما يكون

مبنی برفتح ہوگا) کیونکہ الف اپنے ماقبل کی فتح کا تقاضا کرتا ہے ((اور اس میں لام نہ ہوگی)) اس وقت کیونکہ لام جر کا تقاضا کرتا ہے اور الف فتحہ کا پس دونوں کے اثر (جر اور فتح) کے درمیان تضاد ہے لہذا دونوں کو جمع کرنا اچھا نہ ہوگا ((جیسے یا زیداہ)) منادی کے ساتھ وقف کیلئے ہا کے الحاق کے ساتھ ((اور منصوب ہوگا ان دو کا ماسوا)) یعنی منادی مفرد معرفہ اور منادی مستغاث مع اللام یا مع الالف کے سوا منادی مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا (یعنی منادی اس نصب پر باقی رہے گا جس پر وہ منادی ہونے سے پیشتر تھا خواہ اس کی نصب) لفظی طور پر ہو (جیسے یا عبداللہ) یا تقدیری طور پر (جیسے یا ابا العباس) اگر منادی حرف نداء کے دخول سے قبل معرب ہو (اور اگر قبل دخول حرف نداء مبنی ہو تو بعد از دخول حرف نداء اسی سابقہ حالت پر ہی مبنی رہے گا اس کے برعکس کہ اگر معرب ہے مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوگا) کیونکہ (منادی کی) نصب کی علت (مطلقاً) جو کہ منادی کا مفعول بہ ہونا ہے منادی (جو کہ نہ تو مفرد معرفہ ہے اور نہ ہی مستغاث بالالف واللام) ہے) میں موجود ہے اور کسی بدلنے والے نے اسے اس کے حال (نصب) سے نہیں بدلا (جیسا کہ منادی مفرد معرفہ کو مشابہت نے اور مستغاث کو لام جارہ یا الف نے اس کے حال سے بدل دیا ہے) اور مفرد معرفہ کے علاوہ (منادی کی چار قسمیں ہیں اور تفصیل یہ ہے) بہرحال جو (منادی) مفرد نہ ہو اس طرح کہ

جمع نہیں ہو سکتے پس لام مستغاث اور الف مستغاث کو ایک جگہ جمع کرنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہوگی واللہ اعلم۔

٦٦ قولہ مثل یا زیداہ الخ یہ منادی مبنی علی الفتح کی مثال ہے اور اس میں ہاء کا اضافہ وقف کے لئے ہے اور یہ کلام عرب میں اکثر شائع و ذائع ہے واللہ اعلم۔

٦٧ قولہ وینصب الخ منادی مفرد معرفہ اور منادی مستغاث مع اللام او الالف کے علاوہ جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں سب میں مفعولیۃ کی بنا پر منادی منصوب ہوتا ہے اور معرب کیونکہ مصنف کا ینصب کہنا اعراب پر صاف طور سے دلالت کر رہا ہے کیونکہ نصب اعراب کی ہی حالت میں آتا ہے بخلاف یفتح کے کہ وہ صرف فتحہ کے ساتھ خاص ہے اور جب فتحہ کے ساتھ خاص ہوئے تو اعراب کے دوسرے احتمالات ختم ہوئے لہذا مبنی ہوگا پھر منادی کے منصوب ہونے میں تعمیم ہے خواہ لفظاً ہو جیسے یا عبداللہ یا تقدیراً جیسے یا فتی القوم کہ اس میں فتی پر اعراب تقدیری ہے اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قول یا یوم ینفع الصادقین صدقہم پر صادق نہیں آتا جبکہ یوم ینفع الصادقین کسی شخص کا نام رکھ دیں کیونکہ اس صورت میں یوم منادی ہوگا اور ماسواہما میں بھی داخل اس لئے کہ یہ مضاف ہے لیکن یہ معرب نہیں مبنی علی الفتح ہے اس کا جواب شارح نے ان کان معربًا سے یہ دیا کہ یہ موقع اور اسی کے مماثل سب حرف ندا کے دخول سے پہلے مبنی ہیں لہذا یہ حرف ندا کے دخول کے بعد بھی مبنی رہیں گے اور ان کا اعراب محلی ہوگا یعنی نصب کے محل میں ہوں گے اگرچہ فتحہ پر مبنی ہیں پس نصب لفظی اور تقدیری کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ حرف ندا کے دخول سے پہلے معرب ہوں تو ان پر نصب لفظی یا تقدیری آسکے گا ورنہ اعراب محلی ہوگا اقول اس بنا پر شارح کو لفظاً او تقدیراً کے ساتھ او محلاً کا بھی اضافہ کرنا چاہئے تھا تاکہ اعراب محلی بھی ینصب ماسواہما میں داخل ہو جاتا مگر شاید شارح نے لفظ ینصب کی رعایت کی ہے کیونکہ اس سے دو ہی صورتیں معلوم ہوتی ہیں اس لئے کہ ینصب اعراب پر دلالت کرتا ہے اور اعراب محل بنا پر لہذا اس کو ذہن قاری پر چھوڑ دیا اور ماسواہما کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علت نصب یعنی مفعولیت اس میں متحقق ہے نیز ان دونوں کے ماسوا کو کسی مغیر نے منادی کے منصوب ہونے کی حالت سے تبدیل بھی نہیں کیا جس کے باعث ماسواہما پر نصب نہ آسکے جیسا کہ منادی مفرد معرفہ کی صورت میں مغیر نے منادی کو حال نصب سے کاف سے مشابہت کے باعث بنا علی الرفع کی طرف تبدیل کر دیا تھا پس ان دونوں وجوہات کے باعث ماسواہما میں منادی منصوب ہوگا واللہ اعلم۔

٦٨ قولہ وماسوی الخ یہاں سے شارح یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مصنف نے ماسواہما کی متعدد

مفردًا ولکن لا یکون معرفۃً واما ما لا یکون مفردًا ولا معرفۃً فالقسم[۶۹]
الاول وھو ما لا یکون مفردًا لکونہ مضافًا نحو یا عبدَ اللّٰہِ والقسم الثانی
وھو ما لا یکون مفردًا لکونہ شِبہَ مضافٍ مثل ویا طالعًا جبلًا والقسم
الثالث وھو ما یکون مفردًا ولکن لا یکون معرفۃً مثل ویا رجلًا
مقولًا لِغَیرِ مُعیَّنٍ ای لرجل غیرِ معینٍ وھذا توقیتٌ[۷۰] لنصبِ رجلًا
لا تقییدٌ لہ لانہ منصوبًا لا یحتمل المعین والقسمُ[۷۱] الرابع وھو ما لا یکون
مفردًا ولا معرفۃً مثل یا حسنًا وجھہ ظریفًا ولم یورد المصنف لھذا القسم
مثالًا اذ حیث اتضح انتفاء کل من القیدین بمثال سھل تصور انتفائھما

مضاف ہو یا مشابہ بہ مضاف ہو اور یا مفرد تو ہو لیکن معرفہ نہ ہو اور یا نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ پس قسم اول جو کہ مضاف ہونے کی وجہ سے مفرد نہ ہو (جیسے یا عبد اللہ) اور قسم ثانی جو کہ مضاف ہونے کی وجہ سے مفرد نہ ہو (جیسے یا طالعًا جبلًا) اور قسم سوم جو کہ مفرد ہو لیکن معرفہ نہ ہو (بلکہ عدم قصد تعیین کی وجہ سے نکرہ ہو) (جیسے یا رجلا) جو کہا جاتا ہے لا غیر معین کے لئے) یعنی غیر معین مرد کے لئے اور یہ (یعنی مصنف کا قول لغیر معین) رجلاً کی نصب کے لئے توقیت (وقت مقرر کرنا ہے) اس کے لئے تقیید نہیں ہے (کہ ظرف یعنی لغیر معین حال قرار پائے اور حال اپنے عامل کے لئے قید ہوتی ہے) کیونکہ وہ (منادی مفرد نکرہ) منصوب ہونے کی حالت میں معین کا احتمال نہیں رکھتا حتی کہ نکرہ ہوتے ہوئے تقیید کا محتاج ہو) اور قسم چہارم جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ جیسے "یا حسنا وجہہ ظریفا (وجہہ حسنا کا فاعل اور مرفوع ہے کہ حسنا صفت مشبہ ہے اور عامل ہے موصوف مقدر کہ جس پر وجہہ کی ضمیر دال ہے پر حسنا کا اعتماد ہے تقدیرہ یا شخصا حسنا وجہہ اور ظریفا بھی فی الحقیقۃ شخصا کی ہی صفت ہے مگر بظاہر حسنا کی ہے) اور مصنف نے اس قسم (رابع) کی مثال اس لئے وارد نہیں کی کہ جہاں (افراد و تعریف کی) دونوں قیدوں میں سے کل کا مثال میں سے منتفی ہونا واضح ہوگیا (یعنی جب مفرد کی قید کا یا عبد اللہ کی مثال سے اور معرفہ کی قید کا یا رجلا کی مثال سے منتفی ہونا معلوم ہوگیا) تو (ایک ہی مثال سے) ان دونوں

امثلہ کیوں پیش کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعدد امثلہ تعدد ممثل کے باعث ہے اور تعدد ممثل کی دلیل یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ کے ماسوی میں چار صورتیں ہیں اول یہ کہ معرفہ ہوگا مگر مفرد نہیں ہوگا تو یہ دو حال سے خالی نہیں مضاف ہوگا یا شبہ مضاف اور اگر مفرد ہوگا تو معرفہ نہیں ہوگا نکرہ ہوگا یا نہ مفرد ہوگا نہ معرفہ

۶۹ قولہ فالقسم الاول الخ پس قسم اول یعنی منادی کے مضاف ہونے کی مثال تو یہ ہے جیسے یا عبد اللہ اور قسم ثانی میں شبہ مضاف کی مثال یا طالعا جبلا ہے اس لئے کہ مشابہ مضاف اس اسم کو کہتے ہیں کہ اس کے معنے مابعد کے ملائے بغیر تام نہ ہوں جیسا کہ مضاف کے معنے بغیر مضاف الیہ کے ملائے تام نہیں ہوتے پس یہاں بھی طالعا کے معنی جبلا کے انضمام کے بغیر غیر تام رہتے ہیں اس لئے یہ شبہ مضاف ہے اور قسم ثالث یعنی منادی مفرد نکرہ کی مثال جیسے یا رجلا خذ بیدی پس رجلا مثال مذکور میں اس وقت منصوب ہوگا جبکہ اس سے کسی غیر معین شخص کو آواز دی جائے گی مثلا کوئی نابینا اس جملہ کا اعادہ کرے تو چونکہ نابینا کے نزدیک سب غیر معین ہیں اس لئے رجلا منادی نکرہ ہوکر منصوب ہوگا ورنہ اگر غیر معین نہ ہو تو اس کا بیان منادی مفرد معرفہ کا بیان ہوگا واللہ اعلم۔

۷۰ قولہ وہذا توقیت الخ اس سے ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ رجلاً کو بغیر معین کی قید کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس صورت میں رجل کے منصوب ہونے کی دو حالتیں ظاہر ہوں گی ایک یہ کہ غیر معین پر محمول ہو دوسرے یہ کہ معین پر محمول ہو اور یہ معنی باطل ہیں کیونکہ رجل کے منصوب ہونے کی ہرگز ہرگز دو حالتیں نہیں بلکہ صرف ایک حالت ہے کہ غیر معین کے لئے ورنہ اگر معین کے لئے ہوگا تو رجل منصوب نہیں ہوگا مبنی علی الرفع ہوگا پس رجلاً منصوب ہونے کی حالت میں تعریف اور تعیین کا احتمال نہیں رکھتا شارح نے جواب دیا کہ بغیر معین کا اضافہ رجل کے نصب کی توقیت کے لئے تقیید کے لئے نہیں کیونکہ یہ حالت نصب میں کا احتمال نہیں رکھتا پس توقیت کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ رجل اس وقت منصوب ہوگا جبکہ غیر معین کے لئے بولا جائے گا۔ اور جب غیر معین کے لئے نہیں بولیں گے تو وہ مبنی علی الرفع ہوگا کما مر واللہ اعلم۔

۷۱ قولہ والقسم الرابع الخ یہی قسم رابع یعنی منادی نہ مفرد ہو نہ معرفہ تو اس کی مثال یہ ہے جیسے یا حسنا وجہہ ظریفا اس میں حسنا موصوف صفت مشبہ ہے اسم فاعل کے معنے میں

معًا فلاحاجة الی ایراد مثالٍ لہ علی انفرادہ مع ان[۷۲] المثال الثانی یحتملہ فیمکن ان یراد بقولہ یا طالعًا جبلا ہذہ العبارۃ اعم من ان یراد بہا معین او غیر معین فامثلۃ الاقسام باسرہا مذکورۃ وہذہ[۷۳] الامثلۃ کلہا مثال لما سوی المستغاث ایضا فلاحاجۃ الی ایراد مثال لہ علی حدۃ وَتَوَابِعُ[۷۴] الْمُنَادَی الْمَبْنِیِّ علی مایرفع بہ اَلْمُفْرَدَۃُ حقیقۃ اوحکما انما قید المنادی بکونہ مبنیا لان توابع المنادی المعرب تابعۃ للفظہ فقط

(قیدوں) کے اکٹھے انتفاء کا تصور آسان ہو جائے گا لہذا قسم رابع کے لئے علیحدہ مثال وارد کرنے کی حاجت نہیں۔ اس کے باوجود مثال ثانی (جوکہ مشابہ مضاف ہونے کی وجہ سے مفرد نہ ہو) اس (قسم رابع کی مثال) کی محتمل ہے تو ممکن ہے کہ مصنف کے قول یا طالعا جبلا سے یہی عبارت مراد لی جائے عام ازیں کہ اس سے (واحد) معین مراد لیا جائے (تو یہ قسم ثانی کی مثال ہوگی) یا غیر معین (کہ مشابہ مضاف ہونے کی وجہ سے مفرد نہ ہو تو یہ قسم رابع کی مثال قرار پائے گی) پس اقسام اربعہ کی تمام مثالیں مذکور ہوئیں اور یہ کل مثالیں منادی مستغاث کے ماسوا کی مثال بھی ہیں (جس طرح کہ یہ مثالیں منادی مفرد معرفہ کے ماسوا کے لئے ہیں) لہذا ماسوائے مستغاث کی علیحدہ مثال لانے کی ضرورت نہیں ہے ((اور منادی مبنی کے توابع)) اس پر کہ منادی کو اس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے ((مفردہ)) (رفع کے ساتھ توابع کی صفت ہے) حقیقت کی رو سے (مفرد ہو کہ نہ مضاف ہو اور نہ مشابہ مضاف) یا حکم کی رو سے (مفرد ہو کہ اضافت لفظیہ کے ساتھ مضاف ہو کہ مضاف بہ اضافت لفظیہ مفرد کے حکم میں ہوتا ہے) ہم نے منادی کو مبنی کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ منادی معرب

اور وجہ اس کا فاعل اور ظریفاً اس کی صفت پس یہ نہ مفرد ہے اس لئے کہ شبہ مضاف ہے اور نہ معرفہ اس لئے کہ نکرہ ہے یہی وجہ ہے کہ ظریفاً تنوین کے ساتھ اس کی صفت لائی گئی کیونکہ اس سے غیر معین پر دلالت ہوگی۔ اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے قسم رابع کی مثال کو کس لئے ذکر نہیں کیا جبکہ اول کی تین قسموں کی امثلہ بیان کر دیں شارح نے اس کا جواب ولم یورد المصنف الخ سے یہ دیا کہ مصنف اس قسم کی مثال اس وجہ سے نہیں لائے کہ جس وقت دونوں قیدوں کا انتفاء مثال سے واضح ہو گیا یعنی جب یا عبداللہ اور یا رجلاً کی مثال پیش کی گئی تو یا عبداللہ کہنے سے منادی کا مفرد ہونا منتفی ہو گیا یعنی قید افراد کا نہ پایا جانا واضح ہو گیا اس لئے کہ یا عبداللہ مضاف ہے مفرد نہیں اور یا رجلاً کہنے سے منادی کی تعریف ختم ہو گئی اس لئے کہ یا رجلاً نکرہ ہے معرفہ نہیں پس قید تعریف کا انتفاء بھی واضح ہو گیا پس جب مثال سے دونوں قیدیں فرداً فرداً منتفی ہو گئیں تو اب باسانی ہر شخص دونوں قیدوں کے یک لخت انتفاء کا بھی تصور کر سکتا ہے یعنی ایک ایسی مثال سوچ سکتا ہے کہ جس میں منادی نہ مفرد ہو نہ معرفہ پس اس خیال سے علیحدہ طور پر اس کی مثال کے ذکر کی حاجت نہیں رہتی لہذا مصنف نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا تاکہ پڑھنے والا خود اپنے دماغ سے اس کی مثال سوچ لے واللہ اعلم۔

۷۲ قولہ مع ان المثال الخ اس عبارت سے اسی سوال کا دوسرا جواب دے رہے ہیں یعنی مثال ثانی یا طالعا جبلا بھی اس چوتھی مثال کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ مثال رابع اسی سے ملتی جلتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ مثال ثانی شبہ مضاف اور معرفہ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ جبلاً نے طالعاً کی تخصیص کر دی ہے اور مثال رابع میں شبہ مضاف کے ساتھ تعریف کی تنکیر کی ضرورت پیش آتی ہے پس جب یا حسناً وجہہ ظریفاً کہہ کر تنکیر کے ساتھ حسناً کی صفت لائے تو تعریف زائل ہو گئی اس لئے کہ اگر حسناً وجہہ سے معرفہ مراد ہوتا تو اس کی صفت ظریفاً نکرہ نہ لائی جاتی کیونکہ موصوف و صفت میں تعریف و تنکیر کے اعتبار سے بھی مطابقت لازمی ہے بلکہ بصورت تعریف یا حسناً وجہہ الظریف کہا جاتا یہ جواب تو وہ ہے جو میں نے مع ان المثال الثانی یحتمل سے سمجھا ہے مگر یہ شارح کا مقصود نہیں بلکہ شارح کا مقصود یہ تیسرا جواب ہے جو فیمکن ان یراد الخ سے واضح ہو رہا ہے یعنی جبکہ مثال ثانی مثال رابع کا بھی احتمال رکھتی ہے تو ممکن ہے کہ یا طالعاً جبلا سے لفظ یا طالعاً جبلاً ہی مصنف نے مراد لیا ہو اور پھر اس میں تعمیم کا لحاظ کیا ہو یعنی اگر اس سے پہاڑ پر چڑھنے والا مخصوص شخص مراد ہے تو یہ قسم ثانی کی مثال ہو جائے گی اور اگر مخصوص مراد نہ ہو بلکہ پہاڑ پر چڑھنے والا کوئی شخص لاعلی التعیین مراد ہو تو قسم رابع کی مثال حاصل ہو جائے گی پس اس صورت میں کل کی کل امثلہ کتاب میں مذکور ہوں گی اور کسی کو کسی سے حاصل نہیں کیا جائیگا واللہ اعلم ۱۲

۷۳ قولہ وہذہ الامثلۃ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جس طرح ماسوائے مفرد معرفہ کی امثلہ بیان کی گئی ہیں اسی طرح ماسوائے مستغاث کی بھی امثلہ ذکر کی جاتیں مصنفؒ نے ان کو کیوں ترک کر دیا

وقيدنا المبني بكونه على ما يرفع به لان توابع المستغاث بالالف لا يجوز فيها الرفع نحو يا زيدًا او عمرًا الا وعمرو ولان المتبوع مبني على الفتح وقيد التوابع بكونها مفردةً لانها لو لم تكن مفردةً لا حقيقةً ولا حكمًا كانت مضافةً بالاضافة المعنوية وحينئذٍ لا يجوز فيها الا النصب وانما جعلنا المفردة اعم من ان تكون مفردةً حقيقةً بان لا تكون مضافةً معنويةً ولا لفظيةً ولا شبهَ مضافٍ او حكمًا بان تكون مضافةً لفظيةً او مشبهةً بالمضاف فانهما لما انتفت فيهما الاضافةُ المعنويةُ كانتا في حكم المفردة

کے توابع منادی معرب کے لفظ کے ہی تابع ہوتے ہیں فقط (کہ معرب کی صرف ایک حالت لفظی ہوتی ہے اور وہ یہاں نصب ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری اور مبنی کی دو حالتیں ہوتی ہیں حالت لفظی جو کہ ضمہ ہے اور حالت محلی جو کہ نصب ہے اس لئے اس کے تابع میں بھی دو حالتیں جاری ہوتی ہیں) اور ہم نے مبنی کو "علی یرفع بہ" ہونے کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ منادی مستغاث بالالف کے توابع میں رفع جائز نہیں ہے جیسے یا زیدا وعمرا وعمرو نہیں (کہا جائیگا) کیونکہ متبوع مبنی علی الفتح ہے (کہ منادی مستغاث بالالف کے اگرچہ دو حال ہیں لفظی حال فتح اور محلی نصب مگر یہ دونوں برابر ہیں لہذا تابع میں نصب واجب ہوگی جس طرح کہ منادی معرب کے تابع میں) اور توابع مفرد ہونے کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ اگر توابع مفرد نہوں حقیقۃً اور نہ حکمًا تو اضافت معنویہ کے ساتھ مضاف ہوں گے تو ان میں نصب کے سوا کوئی چیز جائز نہیں (جیسے یا زید ذا المال کیونکہ جب منادی مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے تو اس کے توابع مضاف بہ اضافت معنویہ بطریق اولی منصوب ہوں گے) اور ہم نے مفرد کو اس سے عام کیا ہے کہ حقیقت میں مفرد ہو اس طرح کہ نہ مضاف معنوی ہوں اور نہ لفظی اور نہ مشابہ مضاف ہوں یا حکم کی رو سے مفرد ہو کہ مضاف لفظی ہوں یا مشابہ مضاف ہوں کہ ان دونوں (مضاف بہ اضافت لفظی ومشابہ مضاف) میں جب اضافت معنویہ منتفی ہوگئی تو دونوں مفرد کے حکم

کیا۔ اس کا جواب شارح نے وانما قید المنادی سے یہ دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکم معرب کے توابع کا نہیں اس لئے کہ منادی معرب کے توابع صرف لفظ کے تابع ہوتے ہیں محل کے نہیں بخلاف منادی مبنی کے توابع کے کہ چونکہ منادی مبنی میں دو صورتیں ہیں ایک مبنی علی الضم ہونا دوسرے محل کے اعتبار سے منصوب قرار دیا جانا بنا بر مفعولیت پس اس کے توابع میں بھی دونوں صورتیں ہوں گی کہ مبنی علی الضم بھی ہوگا اور محلاً منصوب بھی اور معرب کا تابع صرف منصوب ہی آسکتا ہے لفظاً یا تقدیراً لفظ منادی کے تابع ہو کر پھر مبنی کو علی ما یرفع بہ کے ساتھ مقید کرنے کی یہ وجہ ہے کہ منادی مستغاث بالالف کے توابع میں رفع جائز نہیں مثلاً یا زیدا وعمرا کو یا زیدا وعمرو نہیں پڑھ سکتے عمرو کے رفع کے ساتھ اس لئے کہ متبوع یعنی زیدا مبنی علی الفتح ہے تو لامحالہ تابع بھی مبنی علی الفتحہ ہوگا اور اس سے ہم کو بحث نہیں پھر توابع قید مفرد کے ساتھ اس وجہ سے مقید ہے کہ اگر تابع مفرد نہ ہو تو حقیقۃً اور نہ حکمًا تو لامحالہ مضاف باضافت معنویہ ہوگا اور اس وقت میں سوائے نصب کے اور کوئی اعراب جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ منادی جب مضاف ہوتا ہے تو اس کا نصب واجب ہوتا ہے اسی طرح توابع میں بھی نصب واجب ہوگا اور رفع ممتنع جیسے یا زید ذا المال واللہ اعلم

۷۵ قولہ وانما جعلنا الخ یہاں سے مفرد میں تعمیم کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے مفرد میں تعمیم حقیقی اور حکمی کی اس وجہ سے کر دی کہ یہ حکم مضاف باضافۃ لفظی اور شبہ مضاف کو بھی شامل ہو جائے اس لئے کہ یہ دونوں بھی رفع اور نصب کے جائز ہونے میں توابع مفرد کی مانند ہیں اب رہی یہ بات کہ مفرد حقیقی اور مفرد حکمی کی کیا صورت ہے تو اس کو شارح بان لا تکون مضافۃ معنویۃ الخ سے بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ مفرد حقیقی کی تو صورت یہ ہے کہ تابع نہ تو مضاف

شارح نے جواب دیا کہ بعینہٖ یہی مثالیں ماسوائے مستغاث کی بھی امثلہ ہیں کیونکہ ان میں سے ایک میں بھی مستغاث کا وجود نہیں پس ماسوائے مستغاث کے لئے علیحدہ مثالیں بیان کرنے کی حاجت نہیں واللہ اعلم

۷۶ قولہ وتوابع المنادی الخ پہلے اس کی ترکیب کو بغور دیکھ لینا چاہیئے پھر فوائد قیود پر روشنی ڈالی جائیگی۔ ترکیب توابع مضاف المنادی موصوف المبنی صفت موصوف صفت سے مل کر مضاف

الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر موصوف المفردۃ صفت موصوف صفت سے مل کر مبتدا اور خبر اس کی آگے آرہی ہے یعنی ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ شارح نے المبنی کے بعد علی ما یرفع بہ کا اضافہ کر کے یہ واضح کر دیا کہ مبنی سے مراد مبنی علی الرفع ہے۔ یعنی یہاں اس منادی کے توابع کا بیان ہے جو رفع پر مبنی ہوتا ہے اور مفرد سے مراد عام ہے خواہ مفرد حقیقۃً ہو یا حکمًا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ منادی کو اس جگہ قید بنا کے ساتھ کیوں مقید

لتدخل فیہا المضافۃُ بالاضافۃ اللفظیۃ والمشبہۃُ بالمضاف لانہما کالتوابع المفردۃ فی جواز الرفع والنصب نحو[۷۶] یازیدُ الحسنُ الوجہِ والحسنَ الوجہِ ویازیدُ الحسنُ وجہُہ والحسنَ وجہُہ ولما[۷۷] لم یجرِ الحکم الآتی فی التوابع کلِّہا بل فی بعضہا ولم یجر فیما ھو جارٍ فیہ مطلقًا بل لابد فی بعضہا من قیدٍ فصّل التوابع الجاری ھذا الحکم فیہا وصرّح بالقید

میں ہوگئے تو مفرد میں ہم نے تعمیم اس لئے کی ہے تاکہ توابع میں وہ (توابع) جو کہ مضاف بہ اضافت لفظیہ اور مشابہ مضاف ہیں داخل ہوں کیونکہ (مضاف بہ اضافت لفظیہ و مشابہ مضاف) دونوں رفع اور نصب کے جواز میں توابع مفردہ کی طرح ہیں (رفع لفظ پر اور نصب محل پر محمول کرکے) جیسے یازید الحسن الوجہ (زید مبنی بر ضم کہ منادی مفرد معرفہ ہے اور الحسن الوجہ میں اضافت لفظیہ ہے محل پر محمول کریں تو الحسن کو مرفوع پڑھیں) اور (یازید الحسن الوجہ (یہاں الحسن کو منادی کے محل پر کہ نصب ہے محمول کرتے ہوئے منصوب پڑھینگے) اور یازید الحسن وجہہ (وجہہ مرفوع ہے کہ الحسن کا فاعل ہے اور الحسن مرفوع ہے کہ منادی کے لفظ پر محمول ہے) اور (یازید) الحسنَ وجہہ (محل پر محمول کرکے نصب کے ساتھ) اور جبکہ حکم آئندہ (یعنی رفع علی لفظہ ونصب علی محلہ) تمام توابع میں نہیں بلکہ بعض (یعنی نعت وبعض عطف اور عطف بیان اور تاکید) میں جاری تھا (اور ہر طرح کے بدل و بعض عطف اور بعض تاکید میں جاری نہیں تھا) اور جنمیں جاری تھا ان میں بھی مطلقا جاری نہیں تھا بلکہ ان کے بعض میں (اور وہ عطف ہے) قید (کا ہونا) ضروری ہے تو مصنف نے ان توابع کی تفصیل کر دی کہ جن میں یہ حکم جاری ہوتا ہے (اور یہ حکم توابع ثلاثہ صفت وعطف بیان اور تاکید میں مطلقا جاری

باضافۃ معنویہ ہو اور نہ مضاف باضافت لفظیہ اور نہ شبہ مضاف کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھی پایا جائے گا تو افراد حقیقی باقی نہیں رہے گا بلکہ ترکیب آجائے گی اور مفرد حکمی کی صورت یہ ہے کہ تابع مضاف باضافۃ لفظیہ ہو یا مشابہ مضاف اسلئے کہ جب ان دونوں میں اضافت معنویہ منتفی ہو جائے گی تو دونوں مفرد کے حکم میں ہو جائیں گے اس لئے کہ مفرد حکمی اسی کو کہتے ہیں جو مضاف باضافت لفظیہ یا شبہ مضاف ہو مضاف باضافۃ معنویہ نہ ہو پس مفرد حکمی کہنے سے اضافت معنویہ کی خود بخود نفی ہو جائے گی پس مفرد ہونے میں اضافت لفظی اور شبہ مضاف بھی داخل ہو جائینگے کما ہو آنفًا پس اگر مفرد کو صرف حقیقی پر محمول کیا جائے تب تو مضاف باضافۃ لفظیہ اور شبہ مضاف خارج ہو جائیں گے اور جب اس سے مفرد حکمی مراد ہوگا تو یہ دونوں داخل ہو جائینگے اور اضافۃ معنویہ خارج ہو جائے گی اور اس تعمیم سے مقصود ہی یہ ہے کہ مضاف لفظی اور شبہ مضاف بھی اس میں داخل ہو جائیں اضافۃ لفظیہ اور معنویہ کا مکمل بیان مجرورات میں آئے گا انشاء اللہ واللہ اعلم ۱۲

۷۶ قولہ نحو یازید الخ یہاں سے شارح اضافت لفظیہ اور مشابہ مضاف کی امثلہ بیان فرمارہے ہیں . . کہتے ہیں یازید الحسن الوجہ اس مثال میں زید منادی مفرد معرفہ ہے اور الحسن الوجہ اس کا تابع اور یہ مضاف ہے اضافت لفظیہ کے ساتھ اضافۃ لفظیہ اس کو کہتے ہیں کہ مضاف صفۃ ہو اور مضاف الیہ خود مضاف کا معمول ہو جیسے اس مثال میں کہ الحسن صفۃ مشبہ ہے اور الوجہ اس کا معمول یعنی فاعل ہے پس اس مثال میں الحسن کو لفظ زید پر معطوف قرار دیتے ہوئے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور محل زید پر عطف کرتے ہوئے الحسن الوجہ منصوب بھی کیونکہ یہ محل اعراب کے اعتبار سے مفعول بہ ہے اور یازید الحسنُ وجہہ مشابہ مضاف کی مثال ہے اس میں وجہہ الحسن کا فاعل ہے پس الحسنُ اگرچہ اس کی جانب مضاف نہیں مگر شبہ مضاف ضرور ہے کیونکہ وجہہ کے ذکر کے بغیر الحسنُ کہنا کوئی فائدہ نہیں دیتا پس اس میں تابع یعنی الحسن وجہہ میں رفع اور نصب کی بتوجیہ بالا دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں اب رہی یہ بات کہ ان دونوں میں جواز رفع ونصب کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اضافت لفظیہ اور شبہ مضاف بتقدیر انفصال ہوتے ہیں یعنی چونکہ اس میں خود اپنے معمول کی طرف اضافت ہوتی ہے اس لئے اگر اضافت فاعل کی طرف ہوتی ہے تو مضاف الیہ کو فاعل ہونے کی حیثیت سے اپنے مضاف سے جدا کرکے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور مضاف کا اعتبار کرتے ہوئے فاعل کو مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے مجرور بھی علی ہذا القیاس اگر مضاف الیہ مفعول ہوگا تو اس کو بوجوہ مذکورہ منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور مجرور بھی پس چونکہ اس میں مضاف الیہ اپنے مضاف سے منفصل یعنی علیحدہ ہو کر مضاف مفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے اس لئے مفرد کی طرح رفع ونصب دونوں جائز ہوں گے رفع باعتبار لفظ پر عطف ہونے کے اور نصب بنا بر محل اعراب پر معطوف قرار دئے جانے کے واللہ اعلم ۱۲

۷۷ قولہ ولما لم یجر الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ

فیما هو محتاج الیه ^۵۷۸^ فقال مِنَ التَّاکِیْدِ ای المعنوی لان التاکید اللفظی حکمه فی الاغلب حکمُ الاول اعرابًا وبناءً نحو یا زید زیدُ وقد یجوز اعرابه رفعًا ونصبًا وکان المختار عند المصنف ذلك ولذلك لم یقید التاکید بالمعنوی وَالصِّفَةِ ^۵۷۹^ مطلقًا وَعَطْفِ الْبَیَانِ کذلك وَالْمَعْطُوْفِ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعِ دُخُوْلُ یَا عَلَیْهِ یعنی المعرف باللام بخلاف

ہے) اور اس میں قید (الممتنع دخول یا علیہ) کی صراحت کر دی جس میں کہ قید کی حاجت تھی۔ تو فرمایا ((تاکید ہے)) یعنی تاکید معنوی سے (معنوی کی قید کی وجہ یہ ہے کہ) تاکید لفظی کا حکم اغلب (مذاہب) میں اعراب و بناء کی رو سے اول کا حکم ہے جیسے یا زید زید اور کبھی جائز سمجھا جاتا ہے (یجوز از تجویز) تاکید لفظی کا اعراب رفع کی رو سے (کہ لفظ پر محمول ہو جیسے یا زیدُ یا زیدٌ پہلا زید منادی مبنی بر ضم اور دوسرا مرفوع) اور نصب کی رو سے (محل پر محمول کر کے جیسے یا زید زیدًا) اور گویا کہ مصنف کے نزدیک یہی (جواز رفع و نصب) مختار ہے اسی وجہ سے انہوں نے تاکید کو معنوی کی قید سے مقید نہیں کیا ((اور صفت)) مطلقاً (خواہ مشتق ہو یا نہ خواہ بحال موصوف ہو یا نہ) ((اور عطف بیان)) اسی طرح (یعنی صفت کی طرح خواہ مشتق ہو یا نہ) ((اور معطوف ایسے حرف سے کہ اس پر یا کا دخول ممنوع ہو)) یعنی معرف بلام (نہ کہ مطلق معطوف کہ حکم آئندہ معطوف میں مطلقاً جاری نہیں ہوتا مقیدًا جاری ہوتا ہے اور مصنف نے والمعطوف المعرف باللام کی بجائے الممتنع دخول الخ اس لئے کہا تاکہ مانع کے مستقل ہونے کی طرف اشارہ ہو اور مانع اس پر دخول یا کا امتناع ہے اور اس لئے تاکہ اس سے یا محمد اور یا اللہ خارج ہو جائے کہ اسمیں رفع متعین ہے) بدل اور ایسے معطوف کے برخلاف

مصنف کو من التاکید والصفۃ الخ کے ذکر کی حاجت نہیں تھی جبکہ توابع کو مفرد کے ساتھ مقید کر دیا تھا کیونکہ توابع کو قید افراد کے ساتھ مقید کرنے سے خود بخود تاکید وغیرہ سمجھ میں آجاتے ہیں پس خواہ مخواہ عبارت کو طول دیا گیا حالانکہ اصل ایجاز و اختصار ہے پھر اگر ان کو انفرادًا ذکر کیا بھی تھا تو بدل بھی تو توابع میں سے ہے اس کو کیوں نہیں ذکر کیا اور پھر بعض کو بعض قیودات کے ساتھ مقید کرنے کی کیا وجہ ہے؟ مثلاً معطوف کو قید بحرف الممتنع دخول یا علیہ کے ساتھ مقید کیا ہے اور بعض کو مقید نہیں کیا ان سب کا باعث کیا ہے اس کا جواب شارح ولما لم یجز الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ جو حکم عنقریب توابع کا بیان کیا جائے گا یعنی ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ وہ چونکہ تمام توابع میں جاری نہیں ہوتا بلکہ بعض میں جاری ہوتا ہے اور بعض میں نہیں اس لئے ان بعض کی تخصیص و تعیین کے لئے کہ جن میں حکم آتی جاری ہوتا ہے من التاکید الخ سے ذکر کر دیا اور جن بعض میں یہ حکم جاری ہوتا ہے تو مطلقاً جاری نہیں ہوتا بلکہ بعض میں اضافہ قید کی ضرورت رہتی ہے تو مصنف نے ان توابع کو بیان کر دیا جن میں ترفع علی لفظہ الخ کا حکم جاری ہوتا ہے اور بدل کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں یہ حکم مذکور جاری نہیں ہوتا (اس کا بیان مستقلاً علیحدہ آرہا ہے) اور جن بعض میں قید کی احتیاج تھی ان میں قید کا اضافہ کر دیا ورنہ اگر مطلقاً ذکر کیا جاتا تو جس میں یہ قید مذکور نہیں ہے اس کا حکم علیحدہ ہے پس وہ بھی اسی

میں داخل ہوتا اور مطلب غلط ہو جاتا واللہ اعلم ۱۲

۵۷۸ قولہ فقال من التاکید الخ جب مصنف کے ذہن میں مذکورہ بالا شئے موجود تھی تو انھوں نے اس کو مد نظر رکھ کر بعض توابع کی تفصیل کرتے ہوئے من التاکید فرمایا شارح کہتے ہیں کہ تاکید سے مراد تاکید معنوی ہے اس لئے کہ تاکید لفظی کا حکم اکثر استعمال میں وہی ہے جو مؤکد یعنی اول کا ہے اعراب اور بنا کے اعتبار سے یعنے اگر اول معرب ہوگا تو تاکید بھی معرب ہوگی اور اگر اول مبنی ہوگا تو تاکید کا بھی مبنی ہونا یقینی ہے کیونکہ دونوں کے الفاظ اور معنے ایک ہی ہوتے ہیں۔ جیسے یا زیدُ زیدُ یعنی چونکہ اس میں اول مبنی علی الضم ہے۔ اس لئے ثانی بھی مبنی علے الضم ہوگا کیونکہ جب ثانی عین اول ہے تو حرف ندا ثانی میں تسلیم کیا جائے گا۔ پس اس کی تقدیر یہ ہوگی۔ یا زیدُ یا زیدُ اور بعض اس میں اعراب کی بھی تجویز کرتے ہیں۔ رفع و نصب کے اعتبار سے یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ الفاظ میں اصل اعراب ہے اور بناء عارضی ہوتی ہے۔ لہذا وہ تاکید میں سرایت نہیں کریگی۔ پس تاکید لفظی معرب ہوگی۔ مبنی نہیں پھر اس میں دونوں صورتیں ہیں۔ اگر لفظ کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ تو تاکید مرفوع لائی جائیگی جیسے یا زیدُ زیدٌ اور اگر محل اعراب کا اعتبار کرتے ہیں تو یا زید زیدًا کہیں گے۔ کیونکہ زید اول اپنے محل کے اعتبار سے مفعول بہ ہے اور مفعول بہ منصوب ہے۔ پس تاکید کو بنا بر مفعولیت منصوب لائے۔ مصنف کا مذہب مختار بھی یہی معلوم ہوتا ہے اسی لئے مصنف نے تاکید کو معنوی کے ساتھ اپنی عبارت میں مقید نہیں کیا لیکن شارح نے تاکید کو لفظی کے ساتھ مقید کر کے مذہب جمہور کا اتباع کیا ہے مصنف کے مذہب کو نظر انداز کر دیا واللہ اعلم

۵۷۹ قولہ والصفۃ مطلقاً دوسرا تابع صفت مطلقہ ہے یعنی عام ازیں کہ وہ مدح کیلئے ہو یا ذم کے لئے عام ہو یا خاص موضحہ ہو یا غیر موضحہ اور تیسرا تابع عطف بیان ہے یہ بھی

البدل والمعطوف الغیر الممتنع دخول یا علیه فان حکمها غیر حکمها کما سیجئ
تُرْفَعُ ۸۰ حملًا عَلٰی لَفْظِهٖ الظاهر والمقدر لان بناء المنادی عرضی فیشبه
المعرب فیجوز ان یکون تابعه تابعًا للفظه وَتُنْصَبُ حملًا عَلٰی مَحَلِّهٖ
لان حق تابع المنادی المبنی ان یکون تابعًا لمحله وهو ههنا منصوب المحل
بالمفعولیة مِثْلُ ۸۱ یا تیم اجمعون واجمعین فی التاکید یا زَیْدُنِ العَاقِلُ
وَالْعَاقِلَ فی الصفة واقتصر علی مثالها لانها اَکْثَرُ واَشْهَرُ ویا غلام بشر و
بشرًا فی اعطف البیان ویا زید والحارثُ والحارثَ فی المعطوف بحرف الممتنع

کہ جس پر یا داخل ہونا ممتنع نہیں ہے کہ ان دونوں کا حکم (دوسرے توابع کے حکم کے علاوہ (یعنی مختلف ومغایر) ہے جیساکہ عنقریب اس کا بیان آئیگا (رفع دیا جائیگا توابع کو) (محمول کر کے ہو (منادی کے لفظ پر) ظاہر (منادی) پر (جبکہ منادی لفظاً مبنی برضم ہو جیسے یا زید العاقل یا مقدر پر (جبکہ منادی تقدیری طور پر مبنی علی الضم ہو جیسے یا فتی العاقل) کیونکہ منادی کا مبنی ہونا عرضی (غیر اصلی) ہے لہذا منادی (من حیث عروض اعراب الاسم) معرب کے مشابہ ہوا (کہ جسطرح عامل کی وجہ سے اسم کو اعراب عارض ہوتا ہے اسی طرح منادی مفرد معرفہ کو بھی بناء عارض ہوتی ہے) تو جائز ہے کہ منادی مفرد معرفہ کا تابع لفظ میں اس کا تابع ہو (پس وہ مرفوع ہوگا) (اور توابع کو نصب دیجائے گی) (محمول کرتے ہوئے (منادی کے محل پر) کیونکہ منادی مبنی کے تابع کا حق یہ ہے کہ منادی کے محل کا تابع ہو اور وہ یہاں مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہے (جیسے) یا تیم اجمعون اور اجمعین تاکید میں اور (یا زید العاقلُ اور العاقلَ صفت میں اور مصنف نے صفت کی مثال پر اکتفاء کیا کیونکہ صفت اکثر واشہر ہے اور یا غلام بشرٌ وبشرًا (غلام مبنی برضم اور بشرٌ اول مرفوع اور ثانی منصوب) عطف بیان میں اور یا زید والحارثُ والحارثَ

صفة کی طرح مطلقاً ہے۔ اور اس میں بھی وہی تعمیم ہے یعنی مشتق ہو یا غیر مشتق وغیرہ اور چوتھا تابع ایسا معطوف ہے کہ جس پر حرف ندا کا داخل ہونا ممتنع ہے یعنی معرف باللام پر حرف ندا کا داخل ہونا ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں دو آلۂ تعریف کا اجتماع لازم آتا ہے ایک حرف ندا کا ہونا دوسرے معرف باللام ہونا اور ان دونوں کا اجتماع ناجائز ہے بخلاف بدل اور اس معطوف کے کہ جس پر دخول یار ممتنع نہیں تو چونکہ ان دونوں کا حکم ان چاروں کے حکم کے مغایر ہے اس لئے ان کا بیان علیحدہ آئے گا واللہ اعلم ۱۲

۸۰ قوله ترفع حملا الخ حملا کے اضافہ سے شارح نے ظاہر کیا ہے کہ جار مجرور اپنے متعلق کے اعتبار سے ترفع کا مفعول لہٗ ہے پس ان توابع کا حکم یہ ہے کہ لفظ منادی پر ان کو حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھنا جائز ہے عام ازیں کہ اس منادی پر اعراب ظاہر ہو یا مقدر یعنی منادی کا اعراب خواہ لفظوں میں موجود ہو جیسے یا زید یا نہ ہو تقدیری ہو جیسے یا فتے بہرصورت لفظ منادی پر حمل کرتے ہوئے تابع کو مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ ان کا متبوع یعنے منادی لفظاً مرفوع ہے اور بنار منادی عارضی ہے پس وہ معرب کے ساتھ مشابہ ہو جائے گا پس جائز ہوگا کہ منادی مفرد معرفہ کا تابع لفظ کے تابع ہو بنار علی الضم کے تابع نہ ہو پس یا زیدُ عاقلٌ میں عاقلٌ کو لفظ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ توابع مذکورہ کو منادی مبنی کے محل پر حمل کرتے ہوئے منصوب پڑھیں اس لئے کہ منادی مبنی کے تابع کا حق یہ ہے کہ وہ محل متبوع کا تابع ہو اور وہ محل متبوع اس جگہ چونکہ مفعولیۃ کی بنا پر منصوب المحل ہے لہذا اس کے توابع بھی منصوب ہوں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۸۱ قوله مثل یا تیم الخ جیسے تاکید کی مثال میں یا تیم اجمعون اور اجمعین دونوں کہہ سکتے ہیں اجمعون بنا بر حمل علی اللفظ ہوگا اور اجمعین منصوب بالیاء بنا بر مفعولیۃ محل پر حمل کے اعتبار سے اور یا زید العاقل والعاقل صفت میں کہہ سکتے ہیں یعنی بوجوہ مذکورہ العاقل میں رفع ونصب دونوں جائز ہیں اب رہی یہ بات کہ مصنف نے صرف صفۃ کی مثال پر ہی کیوں اکتفا کیا دیگر توابع کی امثلہ کیوں نہیں ذکر کی تو اس کی وجہ شارح واقتصر الخ سے یہ بتاتے ہیں کہ اس پر اس لئے اقتصار کیا کہ وہ اکثر اور مشہور ہے اور عطف بیان کی مثال میں یا غلام بشرٌ وبشرًا کہہ سکتے ہیں اور اس معطوف کی مثال میں کہ جس پر یار کا داخل ہونا ممتنع ہے یا زید الحارث والحارث کہیں گے وجہ اوپر مذکور ہو چکی۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ والمعطوف بحرف نا الممتنع دخول یا علیہ سے مراد معرف باللام ہے تو اس قدر طول اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی صرف والمعطوف المعرف

دخول یا علیه وَالْخَلِيْلُ[582] بن احمد وهو استاذ سيبويه فی الْمَعْطُوْفِ بحرف الممتنع دخولُ یا علیه يَخْتَارُ الرَّفْعَ مع تجويزه النصبَ لان المعطوف بحرف فی الحقيقة منادیً مستقلٌ فينبغی ان يكون علی حالةٍ جارية عليه علی تقدير مباشرة حرف النداء له وهی الضمة او ما يقوم مقامها ولكن لمّا لم يباشره حرفُ النداء جُعلت تلك الحالة اعرابًا فصارت رفعًا وَاَبُوْعَمْرٍو[583] بن العلاء النحویُّ القاریُ المقدم علی الخليل المختار فيه النَّصْبُ مع تجويزه الرفع فانه لما امتنع فيه تقدير حرف النداء بواسطة

معطوف بہ حرف میں کہ اس حرف پر یا کا دخول ممنوع ہے ((اور خلیل)) بن احمد اور وہ سیبویہ کے استاد ہیں ((معطوف میں)) ایسے حرف کے ذریعے کہ اس پر یاء کا داخل ہونا ممنوع ہو ((رفع کو پسند کرتے ہیں)) نصب کو جائز قرار دینے کے باوجود کیونکہ معطوف بہ حرف درحقیقت منادی مستقل ہے تو مناسب ہے کہ (منادی مبنی پر جس کا عطف ڈالا جائے وہ) معطوف ایسی حالت پر ہو جو اس پر حرف نداء کے داخل ہونے کی حالت کی تقدیر پر جاری ہوتی ہے اور وہ (حالت) ضمہ ہے یا جو ضمہ کے قائم مقام ہو (جیسے تثنیہ میں الف اور جمع میں واؤ) اور لیکن جبکہ معطوف پر حرف نداء داخل نہیں ہوا (کہ لام "ال" مانع ہے) تو اس حالت (یعنی بناء بر ضم وغیرہ) کو اعراب بنا دیا گیا (کہ اسم اعراب میں اصل ہے اور اس میں کوئی مانع بھی نہیں) پس وہ (حالت) رفع بن گئی (لہٰذا معطوف مذکور مرفوع ہو گیا خواہ بالضم خواہ بالالف در تثنیہ خواہ بالواو در جمع رضی نے کہا کہ رفع اولیٰ ہے تاکہ معنی کی رو سے توابع کے مستقل منادی ہونے پر تنبیہ ہو جائے) ((اور ابو عمرو)) بن علاء نحوی قاری جو کہ (زمانہ میں) خلیل سے مقدم ہے اس (معطوف مذکور میں) ((نصب کو)) اختیار کرتے ہیں رفع کی تجویز کے ساتھ کہ جب معطوف مذکور میں لام کے واسطہ

باللام کہہ دیا جاتا۔ جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کہا جاتا تو اسم توابع منادیٰ کے بعض وہ اقسام بھی داخل ہو جاتے کہ جن کا اخراج مقصود ہے مثلاً یا محمد واللہ کہ یہاں اگرچہ اللہ معرف باللام ہے مگر اس پر دخول یا ممتنع نہیں بلکہ یا اللہ کہتے ہیں پس اگر یہ طوالت نہ اختیار کی جاتی تو یہ حکم ہر معطوف معرف باللام کو شامل ہو جاتا حالانکہ مثال مذکور میں اللہ پر رفع متعین ہے نصب اس میں جائز ہی نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۵۸۲ قولہ والخلیل ابن الخ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ معطوف بحرف جس پر یا کا داخل ہونا ممتنع ہے جب منادی کا تابع ہو گا تو اس میں جمہور کے نزدیک رفع و نصب دونوں جائز ہوں گے یہی مذہب خلیل ابن احمد استاذ سیبویہ اور ابو عمرو بصری کا بھی ہے لیکن ان دونوں میں قدرے اختلاف ہے اس لئے مصنف اس کو بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ خلیل ابن احمد استاذ سیبویہ ایسے معطوف بحرف میں کہ جس پر یا کا داخل ہونا ممتنع ہے رفع کو مختار یعنی اولیٰ قرار دیتے ہیں اور نصب کو بھی جائز رکھتے ہیں مگر جانب مرجوح میں ترجیح رفع کو ہی دیتے ہیں اس لئے کہ معطوف درحقیقت منادی مستقل ہوتا ہے اس لئے کہ حرف عطف حرف ندا کے قائم مقام ہوتا ہے پس مناسب یہ ہے کہ اس کو اسی حالت پر رکھا جائے جو حرف ندا کے دخول کے بعد منادی مستقل کی ہے یعنی ضمہ اور اس کے قائم مقام الف اور واؤ یعنی جس طرح منادی مستقل اس پر یا کے بعد ضمہ۔ الف۔ واو داخل ہوتا ہے اسی طرح تابع پر بھی ضمہ الف واو آنے چاہئیں مگر چونکہ تابع پر حرف ندا نہیں داخل ہو سکتا اس لئے کہ معرف باللام ہونا دخول یا کو مانع ہے لہٰذا اس میں پوری رعایت منادی مستقل کی نہ کر سکیں گے بلکہ اس میں منادی مستقل کی حالت مبنی علی الضم کو اعراب سے بدل دیں گے پس تابع مرفوع ہو جائیگا پس رفع مختار ہو گا تاکہ تا حد امکان کچھ نہ کچھ رعایت منادی مستقل کی ہو سکے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۸۳ قولہ وابو عمرو الخ ابو عمرو ابن العلا بصری نحوی قاری جو کہ خلیل سے پہلے ہو چکے ہیں اس میں نصب کو مختار کہتے ہیں اور رفع کے بھی جواز کے قائل ہیں مگر وہی جانب مرجوح میں جانب راجح نصب ہی۔ ابو عمرو اختیار نصب کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب معطوف بحرف پر دخول الف لام کے باعث حرف ندا کا داخل ہونا ممتنع ہے تاکہ دو آلہ تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے تو تابع کی حیثیت منادی مستقل کی نہیں رہتی بلکہ منادیٰ کے مقابل کی ہو جاتی ہے کیونکہ اگر اس کی حیثیت منادی مستقل کی ہوتی تو اس پر دخول یا ممتنع نہ ہوتا پس اس میں فقط تابع ہونے کی حیثیت ہو گی اور صرف تبعیۃ کا حکم دیا جائے گا اور چونکہ مبنی کا تابع اپنے

بواسطة اللام لا یکون منادیً مستقلاً فله حکمُ التبعیةِ وتابع المبنی تابعٌ لمحله ومحلهُ النصبُ ۸۴ وَ اَبُو العَبَّاسِ المبرد اِنْ کَانَ المعطوف المذکور کَالحَسَنِ ای کاسم الحسن فی جوازِ نزعِ اللام عنه فَکَالخَلِیلِ ای فابو العباس مثلُ الخلیل فی اختیارِ رفعه لامکانِ جعله منادیً مستقلاً بنزع اللام عنه وَ اِلَّا ای وان لم یکن المعطوفُ المذکور کاسم الحسن فی جواز نزع اللام عنه مثلُ النجمُ والصعقُ فَکَاَبِیْ عَمْرٍو ای فابو العباس مثل ابی عمرٍو فی اختیار النصب لامتناع جعله منادیً مستقلاً ۸۵ وَالمُضَافَةُ عطف علی المفردة ای و

کیو جہ سے حرفِ نداء کی تقدیر جائز نہ ہوئی تو اس (معطوف) کیلئے تبعیت کا حکم ہوا اور مبنی کا تابع اس (منادی) کے محل کے تابع ہے اور منادی کا محل نصب ہے ((اور ابو العباس)) مبرد ((اگر ہو)) معطوف مذکور ((الحسن کی طرح)) یعنی اسم الحسن کی طرح ہو کہ دراصل علم تھا معنی تعریف کہ اس میں تھا کی تاکید کے لئے اسے معرفہ بالام کر دیا گیا اسی لئے لام تعریف کو اس سے الگ کرنا جائز ہے) اس اسم سے لام کے الگ کرنے کے جواز میں (امام مبرد) ((پس خلیل کی مانند ہیں)) یعنی پس ابو العباس اس اسم کے رفع کے اختیار کرنے میں خلیل کی مانند ہیں (کہ ان کے نزدیک رفع مختار ہے) کیونکہ اس اسم سے لام دور کرکے اسے مستقل منادی کیا جا سکتا ہے ((ورنہ)) یعنی اگر معطوف مذکور اس سے لام کے دور کرنے میں اسم الحسن کی مانند نہ ہو (اس سے لام کو دور کرنا جائز نہ ہو بلکہ لام بعض حروفِ کلمہ کی طرح ہو اور یہ اسم میں) النجم (اور البیت اور الکتاب اور ایام اسبوع الاحد اور الاثنین اور الثلثاء اور الاربعاء اور الخمیس اور الثریا) کے مثل اور (صفت میں) الصعق کی طرح (کہ یہ اسم شہر کا نام ہو گیا کہ جسے صاعقہ پہنچی لہذا اس کا لام لازم ہو گیا) ((پس ابو عمرو کی طرح ہے)) یعنی پس اس (معطوف مذکور) کے منادی مستقل نہ بنائے جا سکنے کی وجہ سے (کہ اس سے لام کو الگ نہیں کیا جا سکتا) نصب کے پسند کرنے میں ابو العباس ابو عمرو کی طرح ہے ((اور

متبوع کے محل کا تابع ہوتا ہے اور محل اس کے متبوع کا نصب ہے بنا بر مفعولیت کے لہذا نصب مختار ہو گا اور رفع غیر پسندیدہ جواز کے درجہ میں واللہ اعلم ۱۲۔

۸۴ قولہ وابو العباس الخ یہاں سے تیسرا شخص دونوں کے اقوال کے بارے میں بطور ثالث کے اپنا فیصلہ دیتا ہے ابو العباس مبرد کی کنیت ہے یہ کہتے ہیں کہ اگر معطوف مذکور الحسن کی مانند ہو یعنی اسم الحسن کی مانند کہ اس سے لام کا حذف جائز ہو تو خلیل کے اختیار کو ترجیح دی جائے گی ای ابو العباس اختیار رفع میں خلیل کی مثل ہیں کیونکہ اس معطوف بحرف میں اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ منادی مستقل بن سکے جبکہ اس سے لام تعریف کو علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ لام تعریف دخول یا سے مانع تھا پس جب وہ معطوف سے دور ہو سکتا ہے تو اب اس کا حکم منادی مستقل کا لامحالہ ہو گا اور اس میں منادی مستقل کی رعایت کی جائے گی پس رفع مختار ہو گا اور اگر معطوف مذکور اسم الحسن کی طرح نہ ہو یعنی اس سے لام تعریف کو جدا کرنا جائز نہ ہو تو چونکہ یہ لام کلمہ کے جز کی مانند ہوتا ہے جیسے النجم اور الصعق میں کہ ان دونوں میں لام کلمہ کا جز ہو گیا ہے جبکہ یہ کسی شخص کے علم ہوں لہذا ابو عمرو کا قول مختار ہو گا کیونکہ اس وقت اسکی حیثیت منادی مستقل کی نہیں ہو سکتی پس صرف تابع ہونے کا حکم دے کر نصب کو مختار قرار دیا جائے گا اور رفع بھی جائز ہو گا اسی کو مصنف کہتے ہیں والا فکابی عمرو یعنی اس صورت میں ابو العباس اختیار نصب میں ابو عمرو بصری کے مثل ہیں اس لئے کہ اس وقت اس کو منادی مستقل بنانا ممتنع ہے۔

(فائدہ) علم جب لام کے ساتھ وضع نہ کیا گیا ہو تو اس پر دخول لام جائز ہو گا بشرطیکہ علم اپنی اصل کے اعتبار سے صفۃ یا مصدر ہو جیسے الحسن (صفۃ مشبہ) اور الفضل (مصدر) پس جب اس پر دخول لام جائز ہوا تو لام کا اس سے حذف کرنا بھی جائز ہو گا لیکن جب لام کے ساتھ علم وضع کیا گیا ہو تو اس سے لام کا حذف کرنا جائز نہ ہو گا اس لئے کہ اس صورت میں لام بمنزلہ جزء کلمہ کے ہو جاتا ہے جیسے النجم اور الصعق میں واللہ اعلم ۱۲۔

۸۵ قولہ والمضافۃ الخ اس کا عطف المفردۃ پر ہے جو کہ توابع کی صفت ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے وتوابع المنادی المبنی علی ما یرفع بہ المضافۃ بالاضافۃ الحقیقیۃ مفرد میں تعمیم کی گئی تھی کہ مفرد حقیقی ہو یا حکمی ہو پس حکمی میں اضافت لفظیہ اور شبہ مضاف داخل ہو گئے تھے اور ان کا حکم وہی تھا جو مفرد حقیقی کا ہے یعنی جواز رفع و نصب پس اب مفرد حقیقی اور حکمی سے فارغ ہو کر مصنف

توابع المنادی المبنی علی مایرفع به المضافۃ بالاضافۃ الحقیقیۃ تُنصَبُ لانہا اذا وقعت منادی تنصب فنصبہا اذا وقعت توابعَ اولیٰ لان حرف النداء لایباشرہا مثلُ یاتیمُ کلّہم فی التاکید ویا زیدُ ذا المال فی الصفۃ ویا رجلُ ابا عبد اللہ فی عطف البیان ولایجیُٔ المعطوفُ بحرفِ المتنعِ دخولُ یاعلیہ مضافا[585] لان اللام یمتنع دخولہا علی المضاف بالاضافۃ الحقیقیۃ وَالبَدَلُ[586] وَ المَعطُوفُ غَیرَ مَا ذُکِرَ ای غیر المعطوف الذی ذکر من قبلُ وہوالممتنع دخولُ یاعلیہ فغیرہ المعطوفُ الذی لایمتنع دخولُ یاعلیہ حُکمُہٗ[587] ای حکم کل واحدٍ منہما حُکمُ المنادی المُستَقِلّ الذی باشرہ حرفُ النداء وذٰلک

مضاف)) یہ مفردہ پر عطف ہے یعنی منادی مبنی اس پر کہ اس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے کے توابع جو کہ اضافت حقیقیہ (معنویہ) کے ساتھ مضاف ہوں (کہ اضافت لفظی والوں میں تو دو صورتیں جائز ہیں رفع و نصب کما مر) ((منصوب ہوں گے)) کیونکہ جب وہ منادی واقع ہوتے ہیں تو منصوب ہوتے ہیں پس جبکہ توابع واقع ہوں تو ان کی نصب (بہ طریق) اولیٰ ہے (یعنی واجب ہے یہاں اولویت بہ طریق وجوب مراد ہے) کیونکہ ان پر حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا جیسے یاتیم کلہم تاکید میں اور یازید ذا المال صفت میں اور یارجل اباعبد اللہ (اور یازید عبد اللہ) عطف بیان میں اور معطوف ایسے حرف سے کہ اس پر یا کا دخول ممنوع ہے (یعنی معرفہ باللام) مضاف ہو کر نہیں آتا کیونکہ مضاف بہ اضافت حقیقیہ (معنویہ) پر لام کا دخول ممنوع ہے ((اور بدل اور معطوف اس معطوف کے علاوہ جو کہ مذکور ہوا)) یعنی اس معطوف کے علاوہ جس کا پہلے ذکر کیا گیا اور وہ (کہ جس کا پہلے ذکر ہوا) وہی معطوف ہے کہ اس پر دخولِ یا ممنوع ہے (یعنی معرف باللام) تو اس کے علاوہ وہ معطوف ہے کہ جس پہ دخولِ یا ممنوع نہیں ہے (یعنی وہ معطوف جو کہ لام تعریف کے بغیر ہو) ((اس کا حکم)) یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کا حکم منادی ((مستقل کا حکم ہے)) کہ جس پر حرف ندا داخل ہے اور یہ

اس کی ضد یعنی مضاف باضافۃ معنویہ حقیقیہ کا ذکر کرتے ہیں کہ منادی مفرد معرفہ مبنی علے الرفع کے توابع اگر مضاف باضافۃ حقیقیہ ہوں تو ان کو نصب دیا جائے گا اس لئے کہ توابع مضاف اگر منادی واقع ہوں تو چونکہ منادی سے قید افراد زائل ہو جاتی ہے اس لئے بنا علی الرفع کا حکم بھی مرتفع ہو جائیگا اور منادی بر بنا مفعولیت منصوب ہو گا پس جب اندریں صورت خود منادی کے لئے نصب کا حکم ہو جاتا ہے تو توابع کیلئے بدرجۂ اولیٰ ہو گا اس لئے کہ اس وقت ان پہ حرف ندا داخل نہیں اور جب حرف ندا داخل نہ ہو تو یہ اپنی اصل پر رہے گا اور اصل منادی میں نصب ہے فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے لہذا توابع کو نصب دیا جائیگا جیسے یاتیم کلہم تاکید کی مثال ہیں اور یا زید ذا المال مثال صفت ہیں اور یا رجل ابا عبد اللہ عطف بیان ہیں لیکن ایسا معطوف بحرف کہ جس پر دخول یا ممتنع ہو یعنی معطوف معرف باللام تو یہ مضاف ہو کر مستعمل نہیں ہوتا اس لئے کہ لام کا دخول مضاف باضافۃ حقیقیہ ممتنع ہوتا ہے اس لئے کہ اضافۃ حقیقیہ کے لئے تجرید عن اللام التعریف شرط ہے۔ بخلاف اضافۃ لفظیہ کے کہ اس پر لام تعریف داخل ہو سکتا ہے اس لئے کہ اضافۃ لفظیہ انفصال کے حکم میں ہوتی ہے کما مر واللہ اعلم۔

۵۸۶ قولہ والبدل الخ ترکیب البدل معطوف علیہ واو حرف عطف المعطوف موصوف یا مبدل منہ غیر ما ذکر صفت یا بدل موصوف اپنی صفت یا مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر معطوف معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر مبتدا اول حکمہ مبتدا ثانی حکم المستقل مطلقاً مبتدا ثانی کی خبر مبتدا ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا اول کی مبتدا اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا مطلب یہ ہے کہ بدل اور وہ معطوف جو مذکورہ معطوف کا غیر ہے یعنی ابھی اس معطوف بحرف کا ذکر کیا گیا تھا جس پہ دخول یا ممتنع ہے تو اس کا غیر وہ معطوف ہوا کہ جس پہ دخول یا جائز ہے ممتنع نہیں ہے ان دونوں کا حکم اس منادی مستقل کا سا ہے۔ کہ جس پہ حرف ندا داخل ہوا ہو یعنی بعینہٖ جو حکم منادی کا ہو گا۔ وہی بدل اور اس معطوف کا بھی ہو گا اس لئے کہ بدل کی صورت میں بدل مقصود بالذکر ہوا کرتا ہے رہا مبدل منہ تو وہ صرف توطیہ اور تمہید کے لئے لایا جاتا ہے تاکہ اس تمہید کے بعد بدل کو ذکر کر سکیں پس منادی حقیقۃ میں بدل ہے مبدل منہ نہیں پس بدل منادی مستقل کی مثل ہو جائے گا۔ ایسے ہی وہ معطوف مخصوص یعنی جو لام تعریف سے خالی ہو اور دخول یا اس پر ممتنع نہ ہو تو یہ بھی حقیقت میں منادی مستقل ہے اس لئے کہ معطوف گویا کہ معطوف ہوتا ہی نہیں اس لئے کہ حرف عطف حرف ندا کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور معطوف پر حرف ندا کے داخل ہونے سے کوئی مانع بھی نہیں ہے پس حرف

لان البدلَ هو المقصود بالذکر والاول کالتوطیة لذکره والمعطوفُ المخصوص منادی مستقلٌ فی الحقیقة ولا مانع من دخول حرفُ النداء مقدرًا فیه ۸۸ مُطلقًا ای حال کون کُلِّ واحدٍ منهما مطلقًا فی هذا الحکم غیرُ مُقیدٍ بحالٍ من الاحوال ای سواء کانا مفردین او مضافین او مضارعین للمضاف او نکرتین فالبدلُ ۸۹ مثل یا زید عمرو و یا زید اخا عمرٍو و یا زیدُ طالعًا جبلًا و یا زید رجلًا صالحًا والمعطوفُ مثل یا زید و عمرو و یا زید و اخا عمرٍو و یا زید و طالعًا جبلًا و یا زیدُ و رجلًا صالحًا ۹۰ والعَلَمُ ای العلمُ المنادی المبنیُّ علی الضم اما کونُه

(یعنی یہ جو بدل اور معطوف مجرد عن اللام کا حکم منادی مستقل کا حکم ہے) اس لئے کہ بدل ہی (کلام سے) مقصود بالذکر ہے اور اول (یعنی مبدل منہ) تو بدل کے ذکر کے لئے تمہید کی مانند ہے اور معطوف مخصوص (یعنی معطوف مجرد عن اللام) درحقیقت منادی مستقل ہے (گویا منادی معطوف ہی نہیں کہ حرف عطف حرف ندا کے قائم مقام ہے کہ ہمارا قول یا زید و عمرو، یا زید یا عمرو کے بمنزلے ہے) اور (صورت حال یہ ہے کہ) اس پر حرف نداء کے دخول سے کوئی مانع نہیں تو (معطوف علیہ کے قرینہ کیوجہ سے) اس میں حرف ندا مقدر ہوگا (لہذا وہ منادی مستقل ہوگا) (مطلقا) یعنی دونوں (بدل اور معطوف مجرد عن اللام) میں سے ہرایک کے اس حکم (منادی مستقل کی مانند ہونے میں) مطلق ہونے کی حالت میں احوال (اربعہ افراد واضافت و مشابہ مضاف ونکرہ) میں سے کسی حال کے ساتھ مقید نہیں یعنی خواہ دونوں مفرد ہوں یا مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ ہوں پس بدل جیسے یا زید عمرو (بدل الکل ہے) اور یا زید اخا عمرو (بدل الکل مضاف) اور یا زید طالعا جبلا (بدل الکل مشابہ مضاف) اور یا زید رجلا صالحا (یہ نکرہ کی مثال ہے جو معرفہ سے بدل کل ہے اور ایسی صورت میں نکرہ کی صفت لانا ضروری ہے لہذا صالحا ساتھ لایا گیا) اور معطوف (کی مثالیں یہ ہیں) یا زید و عمرو (دونوں مبنی بر ضم) اور یا زید و اخا عمرو و یا زید و طالعا جبلا و یا زید و رجلا صالحا (یہاں نکرہ کی صفت محض مشاکلت کیوجہ سے لائی گئی اگرچہ حاجت نہ تھی کہ عطف میں وہ شرط نہیں جو بدل میں شرط ہے) (اور علم) یعنی علم منادی مبنی بر ضم بہرحال منادی تو اس لئے کہ کلام منادی میں

ندا اس میں مقدر ہوگا۔ پس یہ منادی مستقل کی مثل ہو جائے گا۔ اور جب منادی مستقل کی مثل ہو جائیگا۔ تو جو حکم منادی کا ہوگا وہی اس کا بھی ہوگا واللہ اعلم۔

۸۷ قوله حکمه الخ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر دو چیزیں بیان کی گئی ہیں بدل اور معطوف اور جب ان دونوں کا حکم بیان کیا جائیگا تو حکمہ میں صرف ضمیر واحد لائے حالانکہ حکمہا کہنا چاہیئے تھا تاکہ مرجع اور ضمیر میں مطابقت ہو جاتی شارح نے اپنی حکم کل واحد منہما سے جواب یہ دیا کہ ضمیر مفرد اس وجہ سے لائی گئی ہے کہ مصنف .. دونوں کو کل واحد واحد کے مرتبہ میں لیا۔ نیز بتاویل مذکور بھی ضمیر مفرد لانا صحیح ہے اس لئے کہ لفظ مذکور واحد ہے تثنیہ نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۸۸ قوله مطلقا الخ شارح نے ای حال کونہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مطلقًا حکمہ کی ضمیر مضاف الیہ سے حال واقع ہے اور مضاف الیہ سے حال بنانا اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیا جا سکے اور یہاں ایسا ہو سکتا ہے اس لئے کہ کہہ سکتے ہیں وهو مطلقًا کالمنادی المستقل بہرحال بدل اور اس معطوف کا حکم جو کہ غیر معرف باللام ہے منادی مستقل کا ہے اور یہ ہر حال میں ہے کسی مخصوص حالت کے ساتھ مقید نہیں یعنی خواہ وہ دونوں مفرد ہوں یا دونوں مضاف ہوں یا شبہ مضاف یا نکرہ واللہ اعلم ۱۲۔

۸۹ قوله فالبدل الخ پس بدل کی مثالیں حسب ذیل ہیں جیسے یا زید عمرو یہ بدل مفرد یعنی غیر مضاف کی مثال ہے یا زید اخا عمرو یہ بدل مضاف کی مثال ہے اس میں بدل بنا بر مفعولیت منصوب ہے یا زیدُ طالعًا جبلًا یہ بدل شبہ مضاف کی مثال ہے اس میں بھی بدل منصوب ہے یا زید رجلا صالحا یہ بدل نکرہ کی مثال ہے اس میں بھی بدل بربنا مفعولیت منصوب ہے علی ہذا القیاس معطوف کی مثالیں جیسے یا زید و عمرو دونوں مبنی علی الضم ہیں اس لئے کہ دونوں مفرد ہیں یا زید و اخا عمرو معطوف علیہ مبنی علی الضم ہے اور معطوف بربنا مفعولیت منصوب یہ مضاف کی مثال ہے یا زیدُ و طالعا جبلا معطوف شبہ مضاف ہے بربنا مفعولیت منصوب ہے، یا زیدُ و رجلا صالحا معطوف نکرہ ہے اور یہ بھی منصوب ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۹۰ قوله والعلم الخ یہ قاعدہ ضابطہ سابق سے بطور استثناء کے ہے کیونکہ ماقبل میں کہا گیا ہے کہ جب منادی مفرد معرفہ ہوگا تو ہر حالت میں مبنی علی الضم ہوگا پس اب اس سے استثناء کے بطور کہتے ہیں کہ جو علم منادی

منادیٰ فلان الکلام فیه وأما کونه مبنیاً علی الضم فلما یُفهم من اختیار فتحة
للمبنیّ عن جواز ضمه فان جواز الضمة لا یکون الا فی المبنی علی الضم
الموصوفُ بِابْنٍ مجرد[۹۱] عن التاء او ملحوق بها اعنی ابنة بلا تخلل واسطة
بین الابن وموصوفه کما هو المتبادر الی الفهم فیخرج عنه مثل یا زیدُ الظریفُ
ابنَ عمرٍو مُضافاً[۹۲] ای حال کون ذلک الابن مضافاً الی علمٍ آخَرَ فکل
علم یکون کذلک یجوز فیه الضمُّ کما عرفت من قاعدة بناء المفرد علی ما

ہے اور اس کا مبنی بر ضم ہونا اس وجہ سے ہے جو کہ مصنف کے (قول یختار فتحہ سے) فتحہ کو اختیار کرنے سے جو منادی کے ضمہ کے جواز کا پتہ دیتا ہے سے سمجھی جا رہی ہے کہ ضمہ کا جواز مبنی بر ضم میں ہی ہو سکتا ہے (موصوف ابن کے ساتھ) تا سے خالی ہو یا ملحوق بالتا یعنی ابنۃ ہو، ابن اور اس کے موصوف کے درمیان کسی واسطہ (فاصلہ) کے حائل ہوئے بغیر جیسا کہ یہ متبادر الی الفہم ہے (کہ صفت اور موصوف جب معنی میں متحد ہوں تو ان کے درمیان فاصلہ منع ہے) تو اس حکم سے یا زیدُ الظریفُ ابنَ عمرٍو (ابن پر نصب ہے کہ یہ تابع مضاف ہے لہذا منصوب ہی ہوگا) (بہ حالت مضاف) یعنی اس ابن کے مضاف ہونے کی حالت میں (دوسرے علم کی طرف) تو جو علم اس طرح ہو کہ منادیٰ علم ہو ابن یا ابنۃ کے ساتھ موصوف ہو ابن یا ابنۃ اور اس اسم کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو بلکہ متصل ہوں اور ابن یا ابنۃ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو) تو اس میں ضمہ جائز ہے جیسا کہ تم نے مفرد کے اس چیز پر کہ جس کے ساتھ اسے رفع دیا جاتا ہے مبنی ہونے کے قاعدے سے

مبنی علی الضم (یعنی منادی مفرد معرفہ علم ہو، لفظ ابن یا ابنۃ کے ساتھ صفت لایا گیا ہو اور وہ لفظ ابن یا ابنۃ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو اس صورت میں علم اول کا فتحہ مختار ہے اگرچہ رفع بھی جائز ہے اب اگر کوئی کہے کہ العلم کے ساتھ منادی مبنی علی الضم کی قید کا شارح نے کس لئے اضافہ کیا تو اس کا جواب خود شارح اما کونہ منادیٰ الخ سے دے رہے ہیں کہ اس کا منادی ہونا ہمیں اس لئے معلوم ہے کہ کلام ہی منادی میں ہو رہا ہے نہ کہ غیر میں اور مبنی علی الضم ہونا فتحہ کو مختار قرار دئے جانے سے مفہوم ہو رہا ہے جو کہ ضمہ کے جائز ہونے کی بھی خبر دے رہا ہے اس لئے کہ اختیار میں دو شقوں کا ہونا ضروری ہے جس سے ایک شق کو اختیار کیا جائیگا نیز اسلئے کہ منادی ہونا ہے بحیثیت علم نہ مضاف ہوگا نہ شبہ مضاف نہ نکرہ کہ صرف فتحہ ہی متعین ہو اور مستغاث باللام کو فتحہ نہیں دیا جاتا اور مستغاث بالالف میں فتحہ مختار نہیں ہونا واجب ہوتا ہے پس اختیار فتحہ سے جواز ضم ہی متعین ہوا نہ کہ غیر پس جب جواز ضم ثابت ہو گیا تو بنا بھی ثابت ہو گئی اس لئے کہ جواز ضمہ اکثر مبنی میں ہی ہوتا ہے غیر میں نہیں پس العلم کو منادی مبنی علے الضم کی قید کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہوگا واللہ اعلم

۹۱ قولہ مجرد عن التاء الخ ابن میں تعمیم ہے خواہ یہ تاء سے خالی ہو یعنی لفظ ابن ہو یا تاء بھی اس کے ساتھ ملحق ہو یعنی ابنۃ ہو بہر حال ہیئۃ ابن میں تغیر نہ آنا چاہئے یعنی بنت نہ ہو اور ابن اور اس کے موصوف کے درمیان کوئی واسطہ بھی نہ آنا چاہئے جیسا کہ متبادر الی الفہم بھی یہی ہے اس لئے کہ موصوف صفت معنے ایک دوسرے سے مربوط و متحد رہتے ہیں پس ان کے درمیان فاصلہ ممتنع ہوگا اور اگر فاصلہ آ جائے گا تو یہ حکم نہیں رہے گا یعنی اختیار فتحہ اور جواز ضمہ کا لہذا اس قید سے یا زید الظریف ابن عمرو خارج ہو گیا اس لئے کہ علم منادی یعنی زید اور اس کی صفت کے درمیان الظریف حائل آ گیا پس اس میں زید کو لازماً مرفوع پڑھیں گے فتحہ کا مختار ہونا تو در کنار فتحہ جائز بھی نہیں ہوگا اور الظریف میں رفع و نصب دونوں جائز ہیں کیونکہ اگر الظریف زید کی صفت کو لفظ پر محمول کرتے ہیں تو مرفوع پڑھیں گے اور محل پر حمل کرتے ہیں تو منصوب پڑھیں گے اور ابن عمرو کو صرف منصوب ہی پڑھیں گے اس لئے کہ یہ توابع مضاف میں سے ہے اور توابع مضاف منصوب ہوتے ہیں کما مر واللہ اعلم ۱۲۔

۹۲ قولہ مضافاً الخ یہ چونکہ ابن سے حال واقع ہو رہا ہے اس لئے شارح نے اس کی تفسیر ای حال کون ذلک الابن سے کر دی پس ہر وہ علم جس کی صفت ابن کے ساتھ لائی گئی ہے اور ابن علم آخر کی طرف مضاف ہو تو اس میں بر بنا رفع کو ضمہ جائز ہے لیکن فتحہ مختار ہے اس لئے کہ اس قسم کا منادی کلام عرب میں کثیر الوقوع ہے کہ جس میں یہ تمام مذکورہ صفات پائی جاتی ہیں اور کثرت کے مناسب تخفیف ہے اور تخفیف کے مناسب فتحہ اس لئے کہ وہ اخف الحرکات ہے پس اس میں ضمہ کو منادی کی حرکت اصلیہ یعنی فتحہ کے ساتھ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے مخفف کر دیا کیونکہ منادیٰ میں اصل فتحہ ہی ہے ضمہ محض بنا عارض کی وجہ سے تھا اور یہ عارض کثرت استعمال کی وجہ سے زائل ہو گیا لہذا اس کی حرکت اصلیہ یعنی فتحہ

یرفع به لکن یُختارُ فتحُہٗ لکثرۃ وقوعِ المنادی الجامع لهذه الصفات والکثرۃُ مناسبۃٌ للتخفیف فخفّفوہُ بالفتحۃ التی ھی حرکۃُ الاصلیۃ لکونہ مفعولاً به و[93] اِذا نُوْدِیَ المُعَرَّفُ بِاللّامِ ای اذا اُرِیْدَ نداؤہ قِیلَ مثلاً یَا اَیُّھَا الرَّجُلُ بتوسطِ ای مع ھاء التنبیه بین حرفِ النداء والمنادی المعرفِ باللام تحرزًا عن اجتماعِ الَتیِ التعریف بلا فاصلۃٍ وَیَاھٰذَا الرَّجُلُ بتوسط ھذا وَیا اَیُّھٰذَا الرَّجُلُ بتوسط الامرین[94] معًا وَ

جان لیا لیکن ((اس کی فتح مختار ہے)) ان صفاتِ (اربعہ مذکورہ) کے جامع منادی کے کثرتِ وقوع کی وجہ سے (فتح مختار ہے) اور کثرت تخفیف کے لئے مناسب ہے (کہ جب کسی شئے کا استعمال کثیر ہو تو وہ تخفیفِ الفاظ کی متقاضی ہوتی ہے) لہذا نحویوں نے اس (منادی مذکور) کی (ضمہ کو تبدیل کرکے) فتحہ سے تخفیف کردی جو کہ منادی کے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے حرکت اصلیہ ہے ((اور جب معرفہ بہ لام کو ندا کی جائے)) یعنی جب اس کی نداء کا ارادہ کیا جائے ((کہا جائے گا)) مثال کے طور پر ((یا ایہا الرجل)) ای کا ہائے تنبیہ کے ہمراہ حرف نداء اور منادی معرفہ بالام کے درمیان واسطہ لاکر (تعریف کے دو آلوں کے بلا فاصلہ اجتماع سے اجتناب کرنے کی وجہ سے ایہا کا واسطہ ضروری ہے) ((اور یا ھذا الرجل)) ھذا کے توسط کے ساتھ ((اور یا ایھذا الرجل)) دونوں چیزوں (ای اور ھذا) کے اکٹھے توسط کے ساتھ (ایہا اور ھذا میں فرق یہ ہے کہ ایہا ہرگز

لوٹ آئی مثلاً یا زید ابن عمرو کہ اس میں فتحہ منونہ اور ضمہ جائز ہے لیکن ابن عمرو میں صرف فتحہ ہی جائز ہے رفع نہیں اس لئے کہ یہ تابع مضاف ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۹۳ قولہ واذا نودی الخ یہاں سے مصنف معرف باللام کو منادی بنانیکا طریقہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جب معرف باللام کو منادی بنانے کا ارادہ کیا جائے مثلاً الرجل کا تو ہار تنبیہ کے ساتھ ایّ کو ندا اور منادی معرف باللام کے درمیان میں لاکر یا ایہا الرجل کہیں گے تاکہ بغیر فاصلہ کے دو آلۂ تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے یا ہذا کو درمیان میں لاکر یا ہذا الرجل کہیں گے یا دونوں امروں کو یکجا جمع کرکے یا ایہذا الرجل کہیں گے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ای اور ہار تنبیہ اور ہذا کے ہی وسط میں لانے سے کیا فائدہ ہے ان کے علاوہ اور کوئی لفظ کیوں وسط میں نہیں لایا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ ای ابہام کے لئے ہے اور ہا تنبیہ کے لئے پس ابہام سے تو منادی کو شوق پیدا ہوگا تعیین کا اور ہا دلالت کریگا تنبیہ پر تو شخص منادی جلد متوجہ ہوگا نیز ہار تنبیہ کے اضافہ کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ندا خود ایک تنبیہ ہے اور ای ہذا سے یہ فائدہ ہے کہ ای میں ابہام زیادہ ہے اور ہذا میں کم پس اس سے بتدریج منادی کی تعیین ہوگی اور تکرار مبہم کی وجہ سے منادی میں زیادتی شوق پیدا ہوگی اور یہی ندا سے مقصود ہے کہ منادیٰ منادی کی طرف فوراً متوجہ ہو اس جگہ قول شارح ای اذا ارید ندارہ سے اس امر کی طرف ہے کہ مصنف نے اذا نودی الخ کہہ کر مسبب کو سبب کی جگہ میں استعمال کیا ہے اس لئے کہ ارادہ سبب ہے اور ندار مسبب اور ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے کہ فعل کو ذکر کرکے ارادۂ فعل مراد لیتے ہیں جیسے یاایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی

الصلوٰۃ سے اذا اردتم الصلوٰۃ ہے اور قیل کے بعد مثلاً کا اضافہ کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب معرف باللام کی ندار کا ارادہ کریں گے تو یا ایہا الرجل وغیرہ کہیں گے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ مثلاً جب الکرام کی ندار کرتے ہیں تو یا ہٰؤلار الکرام کہتے ہیں نہ کہ یا ایہا الرجل پس جزا اپنی شرط پر مرتب نہیں رہی اس لئے کہ اس کلام میں اذا نودی المعرف باللام شرط ہے اور قیل الخ جزا اور قاعدہ یہ ہے کہ جزا اپنی شرط پر مترتب ہوتی ہے مگر یہ جزا ایسی ہے کہ اپنی شرط پر مترتب نہیں اس لئے کہ شرط عام ہے اور جزا خاص اور عام کو خاص لازم نہیں یعنی اذا نودی سے مطلق معرف باللام کو منادی بنانے

کا طریقہ بیان کیا جارہا ہے تو یہ عام ہوا اور طریقہ میں خصوصیت برتی گئی یعنی صرف الرجل معرف باللام کا طریقہ بتلایا اور اس معرف باللام کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔ جو الرجل کے غیر ہیں جیسے یا ہٰؤلار الکرام یا ہذہ المرأۃ یا ہذان العالمان وغیرہ پس یہ اس بیان سے خارج ہوئے جاتے ہیں کیونکہ یہ الرجل کے غیر ہیں شارح نے مثلاً سے جواب دیا کہ قول مصنف یا ایہا الرجل وغیرہ تمثیل پر محمول ہے یعنی بطور مثال کے یہ مشہور امثلہ پیش کی جاسکتی ہیں دوسری امثلہ کو اس سے خارج کرنا مقصود نہیں پس جزا بھی عام رہی اور شرط بھی عام اور عام کا ترتب عام پر درست ہوگیا واللہ اعلم

۹۴ قولہ والتزموا یعنی الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے

اُلْتَزَمُوْا یعنی العرب رَفْعَ الرَّجُلِ مثلاً وان کان صفةً وحقُّها جواز الوجهین الرفع النصب کما مر لِاَنَّهٗ ای الرجل مثلاً هُوَ الْمَقْصُوْدُ بِالنِّدَاءِ فَالْتُزِمَ رَفْعُهٗ لتکون حرکتُہ الاعرابیةُ موافقةً للحرکة البنائیةِ التی هی علامةُ المُنادی فتدل علی انه هو المقصودُ بالنداء وهذا [95] بمنزلة المستثنیٰ عن قاعدة جواز الوجهین فی صفة المنادی ولهذا لم یذکر هٰهنا ما یُخْرِجُ صفةَ الاسم المبهم عن تلك القاعدة وَتَوَابِعِهٖ [96] بالجرِّ عطفٌ علی الرجل ای وَالْتَزَمُوا

مقصود بالنداء نہیں تو سط محض کے لئے ہے جبکہ ہذا میں دونوں یعنی مقصود بالنداء اور توسط کے لئے ہونے کا احتمال ہے اس لئے ایہا کو مقدم کیا گیا) ((اور التزام کر لیا)) یعنی عرب نے ((الرجل کے رفع کا)) مثلاً اگرچہ الرجل (اسم جنس اور ای یا ہذا منادی مضموم کی) صفت (واقع) ہے اور (ایسی) صفت کا حق جواز وجہین ہے (یعنی جواز) رفع ونصب جیسا کہ (یا زید العاقل میں) گذرا ((کیونکہ وہ)) الرجل مثلاً ((ہی مقصود بالنداء ہے)) پس اس کے رفع کا التزام کیا گیا (تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو کہ یہی مقصود بالنداء ہے بلکہ منادی مستقل ہے اور منادی مستقل کا دائرہ رفع پر مبنی ہوتا ہے اس لئے اسے رفع دیا گیا) تاکہ اس کی حرکت اعرابیہ (جو کہ رفع ہے) حرکت بنائیہ (ضمہ) کے لئے جو کہ منادی کی علامت ہے کے لئے موافق ہو پس وہ (یعنی حرکت اعرابیہ موافقہ برائے حرکت بنائیہ) اس بات پر دلالت کرے کہ یہی مقصود بالنداء ہے اور یہ (قولِ مصنف والتزموا رفع الرجل) صفتِ منادی میں جواز وجہین (رفع حملاً علی اللفظ ونصب حملاً علی المحل) کے قاعدے سے مستثنیٰ کے بمنزلے ہے اور اسی وجہ سے مصنف نے وہاں (صفت مفرد میں جواز وجہین کے بیان میں) کسی ایسے لفظ کا ذکر نہیں کیا جو اسم مبہم (منادی یعنی ای اور ھذا) کی صفت (الرجل) کو اس قاعدے سے خارج کردیتا ((اور اس کے توابع کا)) (توابع کی) جر کے ساتھ الرجل پر عطف ہے یعنی رجل کی توابع خواہ

کہ جب منادیٰ مبنی مفرد معرفہ کی صفت معرف باللام ہو اور منادی موصوف ایّہا یا یا ایّہذا وغیرہ ہو تو اس صورت میں دونوں وجہیں یعنی رفع ونصب کیوں جائز نہیں جیسا کہ یا زید الظریف میں الظریف زید کی صفت ہے اور اس میں رفع ونصب دونوں جائز ہیں ایسے ہی یہاں بھی مثلاً یا ایہا الرجل میں الرجل جو کہ ایہا منادی کی صفت واقع ہو رہا ہے رفع ونصب دونوں جائز ہونے چاہئیں اس کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ اہل عرب نے الرجل میں مثلاً رفع کو ہی لازم وواجب قرار دیا ہے

اگرچہ الرجل صفت ہی کیوں نہ ہو اور صفت کا حق جواز وجہین یعنی رفع ونصب ہے کما مر اور اس التزام کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً یا ایہا الرجل میں الرجل مقصود بالندار ہے پس اس کے رفع کو لازم قرار دے دیا تاکہ اس کی حرکت اعرابیہ یعنی رفع حرکت بنائیہ یعنی ضمہ کے (جو کہ منادی مفرد معرفہ کی علامت ہے) کے مطابق ہو کر اس بات پہ دلالت کرے کہ مقصود بالندار الرجل ہی ہے اس کا موصوف ایہا یا ایّ ہذا وغیرہ مقصود بالندار نہیں بخلاف یا زید الظریف کے کہ اس میں مقصود بالندار موصوف ہے صفت نہیں لہذا الظریف میں دونوں وجہیں جائز ہیں پس (یا ایہا الرجل) میں مثلاً موصوف یعنی ایہا یا لہذا وغیرہ صرف اس لئے لایا گیا ہے کہ منادیٰ معرف باللام پہ دخول یا جائز ہو جائے واللہ اعلم ۱۲۔

۹۵ قولہ وہذا بمنزلة المستثنیٰ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کے اس قول اور قول سابق وتوابع المنادی المبنی المفردة الخ میں تناقض ہے اس لئے کہ اس سے تو صرف ایک وجہ معلوم ہو رہی ہے یعنی رفع اور وتوابع المنادی الخ جیسے جواز رفع ونصب دونوں پس لامحالہ دونوں میں سے ایک قول غلط ہے جواب یہ ہے کہ صفة منادی میں جواز وجہین کا جو قاعدہ تھا یہ اس سے بمنزلہ مستثنیٰ کے ہے اسی واسطے مصنف نے اس جگہ یعنی جواز وجہین کے ضمن میں ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی جو اس قاعدہ سے اسم مبہم کی صفة کو خارج کر دے اس لئے کہ اس جگہ اگر اس کے اخراج کے لئے کوئی قید بایں طور زائد کر دی جاتی کہ لفظ اور محل پر صفة منادی کا حمل اس وقت جائز ہے جبکہ منادی مبہم نہ ہو تو اس وقت اس جگہ یہ قول بمنزلہ استثنیٰ کے صحیح نہیں ہو سکتا تھا تب یقیناً عبارت مصنف میں تناقض پایا جاتا واللہ اعلم ۱۲۔

۹۶ قولہ وتوابعہ بالجر الخ یہ جر کے ساتھ الرجل پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ای والتزموا رفع توابع الرجل یعنی جس طرح الرجل میں صرف نحاۃ نے رفع لازم قرار دیا ہے اسی طرح اس کے توابع میں بھی نحاۃ نے رفع کو ہی لازم کیا ہے عام ازیں کہ توابع مفرد ہوں یا مضاف جیسے یا ایہا الرجل الظریف ویا ایہا الرجل ذوالمال کہ ان مثالوں میں الظریف اور ذوالمال کو صرف رفع ہی پڑھ سکتے ہیں نصب نہیں پس الظریف اور ذاالمال نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ یہ منادی معرب کے توابع ہیں اور جواز

رفع توابع الرجل مضافةً او مفردةً نحو یا ایها الرجل الظریف ویا ایها الرجل ذوالمال لِاَنَّهَا تَوَابِعُ منادی مُعْرَبٍ وجوازُ الوجهین انما یکون فی توابع المنادی المبنی وَقَالُوا بناءً علی قاعدة تجویز اجتماعِ حرفِ النداء مع اللام وهی اجتماعِ امرین احدُهما کونُ اللام عوضًا عن محذوف وثانیهما لزومُها للکلمةِ یَا اَللّٰهُ لِاَنَّ اصله اَلْاِلٰه فحذفت الهمزة وعُوِّضَتِ اللامُ عنها ولزمت الکَلِمةَ فلا یقالُ فی سعة الکلام لَاهُ ولما لم یجتمع هذان الامران

مضاف ہوں یا مفردہ ہوں کے رفع کا عرب یا نحویوں نے التزام کرلیا جیسے یا ایها الرجل الظریفُ (تابع مفرد کی مثال) اور یا ایها الرجل ذوالمال (تابع مضاف کی مثال) (کیونکہ یہ توابع ہیں) منادی ((معرب کے)) اور جواز وجہین تو منادی مبنی کے ہی توابع میں ہے (اور کہا عرب نے) حرفِ ندا کے لام (تعریف) کے ساتھ جمع ہونے کو جائز قرار دینے کے قاعدے کی بنا پر اور (قاعدہ لفظ واحد میں) دو چیزوں کا جمع ہونا ہے (جب وہ دو چیزیں مجتمع ہوں گی تو کسی واسطہ کے لئے بغیر معرفہ باللام کی نداء جائز ہے) ان دو میں سے ایک تو لام کا (حرفِ) محذوف سے عوض ہونا ہے اور ان دو میں سے دوسرا لام کا اس کلمہ کے لئے لازم ہونا ہے (یعنی جس کلمہ پر لام داخل ہوئی ہے علمیت کی وجہ سے" اسے لازم ہو جائے اور وہاں سے جداء کی جاسکے (یا اللہ) کیونکہ اس کی اصل اَلْاِلٰہُ ہے پس ہمزہ (اصلیہ جو اِلٰہ میں ہے) کو حذف کر دیا گیا اور لام (یعنی ال جو تعریف کے لئے ہے) کو اس ہمزہ سے عوض کیا گیا اور لام علمیت کی وجہ سے کلمہ کو لازم ہو گئی لہذا وسعتِ کلام میں (بلا ضرورت شعریہ) لاہ نہیں کہا جا سکتا (کیونکہ عوض کا معوض کے ہمراہ حذف کرنا جائز نہیں البتہ ضرورت شعریہ میں حذف کیا جا سکتا ہے جیسے یسمعها لاهة الکبار کاف کے ضم سے بمعنی کبیر جیسے طُوال اور طویل) اور جبکہ یہ دونوں باتیں (تعویض اور لزوم) کسی دوسری جگہ میں جمع نہ تھیں (بلکہ صرف اور صرف

وجہین منادی معرب کے توابع میں نہیں بلکہ منادی مبنی کے توابع میں ہے لہذا اس میں صرف رفع ہی جائز ہوگا پس اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جبکہ یا ایها الرجل میں مقصود بالنداء الرجل ہے تو یہ منادی مبنی علی الضم کی مثل ہو جائے گا پس اس کے توابع مفرد میں رفع و نصب دونوں جائز ہونے چاہئیں والجواب ما مر آنفا اعنی لانها توابع منادی معرب واللہ اعلم ۱۲

۹۷ قولہ وقالوا الخ اس عبارت سے مصنف ایک سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ ماسبق میں کہا گیا تھا کہ جب معرف باللام کی نداء کا ارادہ کیا جائے تو ندا اور منادیٰ کے درمیان فاصلہ لانا ضروری ہے تاکہ دو آلۂ تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یا اللہ میں حرف ندا معرف باللام پہ بلا فاصلہ داخل ہو رہا ہے اور دو آلۂ تعریف یک جا جمع ہو رہے ہیں اور اس کے باوجود اللہ منادی واقع ہو رہا ہے مصنف نے جواب دیا کہ اگرچہ بظاہر اس میں آلۂ تعریف کا اجتماع نظر آرہا ہے مگر حقیقۃ یہ ہے کہ اس میں اجتماع نہیں اس لئے کہ لام ہمزۂ محذوفہ کے عوض میں ہے اور بمنزلہ کلمہ کے جزء کے ہے اسی کو شارح اس طرح بیان فرما رہے ہیں کہ نحاۃ نے حرف ندا کے اجتماع کو لام کے ساتھ جائز قرار دینے کی بنا پہ یا اللہ کہا ہے یعنی یہ ایک جدید قاعدہ ہے جس میں حرف ندا لام کے ساتھ مجتمع ہو سکتا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں یہ دو امور جمع ہوں گے وہاں حرف ندا معرف باللام پہ داخل ہو سکتا ہے ایک ان میں سے یہ ہے کہ لام محذوف کے عوض میں ہو اصلی نہ ہو اور دوسرا امر یہ ہے کہ وہ کلمہ کو اس طرح لازم ہو جائے کہ کسی حال میں اس سے جدا نہ ہو سکے پس یہ قاعدہ جدا ہے اور مذکورۂ ماسبق قاعدہ جدا لہذا اب کوئی اعتراض واقع نہیں واللہ اعلم۔

۹۸ قولہ لان اصلہ الخ یہاں اس امر پہ دلیل پیش کر رہے ہیں کہ اللہ میں لام عوض میں کس طرح ہے؟ اور کلمہ کو کیسے لازم ہے؟ کہتے ہیں اللہ کی اصل اَلْاِلٰہ ہے پس ہمزہ کو جو کہ فا کلمہ کی جگہ میں واقع ہے حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں لام کو رکھ دیا گیا پس اگرچہ اس میں لام اس تعلیل سے قبل تعریف کے لئے تھا لیکن چونکہ بعد التعلیل اس کو عوض کے لئے قرار دے دیا گیا ہے لہذا اس کی تعریف زائل ہو گئی پھر چونکہ یہ مع اللام کے علم بنا دیا گیا ذات باری تعالیٰ کا اس لئے یہ کلمہ کے لئے بمنزلہ جزء کے ہو گیا لہذا اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا بخلاف دوسرے اسماء کے کہ چونکہ وہ بمنزلہ جزء کلمہ کے نہیں ہوتے اس لئے وہ بدستور تعریف کے لئے ہوتے ہیں اور ان پہ حرف ندا نہیں داخل ہو سکتا پس یہ قاعدہ قاعدہ اولیٰ سے بمنزلہ استثناء کے ہے پس جب لام اس کے لئے لازم ہو گیا تو اسی وجہ سے وسعت کلام میں لاہ نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس سے عوض کا معوض سمیت حذف کرنا لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے واللہ اعلم

۹۹ قولہ ولما لم یجتمع الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسم اللہ تو خاص ہی ہے عام نہیں پھر اس کے بعد خاصۃً کہنے کا کیا فائدہ۔ شارح نے جواب دیا کہ خاصۃً سے اشارہ

فی موضع آخر اُختُصَّ هذا الاسم بذلك الجواز ولهذا قال خَاصَّةً واما مثل النجمِ والصعقِ وان كانت اللام لازمةً فيه لكن ليست عوضًا عن محذوفٍ واما الناسُ وان كانت اللام فيه عوضًا عن الهمزة لان اصلهٗ اَلْاُنَاس لكن ليست لازمةً للكلمة لانه يقال ناسٌ فی سعة الكلام فلا يجوز ان يقال يا النجم ويا الناس ولعدم جريان هذه القاعدةِ فی التی فی قوله شعر

من اجلك يا التی تيمتِ قلبی ✽ وانت بخيلةٌ بالوصل عنّی ✽ لان لامها ليست عِوَضًا عن محذوفٍ وان كانت لازمةً للكلمة حكموا عليه بالشذوذ انتهٰی وفی الغلامان فی قولهم ع فيا الغلامانِ اللذان فرّا ✽ لانتفاء الامرين كليهما

لفظ اللہ میں جمع تھیں) تو (حرف نداء کے لام تعریف کے ساتھ اجتماع کے) جواز کو اس اسم (اللہ) کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا (اس عبارت میں با موحدہ مقصور پر داخل ہے) اور اسی (اختصاص کی) وجہ سے مصنف نے کہا (خاص کر) اور النجم اور الصعق (اور البیت وغیرھا) کے مثل (کہ جن میں لام عوض کے لئے نہیں) اگرچہ اس میں لام لازمہ نہیں لیکن (کسی حرف) محذوف سے عوض (بھی) نہیں اور رہا الناس (کا سوال) اگرچہ اس میں لام ہمزہ سے عوض ہے کیونکہ اس کی اصل الاناس ہے (اس میں اسی طرح ہوا جس طرح لفظ اللہ میں ہوا) لیکن لام اس کلمہ (الناس) کے لئے لازمہ نہیں ہے کیونکہ فراخئ کلام میں کہا جاتا ہے "ناس" لہذا یا النجم اور یا الناس کہنا جائز نہیں اور اس قاعدہ کے اس التی میں جاری نہ ہونے کی وجہ سے جو کہ شاعر کے قول میں ہے شعر من اجلک یا التی الخ (اے وہ معشوقہ کہ جس نے میرے دل کو نرم کر دیا میں تیری وجہ سے (ہلاک ہوا جا رہا ہوں) حالانکہ تو مجھ سے ملنے میں بخیلہ (واقع ہوئی) ہے (التی میں قاعدہ مذکورہ جاری نہیں کیونکہ اس کی لام (حرف) محذوف سے عوض نہیں ہے اگرچہ کلمہ کے لئے لازم ہے (کہ وسعت کلام میں تی نہیں کہا جائے گا) نحویوں نے اس (قول شاعر) پر شذوذ (شاذ و نادر ہونے) کا حکم لگایا (کہ جو خلافِ قیاس ہو وہ شاذ ہوا کرتا ہے) اور شعراء کے قول ع فیا الغلامان اللذان فرا میں

ہے لہذا اس میں اس قاعدہ کا اجراء ہونا چاہیئے پھر بھی اسم اللہ کے ساتھ اس قاعدہ کی خصوصیت باقی نہیں رہتی اس کا جواب شارح نے واما الناس الخ سے یہ دیا کہ اگرچہ اس میں لام ہمزہ محذوفہ کے عوض میں ہے کیونکہ اس کی اصل الاناس تھی لیکن یہ لام کلمہ کو مستلزم نہیں کہ اس سے علیحدہ نہ ہو سکے اس لئے کہ حذف لام کے ساتھ ناسٌ بھی کہا جاتا ہے۔ بخلاف اللہ کے کہ اس میں حذف لام کے ساتھ لاہٌ نہیں کہہ سکتے پس اس میں دو امر نہیں پائے گئے بلکہ صرف ایک امر یعنی تعویض موجود ہے لزوم نہیں لہذا یہ بھی اس قاعدہ جواز سے خارج ہے پس اسم اللہ کا اس قاعدہ کے ساتھ خاص ہونا معلوم و متحقق ہو گیا پس یہ جائز نہیں ہو گا کہ یا النجم یا الصعق یا الناس کہہ سکیں۔ بلکہ اسی قاعدہ میں داخل ہوں گے جس میں ندا اور منادی کے درمیان فاصلہ لانا ضروری ہے واللہ اعلم

قولہ ولعدم الخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ النجم اور الناس میں تو عدم اجتماع امرین کہہ کر تم نے اس کو قاعدہ جواز سے خارج کر دیا لیکن شاعر کے اس قول سے من اجلک یا التی تیمت قلبی ۔۔ وانت بخیلۃٌ بالوصل عنی ۔ میں کیا کہو گے کہ اس میں التی میں اجتماع امرین بھی نہیں اور پھر اس پر حرف ندا داخل ہو رہا ہے اور بغیر فاصلہ کے شعر کا ترجمہ یہ ہے تیری محبت کے سبب سے اے وہ محبوبہ کہ تو نے میرے دل کو پامال اور ذلیل کر دیا ہے۔ ہر قسم کی مصیبت برداشت کر رہا ہوں۔ لیکن تو ہے کہ مجھ سے ملاقات کرنے میں بھی بخل کا اظہار کرتی ہے اس میں من اجلک جار مجرور ظرف مستقر فعل محذوف الحمل کے متعلق ہے اور تیم بتقدیم التاد کے معنی ذلیل اور پامال کرنے کے آتے ہیں شارح نے اس کا جواب ولعدم الخ سے یہ دیا کہ چونکہ یہ قاعدہ مذکور شعر کے التی میں جاری نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کا لام محذوف کے عوض میں نہیں اگرچہ بمنزلہ جزو کلمہ کے ہے اس لئے کہ اس کی اصل تی ہے اس پر لام تعریف داخل کر کے التی کر دیا اور یہ اسماء موصولات سے ہو گیا

قاعدہ کلیہ کی طرف ہے یعنی جو قاعدہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ اس میں تعویض اور لزوم مجتمع ہوں تو یہ دونوں امر کسی اور اسم میں نہیں پائے جاتے لہذا اس جواز دخول نداء علی اللام کے ساتھ اللہ ہی خاص ہے اسم اللہ کی خصوصیت اور عمومیت سے بحث نہیں پس مصنف نے یا اللہ کے بعد خاصۃً کہہ دیا اب رہا یہ اعتراض کہ النجم اور الصعق میں بھی تو لام تعریف بمنزلہ جزو کلمہ کے ہے لہذا اس پر حرف ندا کیوں نہیں داخل ہوتا اس کا جواب شارح نے واما مثل النجم الخ سے یہ دیا کہ اگرچہ ان میں لام بمنزلہ جزو کلمہ کے ہے کہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا لیکن یہ محذوف کے عوض میں نہیں پس دوسرا مذکورہ مجتمع نہیں ہوئے لہذا ان پر حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ اب پھر کوئی یہ اعتراض کرے کہ الناس جو انسان کی جمع ہے اسکی اصل الاناسٌ تھی اس میں سے ہمزۂ اصلی یعنی فاء کلمہ کو حذف کر کے الف لام کو اس کے عوض میں رکھا گیا

حکموا بانہ اشذ شذوذًا ولك[۱۰۲] ای وجاز لك فی مثل یا تیمُ تیمَ عدیٍّ ای فی ترکیب تکرر فیہ المنادی المفردُ المعرفۃ صورۃً وولی الثانی اسم مجرورٌ بالاضافۃ فی الاول الضمُّ والنصبُ وفی الثانی النصبُ فحسبُ اما الضمُ فی الاوّل فلانہ منادی مفردٌ معرفۃٌ کما ھو الظاھر والنصب علی انہ مضافٌ الی عدیٍّ المذکورِ وتیمُ الثانی تاکیدٌ لفظیٌ فاصلٌ بین المضاف والمضاف الیہ وذلك مذھب سیبویہ او[۱۰۳] مضاف الی عدیٍ المحذوف

دونوں باتوں (تعویض ولزوم) کے انتفاء کیوجہ سے نحویوں نے حکم لگایا کہ یہ سب سے شدید شاذ ہے (اور تیرے لئے ہے)) یعنی تیرے لئے جائز ہے ((یا تیم تیم عدی کے مثل میں)) یعنی ہر اس ترکیب میں کہ جس میں منادی مفرد معرفہ صورۃً مکرر ہو (نہ کہ حقیقۃً) اور دوسرے منادی سے ایک اسم مجرور بہ اضافت ملا ہوا ہو (اور جائز ہے) اوّل میں ((ضم اور نصب)) اور (اسم) ثانی میں نصب فقط اور رہا (اسم) اول میں ضم (کا جواز) تو وہ اس لئے کہ وہ منادی مفرد معرفہ ہے (کہ اس پر حرفِ ندا داخل ہے اور وہ نہ تو مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف اور نداء سے قبل یا بعد معرفہ بھی ہے) جیسا کہ یہی ظاہر ہے (تو اس کا حق ہے کہ مبنی بر علاقہ رفع ہو) اور نصب (کا جواز) اس بنا پر (ہے) کہ وہ (منادی ہونے کے ساتھ) عدی مذکور کی طرف مضاف ہے (اور منادی مضاف کا حق منصوب ہونا ہے) اور تیم (تنوین سے) ثانی تاکید لفظی ہے (اور تاکید لفظی کا حکم غالبا اول کا حکم ہوتا ہے اور اس کی حرکت اعرابی ہوتی ہے اور یہ تاکید لفظی یعنی تیم ثانی) مضاف و مضاف الیہ کے درمیان فاصل ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے یا (اس بنا پر نصب جائز ہے کہ تیم اول مضاف ہے (ایک اور) عدی کی طرف جو (عدی) مذکور کے قرینے کی وجہ سے محذوف ہے (کہ شائع

پس اگر اس سے لام [illegible] کو جدا کرتے ہیں تو [illegible] اسم اشارہ ہو جاتا ہے [illegible] اس کو بمنزلہ جزء کلمہ کے قرار دیدیا گیا پس چونکہ قاعدہ جواز کے لئے اجتماع امرین ضروری ہے اور یہاں صرف امر واحد ہے یعنی لزوم اور پھر اس پر حرف ندا داخل ہو رہا ہے بغیر فاصلہ کے تو اس پر نحاۃ نے شذوذ کا حکم عائد کیا ہے یعنی یہ شاذ ہے اور الشاذ کالمعدوم پس قاعدہ جواز یہ مختصر اپنی جگہ پر باقی رہا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۰۱ قولہ وفی الغلامان الخ اس سے بھی اعتراض کا ہی جواب دینا مقصود ہے اعتراض یہ ہے کہ التی میں تو ایک امر تھا بھی اور جہاں ایک بھی نہیں پھر بھی الغلامان پر صرف ندا بغیر فاصلہ کے اس مصرعہ میں موجود ہے۔ فیا الغلامان اللذان فرا لہذا یہ قاعدہ جواز یہ صرف اللہ کے ساتھ خاص نہیں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اختصار کی وجہ سے توسیط یعنی ایہا کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کے حذف پر قرینہ موجود ہے، یعنی غلاموں کا فرار اور یہ تثنیہ کا محتاج ہے اور دوسرا جواب جو شارح نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ اس مصرعہ میں الغلامان میں دونوں امر مفقود ہیں تو اس پر اشد شذوذ ہونے کا حکم عائد کیا گیا ہے یعنی یہ پہلے شاذ التی سے بھی بڑھ کر شاذ ہے (فائدہ) اس مصرعہ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے یعنی پورا شعر اس طرح ہے۔ شعر

فیا الغلامان اللذان فرا ÷ ایا کما ان تمنا لا شرا۔

یعنی اے دونوں بھاگنے والے غلاموں شر و برائی حاصل کرنے سے بچو واللہ اعلم ۱۲

۱۰۲ قولہ وذلک ای وجاز الخ تک کی تفسیر ای وجاز لک سے کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لام سے جواز کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور علی سے وجوب کی طرف جیسے علیک واجب ہے تجھ کو کہ مثل یا تیم الخ سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں منادی مفرد معرفہ صورۃً مکرر ہو اور ثانی میں اسم مجرور ملا ہوا ہے یعنی ثانی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو پھر قول شارح بالاضافۃ فی الاول کا تعلق اسمٌ مجرور سے نہیں بلکہ عبارت اس طرح ہے۔ وجاز لك فی مثل یا تیم تیم عدی بالاضافۃ فی الاول والضم والنصب مطلب یہ ہے کہ یا تیم تیم عدیٍّ میں تیم اول میں ضمہ و نصب دونوں جائز ہیں اور ثانی میں صرف فتحہ ہی جائز ہے ضمہ نہیں پس اول میں ضمہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ منادی مفرد معرفہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور منادی مفرد معرفہ مبنی ہوتا ہے علامت رفع پا اور نصب کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ وہ عدی کی طرف مضاف ہے پس اس صورت میں منادی مضاف ہو گیا اور منادی مضاف منصوب ہوتا ہے نہ کہ مرفوع باقی رہا تیم ثانی تو وہ تیم اول کی تاکید لفظی ہے جو کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان بطور فاصل کے ہے اب اگر کوئی کہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فاصلہ ناجائز ہوتا ہے لہذا یہ توجیہ ناجائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاصلہ وہ ناجائز ہوتا ہے جو کہ اجنبی ہو اور جب اجنبی نہ ہو تو جائز ہے پس چونکہ اس جگہ تیم ثانی تیم اول کی تاکید ہے اور تاکید و مؤکد دونوں ایک شئ ہیں لہذا فصل بالاجنبی لازم نہیں آیا پس اس اعتبار سے تیم اول کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور یہ مذہب سیبویہ کا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۰۳ قولہ او مضاف الخ یہ تیم اول کو

بقرينةِ المذكورِ وذلك مذهبُ المبرد والسيرافِى اَجاز الفتحَ مكانَ النصبِ علٰى ان يكون فى الاصل ياتَيْمُ بالضم تيم عَدِيٍّ ففتح اتباعًا لنصبِ الثانى كما فى يازَيْدَ بْنَ عَمْرٍو وتَعيّنَ النَّصَبُ فى الثانى لانه اما تابعٌ مضافٌ او تابعُ مضافٍ وتمامُ البيتِ[105] ياتَيْمُ تَيْمَ عدِيٍّ لااَبَالَكُمْ ٭ لايُلْقِيَنَّكُمُ فِى سَوْءَةٍ عُمَرُ وَالْبَيْتُ لِجَرِيرٍ حينَ ارادَ عُمَرُ التيميُّ الشَّاعِرُ ان يَهْجُوَهُ فقال جَرِيرٌ خطابًا لِبَنِي تيمٍ لاتَتْرُكُوا عُمَرَ ان يهجونى فَيُلْقِيَنَّكُمُ فى سَوْءَةٍ اى مكروهٍ مِن قِبَلِي

یہی ہے کہ سابق کو حذف کر دیا جاتا ہے اور لاحق کو اس کی جگہ کھڑا کیا جاتا ہے کہ لاحق سابق کیلئے مفسر ہوتا ہے) اور یہ امام مبرد کا مذہب ہے (اور سیبویہ نے اول کو اختیار کیا ہے تاکہ حذف لازم نہ آئے اور مبرد نے ثانی کو تاکہ مضاف و مضاف الیہ میں فصل ظاہر لازم نہ آئے ولکل وجہۃ ہو مولیہا) اور سیرانی نے (اول میں) نصب کی جگہ فتح کو جائز کیا ہے (اور مصنف نے گویا کہ احتمال کو ضم اور نصب میں محصور کر کے سیرافی کا رد کیا ہے اور سیرافی نے اول میں فتح) اس بناپر (جائز کی) کہ دراصل (اول) یاتیمُ پیش سے تیم عدی ہو پھر اسے ثانی کی نصب کی اتباع میں فتح دی گئی (یعنی مبنی بر فتح کیا گیا) جیساکہ (تمہارے قول) یازید بن عمرو میں ہے (کہ یہ دراصل منادی مفرد ہونے کی وجہ سے مبنی علی الضم تھا مگر ابن عمرو کی نصب کی اتباع میں اسے مبنی بر فتح کیا گیا) اور ثانی (یعنی تیم عدی) میں نصب متعین ہے کیونکہ یہ یا تو تابع اور مضاف ہے (بر تقدیر اینکہ تیم اول مبنی بر ضم یا بر فتح ہو اور ثانی تابع اور مضاف ہے لہذا منصوب ہوگا) یا (منادی) مضاف کا تابع ہے (کما ہو مذہب سیبویہ) اور پورا بیت ؎ یاتیم تیم عدی الخ ہے (اے تیم عدی تمہارا کوئی باپ نہیں کہیں تمہیں عمر (شاعر تمہیں) برائی میں نہ ڈالے (کہ میری برائی کرے پھر میں اس کے ساتھ تمہیں بھی برا بتاؤں) اور یہ بیت جریر (شاعر) کا ہے جب عمر تیمی شاعر نے اس کی خدمت کرنے کا ارادہ کیا تو جریر نے بنی تیم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عمر کو اس بات کی اجازت نہ دو تو وہ میری خدمت کرے ورنہ وہ تمہیں (میری خدمت کر کے) برائی یعنی میری طرف سے ناپسند چیز میں مبتلا کر دیگا

منصوب پڑھنے کی دوسری وجہ ہے اور یہ مبرد کا مذہب ہے یعنی یتم اول عدی محذوف کی طرف مضاف ہے اور اس حذف پر قرینہ یہ ہے کہ یتم ثانی کے بعد عدی موجود ہے پس یہ اصل میں یا یتم عدی و یتم عدی تھا اول عدی کو حذف کر دیا کیونکہ اس پر دال موجود ہے اور یہ شائع و ذائع ہے لہذا اضافت کے باعث یتم اول کو منصوب پڑھ سکتے ہیں پس اس بنا پر کسی قسم کا فصل مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لازم نہیں آتا مگر چونکہ یہ صرف احتمالات ہیں اضافت یقینی نہیں اس لئے نصب کا جواز ہے ورنہ وجوب ہوتا کما مر تفصیلاً واللہ اعلم ۱۲۔

۱۰۴ قولہ والسیرافی الخ یہ تیسرا مذہب جس کے قائل سیرافی ہیں ان کے نزدیک یتم اول میں نصب کی جگہ فتحہ جائز ہے اسلئے کہ یتم اول منادی مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الضم یعنی یا یتم ہے اور یتم عدی اضافت کے باعث منصوب ہے پس یتم ثانی کی اتباع کرتے ہوئے ان کے نزدیک یتم اول کو بھی فتحہ دیا جائے گا پس یتم اول مبنی علی الفتح ہوگا تاکہ وہ مبنی علی الضم کی بنا میں قائم مقامی کر سکے کیونکہ اس میں ان کے نزدیک صرف مفرد معرفہ ہونے کا ہی احتمال متعین ہے جیسا کہ یا زید بن عمرو میں ابن عمرو مضاف مضاف الیہ کے نصب کا اتباع کرتے ہوئے یا زید مبنی علی الضم کو فتحہ دے کر یا زید بن عمرو پڑھا گیا ہے اب رہا یتم ثانی تو اس میں بہرصورت نصب متعین ہے اس لئے کہ اگر اس میں سیبویہ کے مذہب کا اعتبار کرتے ہیں تو یہ منادی مضاف کا تابع ہوگا اور منادی مضاف چونکہ خود منصوب ہوتا ہے اس لئے یہ تابع بدرجہ اولی منصوب ہوگا اور اگر مبرد کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں تو یہ تابع خود مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۰۵ قولہ وتمام البیت الخ یا یتم یتم عدی چونکہ ایک شعر کا ناتمام ٹکڑا ہے جو بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے اس لئے شارح پورا شعر تحریر فرماتے ہیں کہ پورا شعر یہ ہے ؎ یا یتم یتم عدی لا ابا لکم ٭ لا یلقینکم فی سوءۃ عمر ٭ یہ شعر جریر کا ہے جب عمر تیمی شاعر نے جریر کی ہجو کا ارادہ کیا تو اس وقت جریر نے قبیلہ بنی تمیم کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تم عمر کو میری ہجو کرنے کے لئے آزاد مت چھوڑ دو اگر تم نے ایسا کیا تو وہ تم کو میری جانب سے برائی میں مبتلا کر دے گا یعنی میں تم سب کی ہجو کر دوں گا تو تم سب ایک کے بدلے میں خواہ مخواہ ذلیل و رسوا ہوگے اس شعر میں لا ابا لکم جملہ مدحیہ بھی ہو سکتا ہے اور ذمیہ بھی مدحیہ کی صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ تمہارے فضائل اس قدر ہیں کہ تمہارا کوئی باپ نہیں معلوم ہوتا یعنی تم مافوق البشر کوئی اور خدائی مخلوق ہو اور اگر ذم کے لئے مراد لیں

يعني هجاجاته اياهم والمنادى والمُضاف الى ياءِ المتكلم يجوزُ
فيهِ وجوهٌ اربعةٌ فتح الياءِ مثل يا غلامِيَ وسكونها مثل يا غلامِيْ
واسقاط الياء اكتفاءً بالكسرة اذا كان قبلها كسرة احترازا عن نحو يا فتايَ
مثل يا غلامِ وقلبها الفًا نحو يا غلامَا وهذان الوجهان يقعان غالبًا
في النداء لان النداء موضعُ تخفيفٍ لان المقصود غيرُه فيقصد الفراغَ
من النداء بسرعةٍ ليتخلّص الى المقصود من الكلام فخُفِّفَ يا غلامي بوجهين
حذفُ الياء وابقاءُ الكسرة دليلاً عليه وقلبُ الياء الفًا لان الالف والفتحة
اخفُّ من الياء والكسرة وهما اي هذان الوجهان وان كانا واقعين في

شاعر کی مراد اپنی طرف سے بنی تیم کی ہجو کرنا ہے ((اور)) منادی (۱) مضاف یائے متکلم کی طرف اس میں جائز ہیں چار وجوہ یا کی فتح جیسے ((یا غلامیَ)) (اور یہی اصل ہے کیونکہ جو کلمہ حرفِ واحد پر وضع کیا جائے اس کے مفرد ہونے کے حال میں حرکت ہی اصل ہے اور فتح اخف الحرکات ہے لہذا اسے ترجیح ہوگی) ((اور)) یا کی جزم جیسے ((یا غلامی)) (کہا گیا ہے کہ یہی اصل ہے کیونکہ یائے متکلم مبنی ہے اور بناء میں اصل سکون ہے) ((اور)) (یاء کے ماقبل کی) کسرہ پر اکتفاء کرنے کیوجہ سے یاء کو ساقط کرنا جبکہ اس سے قبل کسرہ ہو یا فتای سے احتراز ہے (کہ اس میں یا سے قبل کسرہ نہیں ہے لہذا یہاں یاء کو ساقط نہ کیا جائے گا) جیسے ((یا غلام اور یاء کو الف سے بدلنا ((یا غلاما)) اور یہ (اسقاط یا اور قلب یاء بہ الف) دونوں طریقے نداء میں زیادہ واقع ہوتے ہیں کیونکہ نداء جائے تخفیف ہے کیونکہ (نداء سے) مقصود غیر نداء ہے پس متکلم سرعت کے ساتھ نداء سے فراغت چاہتا ہے تاکہ کلام سے جو مقصود ہے اس کی طرف متکلم خلاصی پائے پس یا غلامی کی دو طرح تخفیف کی گئی ایک یا کا حذف کرنا ہے اور کسرہ کا باقی رکھنا یا (کے محذوف ہونے) پر دلیل کے لئے اور دوسرا یاء کو الف سے بدلنا ہے کیونکہ الف اور فتح، یا اور کسرہ سے زیادہ خفیف ہیں اور وہ دونوں یعنی یہ دونوں طریقے اگرچہ

تو یہ مطلب ہوگا کہ تمہارا کوئی باپ نہیں یعنی حرامی ہو یا تم میں کوئی شرافت نہیں اس لئے کہ تمہارا مربی اور سرپرست کوئی نہیں۔ سوءۃ بفتح السین کے معنے ہیں ہجو کے جس کی تفسیر شارح نے مکروہ کے ساتھ کی ہے اس لئے کہ ہجو بھی مکروہ ہی ہوتی ہے کوئی شخص بھی اس کو پسند نہیں کرتا القی تلقی القائر کے معنے ڈالنے کے آتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۰۶ قولہ والمنادی المضاف الخ
اب یہاں سے اس منادی کو بیان کرتے ہیں جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو پھر چونکہ یہاں منادی سے ہی بحث ہو رہی ہے اس لئے شارح نے المضاف سے پہلے اس کا موصوف ذکر کردیا تاکہ غیر منادی اس میں داخل نہ ہو سکے مثلاً جارنی غلامی کہ اس میں سوائے ایک وجہ کے اور کوئی وجہ جائز نہیں پس کہتے ہیں کہ جو منادی یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار وجہیں جائز ہیں (۱) فتح یاء جیسے یا غلامی (۲) سکون یاء جیسے یا غلامی (۳) یاء کو حذف کر کے کسرہ پہ اکتفا کرنا جبکہ یاء کے ماقبل کسرہ ہو ورنہ یاء کا حذف جائز نہ ہوگا جیسے یا فتای کہ اس میں یاء کا ماقبل مکسور نہیں مفتوح ہے لہذا یاء کو حذف نہیں کر سکتے پس حذف یاء کی مثال جیسے یا غلام (۴) یاء کو الف سے تبدیل کرلینا جیسے یا غلاما واللہ اعلم

۱۰۷ قولہ وہذان الوجہان الخ یہاں سے شارح اخیر کی دو وجہوں کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ ان میں تخفیف کیوں کی گئی کہتے ہیں کہ یہ آخر کی دو وجہیں نداء میں اکثر و بیشتر واقع ہوتی رہتی ہیں اس لئے کہ ندا موضع تخفیف ہے کیونکہ ندا مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ مقصود بالذات ندا کے بعد کا قول ہوتا ہے جس کی وجہ سے متکلم کو آواز دینا پڑتی ہے پس متکلم جلد از جلد نداء سے فارغ ہونے کی کوشش کرے گا تاکہ وہ اس سے خلاصی پاکر اپنے کلام مقصود کی جانب متوجہ ہو پس یا غلامی میں دو طریقوں سے تخفیف کی گئی ایک تو حذف یاء اور کسرہ کے باقی رکھنے کے ساتھ تاکہ وہ حذف یاء پر دلالت کرے کیونکہ منادی مفرد معرفہ علامت رفع پہ مبنی ہوتا ہے اور یہاں رفع نظر نہیں آئے گا تو مخاطب خود سمجھ لے گا کہ آخر سے یاء متکلم حذف کی گئی ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یاء کو الف سے بدل دیا گیا اس لئے کہ الف اور فتحہ یاء اور کسرہ سے خفیف ہیں کیونکہ یہ بسہولت ادا ہو جاتے ہیں لہذا ثقالت کے ازالہ اور سرعت سے فراغت کے لئے اس میں تخفیف کر دی گئی واللہ اعلم۔

۱۰۸ قولہ وہما ای ہذان الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ تخفیف کا قاعدہ اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ مثلاً یا عدوی منادی یاء متکلم کی طرف مضاف ہے مگر اس میں دونوں وجہوں میں سے ایک بھی جائز نہیں شارح نے جواب دیا کہ یہ دونوں وجہیں اگرچہ منادی مضاف الی یاء المتکلم میں واقع ہوتی ہیں لیکن ہر منادی

المنادی المضاف الی یاء المتکلم لکن لا یقعان فی کل منادیً کذلک بل فیما غَلَبَ علیہ الاضافۃُ الی یاء المتکلم واشتُہِرَ بہا لتدل الشہرۃُ علی الیاء المغیّرۃِ بالحذف او القلب فلا یقال یا عَدُوِّ یا عدوّا وقد[١٠٩] جاء شاذًا فی المنادی یا غلامَ بالفتح اکتفاءً بالفتحۃ عن الالف ویکون[١١٠] المنادی المضاف الی یاء المتکلم بالہاءِ فی ہذہ الوجود کلّہا وَقفًا ای فی حالۃ الوقف تقول یا غلامیْہ ویا غلامِیَہ ویا غلامہ ویا غلاماہ فرقًا بین الوقف والوصل وَقالُوا[١١١] ای العرب فی محاوراتہم یا اَبِیْ وَیا اُمّیْ علی وجوہ الاربعۃ کسائر ما اُضیفَ الی یاءِ المتکلم مع وجوہٍ اُخر زائدۃٍ علیہا لکثرۃ استعمالِ ندائہما فی کلامہم کما

منادی مضاف بہ یائے متکلم ہیں واقع ہیں لیکن ہر منادی (مضاف بہ یائے متکلم) میں اسی طرح واقع نہیں ہوتے بلکہ اس میں (واقع ہوتے ہیں) کہ جس میں اضافت بہ یائے متکلم غالب ہو اور منادی اضافت کے ساتھ مشہور ہو تاکہ شہرت اس یاء پر جو کہ حذف یا قلب (بہ الف) کے ساتھ تبدیل کی گئی ہے دلالت کرے لہذا یا عَدُوِّ یا عدوا نہیں کہا جائے گا اور شاذ و نادر الف کی بجائے فتح پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے یا غلام فتح کے ساتھ آیا ہے ((اور)) منادی مضاف بہ طرف یائے متکلم ہوتا ہے ((ہاء کے ساتھ)) ان تمام وجوہ میں ((وقف میں)) یعنی وقف کی حالت میں تم کہوگے یا غلامیہ (یا کی فتح سے) اور یا غلامیْہ (یا کی سکون سے) اور یا غلامہ (یا کے حذف سے) اور یا غلاماہ (یاء کو الف سے بدل کر اور یا غلامَہ میم کی زبر اور الف کے حذف کے ساتھ اگرچہ یہ شاذ ہے اور ہاء کا لانا) وقف اور وصل میں فرق کرنے کے لئے ہے (کہ ان وجوہ کو جب مابعد سے بلا فاصلہ ملانا ہو تو ہاء نہیں لائیں گے ورنہ لائینگے تو ہاء کا عدم وصل پر اور وجود قطع پر دلیل ہوگا) ((اور کہا ہے)) یعنی عرب نے اپنے محاورات میں ((یا ابی اور)) ((یا امی)) وجوہ اربعہ (جن کا یا غلامی میں ذکر ہوا) کی بنا پر باقی اسماء کی طرح کہ جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں ان سے مزید دیگر وجوہ کے ہمراہ کیونکہ کلام عرب میں ان دونوں (ام اور اب) کی ندا کثرت کے

مضاف الی یاء المتکلم ہی نہیں بلکہ اس منادی میں واقع ہوتی ہیں کہ جس میں یاء متکلم کی طرف اضافت غالب اور اکثر ہو اور منادی اس اضافۃ کے ساتھ مشہور ہو تاکہ یہ شہرت اس یاء پہ دلالت کرے جو کہ حذف یا تبدیل بالالف کی وجہ سے اپنی ہیئۃ اصلیہ سے متغیر ہو گئی ہو یعنی جب کسی کلمہ میں یاء متکلم کی طرف اضافت کی شہرت ہو گی اور پھر اس کے آخر سے یاء حذف کر دی گئی ہو یا الف سے بدل دی گئی ہو تو یہ شہرت اضافت

اس تغیر کے بعد اس یاء پہ دلالت کرے گی پس یا عدوی اس تخفیف سے خارج ہے اس لئے کہ اس کی اضافت کی شہرت نہیں۔ کیونکہ کوئی شخص نداء میں عدو کی نسبت اپنی جانب نہیں کیا کرتا پس یا عدوی میں یا عدوِ اور یا عدوّا نہیں کہہ سکتے اول کی دو صورتیں اس میں متحقق ہو سکتی ہیں واللہ اعلم۔

١٠٩ قولہ وقد جاء شاذًا الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ وجوہ کا انحصار اربعہ میں باطل ہے اس لئے کہ ایک پانچویں وجہ بھی پائی جاتی ہے یعنی یا غلامَ میم کے فتحہ ساتھ الف کی جانب سے فتحہ پر اکتفاء کے ساتھ یعنی اس میں الف کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں فتحہ ہی الف کے حذف پہ دلالت کرے گا شارح نے جواب دیا کہ یہ شاذ ہے اور شاذ کالمعدوم ہوتا ہے لہذا اس کو دلیل حصر میں بیان نہیں کیا گیا پس وجوہ اربعہ میں انحصار صحیح اور درست ہے واللہ اعلم ١٢۔

١١٠ قولہ ویکون المنادی الخ مذکورہ بالا حالت منادی مضاف الی یاء المتکلم کی وصل کی صورت میں تھی لیکن جب اس منادی پہ وقف کیا جائیگا تو منادی پہ ان تمام وجوہ میں ہاء وقف داخل ہو جاتی ہے تاکہ وقف اور وصل کے درمیان فرق ہو جائے جیسے یا غلامیہ۔ یا غلامیْہ۔ یا غلامِہ۔ یا غلاماہ بترتیب لف ونشر مرتب۔ اس جگہ شارح نے واو کے بعد یکون کا اضافہ کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ بالہاء جار مجرور یکون کے متعلق ہے اور فی ہذہ الوجوہ کلہا سے یہ بتلایا ہے کہ بالہاء کا تعلق صرف وجہ اخیر سے نہ سمجھ لیا جائے جیسا کہ کلام سے متبادر ہوتا ہے بلکہ اس کا تعلق تمام وجوہ سے ہے اور ای فی حالۃ الوقف سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ باعتبار مضاف محذوف یعنی حالۃ کے ظرف زمان ہے واللہ اعلم ١٢۔

١١١ قولہ وقالوا ای العرب الخ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ بعض امثلہ میں وجوہ اربعہ مذکورہ کے علاوہ اور وجہیں بھی جائز ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے محاورات میں یا ابی اور یا امی کو وجوہ اربعہ مذکورہ کے ساتھ استعمال کرنے کے باوجود ان میں بعض وجوہ اور بھی زائد کر دیتے ہیں اس لئے کہ کلام عرب میں ان کی نداء کا استعمال بکثرت ہے جیسا کہ انہی وجوہ اُخر

اشار الیها بقوله وَیَا اَبَتِ وَیَا اُمَّتِ ای[۱۱۲] قالوا یا ابتِ ویا امّتِ ایضًا بابدال الیاء بالتاء فَتْحًا وَّکَسْرًا ای حال کون التاء مفتوحةً علٰی وفق حرکة الیاء او مکسورةً لمناسبة الیاء وقد جاء الضم ایضًا نحو یا ابتُ ویا اُمتُ اجراءً له مجری المفرد المعرفة ولم یذکره للقلة وَ قالوا یا ابتا[۱۱۳] وامتا بِالْاَلِفِ بعد التاء جمعًا بین العوضین دُوْنَ الیَاءِ فما قالوا یا ابتی ویا امتی احترازًا عن الجمع

ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ جیسا کسان وجوہ زائد کی طرف مصنف نے اپنے قول ((اور یا ابت و یا امت)) سے اشارہ کیا ہے یعنی اہل عرب نے یا ابت و یا امت (یا ابی و یا امی کی جگہ) یا کو تاء کے ساتھ بدل کر بھی کہا ہے ((فتح اور کسرہ سے)) یعنی (یا ابیَ و یا امیَ کی) یاء کی حرکت کے موافق (یا ابتَ اور یا امتَ کی تاء کے مفتوح ہونے کی حالت میں (کیونکہ یا ابت و یا امت کی اصل یا ابیَ و یا امیَ بفتح یائے متکلم ہے) یا (دوسری صورت) مناسبت یاء (کہ یا ابی و یا امی میں ہے اور یاء دو کسرہ کے ملنے سے بنتی ہے اس) کی وجہ (یا ابت و امت کی تاء کے) مکسور ہونے کی حالت میں اور (تیسری صورت) یا ابت و یا امت (میں سے ہر ایک) کو مفرد معرفہ کے قائم مقام قرار دے کر (اگرچہ یہ درحقیقت مضاف ہے تاہم یہ صورت نہیں اس لئے) ضم بھی (ایک قراءت میں) آیا ہے جیسے یا ابتُ و یا امتُ (دونوں میں تا کا پیش) (گویا اس میں تین حال ہوئے مبنی علی الفتح مبنی علی الکسر اور یہ اکثر ہے اور مبنی علی الضم) اور مصنف نے ضم کا ذکر اس کے قلیل (للوقوع) ہونے کی وجہ سے نہیں کیا ((اور)) اہل عرب نے یا ابتا اور یا امتا ((الف کے ساتھ)) تاء کے بعد (الف بڑھا کر (الف اور تا) دونوں عوضوں کو (بہ یک وقت) جمع کرتے ہوئے (کیونکہ ایک چیز کے دو عوض ہو سکتے ہیں لہذا یاء متکلم کو صرف الف سے بدل کر یا ابا اور یا اما اور تاء سے بدل کر یا ابت اور یا امت اور معًا دونوں سے بدل کر یا ابتا اور یا امتا کہہ سکتے ہیں) ((یاء کے بغیر)) لہذا اہل عرب نے یا ابتی اور یا امتی

کی طرف مصنف نے اپنے قول یا ابتِ اور یا امتِ سے اشارہ کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین انسان سے قریبی تعلق کے باعث بکثرت پکارے جاتے ہیں اور کثرت ندار مقتضی ہے کثرت وجوہ کو اس لئے کہ جب وجوہ میں کثرت ہو گی تو اگر ندار ایک وجہ کے ساتھ دشوار ہو گی تو وجہ آخر کے ساتھ آسان ہو جائے گی یعنی جیسا موقع محل ہو گا ویسا کر لیا جائے گا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۲ قولہ ای وقالوا الخ اس سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یا ابت اور یا امت کا عطف قالوا پر ہے یعنی جس طرح اہل عرب یا ابی اور یا امی کہتے ہیں اسی طرح یا ابت اور یا امت بھی کہتے ہیں یا کو تار سے بدل کر پھر تار میں دونوں اعراب جاری کرتے ہیں یعنی اگر اس امر کا لحاظ کریں کہ یہ تا و یار مفتوحہ کے عوض میں آئی ہے تو تار کو مفتوحہ پڑھتے ہیں تاکہ حرکت یار کی موافقت پیدا ہو جائے اور اگر یار کا اعتبار کرتے ہیں تو چونکہ یار کسرہ کو چاہتی ہے اس لئے تار کو مکسورہ پڑھتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ شارح نے فتحًا وکسرًا کی تفسیر ای حال کون التار الخ کے ساتھ کیوں کی تو یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ فتحًا وکسرًا تار سے حال واقع ہیں اور حال ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں اس لئے کہ تار فتحہ اور کسرہ نہیں ہوتی نیز حال اور ذوالحال کے درمیان افراد اور تثنیہ وغیرہ میں مطابقت بھی شرط ہوتی ہے اور یہاں مطابقت ہے نہیں اس لئے کہ ذوالحال یعنی تار مفرد ہے اور حال یعنی فتحہ وکسرہ تثنیہ جواب یہ ہے کہ فتحًا وکسرًا مفتوحةً اور مکسورةً کے معنی میں ہیں اب حال کا حمل ذوالحال پر درست ہو گیا پھر فتحًا وکسرًا میں واو بمعنے او ہے پس ان دونوں کے درمیان مطابقت فی الافراد بھی ہو گئی اس لئے کہ کلمہ او احد الامرین کے لئے آتا ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یا ابتُ اور یا امتُ بضم التار بھی تو مستعمل ہوتے ہیں اس کو مصنف نے کیوں نہیں ذکر کیا اس کا جواب وقد جاء الضم سے شارح نے یہ دیا کہ کبھی ضمہ بھی آجاتا ہے یعنی اس کو منادی مفرد معرفہ کے قائم مقام سمجھتے ہوئے کبھی مبنی علی الضم بھی کر دیتے ہیں اس لئے کہ اس میں صورةً اضافت نظر نہیں آتی مگر یہ بہت قلیل ہے اور درجۂ اعتبار سے ساقط اسلئے مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا کیونکہ قلیل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی واللہ اعلم۔

۱۱۳ قولہ یا ابتا الخ اسکا بھی عطف یا ابی اور یا امی پر ہے یہ اس میں دوسری وجہ ہے جو کہ وجوہ اربعہ کے علاوہ ہے یعنی اس اعتبار سے یہ چھٹی وجہ ہے کہتے ہیں کہ اہل عرب نے تار کے بعد الف کو زائد کر کے یا ابتا اور یا امتا بھی کہا ہے پس اس وقت تار اور الف دونوں یار کے عوض میں ہوں گے یعنی اجتماع عوضین ہو گا اور اس میں کوئی استحالہ نہیں اس لئے کہ جمع بین العوضین جائز ہے لیکن تا کے بعد یار کی زیادتی نہیں کر سکتے اسی کو مصنف دون الیار سے مراد لے رہے ہیں پس کسی اہل عرب سے یہ نہیں سنا گیا کہ اس

بین العوض والمعوض عنه فانه غیر جائزٍ وَ قالوا[۱۱۴] یَا ابْنَ اُمِّ وَیَا ابْنَ عَمِّ خَاصَّۃً هذا الاختصاصُ بالنظر الی الاُمِّ والعمّ ای لا یقال یا ابن اخ و یا ابنَ خالٍ بل یقال یا ابن اخی و یا ابن خالی لا بالنظر الی الابن ایضًا فانهم یقولون یا بنتَ اُمِّ و یا بنت عمِّ علی الوجوه الاربعة مِثلُ بابِ یَا غُلَامِیْ فقالوا یا ابن امی و یا ابن عمی بفتحِ الیاء وسکونها و یا ابن امِ و یا ابن عمِّ بحذف الیاء والاکتفاء بالکسرة و یا ابن اما و یا ابن عما بابدال الیاء الفًا وَ قَالُوا[۱۱۵] بزیادة وجه آخر شذَّ فی المضاف الی یاء المتکلم یَا ابْنَ اُمَّ وَیَا ابْنَ عَمَّ بحذف الالف والاکتفاء بالفتحة لکثرة الاستعمال و طولِ اللفظ وثقلِ التضعیف

نہیں کہا عوض اور معوض عنہ کو یکجا جمع کرنے سے احتراز کرنے کی وجہ سے کیونکہ ان کا جمع کرنا جائز نہیں ہے ((اور)) اہل عرب نے کہا ((یا ابن ام اور یا ابن عم خاص کر)) یعنی یہ اختصاص ام اور عم کے لحاظ سے ہے یعنی یا ابن اخ اور یا ابن خال نہیں کہا جائے گا بلکہ یا ابن اخی اور یا ابن خالی کہا جائے گا (یہ اختصاص) ابن کے لحاظ سے بھی نہیں ہے کیونکہ اہل عرب (بنت الام جو کہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہے کی نداء کے وقت) کہتے ہیں یا بنت ام اور یا بنت عم وجوہ اربعہ (مذکورہ در یا غلامی) کے طور پر ((یا غلامی کے باب کی مانند)) پس اہل عرب نے یا ابن امی اور یا ابن عمی یاء کی فتح اور یاء کی سکون سے اور یا ابن ام اور یا ابن عم یاء کو حذف اور کسرہ پر اکتفاء کرنے کے ساتھ اور یا ابن اما اور یا ابن عما یاء کو الف سے بدل کر ((اور اہل عرب نے کہا ہے)) ایک اور طریقے کے اضافے کے ساتھ جو (منادی) مضاف طرف یائے متکلم میں شاذ ہے ((یا ابن اُمَّ اور یا ابن عَمَّ الف (مبدل عن الیاء) کے حذف اور (اس سے پیشتر کی) فتح پر اکتفاء کے ساتھ (اس لفظ کے) کثیر الاستعمال ہوتے اور اس لفظ کے طول اور تضعیف کے ثقل کی وجہ سے (طول لفظ یعنی ایک حرف ندا و منادی

نے اپنے والدین کو خطاب کرتے ہوئے یا ابتی اور یا امتی کہا ہو اس لئے کہ اس صورت میں عوض اور معوض عنہ کے درمیان اجتماع لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے کیونکہ اصل کے ہوتے ہوئے عوض کا کوئی اعتبار نہیں ہوا کرتا اس لئے یار کو زائد کر کے یا ابتی اور یا امتی کہنا ناجائز ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۴ قولہ وقالوا یا ابن ام الخ اور اہل عرب خاص کر یا ابن اُمّ اور یا ابن عمّ میں مثل غلامی کے چاروں وجہیں جائز قرار دیتے ہیں اور خاصۃً کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خصوصیت لفظ ام اور عم کے لئے ہے یعنی ان دونوں کا وجوہ اربعہ کیساتھ اختصاص مضاف الیہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ مضاف کے اسی کو شارح ہذا الاختصاص بالنظر الی الام والعم سے تعبیر کر رہے ہیں پس یا ابن اخ یا ابن خال وغیرہ نہیں کہہ سکتے بلکہ یا ابن اخی اور یا ابن خالی کہیں گے صرف ایک وجہ کے ساتھ یعنی یار کے سکون کے ساتھ پھر چونکہ یہ اختصاص ام اور عم کے اعتبار سے ہے ابن یعنی مضاف کے اعتبار سے نہیں اسلئے یا بنت ام اور یا بنت عم وجوہ اربعہ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں باب غلامی کی طرح یعنی جس طرح غلامی میں چار وجہیں جائز ہیں اسی طرح یہاں بھی چاروں وجوہ جائز ہوں گی پس یا ابن امی یا ابن عمی بفتح الیار یا ابن امی یا ابن عمی بسکون الیار یا ابن ام یا ابن عم بحذف الیار اور کسرہ پر اکتفار کرتے ہوئے یا ابن اُمّا یا ابن عما یار کو تبدیل الف کے ساتھ کہیں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۵ قولہ وقالوا الخ اس سے مصنف یا ابن عم اور یا ابن ام میں ایک اور پانچویں وجہ بتلاتے ہیں کہتے ہیں کہ ان وجوہ کے علاوہ بھی اہل عرب نے ایک اور وجہ زائد کی ہے جو کہ مضاف بیار متکلم میں شاذ ہے یعنی وہ یا ابن اُمَّ اور یا ابن عَمَّ بھی کہتے ہیں الف کو حذف کرنے کے بعد جو کہ مقلوب عن الیار تھا۔ اور فتحہ میم پر اکتفاء کرنے کے ساتھ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس میں کثرت استعمال طول لفظ اور ثقل تضعیف اس وجہ کے جواز کا باعث ہے یعنی چونکہ اس کا استعمال بہ نسبت یا غلامی کے زیادہ رہتا ہے اس لئے یہ مزید ایک وجہ کی زیادتی کا مقتضی ہے پھر اگر ایسا نہ کیا جائے تو الفاظ بھی طویل ہو جاتے ہیں یا غلامی کی بہ نسبت چونکہ یا غلامی میں صرف تین کلمے ہیں یا غلام یار متکلم اور اس میں چار کلمے ہیں یا ابن۔ ام یار متکلم اسی طرح ام کے بجائے عم میں بھی یہی صورت ہے پھر ثقل تضعیف اس پر مستزاد ہے یعنی دونوں جگہ میم مشدد ہے پس ان تینوں وجوہ کی بنا پر ایک وجہ زائد کی گئی تاکہ تخفیف پیدا ہو جائے۔ پھر تینوں وجوہ یعنی کثرت استعمال۔ طول الفاظ ثقل تضعیف ایک دلیل ہیں جدا جدا نہیں پس اگر یا غلام اُمّ کہا جائے گا تو اس میں کثرت استعمال مفقود ہے لہذا یہ وجہ زائد جائز نہیں ہوگی اور جب یا ابن اخی کہا جائے گا۔ تو ثقل تضعیف غیر موجود ہے لہذا اس میں بھی جائز نہیں ہوگی اور طول الفاظ تو بہر حال پایا ہی جائے گا واللہ اعلم۔

[116] ولما كان من خصائص النداء الترخيمُ شَرَعَ فی بیانه فقال وَتَرْخِيمُ الْمُنَادٰى جَائِزٌ ای واقع فی سعة الكلام من غير ضرورة شعرية دعت اليه فان دعت اليه ضرورةٌ فبالطريق الاولیٰ وَهُوَ فِی غَيْرِهٖ ای غير المنادی واقعٌ ضَرُوْرَةً لضرورة شعرية داعية اليه لا فی سعة الكلام [117] وَهُوَ ای ترخيمُ المنادی حَذْفٌ فِی اٰخِرِهٖ ای آخر المنادی تَخْفِيْفًا ای لمجرد التخفيف لا لعلة اخری مفضية الی الحذف المستلزم للتخفيف [118] فعلی هذا يكون ذلك التعريفُ مخصوصًا بترخيم المنادی ويعلم منه ترخيمُ غير المنادی

ومضاف الیہ برائے منادی اور یائے متکلم غرضیکہ کثرتِ استعمال و طول لفظ و ثقل تضعیف حذفِ الف کا سبب ہے) اور جبکہ نداء کے خصوصیات میں سے (ایک خصوصیت) ترخیم تھی تو مصنف اس کے بیان میں شروع ہو تو فرمایا ((اور منادی کی ترخیم جائز ہے)) یعنی ضرورت شعریہ جو کہ ترخیم کی طرف داعی ہو کے بغیر وسعتِ کلام میں (ترخیم) واقع ہے پس اگر ترخیم کی طرف ضرورت داعی ہو تو (ترخیم) بہ طریقِ اولیٰ (واقع) ہوگی (الغرض منادی میں ترخیم واقع ہے خواہ ضرورت اس کی متقاضی ہو یا نہ ہو) ((اور وہ اس کے غیر میں)) یعنی غیر منادی میں واقع ہے ((ضرورت کیلئے)) یعنی ضرورتِ شعریہ کی وجہ سے جو کہ ترخیم کی طرف داعی (اور متقاضی) ہو وسعت کلام میں نہیں ((اور وہ)) یعنی منادی کی ترخیم ((حذف کرنا ہے اس کے آخر میں)) یعنی منادی کے آخر میں ((تخفیف کیلئے)) یعنی محض تخفیف کے لئے کسی دوسری ایسی علت کی وجہ سے نہیں جو کہ ایسے حذف کی طرف مفضی ہو جو تخفیف کو مستلزم ہو پس اس تقدیر پر (ترخیم کی) یہ تعریف ترخیم منادی کے ساتھ خاص ہوگی (اور غیر منادی کو شامل نہ ہوگی) اور غیر منادی کی ترخیم، منادی کی ترخیم سے قیاس کے ساتھ معلوم ہے واللہ اعلم

۱۱۶ قولہ ولما کان الخ یہ عبارت ترخیم منادی کے لئے بطور تمہید کے بھی ہے اور ایک اعتراض کا جواب بھی تمہید کے لئے ہونا تو ظاہر ہے رہا اعتراض تو اس کی تقریر یہ ہے کہ یہاں بحث تو ہو رہی ہے مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف کی اور ذکر چھیڑ دیا ترخیم منادی کا جو کہ خروج عن المبحث ہے پس اس کی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس سے خروج عن المبحث لازم نہیں آتا کیونکہ ترخیم ندا کے خصائص میں سے ہے اور خصائص سے شئے زیادہ واضح ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا بھی ذکر کرنا ضروری ہوا پس مصنف کہتے ہیں کہ ترخیم منادی جائز ہے اور شارح اس کی تفسیر ای واقع الخ سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جواز سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترخیم کی جا سکتی ہے لیکن ہوتی نہیں پس یہ مطلب نہیں بلکہ ترخیم منادی ایسی ضرورت شعریہ کے بغیر بھی جو ترخیم کی داعی ہو نثر کلام میں بکثرت واقع ہے یعنی بلا کسی ضرورت کے بھی منادی میں ترخیم کر لی جاتی ہے پس اگر اس کی کہیں ضرورت پیش آئے گی۔ تو بدرجۂ اولیٰ ترخیم ہوگی لیکن ترخیم کا اس قدر عام ہونا صرف منادی کے ہی ساتھ خاص ہے البتہ اگر کہیں ضرورت شعر کی وجہ سے علاوہ منادی کے ترخیم کرنی پڑے تو کر سکتے ہیں مگر بلا ضرورت نہیں اسی کو مصنف کہتے ہیں کہ وہ غیر منادی میں ضرورۃ شعری کی وجہ سے واقع ہے نثر کلام میں بلا ضرورت نہیں اس جگہ شارح نے فی غیرہ سے پہلے ہو کا اضافہ کر کے یہ بتلایا ہے کہ فی غیرہ ظرف مستقر واقع کے متعلق ہو کر ہو مبتدا محذوف کی خبر ہے اور ضرورۃ کی تفسیر ای لضرورۃ شعریہ الخ سے کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ضرورۃً فعل محذوف کا بحذف اللام مفعول لہ واقع ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ویرخم فی غیرہ ضرورۃً واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۷ قولہ وہو ای الخ ہو کا مرجع ترخیم منادی ہے مطلق ترخیم نہیں اس وجہ سے شارح نے اس کو ذکر کیا پھر فی آخرہ کی ضمیر مجرور بھی اسی طرف راجع ہوگی ترخیم منادی منادی کے آخر سے تخفیف کے لئے حذف کرنے کو کہتے ہیں تاکہ منادی بسرعت ادا ہو جائے اور یہ تخفیف کسی ایسی علت کی وجہ سے نہ ہونی چاہیئے۔ جو مفضی الی الحذف ہو کر تخفیف کو مستلزم ہو یعنی وہ علت حذفِ آخر کو چاہے اور پھر حذفِ آخر سے تخفیف پیدا ہو جیسے یدٌ و دمٌ قاضٍ و داعٍ میں حذف موجود ہے مگر اس کو ترخیم نہیں کہتے کیونکہ یہ حذف محض تخفیف کے لئے نہیں ہوا بلکہ یہ قانون صرفی اور سماع لغوی کے ماتحت ہوا ہے لہٰذا اس سے خارج ہے واللہ اعلم

۱۱۸ قولہ فعلی ہذا الخ ترخیم کی مذکورہ تعریف میں چونکہ حرف ترخیم منادی کی تعریف ہوتی ہے غیر منادی کی نہیں لہٰذا یہ تعریف ترخیم منادی کے ساتھ خاص ہوگی اور غیر منادی کی ترخیم اس پر قیاس کر کے معلوم کی جا سکتی ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اسم کے آخر سے محض تخفیف کے لئے (نہ کہ علت آخر کے باعث) حذف کو ترخیم کہیں گے پس اس صورت میں ترخیم منادی کی تعریف اصل ہوگی اور غیر منادی کی اس کے تابع پھر شارح ویمکن حملہ الخ سے یہی تعریف بالعکس کرنا چاہتے ہیں یعنی مطلق ترخیم

بالمقايسة ويمكن حمله على تعريف الترخيم مطلقا بارجاع الضمير المرفوع
الى الترخيم مطلقا والضمير المجرور الى الاسم وَشَرْطُهُ اى شرط ترخيم
على التقدير الاول او شرط الترخيم اذا كان واقعا فى المنادى على التقدير الثانى
امور اربعة ثلثة منها عدمية وهى ۱۲۰ اَنْ لَا يَكُوْنَ مُضَافًا حقيقة او
حكما فدخل فيه المشبه بالمضاف ايضا اذ لا يمكن الحذف من الاول لانه

ہوگی اور ضمیر مرفوع کو (جو کہ ھو ہے) مطلقا ترخیم کی طرف اور ضمیر مجرور کو (جو کہ فی آخرہ میں ہے مطلقا) اسم کی طرف لوٹا کر ترخیم کی تعریف کو مطلقا ترخیم کی تعریف پر محمول کیا جاسکتا ہے (اور اس کی شرط) یعنی منادی کی ترخیم کی شرط تقدیر اول (یعنی تعریف ترخیم کے ترخیم منادی کے ساتھ خاص ہونے) کی تقدیر کی بنا پر یا ترخیم کی شرط جبکہ منادی میں (ترخیم) واقع ہو تقدیر ثانی (یعنی تعریف ترخیم کے منادی اور غیر منادی کو شامل ہونے) کی تقدیر کی بنا پر چار چیزیں (شرط) ہیں جن میں سے تین عدمی ہیں (بعض نسخوں میں پانچ چیزوں کی شرط ہے جن میں سے چار چیزیں (شرط) ہیں جن میں سے تین عدمی ہیں (بعض نسخوں میں پانچ چیزوں کی شرط ہے جن میں سے چار عدمی ہیں اور چوتھی منادی کا مندوب نہ ہونا ہے) اور وہ (تین عدمی) یہ (ہیں) کہ (منادی) (مضاف نہ ہو) حقیقۃ (یعنی بہ اضافت حقیقیہ معنویہ) یا حکمی طور پر (یعنی بہ اضافت لفظیہ) پس اس میں مشابہ مضاف بھی داخل ہوگیا کیونکہ اول (یعنی مضاف یا مشابہ مضاف) سے حذف کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اول (یعنی مضاف یا مشابہ مضاف) معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے منادی کے اجزاء کا (جزو) اخیر نہیں (کیونکہ یا غلام زید اور یا صاحب عمرو میں منادی خاص کر مضاف ہے اور مضاف سے مضاف الیہ کے بغیر استفادہ نہیں کیا سکتا تو مضاف کی ترخیم سے وسط منادی میں ترخیم لازم آئے گی جبکہ ترخیم آخر منادی میں ہوتی ہے) اور نہ ہی دوسرے (کلمہ یعنی مضاف الیہ سے

کی تعریف حاصل ہوگی اور ترخیم منادی اس کی فرع اور اس سے حاصل کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس تعریف کو مطلق ترخیم کی تعریف پر حمل کر لیں اور ہو ضمیر مرفوع کو مطلق ترخیم کی طرف راجع کریں اور فی آخرہ کی ضمیر مجرور کو اسم کی طرف لوٹائیں پس اس صورت میں عبارت یہ ہو گی وھو ای الترخیم حذف فی آخر الاسم اور یہ مطلق ترخیم کی تعریف ہے پس ترخیم منادی کی تعریف اس کے ضمن میں حاصل ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۹ قولہ وشرطہ الخ یہاں سے مصنف ترخیم منادی کی شرائط کو بیان فرما رہے ہیں شرطہ کی ضمیر میں بھی باعتبار مرجع کے دو احتمال ہیں تقدیر اول کی بنا پر اس کا مرجع ترخیم المنادی ہوگا ای شرط ترخیم المنادی اور تقدیر ثانی کی بنا پر مطلق ترخیم لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جو شرطیں اس جگہ بیان کی جارہی ہیں وہ ترخیم منادی کی ہیں مطلق ترخیم کی نہیں پس مطلق ترخیم اس ضمیر مجرور کا مرجع کیونکر بنے گی تو اس کا جواب شارح نے اذا کان واقعا الخ سے یہ دیا کہ اس جگہ عبارت محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے وشرط الترخیم اذا کان واقعا فی المنادی یعنی ترخیم جبکہ منادی میں واقع ہو تو اس کے لئے شرط یہ ہے اور یہ عبارت محذوفہ اس وجہ سے سمجھ میں آئی ہے کہ یہاں منادی کا ذکر ہو رہا ہے پس اس قرینہ حالیہ کی بنا پر عبارت حذف کردی گئی، پھر چونکہ شرائط مختلف ہیں اس وجہ سے دلیل حصر کی ضرورت پیش آتی ہے اور مصنفؒ نے اس کو ذکر نہیں کیا تو اعتراض واقع ہوا کہ یہ مقام مقام حصر ہے لہذا ادوات حصر کا ذکر ہونا چاہئے شارح نے اس کے جواب کے لئے امور اربعۃ کا اضافہ کردیا پس شرائط کا انحصار چار میں ہوگیا تین ان میں سے عدمی ہیں اور ایک وجودی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۰ قولہ وھی ان لا یکون الخ عدمی تین میں سے ایک یہ ہے کہ منادی مضاف نہ ہو نہ حقیقۃ نہ حکماً حقیقۃ کی قید سے اضافۃ معنویہ مطلقا خارج ہوگئی اور حکماً سے اضافت لفظی اور شبہ مضاف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مضاف و مضاف الیہ معنے کے اعتبار سے بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہیں یعنی جیسا کہ کلمہ واحدہ کے معنے اس کے تمام اجزاء کے ملائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے اسی طرح مضاف اور مضاف الیہ کو جب تک ملا نہ لیا جائے مضاف کے معنے تمام نہیں ہوتے پس یہ دونوں معنے کے اعتبار سے ایک کلمہ ہیں اور اگر اس میں لفظ کا لحاظ کرتے ہیں تو یہ دونوں دو کلمے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ دونوں پر دو اعراب جاری ہوتے ہیں مضاف پر علیحدہ اور مضاف الیہ پر علیحدہ پس اگر معنے کے اعتبار کو لیتے ہیں تو اول یعنی مضاف کے آخر سے حذف ممکن نہیں اس لئے کہ یہ اجزاء منادی کا آخر نہیں بلکہ آخر مضاف الیہ ہے پس وسط کلام میں ترخیم لازم آتی ہے اور اگر مضاف الیہ کے آخر سے حذف کریں تو اعتبار لفظ اس کی اجازت نہیں دیتا اس لئے کہ مضاف الیہ آخر اجزاء منادی نہیں بلکہ مضاف ہے پس ترخیم اس جگہ ممتنع ہوگی کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تعارض لازم آتا ہے اور تعارض کا تقاضا یہ

لیس آخر اجزاء المنادی نظراً الی المعنی ولا من الثانی لانه لیس آخر اجزائه نظرا الی اللفظ فامتنع الترخیم فیهما بالکلیة (۱۲۱) وان لا یکون مستغاثاً لا مجروراً باللام لعدم ظهور اثر النداء فیه من النصب او البناء فلم یوجد فیه الترخیم الذی هو من خصائص المنادی ولا مفتوحا بزیادة الالف لان الزیادة تنافی الحذف ولم (۱۲۲) یذکر المندوب لانه غیر داخل فی المنادی

ترخیم ممکن ہے کیونکہ وہ لفظ کی طرف نظر کرتے ہوئے منادی کے اجزاء کا (جزو) اخیر نہیں (کیونکہ مضاف اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مستقل ہے اگرچہ اضافت معنویہ ہی ہو اس لئے اعراب جزو اول یعنی مضاف پر آتا ہے تو جزو اخیر کی ترخیم سے غیر منادی کی ترخیم لازم آئے گی) لہذا دونوں (یعنی مضاف و مضاف الیہ) میں ترخیم کلی طور پر ناممکن قرار پائی ((اور)) یہ کہ ((نہ)) ہو ((مستغاث)) نہ (مستغاث) مجرور بہ لام کیونکہ اس میں ندا کے اثر کا ظہور نہیں (اور اثر نداء) یعنی نصب (جبکہ مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ ہو) یا بنا (علی الضم) ہے (جبکہ مفرد معرفہ ہو) پس منادی مستغاث پر (مطلقا) ترخیم جوکہ منادی کی خصوصیات سے ہے وارد نہ ہوگی (کہ منادی مستغاث منادی ہی نہیں ہے کہ اس میں نداء کا اثر یعنی نصب و بنا ظاہر نہیں ہے) اور نہ (منادی مستغاث) بہ اضافہ الف (استغاثہ) ہو کیونکہ (منادی کے آخر میں الف کی) زیادتی حذف (یعنی ترخیم) کے منافی ہے اور مصنف نے مندوب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ مصنف کے نزدیک مندوب منادی میں داخل نہیں اور

ہے کہ اذا تعارضا تساقطا لہذا اس پر عمل کرتے ہوئے نہ مضاف میں ترخیم کریں گے اور نہ مضاف الیہ میں دونوں میں بالکلیہ ترخیم ممتنع ہوجائے گی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۱ قولہ وان لایکون الخ یہ دوسری عدمی شرط ہے مستغاثاً کا عطف مضافاً پر ہے اسی لئے شارح نے لاَ سے پہلے اَن اور لاَ کے بعد یکون کا اضافہ کیا مطلب یہ ہے کہ منادی مستغاث بھی نہ ہو نہ مستغاث باللام جوکہ منادی مجرور ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں چونکہ ندا کا اثر یعنی نصب یا بنا علی الضم بھی اس میں متحقق نہیں ہوتا جیساکہ منصوب و مبنی علی الضم ہونے کی وجہ گذر چکی (پس اس پر ترخیم جوکہ منادی کے خصائص میں سے ہے وارد نہ ہوگی اور منادی بنا بر مفعولیت کے یا منصوب ہوتا ہے یا کاف اسمی سے مشابہت کے باعث مبنی علی الضم اور یہاں ان دونوں اثروں میں سے ایک بھی موجود نہیں لہذا منادی مستغاث باللام میں ترخیم نہیں ہوگی اب رہا یہ امر کہ منادی مستغاث مفتوح بزیادہ الالف میں بھی یہ ترخیم ہوسکتی ہے یا نہیں تو اس کا جواب شارح ولامفتوحا الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس میں بھی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ اس میں مقصود درازی صوت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے آخر میں الف زیادہ کرتے ہیں لہذا ترخیم نہیں کرسکتے اس لئے کہ ترخیم زیادتی الف کے منافی ہے واللہ اعلم۔

۱۲۲ قولہ ولم یذکر المندوب الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مندوب بھی ترخیم منادی کیلئے شروط عدمیہ میں سے ہے اس لئے کہ اس میں زیادتی الف سے مدصوت مقصود ہوتا ہے اور ترخیم مدصوت کے منافی ہے۔ لہذا مصنف نے اس کو بھی شروط عدمیہ میں کیوں نہیں ذکر کیا شارح نے جواب دیا کہ یہ چونکہ مصنف کے نزدیک منادی میں داخل نہیں اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض نسخوں میں تو یہ موجود ہے تو اس کا جواب فکانہ من تصرف الناسخین الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اگر بعض نسخوں میں موجود ہے تو یہ ناسخین یعنی لکھنے والوں کا تصرف ہے باوجود اس کے کہ مندوب کے منادی میں داخل ہونے کیوقت اس کے شرط ہونے کی وجہ ظاہر ہے مطلب یہ ہے کہ بعض ناسخین نے جو تصرف کرکے مندوب کو بھی اس میں ذکر کردیا یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ اولاً تو مصنف کے نزدیک یہ منادی میں داخل ہی نہیں اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی ان شرائط میں اس کے ذکر کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی بلکہ عدم ذکر کی وجہ ہی ظاہر ہے اس لئے کہ مندوب کے آخر میں صوت کے لئے الف کی زیادتی ہوتی ہے تاکہ تفجع اور ماتم کا اظہار کیا جائے اور یہ زیادتی الف مستغاث بالالف میں بھی پائی جاتی ہے، پس جب مستغاث کی شرط بطور نفی کے ترخیم میں ذکر کردی گئی تو مندوب بھی اس میں داخل ہوگیا کیونکہ زیادتی الف کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں پس جب مستغاث خارج ہوگیا تو مندوب بدرجہ اولیٰ ترخیم سے خارج ہوجائے گا لہذا یہ تصرف ناسخین مندوب کو منادی میں داخل کرتے ہوئے بھی درست نہیں پھر اس میں تخفیف کے لئے ترخیم نہیں ہوگی کیونکہ اس سے مدصوت مفقود ہوجائے گا اور یہ خلاف مقصود ہے واللہ اعلم ۱۲۔

عنده وما وقع فی بعض النسخ فکانه من تصرف الناسخین مع ان وجه
اشتراطه عند دخوله فی المنادی ظاهر وهو ان الاغلب فیه زیادة
الالف فی آخره لمد الصوت اظهارًا للتفجع فلا یناسبه الترخیم للتخفیف
وَ اَنْ[123] لَّا یکون جُمْلَةً لان الجملة محکیة بحالها فلا تغیّر والشرط[124] الرابع
احدُ الامرین الوجودیین وَ هُوَ[125] اَنْ یَّکُوْنَ المنادی اِمَّا عَلَمًا زَائِدًا
عَلٰی ثَلَاثَۃِ اَحْرُفٍ لانه لعلمیة ناسبه التخفیف بالترخیم لکثرة نداء
العلم مع انه لشهرته فیما اُبْقِیَ منه دلیل علی ما اُلْقِیَ ولزیادته علی الثلثة
لم یلزم نقص الاسم عن اقل ابنیة المعرب بلا علة موجبة وَ اِمَّا[126] اسمًا

جو بعض نسخوں میں (ولا مندوبا) واقع ہوا گویا کہ وہ بعض لکھنے والوں (طالب علموں) کے تصرف سے ہے (اور مصنف کے اپنے نسخے میں نہیں ہے) باوجودیکہ مندوب کے منادی میں دخول کے وقت اس (ولا مندوبا) کے شرط ہونے کی وجہ ظاہر ہے اور وہ (وجہ) یہ (ہے) کہ مندوب میں اکثر وبیشتر اظہار تفجع کی غرض سے آواز کو لمبا کرنے کے لئے مندوب کے آخر میں الف کی زیادتی ہوتی ہے پس محض تخفیف کے لئے مندوب کو ترخیم مناسب نہیں ہے (ہاں کسی اور وجہ سے ہو سکتی ہے) (اور) یہ کہ (نہ) ہو (جملہ) کیونکہ جملہ (جو کہ علمیت کی طرف منقول ہے) اپنی حالت (ماقبل العلمیۃ) کے ساتھ ملفوظ ہوتا ہے لہٰذا اسے نہیں بدلا جاسکتا اور شرط رابع دو وجودی امروں میں سے ایک (کا ہونا ضروری) ہے (اور) وہ یہ کہ منادی (یا علم تین حرفوں سے زائد) کیونکہ منادی کی علمیت کی وجہ سے ترخیم کے ساتھ اسے تخفیف مناسب ہے کیونکہ علم کی نداء بکثرت ہوتی ہے باوجودیکہ علم اپنی شہرت کیوجہ سے جو کچھ اس میں سے (حذف کرنے کے بعد) باقی رکھا جائے گا وہ اس پر دلیل ہوگا جو (ترخیم کی وجہ سے) حذف کردیا گیا اور (حرف) منادی کے تین حرفوں سے زائد ہونے کی وجہ سے اسم (کہ جس کی ترخیم کا ارادہ کیا گیا ہے) کا معرب کی اقل بناؤں سے بلا علت موجبہ کم ہونا لازم نہیں آتا (یعنی اسم معرب کے لئے ضروری ہے کہ بلا علت موجبہ معرب کی اقل بنا تین حروف سے کم نہ ہو اگر کوئی علت موجبہ ہو تو جائز ہے جیسے ید اور دم) (اور یا) اسم ہو جو متلبس (ومتعلق) ہو (تائے تانیث

۱۲۳ قولہ وان لا یکون الخ یہ تیسری شرط عدمی ہے یعنی منادی مرخم جملہ بھی نہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ جملہ علم ہو کر مبنی ہو جائے گا اور پھر اپنی حکایت حال پر دلالت کرے گا پس جب جملہ مبنی ہوا تو اس میں ترخیم نہ کر سکیں گے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر کسی جملہ کے ساتھ کسی شخص کا نام رکھدیا جائے مثلاً تابط شرًا کے ساتھ تو یہ جملہ مبنی ہو جائے گا اور اس پر ہر حالت میں یہی اعراب رہے گا یعنی اس میں کسی قسم کی ترمیم اعراب وغیرہ کے ذریعہ نہیں کر سکیں گے ورنہ اس سے جس قصہ پر دلالت مقصود ہے وہ باقی نہیں رہے گی اور ترخیم مقتضی ہے ترمیم کو اور ترمیم اور اس جملہ کے مقصود میں منافاۃ ہے لہٰذا اس میں ترخیم نہیں کریں گے مثلاً یا تابط شرًا کہہ کر اگر کسی کو پکاریں تو پورا جملہ ہی کہنا پڑیگا تاکہ قصہ پر دلالت کرے اور اگر اس میں سے بطور تخفیف کچھ حذف کر دیا تو قصہ پر دلالت نہیں رہے گی اور خلاف مقصود لازم آجائیگا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۴ قولہ والشرط الرابع الخ چوتھی شرط وجودی ہے یعنی اگر یہ پائی جائے گی تو منادی میں ترخیم ہو سکے گی ورنہ نہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قول مصنف اما علما الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرط وجودی میں دو شقیں ہیں یعنی دونوں میں ایک پائی جائے گی تو ترخیم ہو سکے گی مگر مصنف نے اسکے لئے وجہ حصر بیان نہیں کی تو شارح نے جوابًا والشرط الخ سے اس کو بیان کردیا یعنی یہ کہ شرط رابع میں دو امر وجودی ہیں اگر ان میں سے لاعلی التعیین کوئی ایک پایا جائیگا تو ترخیم ہو سکے گی ورنہ نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۵ قولہ وهو ان یکون الخ وہ شرط یہ ہے کہ منادی علم زائد علی الثلث ہو اسلئے کہ منادی کا علم ہونا ترخیم کے ذریعہ تخفیف کے لئے زیادہ مناسب ہے کیونکہ علم کی ندا بکثرت ہوتی ہے اور یہ کثیر الاستعمال ہے نیز چونکہ علم زیادہ مشہور ہوتا ہے اس لئے جو کچھ اس میں سے حذف کرنے کے بعد باقی رہے گا وہ ماالقی یعنی محذوف پر دلالت کرے گا پھر چونکہ اس میں زائد علی الثلث کی قید ہے اس لئے ترخیم کے بعد اسم معرب میں اس کے اقل وزن کے اعتبار سے بھی کوئی نقص لازم نہیں آئے گا کیونکہ معرب کا اقل وزن تین حرف ہیں اور وہ بعد الترخیم اس پر باقی رہے گا اب رہا یہ سوال کہ اس پر وزن معرب کی قید کیوں لگائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر معرب میں تین حرفوں سے کم ہونا جائز ہے جیسے مَن و مَا وغیرہ۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یدٌ اور دمٌ وغیرہ میں تین حرف نہیں بلکہ دو ہیں اور یہ معرب ہیں لہٰذا یہ نقص ان میں ناجائز

متلبسا بتاءِ التّانيثِ وان لم يكن علماً ولا زائدا على الثلثة لان وضعَ التاء على الزوال فيكفيه ادنى مقتضٍ للسقوط فكيف اذا وقع موقعاً يكثر فيه سقوطُ الحرف الاصلي ولم[127] يبالوا ببقاء نحو ثُبَةٍ وشاة بعد الترخيم على حرفين لان بقاءَه كذلك ليس لاجل الترخيم بل مع التاء ايضاً كان ناقصا عن ثلثة اذ التاءُ كلمة اخرىٰ براسها ولا[128] يرخم بغير ضرورةِ منادىً لم يستوفِ الشروطَ المذكورةَ الا ما شذَّ نحو يا صاحُ في يا صاحبُ ومع شذوذه فالوجه

اگرچہ (وہ اسم) علم نہ ہو اور نہ ہی تین حروف پر زائد ہو (بلکہ اسم جنس ہو خواہ ثنائی ہو جیسے شیۃ یا ثلاثی ہو جیسے ظلمۃ وسلمۃ یا رباعی ہو جیسے بضاعۃ البتہ جب اسم مرخم منہ پر وقف کرنا ہوگا تو ہاء کے ساتھ وقف کریں گے یا طلح میں کہیں گے یا طلحہ) کیونکہ تاء (جو کہ تانیث کیلئے ہے) کی وضع زوال پر ہے (کہ یہ جس پر داخل ہوتی ہے اس کا جزو نہیں ہوتی) لہذا اس کو سقوط کے لئے ادنی سا مقتضی کافی ہے پس کیسے ہے (یعنی پھر اسے سقوط کے لئے ادنی مقتضی کیونکر کافی نہ ہوگا) جبکہ تاء ایسے موقع میں واقع ہو کہ جس میں حرف اصلی کا سقوط بھی بکثرت ہو جاتا ہے اور اہل عرب نے ثبۃ (گروہ جماعت) اور شاۃ (بکری) ایسے (اسم) کے ترخیم کے بعد دو حرفوں پر باقی رہ جانے کی پروا نہیں کی کیونکہ اس کا بقاء اس طرح (دو حرفوں پر) ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تاء کے ہمراہ بھی تین حرفوں سے ناقص تھا (جس طرح کہ تاء کے بغیر ناقص تھا پس کلمہ کا اپنے ابنیہ سے کم رہ جانا لازم نہ آیا بلکہ یہ نقص تو واضع سے لازم آیا ہے) کیونکہ تاء مستقل طور پر ایک کلمۂ دیگر ہے (جس کی وضع تانیث کے لئے عمل میں لائی گئی) اور ایسے منادی کی بلا ضرورت ترخیم نہیں کی جائے گی جو شرائط مذکورہ (اربعہ کہ جن میں سے تین عدمی اور ایک وجودی ہے) کو (اپنے اندر) مکمل نہ رکھتا ہو مگر جو (استعمال میں) شاذ (ونادر) ہو جیسے یا صاحب میں یا صاح ہے (صاحب نکرہ ہے جو معرفہ بہ نداء ہے نہ علم ہے اور نہ ہم متلبس بہ تائے تانیث اس میں شرائط مذکورہ نہیں پائے جاتے) اور اس (صاحب) کے شذوذ

ہونا چاہئے کیونکہ معرب کے لئے کم از کم تین حروف ہونے چاہئیں اس کا جواب شارح نے بلا علۃ موجبۃ سے یہ دیا کہ معرب کے اقل وزن یعنی تین حروف سے کمی بغیر علۃ کے موجبہ کے نہ ہونی چاہئے یعنی کمی ایسی علۃ کے بغیر نہ ہونی چاہئے جس سے حذف واجب ہو اور ترخیم چونکہ علۃ موجبہ نہیں ہے لہذا اس میں تین حرفوں کی قید رہے گی تاکہ معرب کے اقل وزن میں نقص لازم نہ آئے بخلاف ید و دم کے کہ ان میں جو تخفیف ہوتی ہے وہ چونکہ ایسے سبب کی وجہ سے ہوئی ہے جس کے لئے حذف ضروری تھا لہذا اس میں معرب کے وزن میں اگر دو حرف رہ گئے تو یہ باعث نقص نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۶ قولہ وانما اسما الخ انما کے بعد اسما متلبسا کے اضافہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ بتاء التانیث ظرف مستقر متلبسا کے متعلق ہے اور متلبسا اسما موصوف محذوف کی صفت ہے کہتے ہیں کہ اگر منادی علم نہ ہو یا علم ہو لیکن زائد علی الثلثۃ نہ ہو تو پھر اس کی ترخیم کے لئے شرط یہ ہے کہ تاء تانیث کے ساتھ متلبس ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تاء کی وضع ہی زوال کی بناء پر ہوئی ہے یعنی اس تاء تانیث کو بڑھایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ گر جایا کرے پس اس کو ساقط کرنے کے لئے ادنی اور معمولی سبب کافی ہوگا چہ جائیکہ یہ ایسی جگہ میں واقع ہو کہ وہاں یہ حرف اصل بھی گر جاتا ہو پس ترخیم منادی کے وقت تاء تانیث حذف کر دی جائے گی۔ اب رہی یہ بات کہ تاء تانیث میں علمیۃ یا زائد علی الثلثۃ ہونا کیوں شرط نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاء تانیث کلمہ کے اجزاء ترکیبی میں داخل نہیں بلکہ یہ اس سے علیحدہ ہے پس جب یہ دیکھا جائے گا کہ منادی میں کلمہ کا آخر مفتوح ہے اور اس میں نہ علمیت ہے اور نہ زیادتی علی الثلثۃ تو خود بخود معلوم ہو جائے گا

کہ اس میں سے ترخیم کے باعث تاء تانیث حذف کی گئی ہے کیونکہ تاء تانیث کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۲۷ قولہ ولم یبالوا الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ قاعدہ کہ معرب کا اقل وزن تین حروف ہیں ثبۃ اور شاۃ سے منقوض ہے اس لئے کہ ان میں جب ترخیم کی جائیگی تو دو حرف باقی رہ جائیں گے اور یہ اقل ابنیۂ معرب کے خلاف ہے شارح نے جواب دیا کہ اگر ثبۃ اور شاۃ میں ترخیم کے

بعد دو ہی حرف باقی رہ جائیں تو کچھ حرج نہیں اس لئے کہ ان کا دو دو حرفوں پر باقی رہنا ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تاء تانیث کے ہوتے ہوئے بھی تین حرفوں سے کم ہیں اس لئے کہ تاء مستقل طور پر دوسرا کلمہ ہے لیکن یہ ماقبل سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ کے ہو گئی اور پھر اسی پر اعراب بھی جاری ہونے لگا پس چونکہ اس کی اصل کی بناء ہی تین سے کم پر ہے لہذا یہ قابل اعتراض نہیں اور اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا پھر جاننا چاہئے کہ ثُبَۃٌ بتقدیم الثاء علی الباء ہے اور اس کے معنی

فی ترخیمہ کثرۃُ استعمالہ منادی ولما[۱۲۹] فرغ من بیان شرائطُ الترخیم شرَعَ فی بیان کمیۃ المحذوف بسببہ فقال فَاِنْ کَانَ فِیْ اٰخِرِہٖ ای آخر المنادی زِیَادَتَانِ کانتان[۱۳۰] فِیْ حُکْمِ الزیادۃ الْوَاحِدَۃِ فی انھما زِیْدَتا معًا واحترز بہ عن نحو ثمانیۃٍ ومرجانۃَ فان الیاء والنون فیھما زِیدتا اولاً ثم زِیدت تاء التانیث فلم یحذف منھما الا الاخیر کَاَسْمَاءَ[۱۳۱] اذا جعلتھا فَعْلَاءَ من الوسامۃ ای الحسن کما ھو مذھب سیبویہ لا اَفعالاً جمع اسم علی ما ھو

کے باوجود اس کی ترخیم میں وجہ (اور سبب) اس کا منادی ہوکر کثرت استعمال ہے (اور کثرت استعمال باعث تخفیف ہے) اور مصنف جبکہ شرائط ترخیم (کے بیان) سے فارغ ہوئے تو ترخیم کے سبب سے (منادی سے) حذف کئے جانے والے حرف کی مقدار کے بیان میں شروع ہوئے تو کہا ((پس اگر اس کے آخر میں)) یعنی منادی کے آخر میں ((دو حرف زائد ہوں)) جو کہ ((ایک حرف زائد کے حکم میں ہوں)) اس بات میں (ایک حرف زائد کے حکم میں ہوں) کہ دونوں بہ یک وقت زائد کئے گئے ہوں اور مصنف نے اس (قید فی حکم الزیادۃ الواحدۃ) سے ثمانیہ اور مرجانہ (سعید محدث کی والدہ ام سعید کا علم ہے) ایسے لفظ سے احتراز کیا (کہ جن میں دو زائد حرفوں کو متفرق کرکے زائد کیا گیا بہ یک وقت نہیں اسی طرح ثمانیہ و مرجانہ ہے) کہ یاء (ثمانیہ میں) اور نون (مرجانہ میں) دونوں میں پہلے بڑھائے گئے پھر تائے تانیث زائد کی گئی لہذا ان دونوں سے آخری حرف ہی حذف کیا جائے گا ((جیسے اسماء)) جبکہ تم اسے وسامت بمعنی حسن (از باب شرف یشرف) سے فعلاء بناؤ جیسا کہ سیبویہ کا مذہب ہے (کہ اس کی اصل وَسْمَ تھی واو کو ہمزہ کردیا گیا تاکہ فا واو واقع نہ ہو) تو اَسْم

گروہ اور جماعت کے آتے ہیں اور شاۃ کے معنے ظاہر ہے کہ بکری کے ہیں واللہ اعلم۔

۱۲۸ قولہ ولا یرخم الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یا صاحب کی ترخیم میں یا صاح استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر اس میں دونوں شرطوں میں سے ایک بھی موجود نہیں نہ تو تا ر تانیث ہے اور نہ علمیت اگرچہ زیادتی علی الثلثہ موجود ہے مگر یہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ علمیت نہ پائی جائے پس مصنفؒ اس کے بارے میں کیا کہیں گے۔ شارح نے جواب دیا کہ جس منادی میں شروط مذکورہ نہ پائی جائیں اس میں بلا ضرورت ترخیم نہیں کی جائے گی مگر یہ کہ بطور شذوذ ترخیم کردی جائے جیسے یا صاحب سے یا صاح پس یہ شاذ ہے لیکن اس شذوذ کے باوجود جس کے باعث اس میں ترخیم کی گئی ہے وہ اس کا بطور منادی کے بکثرت استعمال ہے پس یہ اپنے شذوذ کے باعث شرط علمیت سے خارج ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۹ قولہ ولما فرغ الخ جب مصنفؒ شرائط ترخیم کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے ترخیم کے باعث محذوف کی مقدار کو بیان کرتے ہیں کہ ترخیم میں کتنے حروف گرائے جائیں گے پس کہتے ہیں کہ اگر منادی کے آخر میں ایسے دو حرفوں کی زیادتی ہو جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہو یعنی دونوں حروف ایک ساتھ زیادہ کئے جائیں جیسے اسماء اور مروان کہ دونوں میں دو دو حرفوں کی زیادتی ایک ساتھ ہوئی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اسماء میں یہ زیادتی تانیث کے لئے اور مروان میں تذکیر کے لئے ہے تو ترخیم کرتے وقت ہر ایک سے یہ دونوں زائد حرف محذوف ہو جائیں گے اور یا اسم۔ یا مرو کہیں گے اس جگہ شارح نے فی آخرہ کے بعد ای آخر المنادی سے ضمیر مجرور کا مرجع بتلایا ہے اور زیادتان کے بعد کانتان کا اضافہ کرکے فی حکم ظرف مستقر کا متعلق بیان کیا ہے پھر یہ کہ یہ زیادتان کی صفت واقع ہے پھر حکم کے بعد الزیادۃ کا اضافہ اس امر پر دال ہے کہ الواحدۃ کی صفت الزیادۃ محذوف ہے حکم اس کی صفت نہیں تاکہ یہ اعتراض نہ لازم آئے کہ موصوف و صفت کے درمیان مطابقت ضروری ہے اور یہاں موجود نہیں واللہ اعلم۔

۱۳۰ قولہ واحترز بہ الخ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ زیادتان کے ساتھ فی حکم الواحدۃ کی قید احترازی ہے پس اس سے وہ مثال خارج ہو جائیگی جس میں دو زیادتی تو ہوں مگر معاً اور حکم واحد میں نہ ہوں جیسے ثمانیۃٌ اور مرجانۃٌ کہ ثمانیۃٌ میں یاء اور مرجانۃ میں نون اولاً زائد کیا گیا پھر تاء تانیث بڑھادی گئی پس چونکہ یہ دونوں زیادتیاں حکم واحد میں نہیں ہیں لہذا بوقت ترخیم صرف اخیر حرف یعنی تا ہی ساقط ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۱۳۱ قولہ کاسماء الخ یہاں دو زیادتیوں کی مثال ہے جو حکم واحد میں ہوں اس کے بعد شارح اذا جعلتہا الخ سے کہہ رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مثال مذکورہ بالا قاعدہ کے لئے اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ وسامت بمعنے خوبصورتی سے فعلاء کے وزن پر لیں پس اس کی اصل وسماء تھی واو کو ہمزہ سے بدل دیا پس اس میں دو زیادتیاں اس طور پر ہوں گی کہ اسکی اصل وسم نکلے گی پھر اس کے آخر میں الف اور ہمزہ زائد کر دیا گیا وسماء ہوگیا پھر واو کو ہمزہ

مذهب غيره لانه يكون حينئذٍ من باب عمار وَمَرْوَانَ اَوْ كان فى آخره حَرْفُ صَحِيْحٌ اى صحيح اصلى لتبادره الى الذهن لان الغالبَ فى الحرفِ الصحيحُ الاصالةُ فيخرج منه نحو سِعلاةٌ لانه لايحذف منه الا التاء ١٣٣ وهو اعم من ان يكون حقيقةً اوحكما فيشمل مثلَ مرمى ومدعو فان الحرف الاخير منهما فى حكم الصحيح فى الاصالة قَبْلَهٗ مَدَّةٌ اى الف او واو اوياء ساكنةٌ حركةُ

ہوگیا بفتح ہمزہ پھر توسع کی وجہ سے اس کے آخر میں الف اور ہمزہ کا اضافہ کردیا گیا) نہ کہ افعال (کے وزن پہ) اسم کی جمع اس بنا پر جو کہ سیبویہ کے غیر کا مذہب ہے (کہ اس کی اصل سمو تھی از شرف یشرف پھر اسے جمع کیا گیا تو اسماو ہوگیا پھر واو الف زائدہ کے بعد بر طرف واقع ہونے کی وجہ سے یاء سے بدل گئی تو اسمای ہوگیا پھر یا الف زائدہ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے ہمزہ سے بدل گئی تو اسماء ہوگیا اب اس کے آخر میں حرف صحیح ہوا کہ جس سے پہلے حرف مدہ زائدہ ہے اس لئے شارح نے کہا) کیونکہ اس وقت اسماء عمار (کہ جس کے آخر میں حرف صحیح جس کا ماقبل حرف مدہ زائدہ ہو) کے باب سے ہوا ((اور مروان)) (کہ اس کی اصل مرو ہے پھر اس کے آخر میں الف اور نون بڑھائے گئے اس میں نون کو مکسور پڑھا جائے تو یہ مرو بمعنی پتھر کہ جس سے آگ جلائی جاتی ہے کا تثنیہ ہو جائے گا پھر یہ ایک شخص بادشاہ عرب کا نام بن گیا) ((یا)) اس کے آخر میں ((حرف صحیح ہو)) یعنی صحیح اصلی ہو کیونکہ اصلی ہونا متبادر الی الذہن ہے اس لئے کہ حرف صحیح میں غالباً اصالت ہے لہذا اس قسم سے (لفظ) سعلاۃ خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے تا ہی حذف کی جاتی ہے اور حرف صحیح (بعد ازاں کہ اصلی ہو) اس سے عام ہے کہ حقیقت میں (صحیح) ہو (جیسے منصور میں راء) یا حکمی طور پر (صحیح ہو یعنی جاری مجرا صحیح ہو) پس وہ (مصنف کا قول حرف صحیح تعمیم کے بعد) مرمی اور مدعو کے مثل کو شامل ہو جاتا ہے کہ دونوں سے آخری حرف اصالت میں حرف صحیح کے حکم میں ہے (کہ یاء اور واو جب اسم کے آخر میں واقع ہوں اور ان کا ماقبل حرف ساکن ہو تو یہ دونوں حرف صحیح کے حکم میں ہوتے ہیں) ((اس سے پہلے مدہ ہو)) یعنی الف یا واؤ یا یاء ((میں سے ہر ایک) ساکن ہو ان کے

سے بدل دیا اسماء ہوگیا یہی سیبویہ کا بھی مذہب ہے اب رہی یہ بات کہ اسماءُ کو افعالٌ کے وزن پر کیوں نہ جمع قرار دیں بفعلاء کے وزن پر ہے۔ اس کی جمعیت کی کیا خصوصیت ہے تو اس کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ یہ افعالٌ کے وزن پر اسم کی جمع نہیں جیساکہ بعض لوگوں کا مذہب ہے اور یہ اس لئے نہیں کہ اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ اس وقت باب عمار میں داخل ہو جائے گا۔ باب عمار سے ہر وہ اسم مراد ہے کہ جس کے آخر میں حرف صحیح اصلی موجود ہو اور اس کا ماقبل مدہ ہو۔ پس اندریں صورت اسماء میں سین۔ میم ہمزہ اصلی ہوں گے۔ اور دونوں الف زائد اس لئے کہ اس کا وزن افعال ہوگا نہ کہ فعلاء پس یہ اس قاعدہ سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس کے حذف کے لئے دوسرا قاعدہ ہے جیساکہ عنقریب آئے گا دوسری مثال اس کی مروان ہے اس میں بالاتفاق آخر میں دو حرف زائد حکم واحد ہیں ہیں واللہ اعلم ١٢۔

١٣٢ قولہ اوکان فی آخرہ الخ یہ مقدار محذوف کے متعلق دوسرا قاعدہ ہے جس کی طرف باب عمار سے ابھی ابھی اشارہ کیا گیا تھا یعنی اگر منادی کے آخر میں حرف صحیح اصلی اور ماقبل اس کے مدہ ہو تو اس صورت میں بھی ترخیم کرتے وقت آخر سے دو حرفوں کو حذف کریں گے بشرطیکہ اسم چار حرفوں سے زائد ہو جیسے۔ عمارٌ منصورٌ وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک ترخیم کیوقت دو۔ دو حرف حذف کئے جائیں گے۔ ایک حرف صحیح دوسرا مدہ صحیح کی تفسیر شارح نے اصلیٌ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصلی ہونے کے اعتبار سے اس میں حروف علتہ بھی داخل ہیں اور ذہن بھی اسی کی جانب سبقت کرتا ہے اس لئے کہ حرف صحیح اکثر اصلی ہوا کرتا ہے پس اس میں وہ حروف علتہ داخل ہونگے جو اصلی ہوں یعنے زائد نہ ہوں جیسے رمیٌ ظبیٌ وغیرہ پس اس سے سعلاۃٌ اور اس جیسی امثلہ خارج ہو جائیں

گی اس لئے کہ اس کے آخر میں حرف اصلی نہیں اگرچہ صحیح ہے بلکہ تاء تانیث ایک مستقل کلمہ ہے اس کلمہ کا جز نہیں لہذا اس میں جب ترخیم کی جائیگی تو صرف تا ہی حذف کی جائے گی۔ دو حرف محذوف نہیں ہونگے واللہ اعلم ١٢۔

١٣٣ قولہ وہو اعم الخ جبکہ حرف صحیح سے مراد اصلی ہوا تو لامحالہ حرف صحیح میں تعمیم کرنی پڑیگی اس لئے کہ حرف اصلی کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ حرف اصلی حرف علتہ نہ ہو۔ دوم یہ کہ حرف

اصلی حرف علتہ ہو یعنی وہ لام کلمہ کی جگہ میں واقع ہو یا وہ اس اعتبار سے صحیح ہو کہ وہ حرف صحیح اصلی کی حرکات کو قبول کرتا ہو جیسے دلوٌ ظبیٌ وغیرہ پس جب اس میں تعمیم ہوگئی تو مرمیٌّ مدعوٌّ اور دلو وغیرہ داخل ہوگئے اس لئے کہ اصالتہ کے اعتبار سے حرف اخیر ان میں صحیح کے حکم میں ہے اور قبلہٗ مدۃٌ کا مطلب یہ ہے کہ اس حرف صحیح سے پہلے الف، یاء، واؤ میں سے کوئی ساکن ہو اور اسکے ماقبل

ماقبلها من جنسها والمراد[۱۳۴] بها المدة الزائدة لتبادرها الى الذهن بغلبتها وكثرتها فيخرج منه نحو مختار فانه لا يحذف منه الا الحرف الاخير[۱۳۵] وهو اى والحال ان ما فى آخره حرف صحيح قبله مدة اكثر من اربعة من الحروف كمنصور وعمار ومسكين لئلا يلزم من حذف حرفين منه عدم بقائه على اقل ابنية المعرب وانما لم ياخذ هذا القيد فى قوله زيادتان فى حكم الواحدة لان نحو ثبون وقلون يرحم بحذف زيادتيه لان بقاء الكلمة

ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو کہ الف کا ماقبل مفتوح جیسے عمار اور یا کا مکسور جیسے مسکین اور واو کا مضموم جیسے منصور) اور مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے اس (مدہ زائدہ) کے متبادر الی الذہن ہونے کی وجہ سے کیونکہ مدہ زائدہ (کا استعمال غیر زائدہ کی نسبت) غالب اور اکثر ہے تو اس (مدہ زائدہ کی) قید سے مختار کی مانند خارج ہو جائے گا کہ اس میں حرف مدہ یعنی الف زائد نہیں ہے بلکہ یاء سے بدل ہے) پس اس سے آخری حرف ہی حذف کیا جائے گا (اور وہ) یعنی حال یہ ہے کہ جس کے آخر حرف صحیح اور اس سے پہلے مدہ ہو (چار حروف سے زائد ہو) جیسے منصور (واو کی مثال) اور عمار (الف کی مثال) اور مسکین (یا کی مثال) ہے (چار حروف سے زائد ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے) تاکہ اس (قسم) سے دو حرفوں کے حذف کرنے سے (بلا علت موجبہ) منادی کا معرب کی قلیل ترین بنا پر باقی نہ رہنا لازم نہ آئے (اور معرب کی قلیل تر بنا تین حرف ہیں) اور مصنف نے اس (وھو اکثر من اربعۃ کی) قید کو اپنے قول "زیادتان فی حکم الواحدۃ" میں اس لئے نہیں لیا (اور اس لئے یوں نہ کہا فان کان فی آخرہ زیادتان فی حکم الواحدۃ وھو اکثر من اربعۃ) کہ ثبون اور قلون (میں سے ہر ایک) کی ترخیم (واو اور نون) دونوں زیادتوں کے حذف کے ساتھ کیجاتی (ثبون ثبۃ کی جمع بکریوں کے ریوڑ قلون قلۃ کی جمع چھوٹی لکڑی کہ جس سے بچے بڑی لکڑی کے ساتھ کھیلتے ہیں) کیونکہ کلمہ کا

حرف یہ مناسب حرف علت کی حرکت ہو یعنی الف کے ماقبل پر فتحہ۔ واو کے ماقبل پر ضمہ اور یاء کے ماقبل پر کسرہ ہو یہی حرکۃ ما قبلہا من جنسہا کا مطلب ہے۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۴ قولہ والمراد بہا الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اوپر کا حکم یا مختار کی مثال سے منقوض ہے اس لئے کہ اس میں ترخیم کے وقت صرف ایک حرف کا حذف ہوتا ہے یعنی راء کا حالانکہ اس میں قاعدہ وہی دو حرفوں کے حذف کا پایا جا رہا ہے اس لئے کہ آخر میں حرف صحیح موجود ہے اور ماقبل اسکے مدہ اور پھر ماقبل کی حرکت بھی اس کے مناسب ہے شارح نے جواب دیا کہ مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے یعنی اصلیہ نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدہ کے استعمال میں کثرت مدہ زائدہ کی ہی ہے اور اسی کا غلبہ ہے پس اس کثرت استعمال مدہ زائدہ کے باعث اسکی طرف ذہن خود بخود سبقت کریگا لہذا یا مختار خارج ہو جائے گا اس لئے اس میں مدہ زائدہ موجود نہیں بلکہ اصلیہ ہے کیونکہ الف یا ر اصلیہ کے بدلہ میں لایا گیا ہے اس لئے کہ اس کی اصل مختیر تھی یار کو الف سے بدل دیا۔ پس اس میں بوقت ترخیم صرف ایک ہی حرف آخر کو حذف کیا جائے گا واللہ اعلم۔

۱۳۵ قولہ وھو الخ اس میں واو حالیہ ہے اسی وجہ سے مصنفؒ نے اس کی تفسیر ای والحال ان الخ کے ساتھ کی ہے پس یہ فی آخرہ کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہے کیونکہ ضمیر مضاف الیہ ہے اور اس کے مضاف کو حذف کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنانا درست ہے پھر کان کو معنے وجبے لیں گے تو مضاف الیہ اس کا مفعول بہ ہو جائے گا پس مضاف الیہ کا ذوالحال بننا درست ہو جائے گا پس وہ اسم کہ جس کے آخر میں حرف صحیح اور ماقبل مدہ ایسی حالت میں ہونا چاہئے جو چار حروف سے زائد ہو جیسے منصور، عمار، مسکین، تاکہ ان امثلہ میں ترخیم کے باعث دو حرفوں کے حذف سے معرب کے اقل وزن یعنی تین حرفوں سے کم پر کلمہ کی بقا لازم نہ آئے یعنی کم از کم تین حرفوں کا باقی رہنا لازمی ہے پس جب پانچ میں سے دو حذف ہو جائیں گے تو تین باقی رہ جائیں گے لیکن اگر چار میں سے دو حذف کردئے گئے تو کلمہ لامحالہ دو پر باقی رہے گا اور یہ معرب کے اقل وزن یعنی تین حرفوں سے کم ہے لہذا قابل اعتراض اور ناجائز ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کو چاہئے تھا کہ معرب کے ترخیم کے بعد اقل ابنیۂ معرب یعنی تین حرفوں پر باقی رہنے کی قید کو ضابطۂ اولیٰ یعنی زیادتان فی حکم الواحدۃ میں بھی اضافہ کرتے تاکہ ترخیم کے باعث کبھی دو حرفوں کے حذف کے بعد معرب کا اپنے اقل وزن سے کم پر باقی رہنا لازم نہ آتا شارح نے وانما لم یاخذ الخ سے یہ جواب دیا کہ اس قید کو زیادتان فی حکم الواحدۃ میں بیان نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ثبون اور قلون جو کہ ثبۃ اور قلۃ کی

فیه علی حرفین لیس للترخیم حُذِفتا[١٣٦] ای الحرفان الاخیران فی کلا القسمین اما فی الاول فلما کانتا فی حکم الواحدة فکما زِیدتا معًا حُذِفتا معًا واَمّا فی الثانی فلانه لما حذف الاخیرُ مع صحته واصالته حُذفت المدةُ الزائدةُ لئلا یرد المَثَل السائر صُلتَ علی الاسد وبُلتَ عن النَقَدِ وَاِنْ[١٣٧] کَانَ مُرَکَّبًا ولیعلم من بیان شرط الترخیم انه لا یکون مضافا ولا جملةً مثلُ بعلبك وخمسة عَشَرَ عَلَمَیْنِ حُذِفَ الْاِسْمُ الْاَخِیْرُ فیقال فی بعلبكّ یابَعْلُ وفی خمسة عشر یاخمسةُ لتزوله منزلةَ تاءِ التانیث فی کون کل منهما کلمةً علی حدةٍ

ثبون اور قلون (میں سے ہر ایک) ہیں دو حرفوں پر باقی رہ جانا ترخیم کی وجہ سے نہیں ہے (بلکہ ترخیم سے قبل بھی ہے) ((تو دونوں حرفوں کو حذف کیا جائے گا)) یعنی دونوں قسموں (اول اور ثانی) میں دونوں آخری حرفوں کو حذف کیا جائے گا رہا قسم اول میں (دونوں حرفوں کا حذف کرنا) تو وہ ان دونوں کے ایک زیادتی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ہے پس جس طرح دونوں کو اکٹھے زائد کیا گیا (اسی طرح) دونوں کو اکٹھے حذف کیا گیا اور رہا قسم ثانی میں (دونوں آخری حرفوں کا حذف کرنا) تو وہ اس لئے کہ جب آخری حرف کو اس کے صحیح اور اصلی ہونے کے باوجود حذف کیا گیا تو مدہ زائدہ کو بھی حذف کردیا گیا تاکہ (اہل عرب کی زبان پر) جاری ہونیوالی کہاوت وارد نہو کہ تم نے شیر پر حملہ کردیا اور کوتاہ قد بکری (کے خوف) سے تم نے پیشاب کردیا ((اور اگر مرکب ہو)) اور شرط ترخیم سے معلوم ہوتا ہے کہ (مرکب سے مراد یہ ہے کہ) مضاف نہ ہو اور نہ ہی جملہ ہو (یعنی ترکیب اضافی اور نہ مشابہ بہ اضافی اور نہ اسنادی ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ترکیب امتزاجی ہو) جیسے بعلبک اور (تعدادی ہو جیسے) خمسۃ عشر (دونوں کے) علم ہونے کی حالت میں ((تو آخری اسم حذف کیا جائے گا)) لہذا بعلبک میں یابعل اور خمسۃ عشر میں یا خمسۃ کہا جائے گا آخری اسم تائے تانیث کی جگہ تنزل (اور اس سے مشابہ ہونے) کی وجہ سے اس بات میں (بمنزلے اور مشابہ ہے) کہ آخری اسم اور تائے تانیث میں سے ہر ایک علیحدہ

دوسرا کلمہ ہے جو اس کو لاحق ہوتی ہے پس ان کو ثنائی حرفی کلمہ نہیں کہہ سکتے پس اگر اس جگہ بھی اس قید کو ذکر کردیا جاتا تو لامحالہ وہاں بھی پانچ حرفوں کی ترخیم کے لئے ضرورت پیش آتی اور ان میں صرف چار ہی حرف ہیں اور ترخیم کے بعد دو رہ جاتے ہیں تو یہ اقل ابنیۂ معرب سے خارج ہو جاتے اور اس ضابطہ میں داخل نہ ہوتے حالانکہ یہ اس میں داخل ہیں کیونکہ ان میں زائد کی ترخیم کی گئی ہے اصل کی نہیں اصل ان کی دو ہی حرف ہیں لہذا یہ اس ضابطہ سے خارج نہیں ہوسکتے واللہ اعلم

١٣٦ قولہ حذفتا الخ یہ فان کان فی آخرہ کا کہ جس میں دو ضابطے بیان کئے گئے ہیں جواب یا جزار ہے یعنی ان دونوں ضابطوں میں آخر سے دو حرف حذف کئے جائیں گے اول سے تو اس لئے کہ جب دو حرفوں کی زیادتی زیادتی واحد کے حکم میں ہے تو جس طرح دونوں ایک ساتھ زائد کئے جائیں گے اسی طرح بوقت ترخیم دونوں ایک ساتھ حذف کردئے جائیں گے اور ثانی میں اسلئے کہ جب کہ حرف آخر اپنی اصل اور صحیح ہونے کے باوجود حذف کردیا جائے گا تو مدہ زائدہ بھی لامحالہ حذف کرنا پڑے گا ورنہ یہ مشہور مثل صادق آئے گی کہ صُلتَ علی الاسد وبُلتُ عن النقد نقد کہتے ہیں بکری کے بچہ کو یعنی تو نے شیر پر تو حملہ کردیا (اور مطلق خوف نہ کھایا لیکن) بکری کے بچہ سے ڈر کر پیشاب کردیا۔ پس لامحالہ حرف صحیح کے ساتھ مدہ زائدہ کو بھی حذف کرنا پڑے گا کیونکہ جب اصل ہو گیا تو اس کی تو بساط ہی کیا ہے جو باقی رہ سکے لہذا یہ بدرجہ اولی فرع تبع ہیں باوجود چار حرفی ہونے کہ ان میں دو حرفوں کے حذف کے ساتھ ترخیم کی گئی ہے اس لئے کہ ان میں کلمہ کا دو حرفوں پر باقی رہنا ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی اصل کے سبب سے ہے اس لئے کہ ثبۃ اور قلۃ میں تاء تانیث

ہونے کی بناء پر حذف ہوگا۔ واللہ اعلم۔

١٣٧ قولہ وان کان الخ اور اگر منادی مرخم مرکب ہو تو اسم کے اخیر کو حذف کریں گے اس لئے کہ مرکب کلمۂ واحدہ کے حکم میں ہے پس اسم ثانی کو کہ بمنزلہ حرف اخیر کے ہے حذف کردیا جائے گا۔ پس بعلبک میں ترخیم کے بعد یابعلُ کہیں گے اور خمسۃ عشر میں یا خمسۃ کیونکہ یہ اسم ثانی علیحدہ کلمہ ہونے کے اعتبار سے تاء تانیث کے مرتبہ میں ہوگا پس جس طرح بوقت ترخیم تاء تانیث حذف ہو جاتی ہے اسی طرح یہ اسم ثانی بھی بمنزلہ جزء کلمہ ہونے

کے باوجود حذف کردیا جائے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ترکیب عام ہے اسنادی یعنی جملہ اور اضافی یعنی مضاف مضاف الیہ کو شامل ہے۔ پس یہ بھی اس میں داخل ہوئے جاتے ہیں حالانکہ ترخیم کے لئے شرط یہ لگائی گئی تھی کہ منادی نہ مضاف ہو اور نہ جملہ پس اس میں ترخیم قاعدہ کے خلاف لازم آتی ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی مرکب میں داخل ہیں پس مصنف کے کلام میں تناقض لازم آیا کہ پہلے کچھ کہا اور بعد میں کچھ اس کا جواب شارح نے ولیعلم من بیان شرط الترخیم الخ سے بیہ

صارت بمنزلة الجزء وَاِنْ ۱۳۸ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ المذكور من الاقسام الثلثةِ
فَحَرْفٌ وَاحِدٌ ای فیحذف حرف واحد لحصول الفائدة المقصودة و
عدمِ موجب حذفِ الاكثر نحو یا حار و یا مال فی یا حارث و یا مالك وَهُوَ
۱۳۹ ای المنادی المرخمُ فِیْ حُكْمِ المنادی الثَّابِتِ بجمیع اجزائه فیبقی الحرفُ الذی
صار آخِرَ الكلمةِ بعدَ الترخیم علی ما كان علیه قبلَه عَلَى الاستعمال اَلْاَكْثَرِ
فَیُقَالُ فی یا حارث یَا حَارِ بكسر الراء ما كان قبل الترخیم وَفی یا ثمو و
یَاثَمُوْ بواو مُتَطَرِّفَةٍ بعد ضمة وَ فی یاكروان یَا كَرَوَ بواوٍ متحركة بعد
فتحة ۱۴۰ وَقَدْ یُجْعَلُ قد للتقلیل ای ویجعل المنادی المرخمُ علی الاستعمال

(اور مستقل) کلمہ ہے جو (اپنے ماقبل کے لئے) جزء کے بمنزلے ہو گیا ((اگر اس کے علاوہ ہو)) جو کہ اقسام ثلاثہ میں سے مذکور ہوا (ان کا اقسام ثلاثہ ہونا شرط اور قاعدے کے اعتبار سے تھا جزء کے اعتبار سے نہیں کہ جزء کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں) ((تو ایک حرف)) یعنی تو ایک حرف حذف کیا جائے گا فائدۂ مقصودہ کے حاصل ہونے اور حذف اکثر کے باعث نہ ہونے کی وجہ سے جیسے یا حار اور یا مال یا حارث اور یا مالک میں ((اور وہ)) یعنی منادی مرخم ((اس)) منادی ((کے حکم میں ہے جو ثابت ہو)) اپنے جمیع اجزاء (اور حروف) کے ساتھ تو وہ حرف جو کہ کلمہ کا آخری (حرف) بنا ترخیم کے بعد (حرکات ثلاثہ میں سے) اس (حرکت) پر باقی رہے گا جس پر وہ ترخیم سے پیشتر تھا ((اکثر)) استعمال (پر لہذا کہا جائے گا)) یا حارث میں ((یا حار)) را کی کسرہ سے اس (حالت) پر کہ ترخیم سے قبل تھی ((اور)) یا ثمود میں ((یا ثمو)) ضمہ کے بعد واؤ متطرفہ (طرف میں واقع ہونیوالی) سے (حالانکہ کلام عرب میں کوئی ایسا اسم نہیں کہ جس کے آخر میں واو ساکنہ واقع ہو اور اس سے قبل ضمہ ہو مگر یہاں چونکہ دال محذوف موجود اور ثابت کے حکم میں ہے اس لئے اسم میں ضمہ کے بعد واو متطرفہ کا وقوع لازم نہیں آتا) ((اور)) یا کروان میں ((یا کرو)) فتحہ کے بعد واو متحرکہ سے (حالانکہ کلام عرب میں ایسا بھی کوئی اسم نہیں ہے مگر یہاں بھی الف و نون جو کہ محذوف ہیں موجود اور ثابت کے حکم میں ہیں لہذا کوئی حرج نہیں) ((اور کبھی کیا جاتا ہے)) قد تقلیل کے لئے ہے یعنی اور اقل استعمال

دیا کہ اس مرکب سے وہ مرکب مراد ہے کہ جس میں ترکیب اضافی اور اسنادی نہ ہو اور اس مراد کا علم ہمیں اس وجہ سے ہوا کہ مصنف نے پہلے ہی شرط لگا دی ہے کہ مضاف اور جملہ نہ ہو پس یہاں لامحالہ وہ ترکیب مراد ہو گی جو مضاف اور جملہ نہ ہو ورنہ تناقض لازم آئیگا اور تناقض کی نسبت مصنف کی طرف کرنا اپنی ہی شان کے خلاف ہے اس لئے کہ اس سے اپنی ہی کم علمی مترشح ہوتی ہے پس اس مرکب کی مثال یہ ہے جیسے بعلبک

اور خمسة عشر وغیرہ کہ یہ دونوں باوجودیکہ مرکب ہیں مگر کسی میں بھی ترکیب اسنادی اور اضافی نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۸ قولہ وان کان الخ اور اگر تینوں مذکورہ اقسام میں سے ایک بھی نہ پائی جائے تو فقط ایک حرف حذف کیا جائیگا کیونکہ اندریں صورت ایک ہی حرف کے حذف سے فائدہ مقصودہ یعنی تخفیف حاصل ہو جائے گی پھر ایک سے زائد کے حذف کا یہاں کوئی سبب بھی تو نہیں جس کی بنا پر ایک سے زائد کو حذف کا سکیں لہذا ایک ہی حذف ہو گا جیسے یا حارِثُ یا حارُ اور یا مَالِکُ سے یا مالُ پھر اس میں اختیار ہے کہ منادی مرخم کو حذف شدہ حرف کی حرکت کے ساتھ پڑھیں یا جو ترخیم سے پہلے کی حرکت ہے اس کے ساتھ پڑھیں اگر اول کو اختیار کرتے ہیں تو دونوں میں باختیار ضمہ یا حارُ اور یا مالُ کہیں گے اور اپنی ہی اصل پر چھوڑتے ہیں تو یا حارِ یا مالِ پڑھیں گے اس جگہ شارح نے فحرفٌ واحدٌ کی شرح ای فیحذف حرفٌ واحدٌ سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جزاء جملہ ہوتی ہے پس اس شرط وان کان الخ کی جزاء یعنی یحذف محذوف ہے اور حرفٌ واحدٌ اس کا فاعل ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۹ قولہ وہو ای المنادی الخ یعنی منادی مرخم ترخیم کے بعد ایسے منادی کے حکم میں ہو گا جو کہ اپنے تمام اجزاء سمیت ثابت ہے یعنی گویا کہ محذوف اس کے آخر میں ہے، حذف نہیں ہوا پس محذوف سے پہلا حرف جس حالت پر ترخیم سے پہلے تھا ترخیم کے بعد وہ آخر کلمہ ہو کر اسی حالت پر باقی رہے گا بنا بر استعمال اکثر کے یعنی اسی حالت پر اکثر اس کا استعمال ہوتا ہے لہذا اس میں مزید کوئی تصرف نہ کریں گے کہ محذوف کے ماقبل پر دوسرا اعراب جاری کر دیں پس یا حارث میں یا حارِ کسر راء کے ساتھ اور یا ثمودُ میں یا ثمو آخر میں واو کے ساتھ بعد الضمة اور یا کروان میں یا کَرَوَ فتحہ کے بعد واو متحرک کے ساتھ کہیں گے کروان ایک پرندہ ہوتا ہے دراز گردن دراز پا اور دراز منقار جس کو کلنگ کہتے ہیں واللہ اعلم۔

۱۴۰ قولہ وقد یجعل قد للتقلیل الخ اس میں قد تقلیل کے لئے ہے پس تقدیر عبارت بمقابلہ علی الاستعمال الاکثر یہ ہو گی ای ویجعل

الاقل اسما برأسه كانه لم يحذف منه شئ فيكون له فى بنائه واعلاله و تصحيحه حكم نفسه لا حكم الاصل فيقال يا حارُ بالضم كانه اسم مفرد معرفة برأسه فيضم وَيَا ثَمِيُ لانه لما جعل ثمو اسما برأسه صارت الواو طرفا بعد ضمة فلاجرم قلبت الواو ياء وكسر ما قبلها كادلٍ فى ادلو وَيَا كَرَا لانه لما جعل كرو اسما برأسه ارتفع مانع الاعلال وهو وقوع الساكن بعد الواو فانقلبت الواو الفا لتحركها وانفتاح ما قبلها وَقَدِ [۱۴۱] اسْتَعْمَلُوْا يعنى العرب صِيْغَةَ النِّدَاءِ يعنى يا خاصة فِى الْمَنْدُوْبِ لانه لايدخل عليه سواها لكونها اشهر صيغها فكانت اولى بان يتوسع فيها باستعمالها فى غير

کی بنا پر منادی مرخم کو "مستقل اسم" گویا کہ اس سے کوئی چیز حذف نہیں کی گئی پس اس کے مبنی اور معتل اور صحیح ہونے میں اس کے لئے (بعد از ترخیم بقیہ حروف کی حالت میں) اس کی ذات (موجودہ) کا حکم ہوگا نہ کہ اصل کا "پس کہا جائیگا یاحار" ضمہ کے ساتھ گویا کہ یہ اسم مفرد معرفہ مستقل ہے پس اسے ضمہ دیا جائے گا "اور یاثمی" کیونکہ جب ثمو کو مستقل اسم قرار دیا گیا تو واؤ ساکنہ ضمہ کے بعد طرف میں واقع ہوئی (جب یہ صورت ہوئی) تو لازما واو کو یاء سے بدل کر اس کے ماقبل کو کسرہ دیدیا گیا ادلٍ کیطرح ادلوٌ میں "اور یاکرا" واو کے بعد ساکن کا واقع ہونا ہے مرتفع ہوا تو واؤ اپنے متحرک اور ماقبل کے مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گئی "اور استعمال کیا ہے" یعنی عرب نے "نداء کے صیغ کو" یعنی خاص کر یا کو "مندوب میں" کیونکہ مندوب پر یا کے سوا کوئی حرف داخل نہیں ہوا اس لئے کہ یا (نداء کے) سب صیغوں سے زیادہ مشہور ہے لہذا یا اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اسے (منادی کے علاوہ)

المنادی المرخم علی الاستعمال الاقل تاکہ اکثر اور اقل کا تقابل درست ہو جائے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کبھی منادی مرخم کو استعمال اقل کی بنا پر مستقل اسم قرار دے دیا جاتا ہے یعنی گویا کہ اس میں سے کچھ حذف ہی نہیں کیا گیا پس بنار تعلیل اور عدم تعلیل تصحیح میں اس کے لئے اس کے نفس کا حکم ہوگا نہ کہ اصل کا یعنی ترخیم کے بعد آخر میں جو حرف ہوگا اگر وہ بنار کا مقتضی ہوگا تو مبنی کر دیا جائیگا اور اگر تعلیل کی ضرورت پیش آئے گی تو تعلیل کر دی جائے گی اور اگر اس کو صحیح ہونے کے باعث اپنی صحت پر رکھا جائیگا تو صحیح کہیں گے لیکن اس کو اصل کا حکم نہیں دیا جائیگا یعنی جو حرف ترخیم کے بعد حذف ہوا ہے اس کا حکم اس پر جاری نہیں کیا جائیگا اس لئے کہ وہ اس وقت کان لم یکن یعنی نہ ہونے کے درجہ میں ہو گیا پس جب اس کا اس اعتبار سے کوئی وجود ہی نہیں رہا تو اس کا حکم دینے کے کیا معنے؟ پس یا حارث میں ترخیم کے بعد یا حارُ را کے ضمہ کے ساتھ کہیں گے کیونکہ جب اس کو مستقل اسم سمجھ لیا گیا ہے تو اس پر مستقل ہی اسم کا اعراب بھی جاری ہوگا پس چونکہ یہ منادی مفرد معرفہ واقع ہو رہا ہے لہذا اس کو مبنی علی الضم کر دیں گے اور یا ثمود میں ترخیم کے بعد یا ثمو کے بجائے یا ثمی کہیں گے اس لئے کہ جب ثمو کو مستقل اسم سمجھ لیا گیا تو واو طرف میں ضمہ کے بعد واقع ہوا تو چونکہ یہ اسمار متمکنہ میں سے ایک اسم ہے لہذا اس میں قاعدہ صرفی کا اجرار کیا جائے گا پس واؤ کو یاء سے بدلیں گے اور ضمہ ماقبل کو کسرہ سے اسلئے کہ منادی بنار کے عارضی ہونے کی وجہ سے یہاں معرب کے حکم میں ہوگا پس اس میں معرب جیسی تعلیل کی جائے گی اور یہ تعلیل اسی طرح ہوگی جس طرح کہ ادلٍ میں ہوئی ہے کہ اس کی اصل ادلوٌ تھی (دلو بمعنے ڈول کی جمع ہے) واؤ طرف میں واقع ہونے کے سبب سے

یار سے بدلا گیا ادل ہوا پھر لام کے ضمہ کو یار کے مناسب کرنے کے لئے کسرہ سے تبدیل کیا گیا ادلِی ہوا پھر یار کا ماقبل مکسور ہوا یار کو ساکن کیا گیا ادلین ہوا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے یار کو حذف کر دیا گیا ادلٍ ہو گیا اسی طرح یا کروان میں یا کرا کہیں گے اس لئے کہ جب کرو کو اسم مستقل کا مرتبہ دیا گیا تو مانع اعلال یعنی ساکن کا واو کے بعد واقع ہونا جاتا رہا یعنی یا کروان میں واو کے بعد الف ساکن موجود تھا اس لئے واو کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے لیکن جب صرف یا کرو رہ گیا تو وہ مانع تعلیل مرتفع ہو گیا لہذا واؤ متحرک ماقبل مفتوح الف سے بدل جانے کے قاعدہ

کے مطابق واو کو الف سے بدل دیا گیا یاکرا ہو گیا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۴۱ قولہ وقد استعملوا الخ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کو مندوب کا ذکر کرنا اس جگہ مناسب نہیں تھا اس لئے کہ یہاں بحث مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف کی ہو رہی ہے نہ کہ مندوب کی جواب یہ ہے کہ مندوب اور منادی بہت سی باتوں میں مشترک ہیں مثلاً دخول حرف ندا اعراب اور بنار وغیرہ میں اور منادی ظاہر ہے کہ مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف سے تعلق رکھتا ہے پس اس لزوم کی بنا پر اس جگہ مندوب کا ذکر کر دیا گیا پس کہتے ہیں صیغۂ ندا یعنی خاص کر یا کو مندوب

المنادی والمندوب[۱۴۲] فی اللغة میت یبکی علیه احد ویعدّ محاسنه لیعلم الناس ان موته امر عظیم لیعذروه فی البکاء ویشارکوه فی التفجع وفی الاصطلاح[۱۴۳] هو المتفجع علیه وجودًا او عدمًا بیا او وا فالمتفجع علیه عدمًا ما یتفجع علی عدمه کالمیت الذی یبکی علیه النادب والمتفجع علیه وجودًا ما یتفجع علی وجوده عند فقد المتفجع علیه عدمًا کالمصیبة والحسرة والویل اللاحقة للنادب لفقد المیت فالحد شامل لقسمی المندوب

غیر منادی میں استعمال کرکے اس میں وسعت پیدا کی جائے اور لغت میں مندوب مردہ ہے جس پر کوئی روئے اور اس کے محاسن (اور خوبیاں) گنے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کی موت بڑی (مصیبت کی) چیز ہے تاکہ لوگ رونے میں اسے معذور رکھیں اور دردمند ہونے میں اس کے شریک حال ہوں اور اصطلاح میں ((مندوب وہ شخص ہے کہ جس پر دردمندی کا اظہار کیا جائے)) وجود اور عدم کی رو سے ((یا، یا واو کے ساتھ)) پس عدم کی رو سے متفجع علیہ اسے کہتے ہیں کہ جس کے عدم پر اظہار افسوس (و درد) کیا (اور رویا جائے) اس میت کی طرح کہ جس پر رونے والا روتا ہے (یعنی اس کے معدوم و میت ہونے اور اس کے جنازہ کو دیکھ کر روتا اور کہتا ہے کہ یا زیداہ افسوس اے زید تم مر گئے اور اس دنیا سے معدوم ہو گئے) اور متفجع علیہ وجود کی رو سے اسے کہتے ہیں کہ جس کے وجود پر اظہار دردمندی (اور افسوس) کیا جائے متفجع علیہ عدمی کے موجود نہ ہونے کے وقت (افسوس اور دردمندی کا اظہار کیا جائے) جیسے مصیبت اور حسرت اور عذاب (تینوں) میت کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے رونے والے کو لاحق ہوتے ہیں (یہ تینوں متفجع علیہ وجودی کی مثال ہوئے) پس (مندوب کی) تعریف مندوب کے

میں استعمال کرتے ہیں اور یا کی خصوصیت اس میں اس وجہ سے ہے کہ اس کے سوا مندوب پر کوئی دوسرا حرف ندا داخل ہی نہیں ہوتا کیونکہ یا ہی ندا کے صیغوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے پس اس شہرت کے اقتضاء کے بموجب مناسب یہ ہے کہ اس کو غیر منادی کے استعمال میں بھی وسعت دی جائے صرف منادی میں ہی اس کا انحصار نہ ہے اس جگہ صیغۃ النداء کی شرح یعنی یا خاصۃً سے کرکے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چونکہ حرف نداء میں یا زیادہ مشہور ہے لہذا یہ فرد کامل کے مرتبہ میں ہوا اور فرد کامل کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ المطلق اذا یطلق یراد بہ الفرد الکامل اور ندا کا فرد کامل یا ہے لہذا صیغۃ الندا جو کہ مطلق ہے اس سے خاص کر یا ہی مراد ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۱۴۲ قولہ والمندوب الخ مصنف نے مندوب کی اصطلاحی تعریف بیان کی ہے اسلئے شارح اس کی لغوی تعریف بیان فرماتے ہیں تاکہ دونوں میں فرق معلوم ہو جائے پس کہتے ہیں کہ مندوب لغت میں اس میت کو کہتے ہیں کہ جس پر کوئی شخص نوحہ کرے اور اسکے محاسن کو گنائے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی موت معمولی سانحہ نہیں بلکہ حادثہ عظیم ہے تاکہ لوگ اس کو نوحہ اور نالہ و شیون کرنے میں حق بجانب اور معذور سمجھیں اور اس کی غم خواری و دردمندی میں وہ بھی شریک ہو جائیں پس جب وہ بھی دردمندی میں شریک ہو جائینگے تو ان کے لئے اعتراض کرنے کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہے گا واللہ اعلم۔

۱۴۳ قولہ وفی الاصطلاح الخ اور اصطلاح میں مندوب اس اسم کو کہتے ہیں جس پر لفظ یا۔ یا لفظ وا سے گریہ کیا جائے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تعریف متفجع علیہ وجودا پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ متفجع علیہ سے متبادر متفجع علیہ عدمًا ہے یعنی جس کے معدوم ہونے پر گریہ کیا جائے نہ کہ موجود ہونے پر اس لئے کہ المتفجع کا صلہ علی لایا گیا ہے اور یہ شئی کے معدوم ہونے پر دلالت کرتا ہے مثلاً کوئی شخص فوت ہو جائے تو وہ دنیا سے معدوم ہو جاتا ہے پس اس پر تفجع کیا جائیگا وجودی شئی پر تفجع نہیں ہوگا مثلاً مصیبت پر اس لئے کہ مصیبت پر کوئی تفجع نہیں کیا کرتا بلکہ مصیبت کے سبب سے تفجع کیا کرتا ہے لہذا تفجع وجودی پر یہ تعریف صادق نہیں آئے گی شارح نے اس کے جواب کی طرف وجودًا اور عدمًا سے اشارہ کر دیا اور پھر دونوں کی تفصیل خود ہی بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ متفجع علیہ عدمًا تو یہ ہے کہ جس کے معدوم اور مردہ ہونے پر گریہ کیا جائے جیسے کسی میت پر گریہ کرنے والا وا زیداہ وغیرہ سے نوحہ کرے اور متفجع علیہ وجودا وہ ہے کہ مندوب کے وجود پر متفجع علیہ عدمًا کی عدم موجودگی کے وقت نوحہ کیا جائے یعنی مثلاً نوحہ گر میت کو نہ دیکھے بلکہ اس کی خبر سنکر اظہار گریہ کرے جیسے کہ مصیبۃ حسرۃ اور ویل یعنی سختی میت کے موجود نہ ہونے پر نوحہ گر کو لاحق ہوتی ہے پس یہ مصیبت و حسرت وغیرہ سب متفجع علیہ وجودی میں داخل ہوں گی کیونکہ ان کا وجود اظہار دردمندی کا باعث ہوا ہے بخلاف میت کے کہ اس کا عدم یعنی انسان کا مر جانا اور دنیا سے کوچ کر جانا اظہار تفجع کا باعث ہے پس تعریف مندوب کی دونوں قسموں کو شامل ہو گئی یعنی اس کو بھی جس کے عدم پر نوحہ گری ہو اور اس کو بھی جس کا وجود نوحہ گری کا باعث ہو لیکن اس صورت میں علی کو تفجع کے صلہ کے بجائے بنائیہ لینا پڑیگا یعنی جس کی بنا پر تفجع کیا جائے تب تو یہ تعریف دونوں قسموں

مثل یا زیداہ ویا عمراہ مثلُ یا حسرتاہ ویا مصیبتاہ ویا ویلاہ وَاخْتُصَّ[۱۴۴] المندوبُ بِوَاوٍ ممتازًا بہ عن المنادی بعدم دخولہ علیہ بخلاف فانہ مشترکٌ

بینہما وَحُکْمُہٗ ای حکم المندوب فِی الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ حُکْمُ الْمُنَادٰی[۱۴۵] ای مثلُ حکمہ یعنی اذا وقع المندوبُ علی صورۃِ قسمٍ من اقسام المنادی فحکمہ فی الاعراب والبناءِ مثل حکمِ ذلک القسمِ من المنادی کما اذا کان مفردًا معرفۃً یُضَمُّ واذا کان مضافا او مُشبہا بہ یُنصبُ ولا یلزم[۱۴۶] من ذلک جوازُ وقوعہ علی صورۃِ جمیع اقسام المنادٰی لیرد علیہ انہ لا یقع نکرۃً لانہ لا یُندَبُ الا المعرفۃُ

دونوں قسموں کو شامل ہوگئی جیسے یا زیداہ ویا عمراہ (یہ اس کی مثال ہے کہ کوئی مرجائے اور اس طرح دنیا سے معدوم ہوجائے گویا یہ متفجع علیہ عدمی ہوا) اور جیسے یا حسرتاہ اور یا مصیبتاہ اور یا ویلاہ (اس متفجع علیہ کی مثال ہے جو وجود کی رو سے مفقود ہوکر یہ کرنے والا کہتا ہے کاش وہ مجھ سے دور نہ مرتا بلکہ میرے پاس موجود ہوتا کہ میں اسے دیکھتا اس کے جنازے میں شرکت کرتا وغیرہ) ((اور مخصوص کیا گیا)) مندوب کو ((واؤ کے ساتھ)) مندوب کے واؤ کے ساتھ منادی سے ممتاز ہوتے ہوئے (مندوب واؤ کے ساتھ مخصوص ہے) کیونکہ وا و منادی پر داخل نہیں ہوتی یاء کے برعکس کہ وہ دونوں میں مشترک ہے ((اور اس کا حکم)) یعنی مندوب کا حکم ((اعراب اور بناء میں منادی کا حکم ہے)) یعنی (اس کا حکم) منادی کے حکم کی طرح ہے یعنی جب مندوب اقسامِ منادی میں سے کسی ایک قسم کی صورت پر واقع ہو تو اعراب اور بناء میں اس کا حکم منادی کے اسی قسم کے حکم کی طرح ہے جیسا کہ مندوب مفرد معرفہ ہو تو وہ مضموم ہوگا اور جب مضاف یا مشابہ مضاف ہوگا تو منصوب ہوگا اور اس (تشبیہ مذکور) سے مندوب کا منادی کے جمیع قسموں کی صورت پر واقع ہونے کا جواز لازم نہیں آتا کہ اس (تشبیہ مذکور) پر یہ اعتراض وارد ہو کہ مندوب نکرہ واقع نہیں ہوتا کیونکہ معرفہ پر ہی رویا جاتا ہے (تاکہ رونے والے کو لوگ رونے میں معذور رکھیں اور

پر صادق آئے گی ورنہ نہیں کما مر فی الاعتراض پس دونوں قسموں کی مثالیں یہ ہیں جیسے یا زیداہ یا عمراہ یہ دونوں متفجع علیہ عدمی کی مثالیں ہیں اور وجودی کی امثلہ مثلاً یا حسرتاہ۔ یا مصیبتاہ اور یا ویلاہ ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۴۴ قولہ واختص الخ مندوب کو کلمۂ وا کے ساتھ خاص کردیا گیا ہے تاکہ اس میں اور منادی میں امتیاز پیدا ہوجائے اس لئے کہ وا منادی پر داخل نہیں ہوا کرتا پس وہ مندوب کے ساتھ خاص ہوجائیگا بخلاف یا کے کہ وہ دونوں میں مشترک ہے یعنی منادی کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے اور مندوب کے لئے بھی لیکن وَا حرف مندوب کے ہی ساتھ خاص ہے۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے اول تو یہ فرمایا کہ صیغۂ ندا کو مندوب میں بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر فرمایا کہ مندوب کلمۂ وَا کے ساتھ خاص ہے یعنی وا کے ہی ذریعہ ندبہ کیا جاسکتا ہے یا ء کے ذریعہ نہیں پس دونوں باتوں میں تعارض اور تناقض لازم آیا اس کا جواب شارح نے ممتازًا بہ الخ سے یہ دیا کہ بواکی باء جارہ اختص کے متعلق ہے اور اختصاص کے اندر امتیاز کے معنے بھی پائے جاتے ہیں اس لئے کہ ایک شے کا ایک شے کے ساتھ خاص ہونا دوسری شئے سے امتیاز کو مستلزم ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مندوب وا کی وجہ سے منادی سے ممتاز ہے لہذا وا کا اختصاص مندوب کے ساتھ منادی سے امتیاز کے لئے ہوا نہ کہ اس امر کے لئے کہ مندوب کے ساتھ وا ہی خاص ہے دوسرا کوئی حرف اس پر داخل نہیں ہوسکتا پس کلام مصنف میں اب کوئی تناقض اور تعارض نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۴۵ قولہ وحکمہ الخ مندوب کا حکم اعراب اور بناء کے اعتبار سے منادی کے حکم جیسا ہے یعنی جب مندوب اقسام منادی میں سے کسی ایک قسم کی صورت پر واقع ہو تو مندوب کی اس قسم کو وہی حکم دیں گے جو منادی کی اس قسم کا ہے یعنی جس طرح منادی مفرد معرفہ کو مبنی علی الضم کہا جاتا ہے اسی طرح مندوب اگر مفرد معرفہ واقع ہو تو اس کو بھی مبنی علی الضم قرار دیں گے ایسے ہی جس طرح منادیٰ مضاف یا شبہ مضاف منصوب ہوتا ہے اگر مندوب بھی مضاف یا شبہ مضاف واقع ہو تو یہ بھی منصوب ہوگا جیسے وا طالعًا جبلاً شبہ مضاف کی مثال اور مضاف کی مثال جیسے

وا عبد اللہ اسی طرح مندوب کے توابع کا بھی حکم ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکم کسی شئے پر اثر مرتب کو کہتے ہیں اور اثر منجملہ عوارضات کے ہے اور اس اثر مرتب کے محل دو ہوگئے منادی اور مندوب پس عرض واحد کا حلول دو مختلف محلوں میں لازم آیا اور یہ باطل ہے اس لئے کہ اثر مرتب علی الشئ اسی شئ کے ساتھ خاص ہوتا ہے جس پر وہ مرتب ہو اور یہاں یہ خصوصیت رہی نہیں شارح نے ای مثل کلمہ سے جواب دیا کہ اس جگہ عبارت بحذف مضاف

وَجَازَ[١٤٧] لَكَ زِيَادَةُ الْاَلِفِ فِیْ اٰخِرِهٖ ای آخرِ المندوب لمد الصوتِ المطلوبِ فی الندبۃ فَاِنْ[١٤٨] خِفْتَ اَللَّبْسَ ای التباسَ ذلک اللفظِ عند زیادۃ الالف بغیرہ عَدَلْتَ الی حرفِ مدۃٍ مجانسٍ لحرکۃ آخرِ المندوبِ من کسرۃٍ او ضمۃٍ کما اذا اردتَ نُدبۃَ غلامِ مخاطبۃٍ قُلْتَ وَاغُلَامَكِيْهِ لا واغلامکاہ لالتباسہ بندبۃ غلامِ مخاطبٍ واذا اردت ندبۃَ غلامِ جماعۃٍ مخاطَبین قلت وَاغُلَامَكُمُوْهُ اِذِ المیم اصلُه الضمُّ لا واغلامکماہ لالتباسہ بندبۃ غلامِ مخاطَبَیْنِ اثنین وَ

درمندی کے اظہار میں اس کے شریک ہوں) ((اور)) جائز ہے ((تمہارے لئے اس کے آخر میں الف کا بڑھانا)) یعنی مندوب کے آخر میں (تمہیں) ندبہ (گریہ اور رونے) میں مطلوب آواز کو لمبا کرنے کے لئے (الف کا بڑھانا جائز ہے) ((پھر اگر تمہیں التباس کا اندیشہ ہو)) یعنی الف کے اضافہ کے وقت اس لفظ کے کسی اور لفظ کے ساتھ خلط ملط ہونے کا (اندیشہ ہو) تو (الف کی بجائے تمہیں کسی ایسے (دوسرے) حرفِ مد کی طرف عدول (رجوع) کرنا ہوگا جو مندوب کے آخری حرف کی حرکت یعنی کسرہ یا ضمہ کے ہمجنس (موافق) ہو جیسا کہ تم مخاطب عورت کے غلام کا گریہ کرو ((تو تم کہو گے واغلامکیہ)) نہ کہ واغلامکاہ کیونکہ یہ مذکر مخاطب کے غلام کے گریہ سے خلط ملط ہوتا ہے ((اور)) جب تم ایک جماعت مخاطب کے غلام کے گریہ کا ارادہ کرو تو تم کہو گے ((واغلامکموہ)) کیونکہ میم (جمع) کی اصل پیش ہے (کیونکہ جمع کی میم دراصل حرکت ضمہ سے متحرک ہے جسے بعد میں ساکن کیا گیا اور اس لئے کہ میم حروف شفویہ سے ہے جو غالبا ضم شفتین سے حاصل ہوتے ہیں لہذا میم واؤ سے مناسبت رکھتی ہے اس لئے اسے الف سے واؤ کی طرف پھیر دیا گیا) واغلامکماہ نہیں (کہا جائیگا) کیونکہ یہ تثنیہ

ہے یعنی حکم المنادی میں مضاف محذوف ہے ای مثل پس اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا اسلئے کہ اب اثر مرتب اسی شے کے ساتھ خاص ہوگا جس پہ وہ مرتب ہو البتہ اسی جیسا اثر دوسری شئے میں پایا جائیگا اور اس میں کوئی استحالہ نہیں واللہ اعلم ١٢۔

١٤٦ قولہ ولا یلزم الخ یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ قول مصنف وحکمہ حکم المنادی سے یہ لازم آتا ہے کہ منادی کی تمام اقسام مندوب میں بھی پائی جاتی ہیں حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ مندوب بھی نکرہ نہیں لایا جاتا شارح نے کہا کہ اس تشبیہ مذکورہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ منادی کی جمیع اقسام کی صورت میں مندوب کے واقع ہونے کا جواز ہو کیونکہ تشبیہ حکم اور اس مرتب کے اعتبار سے ہے منادی کے اقسام کے اعتبار سے نہیں پس مندوب کے نکرہ واقع نہ ہونے سے کوئی اعتراض نہیں ہوتا واللہ اعلم ١٢۔

١٤٧ قولہ وجاز لک الخ اور مندوب کے آخر میں درازی صوت کے لئے الف کا زیادہ کرنا بھی جائز ہے اس لئے کہ ندبہ میں درازی صوت مطلوب ہوتی ہے اور یہ الف کے بڑھانے سے حاصل ہو جاتی ہے پس بجائے وازیدُ کے وازیداہ کہیں گے وقف کے لئے ہا، وقف بھی بڑھا لیتے ہیں واللہ اعلم ١٢۔

١٤٨ قولہ فان خفت الخ پس اگر مندوب کے آخر میں الف کے زیادہ کرنے سے کسی دوسرے صیغہ کے ساتھ التباس ہوتا ہو تو زیادتی الف سے مد صوت نہیں ہوگا تو الف کی زیادتی کریں گے واغلامکاہ ہو جائیگا تو اس سے مذکر مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ التباس پیدا ہو جائیگا اس لئے کہ اس کے ندبہ کے وقت بھی واغلامکاہ کہیں گے تو اس الف کو یار سے بدل لیں گے یا الف کے بجائے یار ساکنہ لے آئیں گے (بہر صورت مآل ایک ہی ہے) اس لئے کہ آخر مندوب یعنی کاف کا کسرہ یار ساکنہ کے مجانس اور موافق ہے پس واغلامکیہ کہیں گے واغلامکاہ نہیں کہیں گے ایسے ہی جب ہم جمع مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کرنا چاہیں تو واغلامکموہ کہیں گے الف کے بجائے واؤ کی زیادتی کے ساتھ تاکہ میم کہ جس کی اصل ضمہ ہے واؤ اس کے مجانس ہو جائے کیونکہ ضمہ واؤ کو چاہتا ہے پس اگر اس صورت میں واؤ کے بجائے الف کو زیادہ کرتے ہیں تو تثنیہ مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ التباس پیدا ہو جائے گا یعنی واغلامکماہ کہیں گے تو اس سے پتہ نہیں چلے گا جمع حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جا رہا ہے یا تثنیہ مخاطب کے غلام کا پس لامحالہ ضمہ کی موافقت کی وجہ سے میم کے ساتھ بجائے الف کے واؤ زیادہ کریں گے اور واغلامکموہ کہیں گے۔ اب رہی یہ بات کہ غلامکم کے میم کی اصل باعتبار حرکت کے ضمہ کیسے ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غلامکم اصل میں غلامکمو تھا میم کو تخفیف کے لئے ساکن کر دیا دو ساکن جمع ہو جائیں تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حرف علۃ یعنی واؤ کو گرا دیا غلامکم ہو گیا پس بوقت ندبہ یہ ضمہ اپنی اصل پہ لوٹ آئے گا اور اس کے کو ترک کر کے اس کے بجائے ایسا حرف مد زائد کیا جائیگا جو آخر مندوب کی حرکت کے مجانس ہے یعنی اگر آخر مندوب کی حرکت کسرہ ہے تو یار بڑھائیں گے اور ضمہ ہے اور واؤ مثلا جب ہم کسی مؤنث مخاطبہ کے غلام کا ندبہ کریں گے

جَازَ لَكَ[۱۴۹] اَلْهَاءُ ای الحاقها بھذہ المدات فِی حالِ الْوَقْفِ لبیانها[۱۵۰] وَلَا یُنْدَبُ من قسم المندوب المتفجع علیه عدمًا اِلَّا الاسم الْمَعْرُوْفُ الذی اشتهر المندوبُ به لیُعْذَرَ النادبُ بمعرفته فی ندبته والتفجع علیه فَلَا یُقَالُ وَارَجُلَاہُ اذ ما اشتهر بھذا اللفظِ مندوبٌ خاصٌ انتقل الذهنُ الیه ویُعرفُ به لیُعذَرَ النادبُ بالندبةِ علیه[۱۵۱] وَامْتَنَعَ الحاقُ الالفِ بصفة المندوب بل یجب ان یُلحق بالموصوف مثل وازیداہ الطویل لان اتصال بالصفة

مخاطب کے غلام کے گریہ سے غلط ملط ہوتا ہے ((اور)) جائز ہے ((تمہارے لئے ہاء)) یعنی اس (ہائے ساکنہ) کا ان (تینوں حروف واو اور یاء اور الف) مدات کے ساتھ لاحق کرنا حالت ((وقف میں)) ان (حروف مدہ) کے بیان کے لئے ((اور نہیں ندبہ کیا جائے گا)) مندوب متفجع علیہ عدمی کے قسم سے کا ((مگر)) اسم ((معروف کا)) کہ جس اسم سے مندوب مشہور ہو تاکہ ندبہ کرنے والے کو اس (اسم) کی معرفت (و شہرت) کیوجہ سے اس کے ندبہ کرنے اور اس پر اظہار دردمندی میں معذور رکھا جائے ((لہذا وارجلاہ نہیں کہا جائے گا)) کیونکہ اس لفظ (رجل) کے ساتھ کوئی خاص مندوب مشہور نہیں کہ اس کی طرف (لوگوں کا) ذہن منتقل ہو اور وہ اس کے ساتھ مشہور ہو تاکہ ندبہ کرنے والے کو اس پر ندبہ کرنے کے ساتھ معذور رکھا جائے ((اور ممنوع ہے)) الف کا لاحق کرنا صفت مندوب کے ساتھ بلکہ ضروری ہے کہ الف کو موصوف کے ساتھ لاحق کیا جائے جیسے وازیداہ الطویل کیونکہ موصوف کا اتصال صفت

بعد واو زیادہ کریں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۴۹ قولہ وجاز لک الخ ان تمام مدات کے بعد حالت وقف میں ہاء سکتہ کا اضافہ کرنا بھی جائز ہے تاکہ اس کے اضافہ کے باعث حرف مد بخوبی واضح ہوسکے کیونکہ اس سے مزید مد صوت پیدا ہوگا کما مر واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۰ قولہ ولا یندب الخ اب کہتے ہیں کہ مندوب کی دو قسموں میں سے مندوب متفجع علیہ عدمًا میں ندبہ صرف معروف شخص کا ہوتا ہے یعنی جو لوگوں میں شہرت رکھتا ہو مجہول اور غیر معروف شخص کا نہیں ہوتا اس لئے کہ سامعین مندوب کے معروف و مشہور ہونے کی وجہ سے ندبہ کرنے والے کو اس کے نالہ و شیون اور فریاد و فغاں میں مجبور و معذور خیال کریں گے پس اس کے ساتھ شہرت کی تخصیص کے باعث وارجلاہ نہیں کہیں گے اس لئے کہ مندوب خاص لفظ رجل کے ساتھ مشہور نہیں ہے کہ سامعین کا ذہن اسکی طرف منتقل ہوسکے اور مندوب لفظ رجل سے پہچانا جاسکے تاکہ لوگ ندبہ کرنے والے کو اس کے جزع و فزع پر معذور خیال کریں بلکہ اس صورت میں مندوب کے مجہول اور غیر معروف ہونے کے باعث لوگ اور الٹا اسی کا مذاق و تمسخر اڑائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لایندب کے بعد من قسم المندوب الخ کے اضافہ کی شارح کو کیا ضرورت پیش آئی جواب یہ ہے کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یا مصیبتاہ اور یا حسرتاہ بھی مندوب ہیں مگر نکرہ ہیں پس مصنف کا قول ولا یندب الا المعروف غلط ہے جواب دیا کہ لایندب الا المندوب مندوب متفجع علیہ عدمًا کے ساتھ خاص ہے وجودًا اس سے خارج ہے پھر المعروف سے قبل الاسم کے اضافہ سے المعروف کا موصوف محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر رہا الذی اشتہر المندوب بہ کا اضافہ تو یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ وامن قلع باب خیبر بھی مندوب میں داخل ہے اور قسم عدمی سے متعلق ہے لیکن یہ معرفہ نہیں نکرہ ہے لہذا لایندب الا المعروف کا قاعدہ غلط ہے جواب یہ ہے کہ معروف سے مراد یہ ہے کہ مندوب لوگوں میں اس لفظ کے ساتھ مشہور ہو جائے اور ظاہر ہے کہ من قلع باب خیبر اس اعتبار سے مشہور و معروف ہے کہ یہ جملہ سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اور کسی کی طرف نسبت نہیں کیا جاسکتا پس یہ جملہ اگرچہ نکرہ ہے مگر اس میں مندوب متعین اور مشہور ہے لہذا یہ بھی اس میں داخل ہے۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ مندوب کا نام ہی لیا جائے بلکہ اس کا وصف مشہور یا کنیت یا لقب وغیرہ سے بھی ندبہ کیا جاسکتا ہے واللہ اعلم۔

۱۵۱ قولہ وامتنع الخ اس جگہ الحاق الالف الخ کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ وازیدالطویلاہ سے ایک خاص ضابط کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ الف مندوب کی صفت کے ساتھ ملحق ہو، کہتے ہیں کہ صفت کے آخر میں علامت ندبہ یعنی الف کا الحاق جائز نہیں ممتنع ہے بلکہ اس میں واجب یہ ہے کہ الف کا الحاق موصوف کے ساتھ ہو اسلئے کہ صفت کا اپنے موصوف کے ساتھ اتصال ایسا نہیں جیسا مضاف کا اپنے مضاف الیہ کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے کہ مضاف الیہ کو تو لایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ مضاف تمام ہو جائے ورنہ مضاف تشنۂ تکمیل رہ جائیگا پس مضاف الیہ مضاف کے واسطے بمنزلہ جزء کے ہے کا گر

لیس کاتصال المضاف بالمضاف الیه لانه جیٔ به لتمام المضاف فهو کالجزء بخلاف
الصفة فانه جیٔ بها بعد تمام الموصوف للتخصیص او التوضیح فلهذا اجاز مثل یا
امیر المومنیناه ولم یجز مثل وازیدُ الطویلاہ خلافاً لیونس فانه یجوز
الحاق الالف باٰخر الصفة فان اتصال الموصوف بالصفة وان کان فی اللفظ
انقص من الاتصال بین المضاف والمضاف الیه الا انه اتم منه من جهة
المعنی لاتحادهما بالذات فان الطویل هو زید لا غیر بخلاف المضاف والمضاف
الیه فانهما متغایران وحکی یونس[153] ان رجلاً ضاع له قدحان فقال واجُمجُمَتَیَ

کے ساتھ (اور صفت کا اتصال موصوف کے ساتھ) مضاف کے مضاف الیہ کے اتصال کی طرح نہیں
ہے کیونکہ مضاف الیہ کو مضاف کے تمام کرنے کے لئے لایا جاتا ہے (اگرچہ اضافت لفظی ہو کہ مضاف
الیہ مضاف کی تنوین کی جگہ آتا ہے اور اضافت تخفیف مطلقاً تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور معنویہ
تعریف وتخصیص کا) پس مضاف الیہ مضاف کی جزء کی طرح ہے صفت کے برعکس کہ صفت موصوف
کے تمام ہونے کے بعد (نکرہ میں) تخصیص یا (معرفہ میں) توضیح کے لئے لائی جاتی ہے پس (اس لئے
یا امیر المؤمنیناہ کا مثل جائز ہے (اس میں مندوب امیر ہے اور المؤمنین مضاف الیہ ہے اور وہ مضاف
کی جزء کی مانند ہے لہذا الف اسی کے ساتھ لگے گا) اور نہیں جائز ہے وازیدالطویلاہ کی مانند یونس
کے برخلاف) کہ وہ (جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے) ندبہ کے الف کو (موصوف کے آخر کی بجائے) صفت
کے آخر میں لاحق کرنے کو جائز کہتے ہیں (جس طرح کہ مضاف الیہ کے آخر میں جائز ہے لہذا اس کے
نزدیک مثال وازیدالطویلاہ جائز ہوگی مگر جمہور کے نزدیک نہیں) کیونکہ موصوف کا صفت
کے ساتھ اتصال اگرچہ لفظ میں (یعنی اگرچہ صفت اور موصوف میں اتصال لفظی) اس اتصال سے کم
ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان (واقع ہے) مگر موصوف وصفت کے اتحاد بالذات
کی وجہ سے (موصوف وصفت کا اتصال) معنی کی جہت سے (مضاف ومضاف الیہ کے اتصال
سے) زیادہ تمام ہے کیونکہ طویل زید ہی ہے کوئی اور تو نہیں مضاف اور مضاف الیہ کے برعکس کہ
وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کا غیر ہیں اور یونس نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کے دو پیالے
ضائع ہوگئے تو اس نے (ان دو پیالوں پر ندبہ کرتے ہوئے) کہا واجُمجُمَتَیَ الشامیتیناہ (الجمجہ دونوں

کل کے کسی جزء کو حذف کردیں تو اس میں کمی آ
جاتی ہے اسی طرح اس میں بھی کمی آجائیگی بخلاف
صفۃ کے کہ وہ اپنے موصوف کے مکمل اور تمام
ہو جانے کے بعد تخصیص یا توضیح کے لئے
لائی جاتی ہے موصوف کی تکمیل میں مضاف الیہ
کی طرح اس کو کوئی دخل نہیں ہوتا پس موصوف
اور صفۃ دونوں علیحدہ علیحدہ دو مستقل کلمے

ہوں گے لہذا صفت کے آخر میں علامت
مندوب کا الحاق درست نہ ہوگا اور وازید
الطویلاہ اور واعمر الکریماہ نہیں کہہ سکتے بلکہ ضروری
ہوگا کہ علامت ندبہ کا الحاق موصوف کے
ساتھ کرکے وازیداہ الطویل واعمراہ الکریم
کہیں پھر چونکہ مضاف الیہ کا تعلق اپنے مضاف
کے ساتھ کالجزء ہوتا ہے لہذا مضاف الیہ

پر علامت ندبہ داخل کرنا جائز ہوگا جیسے یا
امیر المومنیناہ وغیرہ واللہ اعلم ۱۲

۱۵۲ قولہ خلافاً لیونس الخ یونس
نحوی اس میں اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ صفت کے آخر میں علامت مندوب کا
الحاق جائز ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ
صفت کا اتصال موصوف کے ساتھ اگرچہ
مضاف الیہ اور مضاف کے اتصال سے کم
ہے لیکن موصوف وصفت کا اتصال اس
اعتبار سے اتم اور اکمل ہے کہ دونوں معنی کے
اعتبار سے متحد بالذات ہیں اس لئے کہ طویل
زید ہے کوئی دوسرا نہیں بخلاف مضاف و
مضاف الیہ کے کہ دونوں آپس میں بالذات
متغایر ہیں یعنی مضاف کچھ اور ہوتا ہے اور
مضاف الیہ کچھ اور نیز دونوں ایک دوسرے
پر صادق نہیں آسکتے جیسے غلام رجل کہ اس میں
غلام اور رجل دونوں جدا جدا چیزیں ہیں متحد
بالذات نہیں حاصل یہ ہوا کہ جب علامت ندبہ
کا الحاق مضاف الیہ کے آخر میں مضاف و
مضاف الیہ کے تغایر کے باوجود جائز ہے
تو اس کا الحاق صفت کے آخر میں جو کہ عین
موصوف ہے بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا اب رہی
یہ بات کہ موصوف وصفۃ کا اتصال انقص
کیوں ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف
اپنی صفت کے بغیر بھی تمام ہوتا ہے لہذا
صفت کی ضرورت کم پیش آتی ہے تخصیص
یا توضیح کے لئے اس کو لے آتے ہیں ایسے ہی
صفۃ اپنے موصوف کے قائم مقام نہیں بن سکتی
بخلاف مضاف الیہ کے کہ وہ مضاف کے قائم
مقام بن سکتا ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۵۳ قولہ وحکی یونس الخ یہ یونس کا
اپنے دعوی پر دوسرا استدلال ہے کہ ایک
اعرابی (دیہاتی) کے دو پیالے گم ہوگئے
تھے تو اس نے واجمجمتی الشامیتیناہ
کہا جمجمہ لکڑی کے پیالے کو کہتے ہیں ترجمہ

الشَّامِيَّتَيْنَاهُ والجمجمة القدح وَيَجُوْزُ لقيام قرينةٍ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ اِلَّا اذا كان مقارنا مَعَ اسْمِ الْجِنْسِ ويعنى به ماكان نكرةً قبل النداء سواء تعرف بالنداء كيا رجل اولم يتعرف مثل يا رجلا لان ندائه لم يكثر كَثْرَةَ نداء العلم فلو حُذفَ منه حرفُ النداء لم يسبق الذهن الى انه منادى وَالْاِشَارَةِ اى والا مع اسم الاشارة لانه كاسم الجنس فى الابهام وَالْمُسْتَغَاثِ وَالْمَنْدُوْبِ لان المطلوب فيهما مدُّ الصوت وتطويلُ

جیموں کے پیش سے پہلی میم ساکن اور دوسری مفتوح اس کا تثنیہ الجمجمتین اور آخر میں یائے متکلم ہے الجمجمتین کا نون اضافت سے گر گیا پھر پہلی یا کو دوسری میں مدغم کیا تو جُمجُمَتَیّ موصوف ہوا اور الشامیتیناہ میں الف ندبہ کا ہے اور الشامیتین صفت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفت پر الف ندبہ داخل ہو سکتا ہے حالانکہ جمہور کے خلاف ہے یونس کے دونوں استدلالوں کا جواب یہ ہے کہ صفت و موصوف کا اتصال اس لئے مضاف و مضاف الیہ کے اتصال سے انقص ہے کہ صفت موصوف کی جگہ کھڑی نہیں ہو سکتی مضاف الیہ مضاف کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے اور واجمجمتی الشامیتینا؟ اعرابی کا قول شاذ اور غیر فصیح ہے) اور الجمجمۃ پیالہ ہے ((اور جائز ہے)) قیام قرینہ کے وقت ((حرف نداء کا حذف کرنا مگر)) جب حرفِ نداء (خصوصاً یا) مقرون ہو ((اسم جنس کے ساتھ)) اور اسم جنس سے مصنف کی مراد وہ ہے جو کہ ندا سے پیشتر نکرہ ہو خواہ ندا سے معرفہ ہو جائے جیسے یا رجل (کہ رجل مقصود بالنداء ہونے کی وجہ سے حرف ندا کے داخل ہونے سے معرفہ ہوا اس لئے منادی مفرد معرفہ ہونے کی بنا پر مبنی بر ضم ہے) یا (حرف ندا کے داخل ہونے کے باوجود) معرفہ نہ ہو جیسے (نکرہ غیر معین) یا رجلا (یہ منادی مفرد نکرہ غیر معین ہے اسی طرح نکرہ کی طرف مضاف جیسے یا غلام رجل یا مشابہ مضاف جیسے یا طالعا جبلا) کیونکہ اسم جنس (نکرہ) کی نداء علم کی نداء کی طرح زیادہ نہیں ہے تو اگر اس (اسم جنس نکرہ مثلا یا رجل یا نکرہ غیر معین یا رجلا) سے حرف نداء کو حذف کر دیا جائے تو (سامع کا) ذہن اس بات کی طرف متوجہ نہ ہوگا کہ وہ (اسم جنس کہ جس سے حرف نداء کو حذف کر دیا گیا) منادی ہے ((اور اشارہ کے ساتھ)) یعنی مگر (حرف نداء کا اس وقت حذف کرنا جائز نہیں جبکہ وہ) اسم اشارہ کے ساتھ (مقرون ہو) کیونکہ اسم اشارہ ابہام میں اسم جنس کی طرح ہے ((اور مستغاث اور مندوب کے ساتھ)) کیونکہ ان دونوں میں مطلوب آواز اور کلام کا لمبا کرنا ہے (کیونکہ ان میں مستغیث جب اپنی آواز کو لمبا کرے گا) تو مستغاث کو پتہ چلے گا کہ اسے استغاثہ کی بہت ضرورت

یہ ہوا ہائے میرے شامی دو پیالے شامی یعنی شام کے بنے ہوئے پس معلوم ہوا کہ علامت ندبہ کا الحاق صفت کے ساتھ جائز ہے اس کا جواب جمہور یعنی مخالفین یونس کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ اعرابی کا یہ قول شاذ اور غیر فصیح ہے لہذا قابل استدلال اور لائق اعتناء نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۴ قولہ ویجوز الخ یعنی قیام قرینہ کے وقت حرف ندا کا حذف کرنا منادیٰ سے جائز ہے لیکن یہ حذف صرف یا کے ہی ساتھ خاص ہے کیونکہ یہی زیادہ مشہور اور کثیر الاستعمال ہے کہ قریب اور بعید و متوسط سب میں استعمال کی جاتی ہے بخلاف غیر یا کے کہ چونکہ ان کا استعمال خاص ہے لہذا ان کا حذف جائز نہ ہوگا مگر حذف یا بھی اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ یا اسم جنس۔ اسم اشارہ۔ مستغاث اور مندوب سے مقارن نہ ہو اگر ان میں سے کسی ایک سے بھی مقارن ہو گی تو یا کا حذف جائز نہ ہوگا اسم جنس سے مراد یہ ہے کہ وہ قبل الندا نکرہ ہو عام ازیں کہ ندا کے بعد معرفہ ہو گیا ہو جیسے یا رجل۔ یا معرفہ نہ ہوا ہو نکرہ ہی رہا ہو جیسے یا رجلا پس اس میں سے عدم حذف یا کی وجہ یہ ہے کہ اسم جنس کی ندا معرفہ یعنی علم کی ندا کی طرح کثیر الاستعمال نہیں پس اگر اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیا جائے گا تو سامع کا ذہن اس کے منادی ہونے کی طرف سبقت نہیں کریگا اور جب سامع کا ذہن سبقت نہیں کریگا تو ندا کا مقصود یعنی منادیٰ کا منادے کی طرف متوجہ ہونا حاصل نہیں ہوگا۔ لہذا اس سے حرف ندا کو حذف نہیں کریں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۵ قولہ والاشارۃ الخ ایسے ہی جب منادی اسم اشارہ ہو تو اس سے بھی حرف ندا کا حذف جائز نہ ہوگا اس لئے کہ یہ بھی ابہام میں اسم جنس کی طرح ہے یعنی جس طرح اسم جنس مثلاً رجل ہر مرد پر صادق آتا ہے کسی شخص کی تعیین نہیں ہوتی اسی طرح حذف ندا کے ساتھ مطلق ندا کہنے سے کسی شخص کی تعیین نہیں ہوگی لہذا یا ندا کہنا ضروری ہے تاکہ مشار الیہ متعین ہو جائے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۶ قولہ والمستغاث الخ علی ہذا القیاس مستغاث اور مندوب سے بھی حذف حرف ندا نا جائز ہے اس لئے کہ ان دونوں

الکلام والحذف ینافیہ فبقی[۱۵۷] علی ھذا من المعارف التی یجوز فیھا حذف حرفِ النداء العلم سواء کان مع بدلٍ عن حرف النداء کلفظۃِ اللہ فانہ لا یحذف منہ الا مع ابدال المیم المشددۃِ منہ نحو اللھم او بغیر بدل نحو یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا ای یا یوسف وَ لفظۃ ایٍّ[۱۵۸] اذا وُصف بذی اللام نحو اَیُّھَا الرَّجُلُ ای یا ایھا الرجل اَوْ اَیُّھٰذَا الرَّجُلُ ای یا ایھذا الرجلُ فلا یجوز

ہے تو وہ جلدی پہنچیگا اور اس کی مدد کرے گا) اور (حرف نداء یا ندبہ کا) حذف کرنا مد صوت کے منافی (مخالف) ہے پس (حرف ندا کے حذف سے اسم جنس، اشارہ، مستغاث اور مندوب کے خارج ہوئے بعد) اس پر (جو کہ مستثنیٰ کیا گیا) ان معارف میں سے کہ جن میں حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے علم باقی رہ جاتا ہے خواہ حذف یاء (علم سے) حرف نداء سے بدل کے ہمراہ ہو جیسا کہ لفظ "اللہ" ہے کہ اس سے حرف نداء حذف نہیں کیا جاتا مگر (اس کے آخر میں) میم مشدد کو حرف نداء (محذوف) سے بدل کرنے کے ساتھ جیسے اللھم (کہ اس کی اصل یا اللہ ہے پھر یا کو اول سے حذف کر کے اس کے عوض آخر میں میم مشدد لائی گئی اور شروع میں نہ لانا اسم مقدس کی تعظیم کی وجہ سے ہے) یا بدل کے بغیر (حرف نداء کو علم سے حذف کیا جائے گا) (جیسے یوسف اعرض عن ہذا) یعنی یوسف (چونکہ یہ مقامِ ندا ہے اس لئے اس قرینے سے حرف یاء کو اختصاراً حذف کر دیا گیا) داور (ان معارف میں سے کہ جن میں حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے) لفظ ایٌّ (اور ایۃ) ہے (لیکن مطلقاً نہیں بلکہ اس وقت کہ) جب ذی لام (اسم) کے ساتھ اس کی وصف لائی جائے جیسے (ایھا الرجل) یعنی یا ایھا الرجل (یا)، اس (اسم) کے ساتھ (اس کی صفت لائی جائے) جو ذی لام کے ساتھ موصوف ہو جیسے (ایہذا الرجل) یعنی یا ایہذا الرجل پس ہذا کے (اسم) ذی لام کے ساتھ متصف ہوئے

میں مطلوب درازی صوت اور تطویل کلام ہوتی ہے اور حذف ان دونوں کے منافی ہے لہذا ان کے شروع سے بھی حرف ندا کو حذف نہیں کریں گے تاکہ مقصود اصلی فوت نہ ہو جائے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۷ قولہ فبقی الخ پس جب حذف حرف ندا سے اسم جنس، اشارہ، مستغاث اور مندوب خارج ہو گئے تو اب ان معرفوں میں سے کہ جن میں حذف حرف ندا جائز ہے گنے چنے چند باقی رہ گئے جن میں سے ایک علم ہے (دوسرے آگے آتے ہیں) پھر علم میں تعمیم ہے عام ازیں کہ حذف حرف ندا کے بدلہ میں علم پر کچھ داخل کیا گیا ہو یا نہ پس بدلہ کی مثال یہ ہے جیسے اللّٰھمّ اس لئے کہ لفظ اللہ سے جب حرف ندا کو حذف کیا جاتا ہے تو اس کے بدلہ میں میم مشدد لانا ضروری ہوتا ہے ورنہ حذف جائز نہیں ہوتا اور حذف حرف ندا بغیر بدل کی مثال یہ ہے جیسے قول باری تعالےٰ یُوسُفُ اَعْرِضْ عن ہذا ای یا یوسُفُ اس پر یہ قرینہ دلالت کر رہا ہے کہ یہ مقام مقام خطاب ہے۔ (فائدہ) اس تعمیم کی ضرورت کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ لفظ اللہ سے بھی حذف حرف ندا نا جائز ہے اس لئے کہ یہ حذف اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا عوض میم مشدد نہ لایا جائے لہذا مصنف کی عبارت قاصر اور غیر تام ہے مصنف کو مستثنیات میں لفظ اللہ کو بھی شامل کرنا چاہیئے تھا جواب ظاہر ہے کہ حذف کسی صورت سے ہے تو سہی خواہ عوض کے ساتھ ہو یا بغیر عوض کے لہذا اس کے استثناء کی ضرورت نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۸ قولہ ولفظۃ ای الخ دوسرا لفظ ای ہے کہ جس سے حذف حرف ندا جائز ہے ایّ معرفہ اس وجہ سے ہوگا کہ معرف باللام کی صفت واقع ہو رہا ہے پس جب اس کی صفت معرف باللام یا ایسے لفظ کی ساتھ لائی جائے جو معرف باللام کا موصوف ہے یعنی معرف باللام اس کی صفت ہے تو حذف حرف ندا جائز ہوگا جیسے ایہا الرجل کہ اس کی اصل یا ایہا الرجل تھی اس میں ای کی صفت معرف باللام لائی گئی ہے اس لئے حرف ندا حذف کر دیا گیا اور جیسے ایہذا الرجل کہ یہ بھی اصل میں یا ایہذا الرجل تھا اس میں ای ایسے لفظ کے ساتھ متصف ہے کہ جس کی صفت معرف باللام لائی گئی ہے یعنی لفظ ہذا موصوف ہے اور اس کی صفت معرف باللام الرجل ہے اور ایٌّ ہذا الرجل کا موصوف واقع ہو رہا ہے پس جب تک ہذا کو معرف باللام کے ساتھ متصف نہیں کیا جائیگا اس وقت تک ایہذا سے حرف ندا کا حذف جائز نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہذا اسم اشارہ ہے اور اسم اشارہ سے حرف ندا کا حذف جائز نہیں جب تک کہ مشارٌ الیہ متعین نہ ہو جائے تب یہ معرفہ ہوگا ورنہ تعیین مشارٌ الیہ کے بغیر نکرہ ہی رہے گا۔ یہی حال ایٌّ کا بھی ہے کہ جب اس کی صفت معرفہ لائی جاتی ہے تو یہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے پس ان دونوں کی تعریف کے لئے ضروری ہے کہ معرف باللام کو ذکر کیا جائے جبکہ حرف ندا کے حذف کا ارادہ کیا جائے واللہ اعلم ۱۲

الحذف من ایهذا من غیر ان یتّصف هذا ابذی اللام والمضاف^۱۵۹ الی ای معرفة کانت نحو غلامَ زیدًا افعل کذا والموصولاتِ نحو من لایزال محسنا احسن الیّ واما المضمرات فشذّ نداؤها نحو یا انت و یا ایاک وشذّ^۱۶۰ حذف حرفِ النداء من اسم الجنس فی اَصْبِحْ لَیْلُ ای صِرصبحا یا لیلُ حُذِفَ حرفِ النداء من اللیلِ مع انه اسم جنسٍ شذوذًا قالته امرأة امرئ القیسِ حین کرهته وَ

بغیر ایہذا سے (حرف نداء کا) حذف کرنا جائز نہیں ہے اور (ان معارف میں سے کہ جن میں سے اور (ان معارف میں سے کہ جن میں سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے وہ اسم بھی ہے) جو (اسمائے معارف میں سے) کسی معرفہ کی طرف مضاف ہو جیسے غلام زیدا فعل کذا اور موصولات (بھی ان معارف میں سے ہیں جن سے حرف ندا کا حذف جائز ہے) جیسے من لایزال محسنا احسن الیَّ (اس میں حذف حرف ندا کا قرینہ دعا ہے کہ دعا سابقیت ندا کی مقتضی ہے) اور رہے مضمرات تو (وہ اگرچہ معرفہ بلکہ اعرف المعارف ہیں لیکن) ان کی نداء شاذ ہے (لہذا ان سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں) جیسے یا انت اور یا ایانا ((اور شاذ ہے)) حذف کرنا حرف ندا کا اسم جنس سے ((اصبح لیلٌ)) میں یعنی صر صبحا یا لیل (اے رات صبح ہو جا) باوجودیکہ لیل اسم جنس ہے لیل سے حرف ندا شذوذ کے طور پر حذف کیا گیا اس (لفظ) کو امرئ القیس کی بیوی نے کہا جبکہ (اس عورت نے شب زفاف) اسے ناپسند کیا (کیونکہ امرئ القیس کو ایام طفولیت میں کتیا کا دودھ پلایا گیا تھا اس لئے جب لے پسینہ

۱۵۹ قولہ والمضاف الخ تیسرا معرفہ کہ جس کے شروع سے حذف حرف ندا جائز ہے ہر وہ نکرہ مضاف ہے جو کسی معرفہ کی طرف مضاف ہو کیونکہ اس صورت میں نکرہ معرفہ ہو جائے گا لہذا اس کا بھی حسب سابق حکم ہوگا۔ جیسے غلام زیدان فعَلُ ای یا غلام زیدان فعل کہ یہاں اَفعل قرینۂ خطاب موجود ہے لہذا اس سے بھی حرف ندا حذف کر دیا گیا اور موصولات سے بھی یہ حذف جائز ہے جیسے مَن لایزال محسنًا احسن الیَّ ای یا من لایزال الخ یعنی وہ شخص جو ہمیشہ احسان کرتا ہے مجھ پر بھی احسان کر اس پر بھی قرینہ اَحسِنُ فعل امر حاضر یعنی خطاب ہے دوسرے لفظوں میں اس کو یوں کہہ لیجئے کہ اگر اس جگہ حرف ندا محذوف نہیں مانیں گے من لایزال محسنًا کو مبتدا اور احسن الیّ کو اس کی خبر قرار دیں گے اور یہ درست نہیں اسلئے کہ خبر انشاء ہے اور انشاء کو بلا تاویل خبر بنانا درست نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ من سے پیشتر حرف ندا محذوف ہے یہی توجیہ یوسف اعرض عن هذا اور غلام زیدان فعَلُ میں بھی چل سکتی ہے اب سوال پیدا ہوا کہ جب موصولات معرفہ ہونے کے باعث اس حکم میں داخل ہیں تو مضمرات بھی تو معرفہ ہیں پس ان سے پیشتر بھی حرف ندا کو حذف کرنا چاہیے تو شارح نے واما المضمرات الخ سے جواب دیا کہ مضمرات کی ندا بہت کم ہوتی ہے اس لئے ان سے حرف ندا کو حذف نہیں کریں گے پس جب اس کی ندا ہی شاذ ہے تو حرف ندا کا حذف ہی کیسے جائز ہوگا جیسے یا انت اور یا ایاک یہ اسی حال پر رہیں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۶۰ قولہ وشذ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ مصنف کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسم جنس سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں اور کلام عرب میں اس کے خلاف پایا جاتا ہے (جیسا کہ امثلۂ آئندہ میں اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا ہے) پس مصنف کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ مصنف نے جواب دیا کہ اسم جنس سے حرف ندا کا حذف کرنا شاذ ہے اور شاذ کالمعدوم ہوتا ہے لہذا یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں اس کی چند مثالیں ہیں جہاں اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا ہے مثلاً اصبح لیلُ اصل میں اصبح یا لیلُ تھا یعنی اے رات تو صبح ہو جا پس اس جگہ لیل سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا باوجود اس بات کے کہ یہ اسم جنس ہے پس یہ حذف بطور شذوذ کے ہے قیاس کے مطابق نہیں لہذا قابل اعتراض نہیں یہ جملہ امرأ القیس کی بیوی نے اس کی بعض ناشائستہ حرکات سے متنفر ہو کر کہا تھا اس کے متعلق واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ امرأ القیس نے کسی عرب دوشیزہ سے اپنے آپ کو عرب ظاہر کرتے ہوئے شادی کر لی جب زفاف کا وقت آیا تو اس نے اپنی بیوی سے چراغ بجھانے کے متعلق اطفی السراج کے بجائے اقتلی السراج کہہ دیا اس پر اس نے امرأ القیس کو عجمی سمجھتے ہوئے اصبح لیل۔ اصبح لیل کہنا شروع کر دیا مگر یہ واقعہ غلط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ایک شخص جو کہ اشعر الشعراء اور ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا ہو اور فصاحت وبلاغت میں جس کو افصح العرب تسلیم کیا جا چکا ہو اس سے یہ امید نہیں کہ وہ اس قسم کی غلطی کا ارتکاب کریگا اور اس کی اہلیہ یہ سن کر تمام رات روئی اور اصبح لیل کہتی رہے گی بلکہ اس کا باعث یہ ہے کہ اس کی زوجہ اس کی صحبت سے متنفر ہو گئی تھی اور

فی افتدِ^(۱۶۱) مخنوقُ ای یا مخنوق قاله شخصٌ وقع فی اللیل علیٰ نائمٍ مُستلقٍ فخنقه وقال افتد مخنوقُ حُذِفَ حرفُ النداء عن المخنوقِ مع انه اسم جنسٍ شذوذًا وَفی اَطرِقْ کَرَا^(۱۶۲) ای یا کروانُ وفیه شذوذان حذْفُ حرفِ النداء من اسم الجنس وترخیمُ غیرِ العلم قیل هی رُقْیَةٌ یُصیدون بها الکروانَ یقولون اَطرِق کرا اَطرِق کرا انّ النَّعامَةَ فی القُریٰ فیسکُنُ ویُطرِقُ حتی یصادُ والمعنی ان النعامة الذی هو اکبرُ منك قد اُصطِیدَ وحُمِلَ الی القری فلا تتخلّی ایضًا

وَقَدْ^(۱۶۳) یُحذَفُ المُنَادیٰ لِقِیَامِ قَرِیْنَةٍ جَوَازًا مِثْلُ اَلَا یَا اسْجُدُوا

آتا تو وہاں سے کتے کی بو آتی تھی پھر جب صبح ہوئی تو اس نے اس سے طلاق لے لی ((اور افتد مخنوق)) میں یعنی یا مخنوق اس (لفظ یا کلام) کو ایک شخص نے کہا جو رات کو ایک چت لیٹے سوئے ہوئے (سلیک بن سلکہ نامی) شخص پر گرا تو اس کا گلا گھونٹ دینا چاہا اور (ساتھ یہ بھی) کہا "افتد مخنوق" (اے گلا گھونٹے ہوئے یعنی سلیک بن سلکہ جان کشی کا فدیہ دو) مخنوق سے باوجودیکہ وہ اسم جنس ہے شذوذ کے طور پر حرفِ ندا کو حذف کیا گیا ((اور اطرق کرا)) میں یعنی یا کروان (اطرق اطراق سے ہے جس کے معنے ہیں خاموشی کے ساتھ آنکھیں بند کرکے سر جھکا دینا اور کروان ایک پرندہ ہے جس کی گردن، چونچ اور پاؤں لمبے ہوتے ہیں) اور اس (اطراق کرا) میں دو شذوذ ہیں (ایک تو) اسم جنس (کرا) سے حرفِ ندا کا حذف ہے اور (دوسرا) غیر مسلم کی ترخیم (اور اسے ایک مستقل اسم قرار دیکر اس پر اعراب جاری کرنا) ہے (کیونکہ غیر مسلم کی ترخیم میں شرط یہ تھی کہ اس کے آخر میں تائے تانیث متحرکہ ہو) اور کہا گیا ہے کہ یہ اطرق کرا کی عبارت ایک (طرح کا) منتر ہے جس کے ذریعے (شکاری لوگ) کروان (پرندے) کا شکار کرتے ہیں اور (اس شکار کے وقت) کہتے ہیں (ترجمہ) اے کرا گردن خم کر لے کرا گردن خم کر بے شک نعامہ (ایک پرندہ ہے جسے شتر مرغ کہتے ہیں اور اسم جنس بھی) بستیوں میں (گرفتار کرکے پہنچایا جا چکا ہے (پس جب اتنا بڑا پرندہ پکڑا گیا تو تو کس طرح بھاگ سکتا ہے) پس وہ (اپنی کمال حماقت کی وجہ سے اس سے گھبرا جاتا ہے اور بھاگنے یا اڑنے سے) ٹھیر جاتا ہے اور گردن جھکا لیتا ہے (پس اس پر جال یا کپڑا وغیرہ ڈالا جاتا ہے) یہاں تک کہ وہ شکار کر لیا جاتا ہے (اب یہ کلام اس شخص کے لئے ضرب المثل بن گئی ہے جو تکبر کرتا ہو جبکہ اس سے بڑے تواضع کرتے ہوں) اور (اس کلام کا) معنی یہ ہے کہ نعامہ جو کہ تجھ سے بڑا ہے وہ شکار کرکے بستی کی طرف اٹھا کر لے جایا گیا ہے پس تو بھی (ہم سے) نہیں بھاگ سکے گا ((اور کبھی قیام قرینہ کے وقت منادی

سبب اس تنفر کا امرأ القیس کی بعض نا زیبا و نامناسب عادات تھیں نہ کہ اس کا عجمی ہونا اس جگہ شارح نے اصبح لیل کی شرح ای صر صبحًا سے کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اصبح

صار کے معنے میں ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۶۱ قولہ افتد مخنوق الخ افتد مخنوق اصل میں افتد یا مخنوق تھا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ سلیک بن سلکہ چت لیٹا ہوا سو رہا تھا ایک شخص سارق اس کے پاس سے گذرا اور اس کا گلا گھونٹ کر کہنے لگا افتد مخنوق یعنی اے مخنوق (گلا گھونٹے ہوئے) فدیہ دے تاکہ میں تجھ کو چھوڑ دوں پس اس میں مخنوق سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا باوجودیکہ وہ اسم جنس ہے پس یہ بھی بطور شذوذ کے ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۶۲ قولہ اطرق کرا الخ اطرق کرا اصل میں اَطرِق یا کروان تھا اس میں بجائے ایک کے دو شذوذ پائے جاتے ہیں ایک اسم جنس سے حرف ندا کا حذف ہونا دوم غیر علم کی ترخیم لہذا یہ بھی باعث اعتراض نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ منتر ہے اور اس سے کروان یعنی کلنگ کا شکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اطرق کرا اطرق کرا اِنَّ النَّعَامَةَ فِی القُریٰ ترجمہ اے کروان تو اپنے سر کو جھکا لے تحقیق شتر مرغ (کہ جو تجھ سے بڑا ہے شکار کر لیا گیا اور) گاؤں میں پہنچا دیا گیا ہے (پس تو ہی کب چھوٹ کر جا سکتا ہے کہتے ہیں کہ یہ سنکر وہ ٹھیر جاتا ہے اور گردن جھکا دیتا ہے حتی کہ شکار کر لیا جاتا ہے کروان کی جمع کروان اور کراوین آتی ہے نعامہ بفتح النون شتر مرغ کو کہتے ہیں واللہ اعلم

۱۶۳ قولہ وقد یحذف الخ کبھی منادی کو قیام قرینہ کے وقت حذف بھی کرنا جائز ہے جیسے الا یا اسجدوا۔ شارح کہتے ہیں کہ اَلَا ہمزہ مفتوحہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ حرف تنبیہ ہے اور یا حرف ندا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوگی ای اَلَا یا قوم اسجُدُوا اور قرینہ حذف منادیٰ کے اوپر یہ ہے کہ اسجُدُوا فعل پر حرف ندا داخل ہو رہا ہے اور یہ ممتنع ہے اس لئے کہ ندا حرف اسم کا خاصہ ہے اور خاصہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لئے خاصہ اس کے سوا اور میں نہ پایا جائے پس پتہ چلا کہ یا کا مدخول یعنی منادی محذوف ہے بخلاف اس کے کہ اگر اس کو بتشدید اللام

بتخفیف الالا علی انہ حرف تنبیہ ویا حرفُ النداء اے یا قوم اسجد وا والقرینة امتناعُ دخول یا علی الفعل بخلاف قراءة اَلَّا یَسْجُدُوْا بتشدید اللام لانہ لیس من ھذا الباب فان اَنْ حینئذ ناصبةٌ للمضارع ادغمت نونُھا فی لامِ لا ویسجدوا فعلُ مضارعٍ سَقَطَ نونُہ بالنصب[۱۶۴] الثَّالِثُ من تلک المواضع الاربعة التی وَجَبَ حذفُ ناصبِ المفعول بہ فیھا مَا اے مفعول اُضْمِرَ ای قُدِّرَ عَامِلُہٗ الناصب لہ شَرِیْطَةِ التَّفْسِیْرِ الشریطةُ والشرط واحد واضافتھا الی التفسیر بیانیةٌ الی ما اضمر عاملہ بناءً علی شرط ھو تفسیرہ اے تفسیر العامل بما بعدہ وانما وجب حذفُہ حینئذ احترازًا عن الجمع بین المفسِّر والمفسَّر وَھُوَ[۱۶۵] ای ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر کُلُّ اسْمٍ بَعْدَہٗ اَوْ شِبْہُہٗ

کو جوازی طور پر حذف کیا جاتا ہے جیسے الا یا اسجدوا) الا کی تخفیف کے ساتھ اس بنا پر کہ الا حرف تنبیہ ہے اور یا حرف ندا ہے یعنی یا قوم اسجدوا اور (حذف منادی کا) قرینہ (کلمہ) یا کے فعل پر داخل ہونے کا امتناع (عدم جواز) ہے (تو معلوم ہوا کہ فعل سے پیش کوئی اسم منادی محذوف ہے) قراءت اَلَّا یسجدوا (الا کی) لام تشدید کے ساتھ کے برعکس کیونکہ یہ اس (حذف منادی جوازاً کے) باب سے نہیں پس اس وقت (الا کہ دراصل ان لا تھا کا) ان مضارع کو نصب دینے والا ہوگا اس کے نون کو لا کے لام میں ادغام کیا گیا اور یسجدوا فعل مضارع ہوگا جس کا نون (ان ناصبہ للمضارع کی) نصب کی وجہ سے ساقط ہوگیا (تیسرا) مقام مقامات اربعہ میں سے کہ ان میں مفعول بہ کا حذف قیاسا واجب ہے (وہ) مفعول بہ (ہے کہ مضمر ہو) یعنی مقدر ہو (یہ تفسیر للازم ہے کہ اضمار کو تقدیر لازم ہے) (اس کا عامل) جو اس کے لئے ناصب ہے (تفسیر کی شرط بنا پر) شریطہ اور شرط ایک چیز ہے (یعنی دونوں اسم ذات ہیں صفت نہیں ہیں لیکن شریطہ کو ذبیحہ کی طرح وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کیا گیا ہے اور شرط نقل کے بغیر ہی ضرب اور قتل کی طرح اسم ہے) اور شریطہ کی اضافت تفسیر کی طرف بیانیہ ہے یعنی وہ مفعول بہ کہ جس کا عامل شرط کی بنا پر مقدر ہو وہی شرط اس کی تفسیر ہو یعنی عامل کی تفسیر ہو (یعنی عامل ناصب مفسَّر بہ فتح سین ہو) اس (مفعول بہ) کے بعد کے (فعل کے) ساتھ اور اس (مفعول بہ کے ناصب فعل) کا حذف کرنا اس وقت مفسَّر اور مفسِر کے درمیان جمع کرنے سے احتراز کی وجہ سے ہی واجب ہوا (اور وہ) یعنی ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر (ہر وہ اسم ہے کہ جس کے بعد ایک فعل یا شبہ فعل ہو) اس قید سے مصنف نے زید ابوک کے

الا یسجدوا پڑھیں تو یہ اس وقت ہماری بحث سے خارج ہوگا اس لئے کہ یہ اس باب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس وقت میں اَن مصدریہ ناصب مضارع ہوگا پھر نون کو قریب المخرج ہونے کے باعث لام سے تبدیل کرکے لام کا لام میں ادغام کر دیا گیا الّا ہو گیا اور یسجدوا فعل مضارع معروف ہوگا اور اس کا نون جمع اَن ناصبہ کے باعث حذف ہو جائے گا الّا یسجدوا ہو جائے گا واللہ اعلم ۱۲

۱۶۴ قولہ الثالث الخ جن مواضع میں سے مفعول بہ کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے ان میں سے دو کا بیان ہو چکا ہے تیسرا موضع ان مواضع میں ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر ہے ما سے مراد مفعول بہ ہے اس لئے کہ اسی کی بحث ہے اور اضمر قدر یعنی پوشیدہ کیا گیا کے معنے میں ہے۔ اور عامل سے مراد عامل ناصب یعنی وہ فعل جس کے باعث مفعول بہ کو نصب آتا ہو مطلب یہ ہے کہ تیسرا موضع وہ ہے کہ جہاں مفعول بہ کے عامل کو اس شرط پر حذف کیا گیا ہو کہ اس کے عامل کی تفسیر آگے آرہی ہے شریطہ اور شرط دونوں مترادف ہیں اور شریطہ کی اضافت تفسیر کی طرف بیانیہ ہے اور علی شریطہ میں علی بنائیہ ہے پس عبارت یوں ہوگی بناءً علے شریطةٍ ہی تفسیرہٗ ای تفسیر العامل بما بعدہ یعنی عامل کی تفسیر مابعد میں آرہی ہے پھر عامل کا حذف اس جگہ اسلئے واجب ہوگیا کہ اگر حذف نہیں کرتے ہیں تو مفسَّر اور مفسِّر دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور وہ علی الاطلاق جائز نہیں اضافة بیانیہ کا مطلب یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں معنًی متغایر نہ ہوں متحد ہوں یعنی جو مضاف ہو وہی مضاف الیہ ہو پس اس قسم کی اضافت سے مضاف کی توضیح و تشریح مطلوب ہوتی ہے واللہ اعلم

۱۶۵ قولہ وھو ای الخ ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل مذکور ہو کہ وہ اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کر دیں یعنی ضمیر اسم یا اس کے متعلق کو حذف کرکے فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کا اس

احترز به عن نحو زيدٌ ابوك ولا يريد به ان يليه الفعلُ او شبهُه متصلا به بل ان يكون الفعل او شبهُه جزء الكلام الذی بعده نحو زيدًا عمرٌو ضربه و زيدًا انت ضاربه مُشْتَغِلٌ[١٦٦] ذلك الفعل او شبهه عَنْهُ ای عن العمل فی ذلك الاسم بِضَمِيْرِهٖ ای بالعمل فی ضميره اَوْ فی مُتَعَلِّقِهٖ ای متعلق ذلك الاسم او متعلق ضميره وحاصله[١٦٧] ان يكون الفعلُ او شبهه مشتغلا بالعمل فی ضمير ذلك الاسم او متعلقه فارغا عن العمل فيه بسبب ذلك الاشتغال لا بسبب

مانند سے احتراز کیا ہے (کہ زید اسم ہے لیکن اس کے بعد کوئی فعل نہیں) اور اس سے مصنف کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ فعل یا شبہ اس اسم کے ساتھ (اس طرح) متصل ہو کر ملا ہوا ہو (کہ درمیان میں کسی چیز کا فاصلہ نہ ہو) بلکہ (مصنف کی مراد یہ ہے کہ) فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جزء ہو جو کہ اس (اسم) کے بعد ہے جیسے زیدا عمرو ضربہ (تقدیر عبارت یوں ہے عمرو ضرب زیدا عمرو ضربہ یہ فعل کی مثال ہے) اور زیدا انت ضاربہ (اس کی تقدیر یوں ہے انت ضارب زیدا انت ضاربہ یہ شبہ فعل کی مثال ہے) ((اعراض کرنے والا ہو)) وہ فعل یا شبہ فعل ((اس سے)) یعنی اس اسم میں عمل کرنے سے (اور مشغول ہو) ((اس کی ضمیر کے ساتھ)) یعنی اس کی ضمیر میں عمل کرنے کے ساتھ ((یا اس کے متعلق میں)) یعنی (وہ فعل) اس اسم کے متعلق یا اس کی ضمیر کے متعلق میں (عمل کرنے کے ساتھ مشغول ہو) اور اس (فعل کے اس اسم سے فارغ ہو کر اس کے متعلق یا اس کی ضمیر کے متعلق کے ساتھ مشغول ہونے) کا حاصل یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل (دونوں میں سے ہر واحد) اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق (یا متعلق کی ضمیر) میں عمل کرنے کے ساتھ مشغول ہو (اور) اس مشغولیت کے سبب سے نہ کہ کسی دوسرے

اسم کو معمول بنائیں تو وہ اس اسم کو نصب دے دے اس جگہ تعریف میں فعل یا شبہ فعل کہنے سے وہ اسم خارج ہو گیا کہ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل نہیں جیسے زیدٌ ابوکَ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعریف سے زیدًا عمرٌو ضربہٗ اور زیدًا انت ضاربہٗ نکل جاتے ہیں اس لئے کہ دونوں مثالوں میں زید کے بعد فعل یا شبہ فعل مذکور نہیں بلکہ اسم مذکور ہے حالانکہ یہ از قبیل ما اضمر عاملہٗ علی شریطۃ التفسیر ہے شارح اس کا جواب ولا یرید بہ الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اسم کے بعد فعل یا شبہ فعل ہونے کا مطلب یہ نہیں جو معترض نے سمجھا ہے کہ اسم کے بعد فعل یا شبہ فعل متصلاً ذکر کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جزء ہو جو اسم کے بعد مذکور ہے اور اس میں شک نہیں کہ دونوں مثالوں میں زید اسم کے بعد عمرٌو اور انت کا فعل یا شبہ فعل جزء ہے اس لئے کہ مثال اول میں عمرٌو مبتدا ہو گا اور ضربہ اس کی خبر ایسے ہی مثال ثانی میں انت مبتدا ہو گا اور ضاربہ شبہ فعل اس کی خبر اور یہ ظاہر ہے کہ مبتدا و خبر دونوں ایک دوسرے کے لئے جزء کی حیثیت رکھتے ہیں پس لامحالہ فعل اور شبہ فعل عمرٌو اور انت کے جزء واقع ہوں گے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں اور یہ دونوں مثالیں باب ما اضمر عاملہٗ میں داخل ہیں پس اول کی تقدیر عبارت تو یہ ہے ضرب زیدًا عمرٌو ضربہٗ اور ثانی کی انت ضاربٌ زیدًا انت ضاربہٗ واللہ اعلم

١٦٦ قولہ مشتغل الخ اشتغال کا صلہ جب عن آتا ہے تو اس کے معنے اعراض اور فارغ ہونے کے آتے ہیں پس یہاں بھی اُس کے معنے اعراض کے ہوں گے یعنی وہ فعل یا شبہ فعل اسم میں عمل کرنے سے اعراض کرتا ہو اس وجہ سے کہ وہ فعل یا شبہ فعل اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کر رہا ہو پھر متعلق عام ہے اسم کا متعلق ہو یا ضمیر کا مشتغل کے بعد شارح نے ذلک الفعل او شبہہ کے اضافہ سے راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت پیدا کر دی کیونکہ فعل یا شبہ فعل تثنیہ ہیں اور مشتغل واحد پس اس سے معلوم ہو گیا تو دونوں یک لخت اس کا مرجع نہیں بلکہ احد الامرین ہیں اب اعتراض وارد ہوا کہ اعراض اور فراغ عمل سے ہوا کرتا ہے نہ کہ اسم سے اور قولہ عنہ اور قولہ بضمیرہ کی ضمیر مجرور اسم کی طرف راجع ہے پس یہ غلط ہے شارح نے عنہ کے بعد ای عن العمل فی الاسم اور بضمیرہ کے بعد ای بالعمل فی ضمیرہ سے یہ جواب دیا کہ ان دونوں کا مرجع عمل ہی ہے اور اسم کو اس کا مرجع قرار دینا ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اسم ہی میں عمل کا اثر ظاہر ہوا کرتا ہے واللہ اعلم۔

١٦٧ قولہ وحاصلہ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اشتغال تین حال سے خالی نہیں یا تو اس کے معنی حقیقی مراد ہوں گے یا مجازی یا دونوں اگر حقیقی مراد ہیں تو تب اس کا صلہ بضمیرہ پر باء لانا درست ہے لیکن عن صلہ لانا درست نہیں اور اگر معنے مجازی مقصود ہیں تو عن صلہ لانا درست ہے باء درست نہیں اور اگر دونوں مراد ہیں تو حقیقۃ و مجاز کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ اشتغال سے مراد معنے حقیقی ہیں اور کلمہ عن اشتغال کا صلہ نہیں بلکہ اشتغال سے فراغت حاصل ہوتی ہے اس کا صلہ ہے پس اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہو گی مشتغل بضمیرہ حال کونہ فارغا عن العمل فی ذلک الاسم یہی حاصل شارح کی عبارت کا بھی ہے یعنی باء اشتغال کا صلہ ہو جائے گی اور عن فراغ کا پس شارح کہتے ہیں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اسم یا اس کے متعلق کی ضمیر میں عمل کرنے کے ساتھ مشغول ہو اور اس مشغولیت کی وجہ سے نہ کہ سبب آخر سے اسم میں عمل کرنے سے فارغ ہو یعنی اعراض کر رہا ہو اور عمل نہ کرتا ہو بہر حال خواہ یہ توجیہ اعتراض سے بچنے کے لئے اختیار

آخر بحیث[۱۶۸] لَوْ سُلِّطَ بمجرد رفع ذلك الاشتغال عَلَيْهِ ای علی ذلك الاسم هُوَ ای احدُ الامرین الفعلُ اوشبهه بعینه اَوْ مُنَاسِبُهٗ ای ماینا سبه بالترادف اواللزوم لَنَصَبَهٗ ای لنصب احدُ هذین الامرین الاسمَ بالمفعولية كما هو الظاهر المتبادر فبقید[۱۶۹] الاشتغال بالضمیر اومتعلقه خرج نحو زیدًا ضربتُ وبقید الفراغ عن العمل فيه بمجرد ذلك الاشتغال خرج نحوُ زیدٌ ضربتُه فان المانع عن عمل ضربتُه فی زید لیس بمجرد اشتغاله بضمیره فان عمل معنی الابتداء فيه ورفعه اياه ایضا مانعٌ عن ذلك وبقید النصب بالمفعولية

سبب سے اس اسم میں عمل کرنے سے فارغ ہو اس طرح کہ ((اگر مسلط کیا جائے)) محض اس مشغولیت کو دور کرکے ((اس پر)) یعنی اس اسم پر ((اسے)) یعنی فعل یا شبہ فعل میں سے کسی ایک کو بعینہ ((یا اس کے مناسب فعل یا شبہ فعل کو)) یعنی اس کو جو ترادف یا لزوم کے اعتبار سے اس کے مناسبت رکھتا ہو ((تو وہ اسے نصب دے دے)) یعنی ان دونوں (فعل یا شبہ فعل) میں سے کوئی ایک اس (اسم) کو مفعول ہونے کی وجہ سے نصب دیدے جیساکہ یہ (متن کی قیود سے) ظاہر متبادر ہے۔ پس اشتغال بالضمیر یا اس کے متعلق کے ساتھ (مشغول ہونے کی) قید سے زیدًا ضربت کی مانند خارج ہوگیا (کہ وہ اس باب سے ہی نہیں کہ اس کا عامل ظاہر ہے یعنی فعل مؤخر جو کہ اس کی یا اس کے متعلق کی ضمیر کے ساتھ مشغول نہیں) اور محض اس (اسم یا اس کے متعلق کی ضمیر کے ساتھ) مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم میں عمل کرنے اعراض کی قید سے زید ضربتہ کی مانند (ما اُضمر عاملہ کی تعریف سے) خارج ہوگیا (کہ ضربتہ اگرچہ زید کی ضمیر میں عمل کرنے میں مشغول ہے مگر محض اس اشتغال کی وجہ سے زید میں عمل کرنے سے اعراض نہیں کررہا بلکہ اس لئے) کہ ضربتہ کو زید میں عمل کرنے سے مانع محض اس فعل کا اس کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا نہیں کیونکہ زید میں ابتداء کے معنے کا عمل کرنا اور اسے رفع دینا بھی اس (زید میں) عمل کرنے سے مانع ہے اور مفعولیت کی بناء پر منصوب ہونے کی قید سے "زیدا

مانع ہوگئی یہ اس تعریف سے خارج ہے اور قید نصب بالمفعولیۃ سے کان کی خبر خارج ہوگئی جیسے زیدا کنتُ ایاہ میں اس لئے کہ زیدا اگرچہ اس باب میں داخل ہے اسلئے کہ اس کی تقدیر کنتُ زیدا کنت ایاہ ہے لیکن چونکہ اس کا نصب مفعولیۃ کی بنا پر نہیں بلکہ کان کی خبر ہونے کی بناء پر ہے لہذا یہ تعریف سے خارج ہے واللہ اعلم

کرلی جائے یا عن کو بلا کسی جھجک کے مشتغل کا مل قرار دیدیا جائے تو دونوں صورتوں کا مآل ایک ہی نکلے گا جیسا کہ قولہ مشتغل کے ذیل میں گذرا واللہ اعلم ۱۲

۱۶۸ قولہ بحیث الخ اس کے اضافہ سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول مصنف لو سُلِّطَ الخ جملہ شرطیہ قید احترازی ہے جیساکہ عنقریب معلوم ہوگا اور بمجرد رفع الاشتغال کے اضافہ کی وجہ شارح نے آگے چل کر خود بیان کی ہے اور ہو کے بعد احد الامرین الخ کا اضافہ اس امر کی طرف مشعر ہے کہ راجع اور مرجع میں مطابقت ہوجائے یعنی ضمیر ہو فعل اور شبہ فعل دونوں کی طرف راجع نہیں کہ عدم مطابقت کا الزام عائد ہو بلکہ دونوں میں سے ایک کی طرف راجع ہے۔ رہا بعینہ کا اضافہ تو اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا تقابل او مناسبہ سے درست ہوجائے یعنی فعل یا شبہ فعل اور مناسبہ میں مغایرت ہے اتحاد نہیں پھر مناسبہ کی تفسیر شارح نے ای ماینا سبہ الخ سے کرکے اس کی مغایرت کو واضح کردیا مثلاً مررتُ کے مغایر مترادف جاوزتُ ہے مطلب اس تمام عبارت کا یہ ہوا کہ اگر وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم پر مسلط کردیا جائے تو وہ اس اسم کو مفعولیت کی بناء پر نصب دیدے جیساکہ یہ ظاہر ہو یا ہر ہے واللہ اعلم۔

۱۶۹ قولہ فبقید الخ یہاں سے شارح علیہ الرحمۃ قیود کا فائدہ بیان فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ جب تعریف میں اشتغال بالضمیر اور متعلقہ کی قید لگائی گئی تو اس سے زیدًا ضربتُ خارج ہوگیا اسلئے کہ اس میں فعل ضمیر اسم یا اس کے متعلق کے ساتھ مشغول نہیں ہے بلکہ سرے سے ضمیر ہی موجود نہیں کہ جس کے ساتھ یہ مشغول ہوسکے اور فراغ عن العمل فیہ بمجرد ذلک الاشتغال کی قید سے زیدٌ ضربتہ خارج ہوگیا اس لئے کہ اس جگہ زید میں ضربتہ کے عمل سے محض فعل کا اشتغال ضمیر اسم کے ساتھ ہی مانع نہیں بلکہ زید میں ابتدائیت اور اس کا رفع بھی فعل کے عمل کرنے سے مانع ہے اس لئے کہ زید میں دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ مبتدا واقع ہورہا ہے اور اس وجہ سے مرفوع ہے لہذا ضربتُ فعل اس میں عمل نہیں کرسکتا دوسرے یہ کہ فعل ضمیر اسم کے ساتھ عمل میں مشغول ہے اور زید میں عمل سے فارغ ہے پس اگر زید پر فعل کو مسلط کرتے ہیں تو فعل اس کو نصب دے دیگا پس اس میں صرف اشتغال فعل بالضمیر ہی مانع نہیں رہا بلکہ زید کی ابتدائیت بھی فعل کے عمل سے اس میں

خبرُ کان فی نحو زید اکنت ایاہ وھھنا[۱۷۰] صورٌ اربعٌ احدھا اشتغالُ الفعل بالضمیر مع تقدیر تسلیطہ بعینہ والثانیۃُ اشتغالہ بالضمیر مع تقدیر تسلیط ما یناسبُ الفعلَ باللزوم والرابعۃ اشتغالُ الفعل بالمتعلق ولا یتصور حینئذ الا تقدیر تسلیطِ الفعل المناسبِ باللزوم ولھذا اورد المصؔ اربعۃ امثلۃٍ ثلثۃٌ منھا للمشتغل بالضمیر باقسامہ الثلثۃ وواحد للمشتغل بالمتعلق والاحسن[۱۷۱] فی ترتیبھا ح تاخیر مثال المشتغل بالمتعلق کما لا یخفی وجھہ

کنت ایاہ" کی مانند میں کان کی خبر بھی خارج ہو گئی (کہ اس کی نصب مفعولیت سے نہیں اور یہاں چار صورتیں ہیں ایک ان میں سے اس فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا ہے بعینہ اس فعل کے مسلط کرنے کی تقدیر کے ہمراہ اور دوسری صورت اس فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا ہے اس فعل کے ساتھ ترادف کی وجہ سے مناسبت رکھنے والے فعل کی تسلیط کی تقدیر کے ہمراہ اور تیسری صورت فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا اس فعل کو مسلط کرنے کی تقدیر کے ہمراہ جو کہ فعل (مفسر بالفتح) کے ساتھ لزوم کی وجہ سے مناسبت رکھتا ہے اور چوتھی صورت فعل کا متعلق کے ساتھ مشغول ہونا ہے اس وقت اس فعل کے جو کہ لزوم کی وجہ سے (اس فعل مفسر بالفتح کے ساتھ) مناسبت رکھتا ہے کے سوا کچھ متصور نہیں اس لیئے مصنف نے ان چاروں میں سے تین مثالیں اس اسم کی وارد کیں جو اپنے اقسام ثلاثہ (تسلیط بعینہ تسلیط بالمرادف، تسلیط باللازم) کے ساتھ مشغول ہے اور ان میں سے ایک اس کی مثال (لائے) جو متعلق کے ساتھ مشغول ہو اور اس وقت ان امثلہ اربعہ کی ترتیب میں اس فعل کی تاخیر بہتر تھی جو متعلق کے ساتھ مشغول ہو جیسا اس کی وجہ ظاہر

نمبر ۱۷۰ قولہ وھھنا الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کو اس قاعدہ کلیہ کی ایک مثال بیان کر دینا کافی تھا اس کی کیا وجہ ہے کہ متعدد امثلہ لائے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ چار صورتیں نکلتی ہیں اس لیئے جدا جدا ہر ایک کی مثال بیان کر دی تاکہ ہر ایک صورت بخوبی ذہن نشین ہو سکے اس جگہ دراصل بارہ صورتیں نکلتی ہیں اس لیئے کہ اوپر گذر چکا ہے کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر میں یہ شرط ہے کہ فعل یا شبہ فعل جو اس اسم کے بعد واقع ہے وہ اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور یہ کہ جب اس فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ فعل اس اسم کو نصب دیدے

پس اس جگہ خواہ فعل کو اس اسم پر مقدم کریں یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو تو عقلاً بارہ صورتیں نکلتی ہیں اس لیے کہ جب فعل ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کریگا تو اس صورت میں عین فعل کو مسلط کیا جائے گا یا اس کے مناسب مرادف کو یا اس کے مناسب لازم کو تو یہ تین صورتیں ہوئیں ایسے ہی جب شبہ فعل ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کریگا تو اس میں بھی یہی تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں یعنی عین شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کریں گے یا اس کے مناسب مرادف کو یا اس کے مناسب لازم کو اسی طرح جب فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے گا تو مذکورہ بالا تین صورتیں اس میں پیدا ہوں گی یعنی اس اسم پر عین فعل کو مسلط کریں گے الخ علی ہذا القیاس جب شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرے گا تو اس میں بھی تینوں صورتیں پیدا ہونگی پس یہ تمام ملا کر بارہ ہو جائیں گی لیکن ان میں سے چار صورتیں ایسی ہیں جو پائی نہیں جاتیں اس لئے کہ جب فعل یا شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے گا تو اس جگہ سوائے فعل یا شبہ فعل کے مناسب لازم کے مسلط کرنے کے اور کوئی صورت نہیں ہو گی اس لئے کہ اگر بعینہ فعل کو مسلط کرتے ہیں تو غلام زید کی ضرب سے زید کی ضرب لازم آتی ہے مثلاً ہم نے کہا زیداً ضربت غلامہ تو اس جگہ اگر ضربت فعل کو بعینہ اسم زید پر مسلط کرتے ہیں تو عبارت یوں ہو گی ضربت زیداً ضربت غلامہ اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے ضرب زید لازم آرہا ہے اور مقصود ہے غلام زید کی ضرب پس بعینہ کو اس وجہ سے مسلط نہیں کر سکتے اب رہا مناسب فعل میں مناسب مرادف تو غلام زید کا کوئی مرادف ہے نہیں جس کو اس پر مسلط کر سکیں اور اگر کر سکیں بھی تو وہی اعتراض وارد ہو گا جو بعینہ میں ہے لہذا اب ایک صورت اس کی رہ گئی یعنی اس اسم پر فعل کے مناسب لازم کو مسلط کریں گے کما سیجئی دو صورتیں اس میں سے منتفی ہو گئیں بعینہ یہی دو صورتیں شبہ فعل کی مثال میں نکلیں گی یعنی زیداً ضاربٌ غلامہ میں پس دو اس میں سے منتفی ہو جائیں گی تو بارہ میں چار خارج ہو کر آٹھ باقی رہ جائیں گی جو حسب ذیل ہیں۔ (۱) فعل ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم میں عمل نہ کرے اور بعینہ فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً ضربتہ ای ضربت زیداً ضربتہ۔ (۲) بعینہ فعل کے بجائے اس کے مناسب مرادف کو مسلط کریں جیسے زیداً مررت بہ ای جاوزت زیداً مررت بہ۔ (۳) لازم مناسب فعل کو مسلط کیا جائے جیسے زیداً ضربتہ ای اہنت زیداً ضربتہ (۴) شبہ فعل ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے اور بعینہ شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً انا ضاربہ ای انا ضاربٌ زیداً انا ضاربہ (۵) شبہ فعل مناسب مرادف

مِثْلُ زَیْدًا ضَرَبْتُہٗ[169] مثالُ الفعل المشتغل بالضمیر مع تقدیر تسلیطہ بعینہ وَزَیْدًا مَرَرْتُ بِہٖ مثال الفعل المشتغل بالضمیر مع تقدیر تسلیط ما یناسبہ بالترادف فان مررتُ بعد تعدیتیہ بالباء مرادفُ لِجَاوَزْتُ[172] وَزَیْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَہٗ مثالُ الفعل المشتغل بالمتعلق مع تقدیر تسلیط الفعلِ المناسب باللزوم وَزَیْدًا[174] حُبِسْتُ عَلَیْہِ مثالُ الفعل المشتغلِ بالضمیر

ہے ((جیسے زیدا ضربتہ)) یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہو بعینہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہو بعینہ اس فعل کی تقدیر تسلیط کے ہمراہ ((اور زیدا مررت بہ)) یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہو اس فعل کی تقدیر تسلیط کے ہمراہ جو ترادف کیوجہ سے اس (فعل مفسّر) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ مررت باء (حرف جار) کے ذریعے متعدی ہونے کے بعد جاوزت کے مترادف ہے ((اور زیدا ضربت غلامہ)) یہ اس فعل کی مثال ہے جو متعلق کے ساتھ مشغول ہو اس فعل کی تقدیر تسلیط کے ہمراہ جو لزوم کیوجہ (فعل مفسّر کے) مناسب ہے ((اور زیدا حبست علیہ)) یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہو

کو اس اسم پر مسلط کریں جیسے زیدًا انا مارٌ بہ ای اَنا مجاوزٌ زیدًا انا مارٌ بہ (۶) شبہ فعل مناسب لازم کو اس اسم پر مسلط کیا جائے جیسے زیدًا انا محبوسٌ علیہ ای انا ملابسٌ زیدًا محبوسٌ علیہ۔ (۷) فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم میں عمل کرنے سے اعراض کرے اور مناسب لازم کو اس پر مسلط کیا جائے جیسے زیدًا ضربتُ غلامہ ای اہنتُ زیدًا ضربتُ غلامہ (۸) شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم میں عمل کرنے سے فارغ ہو اور مناسب لازم کو اس پر مسلط کیا جائے جیسے زیدًا انا ضاربٌ غلامہ ای انا مہینٌ زیدًا انا ضاربٌ غلامہ ان دونوں قسموں میں سے دو دو قسمیں خارج ہو گئیں کما مر پس ان میں سے شارح نے چار کو ذکر کر دیا اس لئے کہ مصنف نے چار ہی کی امثلہ بیان کی ہیں اور بقایا آٹھ کو ذہن متعلم پر چھوڑ دیا کہ وہ استنباط کرے جن کو مفصلاً میں نے بیان کر دیا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عمل میں فعل اصل ہے اس لئے اس سے متعلقہ صورتیں بیان کر دیں اور اس سے حاصل شدہ دو کو اس لئے بیان نہیں کیا کہ ان کا ہی نہیں پس ان چار صورتوں میں ایک (۱) یہ ہے کہ فعل ضمیر اسم کے ساتھ مشغول ہو اور عمل فی الاسم سے فارغ ہو اور اسم پر بعینہ فعل کو مسلط کیا جائے (۲) فعل ضمیر کے ساتھ مشغول ہو حسب مذکور اور مناسب مرادف فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے (۳) اشتغال فعل حسب مذکور ہو اور مناسب لازم فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے یہ تینوں صورتیں بعینہ وہ ہیں جن کو میں نے نمبر (۱) و (۲) و (۵) میں بیان کیا ہے (۴) فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم سے اعراض کرے اور مناسب لازم فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے یہ بعینہ میری بیان کردہ قسم نمبر (۷) ہے اب رہا قول شارح ولا یتصور حینئذ الخ تو اس کا مطلب پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے کہ اشتغال فعل بالمتعلق میں دو صورتیں منتفی ہو جائیں گی اور ایک ہی باقی رہے گی جو بیان کی گئی اسی واسطے مصنف نے صرف چار مثالیں ذکر کیں (۶) امثلہ

بیان نہیں کیں شبہ فعل کی امثلہ کو انہیں پر قیاس کر لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۱ قولہ والاحسن الخ اس سے دراصل مصنف پر اعتراض کرنا مقصود ہے کہ جس طرح ہم نے چاروں صورتوں کو جیسا کہ ان کا مقتضی تھا ترتیب وار بیان کیا ایسے ہی مصنف کو بھی چاہیئے تھا کہ مشتغل بالمتعلق کی مثال ترتیب کی بناء پر سب سے آخر میں بیان کرتے یعنی چوتھے نمبر پر نہ یہ کہ تیسرے نمبر پر اس کو بیان کر دیا مگر اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مصنف نے فعل معروف کو اس کے اصل ہونے کی بناء پر یکجا بیان کر دیا اور فعل مجہول کو بنا بر فرعیت سب سے آخر میں لائے فتامل واللہ اعلم۔

۱۷۲ قولہ نحو زیدًا الخ مذکورہ تفصیل کے بعد اب ان امثلہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں البتہ دوسری مثال میں یہ سمجھ لیجئے کہ جب مررتُ کو باد کے ساتھ متعدی کیا جائے تو یہ جاوزت کے معنے میں ہو جاتا ہے اور جاوزت کو اگر اس اسم پر مسلط کریں گے تو یہ اسم کو نصب دیدے گا کما مر لیکن جب ہم اس جگہ بعینہ فعل مذکور کو مسلط کریں گے تو اس اسم پر نصب نہیں آئیگا اس لئے کہ فعل مذکور کو مسلط کرنے کی دو صورتیں ہیں باء کے ساتھ اس کو مسلط کریں گے یا بغیر باء کے اگر باء کے ساتھ مسلط کریں گے تو اسم پر بجائے نصب کے جر آئے گا جیسے مررتُ بزیدٍ اور اگر بغیر باء فعل کو مسلط کرتے ہیں تو فعل مذکور کو مفعول کی ضرورت نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ اس وقت لازم ہوگا متعدی نہیں واللہ اعلم

۱۷۳ قولہ وزیدًا الخ اس مثال میں فعل کا عمل غلام میں ہو رہا ہے جو کہ اسم زید کا باعتبار ملکیت کے متعلق ہے اس جگہ فعل کا مناسب لازم مسلط کیا جائیگا یعنی اہنتُ اس لئے کہ عرفاً ضرب غلام سے اہانت آقا لازم آتی ہے پھر یہاں اگر عین فعل کو مسلط کریں گے تو نصب نہیں آئے گا اس لئے کہ اگر فعل کو غلام کے ساتھ مقدم کرتے ہیں تو اسم مذکور مجرور رہے گا اور اگر بغیر ذکر غلام کے تسلط کیا جاتا ہے تو مقصود فوت ہو جائیگا اس لئے کہ اس سے مقصود غلام ہے نہ کہ اس کا آقا واللہ اعلم ۱۲

۱۷۴ قولہ وزیدًا الخ یہ مثال ظاہر ہے کہ میری اور شارح کی بیان کردہ قسم ثالث سے تعلق رکھتی

مع تقدیر تسلیطِ ما یناسبه باللزوم فان حبس الشئ علی الشئ تلزمه ملابسته للمحبوس علیه وینصب[۱۷۵] زیدا فی هذه الامثلة بفعلٍ مضمرٍ یفسّره ما بعده ای ضربتُ یعنی ان الفعل المفسَّر الناصب لزیدًا فی زیدًا ضربته ضربتُ المقدّر فان الاصل فیه ضربتُ زیدًا ضربتُه اُضمِر ضربت الاوّل لوجود مفسِّره اعنی ضربت الثانی و علی هذا القیاس جاوزتُ فانه مفسَّرٌ بما یرادفه اعنی مررت به و اَهَنتُ فانه مفسر بما یستلزمه اعنی ضربتُ غلامهٗ فان ضرب الغلام یستلزم اهانة سیده ولابستُ فانه مفسَّر بما یستلزم اعنی حُبِستُ علیه ثم[۱۷۶] ان الاسم الواقع فی مظان الاضمار

اس فعل کی تقدیر تسلیط کے ساتھ جو فعل مفسَّر کے ساتھ لزوم کی وجہ سے مناسبت رکھتا ہے اس لئے کہ (جہاں) ایک شئ کا حبس (روک دیا جانا) دوسری شئ کے لئے (ہو وہاں) اس (شئ اول) کا محبوس علیہ سے تعلق لازمی طور پر ہوتا ہے (یہاں علی لام کے معنی میں ہے یعنی محبوس علی الشئ بمعنی محبوس لہ ہے) (اور منصوب ہوگا) زید ان مثالوں میں (فعل مقدر کی وجہ سے کہ اس کا مابعد یعنی ضربت اس کی تفسیر کر رہا ہے) یعنی فعل مفسَّر (بفتح سین) جو کہ زیدا ضربتہ میں زیدا کے لئے ناصب ہے وہ ضربت مقدر ہے کیونکہ اس میں اصل ضربت زیدا ضربتہ ہے ضربت اول کو وجود مفسِّر (بکسر سین) یعنی ضربت ثانی کے موجود ہونے کی وجہ سے مقدر کیا گیا (اور) اسی قیاس پر (جاوزت ہے) کہ وہ اس فعل سے مفسَّر (بہ فتح سین) ہے جو اس سے مترادف ہے یعنی مررت بہ (اور اھنت) کہ یہ اس فعل سے مفسَّر (بہ فتح سین) ہے جو اس (اہانت) کو لازم ہے یعنی ضربت غلامہ کیونکہ غلام کو مارنا اس کے آقا کی اہانت کو مستلزم ہے (اور لابست) کہ یہ مفسَّر ہے (بفتح سین) ایسے فعل سے جو اس کو لازم ہے یعنی حُبِستُ علیہ پھر جو اسم کہ اضمار علی شریطۃ التفسیر کے موضع گمان میں واقع ہو (بادی النظر میں اس کے اضمار علی شریطۃ التفسیر سے ہونے کا گمان ہوتا ہو

ہے پس اس میں مناسب باللزوم کی تسلیط کی یہ وجہ ہے کہ کسی شئے کو کسی شئے کے باعث محبوس کرنا اس چیز کو مستلزم ہے کہ وہ شئے لازمی طور پر محبوس علیہ سے ملابس اور متعلق ہے یعنی کوئی شخص کسی کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوا کرتا جب تک کہ مجرم اور اس شخص میں رفاقت یا اور کسی قسم کی ملابست اور علاقہ وتعلق نہ ہو پس جلستُ کو لابست مستلزم ہے۔ لہٰذا جلست کے بجائے لابستُ کو نعل پر مسلط کریں گے پھر یہاں بھی عین فعل کی تسلیط سے اسم کو نصب نہیں آسکتا اس لئے کہ اگر اس کو علےٰ کے ساتھ مسلط کریں گے تو اسم مجرور ہوگا اور بغیر علیٰ مسلط کرتے ہیں تو مفعول نہ ہوگا اس لئے کہ جلستُ کی ضمیر اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۷۵ قولہ وینصب الخ ینصب کا نائب فاعل ضمیر ہو ہے جو زید کی طرف راجع ہے اس لئے شارح نے زیداً فی ہذہ الامثلۃ سے اس طرف اشارہ کردیا یعنی ان تمام مثالوں میں زید کو اس فعل مقدر کی وجہ سے نصب دیا جائے گا کہ جس کی تفسیر زید کا مابعد یعنی فعل کررہا ہے یعنی مثال اول میں ضربت کی وجہ سے زیداً منصوب ہوگا اس لئے کہ زیداً ضربتہٗ میں اس فعل مقدر کی تفسیر ضربتہٗ کررہا ہے۔ اس لئے کہ اس کی اصل ضربتُ زیداً ضربتہٗ تھی ضربت اول کو پوشیدہ کردیا گیا کیونکہ اس کا مفسر اور اس پر دال موجود ہے یعنی ضربتُ ثانی علی ہذا القیاس جاوزتُ اپنے مرادف یعنی مررتُ بہ کے اس کی تفسیر کرنے سے پوشیدہ کردیا گیا اسی طرح آہنتُ مثال ثالث میں مقدر ہے اسلئے کہ یہ اس کا مفسر واقع ہورہا ہے کہ جو تفسیر کو مستلزم ہے یعنی زیداً ضربتُ غلامہٗ میں ضرب غلام تفسیر ہے اور اس کو مستلزم اہانت زید ہے اس لئے کہ ضرب غلام سے اس کے آقا کی توہین لازم آتی ہے پس زیداً آہنتُ کی وجہ سے منصوب ہوگا اور اسی پر لابستُ کو بھی قیاس کرلیا جائے اسلئے کہ یہ جلستُ علیہ مفسَّر کا مفسِّر واقع ہورہا ہے یعنی اس کی تفسیر جلستُ علیہ کررہا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۱۷۶ قولہ ثم ان الاسم الخ اس عبارت کو قول مصنف ؒ یختار الرفع الخ کے لئے تمہید بھی کہا جاسکتا ہے اور ایک سوال مقدر کا جواب بھی تمہید ہونا تو طرز کلام سے ظاہر ہے البتہ سوال کی تقریر یہ ہے کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر منصوبات سے ہے اور ہم اس میں اسی جہت سے کلام کررہے ہیں کہ مفاعیل سے ہے پس یہ کیسے صحیح ہے کہ اس میں رفع بھی واجب ہو اور اختیار رفع بھی اور دونوں امر مساوی بھی اس لئے کہ یہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے پس اس میں رفع جائز نہ ہونا چاہیئے چہ جائیکہ رفع واجب ہو شارح نے کہا کہ وجوب نصب ان مواقع میں ہے جہاں یہ بات یقینی ہو کہ اسم ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے تعلق رکھتا ہے اور یہ وجوہ جو اب بیان کی جائیں گی نہ یقینی طور پر ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے متعلق ہیں اور نہ مبتداء سے کیونکہ اگر یہ مبتداء ہوتیں تو رفع واجب ہوتا اضمار کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور اگر منصوب ہوتیں تو نصب ضروری تھا پھر رفع کا سوال عبث تھا بلکہ یہ وجوہ اضمار علی

علےٰ شریطۃ التفسیر اما المختارُ او الواجبُ فیہ الرفعُ او النصبُ او یستوی فیہ الامران والی ہذہ الصور الخمس اشار المصؔ فقال وَیُختَارُ فی الاسم المذکور الرَّفعُ بِالْاِبْتِدَاءِ ای بکونہ مبتدأ لان تجردہ عن العوامل اللفظیۃ یصح رَفعَہ بالابتداء وَیُرَجَّحُ عِندَ عَدَمِ قَرِیْنَۃِ خِلَافِہٖ ای قرینۃ ترجح خلاف الرفع یعنی النصب لان قرینتَی الصحۃِ فیہما مُتَسَاوِیَتَانِ لان وجودَ مالہ صلاحیۃُ التفسیر قرینۃٌ مُصَحِّحَۃٌ للنصب فمتی لم تُرَجِّحِ النصبَ قرینۃ اخری یُرَجَّحُ الرفعُ بسلامتہ عن الحذف نحو زیدًا ضربتہ

اگرچہ فی الواقع اضمار علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے نہ ہو کہ اس میں نصب کے سوا کوئی اعراب جائز نہیں) اس میں یا تو مختار یا واجب رفع ہے یا نصب یا اس میں دونوں امر (رفع و نصب) برابر ہیں اور انہی پانچوں صورتوں کی طرف مصنف نے اشارہ کیا پس فرمایا ((اور مختار ہے)) اسم مذکور میں ((رفع ابتداء کی وجہ سے)) یعنی اس کے مبتدا ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا اس کے رفع کو ابتداء کی وجہ سے صحیح ٹھہراتا ہے اور رفع کو ترجیح دی جائے گی ((رفع کے خلاف قرینہ کے نہونے کے وقت)) یعنی ایسا قرینہ (نہ ہو) جو رفع کے خلاف یعنی نصب کو ترجیح دے کیونکہ صحت کے دونوں قرینے رفع اور نصب میں برابر ہیں (رفع کا قرینہ تو یہ ہے کہ وہ عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور نصب کا قرینہ یہ کہ اسم کے بعد اس چیز کا وجود پایا جاتا ہے جس میں تفسیر ہونے کی صلاحیت ہے) کیونکہ (اسم مذکور کے بعد) اس چیز کا وجود کہ جسے تفسیر کی صلاحیت حاصل کو نصب کو صحیح قرار دینے والا قرینہ ہے تو جب تک کوئی دوسرا قرینہ نصب کو ترجیح نہ دے حذف سے سلامتی کی وجہ سے رفع کو ترجیح دی جائے گی (یعنی اسم مذکور کو جب مبتداء قرار دے کر رفع دیا جائیگا تو وہ حذف سے سالم رہتا ہے اور جب اسے نصب دی جائے تو حذف کا ماننا لازم آتا ہے اور حذف سے بچنا اولیٰ ہے لہذا اب رفع ہی ترجیح ہوگی) جیسے زیدا ضربتہ ((یا بہ وقت نہ پائے جانے)) ایسے قرینے

شریطۃ التفسیر کے مظان اور گمان کی جگہ میں واقع ہیں یعنی ان کے اسم پر ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کا گمان ہو سکتا ہے اس لئے ان میں علی حسب احوال المختلفہ پانچ صورتیں نکلتی ہیں رفع مختار ہو گا یا نصب۔ رفع واجب ہو گا یا نصب۔ یا دونوں امر یعنی رفع و نصب برابر ہو نگے۔ پس پہلے مصنف اختیار رفع کو بیان کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں حذف کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا پس یہ اس اعتبار سے نصب پر مقدم ہے پھر جاننا چاہیئے کہ اختیار رفع کی دو صورتیں ہیں جن میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ اسم مذکور (یعنی جو مظانِ اضمار میں واقع ہو نہ کہ حقیقۃً ما اضمر عاملہ سے تعلق رکھتا ہو) میں ابتدائیت یعنی اس اسم کے مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع مختار ہو گا جبکہ رفع کیخلاف کوئی قرینۂ مرجحہ نہ پایا جائے اس لئے کہ اس صورت میں اس اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا اس اسم کے مرفوع ہونے کو ابتدائیت کی بنا پر صحیح کردیگا اور پھر ترجیح اس طرح حاصل ہوگی کہ رفع کے خلاف نصب کا کوئی قرینہ مرجحہ نہ پایا جائے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صحت کے قرینے اس میں دونوں موجود ہیں یعنی رفع کی صحت کا بھی اور نصب کی صحت کا بھی پس یہ دونوں صحت کے اعتبار سے متساوی ہوں گے اس لئے کہ اس اسم کے بعد ایسے فعل یا شبہ فعل کا پایا جانا کہ جس میں تفسیر بننے کی صلاحیت موجود ہو وہ نصب کے لئے قرینۂ مصححہ ہے اور مبتدا ہونا رفع کے لئے قرینۂ مصححہ ہے لیکن جب کہ کسی دوسرے قرینہ سے نصب کو ترجیح حاصل نہ ہو سکے گی تو رفع کو ترجیح دی جائے گی اس لئے کہ رفع کی صورت میں حذف سے سلامتی پائی جاتی ہے یعنی کسی فعل کو حذف نہیں کرنا پڑتا بخلاف نصب کے کہ اس میں فعل مقدر ماننا پڑتا ہے پس یہ رفع کے لئے قرینۂ مرجحہ ہوگا اور زید کو مرفوع پڑھیں گے جیسے زیدٌ ضربتہٗ کہ اس میں دونوں قرینے موجود ہیں اور دونوں برابر ہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ زید سے پہلے فعل محذوف ہو جس

کی تفسیر ضربتہٗ کر رہا ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ کچھ بھی محذوف نہ ہو بلکہ زید مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہو لیکن ترجیح نصب کے لئے اس جگہ کوئی قرینہ موجود نہیں اور رفع کے لئے موجود ہے یعنی اس میں محذوف نہیں ماننا پڑتا لہذا رفع مختار ہو گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شارح نے ابتدائیت کی شرح ای بکونہ مبتدا الخ سے کیوں کی جب کہ دونوں کا حاصل ایک ہے جواب یہ ہے کہ اس سے ایک دخل مقدر کا دفعیہ مقصود ہے وہ یہ

ہے کہ جب زید میں اول مرحلہ میں ہی ابتدائیت کو عامل تسلیم کر لیا گیا تو اب اس میں رفع کے اختیار کی کوئی وجہ ہی نہیں رہتی بلکہ رفع واجب ہوگا اس لئے کہ عامل ابتداء کے وجود کے بعد رفع واجب ہو جاتا ہے شارح نے جواب دیا کہ ابتداء سے مراد اس جگہ مبتدا ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ زید میں عوامل لفظیہ سے خالی ہونے کی صحت کا احتمال موجود ہوا اور پھر ہم اس میں عامل ابتداء تسلیم کریں پس چونکہ دوسرا احتمال یعنی نصب کا بھی موجود ہے اس

اَوْ عِنْدَ وُجُوْدِ القَرِيْنَةِ المرجحةِ من الجانبين ولكن تكون القرينةُ
المرجحة للرفع اَقْوٰى مِنْهَا اى من تلك القرينة المرجحة للنصب كَامّا
الداخلة على ذلك الاسم مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ اى بشرط ان لايكون الفعل المشتغل
عنه طلبًا كالامر والنهى والدعاء نحو لقيتُ القومَ واما زيد فاكرمتُه فالعطف
على الفعلية قرينةُ النصب وكلمة اما قرينةُ الرفع وهى اقوى لانها لا يقع
بعدها غالبًا الا المبتدأ بخلاف عطف الاسمية على الفعلية فانه كثير الوقوع
فى كلامهم مع انها تأيدتْ بالسلامة عن الحذف ايضًا وانما قال مع غير
الطلب احترازًا عما اذا كانت مع الطلب نحو اما زيدًا فاضربه فان المختارَ

کے جو جانبین سے (کسی ایک کے لئے) مرجح ہو لیکن وہ قرینہ جو کہ رفع کے لئے مرجح ہے وہ (اس
سے اقوی ہو) یعنی اس قرینہ سے (اقوی ہو) جو کہ نصب کے لئے مرجح ہے (جیسے امّا ہے) جو داخل
ہو اس اسم (مذکور) پر (غیر طلب کے ہمراہ) یعنی اس شرط کے ساتھ وہ فعل جو کہ اس اسم سے اعراض
کرنے (اور اس کی یا اس کے متعلق کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہونے) والا ہے طلب نہ ہو جیسے (فعل
امر اور نہی اور دعاء ہے کہ طلب کی صورت میں نصب ہی مختار ہے) جیسے لقیت القوم واما زید
فاکرمتہ تو جملہ فعلیہ پر عطف نصب کا قرینہ ہے اور کلمۂ اما رفع کا قرینہ ہے اور وہ (نصب کے قرینہ
سے) زیادہ قوی ہے کیونکہ کلمۂ اما کے بعد غالبا مبتداء ہی واقع ہوتا ہے (کہ اما معنیٰ ابتداء کو متضمن
ہے لہذا وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کے بعد مبتداء واقع ہو) جملہ اسمیہ کے جملہ فعلیہ پر عطف
کے برعکس کیونکہ یہ عطف کلام عرب میں کثیر الوقوع ہے اس (قرینہ کے رفع کے لئے مرجح ہونے)
کے باوجود یہ (قرینہ) حذف سے سالم ہونے کے سبب سے بھی قوت پاتا ہے اور مصنف نے
"مع غیر الطلب" (کا لفظ) اس اما سے احتراز کرنے کے لئے ہی کہا ہے جبکہ وہ (اما) طلب کے
ہمراہ ہو جیسے (لقیت القوم و) اما زیدا فاضربہ کہ اس وقت نصب ہی مختار ہے کیونکہ (اس اسم

لئے اس میں اولاً ہی عامل ابتداء کو تسلیم نہیں کر
سکتے کہ رفع واجب قرار دیا جائے بلکہ احتمال
کے مرتبہ میں ہم مبتداء قرار دیئے جاسکنے کی
وجہ سے عامل ابتداء کو تسلیم کریں گے پس رفع
واجب نہ ہوگا پھر عند عدم قرینۃ خلافہ پر اعتراض
وارد ہوا کہ جب خلاف رفع کا قرینہ ہی منتفی
ہے تو رفع واجب ہونا چاہیئے نہ کہ مختار اس کا
جواب ای قرینۃ ترجح الخ سے شارح نے یہ دیا کہ
قرینہ سے مراد قرینہ مرجحہ ہے یعنی خلاف رفع
کا قرینہ تو موجود ہے لیکن نصب کے لئے کوئی
سبب ترجیح موجود نہیں جس کی بنا پر نصب کو راجح
قرار دیا جائے اس لئے رفع واجب نہیں ہو سکتا
بلکہ اس ترجیح کی بناء پر رفع مختار رہے گا۔ واللہ اعلم

۱۷ قولہ او عند الخ یہ اختیار نصب کی دوسری
صورت ہے کہ دونوں صورتیں رفع و نصب کی صحیح
بھی ہوں اور ہر ایک کے لئے قرینہ مرجحہ بھی موجود
ہو لیکن رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ
سے اقوی ہو تو رفع کو ترجیح دی جائے گی اور یہ دو
جگہ میں ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اما اسم مذکور پر داخل
ہوا ور وہ اسم ایسے فعل کے ساتھ مقارن ہو کہ اس
میں طلب کے معنے نہ پائے جائیں یعنی امر نہی دعا ء
نہ ہوں اور انشائیہ کی دوسری اقسام سے سروکار
نہیں اگرچہ ان میں بھی طلب کے معنے موجود ہوتے
ہیں اس لئے کہ استفہام وغیرہ صدر کلام کے
مقتضی ہوتے ہیں لہذا ان میں تسلیط کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا لہذا شارح کو ان کے اخراج کی ضرورت
نہیں مختصر یہ کہ جملہ انشائیہ نہ ہو جملہ خبریہ ہو
جیسے لقیت القوم واما زید فاکرمتہ کہ اس میں
جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر نصب کا قرینہ ہے
کیونکہ زید بھی قوم کا ایک فرد ہے اور قوم مفعولیت کی
بنا پر منصوب ہے اور معطوف علیہ و معطوف کا حکم
اعراب کے اعتبار سے ایک ہوتا ہے لہذا زید کو
مثال مذکور میں منصوب ہونا چاہیئے اور اکرمت
اس کا عامل ناصب مقدر ماننا چاہیے بطریق ما اضمر عاملہ
علی شریطۃ التفسیر پس اس کی تقدیر عبارت یہ
ہوگی لقیت القوم اما اکرمت زیدا اکرمتہ اور اگر
اس بات کو دیکھا جائے کہ اس پر کلمہ اما داخل ہے
تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ زید مرفوع ہو اس
لئے کہ اما کے بعد اکثر مبتداء ہی آیا کرتا ہے اور
یہ قرینہ نصب سے اقوی ہے بخلاف عطف
کے کہ وہ نصب کا اقوی قرینہ نہیں اس لئے
کہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر بھی کلام عرب
میں بکثرت پایا جاتا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ زید مبتداء واقع
ہو کر اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو اور پھر اس کا عطف
جملہ فعلیہ پر کیا جائے پھر یہ کہ رفع کی صورت
میں حذف سے بھی سلامتی حاصل ہوتی ہے اس
لئے بھی ترجیح رفع کی تائید ہوتی ہے لہذا رفع مختار
ہوگا ۱۲ م

۱۷۸ قولہ وانما قال الخ اس سے شارح مع
غیر الطلب کی قید کا فائدہ بیان فرمارہے ہیں یعنی شارح
نے یہاں غیر طلب کی قید اس وجہ سے لگائی ہے کہ اس
سے وہ اسم خارج ہو جائے جو ایسے فعل سے مقارن
ہو کہ جس میں طلب کے معنے پائے جائیں یعنی جملہ انشائیہ
خارج ہو جائے جیسے لقیت القوم واما زیدا فاضربہ
اس لئے کہ اس وقت اس میں نصب مختار ہوگا کیونکہ اگر

حینئذٍ ھو النصبُ فان الرفع یقتضی وقوعَ الطلب خبراً وھو لا یجوز الا بتاویل وَ مِثْلُ[۱۷۹] اما مع غیر الطلب اِذَا الواقعةِ علی الاسم المذکور لِلْمُفَاجَاۃِ فی کونھا من اقوی القرائن مثل خرجتُ فاذا زید یضربه عمرٌو فان المختار فیه الرفع فان اذا للمفاجاۃ لا تدخل الا علی الجملة الاسمیةِ غالباً وما[۱۸۰] وقع فی بحث الظروف من ان اذا للمفاجاۃ تلزم بعدھا الاسمیة فالمراد بلزومھا الاسمیة غلبةُ وقوعھا بعدھا فلا تناقضُ وَیُخْتَارُ[۱۸۱] النَّصْبُ فی الاسم المذکور بِالْعَطْفِ ای بسبب

کا) رفع طلب (یعنی جملۂ طلبیہ) کے خبر واقع ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور وہ (یعنی جملہ طلبیہ کا خبر ہونا کسی صورت میں) جائز نہیں مگر تاویل سے (اور اس کے باوجود جب اس کی تاویل کی جائیگی تو خبر مؤوّل ہی ہوگی اور انشاء یعنی جملہ طلبیہ اس کے لئے مقول ہوگا چنانچہ اما زید فاضربہ کی تاویل اما زید فمقول فی حقہ اضربہ سے ہوگی تو اس مقول خبر ہے تو جب اس کی نسبت دوسری آسان صورت ممکن ہے اس کی حاجت نہیں) (اور)) اما غیر طلب کے ہمراہ کی مثال ((اذا ہے)) جو کہ اسم مذکور پر واقع ہوتا ہے ((مفاجات کے لئے)) اس کے (رفع کے لئے) سب سے قوی تر قرینہ ہونے میں (ایسے ہے جیسے اما رفع کے لئے قرینہ مرجحہ ہے) جیسے خرجت فاذا زید یضربہ عمرو (زید کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا رفع بابتداء کا اور اس کے بعد وجود مالہ صلاحیۃ التفسیر نصب کا قرینہ مصححہ اور جملہ فعلیہ پر عطف قرینہ مرجحہ برائے نصب اور اذا مفاجاتیہ رفع کا قرینہ مرجحہ ہے جو سب سے قوی تر قرینہ ہے) پس اس (مثال) میں رفع مختار ہے کیونکہ اذا جو کہ مفاجات کے لئے ہے غالبا جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے اور وہ جو ظروف کی بحث میں واقع ہوا کہ یعنی یہ کہ اذا جو کہ مفاجات کے لئے ہے اس کے بعد جملہ اسمیہ لازم ہے تو (وہاں اذا کے بعد جملہ) اسمیہ کے لزوم سے مراد اذا کے بعد جملہ اسمیہ کا غالب وقوع ہے لہذا (مصنف کے دونوں قولوں میں) کوئی تناقض نہ ہوا ((اور مختار ہے نصب)) اس اسم میں جو (اضمار علی شریطۃ التفسیر کے جائے گمان میں) مذکور ہو

اسم کو مرفوع پڑھتے ہیں تو وہ طلب کو خبر بنانے کا مقتضی ہے اور طلب یعنی انشاء کو خبر بنایا نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کی تاویل نہ کر لی جائے ای اَمّا زیدٌ مقولٌ فی حقہ اضربہٗ نیز یہ کہ جملہ طلبیہ اسمیہ بھی بہت ہی کم واقع ہوتا ہے اس لئے کہ طلب کا اختصاص فعل کے ساتھ ہے پس اس ارتکاب تاویل اور اس محذور سے بچنے کے لئے نصب ہی مختار ہوگا رفع کو ترجیح نہیں دی جائے گی واللہ اعلم۔

۱۷۹ قولہ ومثل اَمّا الخ یہ قرینہ اقوی کا دوسرا موضع ہے کہ جہاں اسم مذکور کا رفع مختار ہے کہتے ہیں کہ اَمّا مع غیر الطلب کی طرح اذا بھی ہے جو اسم مذکور پر مفاجات کے لئے واقع ہو یعنی جس سے اچانک اور یکلخت کے معنے کا اظہار ہو اور یہ اَمّا کی مثل اس اعتبار سے ہے کہ دونوں رفع اسم کے لئے اقوی قرائن سے ہیں ورنہ لفظا اور معنًا ان میں کوئی مماثلت نہیں اس کی مثال جیسے خرجتُ فاذا زیدٌ یضربُہٗ عمرٌو ہے زید کے رفع کیساتھ اس لئے کہ اس میں رفع مختار ہے اس لئے کہ اذا مفاجاتیہ ہے اور یہ اکثر جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوا کرتا ہے پس اس کا جملہ اسمیہ پر داخل ہونا اس بات کا سب سے اقوی قرینہ ہے کہ اس میں رفع مختار ہے نیز یہ کہ اس میں سلامتی عن الحذف بھی ہے یہ مزید قرینہ ہوا لہذا رفع مختار قرار دیدیا جائیگا۔ اب رہی یہ بات کہ شارح نے اذا کے بعد الواقعۃ علی الاسم المذکور کا کس لئے اضافہ کیا تو یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ اختیار رفع خرجتُ فاذا السبعُ مثال سے منقوض ہے اس لئے کہ اس میں اذا مفاجاتیہ ہے اور اسم پر رفع واجب ہے مختار نہیں اور اختیار سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نصب بھی جائز ہے اور یہاں مطلقاً جائز نہیں شارح نے جواب دیا کہ اذا مفاجاتیہ سے وہ اذا مراد ہے جو اس اسم مذکور پر واقع ہو مطلقاً اذا مفاجاتیہ مراد نہیں اور یہاں ظاہر ہے کہ اس اسم مذکور کا نشان بھی نہیں چہ جائیکہ وہ موجود ہو واللہ اعلم۔

۱۸۰ قولہ وما وقع الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں جو مصنف پر وارد ہوتا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے بحث ظروف میں ذکر کیا ہے کہ اذا مفاجاتیہ کو جملہ اسمیہ مستلزم ہے یعنی اس کے بعد جملہ اسمیہ آنا ضروری ہے اور اس جگہ اس کے ذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جملہ اسمیہ اس کے لئے لازم نہیں بلکہ اکثر اور غالب کا حکم رکھتا ہے اور کبھی جملہ فعلیہ بھی آجاتا ہے پس اس عبارت اور اس عبارت میں تناقض پیدا ہوگیا اس کے دفعیہ کی کیا صورت ہے؟ شارح نے کہا کہ اذا مفاجاتیہ کے لئے جملہ اسمیہ لازم ہونے سے مراد جملہ اسمیہ کا غلبہ اور کثرت وقوع ہے اذا مفاجاتیہ کے بعد پس اب کوئی تناقض باقی نہیں رہا اس لئے کہ وہاں بھی غلبۂ اسمیہ مراد ہے اور یہاں بھی حاصل یہ ہوا کہ لزوم سے مراد لزوم استعمال ہے یعنی غلبہ اور اکثریت کو لزوم کے لفظ کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں لزوم حقیقی مراد نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۸۱ قولہ ویختار النصب الخ اختیار رفع کی صورتوں سے فارغ ہو کر اب اختیار نصب کی صورتیں بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ جس جملہ میں وہ اسم مذکور موجود ہو اور اس کا عطف جملہ فعلیہ متقدمہ پر ہو رہا

عطف جملةٍ هو فیها علیٰ جُملَةٍ فِعلِیَّةٍ متقدمةٍ لِلتَّنَاسُبِ ای لرعایة التناسب بین الجملة المعطوفة والجملة المعطوف علیها فی کونهما فعلیتین نحو خرجتُ فزیدٌ القیتُه وَبَعْدَ حَرْفِ النَّفْیِ[١٨٢] یعنی مَا وَلَا وَاِنْ ولیس ولَمْ ولَمَّا ولَنْ من هذه الجملة اذ هی عاملةٌ فی المضارع ولا یُقدر معمولُها لضعفها فی العمل نحو ما زیداً[١٨٣]

"عطف سے" یعنی ایسے جملہ کے عطف کی وجہ سے کہ جس میں وہ (اسم مذکور) ہو "جملہ فعلیہ پر" "جو متقدم ہو" "تناسب کے لئے" یعنی جملہ معطوفہ (کہ جس میں اسم مذکور واقع ہے) اور جملہ معطوف علیہا کے درمیان دونوں کے جملے فعلئے ہونے میں مناسبت کی رعایت کی وجہ سے (نصب مختار ہے) "جیسے خرجت فزید القیتہ (تقدیر عبارت یوں ہے خرجت فلقیت زید القیتہ) "اور حرف نفی کے بعد" یعنی ما اور لا اور ان (ہمزہ کی کسرہ سے کیونکہ یہ حروف اسم پر داخل ہوتے ہیں جیسے ما زید قائم لا رجل وان انتم الا بشر اور فعل پر بھی جیسے ما تضرب ولا تضرب وان تضرب بمعنی ما تضرب لیکن فعل پر بکثرت داخل ہوتے ہیں) اور لم اور لما اور لن اس جملہ (حروف نفی) سے نہیں ہیں (کہ جہاں ان کے بعد اسم مذکور کی نصب مختار ہو) کیونکہ یہ (فعل) مضارع میں عمل کرتے ہیں (جبکہ ما ولا وان ماضی میں بھی عمل کرتے ہیں مگر یہ نہیں) اور ان کا معمول (فعل مضارع) مقدر نہیں کیا جا سکتا (نہ وجوبا اور نہ جوازا) ان کے عمل میں ضعیف ہونے کی وجہ سے (جبھی تو ان کا عمل فعل مضارع میں

ہو تو اس صورت میں اسم مذکور پر نصب مختار ہے تاکہ جملہ معطوفہ اور جملہ معطوف علیہ میں فعلیہ ہونے کے اعتبار سے مناسبت پیدا ہو جائے جیسے خرجتُ فزیداً لقیتُہ کہ اس میں جملہ ثانیہ کہ جس میں اسم مذکور یعنی زیداً موجود ہے اس کا عطف جملہ فعلیہ متقدمہ یعنی خرجتُ پر ہو رہا ہے تو اس میں نصب مختار ہوگا تاکہ دونوں جملے معطوف و معطوف علیہ فعلیہ ہو جائیں اور یہی رعایت تناسب اختیار نصب کی ترجیح کی دلیل ہے اگرچہ اس میں رفع بھی جائز ہے مگر وہ تناسب فوت ہو جائیگا اس جگہ شارح نے بالعطف کی تفسیر ای لسبب الخ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بالعطف میں بار سببیہ ہے اور الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی جملہ کے پھر ہو فیہا کی قید سے شارح نے اس اسم کو خارج کر دیا جو اس جملہ میں نہ ہو اور متقدمۃ کی قید اتفاقی ہے اور لرعایۃ التناسب الخ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ للتناسب اس فعل کا مفعول لہ ہے کہ جس کے حصول کے لیے فعل مذکور کیا گیا ہے یعنی اختیار نصب اس لیے ہے کہ رعایت تناسب حاصل ہو جائے اور اس سے وہ مفعول لہ مراد نہیں کہ جس کے وجود کے سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے قعدتُ عن الحرب جبناً کہ یہاں جبن پہلے سے موجود ہے اور اس کے سبب سے فعل قعود کیا گیا ہے اور خرجتُ فزیداً لقیتہ کی اصل بنا بر نصب کے یہ ہے خرجتُ فلقیتُ زیداً لقیتُہ واللہ اعلم ۱۲

۱۸۲ قولہ وبعد حرف الخ یہ نصب کے مختار ہونے کا دوسرا موضع ہے یعنی اگر حرف نفی کے بعد اسم مذکور واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوگا اس لئے کہ حرف نفی اگرچہ اسم پر بھی داخل ہوتا ہے مگر فعل پر اس کا دخول اکثر ہوتا ہے لہذا یہاں بھی بنا بر اکثر فعل کو ہی اس کا مدخول بنا کر اسم مذکور کو منصوب پڑھیں گے نیز یہ کہ نفی حقیقۃً ہیں مضمون فعل کی ہوتی ہے پس فعل کو اس چیز کے متصل کرنا اولیٰ ہوگا جو کہ مضمون فعل کی نفی کرتی ہے یعنی فعل کو حرف نفی کے متصل کرنا بہتر ہے پھر معلوم ہونا چاہئے کہ حرف نفی سے مراد اس جگہ ما۔ لا اور ان ہیں لم و لما و لن اس جگہ مراد نہیں اس لئے کہ یہ تینوں فعل مضارع میں عمل کرتے ہیں اور ان کا معمول مقدر نہیں کیا جائیگا کیونکہ یہ عمل میں ضعیف ہیں تفصیل مقام کی یہ ہے کہ یہ تینوں حروف لم و لما و لن فعل مضارع میں لفظاً عمل کرتے ہیں پس ان کے بعد لامحالہ فعل مضارع کو ذکر کرنا پڑیگا اور یہ تقدیراً عمل کرتے نہیں کہ پھر ان کے بعد اسم مذکور اضمار علی شریطۃ التفسیر کی بنا پر منصوب ہو سکے بخلاف ما و لا و ان کے کہ یہ غیر عاملہ ہیں لہذا ان کے بعد اسم مذکور کو نصب دینے والا فعل مقدر مانا جائیگا پس ما زیداً ضربتُہ تو کہہ سکتے ہیں لم زیداً اضربہ نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اسم کے بعد فعل مضارع کو ذکر کرنا ضروری ہے حذف جائز نہیں اور ضعف فی العمل کی یہ وجہ ہے کہ یہ صرف فعل مضارع میں ہی عمل کرتے ہیں کسی دوسرے فعل یا اسم میں نہیں لہذا یہ عمل میں ضعیف ہیں پس اس ضعف کا تقاضا ہے کہ فعل مضارع کو مقدر نہ مانا جائے لہذا ما و لا اور ان کی تخصیص صحیح ہو گئی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۸۳ قولہ ما زیداً الخ یہ اسم مذکور میں اختیار نصب کی امثلہ ہیں کہ جن میں اسم مذکور حرف نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے ما کی مثال جیسے ما زیداً ضربتُہ ای ما ضربتُ زیداً۔ لا کی مثال جیسے لا زیداً ضربتُہ ولا عمراً ای لا ضربتُ زیداً لا عمراً اس جگہ تکرار لا سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لا اگر معرفہ پر داخل ہو تو تکرار لا ضروری ہوتا ہے اور ان کی مثال جیسے اِن زیداً ضربتُہ الا تادیباً ای ان ضربتُ زیداً الا تادیباً نہیں مارا میں نے زید کو مگر ادب دینے کے لیے۔ (فائدہ) جب ان کے جواب میں لا حرف

ضربته ولا زیدا ضربته ولا عمرًا وان زیدًا ضربته الا تادیبًا ۱۸۴ وَبعد حَرْفِ الْاستَفْهَامِ نحو زید اضربته وانما قال حرف الاستفهام لانه یختار الرفع فی اسم الاستفهام مثل من اکرمته ولم یقل همزۃ الاستفهام لیشمل مثل هل زیدًا ضربته فانه یجوز وان استقبحه النحاۃ لاقتضاء هل لفظ الفعل لانه

منحصر ہو کر رہ گیا ہے) جیسے ما زیدا ضربتہ (ما ضربت زیدا ضربتہ اس کی تقدیر ہے) اور ولا زیدا ضربتہ ولا عمروا (اس کی تقدیر ولا ضربت زیدا ضربتہ ولا عمروا اور لا نفی جنس کا جب معرفہ یا فعل ماضی پر داخل ہو تو اس کا تکرار لازم ہوتا ہے اس لئے مثال میں اسے مکرر لایا گیا ہے جبرا لما فات مما اقتضتہ وهو الجنس) اور ان زیدا ضربتہ الا تادیبا (تقدیرہ ان ضربت زیدا ضربتہ یعنی ما ضربت زیدا ضربتہ الا تادیبا) ۵ اور حرفِ استفہام کے) بعد جیسے ازیدا ضربتہ (تقدیرہ اضربت زیدا ضربتہ) اور مصنف نے حرف استفہام کہا (اسم استفہام نہ کہا) کیونکہ اسم استفہام میں رفع مختار ہے جیسے من اکرمتہ (اور ما صنعتہ اور ایہم تکرمہ) اور مصنف نے (حرف استفہام کہا) ہمزۂ استفہام نہ کہا تاکہ مصنف کا قول ھل زیدا ضربتہ کے مثل (اس اسم) کو شامل ہو جائے (جو ھل کے بعد واقع ہوتا ہے تقدیرہ ھل ضربت زیدا ضربتہ) کیونکہ یہ مثال جائز ہے اگرچہ اسے نحویوں نے قبیح بتایا ہے (یعنی اگرچہ اس مثال کو نحویوں نے قبیح قرار دیا ہے اس لئے کہ ھل کے بعد فعل ہو تو اس کا حذف قبیح ہے کہ یہ مراد نہیں کہ اس کے بعد اسم کی نصب قبیح ہے وجہ استقباح کیا ہے؟) اس لئے کہ

استثناء آتا ہے تو ان نافیہ مراد ہوتا ہے جیسا کہ اس جگہ ہے واللہ اعلم۔

۱۸۴ قولہ وبعد حرف الخ یہ نصب کے مختار ہونے کا تیسرا موضع ہے یعنی اگر اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوگا اس لئے کہ حرف استفہام کا فعل پر داخل ہونا اولیٰ ہے کیونکہ استفہام درحقیقت مضمون فعل کا ہوتا ہے پس فعل کو حرف استفہام کے متصل کرنا اولیٰ ہے جیسے ازیدًا ضربتہ ای اضربت زیدًا (کیا تو نے زید کو مارا) اب رہی یہ بات کہ شارح نے حرف الاستفہام کیوں کہا اسم الاستفہام کیوں نہیں کہا؟ اس کا جواب شارح وانما قال الخ سے دے رہے ہیں کہ اگر اسم الاستفہام کہتے (یعنی وہ اسم جو معنی استفہام کو متضمن ہو) تو رفع مختار ہوتا جیسے من اکرمتہ پس اکرمت من اکرمتہ پس اس جگہ من جو کہ اسم ہے اور معنے استفہام کو متضمن ہے خارج ہو گیا کیونکہ اس میں ابتدائیت کی بنا پر رفع مختار ہے اور یہی قرینہ مرجحہ ہے اب سوال پیدا ہوا کہ حرف الاستفہام کا عطف حرف النفی پہ ہے اور اس کے اوپر لفظ بعد داخل ہو رہا ہے اور معطوف و معطوف علیہ کا حکم یکساں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی بعد مقدر مانا جائیگا پس جب حرف الاستفہام کہا گیا تو لامحالہ اسم الاستفہام کے متعلق بھی یہی کہنا پڑیگا کہ اسم مذکور اسم استفہام کے بعد واقع نہ ہو اور من اکرمتہ میں اسم مذکور اسم استفہام کے بعد واقع نہیں بلکہ وہی اسم ہے اور وہی استفہام جواب یہ ہے کہ یہ اس جہت سے اسم استفہام کے بعد واقع ہے کہ من اکرمتہ قوت میں ازیدًا اکرمتہ ام عمرًا کے ہے پس اس سے اس امر کی طرف دلالت ہو رہی ہے کہ اسم مذکور کے اسم استفہام کے بعد واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم مذکور معنیٰ استفہام کو متضمن ہو لہذا من اکرمتہ خارج ہو جائیگا بخلاف اس کے کہ اسم مذکور صراحۃً اسم استفہام کے بعد واقع ہو جیسے متی زیدًا ضربتہ تو اس جگہ نصب مختار ہوگا کیونکہ اس کا حکم اس صورت میں ھل کا حکم ہوگا اختیار نصب میں۔ پھر رہا یہ سوال کہ حرف الاستفہام کیوں کہا ہمزہ استفہام کیوں نہ کہہ دیا اس کا جواب شارح ولم یقل الخ سے دے رہے ہیں کہ ہمزہ استفہام اس لئے نہیں کہا کہ ھل زیدًا ضربتہ کو بھی یہ اختیار نصب شامل ہو جائے اس لئے کہ ھل کا لفظ فعل کے ساتھ اسم پر داخل ہونا بھی جائز ہے اگرچہ بعض نحاۃ نے اس کو قبیح گردانا ہے اس واسطے کہ ھل فعل پر داخل ہوا کرتا ہے اور اس جگہ فعل موجود نہیں بلکہ حذف کر دیا گیا ہے اور ھل لفظ فعل کو اس لئے چاہتا ہے کہ یہ اپنی وضع کے اعتبار سے قد کے معنی میں ہے پھر استفہام کے معنی میں ہو گیا اور قد فعل پر داخل ہوا کرتا ہے اور فعل کو مقدر کرنا دخول قد کے بعد ممکن نہیں ہوتا لہذا ھل میں بھی تقدیر فعل کافی نہیں ہوگی کہ جس کے باعث اس کو ما اضمر عاملہ سے شمار کر لیا جائے اور یہ فعل پہ ھل کا دخول اس وقت ضروری ہے جبکہ کلام میں لفظ فعل موجود ہو جیسا کہ ھل زیدًا ضربتہ میں فعل موجود ہے پس یہاں ھل ضربت زیدًا کہنا ضروری ہے ھل کے بعد فورًا ذکر فعل کے ساتھ اس لئے کہ تقدیر فعل جائز نہیں تصریح فعل ضروری ہے البتہ اگر کلام میں مطلقًا لفظ فعل موجود ہی نہ ہو تو اس کا دخول اسم پر جائز ہے جیسے ھل زیدٌ قائمٌ واللہ اعلم ۱۲

بمعنی قد فی الاصل فلا یکفی فیہ تقدیر الفعل وَ بعدَ اِذَا الشَّرطِیَّۃِ[۱۸۵] الدالۃ علی المجازاۃ فی الزمان نحو اذا عبدَ اللّٰہ تلقہ فاکرمہ وَ بعد حَیثُ الدالۃ علی المجازاۃ فی المکان نحو حیث زیدًا تجدہ فاکرمہ وَ فِی مَاقَبلَ الاَمرِ وَ النَّہیِ[۱۸۶] یعنی موضعَ وقوعِ الاسمِ المذکورِ قبل الامرِ والنھی مثل زیدًا اضربہ وزیدًا لاتضربہ وانما اختِیرَ[۱۸۷] فی ھذہ المواضع ای مابعد حرف الاستفہام والنفی واذا الشرطیۃ وحیث وماقبل الامر والنہی النصب فی الاسم المذکور اِذْ ھِیَ ای ھذہ المواضعُ مَوَاقِعُ الفِعلِ ای مواضع وقوع الفعل فیھا اکثر

ھل لفظ فعل کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ ھل اصل (وضع) میں قد (تحقیقیہ) کے معنی میں ہے (کما فی قولہ تعالیٰ ھل اتی علی الانسان یعنی قد اتی علی الانسان حین الخ) لہٰذا ھل میں فعل کی تقدیر کافی نہیں (جیسے قد میں کافی نہیں) ((اور اذا شرطیہ کے)) بعد جو کہ مجازات فی الزمان پر دلالت کرتا ہے جیسے اذا عبداللہ تلقہ فاکرمہ (تلقہ از لقی یلقی علم یعلم کی طرح تقدیرہ اذا تلقی عبداللہ تلقاہ فاکرمہ) ((اور حیث کے)) بعد جو کہ مجازات فی المکان پر دلالت کرتا ہے جیسے حیث زیدا تجدہ فاکرمہ (تقدیرہ حیث تجد زیدا تجدہ فاکرمہ یعنی جس جگہ میں تم زید کو پاؤ اس کی تعظیم کرو) ((اور امر اور نہی)) کے ماقبل ((میں)) یعنی اسم مذکور کے امر و نہی سے پیشتر واقع ہونے کی جگہ میں جیسے زیدا اضربہ (تقدیرہ اضرب زیدا اضربہ) اور زیدا لاتضربہ (تقدیرہ ولا تضرب زیدا لاتضربہ) اور ان مواضع میں یعنی حرف استفہام اور نفی اور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد اور امر و نہی سے پہلے اسم مذکور میں نصب کو ہی اختیار کیا گیا ((کیونکہ)) یہ یعنی یہ مواضع ((فعل کے مواقع ہیں)) یعنی یہ ایسے (چھ) مواضع ہیں کہ ان میں فعل کا وقوع اکثر ہے کیونکہ

۱۸۵ قولہ وبعد اذا الشرطیۃ الخ یعنی اختیار نصب کی چوتھی اور پانچویں جگہ یہ ہے کہ جب اسم مذکور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد واقع ہو تو ان دونوں صورتوں میں بھی نصب مختار ہوگا اس لئے کہ اذا شرطیہ مجازات زمانی یعنی نسبت فی الزمان پر دلالت کرتا ہے اور حیث مجازات مکانی یعنی نسبت مکانی پر یعنی اذا زمانہ کو بتلاتا ہے اور حیث مکان کو اذا کی مثال جیسے اذا عبداللہ تَلْقَہٗ فاکرمہ یعنی جس زمانہ میں تو عبداللہ سے ملاقات کرے اس کی تعظیم کر۔ اور حیث کی مثال حیث زیدًا تجدہ فاکرمہ یعنی جس جگہ تو زید کو پائے اس کی تعظیم بجا لا پس اذا شرطیہ اور حیث کا دخول فعل پر اولیٰ ہے اس لئے کہ اذا میں شرط کے معنے ہیں اور شرط کے لئے فعل مقدر ہوگا اور جب فعل مقدر ہوا تو نصب اولیٰ ہوگا اور حیث کے بعد اختیار نصب اس لئے ہے کہ اس کی مشابہت جملہ پر داخل ہونے اور شرط کے معنی میں اذا شرطیہ کے ساتھ ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۸۶ قولہ وفی ماقبل الخ یہ اختیار نصب کا چھٹا اور ساتواں موضع ہے اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ ماقبل صورتیں تمام اس اسم سے متعلق ہیں جو منطان اضمار علی شریطۃ التفسیر میں واقع ہو اور امر و نہی از قبیل افعال ہیں لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان میں بھی اضمار علے شریطۃ التفسیر پایا جائے یا یہ کہہ لیا جائے کہ فی الامر والنہی کا عطف بعد حرف النفی پر ہے لہٰذا تقدیر عبارت یوں ہوگی ویختار النصب فی الامر والنہی اور یہ غلط ہے اس کا جواب شارح نے ماقبل کے اضافہ سے یہ دیا کہ الامر والنہی سے پیشتر لفظ ماقبل محذوف ہے ای فی ماقبل الامر والنہی پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ویختار النصب فی الاسم الذی وقع قبل الامر والنہی یعنی جو اسم امر اور نہی کے پہلے واقع ہو اس میں نصب مختار ہے لیکن پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس بناء پر حذف موصول اپنے بعض صلہ کے ساتھ لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے بعض صلہ اس لئے کہ قبل مضاف ہے اور الامر والنہی اس کے مضاف الیہ اور مضاف مضاف الیہ سے مل کر صلہ ہوگا پس جبکہ قبل مضاف کو حذف کر دیا تو بعض صلہ کا حذف لازم آیا اس کا جواب شارح نے یعنی موضع وقوع الاسم المذکور الخ سے یہ دیا کہ ماقبل میں کلمہ ما موصوفہ ہے موصولہ نہیں اور موصوف کو اپنے بعض اجزاء صفت کے ساتھ حذف کرنا جائز ہے یعنی ایسی جگہ میں کہ اسم مذکور امر و نہی سے پہلے واقع ہو نصب مختار ہے جیسے زیدًا اضربہٗ اور زیدًا لاتضربہٗ ای اضرب زیدًا او لاتضرب زیدًا پس اس جگہ نصب اس وجہ سے مختار ہے کہ اسم مذکور رفع کی صورت میں مبتدا ہوگا اور امر و نہی اس کی خبر مگر چونکہ امر و نہی انشا کی قسم سے ہیں اس لئے ان کے خبر ہونے میں تاویل کی ضرورت ہوگی ای زیدٌ مقولٌ فی حقہٖ اضربہٗ یا لاتضربہٗ اور ظاہر ہے کہ یہ تقدیر مستبعد ہے کہ سہولت کو چھوڑ کر ارتکاب تکلف کرنا پڑتا ہے پس زید میں نصب مختار ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۱۸۷ قولہ وانما اختیر الخ اس عبارت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان تمام جگہوں میں نصب کس لئے مختار ہے پس شارح کہتے ہیں

LIBRARY HYDER

فاذا نصب الاسمُ المذکورُ وقع فیها الفعلُ تقدیرًا والا فلا و [۱۸۸] کذلک یختار النصب فی الاسم المذکور عِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ المُفَسِّرِ ای التباس ما هو مفسّر فی حال النصب لکن لا من حیث هو مفسر فی هذه الحالة بل من حیث هو خبرٌ فی حال الرفع بِالصِّفَةِ فلا یعلم انه خبر عن الاسم المذکورِ فی حال الرفع مع موافقته للمعنی المقصودِ او صفة [۱۸۹] له مع مخالفته للمعنی المقصود

نفی اور استفہام غالب استعمال میں فعل کو لاحق ہوتے ہیں نہ کہ ذوات کو) پس جب اسم مذکور کو نصب دی جائے (یعنی اسے منصوب بنایا جائے) تو ان مواضع (ستہ) میں تقدیراً فعل واقع ہوگا ورنہ (اگر اسم مذکور کو نصب نہ دی جائے بلکہ ابتداء کی وجہ سے رفع دیا جائے) تو نہیں (یعنی ورنہ تقدیراً فعل واقع نہ ہوگا اور نہ ہی لفظاً کہ اس کی حاجت نہیں کیونکہ اسم مبتداء ہوتے کی وجہ سے عامل معنوی کا معمول ہوگا) ((اور)) اسی طرح اسم مذکور میں نصب مختار ہے ((لبس مفسِّر کے اندیشہ کے وقت)) یعنی اس فعل کے التباس کے (وقت) جو کہ مفسِّر ہے (بکسرۂ سین) حالت نصب میں لیکن (اس کا التباس) اس حیثیت سے نہیں کہ وہ فعل اس حالت (نصب) میں مفسر ہے (کیونکہ اس وقت اس میں کوئی التباس نہیں اس لئے کہ ترکیب واحد تغییر اور صفت کا مطلقاً احتمال نہیں رکھتی) بلکہ (اس کا التباس) اس حیثیت سے ہے کہ وہ حالت رفع میں خبر ہے (حالت رفع میں اس پر مفسر کا اطلاق باوجودیکہ وہ اس حالت میں مفسر نہیں ہے مجازی طور پر ہے کہ حالت نصب میں مفسر ہو سکتا ہے) ((صفت کے ساتھ)) (بالصفۃ کا اس کے ساتھ تعلق ہے) پس معلوم نہ ہوگا کہ وہ فعل اسم مذکور کی رفعی حالت میں خبر ہے (اسم مذکور مرفوع حالت میں مبتداء قرار پائے اور فعل جو کہ مفسر ہو سکتا ہے اس کی خبر بنے) معنی مقصود کے لئے فعل کی موافقت کے ہمراہ (بلاشک اس صورت میں یعنی فعل کو اسم مذکور کی خبر بنایا جائے تو ترکیب سے جو معنی مقصود ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہوتی لیکن یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ فعل اسم مذکور کی خبر ہے) یا اس کی صفت ہے (اور خبر کوئی اور چیز یعنی بقدر کا لفظ ہو انا کل شئ خلقناہ بقدر آیت میں) فعل کی معنی مقصود کی مخالفت کے ہمراہ (یعنی فعل کو صفت بنانے سے معنی مقصود کی مخالفت لازم آتی ہے کہ معنی مقصود تو یہ ہیں کہ ہر چیز کو ہم نے پیدا کیا اس حال میں کہ ہر چیز ہماری قضاء و قدر کے ساتھ ہے تو عموم شئ میں افعال عباد بھی آجاتے ہیں کہ وہ بھی خدا کی خدا کی مخلوق ہیں اور یہ معنی مقصود اس تقدیر پر فاسد ہو جاتے ہیں کہ خلقنا کو شئ کی صفت اور بقدر کو خبر کیا جائے اس سے

کہ مذکورہ مواضع یعنی مابعد حرف ... استفہام اذا شرطیہ ... اور ما قبل ... تنی ہیں اسم مذکور میں نصب ... مختار قرار دیا گیا کہ یہ مواضع مواقع فعل ہیں یعنی ان مواضع میں اکثر فعل ہی واقع ہوا کرتا ہے لہذا فعل کو ہی مقدر مانا جائیگا تاکہ اسم مذکور کو نصب دیا جاسکے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نصب ہی کی صورت میں تقدیر فعل کی کیا تخصیص ہے صورت رفع میں بھی مقدر مانا جاسکتا ہے کہ اسم مذکور کو فعل مقدر رفع کرے کیونکہ فعل جیسے ناصب ہوتا ہے ایسے ہی رافع بھی ہوتا ہے اس کا جواب شارح نے فاذا انصب الخ سے یہ دیا کہ جب اسم مذکور نصب دیا جائیگا تو اس میں فعل تقدیراً واقع ہوگا ورنہ نہیں اس لئے کہ صورت رفع میں اس کے مبتدا ہونے کا احتمال ہے کیونکہ ہم نے سابق میں یہ کہا ہے کہ حرف نفی و استفہام وغیرہ کے بعد فعل آیا کرتا ہے لہذا اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسم بھی آسکتا ہے پس اسم کی صورت میں ابتدائیت کا احتمال غالب رہے گا اور تقدیر فعل رافع جائز نہیں ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۸۸ قولہ وکذلک الخ یعنی اور ایسے ہی نصب مختار ہے جبکہ اسم مذکور میں رفع پڑھنے کے باعث صفت کے ساتھ مفسّر کے التباس کا خوف ہو پس یہ پتہ نہ چلے کہ مفسّر حالت رفع میں اسم مذکور کی خبر واقع ہو رہا ہے اپنے معنی مقصود کی موافقت کے ساتھ یا مفسّر اسم مذکور کی صفت بن رہا ہے اور معنے مقصود کی مخالفت ہو رہی ہے یعنی اگر مفسّر پر رفع خبر ہونے کی حیثیت سے ہے اسم مذکور مبتداء کی تو معنے مقصود بھی موافق رہتے ہیں اور کسی قسم کا تعذر نہیں لازم آتا ہے اور اگر مفسّر اسم مذکور سے صفت واقع ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور موصوف وصفت مل کر مبتدا ہوں اور اس کی خبر اور ہو تو اس صورت میں معنیٔ مقصود مخالف ہو جاتے ہیں پس رفع کی صورت میں در صورت ثانیہ مفسّر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا ہے اور معنیٔ مقصود کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ خلاف مقصود ہے لہذا اس احتمال سے نکلنے کے لئے نصب کو مختار قرار دیں گے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے عند خوف لبس المفسّر بالصفۃ فرمایا کہ جس کے یہ معنے ہیں کہ مفسّر کا صفت کے ساتھ التباس ہو حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ مفسّر کا صفت کے ساتھ التباس نہیں ہوتا بلکہ خبر کا صفت کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ مفسّر اسم

فالالتباسُ [189] انما هو بین خبریةِ ذاتِ ما هو مفسِّر علی تقدیر النصب وصفتیہ لا بینه بوصف التفسیر وبین الصفةِ فان الترکیبَ لا یحتملهما معاً مثلُ [190] قوله تعالیٰ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ بنصب کلٍ علی الاضمار بشریطة التفسیر ولو رُفع بالابتداء وجُعل خلقناه خبرا له کان موافقاً للنصب فی اداء المقصود لکن خِیْفَ لَبْسُه ما بصفة لاحتمال کونِ قوله تعم خلقناه صفةً لشیٔ وقوله

معتزلہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ افعال عباد، عباد کی تخلیق سے سرزد ہوتے ہیں پس (فعلِ مفسر کا حالت نصب میں صفت اور حالت رفع میں خبر کے ساتھ) التباس صرف اس ذات (فعل) جو کہ تقدیر نصب کی بنا پر مفسر (بکسر سین) ہے کے خبر اور (حال رفع میں) وصف ہونے کے درمیان ہے نہ کہ (حالت نصب میں) وصف تفسیر کے ساتھ اس کے اور صفت کے درمیان کیونکہ ترکیب (واحدہ) معًا (حالت واحدہ میں) ان دونوں کا احتمال نہیں رکھتی (کہ اسم مذکور کے بعد واقع ہونے والا فعل اس اسم کی وصف ہو اور خبر بھی پس رفع کی صورت میں تفسیر ہونے کا احتمال نہیں بلکہ خبر ہونا ضروری ہے اور نصب کی صورت میں خبر ہونے کا احتمال نہیں بلکہ تفسیر ہونا ضروری ہے) (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ کا قول ہے «اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ» لفظ کل کی نصب کے ساتھ اضمار بہ شریطۂ تفسیر کی بنا پر (پس اس کی تقدیر انا خلقنا کل شیٔ خلقناہ بقدر ہوگی) اور اگر لفظ کل کو مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع دیا جائے اور (فعل مفسر یعنی) خلقناہ کو اس کی خبر قرار دیا جائے تو یہ عمل اداء معنی مقصود میں (کل کی) نصب کے موافق ہوگا لیکن قول باری تعالیٰ خلقناہ کے شیٔ کے لئے صفت (ہونے) اور (قول باری تعالیٰ بقدر کے (مبتدا کے لئے) خبر ہونے کے احتمال کی وجہ سے خلقناہ کے صفت کے ساتھ ملتبس ہونے کا اندیشہ کیا گیا ہے اور وہ (خلقناہ کا شیٔ کی صفت اور بقدر کا خبر ہونا معنی) مقصود

مذکور کے مبتدا واقع ہونے کے بعد اس کی خبر بنے گا اور مفسر نہیں رہے گا کیونکہ مفسر صرف حالت نصب کے لئے تھا حالت رفع کے لئے نہیں اس کا جواب شارح ای الالتباس ما ہو الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ یہاں مفسر سے مراد مجازاً ذات مفسر ہے یعنی وہ حالت نصب میں تو مفسر تھا اگرچہ اس حالت میں مفسر نہیں رہا بلکہ حالت رفع میں اس کو خبر ہونے کی حیثیت حاصل ہوگئی پس حالت رفع میں اس پر مفسر کا اطلاق کرنا باوجودیکہ یہ اس حالت میں مفسر نہیں ہے بلکہ خبر ہے مجاز ہوگا حقیقت نہیں کہ اعتراض لازم آئے لہذا اس مجاز کی بنا پر مصنف کا عند لبس

خوف المفسر بالصفۃ کہنا صحیح ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۸۹ قولہ فالالتباس الخ مذکورہ سابقہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ جب اسم مذکور کو رفع پڑھیں گے تو حالت نصب میں جو مفسر تھا وہ خبر ہو جائیگا مفسر نہیں رہے گا بعدم ضرورتہ اور پھر یہی خبر صفۃ بھی بن سکتی ہے تو خبر جو پہلے مفسر تھا اس کا التباس صفۃ کے ساتھ لازم آئیگا اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ خبریت کی صورت میں معنی مقصود حاصل ہو جاتے ہیں اور صفۃ بننے کے باعث معنی مقصود فوت ہو جائیں گے اور مطلب غلط ہو جائیگا تو اب شارح کہتے ہیں کہ التباس اس خبریت کی ذات (کہ جو اسم مذکور پر نصب کی بنا پر مفسر تھی) اور وصفیۃ کے درمیان ہے نہ کہ وصف تفسیر اور صفۃ کے درمیان اس لئے کہ ایک ہی وقت دو احتمال نہیں نکل سکتے ہیں اس لئے کہ اسم مذکور اگر مرفوع ہوگا تو تفسیر کا احتمال باطل ہو جائیگا اور منصوب ہوگا تو احتمال وصفیۃ ختم ہو جائیگا پس لامحالہ التباس خبر اور صفت کے درمیان ہوگا مفسر اور وصفیۃ کے درمیان نہیں (یہ مسئلہ مثال سے بخوبی واضح ہو جائے گا) واللہ اعلم ۱۲

۱۹۰ قولہ مثل الخ جیسے قول باری تعالےٰ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (کُلَّ کے لام کے فتحہ کے ساتھ) اس لئے کہ یہاں نصب مختار ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے اِنَّا خَلَقْنَا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ اور وجہ اختیار نصب کی یہ ہے کہ آیۂ کریمہ سے دو چیزیں مقصود ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کا خالق ہے دوسرے یہ کہ تمام چیزیں اندازہ کے ساتھ پیدا فرمائی گئی ہیں پس اگر کل شیٔ کو نصب دیں گے تو ترکیب اس طرح ہوگی کہ خلقنا فعل با فاعل اور کل شیٔ مفعول بہ اور بقدر اس کے متعلق پس اس صورت میں آیت کریمہ سے دونوں مقصود حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ معنے ہوتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا یعنی اللہ تعالےٰ کی خالقیت بھی معلوم ہوگئی اور ہر چیز کا اندازہ کے ساتھ پیدا کیا جانا بھی اور اگر کل شیٔ کو رفع دیتے ہیں تو اس وقت اس میں دو ترکیبوں کا احتمال ہے ایک یہ کہ کل شیٔ مبتدا اور خلقناہ بقدر اس کی خبر ہو تو اس صورت میں اس کے معنے اداء مقصود میں نصب کے موافق رہتے ہیں اس لئے کہ اس وقت اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے سب چیزوں کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا اور ظاہر ہے کہ یہ معنے وہی ہیں جو صورت نصب میں تھے لیکن خلقناہ میں یہ

بقدرٍ خبرًا له وهو خلافُ المقصودِ فان المقصودَ الحكمُ على كل شئٍ بانه مخلوقٌ لنا بقدرٍ الحكمُ على كل شئٍ مخلوقٍ لنا انه بقدرٍ فانه يُوهِمُ كونَ بعضِ الاشياء الموجودة غيرَ مخلوقةٍ لله تعالى كما هو مذهبُ المعتزلة فى الافعال الاختيارية للعباد وَيَسْتَوِى[۱۹۱] الْاَمْرَانِ اى الرفعُ والنصبُ فللمتكلم ان يختار كلَّ واحدٍ منهما بلا تفاوتٍ فِىْ مِثْلِ زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرًوا اَكْرَمْتُهٗ اى عنده اوفى داره ونحو ذلك والا لا يصح العطفُ على الصغرىٰ لعدم الضمير اى[۱۹۲] يستوى الامران

کے خلاف ہے (لہٰذا اس التباس سے بچنے کے لئے نصب مختار ہے اور یہی معنی مقصود میں نص ہے اس صورت میں ان کی خبر جملہ فعلیہ ہوگا اور خلقناہ کو شئی کی صفت بنانے میں معنی مقصود مخالف ہوتا ہے) کیونکہ (اس آیت سے) مقصود ہر شئی پر اس بات کا حکم لگانا ہے کہ وہ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) مخلوق ہے (ہماری) تقدیر کے ساتھ نہ کہ ہر اس شئی پر جو کہ ہماری مخلوق ہے حکم لگانا مقصود ہے کہ وہ ہماری تقدیر کے ساتھ ہے کیونکہ یہ حکم (بندوں کے افعال اختیاری کی طرح) بعض موجودہ اشیاء کے خدا تعالیٰ کی مخلوق نہ ہونے کا وہم دلاتا ہے جیسا کہ بندوں کے افعال اختیاریہ کے بارے میں معتزلہ کا مذہب ہے (اور دونوں امر برابر ہیں) یعنی رفع اور نصب (برابر ہیں) لہٰذا متکلم کو اس بات کا حق ہے کہ (رفع اور نصب) دونوں میں سے ہر ایک کو کسی تفاوت (و ترجیح) کے بغیر اختیار کرے (زید قام اور عمروا اکرمتہ کے مثل میں) یعنی عندہ یا فی دارہ اور اسی طرح ورنہ (اگر عندہ یا فی دارہ اور اس کی طرح کے الفاظ جو کہ زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر کے متقاضی ہیں اس ترکیب میں مقدر نہوں) تو عدم ضمیر کی وجہ سے (جملہ) صغریٰ (یعنی قام) پر (واکرمتہ کا) عطف صحیح نہیں یعنی اس ترکیب میں

احتمال پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید یہ صفۃ ہو اور خبر نہ ہو بلکہ خبر اس کی بقدر ہو پس خبر اور صفت میں التباس کا خوف پیدا ہو جائے گا اس لئے کہ دوسری ترکیب اس کی اس طرح ہو سکتی ہے کہ کل شئی میں شئی موصوف اور خلقناہ اس کی صفت ہو پھر موصوف صفۃ سے مل کر مضاف الیہ ہوا اور کل مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا ہوا اور بقدر اس کی خبر ہو اور یہ ترکیب خلاف مقصود ہے اس لئے کہ اس وقت معنی یہ ہیں کہ ہم نے جس چیز کو پیدا کیا وہ اندازے کے مطابق ہے پس اس سے یہ وہم باطل ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ نے پیدا نہیں کیا جیسا کہ فرقہ ضالہ معتزلہ کا یہی عقیدہ ہے کہ بندوں کے افعال اختیاریہ اللہ تعالےٰ کے پیدا کردہ نہیں ہیں (العیاذ باللہ) پس ہمارا مقصود تو یہ تھا کہ ہر شئے اللہ تعالےٰ کی پیدا کردہ اور اندازے کے مطابق ہے اور اس سے حاصل ہوا کہ ہر وہ شئی جو اللہ تعالےٰ کی پیدا کردہ ہے وہ اندازہ کے مطابق ہے (لیکن جس کو اللہ تعالےٰ نے پیدا نہیں کیا وہ اندازے کے مطابق نہیں نعوذ باللہ منہ اور یہ خلاف مقصود ہے پس رفع کی صورت میں چونکہ اندیشہ ہے کہ مفسر کا صفت کے ساتھ التباس نہ ہو جائے لہٰذا بخوف التباس نصب کو اختیار کیا تاکہ کارخانۂ مقصود میں خلل اندازی کا وہم نہ پیدا ہو۔

(فائدہ) اب معلوم ہو گیا کہ اس جگہ خلقناہ میں دو حیثیتیں ہیں ایک اس کے حالت نصب میں مفسر واقع ہونے کی دوسری اس کے خبر یا صفۃ واقع ہونے کی پس مصنف نے جو عند خوف لبس المفسر کہا ہے وہ اگرچہ خبر اور صفۃ کے درمیان التباس ہے لیکن اسی خبریت کو ماکان کے اعتبار سے مفسر سے تعبیر کر دیا کما مر تفصیلہ سابقًا واللہ اعلم ۱۲

۱۹۱ قولہ ویستوی الخ جب اختیار رفع اور اختیار نصب سے فراغت حاصل ہو گئی تو اب دونوں میں تساوی کو بیان کرتے ہیں یعنی خواہ رفع پڑھ لیا جائے یا نصب دونوں جہتیں مساوی ہیں کہتے ہیں کہ زیدٌ قام وعمرًا اکرمتہ اور اس جیسی مثال میں متکلم کو اختیار ہے کہ وہ عمرًا میں خواہ نصب پڑھے یا رفع ترجیح کسی کو حاصل نہیں۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمرو کو نصب پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ اس صورت میں عمرًا اکرمتہ کا عطف جملہ صغریٰ یعنی قام پر ہوگا اور قامُ زیدٌ مبتدا کی خبر ہے تو یہ خبر ہوگا بنا بر عطف اور یہ خبریۃ درست نہیں اس لئے کہ جملہ جب خبر واقع ہوا کرتا ہے تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے جو مبتدا کی طرف راجع ہو اور معطوف میں اس جگہ کوئی عائد موجود نہیں لہٰذا اس کا خبر بننا صحیح نہیں ہوا اور جب خبر بننا صحیح نہ ہوا تو عمرًا پر نصب جائز نہیں ہوا اس کا جواب شارح نے ای عندہ اوفی دارہ سے یہ دیا کہ اس مثال کے آخر میں عندہ یا فی دارہ کا اور اضافہ کر لیا جائے یا اس کے مثل دوسرے الفاظ کا تاکہ عطف درست ہو کر عمرًا کا نصب جائز ہو جائے گا ورنہ جملہ کا عطف صغریٰ پر درست نہ ہوگا کیونکہ ضمیر موجود نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۹۲ قولہ ای یستوی الخ اس سے شارح یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ قول مصنف فی مثل سے کیا مراد ہے اس کو سمجھنے کے لئے پہلے آپ جملہ کبریٰ اور جملہ صغریٰ کی اصطلاحات کو سمجھ لیجئے ایک ایسی مثال لیجئے کہ جس میں

فیما اذا عطفتِ الجملة التی وقع فیها الاسمُ المذکورُ علی جملةٍ ذاتِ وجهین ای جملةٍ اسمیةٍ خبرها جملةٌ فعلیةٌ فیصح رفعُه بالابتداء ونصبُه بتقدیر الفعل والوجهان المستویان لحصول التناسب فیهما ففی الرفع تکون اسمیةً فتعطف علی الجملة الکبریٰ وھی اسمیةٌ وفی النصب تکون فعلیةً فتعطف علی الصغریٰ وھی فعلیةٌ فان قلت[۱۹۳] السلامةُ من الحذف مُرَجِّحَةٌ للرفع قلنا ھی مُعَارَضَةٌ

کہ جس میں اس جملہ کا کہ جس میں اسم مذکور واقع ہوا جملہ ذات وجہین یعنی ایسے جملہ اسمیہ پر عطف ہو کہ جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو (جب یہ صورت حال ہو) تو اس (اسم مذکور) کا مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع اور اس کی نصب تقدیر فعل سے صحیح ہے اور (رفع ونصب) دونوں صورتیں ان دونوں (یعنی اسم مذکور کو مرفوع اور جملہ کو اسمیہ بنانے اور جملہ اسمیہ پر اس کا عطف ڈالنے اور اسم مذکور کو منصوب اور جملہ کو فعلیہ بنانے اور جملہ فعلیہ پر اس کے عطف ڈالنے) میں حصول مناسبت کی وجہ سے برابر ہیں پس (اسم مذکور کو مبتداء قرار دے کر اس کے) رفع میں جملہ اسمیہ قرار پائیگا اور جملہ کبری (زید قام) پر اس کا عطف ڈالا جائے گا اور جملہ کبری اسمیہ ہے (لہذا جواز نصب کے ساتھ اسم مذکور کا رفع مختار ہوگا) اور (اسم مذکور کی) نصب میں جملہ فعلیہ ہوگا پس اس کا جملہ صغری (قام) پر عطف ڈالا جائے گا اور جملہ صغری فعلیہ ہے (لہذا جواز رفع کے ساتھ نصب مختار ہوگی) پھر اگر تم کہو کہ (مثال مذکور میں دونوں صورتیں برابر نہیں ہیں کیونکہ رفع کا قرینہ اقوی ہے کیونکہ) حذف سے سلامتی رفع کے لئے مرجح ہے ہم کہتے ہیں کہ سلامتی من الحذف سے قرب معطوف علیہ کی وجہ سے معارضہ کیا جاتا ہے (یعنی جب اسم مذکور کو نصب دی جائے تو معطوف علیہ جو کہ جملہ قام ہے قریب ہوتا ہے اور جب رفع دیا جائے تو معطوف علیہ جو کہ جملہ زید قام ہے بعید ہو جاتا ہے پس معطوف علیہ کا قرب اس کے بُعد سے اولیٰ ہے اگرچہ اس میں سلامتی من الحذف ہی ہو تو دونوں جہتیں متعارض ہوئیں لہذا اس میں دونوں امر

جملہ در جملہ موجود ہے جیسے زیدٌ قام کہ اس میں زیدٌ مبتدا ہے اور قام اس کی خبر لیکن قام خبر بننے سے پہلے جملہ ہوگا اس لئے کہ قام فعل ہے اور ضمیر ہو اس میں مستتر اس کا فاعل جو زید کی طرف راجع ہوگی پھر فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ بنے گا پھر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا کی خبر واقع ہوگا پھر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگا پس اس میں جو جملہ فعلیہ ہے وہ صغری کہلائے گا اور جملہ اسمیہ کبری اسی کو جملہ ذات وجہین سے بھی تعبیر کرتے ہیں جس کی مختصر توضیح شارح نے ای جملةٍ اسمیةٍ خبرہا جملةٌ فعلیةٌ سے یہ کی ہے

کہ ذات وجہین اس جملہ اسمیہ کو کہتے ہیں کہ جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو پس آپ اس کو سمجھ گئے تو اب فی مثل کا مطلب سمجھ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں ما اضمر عاملہ یعنی اس جملہ کا کہ جس میں اسم مذکور موجود ہو عطف جملہ ذات الوجہین یعنی ایسے جملہ اسمیہ پر ہو کہ اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے جیسے زیدٌ قام وعمرًا اکرمتہ کہ اس میں عمرًا اکرمتہ (کہ جس میں اسم مذکور یعنی عمرو موجود ہے) جملہ کا عطف جملہ ذات وجہین یعنی زیدٌ قام پر ہے پس یہاں اگر عمرو کو رفع دیکر عمروٌ اکرمتہ

کبھی تو یہ جملہ اسمیہ ہو جائیگا اس لئے کہ عمروٌ مبتدا ہوگا اور اکرمتہ اس کی خبر اور اگر منصوب پڑھیں تو یہ جملہ فعلیہ ہوگا بتقدیر فعل ای اکرمتُ عمرًا اکرمتُہ اور دونوں وجہیں مساوی ہیں کیونکہ دونوں میں معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان تناسب کی رعایت ہے اس لئے کہ صورت رفع میں عمروٌ اکرمتہ جملہ اسمیہ ہوگا اور اس کا عطف جملہ اسمیہ کبری یعنی زیدٌ قام کیا جائے گا پس معطوف ومعطوف علیہ میں جملہ اسمیہ ہونے کے اعتبار سے تناسب کی رعایت ہو جائے گی اور نصب کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ ہوگا لہذا اس کا عطف جملہ فعلیہ صغری یعنی قام پر ہوگا اور اس میں یہی رعایت موجود ہے لہذا کسی ایک کو ترجیح نہ ہوگی اور رفع ونصب دونوں مساوی ہوں گے واللہ اعلم ۱۲

۱۹۳ قولہ فان قلت الخ یہاں سے کسی ایک کو ترجیح نہ دئے جانے پر شارح ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں کہتے ہیں کہ صورت رفع میں کسی حذف کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا لہذا سلامتی عن الحذف کی وجہ سے رفع کو ترجیح ہونی چاہئے نہ یہ کہ دونوں جانب مساوی ہوں قلنا سے جواب دیا کہ یہ سلامتی عن الحذف قرب معطوف علیہ کے معارض ہے یعنی جب نصب کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوگا تو اس کا معطوف علیہ جملہ فعلیہ صغرے یعنی قام ہوگا اور ظاہر ہے کہ بہ نسبت زیدٌ قام کے قام اپنے معطوف سے قریب ہے لہذا سلامتی عن الحذف قابل قبول نہ ہوگی پھر معترض نے اعتراض کیا کہ ان دونوں کے درمیان قرب وبعد میں کوئی تفاوت نہیں اس لئے کہ کبری بھی قریب ہے اور جملہ معطوف علیہ یعنی قام سے جدا نہیں اس کا جواب قلنا سے یہ دیا۔ کہ یہ قرب وبعد کا تفاوت منتہی کے اعتبار سے معلوم نہیں ہوتا یعنی اس

یقرب المعطوف علیه فان قلت لا تفاوتَ فی القرب والبعد بینهما اذ الکبرٰے
ایضًا قریبةٌ غَیرُ مفصولةٍ عنها قلنا هذا باعتبار المنتهی واما باعتبار المبدأ فالصغرٰے
اقربُ ۱۹۴ وَیَجِبُ النَّصْبُ ای نصبُ الاسم المذکورِ بَعْدَ حَرْفِ الشَّرْطِ و
المراد به ههنا اِنْ وَلَوْ فانّ امّا وان کانت من حروف الشرط فحکمها ما سبق
من اختیار الرفع مع غیر الطلب واختیار النصب مع الطلب ۱۹۵ وَ کذا یجب نصبُه
بعد حَرْفِ التَّحْضِیْضِ وهو هلّا واَلّا ولَوْلَا ولَوْمَا و انما وجب النصبُ
بعدَ هما لوجوب دخولهما علی الفعلِ لفظًا اوتقدیرًا ۱۹۶ مِثْل اِنْ زَیْدًا

مساوی ہوتے) پھر اگر تم کہو کہ (تقدیر نصب پر معطوف علیہ کے) قرب اور (تقدیر رفع پر معطوف علیہ کے) بُعد میں دونوں (صورتوں) کے درمیان کوئی تفاوت نہیں کیونکہ (جملہ) کبری (زید قام) بھی (جملہ صغری یعنی قام کی طرح) قریب ہے اور اس سے جدا نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ (عدم تفاوت) منتہی کے اعتبار سے ہے (یعنی جملہ اولی زید قام کے اعراب کے انتہا کے اعتبار سے عدم تفاوت ہے کہ اس وقت قرب وبعد مرتفع ہوجاتا ہے) اور بہر حال مبدأ (یعنی اعراب کے ابتداء) کے اعتبار سے تو صغری (یعنی قام) اقرب ہے ((اور ضروری ہے نصب)) یعنی اسم مذکور کی ((حرف شرط کے بعد)) اور (حرف شرط سے) مراد یہاں اِن اور لو پس بلاشبہ اگرچہ (مصنف اور سیبویہ کے نزدیک) حرف شرط سے ہے پس اس (امّا) کا حکم وہی ہے جو غیر طلب کے ہمراہ اختیار رفع کے مختار ہونے اور طلب کے ہمراہ نصب کے مختار ہونے کی بحث میں گذرا ((اور)) اسی طرح اس (اسم مذکور کی) نصب واجب ہے ((حرف تحضیض کے)) بعد اور وُہ (حرف تحضیض چار ہیں) ہلّا اور اَلّا (خلیل کے سوا سب نحوی دونوں کی شد کے قائل ہیں مگر خلیل الّا کو تخفیف کے ساتھ کہتے ہیں) اور لولا اور لوما ہے اور (اسم مذکور کی) نصب (جبکہ وہ) حروف شرط وحروف تحضیض کے بعد (واقع ہو) اس لئے ضروری ہے کہ دونوں (حروف شرط وحروف تحضیض) کا دخول فعل پر ضروری ہے خواہ (فعل لفظاً ہو) یا تقدیراً (یہاں فعل سے مطلق فعل نہیں ہے بلکہ فعل متعدی مراد ہے) ((جیسے ان

لئے پتہ نہیں چلتا کہ جملۂ اولی یعنی زیدٌ اور قام اعراب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہیں کہ زید کا اعراب بغیر قام کے ملائے تمام نہیں ہو سکتا اس لئے کہ قام اس کی خبر ہے اور مبتدا بغیر خبر کے بے فائدہ ہوتا ہے لیکن مبداء کے اعتبار سے صغری قریب ہے اسلئے کہ صغری یعنی قام کا مبداء کبریٰ کے مبداء کے بعد ہے اسلئے کہ یہ کبری کا جزء اخیر ہے پس صغری اپنے مبداء کے اعتبار سے معطوف کے زیادہ قریب ہوگا اور دونوں میں تفاوت قرب وبعد کا موجود ہے لہذا رفع کو ترجیح نہیں دیجا سکتی اس لئے دونوں امر مساوی ہوں گے واللہ اعلم

۱۹۴ قولہ یجب النصب الخ یہاں سے استواء امرین سے فراغت کے بعد وجوب نصب کے مواقع بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اسم مذکور کو حرف شرط کے بعد نصب دینا واجب ہے بناءً اضمارہ علی شریطة التفسیر اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض حروف شرط ایسے بھی ہیں کہ جن میں اختیار نصب ہے وجوب نصب نہیں جیسا کہ امّا بشرطیکہ یہ طلب کے لئے ہو کما مر اور جب طلب کے لئے نہ ہو تو اختیار رفع ہے لہذا یہ کہنا کیسے درست ہے اس کا جواب شارح نے والمراد به ههنا الخ سے یہ دیا کہ اس جگہ حروف شرط سے مراد اِن اور لو ہیں امّا کے مابین میں بیان کئے جانے کے قرینہ کی وجہ سے اسلئے کہ امّا اگرچہ حروف شرط سے ہے لیکن اس کا حکم یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو ما سبق میں مذکور ہوا لہذا اعتراض ساقط ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۹۵ قولہ وکذا یجب الخ ایسے ہی حرف تحضیض کے بعد بھی نصب واجب ہے حروف تحضیض یہ ہیں ہلّا۔ الّا۔ لولا۔ لوما اوران میں وجوب نصب کی وجہ یہ ہے کہ ان کا فعل ملفوظی یا مقدر پر داخل ہونا واجب ہے اگر لفظوں میں فعل موجود نہ ہو تو مقدر ہونا

چاہئے پس ان حروف کے بعد جب اسم مذکور واقع ہوگا تو اس سے پہلے فعل مقدر مانا جائیگا تاکہ اسم کو نصب دے سکے اور ان کا فعل پر داخل ہونا اس لئے واجب ہے کہ حرف شرط تعلیق زمانی پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ صرف فعل سے مستفاد ہوتا ہے اسم سے نہیں ایسے ہی حرف تحضیض ماضی میں تندیم اور توبیخ پر دلالت کرتے ہیں اور

استقبال میں ترغیب و انگیخت کے لئے ان کی وضع ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ ماضی اور مستقبل بھی بجز فعل کے کسی اور سے نہیں سمجھے جاتے لہذا ان کا فعل پر دخول واجب ہوا واللہ اعلم ۱۲

۱۹۶ قولہ نحو ان زیدًا الخ حرف شرط کی مثال ان زیدًا ضربتہ اضربک ہے اس کی تقدیر عبارت یہ ہے ان ضربت زیدًا ضربتہ

ضربتہ ضربک مثال لحرف الشرط والّا زیدًا ضربتہ مثال لحرف التحضیض ولیس مثل ازید ذُہب بہ منہ ای من باب الاضمار علی شریطۃ التفسیر فان زیدًا فیہ وان کان یُظنّ فی بادی النظر انہ مما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر والمختار فیہ النصب لوقوع الاسم المذکور فیہ بعد حرف الاستفہام لکن یظہر بعد تعمّق النظر انہ لیس منہ فانہ وان صدق علیہ انہ اسم بعدہ فعل مشتغل عنہ بضمیرہ لکنہ لیس بحیث لو سُلّط علیہ ھو او مُناسبہ لنصبہ لان ذُہب بہ لا یعمل النصب وکذا مُناسبہ اعنی اُذہب فان قلت لا ینحصر المناسب فی اُذہب فلیقدّر مناسب آخر ینصبہ مثل یلابس او اذہب علی

زیداً ضربتہ ضربک)) یہ حرف شرط کی مثال ہے (تقدیرہ ان ضربت زیدا ضربتہ ضربک) ((اور الا زیدا ضربتہ)) یہ حرف تحضیض کی مثال ہے (تقدیرہ الا ضربت زیدا ضربتہ) ((اور ازید ذہب بہ کے مثل اس سے نہیں)) یعنی اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں کیونکہ اس (مثال) میں زیدا اگرچہ بظاہر نظر میں ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے معلوم ہوتا ہے اور اس مثال میں اسم مذکور کے حرف استفہام کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے نصب مختار ہے (جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا کہ اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوگی) لیکن گہری نظر کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے نہیں ہے اگرچہ اس مثال پر یہ بات صادق آتی ہے کہ زیدا اسم ہے جس کے بعد ایک فعل ہے جو اس اسم سے اعراض کرکے اس کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہے لیکن زیدا اس طرح نہیں ہے کہ اگر بعینہ اس فعل (ذہب بہ) یا اس کے مناسب (اذہب) کو اس پر مسلط کیا جائے تو وہ اسے نصب دے دے کیونکہ ذہب بہ نصب کا عمل نہیں کرتا اسی طرح اس کا مناسب (فعل) یعنی اذہب پھر اگر تم کہو کہ (فعل) مناسب اذہب میں منحصر نہیں (پس جب اس میں منحصر نہیں) تو (اذہب کے علاوہ) کوئی دوسرا ایسا مناسب (فعل) مقدر کیا جائے جو اسم مذکور کو نصب دے سکے جیسے یُلابس (فعل مضارع معلوم از لابس کیونکہ ذہاب متعدی بالباء کو ملابستہ لازم ہے) یا اذہب (فعل ماضی کے صیغے پر کیونکہ مذکور ہوا تھا کہ ذہاب جب متعدی بالباء ہو تو اس کو اذہاب لازم ہے

ضربک (اگر تو نے زید کو مارا وہ تجھ کو مارے گا) اور حرف تحضیض کی الا زیدا ضربتہ ای الا ضربت زیدا ضربتہ (ابھی تک تو نے زید کو نہیں مارا) واللہ اعلم ۱۲

۱۹۷ قولہ ولیس مثل الخ مثل سے مراد اس جگہ ہر وہ اسم ہے کہ اس کے بعد فعل یا شبہ فعل اس حیثیت سے ہو کہ اس کو یا اس کے مناسب یعنی مناسب مرادف یا مناسب لازم کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ اس اسم کو مفعولیت کی بنا پر نصب نہ دے سکے جیسا کہ اس مثال میں ازید ذُہب بہ کہ اگر عین فعل کو باء کے ساتھ مسلط کریں تو زید مجرور ہوگا اور اگر بغیر باء کے مسلط کرتے ہیں تو وہ مفعول ہو کر منصوب نہیں ہوگا بلکہ فعل مجہول کا نائب فاعل ہو جائیگا اسی طرح اگر اس کے مناسب مرادف یعنی اذہب کو اس پر مسلط کرتے ہیں تب بھی اسم مذکور منصوب نہیں ہوگا بلکہ بنا بر نائب فاعل ہونے کے رفع آئے گا پس یہ باب اضمار علی شریطۃ التفسیر سے نہیں اس لئے کہ زید کے متعلق اگرچہ اس مثال میں بادی النظر میں اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ یہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے ہے اور اس میں اسم مذکور کے حرف استفہام کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے نصب مختار ہو لیکن امعان نظر اور غور وفکر کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ یہ باب اضمار سے نہیں ہے اسلئے کہ اگر اس امر پر یہ امر صادق آرہا ہے کہ اس کے بعد فعل ہے اور وہ فعل اسم مذکور کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم سے بے پرواہ ہے اور اس میں عمل نہیں کرتا لیکن جب اس فعل کو یا اسکے مناسب کو اس اسم پر نصب دینے کے لئے مسلط کرتے ہیں تو وہ فعل یا اس کا مناسب اس اسم کو مفعولیت کی بنا پر نصب نہیں دیتا اس لئے کہ ذُہب بہ نصب کا عمل نہیں کرتا اور ایسے ہی اس کا مناسب یعنی اُذہب لما مر تفصیلہ آنفا واللہ اعلم ۱۲

۱۹۸ قولہ فان قلت الخ یہ ایک اعتراض ہے جس کو بیان کرکے شارح اس کا جواب دیں گے اعتراض یہ ہے کہ ذُہب بہ فعل کے مناسب کا انحصار اُذہب میں ہی صحیح نہیں بلکہ اس کے مناسبات دوسرے بھی ہو سکتے ہیں کہ جن کے باعث اسم مذکور کو نصب آسکتا ہے پس مناسب آخر مقدر نکالنا چاہیے تاکہ وہ اسم مذکور کو نصب دے

صیغة المعلوم فیکون تقدیرہ زید ایلابسہ الذہابُ بہ او اذھبہ احدٌ
قلنا[١٩٩] المراد بالمناسب مایرادف الفعلَ المذکورَ او یلازمہ مع اتحادِ ما اسند
الیہ فالاتحادُ فیما ذکرتہ مفقودٌ واذا[٢٠٠] کان الامر کک فالرّفعُ ای رفعُ زید
فی المثال واجب بالابتداء ونصبُہ غیرُ جائز بالمفعولیة فلیس من باب
الاضمار علی شریطة التفسیر فکیف ممایختار فیہ النصبُ وکذا[٢٠١] ای مثلُ
ازید ذُھبَ بہ قولہ تعالیٰ کُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْہُ فِی الزُّبُرِ ای فی صحائفِ
اعمالھم فھو لیس من باب الاضمار علی شریطة التفسیر لانہ لوجعل منہ لصار

خواہ معلوم ہو یا مجہول، تو اس کی تقدیر زیدا یلابسہ الذہاب بہ (جو دراصل ایلابس الذہاب زیدا ذھب بہ قرار پائے گا) یا یلابسہ احد بالذہاب بہ (یعنی ازیدا یلابسہ الخ جو دراصل ایلابس احد زیدا اذہب بہ ہے) یا اذھبہ احد (تو اس تقدیر پر فعل ناصب اذھبہ بہ صیغہ معلوم ہوگا تقدیر عبارت ہوگی اذھب احد زیدا اذھب بہ) ہم جواب دیتے ہیں کہ (فعل) مناسب سے مراد وہ فعل ہے جو فعل مذکور کے مناسب ہو یا اس کو لازم ہو اس چیز کے اتحاد کے ہمراہ کہ جس کی طرف فعل کی اسناد کی گئی (یعنی بشرطیکہ فعل مضمر اور فعل مفسر کا فاعل متحد ہو) تو اے سائل اس (مثال) میں کہ جس کو تم نے ذکر کیا (دونوں فعلوں کے فاعل میں) اتحاد مفقود ہے (کیونکہ فعل مرادف و ملازم میں فاعل ذہاب یا احد ہے اور فعل مذکور میں زید پس مسند الیہ میں اتحاد نہ پایا گیا اس لئے وہ فعل فقدان شرط یعنی فقدان اتحاد کی وجہ سے مناسب نہ ہوا) پس جب بات اس طرح ہوئی (کہ ازید ذھب بہ اس باب سے نہ ہوا) (تو رفع ہے) یعنی مثال (مذکور) میں رفع واجب ہوا مبتداء ہونے کی وجہ سے اور مفعولیت کی بنا پر اس کی نصب جائز نہ ہوئی اس لئے یہ اضمار علی شریطة التفسیر کے باب سے ہی نہ ہوا لہذا یہ اس قبیل سے کیسے ہو سکتا ہے کہ جس میں نصب مختار ہے ((اور اسی طرح)) یعنی ازید ذھب بہ کی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے ((کل شیٔ فعلوہ فی الزبر)) یعنی ان کے عملوں کے صحیفوں میں تو یہ اضمار علی شریطة التفسیر کے باب سے نہ ہوا کیونکہ اگر اس (کل شیٔ فعلوہ فی الزبر) اضمار علی شریطة التفسیر سے کیا

سکے مثلاً یلابس یا اذہب صیغہ معروف کے ساتھ پس اس بنار پر تقدیر مناسب اس طرح ہوگی زیدًا یلابسہ الذہاب بہ یا زیدًا یلابسہ احدٌ بالذہاب بہ یا زیدًا اذھبہ احدٌ اور ظاہر ہے کہ یہ معنی زید ذہب بہ کو لازم ہیں پس مناسب لازم یہاں موجود ہے کہ جس کی بنار پر اسم مذکور کو نصب آسکتا ہے اور اس میں یلابسہ کی دو مثالیں اس لئے ذکر کی گئی ہیں کہ مثال اول میں ملابس بہ مصدر یعنی الذہاب بہ ہے جو کہ صلہ بار کے بعد الاذہاب کے معنی میں ہے اور مثال ثانی میں افراد انسان میں سے کوئی ایک ملابس بہ ہے اور یہ دونوں صورتیں وہ سے نکل سکتی ہیں اس لئے ان کو ذکر کر دیا واللہ اعلم ۱۲

۱۹۹ قولہ قلنا المراد الخ یہ اعتراض مذکور کا جواب ہے کہتے ہیں کہ فعل مذکور کے مناسب مرادف یا لازم سے مراد یہ ہے کہ فعل مقدر اور فعل مذکور کے فاعل میں اتحاد ہو یعنی دونوں فعلوں کا مسند الیہ ایک ہی ہونا چاہئے جدا جدا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مناسب مرادف یا لازم کی جو صورت معترض نے ذکر کی ہے اس میں یہ اتحاد مفقود ہے اس لئے کہ اس میں فعل مناسب مرادف یا لازم کا یعنی مقدر کا جو فاعل ہے وہ الذہاب یا احدٌ ہے اور فعل مذکور کا فاعل زید اور ان دونوں میں اتحاد نہیں پس جب اتحاد نہیں پایا گیا تو یہ فعل مقدر مذکورہ اعتراض اس فعل مذکور کے مناسب بھی نہیں ہوگا کیونکہ شرط مفقود ہے یعنی اتحاد مسند الیہ لہذا اس کو باب اضمار سے شمار کرنا درست نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۲۰۰ قولہ واذا کان الخ پس جب بات اس طرح ہے تو مثال مذکورہ کے زید میں رفع واجب ہے ابتدائیت کی بنا پر اور مفعولیتہ کی بنا پر نصب جائز نہیں پس جب نصب جائز نہیں ہوا تو باب اضمار علی شریطة التفسیر سے بھی نہیں ہوگا۔ اور جب یہ اس باب سے نہیں ہوگا تو جن مواضع میں نصب مختار ہوتا ہے ان میں سے کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے کہ اختیار نصب اس امر پر مبنی ہے کہ اسم مذکور میں ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر کا احتمال ہو سکے اور اس میں سرے سے یہ احتمال ہی مفقود ہے لہذا زید پر رفع واجب ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۲۰۱ قولہ وکذا ای مثل الخ کذا میں کاف بمعنی مثل ہو کر مبتدا ہے اسلئے کہ کاف حرف ہے لہذا بمعنے مثل کیا گیا اور قولہ تعالیٰ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسکی خبر کلّ

التقدیر فعلوا کل شئٍ فی الزبر فقوله فی الزبر ان کان متعلِقاً بفعلوا فسد المعنی لان صحائفَ اعمالهم لیست محلا لفعلِهم لانهم لم یوقِعوا فیها فعلاً بل الکرامُ الکاتِبون اوقعوا فیها کتابةَ افعالِهم وان کان صفةً لشئٍ مع انه خلافُ ظاهرِ الآیة فاتَ المعنی المقصود اذ المقصودُ ان کلّ شی هو مفعولٌ لهم کائن فی الزبر مکتوبٌ فیها موافقاً لقوله تعالی وکلُّ صغیرٍ وکبیرٍ مستطر لان کل شئٍ کائن فی صحائف اعمالهم مفعولٌ لهم فالرفع لازم علی ان یکون کل شی مبتدأً والجملة الفعلیه صفةٌ لشئٍ والجارُ والمجرورُ فی محل الرفع علی

جائے (اور کل کو منصوب پڑھا جاتے) تو اس کی تقدیر ہوگی فعلوا کل شئٍ فی الزبر (یعنی لوگوں نے یا مخلوق نے ہر چیز یعنی خیر و شر کو صحیفوں اور کتابوں میں کیا) تو قول باری تعالےٰ فی الزبر (ظرف لغو) اگر فعلوا (مقدر ناصب) کے متعلق ہو تو اس قول کا معنی فاسد ہو جائے گا کیونکہ ان کے عملوں کے صحیفے ان کے فعل کے لئے محل نہیں (کہ وہ ان میں عملوں کو واقع کریں بلکہ صحیفے تو ملائکہ کے افعال کا محل ہیں ملائکہ سے مراد کرام کاتبین ہیں) کیونکہ لوگوں نے ان میں کسی فعل کو واقع نہیں کیا بلکہ کرام کاتبین ان صحیفوں میں ان (لوگوں) کے افعال کی کتابت کو واقع کیا اور اگر وہ (قول باری تعالیٰ فی الزبر ظرف مستقر اپنے متعلق محذوف ومقدر کے ہمراہ) شئ کی صفت ہو (صفت اور موصوف کے درمیان فصل کے جواز کی تقدیر کی بنا پر) اس کے باوجود کہ وہ (فی الزبر کا شئ کے لئے صفت ہونا) ظاہر آیت کے خلاف ہے معنی مقصود فوت ہو جائیگا کیونکہ مقصود (اس بنا پر جو ہم نے کہا کہ کل شئ مبتداء اور جملۂ فعلوا شئ کی صفت اور فی الزبر ظرف مستقر محلا مرفوع اس کی خبر ہے) یہ ہے کہ جو چیز کہ ان بندوں کی کی ہوئی ہے وہ ان کے عملوں کے صحیفوں میں ہے صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے (اس معنی مقصود کی صورت) حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول وکل صغیر وکبیر مستطر (اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے) نہ یہ کہ جو چیز کہ ان عملوں کے صحیفوں میں ہے وہ ان کی کی ہوئی ہے (کیونکہ عباد نے تو صحیفوں میں کسی چیز کو واقع نہیں کیا واقع کیا تو کجا رہا وہ اس کی قدرت تک نہیں رکھتے جب یہ بات اس طرح رہی تو اس بنا پر (کل شئ کا) رفع لازم (اور ضروری) ہوا کہ کل شئ مبتدا[۱] اور عامل معنوی کا معمول) ہو اور (جملہ فعلیہ (جو کہ اس کے بعد خلقناہ ہے محلا مجرور) شئ کی صفت ہو اور (بنا براں کہ) جار و مجرور (فی

شئ الخ نہیں ہے اس لئے کہ یہ جملہ ہے اور جملہ میں مبتدا کی طرف عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہاں موجود نہیں پس اس کی خبر قولہ تعالےٰ محذوف ہے کہتے ہیں کہ ایسے ہی یعنی از بیٔہ ذہب بہ کی طرح کل شئی فعلوہ فی الزبر باب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے نہیں ہے اور مراد اس سے ہر وہ اسم ہے کہ جو ما اضمر عاملہ کی صورت میں ہو اور اس کے بعد ایسا فعل واقع ہو کہ اگر اس کو اس اسم پر مسلط کریں نصب دینے کے لئے تو معنی فاسد ہو جائیں پس آیۃ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز کہ جس کو بندوں نے کیا ہے انکے اعمال ناموں میں مرقوم ہے چھوٹا یا بڑا کوئی فعل ایسا نہیں جو اس میں درج ہونے سے رہ گیا ہو ترکیب اس آیۃ کریمہ کی یہ ہے کلّ مضاف شئیّ مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر موصوف فعلوہ فعل اپنے فاعل ضمیر ہم مستتر اور ہ ضمیر مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا اور فی الزبر جار مجرور ظرف مستقر مرفوع محلاً خبر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا پس کل شئی کو رفع کی صورت میں پڑھا جاتا ہے اور یہ باب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس کو اس باب سے بنائیں گے اور اسم مذکور یعنی کل کو نصب دیں گے تو اس کی تقدیر فعلوا کلَّ شئیٍ فی الزبر ہو گی پس فی الزبر میں اب دو احتمال پیدا ہو جاتے ہیں ایک یہ کہ فی الزبر کو فعل کے متعلق قرار دیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ معنے فاسد ہو جائیں گے اس لئے کہ اس وقت یہ معنی ہیں کہ انھوں نے سب چیزوں کو نامہ اعمال میں کیا ہے یعنی اعمال نامے ان کے اعمال کا محل اور مقام ہیں حالانکہ صحائف اعمال بندوں کے افعال کا محل نہیں اس لئے کہ وہ اس میں کسی فعل کو بھی نہیں کرتے بلکہ کراماً کاتبین جو فرشتے اللہ تعالےٰ کی جانب سے مقرر ہیں وہ ان صحائف میں ان کے اعمال کا اندراج بصورت کتابت کر دیتے ہیں دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ فی الزبر کو شئی کی صفۃ قرار دیں باوجودیکہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے تو اس صورت میں معنی مقصود فوت ہو جاتے ہیں اسلئے کہ مقصود تو یہ تھا کہ بندے جتنے افعال کرتے ہیں وہ سب نامہائے اعمال میں درج ہوتے ہیں اور اسی معنی کی تائید قول

انه خبر المبتدأ تقديره كل شئ هو مفعول لهم ثابت فى الزبر بحيث لا يغادر صغيرة ولا كبيرة واعلم انه قد سبق ان الاسم المذكور اذا كان الفعل المشتغل عنه بضميره او متعلقه امرًا او نهيًا فالمختار فيه النصب والظاهر ان قوله تعالى الزانية والزانى فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة داخل تحت هذه القاعدة مع ان القراء اتفقوا فيه على الرفع الا فى رواية شاذة عن بعضهم فاضطر النحاة الى ان تمحلوا الاخراجه عن القاعدة المذكورة لئلا يلزم اتفاق القراء

الزبر) اس بنا پر محل رفع میں ہو کہ مبتدا کی خبر ہو (اس توجیہ کی بنا پر) اس کی تقدیر کل شئ (مبتداء) ھو (مبتداء ثانی) مفعول لھم (مبتداء ثانی کی خبر اور یہ مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر محلا مجرور شئ کی صفت ہوا) ثابت (مبتداء اول کی خبر) فی الزبر (ثابت کے متعلق ہے) بحیث (یہ بھی ثابت کے متعلق ہے) (لایغادر صغیرۃ (قلیلا) ولا کبیرۃ (کثیرا خیرا و شرا) اور معلوم ہونا چاہیئے (یہ مصنف کے قول نحو الزانیۃ والزانی الآیۃ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے) کہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جب اسم مذکور سے اعراض کرکے اس کی ضمیر یا اس کے متعلق کے ساتھ مصروف عمل ہونے والا فعل امر (ہو جیسے زیدا اضربہ) یا نہی ہو (جیسے زیدا لاتضربہ) تو اسمیں نصب ہی مختار ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ (الآیۃ) اس قاعدہ کے تحت داخل ہے اس کے باوجود کہ قراء (سبعہ) نے اس قول باری تعالیٰ میں (اسم مذکور کے) رفع پر اتفاق کیا (اور ان کا اتفاق حجت قطعیہ ہے کیونکہ انہوں نے بواسطہ یا بلا واسطہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم سے قراءت حاصل کی تو نحویوں کو ان کا اتباع لازم ہے مگر قراءت شاذہ میں بعض نحاۃ (یعنی عیسی بن عمرو) کی طرف سے (نصب مختار اور رفع غیر مختار ہے اور شاذ اگرچہ لائق اعتنا نہیں ہوتی تاہم اس سے کلی طور پر صرف نظر بھی نہیں کیا جا سکتا جب یہ صورت ہے) تو نحوی حضرات اس قول باری تعالیٰ کو قاعدہ مذکورہ سے خارج کرنے کے لئے حیلہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے تاکہ (اسم مذکور میں) قراء حضرات کو غیر مختار (یعنی رفع) پر اتفاق

فاجلدوا الخ بھی اسی قاعدہ میں مندرج ہے اور اس میں نصب مختار ہونا چاہیئے لیکن تمام قراء اسم مذکور کے رفع پر متفق ہیں مگر صرف ایک روایۃ شاذہ عیسی بن عمر کی نصب کی ہے جو شاذ ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں پس یہ حکم منقوض ہو گیا کہ امر و نہی سے پیشتر اگر اسم مذکور واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوتا

ہے کیونکہ یہاں نصب مختار نہیں بلکہ رفع ہے پس اب دو ہی باتیں ہیں یا تو مصنف کا بیان کردہ قاعدہ غلط ہے یا اتفاق قراء صحیح نہیں لیکن قراء کا اتفاق غلط ہو نہیں سکتا اس لئے کہ قراء سبعہ نے جس پر اتفاق کر لیا ہے وہ قرآن منزل من اللہ اور شائبہ اغلاط سے محفوظ ہے پس نحاۃ اس آیت کو اس قاعدہ سے نکالنے

تعالیٰ وکل صغیر وکبیر مستطر سے بھی ہوتی ہے لیکن اس صورت میں یہ معنی ہوتے ہیں کہ جو چیزیں نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ہیں ان سب کو بندوں نے کیا ہے پس اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ بندوں کے بعض اعمال ایسے بھی ممکن ہیں کہ جن کو صحائف اعمال میں درج نہیں کیا گیا اور یہ باطل ہے پس اسم مذکور میں اس بنا پر رفع واجب ہے کہ کل شئ کو مبتدا قرار دیں اور فعلوہ جملہ فعلیہ کو باعتبار رفع کے اس کی صفت یا باعتبار جر کے شئ کی صفت کہ شئ موصوف اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ ہو اور کل جو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور جار مجرور یعنی فی الزبر محل رفع میں ہونے کے اعتبار سے مبتدا کی خبر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کل شئ ہو مفعول لھم ثابتٌ فی الزبر یعنی ہر وہ شئ کہ جو بندوں کی کی ہوئی ہے دفتر میں ثابت و مرقوم ہے اس طور پر کہ نہ کوئی چھوٹا گناہ لکھنے سے چھوڑا گیا اور نہ کوئی بڑا گناہ زبر بضم الزاء والباء زبور بفتح زاء کی جمع ہے اور زبور معنی میں مزبور یعنی مکتوب کے ہے اس لئے کہ زبر کے معنے کتابت اور لکھنے کے آتے ہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زبور اس کتاب کو کہتے ہیں کہ جس میں حکمت عقلیہ کی باتیں ہوں اور کتاب وہ ہے جو احکام شرعیہ کو متضمن ہو واللہ اعلم ١٢

٢٠٢ قولہ واعلم الخ ماتن کی آئندہ عبارت ونحو الزانیۃ الخ ایک سوال مقدر کا جواب ہے شارح اس سوال کی تشریح اعلم کے ساتھ فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ ماسبق میں بیان ہو چکا ہے کہ اسم مذکور سے جب فعل ضمیر اسم یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اعراض کرے اور وہ فعل صیغۂ امر یا نہی ہو تو اس میں نصب مختار ہوتا ہے تاکہ انشاء میں تاویل کا ارتکاب نہ کرنا پڑے اور ظاہر یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ الزانیۃ والزانی

علی غیر المختار فاشار المصنف الی ما تمحلوا لاخراجه عنها فقال وَنَحْوُ الزَّانِيَةُ
وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ اَلْفَاءُ فِيْهِ مرتبطة
بِمَعْنَى الشَّرْطِ عِنْدَ الْمُبَرِّدِ لكون الالف واللام فی الزانية والزانی مبتدأ
موصولاً فيه معنی الشرط واسم الفاعل الذی هو صلته کالشرط فخبر
المبتدأ کالخبر والفاء الداخلة علیه مرتبطة بالشرط لدلالتها علی سببيته
للجزاء ومثل هذه الفاء لا يعمل ما فی حيزها فی ما قبلها فامتنع تسليط الفعل
المذكور بعدها علی ما قبلها فتعين فيه الرفع وَالْآيَةُ جُمْلَتَانِ مستقلتان

لازم نہ آئے تو مصنف نے اس حیلے کی طرف اشارہ کیا جو نحویوں نے قول باری تعالیٰ کے اس قاعدہ سے خارج کرنے کے لئے کیا تو فرمایا (اور الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة کی مانند) (مصنف کا قول ونحو مبتدأ اول ہے) (فاء) (مبتدأ ثانی ہے) (اس والزانیۃ کے مانند) میں مرتبط (مربوط) ہے (مرتبط با موحدہ تحتانیہ کی کسرہ کے ساتھ یہ مبتدأ ثانی کی خبر ہے اور مبتدأ ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتدأ اول کی خبر ہے) شرط کے معنی کے ساتھ (شرط کا معنی الزانية والزانی کے الف ولام سے مستفاد ہے اور فاجلدوا اس کی جزاء ہے اور اس پر جو فاء ہے وہ شرط وجزاء کے درمیان رابطہ ہے ابو العباس) مبرد کے نزدیک کیونکہ الزانية والزانی میں مبتدأ موصول ہے اس (مبتدأ) میں شرط کا معنی ہے (جیسا کہ گذرا کہ مبتدأ جب موصول ہو اور اس کا صلہ فعل یا ظرف ہو تو اس میں شرط کا معنی ہوتا ہے) اور اسم فاعل جو کہ اس (الف ولام) کا صلہ ہے (کیونکہ اسم فاعل یہاں پر فعل کے معنی میں ہے) شرط کی مانند ہے (لہٰذا اس کی تقدیر یوں ہوگی التی زنت ای مکنت من نفسها بالزنا والذی زنی بها تو اس وقت زنا جزاء کا یعنی جلد کا سبب ہوگا) پس مبتدأ کی خبر (یعنی فاجلدوا الذی یاتیک فاکرمہ کی طرح) جزاء کی مانند ہوگی اور اس (مبتدأ کی خبر) پر داخل ہونے والی فا (شرط کے) جزاء کے لئے سبب ہونے پر دلالت کرنے کی وجہ سے شرط کے ساتھ مرتبط ہے (یعنی جزاء کے شرط کے ساتھ ربط کے لئے لائی گئی ہے) اور اس طرح کی فاء (جو ہوا کرتی ہے یعنی جو حقیقۃً یا حکماً شرط کا جواب واقع ہو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ) جو اس کے ذیل میں ہوتا ہے وہ اس کے ماقبل میں عمل نہیں کیا کرتا لہٰذا اس (فاء) کے بعد مذکور فعل کا اس کے ماقبل پر مسلط کرنا ممنوع قرار پایا۔ پس اس میں رفع متعین ہوگیا (اور) یہ آیت

کے لئے حیلے حوالے تراشنے لگے تاکہ قرار کا اتفاق غیر مختار پر لازم نہ آئے پس ان لوگوں نے جو کچھ حیلہ تراشی کی مصنف اس کو بیان فرماتے ہیں واللہ اعلم ۱۲

۲۰۳ قوله ونحو الزانية الخ کہتے ہیں کہ مبرد اس آیت کے بارے میں کہتا ہے کہ فاجلدوا میں فاء بمعنی شرط یعنی فاء جزائیہ ہے جو کہ اپنے مدخول کو شرط سے ربط دینے کے لئے آتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ الزانية والزانی میں الف لام موصولہ ہے اور اسم فاعل یعنی زانیۃ اور زانی اس کا صلہ پھر صلہ موصول سے مل کر مبتدأ متضمن معنی شرط کو ہے اس لئے کہ جب مبتدأ موصول ہوتی ہے اور فعل یا ظرف اس کا صلہ تو اس میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں اور فعل یا ظرف شرط کی مانند ہوتا ہے پس اس میں اسم فاعل جو اس کا صلہ ہے وہ شرط کی مانند ہے اس لئے کہ اس جگہ اسم فاعل فعل کے معنی میں ہے پس اس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی التی زنت والذی زنی فاجلدوا الخ میں مبتدأ کی خبر یعنی فاجلدوا جزاء کے مثل ہوگی اور جو فاء کہ اس مبتدأ کی خبر پر داخل ہوتی ہے وہ خبر کو شرط کے ساتھ ربط دینے کے لئے ہے اس لئے کہ وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ شرط جزاء کا سبب ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ اس فاء کا حیز یعنی مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کیا کرتا اس لئے کہ یہ فاء اپنی جگہ میں واقع ہے لہٰذا اگر ایسا کریں گے تو شرط کی سببیت جزاء کے لئے باقی نہیں رہے گی بخلاف اس فاء کے جو زائدہ ہو یا اپنے موضع سے مؤخر ہو کہ اس کا مابعد اس کے قبل میں عمل کر سکتا ہے جیسے وربک فکبر ای کبر ربک اور جیسے واما بنعمة ربک فحدث ای حدث نعمة ربک پس فعل مذکور کی تسلیط جو اسم کے بعد ہے وہ ماقبل یعنی اسم پر ممتنع ہوگی اور جب تسلیط ممتنع ہوگی تو آیت ما اضمر عاملہ سے نہ ہوگی پس ابتدائیت کی بنا پر رفع متعین اور واجب ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۲۰۴ قوله والآية جملتان الخ سیبویہ کے نزدیک آیۃ کریمہ دو مستقل علیحدہ علیحدہ جملے ہیں اور اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ الزانية مبتدأ محذوف المضاف ہے یعنی اس سے پہلے اس کا مضاف محذوف ہے اور الزانی کا عطف الزانیۃ پر ہے اور خبر مبتدأ

عِنْدَ سِیْبَوَیہ اذ الزانية مبتداء محذوف المضاف والزانی عطف علیه والخبر محذوف ای حکم الزانية والزانی فیما یتلی علیکم بعد وقوله فاجلدوا جملة ثانية لبيان الحکم الموعود والفاء عنده ایضا للسببية ای ان ثبت زناهما فاجلدوا وقیل زائدة او للتفسیر وجزء الجملة لا یعمل فی جزء جملة اخری فیمتنع التسلیط فلا تدخل فی الضابطة فتعین الرفع وَاِلَّا ای وان لم تکن الفاء بمعنی الشرط و لم تکن الآیة جملتین ایضا فهی تکون داخلة تحت الضابطة فالمختار حینئذ فیها النَّصْبُ واختیار النصب باطل لاتفاق القراء علی الرفع

((دو)) مستقل ((جملے ہیں)) سیبویہ کے نزدیک)) (یہاں استقلال سے مراد یہ ہے کہ ان دو میں سے ایک کا ذکر دوسرے سے فعل کے حذف پر متفرع نہ ہو ورنہ ان میں کوئی استقلال نہیں ہے کیونکہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کے لئے بیان وتفسیر ہے دو مستقل جملے کیونکر ہیں؟) اس لئے کہ الزانیۃ (اس کے نزدیک) مبتدا محذوف المضاف ہے (اور مضاف الیہ کو مضاف کی جگہ رکھا گیا ہے جیسا کہ جاء ربک میں ہے تاکہ مبتدا پر خبر کا حمل صحیح ہو) اور الزانی (کا واو کے ذریعے سے) اس پر عطف ہے (تو مفرد کا مفرد پر عطف ہوگیا) اور خبر محذوف ہے (حذفِ جوازی کے ساتھ قرینۂ حالیہ کی بنا پر اور مضاف محذوف لفظ حکم تھا) یعنی حکم الزانیۃ والزانی (ثابتٌ) فیما (ای القرآن الذی) یتلی علیکم (ایہا المؤمنون) بَعْدُ (ظرف مکان مبنی علی الضم ہے مگر یہاں علاقۂ ظرفیت کیوجہ سے زمان حال کے لئے مستعار ہے لہذا یہاں بعد الآن کے معنی میں ہوگا) اور قول باری فاجلدوا جملۂ ثانیہ اس حکم کے بیان کے لئے (لایا گیا) ہے جس کا (فیما یتلی علیکم بعد الایۃ میں) وعدہ کیا گیا تھا اور فا ان (سیبویہ) کے نزدیک بھی فا سببیت کے لئے ہے یعنی اگر ان دونوں کا زنا (شرعًا) ثابت ہوجائے (اور وہ اس طرح کہ چار گواہ چار مجالس میں زنا کی گواہی دیں یا اقرار پایا جائے مگر ان میں وصف احصان نہ پائی جائے اور وہ حریت تکلیف، اور وطی بنکاح صحیح ہے) تو انہیں کوڑے مارو اور کہا گیا ہے کہ فاء زائدہ ہے (جملۂ ثانیہ کے جملہ اولی کے ساتھ متصل ہونے کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے اس لئے کہ جملۂ ثانیہ اس حکم کا بیان ہے جو جملہ اولی میں ہے) یا فا (اس حکم کی) تفسیر کے لئے ہے اور جملہ (فاجلدوا کل واحد منہما) کا جز دوسرے جملہ (الزانیۃ والزانی) کی جز میں عمل نہیں کرسکتا (کہ جملہ مستقل ہوتا ہے) تو تسلیط ممنوع قرار پائی پس آیت کریمہ (دونوں توجیہوں سے ما اضمر عاملہ کے) ضابطہ میں داخل نہ ہوئی پس رفع متعین ہوگیا ((ورنہ)) یعنی اگر فا شرط کے معنی میں نہ ہو اور آیت بھی دو جملے نہ ہو تو آیت (ما اضمر عاملہ کے) ضابطہ کے تحت داخل ہوگی ((تو مختار)) اس وقت اس آیت میں ((نصب ہوگی)) اور نصب کا مختار ہونا قراء سبعہ کے رفع پر اتفاق کرنے کی وجہ

کی محذوف ہے پس تقدیر عبارت یوں ہوگی ای حکم الزانیۃ والزانی فیما یتلی علیکم بعد اور فاء اس حکم موعود کو بیان کرنے کے لئے جملہ ثانیہ یعنی فاجلدوا میں لائی گئی اور فاء ان کے نزدیک بھی سببیت کے لئے ہے اور جملہ ثانیہ کی تقدیر عبارت اس طرح ہے ای ان ثبت زناہما فاجلدوا اور بعض کہتے ہیں کہ فاء زائدہ ہے اور اس امر کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے کہ جملہ ثانیہ حکم موعود کے بیان کے لئے جملہ اولیٰ سے ملحق ہے یا تفسیر کے لئے ہے یعنی جس حکم کا دعویٰ کیا گیا تھا اس حکم کی تفسیر یہ ہے بہرحال آیۃ کریمہ مستقل دو جملے ہیں اور اس وقت تسلیط مذکور ممتنع ہوگی اس لئے کہ ایک جملہ کا جزء دوسرے جملہ کے جزء میں عمل نہیں کیا کرتا پس جب تسلیط مذکور ممتنع ہوگئی تو اب یہ آیت باب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر میں داخل نہیں ہوگی پس ابتدائیت کی بنا پر اسم مذکور میں رفع ممتنع ہوگیا اور قراء کا اتفاق علی الرفع اور ضابطۂ مذکورہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہوگئے واللہ اعلم ۱۲۔

۲۰۵ قولہ والا الخ اور اگر فاء شرط کے لئے نہ ہو یا آیۃ کریمہ مستقل دو جملے نہ ہوں تو یہ آیۃ ضابطہ کے تحت میں داخل ہوجائیگی یعنی پھر اس کا شمار باب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے ہوگا اور اس وقت میں حسب ضابطہ مذکورہ نصب مختار ہوگا لیکن چونکہ قراء کا اتفاق نصب پر نہیں رفع پر ہے اس لئے نصب باطل ہوگا پس اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو فاء کو جواب شرط قرار دیا جائے یا آیۃ کو مستقل دو جملے تسلیم کئے جائیں تاکہ رفع متعین ہوجائے اور اتفاق قراء کے خلاف نہ ہو واللہ اعلم ۱۲

فلابد من جعل الفاء بمعنى الشرط او جعل الاٰية جملتين ليتعين الرفع الرَّابِعُ[۲۰۶] من تلك المواضع التى وجب حذف الناصب للمفعول به فيها التَّحْذِيْرُ وانما وجب حذف الفعل فيه لضيق الوقت عن ذكره وَهُوَ فى اللغة تخويف شئ عن شئ وتبعيده منه وفى اصطلاح النحاة مَعْمُوْلٌ اى اسم عمل فيه النصب بالمفعولية بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ تَحْذِيْرًا اى حذر ذلك المعمول تحذيرًا فيكون مفعولا مطلقًا او ذكر تحذيرًا فيكون مفعولا له مِمَّا بَعْدَهٗ اى مما بعد ذلك المعمول اَوْ ذُكِرَ[۲۰۷] الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا على صيغة المجهول عطف على حذرا وذكر المقدر فان قلت فعلى هذا لابد

سے باطل ہے لہذا فاء کا شرط کے معنی میں یا آیت کا دو مستقل جملے بنانا تعیین رفع کے لئے ضروری ہے (موضع) ((چہارم)) ان مواضع (اربعہ) میں سے کہ جن میں مفعول بہ کے ناصب کا حذف واجب ہے ((تحذیر ہے)) اور اس میں فعل کا حذف وقت کے اس کے ذکر سے تنگ ہونے کی وجہ سے ہی واجب ہے ((اور وہ)) لغت میں کسی چیز کو کسی چیز سے ڈرانا اور اس چیز کو اس (ثانی) چیز سے دور کرنا ہے (شئ اول کو محذر اور ثانی کو محذر منہ کہتے ہیں) اور نحویوں کی اصطلاح میں ((معمول ہے)) یعنی وہ اسم ہے کہ اسے (چونکہ یہاں فیہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہے لہذا ترجمہ اس میں کرنے کی بجائے اسے کریں گے) مفعول ہونے کی وجہ سے نصب کا عمل دیا گیا ہو ((اتق کی تقدیر کے ساتھ ڈرانے کے لئے)) یعنی حذر ذلک المعمول تحذیرا تو تحذیر مفعول مطلق قرار پائے گا یا (حذر کی بجائے ذکر مقدر مانا جائے تو تقدیر یوں ہوگی) ذکر تحذیرا تو تحذیر مفعول لہ ہوگا ((اس سے جو اس کے بعد ہے)) یعنی اس سے (ڈرایا جائے) جو اس معمول کے بعد ہے ((یا محذر منہ کو مکرر ذکر کیا جائے)) (عبارت میں منہ لفظ محذر کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور ضمیر الف ولام کی طرف راجع ہے کیونکہ الف ولام یہاں الذی کے معنی میں ہے ای الذی حذر منہ اور عبارت میں لفظ ذکر) صیغہ مجہول پر ہے حذر یا ذکر مقدر پر عطف ہے (حذر اور ذکر میں سے ہر واحد مقدر ہے) پھر اگر تم کہو کہ پس اس بناء پر (کہ ذکر المحذر منہ کا حذر یا ذکر مقدر پر عطف ہے) معطوف میں ضمیر کا ہونا ضروری

۲۰۶ قولہ الرابع الخ یعنی ان مواضع میں سے کہ جن میں مفعول بہ کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے چوتھا موضع تحذیر ہے اس میں حذف فعل اس وجہ سے واجب ہے کہ وقت تنگ اور قلت فرصت فعل کے ذکر کا موقع نہیں دیتی کیونکہ اگر فعل کو ذکر کیا جائیگا تو ممکن ہے کہ جس شخص کو ڈرایا گیا ہے وہ محذر منہ کا شکار ہو جائے تحذیر کے معنی لغت میں کسی شئے کو کسی شئے سے ڈرانے اور اس سے دور کرنے کے آتے ہیں اور اصطلاح نحاۃ میں اسم کو کہتے ہیں جو بنا بر مفعولیۃ اتق یا بعدہ مقدر وغیرہ کا معمول منصوب بنے تاکہ مخاطب کو مابعد سے ڈرایا جائے اب جاننا چاہیئے کہ شارح نے وھو کے بعد فی اللغۃ الخ کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ماتن کی بیان کردہ تعریف اصطلاحی ہے لغوی نہیں اور لغوی وہ ہے جو شارح نے بیان کی ہے اور ای اسم عمل فیہ النصب بالمفعولیۃ سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے سوال یہ ہے کہ ایاک والاسد میں ایاک معمول فیہ ہے نہ کہ معمول اس لئے کہ معمول نصب ہے اور وہ تحذیر نہیں لہذا تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں رہی جواب یہ دیا کہ معمول سے مراد معمول فیہ ہے یعنی وہ اسم کہ جس میں مفعولیت کی بنا پر نصب کا عمل کیا گیا ہو اب رہا ای حذر ذلک المعمول الخ کا اضافہ تو اس سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ تحذیرًا یا تو مفعول مطلق ہے ای حذر ذلک المعمول تحذیرًا یا بتقدیر ذکرا ای ذکر ذلک المعمول تحذیرًا مفعول لہ ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۰۷ قولہ اوذکر الخ اوذکر المحذر منہ الخ کا عطف تحذیرًا سے پیشتر حذر فعل مقدر یا ذکر مقدر پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اتق مقدر کا معمول محذر منہ کو قرار دے کر محذر منہ کو مکرر ذکر کر دیا جائے تاکہ اس تکرار محذر منہ سے متنبہ ہو کر محذر محذر منہ سے اجتناب کرے حاصل یہ ہوا کہ معمول تحذیر کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ وہ معمول اتق مابعد مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور اس معمول کو مابعد سے ڈرایا جائے دوسرے یہ کہ محذر منہ کو مکرر لا کر اتق فعل مقدر کا معمول قرار دیا جائے بہرحال خواہ محذر یعنی مخاطب کو معمول بنایا جائے یا محذر منہ کو دونوں قسمیں اس امر میں شریک ہیں کہ دونوں اتق یا بعد مقدر کے باعث منصوب ہوتی ہیں اب اس جگہ ایک اعتراض

من ضمیر فی المعطوف کما فی المعطوف علیه قلنا نعم لکنه وضع فی المعطوف المظهر موضع المضمر اذ تقدیر الکلام او معمول بتقدیر اتق ذکر مکررًا الا انه وضع المحذر منه موضع الضمیر العائد الی المعمول اشعارا بانه محذر منه لا محذر مثل اِیَّاکَ وَالْاَسَدَ وَاِیَّاکَ وَاَنْ تَحْذِفَ هذان مثالان لاول نوعی التحذیر ومعناهما بعد نفسک من الاسد والاسد من نفسک وبعد نفسک عن حذف الارنب وهو ضربه بالعصا و

ہے (جو معمول کی طرف لوٹے) جیسا کہ معطوف علیہ (یعنی احد الفعلین حذر یا ذکر) میں (ضمیر مستتر) ہے (گویا یوں کہنا چاہئے تھا او ذکر عندہ المحذر منہ یا المحذر منہ کو حذف کرکے یوں کہا جاتا او ذکر مکررًا تاکہ اس میں بھی معطوف علیہ کی طرح ضمیر مستتر ہوتی) ہم نے جواب دیا کہ یہ درست ہے لیکن مصنف نے معطوف میں اسم مظہر (المحذر منہ) کو مضمر کی جگہ رکھا ہے کیونکہ تقدیر کلام یوں ہے او معمول بتقدیر اتق ذکر (یعنی ذلک المعمول) مکررًا (اس صورت میں تقدیر اتق اور ذکر مکررا میں سے ہر ایک معمول کی صفت قرار پائے گا) مگر مصنف نے محذر منہ کو اس ضمیر جو کہ معمول کی طرف راجع ہے کی جگہ اس بات پر خبردار کرنے کے لئے رکھا کہ وہ (یعنی معطوف میں جو ضمیر ہے) محذر منہ ہے نہ کہ محذر (یعنی اگر معطوف میں ضمیر کی جاتی تو وہ معمول کی طرف لوٹتی تو تحذیر کے قسم ثانی میں بھی اسی کو محذر سمجھا جاتا حالانکہ وہ قسم ثانی میں محذر منہ ہے اب مصنف مثال دیتے ہیں) (جیسے ایاک والاسد وایاک وان تحذف) یہ دونوں مثالیں تحذیر کے دو قسموں میں سے قسم اول کی ہیں اور دونوں کا معنی ہے بعد نفسک (ابعدک نہیں کہا تاکہ فاعل و مفعول دونوں کی ضمیروں کا شئ واحد کے لئے اجتماع لازم نہ آئے کہ یہ جائز نہیں) من الاسد والاسد من نفسک اور بعد نفسک عن حذف الارنب اور حذف الارنب ارنب (خرگوش) کو سوٹی سے مارنا ہے (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ بہ حالت احرام خرگوش کو سوٹی سے نہ مارو یا اس لئے کہ اگر سوٹی سے وہ مرگیا تو ضائع جائے گا کھانے کے قابل

وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب او ذکر کو ماقبل پر معطوف قرار دیا گیا ہے تو جس طرح معطوف علیہ میں ضمیر موجود ہے جو معمولؒ کی طرف راجع ہے اسی طرح معطوف میں بھی عائد ہونا چاہئے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قول مصنف تحذیرًا مما بعدہٗ اپنے فعل مقدر یعنی حَذِّر یا ذُکِّر سے مل کر معمولؒ کی صفت ہے اور فعل مقدر میں ایک ضمیر مستتر یعنی ہو موجود ہے جو معمولؒ موصوف کی طرف راجع ہوتی ہے اس لئے کہ جملہ جب صفت ہوتا ہے تو صفت میں ایک عائد کا لانا ضروری ہوتا ہے جو کہ موصوف کی طرف راجع ہو تاکہ صفت اور موصوف کے درمیان ارتباط حاصل ہو جائے پھر یہ کہ اس صفت کو کہ جس میں عائد موجود ہے معطوف علیہ قرار دیا گیا ہے اور او ذکر المحذر منہ مکررًا کو معطوف پس جب معطوف علیہ میں ضمیر موجود ہوئی تو معطوف میں بھی لامحالہ ایک ضمیر ہونی چاہئے جو موصوف کی طرف راجع ہو تاکہ معطوف علیہ اور معطوف میں تناسب قائم رہے اور دونوں کا ایک حکم ہو لیکن یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ معطوف یعنی او ذکر المحذر منہ مکررًا میں کوئی ایسی ضمیر نہیں جو معمولؒ موصوف کی طرف راجع ہو پس معطوف علیہ اور معطوف میں رعایت تناسب باقی نہیں رہی اور دونوں کا حکم ایک نہ ہوا لہذا عطف کیونکر صحیح ہوگا، شارح نے قلنا سے جواب دیا کہ یہ اعتراض تسلیم ہے لیکن عائد کا فقط ضمیر میں منحصر ہونا ہم کو تسلیم نہیں بلکہ مضمر کے موقع میں مظہر کا آنا بھی عائد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ المحذر منہ مظہر ضمیر ہو مستتر کے موقع میں ہے اسلئے کہ معطوف علیہ کے فعل حَذِّر یا ذکر میں ضمیر ہو ہی معطوف کی طرف راجع تھی پس موصوف مذکور عائد سے خالی نہیں کہ عطف مذکور صحیح نہ ہو پس تقدیر عبارت اس طرح ہے او معمولؒ بتقدیر اتق ذکرہ مکررًا پس اس صورت میں ذکر میں ضمیر ہو جائیگی جو کہ معمولؒ موصوف کی طرف راجع ہوگی پھر اعتراض وارد ہوا کہ مظہر کو مضمر کی جگہ میں رکھنے سے کیا فائدہ ہے جبکہ مضمر سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور عبارت میں اصل کے مطابق ایجاز و اختصار بھی رہتا ہے اس کا جواب شارح الا انہ وضع الخ سے دے رہے ہیں کہ محذر منہ کو معمولؒ کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی جگہ میں رکھنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ معمول محذر منہ ہے محذر نہیں جیسا کہ معطوف علیہ میں محذر معمول ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۰۸ قولہ مثل ایاک الخ یہ تحذیر کی نوع اول یعنی تحذیرًا مما بعدہٗ کی مثالیں ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ مثال اول میں محذر منہ حقیقی ہے اور مثال ثانی میں تاویلی ایاک والاسد اصل میں بعد نفسک من

يعد حذف الارنب عن نفسك وعلى التقديرين المحذر منه هو الاسد والحذف فان المراد من تبعيد الاسد او الحذف من نفسك تحذيرها منهما لا تحذيرهما منها (والطريق الطريق) مثال لثانی نوعيه ای اتق الطريق الطريق ولا يخفى عليك ان تقدير اتق فی اول النوعين غير صحيح لانه لا يقال اتقيت زيدًا من الاسد فينبغی ان يقدر فيه مثل بعد ونح وتقدير بعد فی مثال النوع الثانی غير مناسب لان المعنى على الاتقاء عن الطريق لا على تبعيده فالصواب ان يقال بتقدير يعد

نہ ہوگا کہ سوٹی آلہ جارحہ نہیں ہے) اور بعد حذف الارنب عن نفسک (حذف خاء معجمہ اور حاء مہملہ دونوں کے ساتھ بمعنی پھینکنا مگر اول رمی بالاصابع سے خاص ہے) اور ان دونوں تقدیروں کی بنا پر محذر منہ اسد اور حذف ہی ہوں گے کیونکہ اسد یا حذف کے اپنے نفس سے دور رکھنے سے مراد نفس کو ان دونوں سے ڈرانا ہے نہ ان دونوں کو نفس سے ڈرانا (کیونکہ تحذیر و تخویف اس میں ہی ہوتی ہے جس میں روح اور عقل ہو اور حاذف ذوی الارواح سے نہیں ہے اور شیر ذوی العقول سے نہیں (اور والطریق الطریق) یہ تحذیر کے دو قسموں میں سے نوع ثانی کی مثال ہے یعنی اتق الطریق الطریق (اس مثال میں محذر منہ مکرر ہے مگر یاد رہے کہ جہاں معمول کا تکرار ہو وہاں عامل کا حذف ضروری ہوتا ہے اگر تکرار نہ ہو تو پھر ضروری نہیں ہوتا) اور تم سے مخفی نہ ہو کہ پہلی (دو قسموں میں اتق کی تقدیر صحیح نہیں کیونکہ (اتق فعل لازم ہے جو بلا واسطہ مفعول بہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا لہذا) اتقیت زیدا من الاسد نہیں کہا جاتا لہذا مناسب ہے کہ اس میں بعد اور نح مقدر کیا جائے (بعد تبعید اور نح تنحیہ سے امر ہیں) اور (تحذیر کی) نوع ثانی کی مثال میں بعد کی تقدیر مناسب نہیں کیونکہ (تمہارے قول الطریق الطریق کا) معنی (مخاطب کے) راستے سے پرہیز کرنے (یا کرانے) کی بنا پر نہ کہ (راستے میں چلتے ہوتے) مخاطب کو راستے سے بعید کرنے پر (حتی کہ اس صورت میں بعد کے مقدر کرنے کی حاجت ہو) پس اولی یہ ہے کہ کہا جائے بتقدیر

الاسد والاسد من نفسک تھا اول لفظ کو زائد کیا گیا تاکہ ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول کا اتصال مع فعل کے ساتھ نہ ہو اس لئے کہ جب کہ فاعل اور مفعول دونوں سے مراد شئے واحد ہو تو اتصال جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ یہاں ضمیر انت اور کاف سے مراد ایک ہی ہے یعنی مخاطب پس جب تنگی وقت اور قلت فرصت کے باعث فعل

کو حذف کیا گیا تو فاعل کو بھی اس کے ساتھ حذف کرنا پڑا اور پھر لفظ نفس کی ضرورت نہیں رہی لہذا اس کو بھی ساقط کیا پھر ضمیر متصل کو منفصل سے بدل دیا ایاک و الاسد ہو گیا پھر اس مثال میں چونکہ دو لفظ آئے ہیں ایاک اور الاسد اور دونوں منصوب ہیں لہذا دونوں کی اصل نکالی جائے گی ای بعد نفسک من الاسد یعنی دور کردے

اپنے نفس کو شیر سے اور بعد الاسد من نفسک دور کردے شیر کو اپنے نفس سے بہر صورت مآل ایک ہی نکلتا ہے یعنی یہ کہ اسد محذر منہ ہے اب رہا ایاک وان تحذف تو اس کے متعلق یہ ہے کہ حذف لاٹھی سے خرگوش مارنے کو کہتے ہیں پس اس کی اصل بھی حسب مذکور بعد نفسک عن حذف الارنب اور بعد حذف الارنب عن نفسک ہو گی یعنی تو اپنے نفس کو خرگوش کو لاٹھی سے مارنے سے بچا اور لاٹھی سے خرگوش کے مارنے کو اپنے آپ سے بچا اس مثال میں ان تحذف بتاویل مصدر ہو کر محذر منہ اسم تاویلی ہے بخلاف مثال اول کے کہ اس میں محذر منہ اسم تحقیقی ہے اس میں بھی اس کی اصل خواہ کچھ نکالی جائے محذر منہ سابق کی طرح اسم تاویلی یعنی حذف ہی ہوگا اس لیے کہ اسد اور حذف سے اپنے نفس کو دور کرنے سے مراد نفس کو ان دونوں سے ڈرانا ہے نہ یہ کہ اسد اور حذف کو نفس سے ڈرایا جائے حذف ارنب کی مثال مجرم کے لئے بولی جاتی ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۰۹ قولہ والطریق الخ یہ تحذیر کی نوع ثانی یعنی اوذکر المحذر منہ مکررًا کی مثال ہے اس میں الطریق محذر منہ مکرر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ای اتق الطریق الطریق یعنی تو اس راستہ سے بچ کہ جس میں آفت ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو ولا یخفی علیک الخ سے شارح بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ نوع اول کی دونوں امثلہ میں اتق مقدر نکالنا صحیح نہیں اس لئے کہ اتق فعل لازم ہے اور لازم کے لئے مفعول کی ضرورت نہیں ہوا کرتی اور اتقیت زیدًا من الاسد نہیں کہا جاتا (میں نے زید کو شیر سے بچا دیا) اس لئے کہ اتقاء کے معنی پرہیز

اواتق ونحوهما فيقدر مثل بعد فى جميع افراد النوع الاول وفى بعض افراد النوع الثانى مثل نفسك نفسك فان المعنى على بعد نفسك مما يوذيك كالاسد ونحوه ويقدر مثل اتق فى بعضها كالمثال المذكور قيل لفظ[٢١١] الاسد فى اياك والاسد خارج عن النوعين فينبغى ان لا يكون تحذيرا وليس كذلك فانه ايضا تحذير واجيب بانه تابع للتحذير والتوابع خارجة عن المحدود بدليل ذكرها فيما بعد ونقول[٢١٢] فى قسمى النوع الاول

بعدا واتق ونحوهما (تاکہ یہ سب صورتوں کو شامل تر ہو) پس بعد کو (تحذیر کے) نوع اول کے تمام افراد (مثلا ایاک والاسد وایاک وان تحذف وغیرہما) اور نوع ثانی کے بعض افراد میں مقدر کیا جائے گا جیسے نفسک نفسک (تو نفس یہاں پر محذر منہ ہے بلکہ مطلقاً کہ قرآن میں ہے وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء اور حدیث میں اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک) پس (نفسک نفسک کا) معنی بعد نفسک مما یوذیک کالاسد ونحوہ کی بنا پر ہے (شرح جامی کے بعض نسخوں فان المعنی بعد نفسک الخ علی کے بغیر ہے اور (متن میں) ذکر کی گئی مثال (الطریق الطریق) کی مانند (نوع ثانی کے) بعض افراد میں اتق کی مانند کو مقدر کیا جائے گا کہا گیا ہے (قائل فاضل ہندی ہے) لفظ اسد ایاک والاسد (اور لفظ ان تحذف ایاک وان تحذف) میں (تحذیر کے) دونوں قسموں سے خارج ہے تو مناسب ہے کہ (لفظ اسد) تحذیر نہ ہو حالانکہ اس طرح نہیں کیونکہ یہ بھی تحذیر ہے (کیونکہ تحذیر محذر منہ اور محذر کے ہی ہمراہ ہوتی ہے اور لفظ اسد محذر منہ ہے تو یہ تحذیر کے نوع اول میں داخل ہوا) اور جواب دیا گیا ہے کہ یہ تحذیر کے تابع ہے اور (تحذیر وغیرہ من المتبوع کے) توابع محدود سے خارج ہیں (لہذا حد سے بھی خارج ہوئے) اس دلیل سے (محدود سے خارج ہیں) کہ توابع مابعد میں (علیحدہ) مذکور ہیں ((اور ہم کہو گے)) نوع اول کے دو قسموں میں

کرنے یعنی بچنے کے ہیں پرہیز کرانے (بچانے) کے نہیں پس مناسب یہ ہے کہ قسم اول کی دونوں امثلہ میں اتق کے بجائے بعد یا نح مقدر نکالا جائے نح نحو سے مشتق ہے جس کے معنی علیحدہ اور ایک طرف کر دینے کے آتے ہیں اور بعد کی تقدیر نوع ثانی میں غیر مناسب ہے اس لئے کہ اس کے معنی راستہ سے مخاطب کے بچنے کی بنا پر مقصود ہیں مخاطب کو راستہ سے دور کر دینے کی بنا پر ملحوظ نہیں واللہ اعلم

۲۱۰ قولہ فالصواب الخ اس سے شارح اعتراض مذکور کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پس مصنف کو چاہیئے تھا کہ وہ تقدیر بعدا واتق ونحوہما کہتے پس نوع اول کی تمام امثلہ اور نوع ثانی کے بعض افراد مثلاً نفسک نفسک میں بعد مقدر نکال لیا جاتا اس لئے کہ نفسک نفسک کے معنی بعد نفسک مما یوذیک کالاسد ونحوہ کے ہیں یعنی اپنے نفس کو اس چیز سے دور کر دے جو تجھ کو ایذا پہنچائے مثلاً شیر وغیرہ اور بعض افراد میں نوع ثانی کے اتق مقدر نکال لیا جاتا جیسا کہ مثال مذکور میں ہے ای اتق الطریق الطریق پس صواب سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کی عبارت بحذف معطوف ہے ای بتقدیر اتق او بعد اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتق فعل لازم ہے یہ کسی مثال میں بھی کس طرح مقدر نکالا جا سکتا ہے جبکہ اس کو مفعول کی ہی حاجت نہیں ہوتی جواب یہ ہے کہ یہاں عبارت بحذف صلہ ہے یعنی اتق عن الطریق الطریق پس حرف جر کو حذف کر کے الطریق کو منصوب بنزع الخافض بنا دیا گیا واللہ اعلم ۱۲

۲۱۱ قولہ قیل لفظ الاسد الخ اس سے شارح ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ ایاک والاسد میں اسد تحذیر کی دونوں قسموں سے خارج ہے اس لئے کہ یہ نہ محذر ہے جیسا کہ قسم اول میں ہے اس لئے کہ محذر ایاک ہے اور نہ محذر منہ جیسا کہ قسم ثانی میں ہے اس لئے کہ مکرر نہیں پس الاسد کو تحذیر میں شمار کر کے اس کو منصوب قرار دینا درست نہیں لہذا مناسب یہ ہے کہ اس کو تحذیر میں شمار نہ کیا جائے حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ یہ بھی تحذیر ہے کیونکہ قسم اول میں تحذیر بغیر محذر منہ کے مکمل نہیں ہوتی اور لفظ اسد اس میں محذر منہ ہے پس یہ نوع اول میں داخل ہوگا واجیب سے یہ جواب دیا کہ یہ تسلیم ہے کہ یہ تحذیر نہیں مگر تابع تحذیر ضرور ہے اس لئے کہ معطوف ہے اور توابع تمام تعریفات سے خارج اور اس پر دلیل یہ ہے کہ مصنف نے توابع کو مستقل طور پر علیحدہ ذکر کیا ہے پس یہ تحذیر سے خارج ہے البتہ تابع ہونے کی وجہ سے اسی کے حکم میں ہے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسد کو بھی تحذیر میں شمار کرتے ہوئے اعتراض وارد کر دیا جائے واللہ اعلم ۱۲

۲۱۲ قولہ ونقول الخ اس کی تشریح

إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ كما كنت تقول اياك والاسد وَمِنْ أَنْ تَحْذِفَ كما كنت تقول اياك وان تحذف وَ تقول في المثال الاخير إِيَّاكَ أَنْ تَحْذِفَ بِتَقْدِيرِ مِنْ اى اياك من ان تحذف لان حذف حرف الجر عن أَنْ و أَنَّ قياس وَلَا تَقُولُ في المثال الاول إِيَّاكَ الْأَسَدَ لامتناع تقدير من وشذوذه مع غير أَنْ وأَنَّ فان قلت فليكن بتقدير العاطف قلنا حذف العاطف اشد شذوذا لان حذف حرف الجر قياس مع أَنْ وأَنَّ وشاذ كثير في

((ایاک من الاسد جس طرح کہ تم کہتے تھے ایاک والاسد (لیکن اول ابلغ ہے اور مثال ثانی میں کہوگے) ((ومن ان تحذف)) جس طرح کہ تم کہتے تھے ایاک وان تحذف ((اور)) تم مثال اخیر میں کہہ سکتے ہو ((ایاک ان تحذف تقدیر من کے ساتھ)) یعنی ایاک من ان تحذف کیونکہ حرف جر کا اَنْ (مخففہ) اور اَنَّ (مشددہ مگر دونوں کا ہمزہ مفتوحہ ہے) سے حذف کرنا قیاس (کے مطابق) ہے (کیونکہ ان مخففہ اور مشددہ حرف موصول ہے جو اپنے صلہ سے مل کر طویل ہوجاتا ہے کیونکہ یہ اپنے مابعد کے جملہ سے مل کر اسم کی تاویل میں ہوجاتا ہے جب وہ اسم جو درحقیقت واحد ہے اور بظاہر لفظوں میں طویل ہوگیا تو اس سے حرف جر کو حذف کرکے اس میں تخفیف کو جائز رکھا گیا ہے) ((اور تم نہ کہو)) مثال اول میں ((ایاک الاسد کیونکہ من کا مقدر کرنا جائز نہیں)) (یعنی حرف جر کا اسم صریح سے حذف کرنا قیاس میں درست نہیں ہے) اور (اس لئے کہ) من (کی تقدیر) ان اور ان کے غیر کے ہمراہ شاذ ہے پھر اگر تم سوال کرو کہ (جب ایاک الاسد تقدیر من کے ساتھ درست نہیں ہے تو) تقدیر عاطف (یعنی حرف عطف کو مقدر کرکے) ہونا چاہئے (گویا ایاک الاسد من الاسد کی بجائے ایاک والاسد متصور ہوا) ہم نے جواب دیا کہ عاطف کا حذف (اس باب میں حرف جر کے حذف سے) زیادہ

سے پیشتر جاننا چاہئے کہ محذر منہ کے استعمال میں قیاس عقلی اس امر کو مقتضی ہے کہ آٹھ صورتوں پر ہو اس لئے کہ محذر منہ دو حال سے خالی نہیں اسم تحقیقی ہوگا یا تاویلی پھر ان کا استعمال من کے ساتھ ہوگا یا واو کے ساتھ پس یہ چار صورتیں ہوئیں پھر ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں اس لئے کہ واو اور من دو حال سے خالی نہیں مذکور ہوں گے یا محذوف پس جب ان دو صورتوں کو مذکورہ بالا چار اقسام میں ضرب دیا تو آٹھ صورتیں پیدا ہوگئیں لیکن ان

میں سے تین صورتیں ایسی ہیں کہ جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں اس لئے کہ محذر منہ سے واو کبھی محذوف نہیں ہوگا خواہ محذر منہ اسم تحقیقی ہو یا تاویلی یہ دو صورتیں خارج ہوگئیں ایسے ہی جبکہ محذر منہ اسم تحقیقی ہو تو اس سے من کا حذف کبھی جائز نہ ہوگا یہ تیسری صورت خارج ہوگئی بخلاف اسم تاویلی کے کہ اس سے من کا حذف جائز ہے پس مصنف نے ولا تقول الخ سے اسی تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی جس طرح تحذیر کی نوع اول کی دو قسموں

(تحقیقی اور تاویلی) میں محذر منہ کو واو مذکور کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے اسی طرح من مذکور کے ساتھ بھی استعمال جائز ہے حاصل یہ ہوا کہ مندرجہ ذیل پانچ صورتیں محذر منہ میں جائز ہیں (۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور اس کا استعمال ذکر من کے ساتھ ہو (۲) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور من مذکور کے ساتھ استعمال ہو (۳) محذر منہ اسم تحقیقی واو مذکور کے ساتھ مستعمل ہو (۴) اسم تاویلی واو مذکور کے ساتھ مستعمل ہو (۵) اسم تاویلی من محذوف کے ساتھ استعمال کیا جائے، پس کہتے ہیں کہ نوع اول کی دونوں قسمیں جس طرح واو مذکور کے ساتھ مستعمل ہوتی ہیں اسی طرح من مذکور کے ساتھ بھی دونوں کو استعمال کرتے ہوئے ایاک من الاسد اور ایاک من ان تحذف کہنا جائز ہے (بجائے ایاک والاسد و ایاک وان تحذف کے) اور نوع اول کی مثال اخیر میں بجائے واو مذکور کے حذف من کے ساتھ ایاک ان تحذف کہہ سکتے ہیں ای ایاک من ان تحذف اب رہی یہ وجہ کہ اس میں حذف من کیوں جائز ہے اس کا جواب شارح لان حذف حرف الجر الخ سے دے رہے ہیں کہ ان اور اَنَّ سے حرف جر کو حذف کردینا قیاس کے مطابق ہے اس لئے کہ اَن اور اَنَّ جملہ پر داخل ہوکر بتاویل مصدر اسم واحد کرتے ہیں پس جبکہ وہ لفظ جو درحقیقت اسم واحد ہے جملہ ہونے کی وجہ سے طویل ہوجاتا ہے تو اس میں حذف حرف جر کے ساتھ تخفیف کو جائز قرار دیتے ہیں واللہ اعلم ۱۲

۲۱۳ قولہ ولا تقول الخ یہاں سے امتناع تقدیر من کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مثال اول میں تقدیر یعنی حذف من کے ساتھ ایاک الاسد کہنا جائز نہیں اس لئے کہ تقدیر من ممتنع ہے نیز اگر کہیں اَن اور اَنَّ کے غیر میں پائی بھی گئی تو یہ شاذ ہے پس شذوذ بھی تقدیر من کو مانع

غیرهما واما حذف العاطف فلم یثبت الا نادرا (المفعول فیه)[۲۱۴] وهو ما فعل فیه فعل) ای حدث (مذکور) تضمنا فی ضمن الفعل الملفوظ او المقدر او شبهه کذلک او مطابقة اذا کان العامل

شاذ ہے کیونکہ حرف جر کا حذف ان اور ان (مخففہ ومشددہ) کے ہمراہ قیاس (کے مطابق) ہے (جیسے قرآن میں ہے انضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم یعنی لِاَن کنتم یہاں لام جر مقدر ہے) اور ان وان کے غیر میں (حرف جر کا حذف) شاذ کثیر ہے (جیسا کہ قرآن میں واختار موسی قومہ یعنی من قومہ اور کہتے ہیں اَللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ یعنی بِاللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ) لیکن عاطف (یعنی حرف عطف) کا حذف تو نادر (کمیاب) ہی ثابت ہوگا (یعنی اس کا حذف شدید شاذ ہے) (مفعول فیہ اس کا نام ہے جس میں کیا گیا ہو فعل) یعنی کام (جو کہ مذکور ہو) ضمنی طور پر (یعنی غیر صریح طور پر اس تاویل سے مذکور التزاما بھی اس میں داخل ہو جائے گا) فعل ملفوظ کے ضمن میں (جیسے صمت یوم الجمعة) یا (فعل) مقدر کے (ضمن میں جیسے تم کہو یوم الجمعة اس شخص کے جواب میں جو کہے متی خرجت یعنی خرجت یوم الجمعة خواہ تقدیر فعل جوازی ہو یا وجوبی) یا شبہ فعل کے (ضمن میں جیسے انا صائم یوم الجمعة) اسی طرح (یعنی فعل کی شبہ فعل ملفوظ ہو یا مقدر ہو) یا مطابقت کے طور پر (مذکور) ہو جبکہ (مفعول فیہ میں) عامل مصدر ہو پس اس

ہے اس لئے کہ شاذ کالمعدوم ہوا کرتا ہے اور اس امتناع کی وجہ یہ ہے کہ اسماء صریحہ سے حرف جر کا حذف کرنا جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ الاسد اسم صریح ہے اب اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو شارح فان قلت سے بیان کر رہے ہیں یعنی اگر تم کہنے لگو کہ اس مثال میں ہم من کو مقدر نہیں مانتے بلکہ واو عاطفہ کو مقدر نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اصل میں ایاک والاسد تھا پس اس صورت میں ایاک الاسد کہنا درست ہوگا قلنا سے جواب یہ دیا کہ واو عاطفہ کا حذف اور بھی قبیح اور نیز اشد شذوذ ہے اس لئے کہ حذف حرف جر تو اَن اور اَنَّ میں قیاسا اور ان کے غیر میں بطور شذوذ کے خلاف قیاس بکثرت ثابت بھی ہے لیکن حذف عاطف تو کہیں بھی ثابت نہیں اِلَّا نادرًا پس یہ شذوذ سے بھی بڑھ کر اشد شذوذ ہوگا اس لئے حذف واو جائز نہیں یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محذف منہ سے حذف واو کی تین قسمیں کیوں خارج میں موجود نہیں واللہ اعلم ۱۲

۲۱۴ قولہ المفعول فیہ الخ مفاعیل خمسہ میں سے یہ تیسرا مفعول ہے مصنف کہتے ہیں کہ مفعول فیہ اس کو کہتے ہیں جس میں فعل یعنی حدث مذکور کیا گیا ہو پھر مذکور میں تعمیم ہے کہ تضمنا ہو یعنی فعل ملفوظ یا مقدر کے ضمن میں واقع ہو یا شبہ فعل ملفوظ یا مقدر کے ضمن میں جیسا کہ صمتُ یوم الجمعة میں صوم تضمنًا صمت میں مذکور ہے اور یہ فعل مذکور یعنی صوم یوم الجمعة میں پایا جا رہا ہے پس یوم الجمعة مفعول فیہ ہوگا یا مذکور مطابقةً یعنی صراحةً ہو اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ عامل مصدر ہو جیسے اعجبنی جلوسک امام زید کہ اس میں جلوس مصدر عامل ہے اور صریح ہے کہ کسی کے ضمن میں نہیں پایا جاتا پس امام زید مفعول فیہ ہوگا اب رہا یہ امر کہ شارح نے التزاما کیوں نہیں کہا حالانکہ التزاما بھی ہو سکتا ہے یعنی کوئی عامل ایسا پایا

جائے جو حدث پر دلالت کرے اسکا جواب یہ ہے کہ شارح کے مدنظر تضمنًا اور مطابقةً سے یہ ہے کہ تضمنا سے مراد غیر صریح ہے اور مطابقةً سے صریح اور یہ ظاہر ہے کہ غیر صریح میں تضمنا بھی داخل ہے اور التزاما بھی اس لئے کہ التزاما بھی غیر صریح ہوتا ہے لہذا اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا اس جگہ شارح نے ای حدثٌ کہہ کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یہ تعریف مفعول فیہ پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ فعل سے مراد فعل اصطلاحی ہے جیسا کہ کلام سے ظاہر متبادر ہے اور فعل اصطلاحی میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں نسبۃ۔ زمانہ۔ حدث یعنی کام اور مفعول فیہ میں سوائے حدث کے نسبۃ اور زمان نہیں پائے جاتے جیسے صمت یوم الجمعة کہ یوم جمعہ میں صرف فعل صوم

کیا گیا ہے نسبۃ الی فاعل ما اور زمانہ کا یوم جمعہ میں کوئی تحقق نہیں اسلئے کہ (میں نے روزہ رکھا) اس میں فعل کی نسبت فاعل یعنی متکلم کی طرف ہے اور زمانہ ماضی ہے پس صرف جمعہ کے دن اس فعل صوم کا تحقق ہوا ہے جواب یہ ہے کہ فعل سے مراد اصطلاحی نہیں لغوی ہے یعنی صرف حدث (کام) لہذا اب کوئی اعتراض نہیں پھر وہ فعل لغوی خواہ فعل مذکور کے ضمن میں پایا جائے یا وہ فعل صراحةً موجود ہو کما مر اور او شبہہ سے شبہ فعل کو بھی اس میں داخل کرنا مقصود ہے جیسے انا صائمٌ یوم الجمعة اور فعل کا ملفوظ ہونا تو ظاہر ہے رہا مقدر ہونا تو یہ بھی اسی میں داخل ہے جیسے کوئی شخص کہے متی صمت (تو نے کب روزہ رکھا) اور مخاطب جواب دے یوم الجمعة (جمعہ کے دن) تو یہ بھی اسی میں داخل ہے اس

. . . . مصدر افقوله[۲۱۵] ما فعل فيه فعل شامل لاسماء الزمان والمكان كلها فانه لايخلو زمان او مكان عن ان يفعل فيهما فعل سواءٌ ذكر الفعل الذى فعل فيهما اولا وقوله مذكور خرج به مالايذكر فِعْلُهُ فُعِلَ فيه نحو يوم الجمعة يوم طيب فانه وان كان فعل فيه فعل لا محالة لكنه ليس بمذكور لكن[۲۱۶] بقى مثل شهدت يوم الجمعة داخلا فيه فان يوم الجمعة يصدق عليه انه فعل فيه فعل مذكور فان شهود يوم الجمعة لايكون الا فى يوم الجمعة فلو اعتبر فى التعريف قيد الحيثية اى المفعول فيه ما فعل فيه فعل مذكور من حيث انه فعل فيه فعل مذكور لخرج مثل هذا المثال منه فان ذكر يوم الجمعة فيه ليس من حيث انه فعل فيه فعل مذكور بل من حيث انه وقع

(مصنف) کا قول ما فعل فیہ فعل (جنس ہے جو یوم ولیل وشہر وحول وغیرہا جیسے) تمام اسماءِ زمان ومکان کو شامل ہے کیونکہ کوئی زمان (ازمنہ میں سے) یا کوئی مکان (امکنہ میں سے) اس بات سے خالی نہیں کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام کیا جائے خواہ اس فعل کا ذکر کیا جائے . . . . جو ان میں کیا (اور پایا) گیا یا نہ اور مصنف کے قول "مذکور" سے وہ (اسم ظرف) خارج ہوگیا جس میں وہ فعل (لفظاً وتقدیراً) مذکور نہ ہو جو اس میں کیا گیا جیسے (تمہارا قول ہے) یوم الجمعة یوم طیب (اور خلف الامام افضل ثم یمینہ افضل) کیونکہ اگرچہ اس میں کوئی نہ کوئی کام کیا گیا لیکن (اس میں کوئی فعل) مذکور نہیں لیکن شہدت یوم الجمعة ابھی (مفعول فیہ کی) تعریف میں داخل ہے کیونکہ یوم الجمعہ پر صادق آتا ہے کہ فعل مذکور اس میں کیا گیا کیونکہ یوم جمعہ کی حاضری جمعہ کے دن میں ہی ہوسکتی ہے (لہذا یوم الجمعة مفعول فیہ ہوا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے اس کے باوجود وہ مفعول فیہ کی تعریف میں داخل ہوا تو تعریف مانع نہ ہوئی) پس اگر تعریف میں حیثیت کی قید کا اعتبار کیا جائے یعنی مفعول فیہ وہ ہے جس میں فعل مذکور کیا جائے اس حیثیت سے کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہو (یہ حیثیت کا اعتبار ہے) تو مفعول فیہ کی تعریف سے اس (شہدت یوم الجمعة) جیسی مثال خارج ہوجائے گی (لہذا مفعول کی تعریف اپنے افراد کو جامع اور غیر کو مانع عن الدخول فی التعریف ہوکر رہ گئی) کیونکہ مثال مذکور میں یوم الجمعة کا ذکر اس حیثیت سے نہیں کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا بلکہ اس حیثیت سے (ذکر

لئے کہ اس جگہ اگرچہ فعل لفظوں میں نہیں ہے لیکن مقدر ضرور ہے ای صمت یوم الجمعة

اور قرینہ اس کی تقدیر کا سوال سائل ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۱۵ قولہ فقولہ الخ یہاں سے شارح فوائد قیود بیان فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ قول مصنف ما فُعِلَ فیہ فعلٌ اسماء زمان اور مکان سب کو شامل ہے اس لئے کہ کوئی زمان یا مکان ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی فعل نہ کیا گیا ہو خواہ وہ فعل جو ان دونوں میں کیا گیا ہے مذکور ہو یا نہ ہو یعنی اس کی طرف کسی قسم کا التفات نہ کیا گیا ہو پھر جب مصنف نے مذکورٌ کہا تو اس سے وہ مکان یا زمان خارج ہوجاتا ہے کہ جس میں وہ فعل جو ذکر کیا گیا ہو مذکور نہ ہو جیسے یوم الجمعة یوم طیبٌ کہ اس میں اگرچہ کوئی نہ کوئی فعل تو ضرور کیا گیا ہے لیکن وہ فعل مذکور نہیں لفظاً تو ظاہر ہے اور معناً اس وجہ سے نہیں کہ جب یوم اول کو ابتدائیت اور یوم ثانی کو خبریت کی بنا پر رفع دے دیا گیا تو ان دونوں میں عامل معنوی ہوگیا لہذا تقدیر عامل کی اب کوئی احتیاج باقی نہیں رہی پس اس میں کوئی عامل مقدر بھی نہیں نکالا جائے گا واللہ اعلم ۱۲

۲۱۶ قولہ لکن بقی الخ یہ ایک اعتراض ہے جس کو بیان کرکے شارح آگے چل کر اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں مفعول بہ بھی داخل ہوجاتا ہے جیسے شہدتُ یوم الجمعة میں یوم الجمعة مفعول بہ ہے لیکن اس پر مفعول فیہ کی تعریف صادق آرہی ہے یعنی یہ کہ جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو اس لئے کہ شہود نہیں ہوگا مگر یوم جمعہ میں اس کا جواب فلو اعتبر الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگر تعریف میں قید حیثیت کا اعتبار کر لیا جائے یعنی مفعول فیہ وہ ہے کہ جس میں وہ فعل مذکور اس حیثیت سے کیا گیا ہو کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہو تو یہ مثال اس سے خارج ہوجائے گی اس لئے کہ اس میں یوم جمعہ کا ذکر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہو بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل

علیه فعل مذکور ولایخفی[۲۱۷] انه علی تقدیر اعتبار قید الحیثیة لاحاجة لنٰ
قوله مذکور الالزیادة تصویر المعرّف وقوله[۲۱۸] مِن زَمَانٍ اَوْ مَکَانٍ بیان
لما الموصولة اوالموصوفة اشارة الی قسمی المفعول فیه وتمهید البیا ن
حکم کل منهما وهو ای المفعول فیه ضربان مایظهر فیه فی وهو مجرور
بها ومایقدر فیه فی وهو منصوب بتقدیرها وهذا خلاف اصطلاح القوم

ہوا) کہ یوم الجمعہ پر فعل مذکور واقع ہوا (لہذا مثال ہذا میں یوم الجمعۃ مفعول بہ قرار پائے گا نہ کہ مفعول فیہ لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ مفعول فیہ کی تعریف جس طرح جامع ہے اسی طرح دخول غیر سے مانع بھی ہے) اور (اے طالب منصف) تجھ پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ (مفعول فیہ کی تعریف میں) قید حیثیت کے اعتبار کی تقدیر پر (مفعول فیہ کی تعریف میں) مصنف کے قول "مذکور" کی کوئی حاجت نہیں مگر صورت تعریف کی زیادتی کے لئے (تصویر مصدر ہے بمعنی صورت اور معرف بفتح راء مہملہ تعریف سے مصدر میمی ہے کیونکہ مصدر میمی واسم مفعول واسم زمان واسم مکان ثلاثی مزید فیہ میں سے اس باب کے مضارع مجہول کے وزن پر آتے ہیں کما صرح بہ فی علم الصرف لہذا معنی یوں ہوگا الالزیادۃ صورۃ التعریف) اور مصنف کا قول «من زمان اومکان» ماموصولہ یا موصوفہ (جوکہ ما فعل فیہ فعل میں ہے) کا بیان ہے تاکہ (اس سے) مفعول فیہ کے دوقسموں (ظرف زمان اور ظرف مکان) کی طرف اشارہ اور دونوں میں سے ہر ایک کے بیان کے لئے تمہید ہوجائے (جامی علیہ الرحمۃ کی عبارت میں اشارۃً اور تمہیداً مفعول لہ ہیں) اور وہ یعنی مفعول فیہ (مصنف کے نزدیک) دوقسم ہے (اور جمہور کے نزدیک ایک ہی ہے یعنی منصوب بہ تقدیر فی اور مصنف کے نزدیک ان دوقسموں میں سے ایک) وہ کہ جس میں لفظ فی ظاہر کیا جائے اور وہ اس سے مجرور ہو (جیسے سرت فی یوم الجمعۃ) اور (دوسرا) وہ کہ جس میں لفظ فی مقدر کیا جائے اور وہ تقدیر فی سے منصوب ہو (جیسے سرت یوم الجمعۃ) اور یہ (مفعول فیہ کا دوقسم ہونا ایک وہ کہ جس میں فی مقدر کیا جائے دوسرا وہ کہ جس میں ظاہر کیا جائے) قوم (نحاۃ) کی اصطلاح کے خلاف ہے (شارح علیہ الرحمۃ کا نحویوں کو یہاں پر قوم ایسے عام لفظ سے یاد فرمانا ان کے مذہب کے ضعیف اور مصنف کے قوی

مذکور یعنی شہود واقع ہے پس شہدت یوم الجمعۃ کے معنے یہ ہیں کہ میں حاضر ہوا اور میں نے روز جمعہ کو پایا نہ یہ کہ میں نے شہود کو روز جمعہ میں پایا پس جب اس میں قید حیثیت کا اعتبار کر لیا گیا تو مثال مذکور تعریف مفعول فیہ سے خارج ہوجائے گی اور قید حیثیت اکثر تعریفات میں معتبر ہوتی ہی رہتی ہے لہذا اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں واللہ اعلم ۱۲

۲۱۷ قولہ ولایخفی الخ یہ ایک سوال ہے جو قید حیثیت کے اعتبار کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے سوال یہ ہے کہ جب تعریف میں قید حیثیت کا اعتبار ہے تو قول مصنف مذکورٌ کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے کہ مذکورٌ یوم الجمعۃ یومٌ طیبٌ کو خارج کیا گیا ہے اور یہ قید حیثیت سے بھی خارج ہوجاتا ہے اسلئے کہ اس میں فعل مذکور کیا تو گیا ہے مگر من حیث انہ فُعِلَ فیہ فعلٌ نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ یوم الجمعۃ پہ یومٌ طیبٌ محمول ہے لہذا شارح کا منشا اس اعتراض سے یہ ہے کہ مصنف کو قید مذکورٌ کے اضافہ کی ضرورت نہیں اور اختصار بھی اسی کا مقتضی ہے کہ اس کو ذکر نہ کیا جائے اس کا جواب الالزیادۃ الخ سے خود ہی یہ دے رہے ہیں کہ شاید یہ قید اس وجہ سے مصنف نے زائد کردی ہے کہ مفعول فیہ کی تعریف زیادہ واضح اور صاف ہوکر سامنے آجائے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں واللہ اعلم ۱۲

۲۱۸ قولہ وقولہ من زمان الخ ماتن نے تعریف مفعول فیہ میں جو ما فُعِلَ فیہ الخ کہا ہے اس میں ما موصولہ یا موصوفہ ہے اسی کو من زمانٍ او مکانٍ سے مصنف بیان فرماتے ہیں شارح کہتے ہیں کہ قول مصنف من زمانٍ او مکانٍ ماموصولہ یا موصوفہ کا بیان ہے اور اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں یعنی زمان ومکان بیان دونوں قسموں کے احکام جدا جدا بیان کرنے کے لئے بطور

تمہید کے ہے پھر قول مصنف وشرط نصبہ الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں زمان ومکان کے علاوہ اور ہیں یعنے تقدیر فی اور ذکر فی کے اعتبار سے پس شارح کہتے ہیں کہ مفعول فیہ دوقسم پہ ہے ایک وہ کہ اس میں فی حرف جر ظاہر ہو اور وہ اسم فی کی وجہ سے

مجرور ہو اور دوسری قسم وہ ہے کہ فی ملفوظ نہ ہو مقدر ہو اور مفعول فیہ تقدیر فی کے باعث منصوب ہو اس پہ شارح وہذا خلاف اصطلاح القوم الخ سے اعتراض کرتے ہیں کہ مفعول فیہ کا دوقسموں پہ ہونا اصطلاح قوم کے خلاف ہے اس لئے کہ جمہور نحاۃ مفعول فیہ کا اطلاق

فانہم لا یطلقون المفعول فیہ الا علی المنصوب بتقدیر فی واما المجرور
بہا فھو مفعول بہ بواسطۃ حرف الجر لا مفعول فیہ وخالفہم المص
حیث جعل المجرور ایضًا مفعولًا فیہ ولذلک قال وَشرُطُ نَصبِہٖ ای
شرط نصب المفعول فیہ تَقدِیرُ فِیْ اذا التلفظ بہا یوجب الجر وَظُرُوفُ (۲۱۹)
الزَّمَانِ کُلُّہَا مبہما کان الزمان او محدودًا تَقبَلُ ذٰلِکَ ای تقدیر
فی لان المبہم منہا جزء مفہوم الفعل فیصح انتصابہ بلا واسطۃ کالمصدر
والمحدود منہا محمول علیہ ای علی المبہم لاشتراکہما فی الزمانیۃ نحو

ہونے کی طرف اشارہ ہے) کہ یہ لوگ (قوم نحاۃ) منصوب بہ تقدیر فی پر ہی مفعول فیہ کا اطلاق کرتے ہیں اور رہا مجرور بہ لفظ فی تو وہ (ان کے نزدیک) بہ واسطۂ حرف جر مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں اور مصنف نے ان کی مخالفت کی کیونکہ اس نے مجرور کو بھی مفعول فیہ قرار دیا

مصنف علیہ الرحمۃ کی رائے صائب

ہے کیونکہ جس طرح مفعول فیہ کی تعریف منصوب بہ تقدیر فی پر صادق آتی ہے اسی طرح مجرور بہ فی پر بھی صادق آتی ہے اور نیز اس لئے کہ جس طرح منصوب بہ تقدیر فی فعل کے لئے ظرف ہوتا ہے یوں ہی مجرور بہ فی بھی اس کے لئے ظرف ہوتا ہے جب حد صادق آئی تو محدود بھی صادق آگیا کیونکہ صدق الحد علی الشئ صدق المحدود علی ذلک الشئ کو مستلزم ہے لہٰذا منصوب بہ تقدیر فی کی طرح مجرور بہ فی پر بھی مفعول فیہ کا اطلاق صحیح رہا) اور اسی وجہ سے مصنف نے کہا ((اور اس کی نصب کی شرط)) یعنی مفعول کی نصب کی شرط ((تقدیر فی ہے)) کیونکہ فی کا تلفظ (مفعول فیہ میں) جر کو واجب کرتا ہے ((اور ظروف زمان سب کے سب)) زمان مبہم ہو (کہ جس کی کوئی حد اور انتہاء کا اعتبار نہ کیا گیا ہو جیسے وقت اور حین) یا محدود ((اس کو قبول کرتا ہے)) یعنی تقدیر فی کو کیونکہ ظرف مبہم ظروف زمان سے فعل کے مفہوم کا جزء ہوتا ہے (کیونکہ فعل حدث اور زمان ہی کا نام تو ہے) لہٰذا اس کا بلا واسطہ منصوب ہونا صحیح ہے مصدر کی طرح (کہ مصدر جو کہ حدث ہے فعل کے مفہوم کا جزء ہے تو فعل اس کو کسی واسطہ کے بغیر نصب دیتا ہے یوں ہی ظرف زمان کو بھی اس کا بلا واسطہ نصب دینا صحیح ہے) اور ظروف زمان میں سے ظرف محدود اس پر یعنی مبہم پر محمول ہے کیونکہ زمانیت میں دونوں مشترک

اسی اسم پر کرتے ہیں جو بتقدیر فی منصوب ہو لیکن جس میں ذکر فی کے باعث جر آئے وہ بواسطہ حرف جر مفعول بہ ہوتا ہے مفعول فیہ نہیں پس معلوم ہوا کہ مصنف نے مجرور بمدخول فی کو بھی مفعول فیہ میں شامل کر کے جمہور نحاۃ کی

مخالفت کی ہے اسی وجہ سے انھوں نے مفعول کے نصب کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسکے نصب کے لئے شرط یہ ہے کہ اسم سے پیشتر فی مقدر ہو اس لئے کہ اگر فی ملفوظ ہوگا تو اس سے جر واجب ہوگا اور مفعول فیہ پر نصب

نہیں آسکتا۔

(فائدہ) جاننا چاہیئے کہ تقدیر فی کی دو صورتیں ہیں تقدیر من حیث العمل اور تقدیر من حیث المعنٰی اور اول ہو تو اس کے تقدیر یا وجود اسم پر جر آئے گا کیونکہ اس کا عمل باقی رہے گا اسی لئے اس کو مقدر من حیث العمل کہتے ہیں اور اگر ثانی ہو تو جر نہیں آئے گا یہی اس جگہ مراد ہے پھر یہ کہ جلستُ بالمسجد جلستُ فی المسجد کے معنے میں ہے لہٰذا یہ بھی مفعول فیہ میں داخل ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۱۹ قولہ وظروف الزمان الخ ظروف زمان کل کے کل خواہ مبہم ہوں یا محدود تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں مبہم کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ کی کوئی حد متعین نہ ہو جیسے حین۔ وقت وغیرہ اور محدود وہ زمانہ ہے کہ جس میں حد و نہایت کا اعتبار ہو جیسے دن۔ رات۔ مہینہ سال وغیرہ بہر حال یہ تقدیر فی کو اس وجہ سے قبول کرتے ہیں کہ زمان مبہم مفہوم فعل کا جزء ہوتا ہے یعنی جو زمانہ مفہوم فعل کا جزء ہوتا ہے وہ مبہم ہوتا ہے عام ازیں کہ فعل ماضی ہو یا حال یا استقبال یہ مطلب نہیں کہ ہر زمان مبہم مفہوم فعل کا جزء ہوتا ہے اس لئے کہ بہت سے مبہم زمانے کسی بھی فعل کا جزء نہیں ہوتے پس جبکہ یہ مفہوم فعل کا جزء ہے تو اس کو بلا واسطہ حرف جر کے تقدیر فی کے ساتھ نصب دینا صحیح ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب جزء فعل کو علیحدہ مستقل طور پر ذکر کرتے ہیں تو وہ بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مصدر یعنی مفعول مطلق اور یہ بھی جزء ہے اور فعل سے علیحدہ مذکور ہے مستقل طور پر لہٰذا اس کو بھی نصب دینا صحیح ہوگا۔ اب رہا محدود کا منصوب ہونا تو اس کو زمان مبہم پر حمل کرتے ہیں اس لئے کہ دونوں زمانیت میں شریک ہیں ظرف زمان مبہم کی مثال جیسے صمتُ دہرا

صمت دهراً وافطرت الیوم وَظُروف المَکان[۲۲۰] لِنْ کَانَ المکان مُبْهَمًا قَبِلَ ذَالِكَ ای تقدیرَ فی حملا علی الزمان المبهم لاشتراکهما فی الابهام نحو جلست خلفك وَاِلَّا ای وان لم یکن مبهمًا بل یکون محدُودًا فلا یقبل تقدیر فی اذ لم یکن حمله علی الزمان المبهم لاختلا فهما ذاتا وصفة نحو جلست فی المسجد وَفُسِّرَ المُبْهَمُ من المکان بِالْجِهَاتِ السِّتِّ و هی امام وخلف ویمین وشمال وفوق وتحت وما فی معناها فان امام زید مثلا یتناول جمیع مایقابل وجهه الی انقطاع الارض فیکون مبهما و[۲۲۱] لمالم یتناول هذا التفسیر بعض الظروف المکانیة الجائز نصبها قال وَ حُمِلَ عَلَیْهِ ای علی المبهم المفسر بالجهات الست عِنْدَ وَلَدٰی وَشِبْهُهُمَا

ہیں جیسے صمت دہرا اور افطرت الیوم (اور) ظروف (مکان) (کی بات یہ ہے کہ) (اگر) مکان (مبہم ہو تو اس کو قبول کرتا ہے) یعنی تقدیر فی کو اسے زمان مبہم پر محمول کرنیکی وجہ سے کیونکہ دونوں ابہام میں مشترک ہیں جیسے جلست خلفک (ورنہ) یعنی اگر ظرف مکان مبہم نہ ہو بلکہ محدود ہو (تو نہیں) قبول کرتا تقدیر فی کو (بلکہ اس میں ذکر فی ضروری ہوگا) کیونکہ اسے زمان مبہم پر محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ محدود اور مبہم ذات وصفات میں باہم مختلف ہیں (کہ ایک مکان ہے اور ایک زمان پھر ایک محدود ہے اور ایک لامحدود) جیسے جلست فی المسجد (اور ظرف مبہم) از قبیل مکان (کی شش جہات سے تفسیر کی گئی ہے) اور شش جہات یہ ہیں امام اور خلف اور یمین اور شمال اور فوق اور تحت اور جو ان کے معنی میں ہیں (جیسے قدام اور بعد اور وراء اور یسار وقبل ودبر وغیرھا یہ تقسیم کل کی اجزاء کی طرف ہے نہ کہ کلی کی جزئیات کی طرف) تو امام زید مثال کے طور پر اس سب جگہ کو شامل ہے جو انتہاء زمین تک زید کے رخ کے مقابلے میں ہے لہذا شش جہات میں سے) ہر ایک مبہم ہوا اور جبکہ (مکان مبہم کی) یہ تفسیر بعض ظروف مکانیہ کہ جن کی نصب جائز ہے کو شامل نہ تھی تو مصنف نے کہا (اور محمول ہوگا اس پر) یعنی مبہم پر کہ جس کی شش جہات سے تفسیر کی گئی (عند اور لدی اور ان دونوں کے مشابہ) جیسے دونا

ایک زمانہ تک میں نے روزہ رکھا اس میں زمانہ کی کوئی تعیین نہیں زمان محدود کی مثال جیسے افطرتُ الیومَ میں نے آج افطار کیا اس میں آج کی تخصیص وتحدید ہوگئی واللہ اعلم۔

۲۲۰ قولہ وظروف المکان الخ ظروف مکان کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر مکان مبہم لامحدود ہو تو ظرف مکان بھی تقدیر فی کو قبول کرے گا اور منصوب ہوگا بنابراس کے کہ اس کو زمان مبہم پر محمول کیا جائے اس لئے کہ دونوں وصف ابہام میں مشترک ہیں جیسے جلست خلفک کہ اس میں خلف (پیچھے) لامحدود وغیر معین مبہم ہے یعنی اس کا اطلاق مخاطب کی تمام پیچھے کی جگہ تک آسکتا ہے روئے زمین کے اختتام تک اور اگر ظرف مکان مبہم نہ ہو محدود ہو تو اس وقت یہ تقدیر فی کو قبول نہیں کریگا اور اس کو نصب نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ اس کا حمل زمان مبہم پر ممکن نہیں کیونکہ دونوں میں ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ اختلاف ذاتی تو یہ ہے کہ ذات اول یعنی زمان مکان کے مغایر ہے اور اختلاف فی الوصف یہ ہے کہ زمان مبہم ہوگا کیونکہ تقدیر فی مبہم میں ہی ہوتی ہے اور مکان محدود پس محدود کا حمل مبہم پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اپنی حالت اصلیہ پر برقرار رہے گا یعنی حرف جر کا واسطہ آئے گا جیسے جلستُ فی المسجد واللہ اعلم ۱۲

۲۲۱ قولہ وفسر المبہم الخ جب مکان مبہم کا مصنف نے تذکرہ کیا کہ اس کو بتقدیر فی نصب دیا جاتا ہے تو اب اس کی تشریح کو بیان فرماتے ہیں تاکہ مبتدی کسی الجھن میں مبتلا نہ ہوں کہتے ہیں کہ مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی جاتی ہے یعنی جہات ستہ تمام مکان مبہم ہیں جہات ستہ یہ ہیں قدام۔ خلف یمین۔ یسار۔ فوق۔ تحت۔ آگے۔ پیچھے۔ دائیں بائیں۔ اوپر۔ نیچے۔ اور جو اس کے معنی میں ہوں وہ بھی مکان مبہم میں داخل ہوں گے اور ان کے مبہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً امام زید (زید کے آگے) ہر اس چیز کو شامل ہے جو زید کے چہرہ کے مقابل ہوگی روئے زمین کے اختتام وانقطاع تک پس جب لامحدودیت پائی گئی تو لامحالہ ابہام موجود ہوا واللہ اعلم ۱۲

۲۲۲ قولہ ولمالم یتناول الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی گئی ہے۔ حالانکہ بعض ظروف مکان ان کے علاوہ بھی تقدیر فی کو قبول کرتے ہوئے منصوب ہوتے ہیں پس یہ تفسیر کس طرح درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ اعتراض تسلیم ہے اسی لئے جبکہ جہات

نحو دون وسوای لِلابْهَامِهِمَا ای لابهام عند ولدی ای ولم یذکر وجه حمل شبههما علیه لان حکمه حکمهما وفی بعض النسخ لابهامها کما هو الظاهر وکذا حمل علی المبهم من المکان وَلَفْظُ مَکَانٍ [۲۲۳] وان کان معینا نحو جلست مکانک لِکَثْرَتِهٖ فی الاستعمال مثل الجہات الست لا لابہامه [۲۲۴] وکذا حمل علیه مَابَعْدَ دَخَلْتُ وان کان معینا نحو دخلت الدار لکثرته فی الاستعمال لا لابہامه عَلَی الْاَصَحِّ ای علی المذهب الاصح فانه ذهب بعض النحاة الی انه مفعول به لکن الاصح انه مفعول فیه والاصل استعماله

اور سوی (بہ مکان جیسے کہتے ہیں المال سوی زید ای مکانہ) ((ان دونوں کے ابہام کیوجہ سے)) یعنی عند اور لدی کے ابہام کی وجہ سے (ان کو شش جہات پہ محمول کیا گیا اور مصنف نے ان دونوں کے ظرف مبہم پہ محمول کرنے کی وجہ ذکر نہیں کی اس لیے کہ اس کا حکم ان دونوں کا حکم ہے (کیونکہ مشبہ کا حکم مشبہ بہ کا حکم ہوتا ہے) اور (کافیہ کے) بعض نسخوں میں (لابہامہما کی جگہ) لابہامہا ہے جیساکہ ظاہر ہے (کہ وجہ حمل عند ولدی میں نہیں تمام محمولات میں مذکور ہو جائے اس صورت میں ہا ضمیر تانیث عند اور لدی کے علاوہ دیگر محمولات کو بھی شامل ہو گی یعنی عند، لدی اور ان کے مشابہ سب ظروف مکان کو ان کے ابہام کی وجہ سے ظرف مکان مبہم مفسر بہ جہات ستہ پر محمول کیا گیا) ((اور)) اسی طرح ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا ((لفظ مکان)) کو اگرچہ یہ معین ہے جیسے جلست مکانک ((اس کے کثرت)) استعمال ((کی وجہ سے)) جہات ستہ (کے کثرت استعمال) کی طرح اس کے ابہام کی وجہ سے نہیں ((اور)) اسی طرح مبہم پر محمول کیا گیا ((دخلت کے مابعد کو)) اگرچہ یہ معین ہے جیسے دخلت الدار (اسی طرح سکنت اور نزلت کے مابعد کو بھی) کثرت استعمال کی وجہ سے (ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا) اس کے مبہم ہونے کی وجہ سے نہیں (کیونکہ یہ مبہم ہی نہیں ... بلکہ معین ہیں) ((صحیح ترین پر)) یعنی صحیح ترین قول کی بنا پر کیونکہ (اس کے خلاف بھی ایک مذہب ہے وہ یہ کہ) بعض نحوی اسیات کی طرف گئے ہیں کہ دخلت کا مابعد مفعول بہ ہے (کہ جس طرح ضرب کا مضروب کے بغیر تعقل نہیں ہو سکتا یوں ہی دخول کا تعقل بھی متعلق کے بغیر نہیں ہو سکتا) لیکن صحیح ترین بات یہ ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے (کیونکہ دخول لازم ہے امکنہ کے عنبر میں اس کے بعد لازما فی آتا ہے جیسے دخلت فی الامر دخلت الامر نہیں کہا جاتا اور اس لئے کہ فی کے واسطہ کے بغیر اس کے متعلق کا تعقل نہیں ہو سکتا مفعول بہ کے برعکس)

کی گئی ہے لہذا اب کوئی اعتراض کی بات نہیں اور وہ بعض ظروف یہ ہیں عند، لدی اور ان کے مشابہ جیسے دون سوی وغیرہ اور ان کے حمل کی وجہ یہ ہے کہ عند اور لدی مبہم ہیں اس لئے کہ عند کے معنے اطراف وجوانب کے ہیں پس جب جلستُ عندک کہا جائیگا تو اس میں مخاطب کے تمام اطراف وجوانب شامل ہوں گے پس ابہام پایا جائے گا اور اسی ابہام کی وجہ سے ان کو جہات ستہ پہ حمل کیا گیا ہے نہ یہ کہ ان میں بھی جہات ستہ میں سے کوئی جہت موجود ہے اب رہی یہ وجہ کہ مصنف نے عند اور لدی کے حمل کی وجہ تو بیان کر دی ان کے مشابہات کی وجہ بیان نہیں کی تو اس کا جواب شارح ولم یذکر الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ ان کی وجہ اس لئے بیان نہیں کی کہ مشابہت کی وجہ سے جو حکم مشبہ بہ یعنی عند وغیرہ کا ہے وہی مشبہ کا بھی ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں میں لابہامہما کے بجائے ولابہامہا موجود ہے اور یہی ظاہر بھی ہے تاکہ تمام کو شامل ہو جائے اور کسی قسم کا اعتراض وارد نہ ہو واللہ اعلم ۱۲

۲۲۳ قولہ وکذا حمل الخ ایسے ہی لفظ مکان کو بھی مکان مبہم پر محمول کیا جاتا ہے اگرچہ یہ معین ومحدود ہے جیسے جلستُ مکانک (میں تیری جگہ بیٹھا) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہے جیسا کہ جہات ستہ بکثرت مستعمل ہوتی ہیں پس یہ حمل کثرت استعمال کے باعث ہے ابہام کے سبب سے نہیں اس لئے کہ کثرت مقتضی ہے تخفیف کو اور تخفیف اس میں ہے کہ فی کو حذف کرکے بتقدیر فی منصوب پڑھیں لہذا لفظ مکان کو بھی منصوب پڑھیں گے واللہ اعلم ۱۲

۲۲۴ قولہ وکذا حمل علیہ الخ ایسے ہی کثرت استعمال کے باعث دخلت کے مابعد کو بھی اصح مذہب کی بنا پر مکان مبہم پر حمل کرتے ہیں اگرچہ یہ معین ہوتا ہے جیسے دخلتُ الدار

ستہ بعض ظروف مکانیہ کو شامل نہیں تھے کہ جن میں بتقدیر فی نصب جائز ہے تو مصنف نے کہا کہ تحدید تو جہات ستہ میں ہی ہے البتہ

دوسرے بعض ظروف مکانیہ کو جو منصوب ہوتے ہیں ان پر حمل کیا جائیگا پس اس مکان مبہم پر کہ جس کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ

بجوف الجو لكنه حذف لكثرة استعماله وهذا المحل[225] تامل فان الفعل لا يطلب المفعول فيه الا بعد تمام معناه ولا شك ان معنى الدخول لا يتم بدون الدار وبعد تمام معناه بها يطلب المفعول فيه كما اذا قلت دخلت الدار في البلد الفلاني فالظاهر انه مفعول به لا مفعول فيه وممّا يؤيد[226] ذلك ان كل فعل نسب الى مكان خاص بوقوعه فيه يصح ان ينسب الى مكان شامل له ولغيره فانه اذا قلت ضربت زيدا في الدار التي هي جزء من البلد فكما يصح ان تقول ضربت زيدا في الدار كذلك يصح ان تقول ضربته في البلد وفعل الدخول بالنسبة الى الدار ليس كذلك فانه اذا قال

اور دخلت کا اصل استعمال حرف جر (یعنی فی) کے ساتھ ہے لیکن دخلت کے کثرت استعمال کی وجہ سے (بہ ارادہ تخفیف فی اللفظ) حرف جر کو حذف کر دیا گیا اور یہ (دخلت کے مابعد کا علی القول الاصح مفعول فیہ اور دخلت کا لازم ہونا) محلِ غور ہے کیونکہ فعل (مطلقاً) اپنے معنی کے تمام ہوئے بعد ہی مفعول فیہ کو طلب کرتا ہے (اور فعل کا معنی فاعل سے تمام ہوتا ہے اگر لازم ہو اور فاعل کے ساتھ مفعول بہ کے ہمراہ تمام ہوتا ہے اگر متعدی ہو) اور اس میں شک نہیں کہ دار کے بغیر دخول کا معنی تمام نہیں ہوتا اور اس کے معنی کے تمام ہونے کے بعد مفعول فیہ کو چاہتا ہے جیسا کہ تم کہو دخلت الدار فی البلد الفلانی تو ظاہر یہ ہے دار مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں اور ان امور میں سے کہ جو دخلت کے مابعد کے مفعول بہ ہونے نہ کہ مفعول فیہ ہونے کی تائید کرتا ہے یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو مکان خاص کی طرف اس میں واقع ہونے کی وجہ سے منسوب ہو اس فعل کا ایسے مکان کی طرف منسوب ہونا صحیح ہوتا ہے جو اس مکان خاص اور اس کے علاوہ دوسرے مکان کو شامل ہو پس جب تم نے کہا ضربت زیدا فی الدار الخ (یعنی میں نے زید کو اس دار میں مارا جو کہ شہر کا ایک حصہ ہے) تو جس طرح تمہارا ضربت زیدا فی الدار کہنا صحیح ہے اسی طرح تمہارا ضربت زیدا فی البلد (یا فی المحلۃ التی شاملۃ لتلک الدار ولغیرہا) کہنا صحیح ہوگا اور فعلِ دخول دار کی نسبت اس طرح نہیں ہے کیونکہ جب

اس کا محل بھی ابہام کے باعث نہیں بلکہ کثرت استعمال اس کا سبب ہے، اس جگہ علی الاصح کہنے کی یہ ضرورت پیش آگئی کہ بعض نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ یہ مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں لیکن اصح یہی ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے اور اصل استعمال اس کا حرف جر کے ساتھ تھا لیکن اس کو کثرت استعمال کے باعث حذف کر دیا گیا واللہ اعلم

۲۲۵ قولہ وہذا المحل الخ یہ ایک اعتراض ہے جو مذہب اصح پر وارد ہوتا ہے یعنی دخلت الدار میں دار کو مفعول فیہ بنانا درست نہیں بلکہ یہ مفعول بہ ہے اس لئے کہ فعل متعدی کی تقید درست نہیں جس طرح مفعول بہ کو ملائے بغیر تمام نہیں ہوتا اسی طرح دخول کے معنے بھی دار کو ملائے بغیر تمام نہیں ہوتے اور مفعول فیہ کی حاجت طلب فعل کو اس وقت ہوتی ہے جبکہ فعل کے معنے تمام ہو جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس جگہ معنے تمام نہیں ہوتے بلکہ جب دخلتُ کے معنے دار کے انضمام سے تمام ہو جائیں گے تب فعل مفعول فیہ کو طلب کریگا جیسا کہ مثلاً دخلتُ الدار فی البلد الفلانی میں ہے پس معلوم یہ ہوا اور ظاہر یہی ہے کہ الدار مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جو مصدر فعول کے وزن پر ہوتا ہے وہ اکثر لازم ہوتا ہے پس دخول بھی لازم ہوگا اور اس کے لئے مفعول بہ کی ضرورت نہیں ہوگی پس الدار مفعول بہ نہیں ہو سکتا مفعول فیہ ہوگا واللہ اعلم

۲۲۶ قولہ وما یؤید الخ یہ مذکورہ بالا اعتراض کی مزید تائید و توثیق ہے اور اس سے مذہب اصح کا رد مقصود ہے کہتے ہیں کہ الدار کو مثال مذکور میں مفعول فیہ بنانا کیسے درست ہے. اس لئے کہ مفعول فیہ کی علامت یہ ہے کہ جس طرح ہر فعل کو مکان خاص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ فعل اس مکان خاص مثلاً دار میں واقع ہے اسی طرح اس میں یہ بھی صحیح ہوتا ہے کہ اس فعل کی نسبت ایسے مکان کی طرف کر سکیں جو اس مکان خاص مثلاً دار کو شامل ہو یا اس مکان کا غیر ہو اس لئے کہ جب کوئی شخص یہ کہے ضربتُ زیداً فی الدار التی ہی جزء من البلد تو اس کے بجائے جس طرح ضربتُ زیداً فی الدار کہنا صحیح ہے اسی طرح ضربتہٗ فی البلد بھی کہنا صحیح ہے مطلب یہ ہے کہ دار شہر کا ایک حصہ ہے اور فعل کی نسبت اس مکان خاص یعنی دار کی طرف کی گئی ہے تو جس طرح ہم ضربتُ زیداً فی الدار کہہ سکتے ہیں فعل کو دار کی طرف نسبت کر کے اسی طرح اس کے بجائے فعل کی نسبت ایسے مکان کی طرف بھی کی جا سکتی ہے جو اس مکان خاص یعنی دار کو شامل ہو یا اس کا غیر ہو جیسے

الداخل فی البلد دخلت الدار لا یصح ان یقول دخلت البلد فنسبة
الدخول الی الدار لیست کنسبة الافعال الی امکنتها التی فعلت فیها
فلا تکون الدار مفعولا فیه بل مفعولا به وقیل[227] معناه علی الاستعمال
الاصح فیکون اشارة الی ان استعمال دخلت مع فی نحو دخلت فی الدار
صحیح لکن الاصح استعماله بدون فی ونقل عن سیبویه ان استعماله
بفی شاذ وینصب[228] ای المفعول فیه بعامل[229] مضمر بلا شریطة التفسیر

بلد میں مقیم انسان دخلت الدار کہے گا تو اس کا دخلت البلد کہنا صحیح نہ ہوگا (کیونکہ اس سے
اس وقت دخول بلد پایا ہی نہیں گیا اس لئے کہ وہ تو بلد میں ہی ہے دخول تو خروج کے بعد
ہی متحقق ہوگا اور مفروض بلد میں ہونا اور دار میں داخل ہونا ہے) تو دخول کی نسبت دار کی
طرف افعال کی ان کے امکنہ کی طرف نسبت کی طرح نہیں جو افعال کہ ان امکنہ میں کئے گئے
لہذا دار مفعول فیہ نہیں بلکہ مفعول بہ ہوگا اور کہا گیا ہے کہ مصنف کے قول "اصح" کا معنی
"علی الاستعمال الاصح" ہے لہذا یہ (علی الاستعمال الاصح) اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ
دخلت کا استعمال فی کے ہمراہ جیسے دخلت فی الدار صحیح ہے لیکن صحیح ترین اس کا بغیر فی کے
استعمال ہے اور سیبویہ سے منقول ہے کہ دخلت کا استعمال فی کے ساتھ شاذ ہے (اور
منصوب ہوگا) (یعنی مفعول فیہ) (عامل مضمر کے ساتھ) شریطۃ تفسیر کے بغیر جیسے یوم الجمعۃ اس

ضربت زیداً فی البلد کہ اس میں فعل کی نسبت بلد
کی طرف ہے اور بلد مکان خاص کا غیر ہے لیکن
مکان خاص چونکہ بلد میں واقع ہے اور مکان بلد
کو لازم ہے اس لئے اس کی طرف فعل کی نسبت
صحیح ہے اور فعل دخول کی نسبت جب دار کی
طرف کی جاتی ہے تو یہ ایسا نہیں کہ اس کی نسبت
ایسے مکان کی طرف بھی ہو سکے جو دار کو شامل یا
اس کا غیر ہو اس لئے کہ جب کوئی شخص شہر میں
موجود رہتے ہوئے یہ کہے گا کہ دخلتُ الدار
تو اس کے بجائے دخلتُ البلد نہیں کہہ سکتے
اس لئے کہ اس وقت قائل کا دخول شہر میں نہیں
پایا جاتا اس لئے کہ وہ پہلے سے داخل ہے البتہ
دخول فی الدار اب پایا گیا ہے پہلے نہیں تھا۔
پس دخول کی نسبت دار کی طرف ایسی نہیں جیسی
کہ دیگر افعال کی نسبت ان کے امکنہ کی طرف ہے
کہ وہ فعل ان خاص امکنہ میں کئے گئے ہیں اور

دوسرے مکانوں کو بھی شامل ہیں مثلاً ضرب زید
فی الدار کہ یہ ضرب زید فی البلد کو بھی شامل ہے
پس دخلت الدار میں الدار مفعول فیہ نہیں
ہو سکتا مفعول بہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ
قاعدہ کلیہ نہیں اکثریہ ہے اس لئے کہ مثلاً بیت
دار کو مشتمل ہوتا ہے پس جب کوئی شخص بیت
کے تمام اجزاء میں قعود اختیار کرے اور بیت
دار کا ایک جزء ہے تو قعود کی نسبت بیت کے
تمام اجزاء کی طرف درست ہوگی کیونکہ بیت
کے تمام اجزاء مکان خاص ہیں لیکن قعود کی نسبت
دار کی طرف کر کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ قعدتُ
فی جمیع اجزاء الدار اس لئے کہ یہ غلط ہو جائیگا
کیونکہ دار کے تمام اجزاء میں قعود متحقق نہیں
بلکہ دار کے بعض اجزاء یعنی بیت کے تمام
اجزاء میں قعود متحقق ہے پس اسی طرح یہاں
بھی کہہ سکتے ہیں کہ دخلت الدار بھی اسی قبیل

سے ہے کہ دخلت الدار کے بجائے دخلتُ
البلد نہیں کہہ سکتے کیونکہ دخول بلد دخول دار
پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ دخول کے معنے
خارج سے داخل کی طرف منتقل ہونے کے ہیں
اور وہ خارج نہیں بلکہ داخل ہے لہذا یہ مفعول فیہ
ہوگا مفعول بہ نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۲۲۷ قولہ وقیل معناہ الخ یہ قول مصنف
علی الاصح کی دوسری توضیح ہے پہلی توضیح شارح
اعتراضات سے پیشتر بیان فرما چکے ہیں کہتے
ہیں کہ بعض لوگوں نے الاصح کا موصوف بجائے
المذہب کے الاستعمال ظاہر کیا ہے ای علی
الاستعمال الاصح پس اس صورت میں اس سے
اس امر کی طرف اشارہ ہوگا کہ دخلت کا استعمال
فی کے ساتھ صحیح اور درست ہے جیسے
دخلتُ فی الدار لیکن اصح استعمال اس کا فی
کے بغیر تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے پس
اندریں صورت اس میں کوئی اختلاف نہیں
ہوگا یعنی چونکہ اس کا اصح استعمال یہ ہے کہ
اس میں فی مقدر ہو لہذا اس کو بھی مکان مبہم پر
محمول کریں گے اس سے بحث نہیں کہ یہ مذہب
صحیح بھی ہے یا نہیں اور اصح استعمال اس کا
بتقدیر فی سب کے نزدیک متفق علیہ ہے
اسی وجہ سے سیبویہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ
دخلت کا استعمال فی کے ذکر کے ساتھ شاذ
ہے کیونکہ یہ خلاف اصح ہے واللہ اعلم۔

۲۲۸ قولہ وینصب الخ یہاں سے
مصنف رحمہ اللہ مفعول فیہ کے عامل مضمر سے
منصوب ہونے کو بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں
کہ مفعول فیہ عامل مضمر سے بلا شریطۃ التفسیر
منصوب ہوتا ہے یعنی وہ عامل اس وجہ سے
مضمر نہیں ہوتا کہ اس کی تفسیر مذکور ہو جیسے کوئی
شخص متی سرت کہے اور اس کے جواب میں
یوم الجمعۃ کہا جائے ای سرت یوم الجمعۃ پس اس
جگہ یوم الجمعۃ میں عامل مضمر کی کوئی تفسیر موجود
نہیں اور یوم الجمعۃ عامل مضمر یعنی سرت کی

نحو یوم الجمعۃ فی جواب من قال متی سرت ای سرت یوم الجمعۃ و بعامل مضمر عَلٰی شَرِیْطَۃِ التَّفْسِیْرِ نحو یوم الجمعۃ صمت فیہ والتفصیل فیہ بعینہ کما مر فی المفعول بہ اَلْمَفْعُوْلُ لَہٗ هُوَ مَا فُعِلَ لِاَجْلِہٖ ای لقصد تحصیلہ او بسبب وجودہ وخرج بہ سائر المفاعیل مما فعل مطلقا او بہ او فیہ او معہ فِعْلٌ ای حدث مَذْکُوْرٌ ای ملفوظ حقیقۃ او حکما فلا یخرج عنہ ما کان فعلہ مقدرا کما اذا قلت تادیبًا فی جواب من قال لم ضربت زیدًا فقولہ مذکورا احتراز عن مثل اعجبنی التادیب فان قلت کیف یصح الاحتراز بہ عنہ

شخص کے جواب میں جو کہے متی سرت یعنی سرت یوم الجمعۃ ((اور)) عامل مضمر کے ساتھ ((شریطۂ تفسیر کی بنا پر)) جیسے یوم الجمعۃ صمت فیہ اور اس میں تفصیل بعینہ اسی طرح ہے جس طرح کہ مفعول بہ میں گذری ((مفعول لہ اس کا نام ہے جس کے لئے کیا گیا ہو)) یعنی جس کو حاصل کرنے کے ارادے سے یا جس کے وجود کے سبب سے (جیسے ضربتہ تادیبًا الاول اور قعدت عن الحرب جبنا للثانی) اور مصنف کے قول لاجلہ سے باقی مفاعیل از قبیل مفعول مطلق یا مفعول بہ یا مفعول فیہ یا مفعول معہ (مفعول لہ کی تعریف سے) خارج ہو گئے ((فعل)) یعنی کام ((مذکور)) یعنی ملفوظ حقیقۃً یا حکمًا تو مفعول لہ کی تعریف سے وہ مفعول لہ خارج نہ ہوگا جس کا فعل مقدر ہو جیسا کہ تم کہو تادیبا اس شخص کے جواب میں جس نے کہا لم ضربت زیدا پھر مصنف کا قول "مذکورا" اعجبنی التادیب کے مثل سے احتراز ہے (کیونکہ تادیب کا فعل کہ جسے تحصیل تادیب کے قصد سے کیا گیا مذکور نہیں ہے نہ لفظا نہ تقدیرا) پس اگر تم کہو کہ اس سے احتراز کیونکر صحیح

وجہ سے منصوب ہے واللہ اعلم

۲۲۹ قولہ بعامل مضمر الخ اس جگہ قول مصنف علی شریطۃ التفسیر بلا شریطۃ التفسیر پر معطوف ہے اور معطوف علیہ یعنی بلا شریطۃ التفسیر بقرینۂ مقام محذوف ہے پس تقدیر عبارت یوں ہے وینصب بعامل مضمر علی شریطۃ التفسیر اسی عطف کی درستگی کے لئے شارح نے قول مصنف لعامل مضمر کے بعد بلا شریطۃ التفسیر کا اضافہ کیا ہے بہرحال مطلب یہ ہے کہ مفعول فیہ عامل مضمر سے شریطۃ التفسیر کی بنا پر بھی منصوب ہوتا ہے جیسے یوم الجمعۃ صمتُ فیہ ای صمت یوم الجمعۃ صمتُ فیہ اور اس کی تفصیل بھی بعینہ وہی ہے جو مفعول بہ میں بعنوان ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر گذر چکی مختصراً یہ کہ یہاں بھی وہی پانچ صورتیں متصور ہوتی ہیں یعنی (۱) اختیار رفع جیسے یوم الجمعۃ صمت فیہ (۲) اختیار نصب جیسے الیوم الجمعۃ صمت فیہ (۳) وجوب رفع جیسے ایم الجمعۃ صمت فیہ (۴) وجوب نصب جیسے ان یوم الجمعۃ صمت فیہ صمتُ فیہ (اگر جمعہ کے دن تو نے روزہ رکھا میں بھی روزہ رکھونگا) (۵) تساوی طرفین یعنی رفع ونصب برابر جیسے زیدٌ صام ویوم الجمعۃ صمت فیہ واللہ اعلم

۲۳۰ قولہ المفعول لہٗ الخ مفاعیل خمسہ میں سے چوتھا مفعول لہٗ ہے مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کے حاصل کرنے یا اس کے پائے جانے کے سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہو اس جگہ لاجلہ کی شرح ای لقصد تحصیلہ الخ سے کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ اس سے تادیبًا خارج ہو جاتا ہے جو کہ ضربت تادیبًا میں ہے کیونکہ قول مصنف لاجلہ سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ وہ فعل مذکور اس اسم کے موجود ہونے کے سبب سے کیا گیا ہو اور تادیب موجود نہیں ہوتی بلکہ اس کے حصول کے لئے فعل کیا جاتا ہے ورنہ اگر تادیب موجود ہو تو ضرب کی حاجت ہی نہ رہے جواب یہ ہے کہ لاجلہ میں تعمیم ہے یعنی انعدام فعل سے خواہ اس اسم کے حصول کا ارادہ ہو جیسے ضربتُ تادیبًا میں تادیب کا حصول مدنظر ہے یا وہ فعل اسم کے وجود کے سبب سے کیا گیا ہو جیسے قعدتُ عن الحرب جبنًا (بزدلی کے باعث میں جنگ سے بیٹھ گیا) پھر لاجلہ کی قید سے باقی مفاعیل یعنی مفعول مطلق۔ بہ۔ فیہ۔ معہٗ سب خارج ہو گئے اس لئے کہ ان میں قید لاجلہ ملحوظ نہیں ہوتی پھر اس جگہ بھی فعلٌ کے بعد حدثٌ کہنے کا باعث بھی وہی ہے جو مفعول فیہ میں گذرا یعنی سوال مقدر اور اس کا جواب ملفوظ کے اضافہ کی وجہ ابھی آتی ہے حقیقۃً او حکمًا سے تعریف میں تعمیم مقصود ہے تاکہ یہ اس مفعول لہٗ کو بھی شامل ہو جائے جس کا فعل مقدر ہو جیسے کوئی شخص لِمَ ضربتَ زیدًا کہے تو اس کے جواب میں تادیبًا کہہ دیا جائے۔ پس یہ بھی مفعول لہٗ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ای ضربتُ زیدًا تادیبًا پھر قول مصنف مذکورٌ کی شرح ملفوظ کے ساتھ کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مذکور ذکر بکسر الذال مصدر سے ہے ذکر بضم الذال سے نہیں کیونکہ ذکر کا تعلق عقل اور قلب سے ہے پس اس سے اعجبنی التادیبُ خارج ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس کا فعل یعنی وہ ضرب جو تحصیل تادیب کے لئے کی گئی ہے متعقل ہے لفظوں میں نہیں نہ

وهو ای الفعل الذی فعل لاجله مذکور فی الجملة کما فی ضربت زیدا قلنا
المراد مذکور معه فان قلت[۲۳۱] هو مذکور معه کما فی ضربته تادیبًا قلنا المراد
مذکور معه فی الترکیب الذی هو فیه ویرد نحو اعجبنی التادیب الذی ضربت
لاجله اللهم الا ان یراد بذکره معه ایراده معه للعمل فیه مثل[۲۳۲] ضَرَبْتُهٗ
تَادِیْبًا مثال لما فعل لقصد تحصیله فعل وهو الضرب فان التادیب انما یحصل
بالضرب ویترتب علیه وَقَعَدْتُ[۲۳۳] عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا مثال لما فعل بسبب
وجوده فعل وهو القعود فان القعود انما وقع بسبب الجبن والقائل[۲۳۴] یکون

ہے حالانکہ وہ یعنی وہ فعل کہ جس کے لئے فعل کیا گیا فی الجملہ (یعنی بعض مثالوں میں) مذکور ہے جیسا کہ (تمہارے قول) ضربت زیدا میں (مذکور) ہے اگرچہ وہاں اعجبنی التادیب میں مذکور نہیں) ہم نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ وہ فعل اس اسم کے ہمراہ مذکور ہو (یعنی مثلاً ضرب تادیباً کے ہمراہ مذکور ہو) پھر اگر تم کہو کہ فعل اس (اسم) کے ساتھ (بعض ترکیبوں میں) مذکور ہے جیسے ضربتہ تادیبا میں ہم نے کہا کہ (مصنف کے قول مذکور سے) مراد یہ ہے کہ (فعل) اس (اسم) کے ساتھ اس ترکیب میں مذکور ہو کہ وہ (اسم یعنی مفعول لہ) اس (ترکیب) میں ہو اور اس وقت اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجلہ کی مانند سے سوال وارد ہوگا کہ یہاں فعل بھی موجود ہے مگر تادیب مفعول لہ نہیں بلکہ اعجبنی کا فاعل ہے) اے اللہ (تو ہی مدد فرما) اس اعتراض سے چھوٹنا مشکل ہو گیا) مگر یہ (کہا جائے) کہ فعل کے اس اسم کے ساتھ مذکور ہونے سے مراد فعل کا اس اسم میں عمل کرنے کے لئے اس کے ہمراہ وارد کرنا ہے (جیسے ضربتہ تادیبا) یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے کہ جس کی تحصیل کے قصد سے فعل کیا گیا اور وہ فعل ضرب کیونکہ تادیب ضرب سے ہی حاصل ہوتی اور اس پر مترتب ہوتی (اور ضرب کا اثر قرار پاتی) ہے (اور قعدت عن الحرب جبنا) یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے کہ جس کے وجود کے سبب سے فعل کیا گیا اور وہ فعل قعود ہے کیونکہ قعود بزدلی کی وجہ سے واقع ہوا

حقیقۃً نہ حکماً اس لئے کہ اعجبنی التادیب اس وقت کہا گیا ہے جبکہ ضربت زیداً تادیباً کہہ دیا گیا پس اس ضرب کی وجہ سے متعجب کو تعجب پیدا ہوا اور اس نے اعجبنی التادیب کہہ دیا واللہ اعلم ۱۲

۲۳۱ قولہ فان قلت الخ اب اگر کوئی کہے کہ قید مذکور کے ذریعہ اعجبنی التادیب سے احتراز کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ فعل جو اسم کے حصول کے ارادہ سے کیا گیا ہے فی الجملہ یعنی کسی نہ کسی ترکیب میں مذکور ہے جیسا کہ ضربتُ زیداً میں فعل مذکور ہے لہذا اس کے ذکر کے بعد اعجبنی التادیب کہہ دیا گیا پس یہ مثال مذکور حکماً سے تعلق رکھتی ہے اور مفعول لہ ہی داخل ہے جواب یہ ہے کہ مذکور سے مراد معہ ہے یعنی وہ فعل اسم کے ساتھ مذکور ہو اور اس میں اسم کے ساتھ مذکور نہیں لہذا یہ مثال تعریف سے خارج ہے پھر اعتراض وارد ہوا کہ معہ مذکور ہے جیسا کہ ضربت زیداً تادیباً میں ہے لہذا پھر مثال اعجبنی التادیب اس میں داخل ہو گئی جواب یہ ہے کہ مذکور معہ سے اس ترکیب میں مذکور معہ مراد ہے کہ جس ترکیب میں وہ اسم پایا جائے اور ظاہر ہے کہ اعجبنی التادیب میں وہ فعل اس اسم کے ساتھ اس ترکیب میں مذکور نہیں بلکہ دوسری ترکیب میں مذکور ہے لیکن اس وقت پھر اعتراض وارد ہوا کہ اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجلہ میں اسم کے ساتھ فعل مذکور بھی ہے اور اسی ترکیب میں بھی ہے لہذا یہ اس میں داخل ہے اس کا جواب اللہم الا ان یراد الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اب آخری جواب یہی ہے کہ وہ فعل اس اسم کے لئے اس لئے لایا جائے کہ وہ اس میں عمل بھی کرے کہ مثال مذکور میں جو فعل مذکور ہے وہ تادیب میں عمل نہیں کر رہا بلکہ فعل مذکور موصول کا صلہ ہو کر اسی مذکور کی صفت واقع ہو رہا ہے لہذا یہ اس سے خارج ہے واللہ اعلم ۱۲-

۲۳۲ قولہ مثل ضربتہ جیسے ضربتہ تادیباً یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے جس کے حصول کے قصد کے لئے فعل کیا گیا ہے یعنی ضرب اس لئے کہ تادیب ضرب سے حاصل ہوتی ہے اور تادیب اسی پر مترتب ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۳۳ قولہ وقعدت الخ یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے کہ جس کے وجود کے باعث فعل مذکور کیا گیا ہے یعنی قعود اس لئے کہ قعود جبن و بزدلی کی وجہ سے متکلم سے سرزد ہوا ہے واللہ اعلم

۲۳۴ قولہ والقائل الخ اس سے شارح نے یہ بتلایا ہے کہ خلافاً یخالف کا مفعول مطلق ہے اور یخالف جملہ ہو کر القائل یکون المفعول لہ الخ کی خبر ہے اور ظاہراً سے یہ واضح کر دیا کہ خلافاً مفعول مطلق نوع کے لئے ہے اس لئے کہ خلاف کی دو قسمیں ہیں ظاہر اور خفی اور اسجگہ اول

المفعول له معمولاً مستقلاً غیر داخل فی المفعول المطلق یخالف خلافاً ظاهرا للزجاج فانہ ای المفعول له عندہ ای عند الزجاج مصدر من غیر لفظ فعله فالمعنی عندہ فی المثالین المذکورین ادبته بالضرب تادیبًا وجبنت فی القعود عن الحرب جبنا او ضربته ضرب تادیب وقعدت قعود جبن ورُدَّ قول الزجاج بان صحة تاویل نوع بنوع لا تدخله فی حقیقة الا ترٰی ان صحة تاویل الحال مایظرف من حیث ان معنی جاء زیدٌ راکبا جاء زید وقت الرکوب من غیر ان تخرج عن حقیقتها

ہے اور مفعول لہ کے معمول مستقل ہونے اور (اس کے) مفعول مطلق میں داخل نہ ہونے کا قائل خلاف کرتا ہے (اخلاف) ظاہر (زجاج کے کہ وہ) یعنی مفعول لہ (اس کے نزدیک) یعنی زجاج کے نزدیک (مصدر ہے) (یعنی مفعول مطلق ہے) جو اپنے فعل کے لفظ سے نہیں (جیسے قعدت جلوسا) تو اس کے نزدیک دونوں مذکورہ مثالوں کا معنی ہوگا ادبتہ بالضرب تادیبا وجبنت فی القعود عن الحرب جبنا یا ضربتہ ضرب تادیب وقعدت قعود جبن (ان آخری دو صورتوں میں مصدر جنس فعل سے مقدر بتایا گیا ہے جو مضاف ہے اور اضافت مسبب کی سبب یا معلول کی علت کی طرف ہے) اور زجاج کا قول اس طرح رد کیا گیا ہے کہ ایک نوع کی دوسری نوع کے ساتھ تاویل کا صحیح ہونا اس (نوع اول) کو نوع آخر کی حقیقت میں داخل نہیں کرتا (لہذا مفعول لہ کی مفعول مطلق کے ساتھ تاویل کرنا مفعول لہ کو در حقیقت مفعول مطلق نہیں بنا دیتا) (اے مخاطب) کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حال کی ظرف سے تاویل کرنا ثابت ہے اس طرح کہ جاء زید راکبا کا معنی جاء زید وقت الرکوب ہے اس کے بغیر کہ صحت تاویل حال کو اس کی حقیقت سے نکالے (اسی طرح ظرف کی حال کے ساتھ تاویل کا صحیح ہونا ظرف کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا جیسے جاءنی زید وقت التعلیم کی جاءنی زید معلما سے تاویل صحیح ہے)

مراد ہے بہر حال [illegible] کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ مفعول لہ معمول مستقل ہے اور مفعول مطلق میں داخل نہیں [illegible] خلاف کرتے ہیں اس لئے کہ زجاج کے نزدیک مفعول لہ معمول مستقل نہیں بلکہ بغیر لفظ فعل کا مفعول مطلق ہے یعنی اس مصدر کا فعل اسی جیسا ذکر نہیں کیا جاتا جیسے ضربا کے لئے ضربتُ بلکہ اس کے لئے دوسرا فعل آتا ہے پس زجاج کے نزدیک دونوں مذکورہ مثالوں کے معنی اَدَّبتُہٗ بالضرب تادیباً اور جبنت فی القعود عن الحرب جبناً کے ہیں یا ضربتُہٗ ضربَ تادیب اور قعدتُ قعود جبن کے لیکن یہ قول مردود ہے اس لئے کہ ایک نوع کی دوسری نوع کے ساتھ تاویل اگر صحیح ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نوع اول نوع آخر کی حقیقت میں داخل ہو کر عین آخر بن جائے ورنہ تاویل کے ذریعہ حال کو بھی مفعول فیہ بنا سکتے ہیں اس لئے کہ مثلاً جاء زیدٌ راکبًا کو تاویل کرکے جاء زیدٌ وقت الرکوب کے معنی بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ تاویل اس امر کے بغیر صحیح ہو جاتی ہے کہ حال اپنی حقیقت سے خارج ہو یعنی حال بھی اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوتا اور تاویل بھی صحیح ہو جاتی ہے پس زجاج کا قول قابل اعتنا نہیں (اس جگہ خلاف کی نسبت جمہور نحاۃ کی طرف کرکے مصنف نے غلطی کی ہے اس لئے کہ نحاۃ اصل ہیں زجاج فرع لہذا فرع کی طرف نسبت کرنی چاہیے تھی) واللہ اعلم

۲۳۵ قولہ وشرط نصبہ الخ یعنی مفعول لہ کے نصب حاصل کرنے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو یہ مطلب نہیں کہ اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط تقدیر لام ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی لیتے ہیں تو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عبارت میں اصل ایجاز و اختصار ہے لہذا مصنف کو وشرط نصبہ کے بجائے وشرطہ کہنا چاہیے تھا اس کے جواب کے لئے شارح نے لاشرط کون الاسم الخ کا اضافہ کیا کہ اگر مصنف عبارت میں اختصار کر دیتے تو اس سے وہم ہو سکتا تھا کہ یہ شرط مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لئے نہیں بلکہ اسم کے مفعول لہ بننے کے لئے ہے اور یہ خلاف مقصود ہے پس لام اگر مقدر ہوگا تو مفعول لہ پر نصب آئے گا ورنہ ذکر لام کے باعث مجرور ہوگا مصنف کے اس بیان اور شارح کی اس اضافہ لاشرط کون الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک مفعول لہ اس اسم کا نام ہے جس کے لئے فعل مذکور کیا گیا ہو خواہ اس میں لام مذکور ہو یا مقدر البتہ اس کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو پس اس تعمیم کی بنا پر مصنف کے نزدیک السمن اور اکرام جو کہ مثال مندرجہ ذیل میں مذکور ہیں مفعول لہ میں داخل ہیں جیسے جئتک للسمن ولاکرامک الزائر (آیا میں تیرے پاس گھی کے حصول اور تیرے زیارت کرنے والے کا اکرام و عزت کرنے کے سبب سے) یعنی تو اپنے زیارت کرنے والے کی عزت و تکریم کرتا ہے اس وجہ سے

وَشَرْطُ نَصْبِہٖ ای شرط انتصاب المفعول له لا شرط کون الاسم مفعولاً له فالسمن والاکرام فی قولك جئتك للسمن ولاکرامك الزائر عنده مفعول له علی مایدل علیه حده وهذا کما قال فی المفعول فیه ان شرط نصبه تقدیر فی وهذا ایضا خلاف اصطلاح القوم تَقْدِیْرُ اللَّامِ لانها اذا ظهرت لزم الجر وخص[236] اللام بالذکر لانها الغالب فی تعلیلات الافعال فلا یقدر غیرها من من اوالباء اوفی مع انها من دواخل المفعول له کقوله تعالیٰ خاشعا متصدعا من خشیة الله وقوله تعالیٰ فبظلم من الذین هادوا حرمنا وقوله علیه السلام اِنَّ امرأة دخلت النار فی هرة ای لاجلها ولما[237] کان تقدیر

((اور اس کے منصوب ہونے کی شرط)) یعنی مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط نہ کہ اسم مفعول لہ ہونے کی شرط (مفعول لہ بھی مصنف کے نزدیک مفعول فیہ کی طرح دو قسم ہے ایک تقدیر لام کے ساتھ اور دوسرا اظہار لام کے ساتھ یہ بھی جمہور کی اصطلاح کے خلاف ہے کہ وہ صرف اسے مفعول لہ کہتے ہیں جس میں لام مقدر ہو) پس تمہارے قول جئتک للسمن (سین مہملہ کی فتح اور میم کی جزم کے ساتھ گھی جو کہ دودھ سے بنتا ہے اس کی جمع سمنان ہے سین کے ضمہ کے ساتھ اور جو حیوانات و نباتات سے نکالا جاتا ہے اسے دھن کہتے ہیں) اور و (جئتک) لاکرامک الزائر میں سمن اور اکرام مصنف کے نزدیک مفعول لہ ہیں بنا برآں کہ اس پر (مصنف کی طرف سے مفعول لہ کی کی گئی) تعریف دلالت کرتی ہے اور یہ (جو مصنف کا قول و شرط نصبہ ہے) اسی طرح ہے جس طرح کہ اس نے مفعول فیہ میں کہا کہ ان شرط نصبہ تقدیر فی اور یہ بھی قوم نحاۃ کی اصطلاح کے خلاف ہے ((لام کا مقدر ہونا ہے)) . . . . (تقدیر لام سے مراد تقدیر لام من حیث العمل ہے کہ لام جر کا عمل نہیں کر رہا اور مضاف الیہ میں تقدیر لام من حیث العمل ہے کہ وہاں جر کا عمل کر رہا ہے) کیونکہ جب لام ظاہر ہو تو جر لازم ہے اور مصنف نے لام کا ذکر خاص کر اس لئے کیا کہ تعلیلات افعال میں لام (کا استعمال) غالب ہے لہذا لام کے علاوہ یعنی من یا با یا فی کو (مفعول لہ میں) مقدر نہیں کیا جائے گا باوجودیکہ یہ مفعول پر داخل ہونے والے حروف سے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ اور قول باری تعالیٰ ہے فبظلم من الذین ھادوا حرمنا اور قول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہے ان امرۃ دخلت فی ھرۃ یعنی لاجل ھرۃ اور جبکہ تقدیر لام، لام کا لفظ سے

اور گھی کے حاصل کرنے کی وجہ سے میں تیرے پاس آیا) اور یہ بھی اسی طرح اصطلاح قوم کے خلاف ہے جس طرح کہ مصنف نے مفعول فیہ میں اصطلاح قوم کا خلاف کیا ہے یعنی کہ اس

کے نصب کی شرط تقدیر فی ہے اور خود فی مقدر ہو یا ملفوظ بہرحال مفعول فیہ ہے اور یہ اصطلاح قوم کے اس وجہ سے خلاف ہے کہ ان کے نزدیک مذکور اللام کو مفعول لہ نہیں

کہتے واللہ اعلم ۱۲

۲۳۶ قولہ وخص اللام الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ مفعول لہ جس طرح لام کے ساتھ آتا ہے اسی طرح من۔ با اور فی کے ساتھ بھی آتا ہے جیسا کہ ابھی مثالوں میں معلوم ہوگا پس تقدیر لام ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ جواب یہ ہے کہ لام کی تخصیص تعلیلات افعال میں اس کے کثرت استعمال کے باعث ہے یعنی اکثر تعلیلات افعال میں لام ہی کو ذکر کرتے ہیں اس لئے کہ لام کی وضع جن معانی کے لئے ہوتی ہے ان میں سے ایک تعلیل بھی ہے پس غیر لام من۔ با یا فی کو مقدر نہیں کیا جائے گا اگرچہ یہ بھی مفعول لہ پر داخل ہوتے ہیں جیسے قول باری تعالیٰ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ ای لاجل خشیۃ اللہ اور فبظلم ای لاجل ظلم من الذین ہادوا حرمنا اور قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان امرۃ دخلت النار فی ہرۃ ای لاجلہا کہ ان مثالوں میں من خشیۃ اللہ بظلم فی ہرۃ مفعول لہ ہیں اور تینوں پر بجائے لام کے من۔ با اور فی داخل ہیں۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے ایک عورت بلی کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگئی یعنی ایک ظالمہ عورت نے بلی کو بھوکا باندھے رکھا اور اسی بھوک پیاس کی حالت میں مرگئی جب اس عورت کا انتقال ہوا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث بیان فرمائی واللہ اعلم ۱۲

۲۳۷ قولہ ولما کان الخ یہ عبارت یا تو سوال مقدر کا جواب ہے یا قول مصنف وانما یجوز حذفہا کی تمہید ہے تمہید ہونا تو ظاہر ہے البتہ تقریر سوال یہ ہے کہ عبارت میں اصل ایجاز واختصار ہے پس مصنف کو بجائے وانما یجوز حذفہا کے وانما یجوز کہہ دینا کافی تھا۔ یجوز کی ضمیر تقدیر لام کی طرف راجع ہو جاتی اور اختصار بھی حاصل ہو جاتا جواب یہ ہے کہ

اللام عبارة عن حذفها عن اللفظ وابقائها فی النیة وکان الاصل ابقاءها فی
اللفظ والنیة فلاحاجة فی ابقائها فی النیة الی شرط بل الحاجة الیه انما یکون
فی حذفها من اللفظ ولذا قال وانما یجوز حذفها ولم یکتف بارجاع ضمیر
الفاعل الی تقدیر اللام فیجوز (۲۳۸) حذفها کما یجوز ذکرها اذا کان المفعول له
فعلاً احترازعما اذا کان عینا نحو جئتک للسمن لفاعل الفعل المعلل
به ای اتحد فاعله وفاعل عامله احترازعما اذا کان فعلا لغیره نحو

حذف کرنا اور نیت میں اس کو باقی رکھنا" سے عبارت تھی حالانکہ (تعلیلات افعال میں)
اصل لام کا لفظ اور نیت میں باقی رکھنا تھا تو لام کے نیت میں باقی رکھنے میں کسی چیز کی
حاجت نہیں (کیونکہ اس کا نیت میں باقی رہنا تقاضائے اصل ہے اور جو چیز اپنی اصل
پر ہوتی ہے وہ کسی شرط کی محتاج نہیں ہوتی البتہ لام کا لفظ سے حذف کرنا اصل کے
خلاف ہے جس میں شرط عائد کرنی پڑے گی چنانچہ شارح نے کہا) بلکہ لام کے لفظ سے
حذف کرنے میں شرط کی حاجت ہے اور اسی وجہ سے مصنف نے کہا (اور لام کا حذف
کرنا) اور (یجوز میں) فاعل کی ضمیر (مستتر) تقدیر لام کی طرف لوٹانے کے ساتھ اکتفاء نہ
کیا (اور یوں نہ کہا وانما یجوز اور حذفہا ساتھ کہہ دیا) تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ضمیر تقدیر کی طرف
راجع ہے کہ یہ حذف لام کی شرط ہے نہ کہ تقدیر لام کی) تو لام کا حذف جائز ہے جیسا کہ
اس کا ذکر جائز ہے (جبکہ ہو) مفعول لہ (فعل) یہ اس (چیز) سے (کہ جس پر لام داخل ہے) احتراز
ہے جبکہ وہ (چیز) عین (قائم بذاتہ) ہو جیسے جئتک للسمن (فعل معلل بہ کے فاعل کیلئے) یعنی
مفعول لہ اور اس کے عامل کا فاعل ایک ہو (یہ دوسری شرط ہے کہ مفعول لہ فعل ہونے کے
ساتھ اس فاعل کا ہی فعل ہو جو معلل بہ فعل کا فاعل ہے) یہ اس مفعول لہ سے احتراز ہے

تقدیر لام کا مطلب یہ ہے کہ لفظاً حذف کردیا
جائے اور نیۃً یعنی نیت میں باقی رہے یعنی حذف
فی اللفظ اور بقاء فی النیۃ کے مجموعہ سے تقدیر
لام عبارت ہے حالانکہ حاصل یہ ہے کہ وہ لفظ
اور نیۃ دونوں میں باقی ہو اور جب تقدیر ہوتی
تو لفظاً ہوتی فی النیۃ نہیں ہوتی تو اس سے البقاء
فی النیۃ خود بخود معلوم ہو گیا پس اس کے وجود
کے لئے تو کسی قسم کی شرط کی ضرورت نہیں البتہ
حذف من اللفظ کے لئے شرط کی ضرورت ہے
اس لئے مصنف بصارت کو طول دیا پس اگر یجوز
کہہ کر ارجاع ضمیر پر اکتفاء کیا جاتا تو یہ وہم ہو
سکتا تھا کہ بقاء فی النیۃ کے لئے بھی کسی شرط
کی ضرورت ہے کیونکہ ضمیر حذف فی اللفظ اور
بقاء فی النیۃ دونوں کے مجموعہ کی طرف راجع ہوتی
حالانکہ ایسا نہیں بلکہ شرط کی ضرورت لفظوں سے
حذف کر دینے کی صورت میں پڑتی ہے البقاء
فی النیۃ میں نہیں کیونکہ ابقاء فی النیۃ اصل ہے
اور اصل میں کسی شرط کی ضرورت نہیں ہوا کرتی
پس عبارت یوں ہوگی وانما یجوز حذف اللام
لفظاً اذا کان الخ اور اختصار کی صورت میں
عبارت اس طرح ہو جاتی ہے وانما یجوز تقدیر
اللام لفظاً وابقاؤہا فی النیۃ اذا کان الخ پس نیۃً
بھی شرط کے ساتھ مشروط ہو جاتا لہذا مصنف نے
وانما یجوز حذفہا کہا اور ضمیر فاعل کو تقدیر لام کی
طرف لوٹانے پر اکتفاء نہیں کیا واللہ اعلم ۱۲

۲۳۸ قولہ فیجوز حذفہا الخ پس جس
طرح ذکر لام جائز ہے حذف لام بھی جائز ہے
بشرطیکہ مندرجہ ذیل دونوں شرطیں پائی جائیں
ایک یہ کہ مفعول لہ فعل معلل بہ کے فاعل کا اثر
ہو یعنی وہ فعل جس کی علت مفعول کے ساتھ بیان
کی گئی ہے اس کا فاعل اور مفعول لہ کا فاعل
دونوں ایک شئے ہوں دوسرے یہ کہ مفعول لہ
فعل معلل بہ کا وجود میں مقارن ہو یعنی فعل معلل
بہ کے وجود کا زمانہ اور مفعول لہ کا زمانہ دونوں
متحد ہوں اب فوائد قیود ملاحظہ فرمایئے اذا کان

فعلاً کی تفسیر اذا کان اثراً ہے پس فعلاً یعنی اثراً
کہنے سے وہ چیز خارج ہو گئی جو کہ اثر نہیں
بلکہ عین یعنی موجود خارجی ہے جیسے جئتک
للسمن کہ اس میں اگرچہ سمن بظاہر مجیئی کا باعث
اور اس کی علت ہے مگر یہ کہ سمن قائم بذاتہ ہے
قائم بالغیر یعنی فعل کا اثر نہیں جیسا کہ ضربتہ تادیباً
میں تادیب فعل معلل بہ کا اثر اور نتیجہ ہے، اور
سمن مجیئی کا نتیجہ نہیں لہذا مجیئی کے تحت داخل
نہیں ہوگا پس ذکر لام ضروری ہے اور جس وقت
لفاعل الفعل المعلل بہ کہا یعنی مفعول لہ اور اسکے
عامل یعنی وہ فعل کہ جس کی علت اس اسم کے ساتھ
لائی گئی ہے دونوں کا فاعل متحد ہو تو اس سے وہ

شئے خارج ہو گئی جو کہ فعل معلل بہ کے فاعل کا اثر
نہیں بلکہ غیر فاعل فعل معلل بہ کا اثر ہے یعنی دونوں
کا فاعل متحد نہیں جیسے جئتک لمجیئک ایای اس
لئے کہ یہاں مجیئی اول کا فاعل متکلم اور مجیئی ثانی
کا مخاطب ہے پس دونوں کا فاعل متحد نہیں ہوا
لہذا ذکر لام ضروری ہے بخلاف ضربتہ تادیباً کے
کہ اس میں قیام ضرب اور تادیب دونوں کا فاعل
متکلم ہے یعنی ضرب بھی متکلم سے سرزد ہوتی ہے
اور ادب دینا بھی لہذا اس میں لام مقدر ہوگا اور
جب مقارناً فی الوجود کہا تو اس سے وہ مفعول
لہ خارج ہو جائیگا جو کہ فعل معلل بہ کے ساتھ زمانہ
میں شریک نہیں جیسے اکرمتک الیوم لوعدی

جنتك لمجيئك اياى وَمُقَارِنًا لَهٗ اى للفعل المذكور فِى الوُجُوْدِ[۲۳۹] بان يتحد زمان وجودهما نحو ضربته تاديبًا اذ زمان الضرب والتاديب واحد اذ لا مغايرة بينهما الا بالاعتبار او يكون زمان وجود احدهما بعضًا من زمان وجود الاخر نحو قعدت عن الحرب جبنًا فان زمان الفعل اعنى القعود عن الحرب بعض زمان المفعول له اعنى الجبن ونحو شهدت الحرب ايقاعا للصلح بين الفريقين فان زمان المفعول له اعنى ايقاع الصلح بعض زمان الفعل اعنى شهود الحرب واحترز بذلك القيد عما اذا لم يكن مقارنا له فى الوجود نحو

جو کہ اپنے عامل کے فاعل کا فعل نہ ہو جیسے جئتک لمجیئک ایای (کہ مجیئ اول متکلم کا اور مجیئ ثانی مخاطب کا فعل ہے یعنی مفعول لمجیئک اور اس کے عامل جئتک کا فاعل ایک نہیں الگ الگ ہیں) (اور) (تیسری شرط یہ ہے کہ) (اس کے لئے مقارن ہو) یعنی (مفعول لہ) فعل مذکور کے لئے (وجود میں) (مقارن ہو) اس طرح کہ فعل اور مفعول لہ کے وجود کا زمانہ ایک ہو (اور اگر ایک نہ ہوا تو حذف لام جائز نہ ہوگا بلکہ ذکر لام ضروری ہوگا جیسے خرجت الیوم لمخاصمتک زیدا امس۔ ہاں زمانہ کا ایک ہونا جواز حذف کی شرط ہے) ضربتہ تادیبا کیونکہ ضرب اور تادیب کا زمانہ ایک ہے (اور وہ زمانہ ماضی ہے) کیونکہ زمانہ فعل اور زمانہ مفعول لہ میں صرف اعتباری مغایرت ہے (کہ فعل کا زمانہ مفعول لہ کے زمانہ سے مقدم اعتبار کیا جاتا ہے اگرچہ فی الواقع اور فی الحقیقۃ دونوں کا زمانہ متحد ہے) یا اس طرح کہ فعل اور مفعول لہ میں سے ایک کے وجود کا زمانہ دوسرے کے وجود کے زمانہ کا ایک حصہ ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا (الجبن جیم کے پیش اور بائے موحدہ کی جزم اور پیش کے ساتھ اس میں دو لغتیں ہیں کیونکہ زمانہ فعل یعنی قعود الحرب کا زمانہ مفعول لہ یعنی جبن کے زمانہ کا ایک حصہ ہے (مگر زمانہ جبن زمانہ قعود کو محیط ہے) اور جیسے شہدت الحرب ایقاعا للصلح بین الفریقین کہ مفعول لہ یعنی (فریقین کے درمیان) صلح کا ایقاع (صلح کرانا) زمانہ فعل یعنی شہود حرب کا بعض ہے (شارح نے دو مثالیں اس لئے دیں کہ مثال اول میں مفعول لہ کا زمانہ فعل معلل بہ کے زمانہ کو محیط ہے اور دوسری مثال میں اس کے برعکس فعل معلل بہ کا زمانہ مفعول لہ کے زمانہ کو محیط ہے

(اور مصنف نے اس (مقارنت کی) قید کے ساتھ (جو شرط ثالث ہے) اس مفعول لہ سے احتراز کیا ہے جو وجود میں فعل مذکور کے لئے مقارن نہ ہو جیسے اکرمتک الیوم لوعدی

بذلک امس (میں آج تیرا اکرام کروں گا کیونکہ کل میں نے اس کا وعدہ کیا تھا) اور یہ اس لئے خارج ہے زمانہ فعل معلل بہ یعنی اکرمت کا

آج کا دن اور زمانہ مفعول لہ یعنی لوعدی کا کل گذشتہ ہے پس دونوں کا زمانہ متحد نہیں لہذا ذکر لام ضروری ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۳۹ قولہ بان یتحد الخ اس سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فعل معلل بہ اور مفعول لہ کا اشتراک فی الزمان تین قسم پر ہے (۱) فعل اور مفعول لہ دونوں کا زمانہ ایک ہو جیسے ضربتہ تادیبا کہ اس میں ضرب اور تادیب دونوں کا زمانہ ایک ہے، اور دونوں کے درمیان حقیقت میں تغایر نہیں اگرچہ تغایر اعتباری موجود ہے یعنی یہ کہ زمان ضرب زمانہ تادیب پر مقدم ہے نیز فعل فاعل سے صادر ہوا ہے وہ باعتبار درد تکلیف کے ضرب ہے اور باعتبار اس کے کہ اس سے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں اس کا نام تادیب ہے مگر یہ فرق اعتباری ہے اس لئے قابل اعتراض نہیں (۲) فعل معلل بہ کا کل زمانہ مفعول لہ کے بعض زمانہ کے ساتھ متحد ہو یعنی اول کا زمانہ وجود دوسرے کے زمانہ وجود کا بعض اور جزء ہو بایں طور کہ ایک کا زمانہ وجود دوسرے کے زمانہ وجود کو شامل ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا کہ اس میں زمانہ فعل یعنی قعود عن الحرب زمان مفعول لہ یعنی جبن کا بعض ہے اس لئے کہ زمانہ جبن زمانہ قعود پر مقدم ہے اور قعود بعض زمانہ جبن میں ہوگا کیونکہ جبن کا بعض زمانہ قعود عن الحرب سے پہلے ہی گذر چکا ہے پس زمانہ جبن محیط ہے کہ اس نے قعود عن الحرب کا احاطہ کر رکھا ہے اور قعود عن الحرب محاط کہ یہ زمانہ جبن کے احاطہ میں آیا ہوا ہے پس زمانہ قعود عن الحرب زمانہ جبن کا جزء ہوا۔ (۳) اس کا عکس ہو یعنی مفعول لہ کا کل زمانہ فعل معلل بہ کے بعض زمانہ کے ساتھ متحد ہو یعنی دوسرے کا زمانہ وجود اول کے زمانہ وجود کا جزء ہو جیسے شہدت الحرب ایقاعا للصلح بین الفریقین کہ اس میں مفعول لہ یعنی ایقاع صلح کا کل زمانہ زمانہ فعل یعنی لڑائی میں حاضر ہونے کے زمانہ کا جزء ہے پس اتحاد زمان کی ان تینوں قسموں میں لام کو مقدر کیا جائیگا کیونکہ

اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امس وانما اشترط [۲۴۰] ھذہ الشرائط لانہ بھذہ الشرائط یشبہ المصدر فیتعلق بالفعل بلا واسطۃ تعلق المصدر بہ بخلاف واذا اختل شئ منھا اَلْمَفْعُوْلُ مَعَہٗ [۲۴۱] ای الذی فعل لمصاحبتہ بان یکون الفاعل مصاحبا لہ فی صدور الفعل عنہ او المفعول بہ فی وقوع الفعل علیہ فقولہ

بذلک امس (یہاں مفعول لہ وعدہ ہے اگرچہ اس کا اور فعل معلل بہ یعنی اکرام کا فاعل ایک ہے مگر مفعول لہ کا زمانہ اور فعل معلل بہ .... کا زمانہ ایک نہیں ہے اس لئے یہاں لام کا حذف جائز نہیں ہے) اور مصنف نے یہ شرائط صرف اس لئے عائد کئے ہیں کہ ان شرائط سے مفعول لہ مصدر (مفعول مطلق کے مشابہ ہوجاتا ہے (اور مفعول مطلق کو نصب دینے کے لئے کسی واسطہ کی حاجت نہیں ہوتی) لہذا مفعول لہ فعل کے ساتھ بلا واسطہ متعلق ہوتا ہے جس طرح کہ مصدر (مفعول مطلق بلا واسطہ) فعل سے متعلق ہوتا ہے اس کے برعکس کہ جب ان شرائط (ثلاثہ) میں سے کوئی شرط مختل (مفقود) ہوجائے (مفعول معہ) یعنی وہ کہ اس کی مصاحبت کے لئے کام کیا جائے (بعض نسخوں میں بمصاحبتہ یعنی لام کے بجائے با کے ساتھ ہے یعنی وہ کہ اس کی مصاحبت کے لئے کام کیا جائے المفعول میں لام موصولہ ہے اور مفعول اس کا صلہ بمعنی فُعِل اور جار مجرور محلا مرفوع نائب فاعل اور ضمیر مجرور موصول کی طرف راجع ہے اور بان یکون میں با الذی فعل کا بیان اور مصاحبتہ سے متعلق ہے) اس طرح کہ فاعل اس سے (فاعل سے) فعل کے صادر ہونے یا مفعول بہ اس (مفعول بہ) پر فعل کے واقع ہونے میں مفعول معہ کا مصاحب ہو تو مصنف کا قول معہ (لزوم ظرفیت کی وجہ سے لفظا منصوب مگر

شرط موجود ہے اس کے بعد قول شارح واحترز بذلک القید کا مطلب گذشتہ نمبر میں گذر چکا واللہ اعلم ۱۲

۲۴۰ قولہ وانما اشترط الخ یہاں سے شارح تقدیر لام کے لئے ان شرائط کے اضافہ کی وجہ بیان فرمارہے ہیں جو دراصل ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اسم کو نصب اس اعتبار سے دیا جاتا ہے کہ وہ فعل کا جزء ہو یا فعل سے کوئی علاقہ رکھتا ہو اور یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ مفعول لہ نہ فعل کا جزء ہے اور نہ اس کا فعل سے کوئی علاقہ ہے اس کا جواب دیتے ہوئے شارح کہتے ہیں کہ یہ شرطیں اس وجہ سے لگائی گئی ہیں تاکہ مفعول لہ مفعول مطلق کے مشابہ ہوجائے پس جس طرح مفعول لہ کا تعلق بلا واسطہ فعل کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح مفعول لہ کا تعلق بھی بلا واسطہ فعل کے ساتھ ہوجائے اور اس تعلق کی وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق میں بھی ان شرائط کا لحاظ ہے پس جب مفعول لہ مفعول مطلق کی طرح فعل سے متعلق ہوجائے گا تو فعل اپنے جزء کو بلا واسطہ نصب دے گا بخلاف اس کے کہ جب ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس تعلق میں خلل واقع ہوجائیگا پس فعل بھی بلا واسطہ مفعول لہ کو نصب نہیں دیگا واللہ اعلم

۲۴۱ قولہ المفعول معہ الخ مفعول معہ مفاعیل خمسہ میں سے پانچواں اور آخری مفعول ہے مفعول معہ اس اسم کو کہتے ہیں جسکی مصاحبت سے فعل بایں طور کیا گیا ہو کہ فاعل سے صدور فعل میں فاعل اس اسم کا مصاحب ہو یا اس کا مصاحب مفعول بہ پر وقوع فعل میں مفعول بہ ہو مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ کا مصاحب عام ہے خواہ فعل کا فاعل ہو یا مفعول بہ مصاحبت بالفاعل کی مثال جیسے جئتُ وزیدًا اور مفعول بہ کی مثال جیسے کفاک وزیدًا درہم کہ دونوں امثلہ میں زید مفعول معہ ہے اس جگہ شارح کی

کی تفسیر ای الذی سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ المفعول میں الف لام بمعنی الذی ہے اور مفعول بمعنی فُعِل (ماضی مجہول) پس قول مصنف معہٗ فُعِل کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہوگا اور لفظ مفعول کی اسناد معہٗ کی طرف اس جگہ ایسی ہے جیسی کہ مفعول بہ، فیہ اور لہ میں جار مجرور کی طرف مفعول کی اسناد ہوتی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ مع معرب ہے اور ضمیر بہ، فیہ وغیرہ مبنی اور ان کا رفع محلی ہے اور مع کا لفظی ہوگا اس لئے اسما کے بیان کی ضرورت پیش آئی پھر معہٗ کی ضمیر مجرور الف لام کی طرف راجع ہے جوکہ الذی کے معنی میں ہے اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب معہٗ فُعِل فعل مجہول کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے تو اس کو مرفوع ہونا چاہیے

یعنی المفعول معہٗ نہ کہ منصوب اس کا جواب شارح واعتراض نصبہ الخ سے دے رہے ہیں کہتے ہیں کہ اس کے متعلق بعض نحاۃ نے اس امر کے جواز کے ساتھ عذر پیش کیا ہے کہ جب فعل کی اسناد لازم النصب کی طرف کی جائے تو اس کو منصوب ہی باقی رکھا جائے تاکہ اکثر احوال کے ساتھ اس کی موافقت ہوجائے مطلب یہ ہے کہ مع کا استعمال اکثر دو ہی طریقوں پر ہوتا ہے ظرفیۃ کی بنا پر یا حالیۃ کی بنا پر اور دونوں کو نصب لازم ہے پس اس استعمال اکثر کی موافقت پر اس کو جاری کرتے ہوئے منصوب ہی رکھیں گے مرفوع نہیں پڑھیں گے اور جن قراء نے قول باری تعالیٰ لقد تقطع بینکم میں بینکم کو بفتح النون پڑھا ہے وہ اسی اعتذار مذکور کی طرف گئے ہیں اور

معه مفعول مالم یسم فاعله اسند الیه المفعول کما اسند الی الجار والمجرور
فی المفعول به وفیه وله والضمیر المجرور راجع الی اللام واعتذر عن نصبه
بما جوزه بعض النحاة من اسناد الفعل الی لازم النصب وترکه منصوبا جاریا
علی ما هو علیه فی الاکثر والیه ذهب فی قوله تعالیٰ لقد تقطع بینکم علی
قرأة النصب وفی بعض الحواشی ان هذا الرای شریف جدا وقیل[۲۶۲] الوجه
ان یجعل من قبیل ع وقد حیل بین العیر والنزوان ‌+ فان مفعول ما
یسم فاعله فیه الضمیر الراجع الی مصدره ای حیل الحیلولة لان بین للزوم
ظرفیته لا یقام مقام الفاعل فعلی هذا یکون معناه الذی فعل فعل بمصاحبته

مفعول مالم یسم فاعلہ (ہونے کی وجہ سے تقدیرا مرفوع) ہے معہ کی طرف (لفظ) المفعول کی اسناد کی گئی ہے جس طرح کہ المفعول بہ اور (المفعول) فیہ اور (المفعول) لہ میں (المفعول کی) جار و مجرور کی اسناد کی گئی ہے (کہ ان سب میں جار و مجرور نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہیں) اور (ان سب میں) ضمیر مجرور (المفعول کے) لام کی طرف راجع ہے اور معہ (مفعول مالم یسم فاعلہ یعنی نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونے کے باوجود اس) کی نصب کا اس قاعدے کے ساتھ عذر بیان کیا گیا ہے جسے بعض نحویوں نے جائز (یعنی ثابت کیا ہے یعنی (یہ من بیانیہ کا معنی ہے) فعل کی ایسے امر کی طرف اسناد کہ جس کو (ظرفیت کی بنا پر) نصب لازم ہے اور اس کو (لفظا مرفوع کرنے کی بجائے اسے اس کی حالت پر) منصوب چھوڑنا تاکہ وہ اس حالت پر جاری (اور باقی) رہے جس پر وہ ظرف اکثر استعمال میں ہے (اور وہ بنا بر ظرفیت نصب ہے) اور اسی قاعدے کو اللہ تعالیٰ کے قول لقد تقطع بینکم (نون کی) نصب کی قراءۃ کی بنا پر جاری کیا گیا ہے (اور اگر نون کو مرفوع پڑھا جائے کما فی قراءۃٍ تو یہ ہمارے مبحث سے خارج ہے) اور بعض حواشی میں ہے کہ یہ توجیہ بہت ہی خوب ہے اور کہا گیا ہے کہ (اس میں) توجیہ یہ ہے کہ اس کے قول معہ کو ع وقد حیل بین العیر والنزوان کے قبیل سے کیا جائے کہ (حیل کا) مفعول مالم یسم فاعلہ حیل میں وہ ضمیر ہے جو اس کے مصدر (ماخوذ از حیل) کی طرف راجع ہے یعنی حیل الحیلولۃ کیونکہ (اس قول میں لفظ) بین لزوم ظرفیت کی وجہ سے فاعل کے مقام پر نہیں کھڑا کیا جاسکتا پس اس توجیہ کی بنا پر المفعول معہ کا معنی ہوگا الذی فُعِلَ فِعْلٌ بمصاحبتہ یعنی جس کی مصاحبت میں کام کیا جائے اس بنا پر

بعض حواشی میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ رائے نہایت شریف عمدہ اور بہت زیادہ مقبول ہے شریف تو اس وجہ سے ہے کہ قول باری تعالیٰ سے اس کی مطابقت ہوتی ہے اور جدًا اس وجہ سے کہ اس میں کسی قسم کا تکلف نہیں کرنا پڑتا پس معہ کو منصوب پڑھنا بہ نسبت مرفوع پڑھنے کے زیادہ بہتر ہے واللہ اعلم

۲۶۲ قولہ وقیل الخ یہ لفظ معہ کے منصوب پڑھے جانے کی دوسری توجیہ ہے بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ اس کو از قبیل ع وقد حیل بین العیر والنزوان۔ قرار دیا جائے کہ حیل کا مفعول مالم یسم فاعلہ اس میں ضمیر ہے جو فعل کے مصدر کی طرف راجع ہے ای حیل الحیلولۃ اس لئے کہ بین لزوم ظرفیۃ کی بنا پر فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا پس لامحالہ ضمیر مستتر ماننی پڑے گی پس ایسے ہی المفعول معہ میں مفعول مالم یسم فاعلہ کے لئے ضمیر مستتر مانی جائے جو فعل مصدر کی طرف راجع ہو ای فعل الفعل اور معہ کو بنا بر ظرفیت منصوب قرار دیا جائے پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ای الذی فُعِلَ فعلٌ مصاحبتہٗ اور یہ معنی اسی وقت ہوں گے جبکہ مفعول مالم یسم فاعلہ ضمیر مستتر کو قرار دیا جائے جو کہ مصدر کی طرف راجع ہو اور معہ کی ضمیر مجرور اس میں بھی موصول یعنی الذی ہی کی طرف لوٹائی جائے گی۔

فائدہ۔ اس مصرعہ کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ صخر بن عمر ایک سال سے ایک زخم کے باعث مریض تھا جو اس کو کسی جنگ میں لگا تھا تو اس کی عورت نے کہا کہ نہ تو یہ زندہ ہی ہے کہ کچھ امید رکھی جائے اور نہ مردہ کہ مرثیہ کہہ دیا جائے یہ سنکر صخر نے تلوار اٹھا کر اپنے قتل کا ارادہ کیا لیکن شدت ضعف کی وجہ سے اپنے قتل پر قادر نہ ہوسکا پس یہ شعر کہا اور اس میں اپنے قتل کے لئے استطاعت اور طاقت کی تمنا کی یہ پورا شعر اس طرح ہے شعر

اھمُّ بامر الخیر لو استطیعُہٗ
وقد حیل بین العَیر والنزوان

ہم کے معنی قصد و ارادہ کے ہیں باب نصر سے اور اس کا صلہ بار کے ساتھ آتا ہے اور امر خیر سے اپنا قتل مراد لے رہا ہے اور لو سے اظہار تمنا مقصود ہے حیل حیلولۃ سے اس کے معنی

علی ان یکون مفعول مالم یسم فاعله ضمیرًا راجعًا الی مصدرہ والضمیر المجرور
للموصول هو مذکورٌ ۲۲۳ بعد الواو احترازعن المذکور بعد غیرہ کالفاء
لمصاحبة معمول فعلٍ اللام متعلق بمذکورای یکون ذکرہ بعد الواو لاجل
مصاحبته معمول فعل وافادته ایاها سواء کان ذلک المعمول فاعلاً نحو
استوی الماء والخشبة او مفعولاً نحو کفاك وزیدا درهم ۲۲۴ سواء کان ذلک الفعل
لفظًا ای لفظیا کالمثالین المذکورین اَو معنًی ای معنویا نحو مالك وزیدًا

کہ (المفعول معہ کا) مفعول مالم یسم فاعلہ ضمیر ہو جو اس کے (اس) مصدر کی طرف راجع ہو (جو کہ فعل میں ہے) اور (معہ کی) ضمیر مجرور (المفعول کے لام) موصول کے لئے ہو (جو مذکور ہو واؤ کے بعد) (بعد الواو کی قید سے) اس مذکور سے احتراز ہے جو فا اور ثم و حتی اور بائے موحدہ کی طرح کسی دوسرے (لفظ) کے بعد مذکور ہو (فعل کے معمول سے اس کی مصاحبت کیلئے) (مصنف کے قول لمصاحبتہ میں) لام (برائے تعلیل کقولک ضربتہ للتادیب) مذکور سے متعلق ہے یعنی مفعول معہ کا ذکر واؤ کے بعد ہو (مصاحبتہ میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور معمول فعلٍ مضاف و مضاف الیہ مل کر اس مصدر کے لئے مفعول بہ ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں میں ہے لمصاحبة معمولِ فعلٍ اس صورت میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل متروک ہے اور معنی بہر صورت یوں ہوگا) مفعول معہ کے فعل کے معمول کی مصاحبت کی وجہ سے (اور افادتہ ایاہا میں ضمیر مجرور متصل واؤ کی طرف اور ضمیر منصوب منفصل مصاحبت کی طرف راجع ہے یعنی) واؤ کے مصاحبت کا فائدہ دینے کی وجہ سے (یہ مصاحبت پر عطف ہے) خواہ (فعل کا معمول فاعل ہو جیسے استوی الماء والخشبة (اور خشبة وہ لکڑی ہے جس سے پانی کا کم یا زیادہ ہونا معلوم کرتے ہیں یہاں مفعول معہ خشبہ ہے جو فعل کے معمول یعنی الماء کے استواء میں مصاحب ہونے کی وجہ سے واؤ کے بعد مذکور ہے اور عبارت شارح میں کان مصدر کی تاویل میں ہے و تقدیرہ سواء کون ذلک المعمول فاعلا الخ) یا مفعول ہو جیسے کفاک وزیدا درھم (یہاں مفعول معہ زیدا ہے جو کفایت درہم میں فعل کے معمول ک ضمیر مخاطب کے مصاحب ہونے کی وجہ سے واؤ کے بعد مذکور ہے) خواہ وہ فعل (جو کہ مفعول معہ میں عامل ہے) (لفظ ہو) یعنی لفظی ہو دونوں مذکورہ مثالوں کی طرح (یا معنی ہو) یعنی معنوی ہو جیسے مالک وزیدا

دو چیزوں کے درمیان فاصل آجانے کے ہیں عیر بفتح العین حمار وحشی کو کہتے ہیں اور نزوان کے معنی ہیں جست لگانا (کودنا) ترجمہ شعر کا یہ ہے میں ایک امر خیر کا ارادہ رکھتا ہوں کاش کہ مجھ میں اس کو پورا کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے اور حال یہ ہے کہ حمار وحشی اور اس کے کودنے کے درمیان حائل کھڑا کر دیا گیا ہے یعنی مجھ میں عدم استطاعۃ اس ارادہ کے پورا کرنے میں حائل کر دی گئی پھر یہ شعر ضرب المثل بن گیا اور ایسے مواقع پر بولا جانے لگا کہ کوئی شخص قوی ہو لیکن اس کو عجز لاحق ہو جانے کے باعث اپنے ارادہ پر دسترس حاصل نہ ہو سکے واللہ اعلم ۱۲

۲۲۳ قولہ ہو مذکورٌ الخ یعنی مفعول معہ بوجہ مصاحبت معمول فعل کے واو بمعنی مع کے بعد مذکور ہوتا ہے پس اس جگہ بعد الواو کی قید سے اس مذکور سے احتراز ہو گیا جو غیر واو کے بعد مذکور ہو مثلاً فا ریا اس کے مثل کے بعد جیسے مثلاً لفظ مع کے بعد جیسے جئتُ مع زید پس اس صورت میں زید مفعول معہ نہیں ہوگا کیونکہ اسم زید واو بمعنے مع کے بعد مذکور نہیں لمصاحبتہ میں لام جارہ مذکورٌ کے متعلق ہے اور عبارت اس طرح ہے ای یکون ذکرہ الخ یعنی مفعول معہ کا ذکر واو کے بعد بوجہ مصاحبت معمول فعل اور اس واو کے مصاحبتہ کا فائدہ دینے کے لئے ہونا چاہئے پھر اس میں تعمیم ہے کہ معمول فعل خواہ فاعل ہو جیسے استوی الماء والخشبة کہ اس میں الماء فاعل فعل کا معمول ہے اور وہ واو اس کی مصاحبتہ کا فائدہ دے رہا ہے یعنی پانی لکڑی کے ساتھ بلندی میں برابر ہو گیا یا وہ معمول مفعول ہو جیسے کفاک وزیدًا درہمٌ کہ اس میں کاف مفعول بہ ہے اور زیدًا میں واو اس کی مصاحبت کا فائدہ دے رہا ہے یعنی دکافی ہے تجھ کو زید کے ساتھ ایک

درہم) واللہ اعلم ۱۲

۲۲۴ قولہ وسواءٌ کان الخ اس سے فعل کی عمومیت بیان کرنا مقصود ہے اور مزید اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظاً اور معنیً کان کی خبر ہونے کی بنا پر منصوب ہیں پھر لفظیا سے صحت حمل کی طرف اشارہ

ہے تاکہ خبر کان کا حمل اسم کان پر بحذف یا نسبۃ صحیح ہو جائے یا لفظاً بمعنی ملفوظاً ہے اسی پر معنیً کو بھی قیاس کرنا چاہئے پس کہتے ہیں کہ جس طرح معمول میں تعمیم ہے کہ وہ فاعل ہو یا مفعول اسی طرح فعل فاعل میں بھی تعمیم ہے عام ازیں کہ وہ لفظی ہو جیسے دونوں

ای ماتصنع والمراد[٢٤٥] بمصاحبته لمعمول الفعل مشارکته له فی ذلک الفعل فی زمان واحدٍ نحو سرت وزیدًا او مکانٍ واحد نحو لو ترکت الناقة وفصیلها لرضعتها فلا ینتقض بالمذکور بعد الواو العاطفة نحو جاء نی زید وعمرو فانها لا تدل الا علی المشارکة فی اصل الفعل دون المصاحبة واعلم[٢٤٦] ان مذهب جمهور النحاة

یعنی ماتصنع (وزیدا) اور مفعول معہ کی فعل کے معمول کے ساتھ مصاحبت سے مراد مفعول معہ کا فعل کے معمول کے ساتھ اس فعل میں ایک وقت میں شریک ہونا ہے جیسے سرت وزیدا کہ اس میں مفعول معہ متکلم کا جو کہ فاعل ہے فعل میں یعنی سیر میں وقت واحد میں شریک ہے یعنی جس وقت فاعل سے سیر واقع ہوئی ہے اسی وقت مفعول معہ سے ہوئی اور اس کے برعکس جب مفعول معہ سے ہوئی ہے اس وقت فاعل سے ہوئی ہے) یا ایک جگہ میں (شریک ہونا ہے) جیسے لو ترکتِ (مبنی للمفعول) الناقة وفصیلها لرضعتها) یعنی اگر اونٹنی اپنے بچے کے ہمراہ ایک جگہ میں چھوڑ دی جاتی تو وہ اپنے بچے کو دودھ پلا لیتی اس میں مفعول معہ یعنی فصیلہ فعل کے معمول یعنی ناقہ کے ساتھ فعل یعنی ترک میں شریک ہے ... شرکت فی المکان شرکت فی الزمان کو مستلزم ہے مگر برعکس نہیں) پس (مفعول معہ کی تعریف) مذکور بعد الواو العاطفة سے (جو کہ جمع مطلق کے لئے ہوتی ہے بلا اشتراک ایک زمان یا ایک مکان) منقوض نہ ہوگی جیسے جاء نی زید وعمرو کیونکہ (اس مثال میں) واو (معطوف و معطوف علیہ کے) صرف اصل فعل (یعنی مجیئت) میں باہمی شرکت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ مصاحبت پر اور معلوم ہونا چاہئے کہ جمہور نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ میں عامل (ناصب) فعل ہے (جو

مذکورہ بالا مثالوں میں یا معنوی ہو جیسے مالک وزیدًا کہ مالک اگرچہ فعل نہیں ہے مگر اس سے ایک فعل ضرور سمجھ میں آتا ہے یعنی تصنع ای ماتصنع وزیدًا (تو زید کے ساتھ کیا کر رہا ہے) واللہ اعلم

٢٤٥ قولہ والمراد الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر فلا ینتقض الخ سے شارح نے خود بیان کر دی ہے کہتے ہیں کہ معمول فعل سے مفعول معہ کے مصاحب ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفعول معہ معمول فعل کے ساتھ زمانہ واحد میں شریک ہو یعنی کسی ایک کا زمانہ آخر سے علیحدہ نہ ہو سکے جیسے سرتُ وزیدًا کہ اس میں متکلم یعنی معمول فعل اور زید مفعول معہ کی سیر کا زمانہ ایک ہے یا اگر دونوں زمان میں مشارک نہ ہوں تو مکان واحد میں مشارکت ہونی چاہئے جیسے لو ترکت الناقة وفصیلتها لرضعتها (اگر اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ چھوڑ دی جاتی تو اونٹنی بچہ کو دودھ پلا دیتی) پس اس مثال میں مکان واحد ہے۔

فائدہ ۔ جس طرح مثال اول میں دونوں کا زمانہ ایک ہے اسی طرح مکان بھی واحد ہے اس لئے کہ مثلاً جب زید اور عمرو دونوں ساتھ چلیں گے تو لامحالہ دونوں کا مکان بھی ایک ہوگا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک جائے دہلی کو اور دوسرا جائے لاہور کو تو کہہ دیا جائے سار زیدٌ وعمرًا کہ زید عمرو کے ساتھ چلا علی ہذا القیاس مثال ثانی میں جہاں مکان واحد پایا جاتا ہے وہیں ایک زمانہ بھی دونوں میں موجود ہے کیونکہ دونوں کا ایک جگہ میں ہونا ایک زمانہ میں ہونے کو مستلزم ہے مگر شارح نے جو علیحدہ امثلہ بیان کی ہیں وہ قصد کے اعتبار سے ہیں یعنی مثال اول میں زمان واحد مقصود ہے مکان نہیں اور ثانی میں مکان واحد مد نظر ہے زمان نہیں ١٢ پس جب مذکورہ بالا تفصیل مراد ہوئی تو اب تعریف مفعول معہ پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ واو عاطفہ کے بعد جو اسم مذکور ہوتا ہے وہ بھی تو مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے جیسے جاء نی زیدٌ وعمروٌ میرے پاس زید اور عمرو آئے یعنی دونوں ساتھ آئے پس عدم ورود نقض کی وجہ یہ ہے کہ واو عاطفہ اصل فعل میں مشارکت پر دلالت کرتا ہے مصاحبت پر نہیں اس لئے کہ جاء نی زیدٌ و عمروٌ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں زمان واحد میں آئے ہوں اس لئے کہ ان دونوں کا اجتماع فی المجئی مراد ہے خواہ آگے پیچھے ہی کیوں نہ ہو لہذا یہ اعتراض غلط ہے واللہ اعلم

٢٤٦ قولہ واعلم ان الخ اس سے اس امر کی تحقیق مقصود ہے کہ مفعول معہ میں عامل کون ہے اس میں بعض نحاۃ مثلاً شیخ عبد القاہر جرجانی کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ میں واو عامل ہے یعنی واو کی وجہ سے مفعول معہ منصوب ہوتا ہے اس پر رد کرتے ہوئے شارح کہتے ہیں کہ جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ میں عامل فعل یا معنی فعل ہیں اور واو بمعنی مع صرف ایک واسطہ ہے اور واو کو مع کی جگہ میں اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ واو مع سے اخصر اور اوجز ہے اب رہی یہ بات کہ واو کی کیا خصوصیت

ان العامل فی المفعول معہ الفعل او معناہ بتوسط الواو التی بمعنی مع و
انما وضعوا الواو موضع مع لکونہا اخصر واصلہا واو العطف التی فیہا معنی الجمع
فناسب معنی المعیۃ فَاِنْ کَانَ ای وجد اَلْفِعْلُ ای مایدل علی الحدث فیعم
الفعل واسمی الفاعل والمفعول والصفۃ المشبہۃ وغیرہا لَفْظًا وَجَازَ ای
لم یجب اَلْعَطْفُ ولم یمتنع فلا ینتقض بمثل ضربت زیدًا وعمرًا الوجوب
العطف فیہ فَالْوَجْہَانِ ای العطف والنصب علی المفعولیۃ جائزان نحو

اس سے مقدم ہے خواہ وہ لازم ہو یا متعدی یہ ملفوظ میں ہے) یا اس (فعل) کا معنی (جیسا کہ مالک وزیدا میں ہے) اس واو کے توسط سے جو کہ مع کے معنی میں ہے (یعنی واؤ عامل ومعمول کے درمیان واسطہ ہوتی ہے جیسا کہ حرف استثناء دونوں میں واسطہ ہوتا ہے مگر عبد القاہر جرجانی کا مذہب یہ ہے کہ واو ہی عامل ہے کیونکہ یہاں واو مصاحبت ومشارکت کے لئے ہے تو اس نے مصاحبت ومشارکت کا حکم لے لیا ہے یعنی عمل اور عمل سے نصب کا عمل مراد ہے اور زجاج نحوی کہتے ہیں مفعول معہ فعل مضمر سے منصوب ہے جس پر فعل سابق دلالت کرتا ہے اور واؤ اس فعل مضمر کے قائم مقام ہو کر اس کا فائدہ دے رہی ہے جیسے استوی الماء والخشبۃ اور اخفش کہتے ہیں مفعول معہ کی نصب ظرف کی نصب ہے کیونکہ اس پر داخل ہونے والا واو مع کے قائمقام ہے اور مع ظرف ہے .... (یہ سب تکلفات ہیں مذہب جمہور بلا تکلف درست ہے) اور نحویوں نے واؤ کو مع کی جگہ واؤ کے (مع کی نسبت زیادہ مختصر ہونے کی وجہ سے رکھا ہے اور واو (جو کہ مع کی جگہ ہے) کی اصل واؤ عطف ہے جس میں جمع کا معنی ہے پس (اس کیلئے) معیت کا معنی مناسب ہوا ((پھر اگر ہو)) یعنی پایا جائے ((فعل)) یعنی جو حدث پر دلالت کرے پس یہ فعل اور اسم فاعل واسم مفعول وصفت مشبہ وغیرھا کو شامل ہوگا ((لفظا اور جائز ہو)) یعنی واجب نہ ہو ((عطف)) اور نہ ناجائز ہو (یعنی یہاں پر جواز امکان خاص کے معنی میں ہے یعنی وجوب وامتناع کا طرفین سے سلب مراد ہے امکان عام مراد نہیں جو احد الطرفین سے سلب ضرورت کا نام ہے) پس ضربت زیدا وعمرا سے نقض وارد نہ ہوگا (یہ کلام منقوض نہ ہوگا) کیونکہ (بہ قرینہ معطوف علیہ) اس مثال میں عطف واجب ہے (کیونکہ ضرب کے اندر مکان واحد یا زمان واحد میں معیت اور مصاحبت مشکل ہے لہذا واؤ مع کے معنی میں نہیں عطف کیلئے ہے ((تو دو طریقے ہیں)) (یہ شرط مذکور فان کان کا جواب ہے) یعنی عطف (واؤ کو عاطفہ قرار دینا اور اس کے مابعد کو معطوف اور ماقبل کو معطوف علیہ متصور کرنا کیونکہ واو میں اصل عطف ہے) اور مفعولیت کی بنا پر نصب دونوں جائز ہیں (نصب سے مراد یہ ہے کہ واو کا مابعد فعل کے معمول کا مصاحب اور مفعول معہ ہو لیکن عطف کو ترجیح ہے کہ یہی اصل ہے اور عمل بالاصل اولی ہے) ((جیسے

ہے دوسرا کوئی اور حرف اس کے لئے وضع کر لیا جاتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واو کی اصل عطف ہے اور عطف میں جمعیۃ کے معنے پائے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مصاحبۃ اور جمعیۃ میں اک گونہ مناسبت ہے اس لئے کہ مصاحبۃ کو جمعیۃ لازم ہے پس واو کو مع کی جگہ مقرر کر لیا گیا واللہ اعلم ۱۲

۲۴۷ قولہ فان کان الخ پس اگر فعل لفظی ہو اور واو کے مابعد کا عطف واو کے ماقبل پر جائز ہو تو مفعول معہ میں عطف اور بنا بر مفعولیت کے نصب دونوں جائز ہیں جیسے جئتُ انا وزیدٌ پس اس میں عطف تو اس لئے جائز ہے کہ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی گئی ہے اس لئے واو کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہو سکتا ہے اور بنا بر عطف کے زید کو مرفوع پڑھیں گے اور زید چونکہ مفعول معہ ہے اس لئے اس کو نصب دینا بھی جائز ہے جیسے جئتُ انا وزیدًا پس اس صورت میں عطف نہیں ہوگا اب جاننا چاہئے کہ کان کی تفسیر وجد کے ساتھ کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کان اس جگہ تامہ ہے اس کو خبر کی ضرورت نہیں اور لفظاً بمعنے ملفوظا ہو کر حالیۃ یا تمیز کی بنا پر منصوب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کان تامہ نہ ہو ناقصہ ہو اور لفظاً بمعنے ملفوظا کر کے اس کی خبر بنایا جائے تاکہ حمل صحیح ہو جائے اور ای مایدل علی الحدث کہہ کر شارح نے سوال مقدر کا جواب دیا ہے کہ جواز وجہین جس طرح اس مفعول معہ میں ہے جو فعل کے ساتھ واقع ہو اسی طرح اس مفعول معہ میں بھی دونوں وجہیں جائز ہیں جو شبہ فعل یعنی اسم فاعل و اسم مفعول وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا جائے پس فعل کے ہی ساتھ تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ فعل سے مراد وہ فعل ہے جو معنیٰ حدثی پر

جِئْتُ اَنَا وَ زَیْدٌ بالرفع علی العطف وَ زَیْدًا بالنصب علی المفعولیہ وَ اِلّا[۲۴۸] ای وان لم یجز العطف بل یمتنع تَعَیَّنَ النَّصْبُ مِثْلُ جِئْتُ وَ زَیْدًا فان العطف فیہ ممتنع لعدم الفاصلۃ لا بتاکید المتصل بالمنفصل ولا بغیرہ وَ اِنْ[۲۴۹] کَانَ الفعل

جئت انا وزید (زید کے) رفع کے ساتھ عطف کی بناپر (یعنی ضمیر مرفوع منفصل پر زید کا عطف ہو اور یہ انا ضمیر منفصل مرفوع ت ضمیر بارز متصل مرفوع کی تاکید ہے) ((اور زیدًا)) بنا بر مفعولیت نصب کے ساتھ (کہ فعل کے معمول کے ساتھ زمان واحد میں مصاحب ہونے کی وجہ سے زید امفعول معہ ہو) ((ورنہ)) یعنی اگر واو کے مابعد کا ماقبل پر) عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو ((تو نصب متعین ہوگی)) (یعنی واو کے مابعد کی نصب متعین ہوگی بنا براں کہ وہ مفعول معہ ہے کوئی دوسری صورت نہیں یہ ابن حاجب کا مذہب ہے مگر جمہور کے نزدیک یہاں نصب مختار ہے واجب نہیں اور ہو سکتا ہے کہ مصنف کے نزدیک تعین نصب سے تعین استحسانی مراد ہو فلا اختلاف) ((جیسے جئت وزیدا)) کہ اس میں عطف ممتنع ہے (یعنی ناجائز ہے اور توجیہہ مذکور کی بنا پر امتناع سے قباحت مع الجواز مراد ہوگی معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان) عدم فاصلہ کی وجہ سے (عطف قبیح ہے) نہ تو متصل کی منفصل سے (تاکید کا فاصلہ ہے) اور نہ (ظرف وغیرہ ایسے) اس کے غیر کے ساتھ (کوئی فاصلہ ہے) ((اور اگر ہو)) فعل

دلالت کرے یعنی فعل لغوی پس اس میں فعل اصطلاحی۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول اور صفۃ مشبہ وغیرہ سب پر داخل ہو جائیں گے اس لئے کہ معنی حدثی سب میں پائے جاتے ہیں لہذا اعتراض کی کوئی وجہ نہیں اور ای لم یجب العطف ولم یمتنع سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جواز بمعنے الامکان الخاص ہے یعنی وجوب اور امتناع دونوں سے سلب ضرورت ہو کہ عطف جائز ہو لیکن نہ واجب ہو اور نہ ممتنع پس اگر واجب یا ممتنع ہوگا تو اس میں مذکورہ بالا دونوں وجہیں جائز نہیں ہوں گی جیسے ضربت زیدًا وعمرًا کہ اس میں عطف واجب ہے اس لئے عمرًا کو مرفوع نہیں پڑھ سکتے منصوب پر معطوف ہونے کے باعث منصوب ہی پڑھیں گے۔ اور جیسے جئتُ وزیدًا کہ اس میں عطف ممتنع ہے اس لئے کہ ضمیر متصل پر عطف جائز نہیں ہوا کرتا لہذا اس میں بھی صرف ایک وجہ یعنی نصب بنا بر مفعولیت کے جائز ہے اور بنا بر عطف رفع نہیں پڑھ سکتے۔

فائدہ - اگر جواز کی تفسیر امکان خاص کے ساتھ نہ کی جاتی تو امکان عام مقید بجانب الوجود مراد ہوتا یعنی حکم کی جانب مخالف سے سلب ضرورت ہو اور جانب موافق ضروری ہو یا نہ ہو تو اس صورت میں وجوب عطف بھی اس میں داخل ہو جاتا کیونکہ یہ جانب موافق ہے اور امتناع عطف خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ جانب مخالف ہے۔ پس ضربتُ زیدًا وعمرًا کو لے کر معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ اس میں صرف ایک ہی وجہ جائز ہے دونوں وجہوں کا جواز ممکن نہیں لہذا ضابطہ مذکورہ غلط ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۴۸ قولہ والا ای وان لم یجز الخ یہ جواز عطف سے استثناء ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب متعین ہوگا جیسے جئتُ وزیدًا اسلئے کہ اس میں عطف فاصلہ نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں یعنی نہ تو ضمیر متصل اور اسکے درمیان ضمیر منفصل سے فاصلہ ہے اور نہ ظرف وغیرہ سے اب رہی یہ بات کہ شارح نے بل یمتنع کیوں کہا تو اس سے اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ لم یجز میں جواز سے مراد امکان عام مقید بجانب العدم ہے یعنی حکم کی جانب موافق سے سلب ضرورت پس عطف کا وجود ضروری نہیں عام ازیں کہ عطف ممتنع ہو یا جائز پس لم یجز کے معنے یہ ہوئے کہ اگر عطف ضروری نہ ہو تو نصب متعین ہوگا پس یہ ضابطہ جئتُ انا وزیدًا سے منقوض ہے اس لئے کہ اس میں وجود عطف ضروری نہیں بلکہ اختیاری ہے کریں یا نہ کریں لہذا یہ ضابطہ غلط ہے پس شارح نے بل یمتنع کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ عدم عطف ضروری ہے یعنی عطف ممتنع ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں اس لئے کہ جئتُ انا وزیدًا اس سے خارج ہو جائے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ ہم کو تسلیم نہیں کہ جواز سے مراد امکان عام مقید بجانب العدم ہے اس لئے کہ لفظ الّا سے امکان خاص کی نفی ہے جیسا کہ گذرا کہ جواز سے مراد امکان خاص تھا امکان عام نہیں اور امکان خاص کی نفی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جانب مخالف کا ثبوت ضروری ہو یعنی عطف ممتنع ہو دوسرے یہ کہ جانب موافق کا اثبات ضروری ہو یعنی عطف واجب ہو پس اگر اس نفی سے وجوب عطف مراد لیتے ہیں تو جزا شرط پر مرتب نہیں ہوتی اس لئے کہ جزا تعین النصب ہے اور جب عطف واجب ہوگا تو نصب متعین نہ ہوگا بلکہ واجب ہوگا پس لامحالہ کہنا پڑیگا کہ لفظ الّا سے جو عدم جواز مفہوم ہوتا ہے اس سے مراد امتناع ہے تاکہ مذکورہ بالا اعتراض لازم نہ آئے واللہ اعلم ۱۲

۲۴۹ قولہ وان کان الخ اور اگر

مَعْنًى اى امرا معنويًا مستنبطا من اللفظ وَجَازَ اى لم يمتنع لَلْعُطْفُ تَعَيَّنَ الْعَطْفُ حيث لا يحمل على عمل العامل المعنوى بلا حاجة مع جواز وجه آخر و هو العطف نَحْوُ مَالِزَيْدٍ وَعَمْرٍو وَ اِلَّا اى وان لم يجز العطف بل امتنع تَعَيَّنَ النَّصْبُ حيث لا وجه سواه مِثْلُ مَالَكَ وَزَيْدًا وَمَا شَانُكَ وَعَمْرًا فانه امتنع العطف فيهما لان العطف على الضمير المجرور بلا اعادة الجار غير جائز و لم يجز عطف عمرًا على الشان اذ السوال عن شانهما لا عن شان احدهما ونفس

((معنی)) یعنی امر معنوی مستنبط از لفظ (یعنی لفظ کی تصریح یا تقدیر کے بغیر اور فعل معنوی مستنبط از لفظ (یعنی لفظ کی تصریح یا تقدیر کے بغیر اور فعل معنوی مستنبط من اللفظ کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ لفظوں میں فعل عامل کا پتہ دینے والی چیز قوی ہو جیسے مالک و زیدا کیونکہ جار و مجرور فعل کے متعلق ہوتے ہیں لہذا یہاں تصنع فعل مستنبط ہوتا ہے یا فعل کے معنی کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں جیسے ما شانک کیونکہ ماشانک فعلک و صنعتک کے معنی میں ہے اس لئے کہ یہ ما مصدریہ ہے اور مصدر میں فعل کا معنی ہے اور دوسرا وہ کہ فعل عامل کا پتہ دینے والی چیز ضعیف ہو جیسے ما انت و زید کہ یہاں جار مجرور ہیں نہیں جو متعلق یعنی فعل یا فعل کے معنی کا تقاضہ کریں اس میں ما استفہامیہ ہے جو فعل یا فعل کے معنی پر دلالت کرنے میں ضعیف ہے کما فی الرضی) ((اور جائز ہو)) یعنی ممتنع نہ ہو ((عطف تو عطف متعین ہو گا)) کیونکہ صورت دیگر جو کہ عطف ہے کے جواز کے ہمراہ بلا ضرورت کلام کو عامل معنوی پر محمول نہ کیا جائے گا ((جیسے مالزید و عمرو ورنہ)) یعنی اگر عطف ناجائز ہو بلکہ ممتنع ہو ((تو نصب متعین ہو گی)) کیونکہ نصب کے سوا کوئی صورت نہیں (کہ جب اقوی یعنی عطف کے ساتھ عمل متعذر ہوا تو عمل بالادنی یعنی نصب کے ساتھ عمل کافی ہے) ((جیسے مالک و زیدا و ماشانک و عمروا)) پس ان دونوں میں عطف ناجائز ہے کیونکہ (صورت اولی میں) جار کے اعادہ کے بغیر ضمیر مجرور پر عطف جائز نہیں اور عمروا کا عطف شان پر جائز نہیں کیونکہ سوال دونوں کے حال معلوم کرنے سے ہے دو میں ایک کے حال اور دوسرے کی ذات سے

فعل معنوی یعنی ایسا امر ہو کہ جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہے اور عطف جائز ہو یعنی ممتنع نہ ہو تو عطف متعین ہو گا کیونکہ کلام کو عامل معنوی کے عمل پر بلا حاجۃ محمول نہیں کیا جائیگا جبکہ دوسری وجہ بھی اس میں جائز ہے یعنی عطف مطلب یہ ہے کہ عامل معنوی پر کلام کو محمول کرنے کی کوئی خاص ضرورت داعی نہ ہو اور عطف بھی ہو سکتا ہو تو عطف متعین ہو گا جیسے لزید و عمرو کہ اس میں اگرچہ عامل معنوی یعنی فعل نکل سکتا ہے جیسا کہ مالک و زیدا میں نکالا گیا تھا اور اس عامل معنوی کے باعث عمرو کو عمرا بھی پڑھ سکتے ہیں واو کو مع کے معنے میں لے کر لیکن یہ امر خفی ہے اور کلام کو اس پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور عطف امر ظاہر ہے پس یہ نہ ہوگا کہ امر ظاہر کو چھوڑ کر امر ضعیف خفی کو اختیار کریں لہذا عطف متعین ہو گا۔ اس جگہ شارح نے معنےً کی تفسیر ای امراً معنویا الخ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بقول شارح کان تامہ ہے بمعنی وجد اور فعل اس کا فاعل ہے جو کہ ذوالحال ہے اور معنے حال اور حال اپنے ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے لیکن اس جگہ حمل صحیح نہیں اس لئے کہ معنے مصدر ہے وہ اپنے افراد پر ہی محمول ہو سکتا ہے اور فعل اس کے افراد میں سے نہیں لہذا حمل کیسے صحیح ہو گا جواب یہ ہے کہ معنےً اپنے موصوف محذوف یعنی امراً کے اعتبار سے حال ہے اور معنےً اس کی صفت ہے پھر چونکہ صفت بھی اپنے موصوف پر محمول ہوا کرتی ہے لہذا معنےً معنویا کے معنی میں ہے اور مستنبطاً معنویاً کا عطف تفسیری ہے اور جاز کے بعد ای لم یمتنع سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں جواز بمعنی امکان عام ہے مقید بجانب الوجود ہے یعنی عدم عطف ضروری نہیں وجود ضروری ہو یا نہ ہو یعنی خواہ عطف واجب ہو یا نہ ہو ممتنع نہ ہونا چاہئے واللہ اعلم ۱۲

۲۵۰ قولہ والا ای وان لم یجز الخ اور اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب متعین ہو گا کیوں کہ اس کے سوا اور کوئی وجہ ہی نہیں جو اختیار کی جا سکے جیسے مالک و زیداً و ماشانک و عمراً کہ ان دونوں مثالوں میں عطف ممتنع ہے اس لئے کہ ضمیر مجرور پر بغیر اعادہ جار کے عطف جائز نہیں اور اس جگہ اعادہ جار ہے نہیں اسی طرح عمراً کا عطف شان پر درست نہیں اس لئے کہ اس وقت خلاف مقصود لازم آئے گا کیونکہ مقصود دونوں کی شان سے سوال کرنا ہے نہ کہ ایک کی شان اور دوسرے کی ذات سے کیونکہ صورت عطف میں ترجمہ یہ ہو گا کیا ہے تیری شان اور عمرو کی ذات یعنی اس کا نفس اور یہ خلاف مقصود ہے لہذا النصب متعین ہو گا واللہ اعلم ۱۲

الآخر وانما[۲۵۱] حکمنا بمعنویۃ الفعل فی ھذہ الامثلۃ لأنّ المعنیٰ مَا تَصْنَعُ وما یماثلہ فمعنی ما شانك وزیدًا ما تصنع وزیدًا ومعنی مالك وزیدًا ما تصنع وزیدًا ومعنی مالزید وعمرو ما یصنع زیدٌ وعمرو والحَالُ[۲۵۲] لما فرغ من المفاعیل شرع فی الملحقات بھا وھو مَا یُبیِّنُ ھَیْئَۃَ الفَاعِلِ والمَفْعُوْلِ بہ ای من حیث ھو فاعل او مفعول بہ کما ھو الظ فبذکر الھیأۃ یخرج ما یبین الذات کالتمیز وباضافتھا الی الفاعل او المفعول بہ یخرج ما یبین ھیأۃ غیر الفاعل او المفعول بہ کصفۃ المبتدأ نحو زید العالم اخوك و بقید الحیثیۃ تخرج صفۃ الفاعل والمفعول فانھا تدل علی ھیأۃ الفاعل

سوال نہیں ہے اور ہم نے ان مثالوں میں (جو کہ تعین عطف یا تعین نصب کے بارے میں دی گئی ہیں) فعل کے معنوی ہونے کا حکم دیا "کیونکہ معنی ماتصنع ہے" اور جو (معنی) اس کے مثل ہو پس ماشانک وزیدا کا معنی ماتصنع وزیدا ہے اور مالک وزیدا کا معنی ماتصنع وزیدا اور مالزید وعمرو کا معنی مایصنع زید وعمرو ہے (کیونکہ یہاں پر مجرور اسم ظاہر ہے اور اسم ظاہر غائب ہی ہوتا ہے لہذا اس کی تفسیر بھی اسی طرح صیغۂ غائب سے ہو گی) "اور حال" جبکہ مصنف مفاعیل (خمسہ) سے فارغ ہوئے تو ملحقات بالمفاعیل (کے بیان) میں شروع ہوئے اور حال "وہ ہوتا ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرے" اس حیثیت سے کہ وہ فاعل ہے (اور اس سے فعل صادر ہوتا ہے) یا مفعول بہ ہے (اس پر فعل واقع ہوتا ہے) جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو (مصنف کا قول ما جنس ہے جو معرف اور غیر معرف کو شامل ہے اور) ہیئت کے ذکر سے وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جو (حالت کی بجائے کسی چیز کی) ذات کو بیان کرے جیسا کہ تمیز ہے (کہ یہ مبین ہے مگر ذات کی صفت کی نہیں خواہ ذات مذکور ہو جیسے رطل زیتا یا مقدر جیسے طاب زید نفسا) اور ہیئت کی فاعل یا مفعول بہ کی طرف اضافت سے وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جو فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ کسی اور چیز کی حالت بیان کرے جیسا کہ مبتدأ کی صفت ہے جیسے زید العالم اخوک اور حیثیت کی قید سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت خارج ہو جائے گی کہ صفت فاعل اور مفعول بہ کی حالت پر مطلقا دلالت کرتی ہے (خواہ فاعل

۲۵۱ قولہ وانما حکمنا الخ یہاں سے امثلہ مذکورہ میں فعل کے معنوی ہونے کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے ان امثلہ میں معنویۃ فعل کا اس لئے حکم کیا ہے کہ ان کے معنے ماتصنع کے ہیں یا جو اس کے مماثل ہو مثلا ملابس وغیرہ پس ماشانک وعمرا کے معنے ماتصنع وعمرا کے ہیں اور مالک وزیدا کے معنے ماتصنع وزیدا کے اور مالزید وعمرو کے مایصنع زید وعمرو کے معنے ہیں واللہ اعلم ۱۲

۲۵۲ قولہ الحال الخ جب مصنف رحمہ اللہ مفاعیل خمسہ کے بیان احوال سے فارغ ہو گئے تو اب اس کے ملحقات شروع کرتے ہیں جن میں سے پہلا حال ہے حال کے معنے لغت میں برگشتن اور تبدیلی قبول کرنے کے آتے ہیں اور حال اصطلاحی کو بھی اسی لئے حال کہتے ہیں کہ وہ بسا اوقات تغیر و تبدل سے خالی نہیں ہوتا پس حالی اصطلاحی وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی وہ ہیئت بیان کرے جو صدور یا وقوع فعل کے وقت پائی جاتی ہے پھر فاعل و مفعول بہ میں تعمیم ہے خواہ وہ لفظی ہوں یا معنوی پھر فاعل اور مفعول بہ میں قید حیثیت معتبر ہو گی یعنی وہ فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت کو اس حیثیت سے بیان کرے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہیں اس کا فائدہ عنقریب آجائیگا اب فوائد قیود ملاحظہ فرمایئے اس تعریف میں لفظ ما بمنزلہ جنس کے ہے کہ تمام اسماء کو شامل ہے اور ھیئۃ الفاعل الخ بمنزلہ فصل کے پس جب مصنف نے ہیئۃ کا ذکر کیا تو اس سے تمیز خارج ہو گئی اس لئے کہ وہ ذات کو بیان کرتی ہے ہیئت و صفت کو نہیں جیسے اعطیتہ عشرین درہما کہ اس جگہ درہم ذات عشرین ہے یعنی درہم سے عشرین کی ذات کا بیان ہو رہا ہے اور ہیئۃ کی فاعل یا مفعول بہ کی طرف اضافت کر دینے سے وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جو غیر فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت کو بیان کرے مثلا مبتدا کی صفت مبتدا کی ہیئت بتلائے جیسے زید ن العالم اخوک کہ اس میں العالم زید مبتدا کی صفت ہے اور اسی کی ہیئت کو بیان کرتی ہے نہ کہ فاعل اور مفعول بہ کی ہیئت کو پس اس قید سے مبتدا کی صفت سے احتراز ہو جائیگا اور قید حیثیت سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت خارج ہو جائیگی اس لئے کہ صفت فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقا دلالت کرتی ہے اس حیثیت سے دلالت نہیں کرتی کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ اور وجہ

او المفعول به مطلقا لا من حیث هو فاعل او مفعول وهذا الترديد على سبیل منع الخلو لا الجمع فلا یخرج عنه مثل ضرب زيدٌ عمرا راكبين لَفْظاً ۲۵۳ ای سواء کان الفاعل او المفعول الذی وقع الحال عنه لفظًا ای لفظیًا بان تکون فاعلية الفاعل او مفعولية المفعول باعتبار لفظ الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنًى خارج عنه یفهم من فحوی الكلام سواء كانا ملفوظين

سے فعل کا صدور یا مفعول پر فعل کا وقوع ہوا ہو یا نہ) اس حیثیت سے نہیں کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ ہے اور یہ تردید (جو تعریف حال میں واقع ہونیوالے کلمۂ او سے سمجھی جاتی ہے) منع خلو کے طور پر ہے (کہ حال کا ان دو حالتوں سے خالی ہونا ممنوع ہے یا تو فاعل کی حالت بیان کرتا ہوگا یا مفعول بہ کی اور یہ تردید منع) جمع کے طور پر نہیں (کہ حال کے لئے فاعل و مفعول دونوں کی حالت کو اکٹھے بیان کرنا منع ہو یہ بات نہیں بلکہ وہ ایسا کرسکتا ہے) لہٰذا ضرب زید عمرو اراکبین کا مثل (جس میں حال فاعل و مفعول بہ دونوں کی اکٹھے حالت کو بیان کررہا ہے) حال کی تعریف سے خارج نہ ہوگا (لفظ کے طور پر) یعنی خواہ فاعل یا مفعول بہ (ان دو میں سے ہر ایک) کہ جس کی طرف سے حال واقع ہوا لفظ ہو یا لفظی ہو اس طرح کہ فاعل کی فاعلیت یا مفعول بہ کی مفعولیت کلام کے لفظ اور اس کے منطوق کے اعتبار سے ہو معنی کے اعتبار سے نہیں جو کہ کلام سے خارج ہو اور سیاق کلام سے سمجھا جاتا ہو (جیسا کہ فاعل معنوی

یہ ہے کہ صفت ہمیشہ اسی معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے موصوف میں پائے جاتے ہیں اس میں یہ حیثیت ملحوظ نہیں ہوتی کہ وہ موصوف فاعل ہے یا مفعول بہ اور یہی وجہ ہے کہ جاءنی زیدن العاقل میں زید کی صفت عاقل کے ساتھ ہر حالت میں اتصاف ہے خواہ جاء کو ذکر کریں یا نہ کریں بخلاف حال کے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقا دلالت نہیں کرتا بلکہ اس میں فاعلیۃ یا مفعولیۃ کی حیثیت معتبر ہوتی ہے یعنی حال کے لئے فعل کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ ذکر فعل کے بعد فاعل یا مفعول سے حال واقع ہو پس اگر فعل ذکر نہیں کیا جائیگا تو فاعل یا مفعول بہ بھی نہیں پائے جائیں گے لہٰذا حال کا بھی تحقق نہیں ہو سکتا۔ اب رہا یہ اعتراض کہ شارح نے اپنی جانب سے قید حیثیت کا کیوں اضافہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قید حیثیت عموماً ہر تعریف میں معتبر ہوتی ہے لہٰذا شہرت پر اعتماد کرکے مصنف نے اس کو ترک کردیا اور شارح نے اس کو ذکر کرکے اس طرف اشارہ کردیا اب رہا یہ اعتراض کہ تعریف حال میں لفظ او سے مترشح ہوتا ہے کہ حال فاعل یا مفعول بہ سے ہی فرداً فرداً ہو سکتا ہے دونوں کے مجموعہ سے نہیں ہو سکتا حالانکہ حال کبھی کبھی دونوں کے مجموعہ سے بھی ہوتا ہے جیسے ضرب زیدٌ عمراً راکبین کہ اس میں زید فاعل او عمراً مفعول بہ ہے اور راکبین دونوں کے مجموعہ کی ہیئت بیان کررہا ہے نہ کہ فرد واحد کی تو اس کا جواب ہذا الترديد الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ یہ تردید علی سبیل منع الخلو ہے علی سبیل منع الجمع نہیں یعنی مطلب یہ ہے کہ حال ہیئۃ فاعل و مفعول بہ کے بیان سے خالی نہ ہوگا خواہ ایک کی ہیئۃ بتائے یا دونوں کی پس اس تعریف سے ضرب زید عمراً راکبین خارج نہ ہوگا واللہ اعلم۔

۲۵۳ قولہ ای سواء کان الخ

اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظاً لفظیاً کے معنی میں ہو کر کان محذوف کی خبر ہے یعنی برابر ہے کہ وہ فاعل یا مفعول کہ جس سے حال واقع ہو رہا ہو لفظی ہوں یعنی بایں طور کہ فاعلیت فاعل اور مفعولیۃ مفعول لفظ کلام اور اس کے منطوق سے ظاہر ہو اور اس میں کسی ایسے معنی کا اعتبار نہ کیا جائے جو کلام سے خارج ہو کر سیاق و سباق کلام سے سمجھ میں آرہی ہوں جیسے جاءنی زید راکبا زید فاعل ہے اور اسکی فاعلیت لفظ کلام سے ظاہر ہو رہی ہے اور اس میں کسی ایسے معنی کا اعتبار نہیں جو لفظ کلام سے خارج ہوں پھر اس میں تعمیم ہے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ حقیقۃً ملفوظ ہوں جیسے مثال مذکور میں یا حکماً لہٰذا اب یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ زیدٌ فی الدار قائما میں ظرف کی ضمیر متمکن سے حال ہے اور مستکن کی فاعلیۃ ملفوظ نہیں پس یہ اگرچہ حقیقۃً ملفوظ نہیں مگر حکماً ضرور ملفوظ ہے اور اس کی فاعلیت باعتبار لفظ کلام یعنی فی الدار کے ہے اس لئے کہ فی الدار ثابتٌ کے متعلق ہوگا اور ثابت مشبہ فعل ہے جس کو فاعل کی ضرورت ہوتی ہے پس اس میں ضمیر مستتر ہوگی جس سے قائما حال واقع ہے پس ضمیر مستتر کا فاعل ہونا لفظ کلام سے ظاہر ہوگیا کیونکہ ثابت متعلق کا ہونا فی الدار جار مجرور کے لئے ضروری ہے پس گویا کہ ثابتٌ فی الدار کے ساتھ ہی ذکر کیا گیا ہے واللہ اعلم۔

حقیقۃً اوحکماً اَوْ مَعْنًی ای معنویًا بان تکون فاعلیۃ الفاعل اومفعولیۃ المفعول باعتبار معنیً یفہم من فحوی الکلام لا باعتبار لفظہ و منطوقہ و ۲۵۵ المراد بالفاعل اوالمفعول بہ اعم من ان یکون حقیقۃ اوحکما فیدخل فیہ الحال عن المفعول معہ لکونہ فی معنی الفاعل اوالمفعول بہ وکذا ۲۵۶ المفعول المطلق مثل ضربت الضرب شدیدًا فانہ بمعنی احدثت الضرب شدیدا ۲۵۷ وکذا یدخل فیہ الحال عن المضاف الیہ کما اذا کان المضاف فاعلا اومفعولا یصح

میں ہے نحو ہذا زید راکبا) خواہ فاعل یا مفعول بہ حقیقت میں ملفوظ ہوں (جیسے ضرب زید عمروا راکبین) یا حکم کے اعتبار (کما سیاتی من الامثلۃ) (یا معنی کے طور پر) یعنی معنوی ہو اس طرح کہ فاعل کی فاعلیت یا مفعول کی مفعولیت ایسے معنی کے اعتبار سے ہو جو کلام کے سیاق وسباق سے سمجھا جاتا ہو نہ کہ کلام کے لفظ اور اس کے منطوق کے اعتبار سے اور فاعل یا مفعول بہ (جوکہ حال کی تعریف میں مذکور ہیں ان) سے مراد اس سے عام ہے کہ (فاعل یا مفعول بہ) حقیقت کی رو سے ہو یا حکم کے اعتبار سے تو (اس تعمیم کے بعد) حال کی تعریف میں حال عن المفعول معہ بھی داخل ہو جائے گا کیونکہ مفعول معہ (اس سے صدور فعل میں) فاعل کے یا (اس پر فعل کے واقع ہونے میں) مفعول بہ کے معنی میں ہے (اس لئے مفعول معہ سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے جیسے جئت وزیدا راکبا اور ماشانک قائما یعنی ما تصنع قائما) اور اسی طرح مفعول مطلق ہے (اس سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے) جیسے ضربت الضرب شدیدا (شدیدا ضرب سے حال ہے اور ضرب مفعول مطلق معرف باللام ہے اور اسی طرح جلست الجلوس کثیرا یعنی اوقعت الجلوس حال کونہ کثیرا) تو یہ احدثت الضرب شدیدا کے معنی میں ہے اور اسی طرح اس میں حال عن المضاف الیہ بھی داخل ہو جاتا ہے (جبکہ مضاف کو حذف کرکے اس کی جگہ مضاف الیہ کا رکھنا صحیح ہو) جیسا کہ مضاف (کہ جسے ذوالحال کی طرف مضاف کیا گیا) فاعل یا مفعول

۲۵۴ قولہ اومعنًی الخ معنًی کی تفسیر معنویًا کے ساتھ ظاہر ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فاعل یا مفعول معنوی ہوں یعنی فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت لفظ کلام اور اس کے ظاہر کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ ایسے معنی کے اعتبار سے ہو جو سیاق وسباق کلام سے سمجھ میں آئے جیسے ہذا زیدٌ قائمًا کہ اس میں زید کی مفعولیت لفظ کلام کے اعتبار سے نہیں بلکہ کلام سے جو معنے سمجھ میں آرہے ہیں اس کے اعتبار سے ہے یعنی انبہ زیدًا قائمًا یا ابنہ زیدًا قائمًا کہ لفظ ہذا سے اُشیرُ اور اُنَبِّہُ سمجھ میں آرہا ہے پس اس فہم کی بنا پر قائمًا مفعول سے حال واقع ہوگا واللہ اعلم

۲۵۵ قولہ والمراد بالفاعل الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ حال کبھی مفعول معہ سے بھی واقع ہوتا ہے جیسے جئت انا وزیدًا راکبًا لہذا فاعل یا مفعول بہ کی تخصیص کیسے درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ فاعل یا مفعول بہ سے مراد عام ہے خواہ ہر ایک حقیقۃً ہو یا حکمًا پس اس میں حال عن المفعول معہٗ بھی داخل ہو جائے گا کیونکہ مفعول معہٗ فاعل یا مفعول بہ کے معنے میں ہوتا ہے کیونکہ یہ فاعل سے صدور فعل میں فاعل کا مصاحب ہوتا ہے اور مفعول بہ پر وقوع فعل میں مفعول بہ کا مصاحب واللہ اعلم۔

۲۵۶ قولہ وکذا المفعول المطلق الخ ایسے ہی مفعول مطلق کبھی چونکہ مفعول بہ کے معنے میں ہوتا ہے لہذا اس سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق معرفہ ہو اسلئے کہ ذوالحال کیلئے معرفہ ہونا ضروری ہے جیسے ضربت الضرب شدیدًا کہ یہ احدثت الضرب شدیدًا کے معنے میں ہے لہذا الضرب مفعول مطلق احدثت کا مفعول بہ ہے اور الضرب معرف باللام ہے پس مفعول مطلق حکمًا مفعول بہ ہوگا واللہ اعلم

۲۵۷ قولہ وکذا یدخل الخ فاعل ومفعول بہ میں جو تعمیم کی گئی ہے اور اس میں جس طرح مفعول معہٗ اور مفعول مطلق داخل ہو جاتے ہیں اسی طرح جو حال مضاف الیہ سے واقع ہو وہ بھی داخل ہو جائیگا اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا درست ہو پس اس وقت مضاف الیہ نیابت مضاف کے باعث گویا کہ فاعل یا مفعول بہ ہو جائیگا جیسے قول باری تعالیٰ بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفا اور ان یاکل لحم اخیہ میتا کہ ان دونوں مثالوں میں حذف مضاف کے ساتھ بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفًا کے بجائے بل نتبع ابراہیم اور ان یاکل لحم اخیہ میتًا کے بجائے ان یاکل اخاہ

حذفه وقيام المضاف اليه مقامه فكانه الفاعل او المفعول نحو بل نتبع ملة ابراهيم حنيفا وان يأكل لحم اخيه ميتاً فانه يصح ان تقول بل نتبع ابراهيم مقام بل نتبع ملة ابراهيم وان يأكل اخاه مقام ان يأكل لحم اخيه [۲۵۸] او كان المضاف فاعلاً او مفعولاً وهو جزء المضاف اليه فكان الحال عن المضاف اليه هو الحال عن المضاف وان لم يصح قيامه مقامه كما في قوله تعالى ان دابر هؤلاء مقطوع مصبحين فقوله مصبحين حال عن هؤلاء باعتبار ان الدابر المضاف اليه جزؤه فان دابر الشئ اصله والدابر مفعول مالم يسم فاعله باعتبار الضمير المستكن في المقطوع فكانه حال عن مفعول مالم يسم فاعله ولو قرئ [۲۵۹] تبين على صيغة الماضي المعلوم

ہو اس (مضاف) کو (کہ فاعل یا مفعول ہے) حذف کرنا اور اس کی جگہ مضاف الیہ کو (کہ وہ ذوالحال ہے) کھڑا کرنا صحیح ہے تو گویا کہ وہی (مضاف الیہ کہ ذوالحال ہے مضاف کے حذف ہونے کے بعد اس کی جگہ کھڑا ہونے کی وجہ سے) فاعل یا مفعول بہ ہے (اور شارح نے مفعول فیہ اور مفعول لہ کا ذکر نہیں کہ وہ نہ تو فاعل ہیں اور نہ ہی مفعول بہ نہ حقیقۃً اور نہ حکماً اس لئے ان سے حال واقع نہیں ہوسکتا) جیسے بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً (حنیفاً بمعنی مخلصاً ومائلاً الی الحق ہے اور یہ ابراہیم سے حال ہے جو کہ ملۃ کا مضاف الیہ ہے نتبع شارح کا نکالا ہوا فعل مقدر ہے جیسا کہ یہاں مفسرین نکالتے ہیں آیت میں نہیں ہے) اور وان یاکل لحم اخیہ میتاً (اس میں میتاً اخیہ سے حال ہے اور اخیہ لحم کا مضاف الیہ ہے جو کہ ان یاکل کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) تو صورت حال یہ ہے کہ بل نتبع ملۃ ابراہیم کی جگہ میں (ملۃ کو حذف کرکے اس کی جگہ ابراہیم کو کھڑا کرکے) بل نتبع ابراہیم کہنا اور (لحم کو حذف کرکے اس کی جگہ اخاہ کو کھڑا کرکے) ان یاکل لحم اخیہ کی بجائے ان یاکل اخاہ کہنا صحیح ہے یا مضاف فاعل یا مفعول ہو در آں حال کہ وہ (مضاف) مضاف الیہ کا جزء ہو تو گویا کہ مضاف الیہ سے جو حال ہے وہی مضاف سے حال ہے اگرچہ مضاف الیہ کا قیام مضاف کی جگہ صحیح نہیں (کیونکہ کسی شئی کا جزء بعض یا کل کے طور پر اس شئی کی جگہ کھڑا نہیں ہوسکتا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے ان دابر ہؤلاء مقطوع مصبحین تو قول باری تعالیٰ مصبحین ہؤلاء سے اس اعتبار سے حال ہے کہ دابر جو ہؤلاء کی طرف مضاف ہے ہؤلاء کا جزء ہے شئی کی دابر اس کی جڑ اور اصل ہوتی ہے اور دابر اس ضمیر کے اعتبار سے جو مقطوع میں مستتر ہے مفعول مالم یسم فاعلہ ہے (یعنی مقطوع میں جو ضمیر مستتر نائب فاعل ہے وہ دابر کی طرف راجع ہے تو مرجع کا حکم وہی ہوتا ہے جو راجع کا حکم ہوتا ہے جب راجع نائب فاعل ہوا تو مرجع یعنی دابر نائب فاعل ہوا) تو گویا کہ مصبحین مفعول مالم یسم سے حال ہوا لہٰذا اعتراض نہ

میتاً کہہ سکتے ہیں پس اس جگہ ابراہیم اور اخیہ سے مضاف الیہ سے حنیفاً اور میتاً کو حال قرار دینا صحیح ہے واللہ اعلم۔

۲۵۸ قولہ او کان المضاف الخ

یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ ان دابر ہؤلاء مقطوع مصبحین میں مصبحین ہؤلاء سے حال واقع ہے اور ہؤلاء دابر کا مضاف الیہ ہے لیکن دابر نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ بلکہ وہ ان کا اسم ہے اور اس کو حذف کرکے ہؤلاء کو اس کا قائم مقام بنانا جائز نہیں حالانکہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور اس کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کرنا درست ہو اور یہاں ایسا نہیں شارح جواباً کہتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ دابر فاعل نہیں بلکہ وہ فاعل حکمی ہے اس لئے کہ دابر مقطوع کی ضمیر مستکن کا مرجع ہے اور ضمیر مستکن مفعول مالم یسم فاعلہ ہے لہٰذا جو حکم راجع کا ہوگا وہی مرجع کا بھی ہوگا۔ پس اس سے قاعدہ یہ نکلے گا کہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف الیہ کا جزء ہو پس گویا کہ جو حال مضاف الیہ سے واقع ہوگا وہ علاقہ جزئیت کی بنا پر مضاف سے واقع ہوگا اگرچہ مضاف الیہ کا مضاف کے قائم مقام کرنا صحیح نہ ہو پس مثال مذکور میں مصبحین ہؤلاء سے اس اعتبار سے حال واقع ہے کہ دابر اپنے جزء یعنی ہؤلاء کی طرف مضاف ہے اس لئے کہ دابر شے کے معنی اصل شے اور جڑ کے آتے ہیں اور اصل شے شی کا جزء ہوتی ہے پس دابر ہؤلاء کا جزء ہوا پھر دابر مقطوع میں ضمیر مستکن کے اعتبار سے مفعول مالم یسم فاعلہ ہے پس گویا کہ مصبحین ہؤلاء سے حال واقع نہیں بلکہ دابر مفعول مالم یسم فاعلہ سے حال واقع ہے لہٰذا اب کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی واللہ اعلم۔

۲۵۹ قولہ ولو قرئ تبین الخ

بمن باب التفعل او تبين على صيغة المضارع المجهول من باب التفعيل وجعل الجار والمجرور متعلقا به لا بالمفعول دخل فيه الحال من المفعول معه او المفعول المطلق من غير حاجة الى تعميم الفاعل والمفعول الا لدخول ما وقع حالا عن المضاف اليه نحو ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا مثال للفظي الملفوظة حقيقة فان فاعلية تاء المتكلم ومفعولية زيدًا انما هي باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنى خارج عنه وهما ملفوظان حقيقة وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا مثال للفظي الملفوظ حكما فان فاعلية الضمير المستكن فی الظرف انما هی باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنى خارج عنه والضمير المستكن

ہوگا کہ مصیبین ھٰؤلاء سے حال ہے جو نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ) اور اگر (حال کی تعریف میں واقع ہونے والے لفظ یبین کو) تبین ماضی معلوم از باب تفعل کے صیغے پر یا تبین مضارع مجہول از باب تفعیل کے صیغے پر پڑھا جائے اور جار و مجرور (بہ) کو تبین سے متعلق کیا جائے المفعول سے نہیں تو (حال کی تعریف میں) حال من المفعول معہ اور من المفعول المطلق فاعل و مفعول کی تعمیم کی حاجت کے بغیر ہی داخل ہو جائے گا مگر اس (حال) کے دخول کے لئے (تعمیم کی حاجت ہوگی) جو مضاف الیہ سے حال واقع ہو (تو جب ایسے حال کے لئے تعمیم کی ضرورت ہوگی تو پھر حال کی تعریف کی تفسیر اول ہی اولی ہے تاکہ کل میں تعمیم ہو جائے اور اس لئے کہ تعریف میں جار و مجرور یعنی بہ کا تعلق المفعول سے اولی ہے) (جیسے ضربتہ زیدا قائما) یہ اس لفظی کی مثال ہے جو درحقیقت کی رو سے ملفوظ ہے کیونکہ متکلم کی تا کا (فعل کیلئے) فاعل اور زیدا کا (فعل کے لئے) مفعول ہونا اس کلام کے لفظ اور اس کے منطوق کے اعتبار سے ہی ہے اس سے خارج معنی کے اعتبار کے بغیر اور وہ (فاعل و مفعول بہ) دونوں حقیقت کی رو سے (اس کلام میں) ملفوظ ہیں (یعنی فاعل و مفعول بہ میں سے جس سے چاہیں حال بنالیں مگر زیدا سے ہونا اولی ہے کہ حال کا ذوالحال کے پہلو میں ہونا بہتر ہے) (اور زید فی الدار قائما) یہ اس لفظی کی مثال ہے جو حکمی طور پر ملفوظ ہے کیونکہ ظرف (کے متعلق ثبت فعل) میں ضمیر مستتر کی فاعلیت اس کلام کے لفظ اور اس کے منطوق ہی کے اعتبار سے ہے ایسے معنی کے اعتبار کئے بغیر جو کلام سے خارج ہو اور ضمیر مستتر حکمی طور

اور اگر یبین کو باب تفعل سے تبین صیغہ ماضی معروف کے ساتھ یا تبین باب تفعیل سے صیغۂ مضارع مجہول کے ساتھ پڑھا جائے اور بہ جار مجرور کو اس کے متعلق کر دیا جائے بجائے مفعول کے تو اس تعریف میں مفعول معہ اور مفعول مطلق سے جو حال واقع ہوتا

ہے وہ بھی داخل ہو جائیگا کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حال وہ اسم ہے جس کے ذریعہ فاعل یا مفعول کی حالت معلوم ہو جس کے ذریعہ فاعل یا مفعول کی ہیئت کو بیان کیا جائے اور اس صورت میں مفعول کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہوتا بلکہ مطلقاً ہے لہذا

جن مفاعیل سے حال واقع ہونا جائز ہے وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور فاعل میں کسی تعمیم کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ مفعول لہ مفعول فیہ بھی داخل ہو جاتے ہیں حالانکہ ان سے وقوع حال صحیح نہیں پھر یہ کہ مضاف الیہ سے جو حال واقع ہوتا ہے اس کے ادخال کے لئے تعمیم کی ضرورت پیش آتی ہے لہذا یہ تعمیم ہی مناسب ہے واللہ اعلم

۲۶۰ قولہ نحو ضربت الخ لفظی کی تفسیر کے ضمن میں بیان کیا گیا تھا کہ لفظی میں تعمیم ہے کہ وہ ملفوظ حقیقۃ ہو یا حکماً پس یہ مثال اس لفظی کی ہے جو حقیقۃ ملفوظ ہے اس لئے کہ تاء متکلم کی فاعلیت اور زیدا کی مفعولیت دونوں لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار سے ہیں خارج از لفظ کلام کسی امر کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں پس فاعل اور مفعول دونوں حقیقۃ ملفوظ ہیں۔ اب جاننا چاہئے کہ یہ مثال فاعل لفظی یعنی ضمیر متکلم اور مفعول لفظی یعنی زیدا دونوں سے علی سبیل البدلیۃ حال واقع ہو سکتی ہے پس اگر قائما کو ضمیر متکلم سے حال قرار دیں تو یہ فاعل لفظی سے حال ہو جائیگا اور معنی یہ ہوں گے میں نے زید کو اپنے قیام کی حالت میں مارا اور اگر زیدا سے قائما کو حال بناتے ہیں تو یہ مفعول لفظی سے حال ہو جائے گا اور معنی یہ ہوں گے کہ میں نے زید کو اس کے قیام کی حالت میں مارا پھر اس مثال میں قائما بیک وقت دونوں سے اس لئے حال واقع نہیں ہو سکتا کہ حال کو ذوالحال کے مطابق کرنا پڑتا ہے یعنی قائمین اور یہاں صرف صیغہ واحد ہے لہذا علی سبیل البدلیۃ ہی حال بن سکتا ہے واللہ اعلم۔

۲۶۱ قولہ وزید الخ یہ لفظی ملفوظ حکماً کی مثال ہے یعنی فرق یہ ہے کہ پہلی مثال لفظی ملفوظ حقیقی کی ہے اور یہ لفظی ملفوظ حکمی

ملفوظ حکما وَهٰذَا زَیْدٌ قَائِمًا ٢٦٢ مثال للمعنوی لان مفعولیة زید لیس باعتبار لفظ هذا الکلام ومنطوقه بل باعتبار معنی الاشارة والتنبیه المفهومین من لفظ هذا ولا شك انهما لیسا مما یقصد المتکلم الاخبار بهما عن نفسه حتی یقدر فی نظم الکلام اشیر وانبه ویصیر زید مفعولاً به لفظیا بل مفعولیته انما هی باعتبار معنی اشیر وانبه الخارج عن منطوق الکلام المعتبر لصحة وقوع القائم حالا فهی معنویة لالفظیة وَعَامِلُهَا ٢٦٣ ای عامل الحال اَمَّا اَلْفِعْلُ الملفوظ او المقدر نحو ضربت زیدًا قائما وزیدٌ فی الدار قائمًا ان کان

پر ملفوظ ہے (یعنی ضمیر لفظ کے حکم میں ہوتی ہے اور جیسا کہ گذرا واللفظ اما حقیقی او حکمی اسی وجہ سے اس پر لفظ کے احکام یعنی مسند الیہ اور ذوالحال وغیرہ ہونا اس پر جاری ہوتے ہیں) ((اور ھذا زیدا قائما)) یہ معنوی کی مثال ہے کیونکہ زید کی مفعولیت اس کلام کے لفظ اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں بلکہ اشارے اور تنبیہ کے معنی کے اعتبار سے ہے جو (اشارہ اور تنبیہ) ہذا کے لفظ سے سمجھے جا رہے ہیں (کیونکہ تنبیہ حرف ہا اور اشارہ اسم اشارہ سے سمجھا جاتا ہے) اور کوئی شک نہیں کہ دونوں (یعنی اشارے اور تنبیہ کا معنی) اس قبیل سے نہیں ہیں کہ جن کے ذریعے متکلم اپنی ذات سے اخبار کا قصد کرتا ہے حتی کہ متکلم نظم کلام میں اشیر اور انبہ کو مقدر کرلے اور (ھذا زید قائما میں) زید اس مقدر سے مفعول لفظی ہو بلکہ زید کا مفعول ہونا اشیر اور انبہ کے معنی کے ہی اعتبار سے ہے جو (معنی) کلام کے منطوق سے خارج ہے (اور جو معنی) قائم کے حال واقع ہونے کی صحت کے لئے معتبر ہے پس زید کی مفعولیت معنوی ہے لفظی نہیں ((اور اس کا عامل)) یعنی حال کا عامل یا تو ((فعل ہے)) ملفوظ یا مقدر جیسے ضربت زیدا قائما اور زید فی الدار قائما (مثال اول اس فعل کی مثال ہے جو ملفوظ حقیقی ہو اور مثال ثانی اس فعل کی ہے جو حکمی ہو) اگر ظرف

کی اس لئے کہ ظرف یعنی جار مجرور میں جو ضمیر مستتر ہے اس کا فاعل ہونا باعتبار لفظ کلام اور اس کے منطوق یعنی ظاہر کے ہے نہ باعتبار خارج از لفظ کے اور ضمیر مستکن حکماً ملفوظ ہے لہذا یہ بھی لفظی ہی میں داخل ہے اس کی مکمل تشریح قولہ لفظاً ای سواءٌ کان الخ کے ضمن میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے واللہ اعلم۔

٢٦٢ قولہ وہذا زیدٌ الخ یہ مفعول بہ معنوی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے اس لئے کہ زید کی مفعولیت لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں بلکہ باعتبار معنے اشارہ اور تنبیہ کے مفہوم ہوتی ہے۔ جو کہ لفظ ہذا سے سمجھے جاتے ہیں پس اس وقت تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ اُشیرُ زیداً قائماً یا اُنبّہ زیداً قائماً اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ہذا زیدٌ قائماً میں ہذا مبتدا ہے اور زید اس کی خبر اور زید کی مفعولیۃ باعتبار معنی اشارہ اور تنبیہ کے ہے جو کہ لفظ ہذا سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے معنی انبّہ وزیداً یا اُشیر زیداً کے ہیں پس اس وقت اُشیر اور انبہ نظم کلام میں مقدر ہوں گے پس جب ایسا ہوگا تو مفعول معنوی نہیں رہیگا۔ اس لئے کہ اس کی مفعولیت لفظ ہذا سے جو کہ منطوق کلام ہے سمجھ میں آتی ہے پس یہ کیسے صحیح ہوگا کہ زید کی مفعولیت لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں اس کا جواب شارح ولاشک انہما الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ متکلم کا جو قصد وارادہ ہے وہ اشارہ اور تنبیہ ہے مطلقاً نہ یہ کہ وہ اشارہ اور تنبیہ جس کو متکلم اپنی ذات سے منسوب کرکے کہتا ہے یعنی اُشیر (میں اشارہ کرتا ہوں) یعنی لفظ ہذا کے اشارہ میں ذات متکلم کو دخل نہیں کہ جس کی بنا پر اُشیر یا انبہ مقدر کئے جائیں اور زید کو مفعول بہ بتایا جائے بلکہ زید کی مفعولیت اس اعتبار سے ہے کہ یہ ہذا کے مصداق یعنی اشیر اور انبہ سمجھ میں آرہی ہے اور یہ اُشیر اور انبہ کے معنی منطوق کلام سے خارج ہیں کہ جن کا اعتبار قائماً کو حال قرار دینے کی صحۃ کیلئے کیا گیا تھا پس یہ اشارہ اور تنبیہ جو کہ متکلم کی طرف منسوب ہے مصداق کلام ہی سے مفہوم ہوتی ہے الفاظ کلام اور اس کے منطوق سے نہیں لہذا زید کی مفعولیت معنوی ہی ہے لفظی نہیں حاصل یہ ہوا کہ اُشیر اور انبہ نظم کلام میں مقدر نہیں کہ زید کو مفعول ملفوظ حکمی کی مثال بنا سکیں اس لئے کہ جب ہم زید کی طرف ہذا سے اشارہ کرتے ہیں تو یہ اشارہ اور تنبیہ مقصود بالافادہ نہیں ہوتی بلکہ اُشیر اور انبہ نظم کلام تب ہی مقدر ہوتے ہیں جب کہ اشارہ اور تنبیہ مقصود بالافادہ ہو واللہ اعلم۔

٢٦٣ قولہ وعاملہا الخ حال کا عامل کبھی تو فعل ہوتا ہے خواہ وہ فعل ملفوظ حقیقتہً ہو یا تقدیر کے اعتبار سے ملفوظ حکمی ہو (تفصیل ہر ایک کی گذر چکی ہے) جیسے ضربتُ زیداً قائماً کہ اس میں فعل حقیقتہً ملفوظ ہے اور جیسے زیدٌ فی الدار قائماً کہ اس میں اگر فی الدار جار مجرور کا متعلق فعل محذوف ثبت یا حصل وغیرہ نکالیں

الظرف مقدرا بالفعل اَوْ شِبْهُهٗ وھو ما یعمل عمل الفعل وھو من ترکیبه
کاسم الفاعل نحو زید ذاھبٌ راکبًا وزیدٌ فی الدار قاعدًا ان کان الظرف
مقدرًا باسم الفاعل وکاسم المفعول نحو زید مضروب قائمًا والصفة المشبهة
نحو زید حسن ضاحکًا ٢٦٤ اَوْ مَعْنَاهُ المستنبط من فحوی الکلام من غیر التصریح
به او تقدیره کالاشارة والتنبیه فی نحو ھذا زید قائمًا کما مر وکالنداء و
التمنی والترجی والتشبیه فی نحو یا زید قائمًا ولیتك عندنا مقیما ولعله فی الدار
قائما وکانه اسد صائلا ٢٦٥ وَشَرْطُهَا ای شرط الحال اَنْ تَکُوْنَ نَکِرَةً
لان النکرة اصل والغرض وھو تقیید الحدث المنسوب الی صاحبها یحصل بها

فعل کے ساتھ مقدر ہو (یا شبہ فعل ہو)) اور شبہ فعل وہ ہوتا ہے جو فعل کی ترکیب سے ہو (یعنی فعل کے مادہ سے ہو) اور فعل والا عمل کرے جیسے اسم فاعل ہے جیسے زید ذاہب راکباً (زید ذہب راکبا کی جگہ) اور زید فی الدار قاعدا اگر ظرف اسم فاعل کے ساتھ مقدر (جیسا کہ کوفیوں کا مذہب ہے) اور اسم مفعول کی طرح جیسے زید مضروب قائما اور صفۃ مشبہ کی طرح جیسے زید حسن ضاحکا (یا فعل کا معنی)) جو فعل کی تصریح یا تقدیر کے بغیر سیاق کلام سے مستنبط ہو جیسا کہ ہذا زید قائما میں اشارہ اور تنبیہ ہے جیسا کہ گذرا اور جیسا کہ نداء و تمنی (جیسے لیت) اور ترجی (جیسے لعل) اور تشبیہ (جیسے کانّ) یا زید قائما اور لیتک عندنا مقیما اور لعلہ فی الدار قائما اور کانہ اسد صائلا کے مانند میں (کہ یہ معانی افعال کو متضمن ہونیکی وجہ سے حال میں عمل کرتے ہیں مگر ضعف کی وجہ سے حال سے مقدم نہیں ہو سکتے) ((اور اس کی شرط)) یعنی حال کی شرط ((یہ ہے کہ نکرہ ہو)) کیونکہ نکرہ اصل ہے (کہ وہ عوارض سے عاری ہے) اور حال سے غرض اس حدث کو مقید کرنا ہے جو ذوالحال کی طرف منسوب ہے

تو یہ باعتبار متعلق کے ملفوظ حکمی ہوگا اور کبھی شبہ فعل عامل ہوتا ہے شبہ فعل اسکو کہتے ہیں جو فعل جیسا عمل کرتا ہو مگر فعل نہ ہو البتہ ترکیب یعنی مادہ کے اعتبار سے فعل میں مشترک ہو مثلاً اسم فاعل جیسے زیدٌ ذاہب و راکبًا ذہب زیدٌ راکبًا کی جگہ میں کہیں اور جیسے زیدٌ فی الدار قاعدًا بشرطیکہ جار مجرور کا متعلق مقدر اسم فاعل نکالا جائے مثلاً ثابت وغیرہ پس ان دونوں مثالوں میں راکبًا اور قاعدًا دونوں کا عامل اسم فاعل یعنی ذاہب اور ثابت ہیں یا شبہ فعل مثلاً اسم مفعول ہو جیسے زیدٌ مضروب

قائمًا یا صفت مشبہ ہو جیسے زیدٌ حسن ضاحکا کہ ان دونوں مثالوں میں مضروب اور حسنٌ دونوں شبہ فعل قائمًا اور ضاحکًا میں عامل ہیں واللہ اعلم۔

٢٦٤ قولہ او معناہ الخ یعنی اگر لفظ فعل اور شبہ فعل حال میں عامل نہ ہوں تو انکے معنے عامل ہوتے ہیں بغیر تصریح و تقدیر فعل کے بلکہ محض مصداق کلام سے مفہوم ہوتے ہوں جیسے مثلاً اشارہ اور تنبیہ ہذا زیدٌ قائمًا میں کما مر اور مثلاً ندا۔ تمنی۔ ترجی اور تشبیہ مندرجہ ذیل امثلہ میں جیسے یا زیدٌ قائمًا کہ اس میں معنی فعل یعنی ادعوا عامل ہیں اور لیتک عندنا مقیمًا (کاش کہ تو ہمارے پاس مقیم ہو جائے) کہ اس میں معنی فعل جو لیت حرف تمنی سے مفہوم ہوتے ہیں عامل ہے اور لعلہ فی الدار قائمًا کہ اس میں معنی فعل جو لعل حرف ترجی سے مفہوم ہے قائمًا میں عامل ہے اور کانہ اسدٌ صائلاً (گویا کہ وہ شیر ہے حملہ کرنے والا) کہ اس جگہ صائلاً میں معنی تشبیہ عامل ہیں۔

٢٦٥ قولہ وشرطہا الخ حال کی شرط یہ ہے کہ نکرہ ہو اس لئے کلام میں تنکیر اصل ہے کیونکہ یہ عوارض سے خالی ہوتا ہے نیز غرض بھی تنکیر کی سی حاصل ہوتی ہے یعنی یہ کہ معنی حدثی جو ذوالحال کی طرف منسوب ہوتے ہیں مقید ہیں در حال اس کی قید اور معرفہ ہونا غرض پر زیادتی ہے اس لئے کہ اس صورت میں قید کی فوقیت مقید پر لازم آئیگی تفصیل مقام کی یہ ہے کہ معنی حدثی کے مقید ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مثلاً جب ذوالحال فاعل ہو تو معنے حدثی صدور فعل کے اعتبار سے ذوالحال میں مقید اور منحصر ہو جائیں گے اور حال اس کے لئے بمنزلہ قید کے ہوگا جیسے ذہب زیدٌ راکبًا کہ اس میں ذوالحال فاعل ہے پس معنی حدثی یعنی فعل ذہاب (جانا) وہ ذوالحال میں مقید ہو گئے اور حال اس کے لئے قید ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ فعل ذہاب جو کہ زید میں مقید ہے قید رکوب کے ساتھ ہے پس یہ غرض اسی تنکیر سے حاصل ہوگی بخلاف تعریف کے کہ چونکہ اس میں تجرد من العوارض نہیں پایا جاتا بلکہ نکرہ پر قید زائد کرکے اس کو معرفہ بنایا جاتا ہے اس لئے زیادتی قید کے باعث غرض پر بھی زیادتی لازم آئے گی اور وہ یہ کہ ذوالحال معرفہ ہونے کے باعث اعلی مرتبہ میں تھا اور حال تنکیر کے سبب سے ادنی مرتبہ میں پس جب حال بھی معرفہ ہو جائیگا تو مقصود اصلی فوت ہو جائیگا اور قید یعنی حال کی فوقیت

والتعریف زائد علی الغرض وَان یکون صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً[۲۶۶] لانه محکوم علیه فی المعنی فکان الاصل فیه التعریف غَالِبًا ای لیس اشتراطها بکون صاحبها معرفة فی جمیع موادها بل فی غالب موادها ای اکثرها وبیان[۲۶۷] ذلك ان موادو قوع الحال علی قسمین احدهما مایکون ذوالحال فیه نکرة موصوفة نحو جاءنی رجل من بنی تمیم فارسا او مغنیة غناء المعرفة لاستغراقها نحو قوله تعالیٰ فیها یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا ان جعلت امرا حالا من کل امر او واقعة فی خیر الاستفهام نحو هل اتاك رجل راکبا او بعد الا نقضا للنفی نحو ماجاءنی رجل الا راکبا او مقدما علیه الحال نحو ماجاءنی راکبا رجل

((غرض) نکرہ سے حاصل ہوتی ہے اور تعریف غرض سے ایک زائد چیز ہے ((اور)) یہ کہ ہو ((ذوالحال معرفہ)) کیونکہ ذوالحال معنی میں محکوم علیہ ہے پس اس میں اصل تعریف ہے ((غالبًا)) یعنی ذوالحال کا معرفہ ہونا حال کے جمیع مواد (امثلہ) میں شرط نہیں ہے بلکہ حال کے اکثر امثلہ میں (شرط ہے) اور اس شرط کا بیان یہ ہے کہ حال کے وقوع کے مواد (امثلہ) دو قسموں پر ہیں ایک یہ کہ اس کلام میں حال نکرہ موصوفہ ہو (جبکہ ذوالحال نکرہ مخصصہ ہو) جیسے جاءنی رجل من بنی تمیم فارسا (اس میں من بیانیہ ہے اور جب من بیانیہ کا ماقبل نکرہ ہو تو وہ اس کی صفت ہوگا) یا (وہ نکرہ) اپنے استغراق کی وجہ سے تعریف کا فائدہ دینے والا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے فیہا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا اگر تم امرا کو کل امر سے حال بناؤ (یعنی یبین ویمیز کل امر یعنی کل شئ وقولہ تعالیٰ امرا من عندنا یعنی حال کونہ ماموراً من عندنا اور اگر اسے حکیم میں مستتر ضمیر سے حال بنایا جائے تو یہ ما نحن فیہ سے نہ ہوگا کیونکہ ضمائر معرفہ ہیں) یا (وہ نکرہ) استفہام کے حیز میں واقع ہو (تو وہ بھی حیز نفی میں واقع ہونیوالے نکرہ کی طرح جمیع افراد کو عام ہوتا ہے) جیسے ہل اتاک رجل راکبا یا (وہ نکرہ) الا کے بعد نفی کے لئے توڑ (یعنی نفی کو اثبات میں بدلنے والا واقع) ہو جیسے ماجاءنی رجل الا راکبا یا (وہ نکرہ اس طرح کا ہو کہ) حال اس سے پہلے ہو (کہ حال کی تقدیم سے

مقید یعنی ذوالحال پر لازم آئیگی اس لئے کہ ذوالحال کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے پس وہ حال کی تعریف کے باعث اس سے ادنی مرتبہ میں ہوجائیگا اور یہی خلاف مقصود ہے واللہ اعلم۔

۲۶۶ قولہ وان یکون الخ اس کا عطف ان تکون کی ضمیر مرفوع پر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حال کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ذوالحال معرفہ ہوا کرتا ہے اس لئے کہ ذوالحال معنی میں محکوم علیہ کے ہوتا ہے اور اصل محکوم علیہ میں تعریف ہے تاکہ اس پر حال کی صحت کا حکم لگا سکیں اور اس کے محکوم علیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذوالحال مبتدا و خبر کے معنے میں ہوتے ہیں پس جاءنی زید راکبا کے معنی ہیں زیدٌ راکبٌ وقت المجیٔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں زید مبتدا اور راکبٌ خبر ہے اور مبتدا معرفہ ہوتی ہے لہذا ذوالحال بھی معرفہ ہوتا ہے۔ لیکن کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے۔ جیساکہ قول مصنف غالباً سے معلوم ہوتا ہے جبکہ قول مصنف غالبا معرفۃ سے متعلق نہیں اس لئے کہ اگر اس کا معرفۃ سے مانیں گے تو کلام مصنف میں تناقض پیدا ہوجائیگا۔ اس لئے کہ شرط کا اقتضاء تو یہ ہے کہ ذوالحال ہر جگہ معرفہ ہو اور قول غالباً اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر جگہ معرفہ نہ ہو بلکہ اکثر جگہ معرفہ اور بعض جگہ نکرہ ہو اور ظاہر کیا بلکہ مظہر ہے کہ یہ معنی شرطیت کے منافی ہیں لہذا اس منافات سے بچنے کے لئے غالبا کو اشتراط کے متعلق کریں گے اسی کی طرف شارح ای لیس اشتراطہا الخ سے اشارہ کر رہے ہیں پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اکثر مواد میں ہے نہ کہ بعض مواد میں یعنی ذوالحال کے تمام مواد میں معرفہ ہونا شرط نہیں بلکہ اکثر میں شرط ہے پس اب کوئی تناقض نہیں رہے گا۔

(فائدہ) اگر وصاحبہا معرفۃً کا عطف بجائے ان تکون کی ضمیر مستتر پر کرنے کے شرطہا ان تکون نکرۃً پر کریں تو اس صورت میں غالبا کا تعلق معرفۃً سے بھی ہوجائیگا اور کوئی اعتراض بھی وارد نہ ہوگا اس لئے کہ اس وقت کلام کے یہ معنی ہوں گے کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے مگر اس وقت معرفۃً کو بنا بر خبریۃ مبتدا مرفوع پڑھنا ہوگا واللہ اعلم۔

۲۶۷ قولہ وبیان ذلک الخ اس جگہ سے شارح حال کے مواد وقوع کو بیان فرمارہے ہیں کہ اس کا ذوالحال کہاں نکرہ ہوتا ہے اور کہاں معرفہ کہتے ہیں کہ اس کا بیان یہ ہے کہ وقوع حال کے مواد کی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ اس کا ذوالحال کلام میں نکرہ موصوفہ واقع ہو پس اس توصیف

وثانیہما ۲۶۸ ما یکون ذوالحال فیہ غیر ھذہ الامور وغالب مواد وقوع الحال اکثرھا وھو ھذا القسم ووقوع الحال فی ھذا القسم مشروط بکون صاحبھا معرفۃ فقولہ غالبًا قید لاشتراط کون صاحبھا معرفۃ حتی یقال ان غالبیۃ کون صاحبھا معرفۃ المنبئۃ عن تخلفہ فی بعض المواد تنافی الشرطیۃ ویحتاج الی ان

ذوالحال میں تخصیص آجاتی ہے) جیسے ماجاءنی راکبا رجل اور دوسرا قسم وہ ہے کہ جس میں ذوالحال ان امور (خمسہ مذکورہ) کے علاوہ ہوتا ہے (اور ان امور خمسہ کے علاوہ ذوالحال معرفہ ہوتا ہے) اور حال کے وقوع کا مواد (امثلہ) غالب و اکثر یہی قسم (ثانی) ہے اور اس قسم (ثانی) . . . . میں حال کا وقوع اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو پس مصنف کا قول غالبا ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط ہونے کے لئے قید ہے (یعنی غلبہ کا تعلق شرط سے ہے کہ غالب طور پہ شرط ہے نہ کہ کلی طور پہ) ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لئے قید نہیں حتی کہ (اعتراض کے طور پہ) کہا جائے کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی غالبیت جو کہ بعض امثلہ میں ذوالحال کے معرفہ ہونے کے تخلف (معرفہ نہ ہونے) کا پتہ دیتی ہے (وہ) شرطیت کے منافی ہے (یعنی جب مصنف کے قول غالبا کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لئے قید قرار دیا جائے تو وہ شرط کے منافی ہوگا کیونکہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اس بات کی متقاضی ہے کہ ذوالحال جمیع مواد و امثلہ میں معرفہ ہو کیونکہ شرط کا مشروط پر حاوی ہونا ضروری ہے اور ذوالحال کا غالبًا معرفہ ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ شرط مشروط کو حاوی نہیں ہے بلکہ کبھی ذوالحال معرفہ ہونے کی بجائے نکرہ مخصصہ ہوتا ہے جیسا کہ قسم اول میں مثالیں گذریں اور اگر غالبا کو شرط کی قید بنائیں تو یہ اعتراض پیدا ہی نہیں ہوتا یعنی یہ اکثری شرط ہے کلی نہیں ہے) اور (یہاں تک کہ اس اعتراض سے بچنے کے لئے

کے باعث نکرہ میں تخصیص پیدا ہوجائے گی۔ اور نکرہ کا ذوالحال واقع ہوجانا صحیح ہوجائے گا جیسے جاءنی رجلٌ من بنی تمیم فارسًا کہ اس میں رجل نکرہ ہے مگر چونکہ اس کی صفت من بنی تمیم لائی گئی ہے جس سے اس کی تخصیص کی طرف اشارہ ہے کہ بنی تمیم کا مرد میرے پاس آیا اور کسی خاندان کا نہیں پس رجلٌ کا ذوالحال واقع ہوجانا درست ہے یا نکرہ تخصیص سے ایسا بے نیاز ہو جیسے معرفہ ہوتا ہے کہ خود بخود اس میں تخصیص موجود ہوتی ہے یعنی نکرہ تعریف کا فائدہ اپنے ہر ہر فرد کے احاطہ کر لینے کے سبب سے یعنی نکرہ اپنے تمام افراد کو محیط ہو اور کوئی فرد احاطہ سے باہر

نہ ہو تو یہ تعریف کا فائدہ دے گا کیونکہ یہ اس صورت میں استغراق افراد کے باعث بمنزلہ معرفہ کے ہوجائیگا۔ جیسے قولہ تعالیٰ فیہا یفرق کلُّ امرٍ حکیم امرًا من عندنا کہ اس میں جب امرًا کو کلّ امرٍ سے حال قرار دیں گے تو کلّ امر ذوالحال اگر نکرہ ہے مگر اپنے ہر ہر فرد کو محیط ہے اس لئے معرفہ کے حکم میں ہوگا اور کسی تخصیص کی ضرورت نہیں ہوگی اس جگہ شارح کو ان جعلت امرًا حالًا الخ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آگئی کہ بعض نے اس کو حکیم میں ضمیر مستتر سے حال قرار دیا ہے لیکن یہ ہماری بحث سے خارج ہے اس لئے کہ یہاں کلام ذوالحال کی نکارت میں ہو رہا ہے تعریف میں

نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ حکیم کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی صورت میں ذوالحال معرفہ ہوگا اس لئے کہ تمام ضمائر معرفہ ہوتی ہیں یا نکرہ استفہام کے تحت میں واقع ہو جیسے ہل اتاک رجلٌ راکبًا کہ اس میں رجلٌ ذوالحال نکرہ ہے مگر چونکہ یہ استفہام کے اخیر میں واقع ہے لہذا اس میں استغراق اور تعیین پیدا ہوجائے گی پس اس کو ذوالحال بنانا درست ہوگا حال الّا کے بعد نفی کو ختم کرنے کے لئے واقع ہو جیسے ماجاءنی رجلٌ الّا راکبًا یا حال ذوالحال نکرہ پر مقدم ہو جیسے جاءنی راکبًا رجلٌ پس چونکہ ان میں تخصیص پیدا ہوجائے گی اس لئے نکرہ کا ذوالحال واقع ہونا درست ہو جائیگا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ادبعد الّا کا عطف فی خبر الاستفہام پر ہے پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ الّا کے بعد ذوالحال واقع ہو حالانکہ ماجاءنی رجلٌ الّا راکبًا میں الّا کے بعد حال واقع ہے ذوالحال نہیں پس مثال ممثل کے مطابق نہیں جواب یہ ہے کہ قول شارح او مقدمًا علیہ الحال میں الحال مقدمًا کا معمول ہے یعنی الحال مقدمًا کا مفعول مالم یسم فاعلہٗ ہے اور یہی حال ظرف یعنی بعد الّا کا بھی معمول ہے یعنی ظرف کا فاعل ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے او وقع بعد الّا الحال نقضًا للنفی او مقدمًا علیہ الحال پس اس صورت میں یہ باب تنازع سے ہوگا اس میں فعل ثانی کو عمل دے کر الحال کو اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ بنا دیا گیا اب سوال یہ باقی رہا کہ ظرف آیا فاعل میں عمل بھی کرتا ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ظرف اپنے متعلق کے اعتبار سے فاعل میں عامل ہوگا یعنی ظرف فاعل میں مجازًا عامل ہوتا ہے حقیقۃً نہیں واللہ اعلم۔

۲۶۸ قولہ وثانیہما الخ دوسری قسم یہ ہے کہ ذوالحال اس میں ان امور مذکورہ کا غیر ہو یعنی ان پانچوں قسموں کے علاوہ کہ جن میں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے بقیہ تمام مواد میں ذوالحال معرفہ ہوگا اور اکثر مواد وقوع حال سے جو قسم مراد ہے وہ

یصرف الکلام عن ظاهرہ و یجعل قولہ وصاحبہا معرفۃ مبتدا وخبرًا معطوفا علی قولہ وشرطہا ان تکون نکرۃ وَ اَرْسَلَہَا العِرَاکَ ولم یذدہا ولم یشفق علی نغص الدخال ٭ البیت للبید یصف حمار الوحش والاتن یقول ارسل حمار الوحش الاتن وکان المراد بالارسال البعث والتخلیۃ بین المرسل وما یرید ای ارسلہا معرکۃ متزاحمۃ ولم یذدہا ای ولم یمنعہا

مصنف کے) کلام (وصاحبہا معرفۃ غالبا) کو اس کے ظاہر سے (کہ مصنف کا قول وصاحبہا یکون کا اسم اور معرفۃ اس کی خبر ہو اس کے قول وشرطہا ان یکون نکرۃ کے مطابق تو اس عبارت کو اس کے ظاہر سے) پھیرنے کی حاجت ہو اور مصنف کے قول وصاحبہا معرفۃ کو مبتدا وخبر (یعنی صاحبہا مبتدا اور معرفۃ خبر ہو اور اس جملہ کو) معطوف (کیا جائے) مصنف کے قول و شرطہا ان تکون نکرۃ پر (یعنی اب غالبا کو شرط سے متعلق کرکے اس تاویل کی حاجت نہیں) ((اور ارسلہا العراک)، ولم یذدہا، ولم یشفق علی نغص الدخال، یہ بیت لبید (شعراء اسلام میں سے ایک شاعر کا ہے) وحشی گدھے اور گدھیوں کی وصف کر رہا ہے کہتا ہے کہ حمار وحشی نے وحشی گدھیوں کو بھیج دیا اور گویا ارسال سے بھیجنا اور مرسل (بھیجے ہوئے) اور اس کے جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے تخلیہ کرتا ہے (یعنی مرسل اور اس کی مراد کے درمیان حائل نہ ہونا) یعنی وحشی گدھے نے گدھیوں کو اس حال میں بھیجا کہ وہ ایک دوسری پر ازدحام اور بھیڑ کر رہی

یہی ہے اور اس قسم میں وقوع حال کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا ذوالحال معرفہ ہو پس قول مصنف غالبًا اشتراط کون صاحبہا معرفۃ کی قید ہے یعنی ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اکثر مواد میں ذوالحال کے معرفہ ہونے کی قید نہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم غالبًا کو اشتراط کی قید نہ بنائیں بلکہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی قید قرار دیں تو اس سے وہی مذکورۂ سابق اعتراض واقع ہوگا کہ کلام مصنف میں تناقض ہے اس لئے کہ اشتراط کا اقتضاء یہ ہے کہ ذوالحال ہر جگہ معرفہ ہو اور غالبًا اس امر کو مقتضی ہے کہ ہر جگہ معرفہ نہ ہو بلکہ اکثر جگہ معرفہ ہو اور بعض جگہ نکرہ اور یہ معنی یعنی بعض جگہ میں اس کا نکرہ ہونا شرطیۃ کے منافی ہے پس اس کے لئے احتیاج واقع ہوگی کہ کلام کو ظاہر سے پھیر دیا جائے اور معرفۃ کو بجائے منصوب پڑھنے کے مرفوع پڑھیں بایں طور وصاحبہا معرفۃ غالبًا یعنی صاحبہا معرفۃ کو مبتدا و خبر قرار دے کر قول مصنف شرطہا ان تکون نکرۃ پر معطوف قرار دیں واللہ اعلم۔

۲۶ قولہ وارسلہا العراک الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جو حال کے نکرہ ہونے کی شرطیۃ پر وارد ہوتا ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ سابق میں معلوم ہو چکا ہے کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے پس شرط مذکور کا تقاضہ یہ ہے کہ حال کبھی معرفہ نہ ہو حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مواقع میں حال معرفہ واقع ہے منجملہ ان کے دو مواقع یہ ہیں وارسلہا العراک اور مررت بہ وحدہٗ پس حال کے نکرہ ہونے کی شرط کیسے درست ہوگی اس کا جواب مصنف نے متاول سے دیا ہے جس کو عنقریب بیان کیا جائیگا قولہ ارسلہا العراک ایک شعر کا ٹکڑا ہے یہ پورا شعر اس طرح ہے ؎

وارسلہا العراک ولم یذدہا
ولم یشفق علی نغص الدخال

اور یہ شعر شعراء اسلام میں سے لبید شاعر کا ہے اس نے ایک دن پہاڑ پر سے حمار وحشی کے نر اور مادینوں کو دیکھا کہ حمار وحشی نے اپنی مادینوں کو پانی پینے کے لئے چھوڑا اور خود ایک طرف کھڑا ہو کر ان کی نگہبانی کرنے لگا تاکہ کوئی شکاری ان کا شکار نہ کرلے پس یہ دیکھ کر لبید نے یہ شعر کہا جس میں حمار وحشی اور اس کی مادینوں کی تعریف و توصیف کرتا ہے کہتا ہے کہ حمار وحشی نے اپنی مادینوں کو حالت تزاحم میں یعنی ایک ساتھ) چھوڑ دیا اور ان کو متزاحم یعنی جمع ہونے سے نہ روکا اور نہ اس امر کا خوف کیا کہ وہ اجتماع و ازدحام کے باعث پوری طرح سیراب نہ ہوسکیں گی اس جگہ کان المراد سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ارسال ذوی العقول کی صفت لایا جاتا ہے، اور حمار وحش ذوی العقول سے ہے نہیں لہٰذا ارسال سے مراد برانگیختہ کرنا اور اپنے اور اپنی مادینوں کے درمیان تخلیہ پیدا کرنا ہے یعنی ان کو چھوڑ دینا تاکہ وہ چلی جائیں اور العراک معرکۃ کے معنی میں ہو کر حال واقع ہے اور متزاحمۃ سے عراک کے معنی کی طرف اشارہ ہے ذود بالذال کے معنی منع کرنے کے آتے ہیں اس لئے ولم یذدہا کے معنی ولم یمنعہا کے ہیں ای لم یمنعہا عن العراک ای عن التزاحم اور ذود کے معنے زیادتی کے بھی آتے ہیں وہ اس جگہ مراد نہیں ایسے ہی لم یشفق اشفاق سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی بھی دو آتے ہیں مہربانی کرنا اور ڈرنا پس اس جگہ اس کے معنی ڈرنا مراد ہیں ای لم یخف نغص کے معنی سیراب نہ ہونے کے آتے ہیں اور دخال کے معنے یہ ہیں کہ اونٹ پانی پیے اور پھر اپنے بندھنے کی جگہ سے حوض کی طرف جائے اور دو پیاسے اونٹ جو پانی پی رہے ہوں ان میں

عن العراك ولم يشفق اے ولم يخف على نغص الدخال اى على انه لم يتم شرب بعضها للماء بالدخال والدخال هوان يشرب البعير ثم يُرد من العطن الى الحوض ويدخل من بعيرين عطشانين ليشرب منه ما عساه لم يكن شرب منه ولعل المراد به ههنا نفس مداخلة بعضها فى بعض او المعنى على نغص مثل نغص الدخال وَمَرَرْتُ بِهٖ وَحْدَهٗ[۲۷۰] وَنَحْوُهٗ[۲۷۱] مثل فعلته جهدك مُتَاَوَّلٌ بالنكرة فلايرد نقضا على قاعدة اشتراط كونها نكرة وتاويلها[۲۷۲] على

ہیں اور اس نے انہیں ازدحام کرنے سے نہ روکا اور اندیشہ نہ کیا اور نغصِ دخال کا خوف نہ کیا یعنی اس بات کا خوف نہ کیا کہ دِخال (یعنی ازدحام) کی وجہ سے کچھ گدھیوں کا پانی پینا پورا نہ ہوگا اور (لغت میں) دخال اسبات کو کہتے ہیں کہ اونٹ کچھ پانی پیئے پھر (پیاس بجھائے بغیر) اپنی جگہ سے حوض کی طرف لوٹا دیا جائے اور وہ دو پیاسے اونٹوں کے درمیان داخل ہو جائے تاکہ وہ اس حوض سے وہ پانی پیئے جسے اس اونٹ نے اس حوض سے شاید نہیں پیا تھا اور اپنے شرب کو پورا نہیں کر پایا تھا (بالاشفاق خوف کرنا، النغص مراد کا پورا نہ ہونا اور اور اونٹ کا پانی سے سیراب نہ ہونا نغص الدخال میں مسبب کی سبب کی طرف اضافت ہے اور علی نغص الدخال میں کلمۂ علی من کے معنی میں ہے یعنی من نغص) اور شاید یہاں دخال سے مراد گدھیوں کی (پانی سے کماحقہ سیراب ہونے کے لئے) آپس میں مداخلت ہے یا معنی (و لم یشفق) علی نغص مثل نغص الدخال ہوگا (یعنی مشبہ بہ سے مضاف کو حذف کرکے اس کی جگہ مضاف کو قائم کرنے کی بنا پر یہ معنی ہوگا کہ گدھے نے اس بات کا اندیشہ نہ کیا کہ کچھ گدھیاں پوری طرح پانی نہیں پی سکیں گی جس طرح کہ اونٹوں کے مالک نے اس بات کا اندیشہ کرتے ہوئے کہ اونٹ نے سیراب ہوکر پانی نہیں پیا اس اونٹ کو دو پیاسے اونٹوں کے درمیان داخل کر دیا تاکہ وہ سیراب ہولے) ((اور مررت بہ وحدہ)) اور اس کی مانند جیسے فعلتہ جہدک (یہ سب احوال جو معرفے وارد ہوتے) ((تاویل کئے ہوئے ہیں)) نکرہ کے ساتھ لہٰذا ان کا مثل حال کے نکرہ ہونے کے شرط ہونے پر اعتراض ہوکر وارد نہ ہوگا اور حال

داخل ہو جائے تاکہ وہ حوض میں سے اپنے قریب کا پانی پی لے جو اس میں سے پیا نہیں تھا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دخال پیاسے اونٹوں کے درمیان کسی اونٹ کے داخل ہو جانے سے عبارت ہے نہ کہ حمار وحش سے لہٰذا اس شعر میں اس کا ذکر کیونکر درست ہے اس کا جواب ولعل المراد بہ الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ شاید شاعر نے

اس سے نفس مداخلت مراد لیا ہے کہ بعض بعض میں داخل ہو جائے پس اس معنی کے اعتبار سے حمار وحش میں بھی دخال کا ذکر کیا جا سکتا ہے یا دوسرا جواب یہ ہے کہ مشبہ بہ سے مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور مشبہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا پس اصل عبارت اس طرح ہے ولم یشفق علی نغص مثل نغص الدخال اور مطلب یہ ہے کہ حمار

وحش نے ان میں سے بعض کے سیراب نہ ہونے کا خوف نہیں کیا جیسا کہ اونٹ اس ازدحام کے باعث خوف کرتا ہے واللہ اعلم۔

۲۷۰ قولہ ومررت بہ الخ یہ وارد شدہ اعتراض میں پیش کردہ دوسری مثال ہے یعنی اس میں قابل اعتراض یہ چیز ہے کہ وحدہٗ حال ہے لیکن یہ نکرہ نہیں معرفہ ہے واللہ اعلم۔

۲۷۱ قولہ ونحوہٗ الخ یعنی مذکورہ مثالوں کے علاوہ اور بھی امثلہ ہیں مثلاً فعلتہ جہدک کہ اس میں جہدک حال نکرہ نہیں معرفہ ہے پس اس اعتراض کے جواب میں مصنف کہتے ہیں کہ قاعدہ اپنی جگہ پر بالکل درست ہے کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے اور یہ امثلہ جو بیان کی گئی ہیں سب نکرہ کی تاویل میں ہیں پس قاعدہ مذکورہ پر اب کوئی نقص وارد نہیں ہوتا واللہ اعلم

۲۷۲ قولہ وتاویلہا الخ اب ان کی تاویل ملاحظہ فرمائیے ان کی تاویل دو طریقوں پر ہے ایک یہ کہ یہ افعال محذوفہ کے مصادر ہیں کہ جن کو سماعی طور پر وجوباً حذف کر دیا گیا اور عبارت اس طرح ہے۔ ای تعترك العراك وينفرد وحدہ ای انفرادہ وتجتهد جهدك پس اس صورت میں یہ فعلیہ جملے حال واقع ہوں گے اور یہ مصادر یعنی العراک۔ وحدہٗ اور جہدک مصدریت کی بنا پر منصوب ہوں گے یعنی اپنے فعل کے مفعول مطلق ہونگے اس جگہ شارح نے ینفرد وحدہٗ کی تفسیر ای انفرادہٗ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وحدہٗ انفراد کے معنے میں ہوکر ینفرد کا مفعول مطلق ہے کیونکہ وحدہٗ اور ینفرد دونوں ایک مصدر سے نہیں بلکہ معنی ایک ہیں واللہ اعلم

وجهين احدهما انها مصادر لافعال محذوفة اى تعترك العراك وينفرد وحده اى انفراده وتجتهد جهدك فهذه الجمل الفعلية وقعت حالاً وهذه المصادر منصوبة على المصدرية وثانيهما[۲۷۳] انها معارف موضوعة موضع النكرات اى معتركة ومنفرداً ومجتهداً فالصورة وان كانت معرفة فهى فى التقدير نكرة كما ان حسن الوجه فى صورة المعرفة وهى فى المعنى نكرة فَاِنْ كَانَ صَاحِبُهَا[۲۷۴] اى صاحب الحال نَكِرَةً محضة لم تكن فيها شائبة تخصيص بما سوى التقديم ولم تكن الحال مشتركة بينها وبين معرفة نحو جاء نى رجل وزيد راكبين وَجَبَ تَقْدِيْمُهَا اى تقديم الحال على صاحبها لتخصص النكرة بتقديمها لانهما فى المعنى مبتداء وخبر لئلا تلتبس بالصفة فى النصب

معرفہ کی دو صورتوں پر تاویل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ افعال محذوفہ (بہ حذف، وجوبی سماعی) کے مصادر (یعنی مفعول مطلق) ہیں یعنی تعترک العراک اور نیفرد وحدہ (عراک عرک یعرک از ضرب یضرب اور وحدہ وحد یحد از وعد یعد مصدر ہیں مگر ان کا استعمال ثلاثی مزید فیہ کے ساتھ ہی ہوگا کما اشار الیہ بقولہ تعترک العراک ونیفرد وحدہ) یعنی انفرادہ وتجتہد جہدک پس یہ جملے فعلئے حال واقع ہوئے ہیں اور یہ مصادر مصدریت (مفعول مطلق) ہونے کی بنا پر منصوب ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ (مصادر) معارف ہیں جو نکرات کی جگہ پر رکھے گئے ہیں (البتہ بعض نحویوں کے نزدیک حال کا مشتق ہونا ضروری ہے تو ان کو متفق علیہ طور پر حال بنانے کے لئے مشتق سے تاویل کئے جائیں گے) یعنی معترکۃ ومنفردا ومجتہدا پس (ہر ایک کی) صورت اگرچہ معرفہ بالام یا بہ اضافت) ہے تو تقدیر میں نکرہ ہے (کہ اول میں لام اور ثانی وثالث میں اضافت جنسی ہے عہد کے لئے نہیں) جس طرح کہ (مضاف بہ اضافت لفظیہ) حسن الوجہ (اور زید ضارب عمرو) صورت میں معرفہ حالانکہ معنی میں نکرہ ہے (پھر اگر اس کا صاحب) یعنی ذوالحال (نکرہ ہو) محضہ کہ جس میں تقدیم کے ماسوا (یعنی حال کی ذوالحال پر تقدیم کے سوا) تخصیص کا کوئی شائبہ نہ ہو اور نہ ہی حال نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک ہو جیسے جاء نی رجل وزید راکبین تو اس کی تقدیم واجب ہوگی) یعنی حال کی تقدیم ذوالحال پر (واجب ہوگی تاکہ حال کی تقدیم کی وجہ سے نکرہ (ذوالحال) خصوص حاصل کرے (کہ حال ظرف کی طرح ہے کہ خبر جب ظرف ہو اور مبتدأ نکرہ تو اس خبر کو مبتدأ پر مقدم کرتے ہیں تاکہ خبر کی تقدیم سے مبتدأ خصوص حاصل کرکے مبتدأ بننے کی صلاحیت حاصل کرے) کیونکہ ذوالحال اور حال معنی میں مبتدأ وخبر ہیں (کہ جاء نی زید راکبا کا معنی زید راکب وقت المجیٔ ہے) اور اس لئے (بھی حال کی تقدیم واجب ہے) کہ حال (نکرہ) کا صفت کے ساتھ نصب میں التباس نہ ہو جائے

---

۲۷۳ قولہ وثانیہما الخ دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ معارف نکرات کی جگہ پر وضع کئے گئے ہیں یعنی اگرچہ ان کی صورتیں معرفہ کی ہیں مگر درحقیقت یہ نکرات ہیں جیسا کہ حسن الوجہ صورۃً معرفہ ہے لیکن معنی ہی نکرہ کے ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ العراک میں الف لام زائد ہے اور العراک معترکۃ کے معنی میں ہے ایسے ہی وحدہ منفردا کے معنے میں اور جہدک مجتہدا کے معنی میں پس ظاہر ہے کہ اس صورت میں نکرہ ہیں معرفہ نہیں لہذا یہ درحقیقت نکرہ ہی ہیں تعریف کا اُن کو جامہ پہنا دیا گیا ہے جو قابل اعتنا نہیں اب رہی یہ بات کہ حسن الوجہ صورۃً معرفہ اور معنے نکرہ کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسن نکرہ کی اضافت چونکہ معرفہ کی طرف ہو رہی ہے اس لئے یہ حکماً معرفہ ہے اور نکرہ معنی اس وجہ سے ہے کہ یہ انفصال کو قبول کرلیتا ہے یعنی مضاف اپنے مضاف الیہ سے جدا ہو جاتا ہے جیسے حسنٌ وجہہٗ لہذا یہ پھر نکرہ کا نکرہ ہی رہے گا واللہ اعلم۔

۲۷۴ قولہ فان کان الخ پس اگر ذوالحال نکرہ محضہ ہو کہ اس میں سوائے تقدیم کے تخصیص کا شائبہ بھی نہ ہو اور حال نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک بھی نہ ہو مثلاً اس صورت میں کہ ذوالحال متعدد ہو جس میں سے ایک نکرہ اور دوسرا معرفہ ہو تو حال میں بھی اسی اعتبار سے اشتراک آجائیگا یعنی حال نکرہ سے بھی ہوگا اور معرفہ سے بھی جیسے جاء نی رجلٌ وزیدٌ راکبین پس جب یہ اشتراک بھی نہ ہو تو حال کی تقدیم ذوالحال پر واجب ہے تاکہ ذوالحال نکرہ میں اپنی تقدیم کے باعث تخصیص پیدا ہو جائے یعنی تاکہ حال تخصیص کا فائدہ دے اس لئے کہ حال بمنزلہ ظرف کے ہوتا ہے پس حال کی تقدیم ذوالحال پر ایسی ہوگی جیسی خبر ظرف کی تقدیم مبتدا پر جس جیسا کہ تقدیم خبر ظرف سے مبتدا نکرہ میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح ذوالحال نکرہ اس تقدیم کے باعث مخصصہ ہو جائیگا کیونکہ ذوالحال اور حال مبتدا وخبر کا ہی حکم

فی مثل قولنا ضربت رجلاً راکباً ثم قدمت فی سائر المواضع وان لم تلتبس طرداً[٢٧٤] للباب ولا یتقدم ای الحال فیما عدا مثل زیدٌ قائماً کعمرو قاعداً علی العامل المعنوی[٢٧٥] قد عرفت[٢٧٦] فیما قبل العامل المعنوی وان ما ھو مقدر بالفعل او اسم الفاعل مثل الظرف ومایشبہ اعنی الجار والمجرور خارج عنہ داخل فی الفعل اوشبہہ فعلی ھذا معنی الکلام ان الحال لایتقدم علی العامل

(کیونکہ حال کا ذوالحال پر تقدم ہوتاہے تو جب حال کو مقدم کیا جاتے تو معلوم ہوگا کہ یہ حال ہے وصف نہیں کہ وصف توابع سے ہے جو موصوف پر مقدم نہیں ہوتے اور اس کے برعکس حال کی ذوالحال پر تقدیم جائز ہے خواہ ذوالحال معرفہ ہو یا نکرہ کیونکہ حال معنی میں حکم ہے اور حکم کی تقدیم محکوم علیہ پر جائز ہے) ہمارے قول ضربت رجلا راکبا کے مثل میں پھر حال کو باقی مواضع میں طرداً للباب (باب کی موافقت کی وجہ سے ذوالحال پر مقدم کیا گیا اگرچہ حال کا صفت سے التباس نہ ہو (اور باقی مواضع سے صفت کی رفعی حالت ہے کہ اس حالت میں صفت مرفوع ہوگی اور حال منصوب اس صورت میں التباس کا کوئی اندیشہ نہیں اس کے باوجود نصب کی صورت سے مطابقت کے لئے یہاں بھی مقدم کیا جاتے گا) (اور مقدم نہ ہوگا) یعنی حال زید قائما کعمرو قاعدا کے مثل کے ماسوا میں (مقدم نہ کیا جائے گا) (عامل معنوی پر) تمہیں ماقبل میں عامل معنوی کا علم ہو گیا ہے اور یہ (بات بھی معلوم ہو چکی) کہ جو (عند البصریین) مقدر بہ فعل یا (عند الکوفیین) مقدر بہ اسم فاعل ہے جیسے ظرف اور جو اس کے مشابہ ہے یعنی (بقول مایشبہہ) جار و مجرور (زید فی الدار کی طرح) عامل معنوی سے خارج ہے (کہ جار و مجرور میں عامل یا تو مصرح ہوتا ہے یا مقدر تو جار و مجرور) فعل میں (جبکہ متعلق فعل ہو) یا شبہ فعل میں (جبکہ اس کا متعلق اسم فاعل کی طرح کا کوئی اسم ہو) داخل ہیں پس اس (کلام) کی بنا پر (مصنف کے) کلام (ولا یتقدم الحال علی العامل المعنوی) کا معنی یہ ہوگا کہ حال عامل معنوی

رکھتے ہیں اس لئے کہ یہ بھی درحقیقت محکوم علیہ اور محکوم بہ ہوتے ہیں نیز یہ کہ اگر ذوالحال منصوب ہوگا تو اس کے مقدم رکھنے کی صورت میں صفت کے ساتھ التباس لازم آئے گا جیسے ضربت رجلاً راکباً اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ راکباً رجلاً کی صفت ہو اور ہوسکتا ہے کہ راکباً رجلاً سے حال واقع ہو پس جب حال کو ذوالحال پر مقدم کردیں گے تو اب سوائے اس احتمال کے کہ راکباً رجلاً سے حال واقع ہے اور کوئی احتمال باقی نہیں رہے گا پھر ذوالحال کے منصوب ہونے کی حالت میں جب خوف

التباس حال کو ذوالحال پر مقدم کیا گیا تو دیگر مواضع میں بھی طرداً للباب مقدم کیا جائے گا یعنی جہاں جہاں ذوالحال نکرہ ہوگا اس پر حال کو مقدم کردیں گے اگرچہ اس میں کسی قسم کا التباس لازم نہ آتا ہو اب رہی یہ بات کہ شارح نے مخصصۃ لم تکن الخ کا اضافہ کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مثل جاءنی رجل من بنی تمیم کو خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ اس میں اگرچہ رجل نکرہ ہے لیکن محضہ نہیں بلکہ موصوفہ ہے ایسے ہی معترض اعتراض کرسکتا ہے کہ جب ذوالحال پر حال مقدم ہوجائیگا تو اس میں تخصیص

پیدا ہوجائیگی پس نکرہ محضہ نہیں رہے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اس تقدیم کے علاوہ اور کسی تخصیص کا شائبہ بھی نہ ہونا چاہئیے اور یہ تقدیم تو مقصود ہی ہے پھر اگر حال مشترک ہوگا نکرہ اور معرفہ کے درمیان تو چونکہ اس میں بھی من وجہ ذوالحال میں پہلے سے تخصیص موجود ہے لہذا حال کو ذوالحال پر مقدم نہیں کریں گے اور یہ نکرہ محضہ بھی نہیں ہے کہ اس میں حال کو ذوالحال پر مقدم کرسکیں واللہ اعلم۔

٢٧٥ قولہ ولا یتقدم الخ اور حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے کہ اس پر حال مقدم ہوسکتا ہے۔ اس جگہ شارح نے ای الحال فیما عداہ الخ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ عامل کے معنوی پر حال کی عدم تقدیم کا قاعدہ زیدٌ قائماً کعمرو قاعداً سے منقوض ہے اس لئے کہ اس میں قائماً زید سے حال ہے اور عامل معنوی پر مقدم ہے کیونکہ اس میں عامل معنوی معنے تشبیہ ہیں جو کہ کاف تشبیہ سے مستفاد ہوتے ہیں پس اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے زیدٌ قائماً مثل عمرو قاعداً جواب یہ ہے کہ یہ تقدیم ایک قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے لہذا یہ اس سے مستثنیٰ ہے وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب دو حال شیئین مختلفین یا شئے واحد سے باعتبارین مختلفین واقع ہوں تو یہ ضروری ہے کہ ہر حال اپنے متعلق یعنی ذوالحال کے متصل واقع ہو اور اس جگہ ایسا ہی ہے اس لئے کہ قائماً زید سے حال ہے اس اعتبار سے کہ وہ مشبہ ہے اور قاعداً عمرو سے حال ہے اس اعتبار سے کہ وہ مشبہ بہ ہے پس دونوں میں دو مختلف اعتبار ہوئے تو ضروری ہوا کہ قائماً کو زید کے متصل ذکر کریں اور قاعداً کو عمرو کے تاکہ ایک دوسرے کا حال آخر سے ملتبس نہ ہوجائے واللہ اعلم۔

٢٧٦ قولہ قد عرفت الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی

المعنوی اتفاقاً بخلافِ الظرفِ[277] ای بخلاف ما اذا کان العامل ظرفاً او شبهه فان فیه خلافاً فسیبویه لا یجوزه اصلاً نظرا الی ضعف الظرف فی العمل وجوزه الاخفش بشرط تقدم المبتداء علی الحال نحو زید قائما فی الدار فاما مع تاخر المبتداء عن الحال فانه وافق سیبویه فی المنع فلا یجوز قائما زید فی الدار ولا قائما فی الدار زیدٌ اتفاقا ویحتمل[278] ان یکون معناه ان الحال

پر بہ اتفاق نحاۃ مقدم نہیں ہوسکتا «ظرف کے برعکس» یعنی اس کے برعکس کہ جب (حال میں) عامل ظرف یا مشابہ ظرف ہو کیونکہ حال کے ظرف یا شبہ ظرف پر مقدم ہونے میں (سیبویہ اور اخفش کا) اختلاف ہے پس سیبویہ ظرف کے عمل میں ضعیف ہونے کی طرف نظر کرتے ہوئے حال کے ظرف یا شبہ ظرف پر مقدم کرنے کو بالکل جائز نہیں سمجھتے (مطلق کا مطلب یہ ہے کہ خواہ حال کو ظرف پر مقدم کریں جیسے زید قائما فی الدار یا مظروف پر جیسے قائما زید فی الدار یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں یعنی سیبویہ کے نزدیک) اور اخفش حال پر اس ظرف کی تقدیم جائز سمجھتے ہیں جو عامل ہو بشرطیکہ مبتدأ حال سے پہلے ہو جیسے زید قائما فی الدار (کیونکہ جب حال اس مبتدأ سے مؤخر ہوا کہ اس حال کا ذوالحال یعنی ضمیر مستتر در ثبت محذوف اس مبتداء کی طرف راجع ہے تو گویا حال اپنے اس عامل سے مؤخر ہوا جو کہ اس حال کے ذوالحال میں بھی عامل ہے اور عامل ثبت فعل محذوف ہے اس میں ضمیر مستتر راجع بسوئے زید اس کا فاعل و معمول ہے فتامل فہذا لیس بعبیر) لیکن مبتدأ کے حال سے پیچھے ہونے کے باوجود وہ (حال کے ظرفِ عامل سے منع کرنے میں سیبویہ کے موافق ہے لہذا قائما زید فی الدار جائز نہ ہوگا اور نہ ہی قائما فی الدار زید بالاتفاق (کہ حال اپنے اس عامل سے مقدم ہوگیا جس میں ضعف ہے) اور اس بات کا احتمال ہے کہ کلام (مذکور سابق یعنی والحال لا تتقدم علی العامل المعنوی) کا یہ معنی ہو

یہ ہے کہ جب مصنف نے ولا یتقدم الحال علی العامل المعنوی کہا تو عامل معنوی کو کیوں نہیں بیان کردیا جواب یہ ہے کہ ماقبل میں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ عامل معنوی کس کو کہتے ہیں نیز یہ کہ جو فعل یا اسم فاعل وغیرہ مقدر ہوتا ہے مثلاً ظرف زمان و مکان یا اس کے مشابہ ظرف مستقر یعنی جار مجرور ہیں وہ عامل معنوی سے خارج ہے اور فعل یا شبہ فعل میں داخل ہے لہذا اب یہاں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں پس اس بنا پر یہ کلام کے معنے یہ ہیں کہ حال عامل معنوی پر اتفاقاً مقدم نہیں ہوتا اس کے کہنے کی یہ ضرورت پیش آئی کہ بعض لوگ جو ظرف کو بھی عامل معنوی میں شمار کرتے ہیں اور ظرف پر بھی عدم تقدیم کے قائل ہیں ان کا بھی اس صورت میں عدم تقدیم حال پر اتفاق ہے کیونکہ جب ان بعض کے نزدیک ظرف پر حال مقدم نہیں ہوسکتا تو جہاں ظرف وغیرہ موجود نہ ہوں وہاں بدرجہ اولیٰ مقدم نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

۲۷۷ قولہ بخلاف الظرف الخ بخلاف ظرف کے یعنی جبکہ عامل ظرف یا مشابہ ظرف ہو مثلاً جار مجرور تو اس میں اختلاف ہے پس سیبویہ تو ظرف میں تقدیم حال کو بالکل جائز ہی قرار نہیں دیتے کیونکہ اس کی نظر ظرف کے ضعف فی العمل پر ہے اس لئے کہ ظرف کا عامل چونکہ نحوائے کلام سے سمجھا جاتا ہے اور یہ عامل معنوی ہے اور عامل معنوی عمل میں ضعیف ہوتا ہے لہذا تقدیم حال کی صورت میں حال میں عمل نہیں کریگا اور اخفش اس کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں کہ مبتدا کو حال پر مقدم کردیا جائے کیونکہ اس صورت میں جبکہ حال مبتدا کہ جس کی طرف ذوالحال راجع ہے متاخر ہوجائیگا تو گویا کہ حال اس عامل سے متاخر ہوگیا جو ذوالحال میں بھی عامل ہے جیسے (زیدٌ قائماً فی الدار کہ اس میں مبتدا سے متاخر ہے اور فی الدار ظرف مستقر ثبت وغیرہ کے متعلق ہوگا۔ اور ثبت کی ضمیر ذوالحال بھی ہے اور زید کی طرف راجع بھی اور زید سے حال متاخر ہے پس گویا کہ حال اس عامل سے متاخر ہوگیا جو ذوالحال میں بھی عامل ہے یعنی ظرف مستقر یا ثبت فعل محذوف اس کا متعلق لیکن جب مبتدا حال سے متاخر ہوگیا تو اخفش بھی سیبویہ کے موافق ہیں کہ حال کی تقدیم اس کے عامل ظرف یعنی ذوالحال پر نہیں ہوگی پس قائماً زیدٌ فی الدار اور قائماً فی الدار زیدٌ کہنا اتفاقاً جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں قائماً کی ضمیر بہرحال زید کی طرف راجع ہوگی لہذا اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور یہ ممتنع ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۷۸ قولہ ویحتمل الخ یہ بخلاف الظرف میں دوسرا احتمال ہے کہتے ہیں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے معنے یہ ہوں کہ حال اگرچہ ظرف کے مشابہ ہے اس لئے کہ اس میں ظرفیت کے معنے پائے جاتے ہیں لیکن ظرف میں چونکہ وسعت ہے اس لئے وہ عامل معنوی پر مقدم ہوسکتا ہے اور حال جو ظرف کے مشابہ ہے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا کیونکہ عامل معنوی عامل ضعیف ہے پس وہ اپنے ضعف عمل کے باعث اپنے ماقبل

وان کانت مشابهة للظرف لما فیه من معنی الظرفیة الا ان الظرف یتقدم علی عامله المعنوی لتوسعهم فی الظروف والحال لا یتقدم علیه هذا اذا لم یکن الظرف داخلاً فی العامل المعنوی واما اذا جعلته داخلاً فی العامل المعنوی کما هو الظاهر من کلامهم فالمراد هو الاحتمال الثانی لا غیر ۲۷۹ وکما لا تتقدم الحال علی العامل المعنوی کذٰلک لا تتقدم علی ذی الحال المجرور سواء کان مجروراً بالاضافة او بحرف الجر فان کان مجروراً بالاضافة لم تتقدم الحال علیه اتفاقاً نحو جاءتنی مجرداً عن الثیاب ضاربة زید وذٰلک لان الحال تابع وفرع لذی الحال والمضاف الیه لا یتقدم علی المضاف فلا یتقدم تابعه ایضاً وان کان مجروراً

کہ حال کی ظرف کے لئے مشابہت اگرچہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں ظرفیت کا معنی ہے مگر (دونوں میں فرق یہ ہے کہ) بلاشبہ ظرف نحویوں کے توسع فی الظروف کی وجہ سے اپنے عامل معنوی سے مقدم ہو جاتی ہے (یعنی جبکہ ظرف میں عامل معنوی ہو جو فحوائے کلام سے مستنبط ہو تو ظرف کی اپنے اس عامل سے تقدیم جائز ہے خواہ فعل ہو یا شبہ فعل مبتداء کے بعد ہو جیسے زید یوم الجمعة عندک تقدیرہ زید عندک یوم الجمعة یا پہلے کقولہ تعالیٰ کل یوم ہو فی شان تقدیرہ ہو فی شان کل یوم من قبیل ذکر الکل وارادة الجزء یعنی فی کل ساعة وان کانت قلیلة اور جیسے کہ اکل یوم لک ثوب، الک ثوب کل یوم کی جگہ کہا جاتا ہے) اور حال عامل معنوی سے مقدم نہیں ہوتا یہ (کلام والحال لا تتقدم الخ دو معنوں کی اس وقت محتمل ہے) جب ظرف عامل معنوی میں داخل نہ ہو (بلکہ فعل یا شبہ فعل میں داخل ہو) لیکن جب تم ظرف کو عامل معنوی میں داخل کرو جیسا کہ نحویوں کے کلام سے ظاہر ہے (کہ عامل فحوائے کلام سے بھی مستفاد ہوتا ہے تو ظرف عامل معنوی کے قبیل سے ہو گی) تو احتمال ثانی ہی مراد ہوگا اور نہیں (احتمال ثانی یہ ہے کہ عامل معنوی پر مقدم ہوتی ہے حال کے برعکس) (اور) جس طرح کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اسی طرح ذوالحال (مجرور پر بھی) مقدم نہ نہیں ہوتا) خواہ مجرور بالاضافہ ہو یا بحرف جر پس اگر ذوالحال مجرور بالاضافہ ہو تو حال اس پر مقدم نہیں ہوتا بہ اتفاق (نحاۃ بصریہ وکوفیہ) جیسے جاءتنی مجرداً عن الثیاب ضاربة زید (تو یہ جائز نہیں) اور یہ (عدم تقدم حال ذوالحال مجرور بہ اضافت پر) اس لئے (واقع) ہے کہ حال ذوالحال کے تابع اور (اس کے لئے) فرع ہے (کہ حال دراصل صفت ہے اور صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے) اور مضاف الیہ مضاف سے مقدم نہیں ہوتا لہذا مضاف الیہ کا تابع (جو کہ حال ہے) بھی اس سے مقدم نہ ہوگا اور اگر ذوالحال مجرور بحرف جر ہو تو اس

میں عمل نہیں کر سکتا پھر جاننا چاہیئے کہ دونوں احتمال اس صورت میں ہیں جب کہ ظرف عامل معنوی میں داخل نہ ہو بلکہ ظرف فعل یا شبہ فعل میں داخل ہو لیکن جب

کہ ظرف کو عامل معنوی میں داخل شمار کیا جائیگا جیسا کہ غیر مصنف کا مذہب ہے اور ان کے کلام سے ظاہر ہے کہ عامل ظرف فحوائے کلام اور مصداق کلام سے

معلوم ہوتا ہے پس اس صورت میں احتمال ثانی ہی مراد ہوگا نہ کہ غیر (یعنی ظرف عامل معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے بخلاف حال کے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر احتمال اول مراد لیتے ہیں تو مصنف کے قول میں تناقض لازم آتا ہے اس لئے کہ جب کہ ظرف عامل معنوی میں داخل ہوگا تو بخلاف الظرف کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے کیونکہ جب یہ کہہ دیا گیا کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا تو ظرف پر بھی مقدم نہیں ہوگا اور اگر ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے تو استثناء کی ضرورت نہیں آئے گی یعنی یہ کہا جائے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا مگر عامل معنوی کی ایک قسم ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے اور اگرچہ بخلاف الظرف سے بھی استثناء کے معنے حاصل ہو سکتے ہیں مگر یہ متعارف کے خلاف ہے واللہ اعلم۔

۲۷۹ قولہ وکما لا تتقدم الخ اور جس طرح حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اسی طرح ذوالحال اگر مجرور ہو تب بھی مقدم نہیں ہوگا خواہ مجرور بحرف جر ہو یا مجرور بالاضافہ پس اگر مجرور بالاضافہ ہوگا تو اس میں بالاتفاق تقدیم حال ناجائز ہے جیسے جاءتنی مجرداً عن الثیاب ضاربةُ زید کہ اس میں زید اضافت کی وجہ سے مجرور ذوالحال واقع ہے اور مجرداً اس سے حال ہے پس یہ تقدیم جائز نہیں اس لئے کہ حال وجود میں ذوالحال کا تابع اور فرع ہوتا ہے پس جس طرح کہ مضاف الیہ اپنے مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح مضاف الیہ کا تابع بھی مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا اور اگر حال کو صرف مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے اور اگر ذوالحال مجرور بحرف جر ہو تو اس پر تقدیم حال میں اختلاف ہے پس سیبویہ اور اکثر نحاۃ بصرہ تو اس کی تقدیم کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور امتناع وہی ہے کہ جو مذکور ہوئی کہ جس طرح مجرور اپنے جار پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کا تابع بھی حرف جر پر

بحرف الجر ففیه خلاف فسیبویه واکثر البصریة یمنعون تقدیمها علیه للعلة المذکورة وهو المختار عند المصنف ولهذا قال علی الاصح ونقل عن بعضهم الجواز استدلالاً بقوله تعالیٰ وما ارسلناك الا کافة للناس ولعل[280] الفرق بین حرف الجر والاضافة ان حرف الجر معد للفعل کالهمزة والتضعیف فکان من تمام الفعل وبعض حروفه فاذا قلت ذهبت راکبةً بهند فکانك قلت اذهبت راکبةً هندًا فالمجرور بحسب الحقیقة لیس مجرورًا واجاب[281] بعضهم عن هذا

(حال کی ذوالحال مجرور پر تقدیم) میں (البصریہ وکوفیہ کا) اختلاف ہے تو سیبویہ اور اکثر بصرہ (اس میں عام کا خاص پر عطف کہ مخصوص یعنی سیبویہ امام نحاۃ ہونے کی وجہ سے اس فن میں مقصود ہے اگرچہ وہ بصری ہی ہے حال کی ذوالحال مجرور بہ اضافت پر تقدیم کے عدم جواز میں) ذکر کی گئی علت کی وجہ سے حال کی ذوالحال مجرور بحرف پر تقدیم کو منع کرتے ہیں اور مصنف کے نزدیک یہی مختار ہے اور اسی وجہ سے مصنف نے ((علی الاصح)) کہا (علی الاصح میں جار ومجرور کا تعلق ولا یتقدم کے ساتھ ہے) اور بعض نحویوں (یعنی کوفیوں اور بعض بصریوں) سے اللہ تعالیٰ کے قول وما ارسلنک الا کافۃ للناس کے ساتھ استدلال کی رو سے جواز منقول ہے (یعنی وما ارسلنک لشئ من الاشیاء الا ارسلناک للنا حال کونهم مجتمعین فی قومک رسولا و مرسلا الیهم غیر مخصوصین) اور غالبا حرف جر اور اضافت میں فرق یہ ہے کہ حرف جر ہمزہ وتضعیف کی طرح فعل (لازم) کو (مفعول بہ کی طرف) متعدی بنانے والا ہے تو گویا حرف جر فعل کا حصہ اور اس کے حروف میں سے ایک حرف ہے (جس طرح کہ ہمزہ وتضعیف فعل کا حصہ اور اس کے حروف میں سے ایک حرف ہیں لیکن اضافت اس طرح نہیں ہے کہ وہ نہ تو فعل کا حصہ ہے اور نہ ہی اسے فعل سے کوئی تعلق ہے) پس جب تم کہو ذهبت راکبۃ بهند (حال کو ذوالحال مجرور بہ حرف پر مقدم کرکے) تو گویا تم نے اذهبت راکبۃ هندًا (حال کو ذوالحال منصوب پر مقدم کرکے) کہا پس مجرور (بہ حرف جر) حقیقت کے اعتبار سے مجرور نہیں (بلکہ منصوب ہے اور حال اپنے ذوالحال منصوب پر مقدم ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی مقدم ہو سکتا ہے) اور بعض نحویوں (یعنی فاضل ہندی اور زجاج) نے (کوفیوں کے) اس استدلال

جواز کے قائلین دے رہے ہیں بعض نحاۃ (زجاج) نے تو یہ جواب دیا ہے کہ کافۃ مجرور بحرف جر یعنی الناس سے حال نہیں ارسلناک میں جو کاف خطاب ہے اس سے حال واقع ہے پس اس صورت میں کافۃ مانعاً کے معنی میں ہو جائیگا اور عبارت کے معنے یہ ہوں

گے وما ارسلنک الا حال کونک مانعا للناس عن المناہی نیز اس صورت میں چونکہ حال مذکر سے واقع ہے لہذا حال بھی مذکر ہوگا لہذا کافۃ کی تا ر تانیث کے لئے نہیں ہوگی بلکہ مبالغہ کے لئے ہوگی یعنی آپ کو اے پیغمبر اس لئے ہم نے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کو بُری

مقدم نہیں ہو سکتا اور یہی مذہب مصنف کا بھی مختار ہے اسی وجہ سے مصنف نے علی الاصح کہا ہے اور بعض نحاۃ اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان سے جواز منقول ہے اور وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ قول باری تعالیٰ وما ارسلنک الا کافۃ للناس میں کافۃ مجرور سے حال واقع ہے اور اس پر مقدم ہے پس تقدیم مذکور ناجائز نہ ہوگی واللہ اعلم۔

۲۸۰ قولہ ولعل الفرق الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ جن بعض سے جواز تقدیم مجرور بحرف جر میں منقول ہے تو ان کے نزدیک مجرور بالاضافۃ اور مجرور بحرف جر میں وجہ فرق کیا چیز ہے جواب یہ ہے کہ شاید ان کے نزدیک حرف جر اور اضافۃ کے درمیان فرق یہ ہے کہ حرف جر تعدیہ یعنی فعل لازم کو متعدی کرنے میں عین تفعیل اور ہمزۂ افعال کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے یعنی جس طرح ہر باب تفعیل میں عین کی تضعیف (یعنی عین کا تکرار جیسے صرف کہ اس میں را مشدد ہونے کے اعتبار سے مکرر ہے) اور باب افعال میں ہمزہ کبھی تعدیہ کے لئے آتا ہے اسی طرح حرف جر سے بھی کبھی فعل لازم کو متعدی کیا جاتا ہے پس گویا حرف جر تمام فعل اور اس کے بعض حروف سے ہے پس اس اعتبار سے جب ذهبت راکبۃ بهند کہا جائیگا تو گویا کہ اذهبت راکبۃ هندًا کہا گیا یعنی ذهبت راکبۃ بهند اذهبت راکبۃ هندا کے مرادف ہے پس مجرور حقیقت کے اعتبار سے مجرور نہیں لہذا حال کی تقدیم ذوالحال پر جائز ہو گی واللہ اعلم۔

۲۸۱ قولہ واجاب بعضهم الخ پس جن لوگوں کے نزدیک مجرور بحرف جر سے حال کی تقدیم ذوالحال پر ناجائز ہے ان کی جانب سے قول باری تعالیٰ وما ارسلناک الخ بطور ایک اعتراض کے ہوگا لہذا اس کا جواب عدم

الاستدلال بجعل کافة حالا عن الکاف والتاء للمبالغة وبعضهم بجعلها صفة المصدر ای رسالة کافة وبعضهم بجعلها مصدرًا کالکاذبة والعافیة والکل تکلف وتعسف وَكُلُّ مَا دَلَّ عَلٰى هَيْئَةٍ ای صفة سواء کان الدال مشتقا او جامدًا صَحَّ اَنْ يَّقَعَ حَالًا من غیر ان یؤوّل الجامد بالمشتق لان المقصود من الحال بیان الهیأة وهو حاصل به وهذا رد علی جمهور النحاة حیث شرطوا اشتقاق الحال وتکلفوا فی تاویل الجوامد بالمشتق ومع هذا فلاشک ان الاغلب

کافة کو کاف (متصل بہ فعل) سے حال اور تا کو (زجر ومنع وتبلیغ میں) مبالغہ کیلئے کرکے جواب دیا ہے (یعنی وما ارسلناک یا محمد الا بسا لبشیٔ من الاشیاء الا حال کونک مانعا للناس وزاجرا لهم ومانعا عن الشرک والمعاصی ومبلغا للتوحید) اور بعض (یعنی زمخشری) نے کافة کو مصدر (محذوف) کی صفت بنا کر (کوفیوں کے استدلال کا جواب دیا ہے) یعنی رسالة کافة اور بعض (یعنی محشی الضوء) نے کافة کو کاذبة وعافیة کی طرح (اسم فاعل کے وزن پر) مصدر قرار دے کر (کوفیوں کے استدلال کا جواب دیا) اور کل (تینوں کے تینوں جواب) تکلف وتعسف ہیں (کہ اول صورت میں فاعل میں تائے مبالغہ کا ہونا غیر معلوم ہے ثانی میں تقدیر موصوف کی حاجت ہوتی ہے اور ثالث میں مصدر غیر معلوم کا اثبات ہے اور کافة بمعنی جمیعا ہے) ((اور جو ہیئت پر دلالت کرے)) یعنی صفت پر (دلالت کرے) خواہ (ہیئت پر) دلالت کرنے والا (صیغہ) مشتق ہو (جیسے اسم فاعل واسم مفعول وصفت مشبہ) یا (اسم) جامد (کہ جس سے معنیٔ قائم بالغیر مستفاد ہوتا ہو) ((اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے)) بغیر اس کے (ہیئت پر دلالت کرنے والے اس) اسم جامد کی مشتق سے تاویل کی جائے (تاکہ نسبت کا معنی ظاہری طور پر حاصل ہو) کیونکہ حال سے مقصود ہیئت کا بیان ہے اور یہ مقصود جامد سے حاصل ہے (جس طرح کہ مشتق سے حاصل ہے جب مشتق وجامد مقصود میں برابر ہوئے تو دونوں حال واقع ہونے میں بھی بلا فرق برابر ہوئے) اور یہ (یعنی مصنف کا مذہب) جمہور نحویوں کا رد ہے کیونکہ انہوں نے حال کے مشتق ہونے کو شرط قرار دیا ہے (کہ حال خبر وصفت کے معنی میں ہے اور صفت وخبر دونوں مشتق یا مشتق کے معنی میں ہیں) اور انہوں نے جوامد کی مشتق سے تاویل کرنے میں تکلف کیا ہے ((اور)) اس (اسم جامد کے بلا تاویل حال واقع ہونے کی تجویز) کے باوجود کوئی شک نہیں کہ حال میں مشتق ہونا اغلب ہے (اگرچہ غیر مشتق

باتوں سے روکنے میں مبالغہ اور زجر عن الشرک سے کام لیں اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ سرے سے حال ہی نہیں بلکہ مصدر موصوف

محذوف کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے یعنی وما ارسلناک یا محمد الا کافةً ای ارسالةً کافةً للناس مانعةً عن الشرک وغیرہ اور بعض نے

اس کو کف کے معنی میں لے کر تکف فعل کا مفعول مطلق قرار دیا ہے جیسا کہ کاذبة اور عافیة کذبا اور عفة کے معنی میں ہیں پھر تکف کفا بلا حال واقع ہوگا نیز ہو سکتا ہے کہ کافة کفا کے معنی میں ہو کر مفعول لہ ہونے کی بنا پر منصوب ہو اور معنی یہ ہوں وما ارسلناک یا محمد لشیٔ من الاشیاء الا لتکف الناس، بہر حال خواہ کوئی سا جواب اختیار کیا جائے للناس جار مجرور کافة کے متعلق ہوگا ذوالحال نہیں ہوگا لیکن شارح کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ جوابات دیئے جا سکتے ہیں مگر سب تکلف اور تعسف کے درجہ میں ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۲۸۲ قولہ وکل مادل الخ اور جو اسم ہیئت یعنی صفت پر دلالت کرے خواہ وہ مشتق ہو یا جامد اس کا حال واقع ہونا بغیر اس تاویل کے صحیح ہے کہ اگر جامد ہو تو اس کو مشتق سے مؤول کیا جائے اس لئے کہ حال سے مقصود بیان ہیئت ہے اور وہ جامد سے بھی حاصل ہو جاتا ہے لہذا کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ جامد کو مشتق سے مؤول کیا جائے پس اس سے مصنف کا مقصود جمہور نحاة پر رد کرنا ہے اس لئے کہ انہوں نے حال کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ حال کا مشتق ہونا ضروری ہے اور یہ تکلف کیا ہے کہ اگر جامد حال واقع ہو تو اس کو مشتق سے مؤول کر لیا جائے لیکن اگرچہ حال جامد واقع ہو سکتا ہے مگر حال میں اغلب اور اکثر یہی ہے کہ وہ مشتق واقع ہو اب رہی یہ بات کہ جامد کو مشتق سے مؤول کرنے والوں کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کی دلیل یہ ہے کہ حال معنےً خبر ہے یا صفت اور خبر وصفت دونوں مشتق ہوتی ہیں یا اگر مشتق نہ ہوں تو مشتق کے معنی میں ہوتی ہیں لہذا حال کا بھی مشتق ہونا ضروری ہے مگر مصنف اس دلیل کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ دیکھنا یہ ہے کہ حال کے جامد ہونے کی صورت میں مقصود

فی الحال الاشتقاق مِثلُ[۲۸۳] بسرًا ورطبا فی قولهم هٰذَا بُسْرًا وهو ما بقی فیه حموضة اَطیبُ مِنهُ رُطَبًا وهو ما فیه حلاوة صرفة فهما مع کونهما جامدین حالان لدلالتهما علی صفة البسریة والرطبیة ولاحاجة الی ان یؤول البسر بالمبسر والرطب بالمرطب من ابسر النخل اذا صار ما علیه بسرًا و ارطب اذا صار ما علیه رطبا والعامل[۲۸۴] فی رطبا اطیب باتفاق النحاة وفی بسرا

یعنی جامد بھی واقع ہوتا ہے (جیسے عرب کے قول میں بُسرا اور رطبا ہے (ھذا بُسرا)) اور بسر وہ کھجور ہوتی ہے جس میں کھٹائی ہو ((اطیب منہ رطبا)) اور رطب وہ کھجور ہے کہ جس میں محض شیریں پن ہو پس وہ (یعنی بسرا اور رطبا) جامد ہونے کے باوجود بسریت اور رطبیت کی صفت پر دلالت کرنے کی وجہ سے حال (واقع ہوئے) ہیں (یعنی یہ بسر کی حالت میں زیادہ بہتر ہے اور زیادہ نفع بخش ہے اپنے سے رطب حالت میں) اور اس بات کی حاجت نہیں کہ بسر کی مُبْسَر اور رطب کی مُرْطَب کے ساتھ تاویل کی جائے (ماخوذ از البسر النخل جبکہ نخل پر جو پھل ہے وہ بسر ہو جائے اور (ماخوذ از) ارطب (النخل) جبکہ جو کھجور پر پھل ہے وہ رطب ہو جائے (البسر اور ارطب میں الف صیرورت کے لئے ہے چنانچہ کہتے ہیں اَمْشَی الرجلُ جبکہ وہ چلنے والا ہو جائے نخل مبسر و مرطب بصیغۂ اسم فاعل اور اس کا پھل مبسر و مرطب بصیغۂ اسم مفعول ہوگا) اور رطبا میں عامل باتفاق نحویین اطیب ہے (کہ وہ اسم تفضیل ہے اور وہ شبہ فعل ہے اور حال میں عامل فعل ہوتا ہے اور فعل نہ ہو تو شبہ فعل کما مر) اور بسر میں بھی محققین نحاۃ کے نزدیک (اطیب ہی

حاصل ہو جاتا ہے یا نہیں یعنی بیان ہیئۃ اور یہ ظاہر ہے کہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے لہذا ارتکاب تکلف کی کیا ضرورت واللہ اعلم

۲۸۳ قولہ مثل بسرا الخ یہ جامد کے حال واقع ہونے کی مثال ہے جیسے ہذا بسرا اطیب منہ رطبا بسر اس کو کہتے ہیں جو نیم پختہ ہو اور کھٹاس باقی ہو، رطب پختہ کو کہتے ہیں کہ جس میں صرف مٹھاس یعنی حلاوت ہو، بسر کو گدرا بھی کہتے ہیں پس یہ دونوں باوجودیکہ جامد ہیں لیکن حال ہیں کیونکہ دونوں صفت بسریت (گدرا پن) اور رطبیت (پختہ پن) پر دلالت کرتے ہیں پس اس جگہ بسر کو مبسر اور رطب کو مرطب سے مؤول کرنے کی کوئی حاجت نہیں حاجت اس وقت ہوتی جبکہ یہ دونوں صفتیۃ پر دلالت نہ کرتے اس مثال کے معنے یہ ہیں ''یہ گدرا ہونے کے وقت زیادہ نافع اور عمدہ ہے پختہ ہونے کے وقت سے یعنی اس کے نیم پختہ حالت میں منفعت زیادہ ہے بہ نسبت پختہ ہونے کے۔ اب یہ بیان کرتے ہیں کہ مُبسر اور مرطب کے ساتھ اگر تاویل کی جائے تو ان کا ماخذ کیا ہے کہتے ہیں کہ مبسر ابسر النخل اور مُرطب ارطب النخل سے ماخوذ ہے یعنی یہ کہ مبسر اور مرطب بسر سے مشتق ہیں جو کہ ثلاثی مجرد سے ہیں اب رہی یہ بات کہ جب یہ ثلاثی مجرد سے ہیں تو شارح نے ابسر اور ارطب ثلاثی مزید سے کیوں درج کئے اور نیز یہ کہ ہمزہ افعال تعدیہ کے لئے آتا ہے اور وہ اس جگہ درست نہیں اس کا جواب خود ہی اذا صار ما علیہ بسرا اور اذا صار ما علیہ رطبا سے یہ دے رہے ہیں کہ ہمزہ افعال اس جگہ صیرورۃ کے لئے ہے تعدیہ کے لئے نہیں یعنی ابسر النخل

اس وقت بولتے ہیں جبکہ وہ چیز درخت پر ہی گدرا ہو جائے اور ارطب النخل اس وقت جبکہ پھل پختہ ہو جائے واللہ اعلم

۲۸۴ قولہ والعامل الخ اب رہا ان دونوں میں عامل کا سوال تو کہتے ہیں کہ رطبا میں تو باتفاق نحاۃ ارطب عامل ہے لیکن بسرا میں قدرے اختلاف ہے پس محققین تو یہی کہتے ہیں کہ اس میں بھی ارطب عامل ہے اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اس پر اس کا معمول کیسے مقدم ہو سکتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ بسرا کو اس کے عامل پر مقدم کیا گیا ہے اس کا جواب وتقدم بسرا الخ سے شارح

یہ دے رہے ہیں کہ بسرا کو اسم تفضیل پر باوجودیکہ وہ عامل ضعیف ہے اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ نحویوں کے نزدیک یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب شئے واحد سے دو حال دو مختلف اعتبارات سے متعلق ہوں تو ہر حال کو اس کے متعلق کے ساتھ متصل کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں اعتباروں میں تقدم و تاخر سے اشتباہ پیدا نہ ہو جائے اور بسریۃ چونکہ مشار الیہ ہذا کے ساتھ اس حیثیت سے متعلق ہے کہ وہ مفضل ہے لہذا ضروری ہے کہ بسرا کو ہذا کے متصل ذکر کریں تاکہ وہ من تفضیلی پر مقدم ہو جائے اسلئے کہ مفضل من تفضیلی پر مقدم ہوتا ہے اور مفضل علیہ

ایضاً عند محققیهم وتقدم بسراً علی اسم التفضیل مع ضعفه فی العمل
لانه اذا تعلق بشئ واحد حالان باعتبارین مختلفین یلزم ان یلی کل منهما
متعلقه والبسریة تعلقت بالمشار الیه بهذا من حیث انه مفضل ۲۸۵ وهذه
الحیثیة وان لم تکن معتبرة فیه الا بعد اضماره فی اطیب لکنه لما کان
الضمیر بالنسبة الی المظهر کالعدم اقیم المظهر مقامه واوجب ان یلیه و

عامل ہے) اور بسراً اسم تفضیل پر اس کے عمل میں ضعف کے باوجود مقدم ہوگیا (اور یہ تقدیم جائز ہے) کیونکہ جب ایک شے کے ساتھ (اور وہ یہاں ہذا کا مشار الیہ یعنی تمر ہے دو حال دو مختلف اعتباروں سے متعلق ہوں (یہاں ایک حال بسریت اور دوسرا رطبیت ہے اور دو مختلف اعتبار یہ ہیں کہ حال اولیٰ کا تعلق ہذا کے مشار الیہ سے افضلیت کے اعتبار سے ہے اور حال ثانیہ کا اس کے ساتھ تعلق مفضولیت کے اعتبار سے ہے) تو لازم ہے کہ ان دونوں (حالوں) میں سے ہر ایک اپنے متعلق (بفتح لام یعنی ذوالحال) کے ساتھ متصل (اور قریب) ہو اور بسریت (یعنی حال اولیٰ) ھذا کے مشار الیہ سے متعلق ہوا (یعنی بسریت کو ھذا کے مشار الیہ سے حال بنایا گیا) اس حیثیت سے کہ وہ (یعنی ہذا کا مشار الیہ) مفضل ہے اور یہ (مشار الیہ کی مفضل ہونے کی) حیثیت اگرچہ اسمیں معتبر نہیں مگر اطیب میں مشار الیہ کی ضمیر کرنے کے بعد (یعنی یہ حیثیت اس کے بعد ہی معتبر ہوتی کہ اطیب میں ضمیر مستتر ہو جو مشار الیہ کی طرف راجع ہو کیونکہ مرجع راجع کا حکم لے لیتا ہے اور یہاں راجع مفضل ہے تو مرجع اسی طرف مفضل ہوگا) لیکن صورت حال یہ ہے کہ ضمیر مستتر (مطلقاً خواہ اطیب میں ہو یا کہیں اور اس کا عام حکم یہ ہے کہ) جب مظہر (عام ازیں کہ اس مثال میں ہو یا کہیں اور ہو) کی نسبت کالعدم ہوا تو مظہر کو مضمر کی جگہ قائم کیا گیا (مضمر سے مستتر اس لئے مراد ہے کہ بارز حقیقت میں ملفوظ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے مظہر کی طرح ہے اور یہاں مظہر سے اسم اشارہ "ہذا" مراد ہے یعنی ذوالحال ہونے اور اس کے بعد بلا فاصلہ حال واقع ہونے میں اطیب کی ضمیر مستتر کی جگہ

مؤخر جیسے الشمس انور من القمر میں الشمس مفضل مقدم ہے اور القمر مفضل علیہ مؤخر واللہ اعلم۔

۲۸۵ قولہ وہذہ الحیثیۃ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ بسریت مشار الیہ بہذا کے ساتھ مفضل ہونے کی حیثیت سے اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اطیب میں اسکی ضمیر لائی جائے گی اس سے پہلے اس کو مفضل کہنا باطل ہے اس لئے کہ مفضل اسم تفضیل کا مدخول ہے نہ کہ کچھ اور لہذا مناسب یہ ہے کہ بسراً کو اطیب سے مؤخر ذکر کریں کیونکہ یہ اطیب کی ضمیر سے حال ہوگا شارح جواب دیتے ہیں کہ یہ حیثیۃ اگرچہ اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اطیب میں ضمیر لائی جائے لیکن چونکہ ضمیر بہ نسبت اسم مظہر کالعدم ہے لہذا اسم ظاہر کو ضمیر کا قائم مقام کرکے اسم ظاہر کے ساتھ مفضل کے اتصال کو واجب کردیا گیا پس بسراً کا اتصال ہذا کے ساتھ ہوگا اور من تفضیلیہ اس کا تقدم ہوگا اور رطبیت مشار الیہ بہذا کے ساتھ اس حیثیت سے متعلق ہے کہ وہ مفضل علیہ ہے اور چونکہ مفضل علیہ من تفضیلی سے مؤخر ہوتا ہے لہذا اس کا مفضل علیہ ہونا باعتبار ضمیر منہ کے ہوگا پس لامحالہ مفضل علیہ یعنی رطبا کا اتصال ضمیر منہ کے ساتھ واجب ہوگا پھر شارح قال الرضی سے مضمر کو بہ نسبت مظہر کے کالعدم قرار دینے کے متعلق رضی کی عبارت نقل فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ رضی نے کہا ہے کہ اگرچہ افعل میں ضمیر مستتر مفضل ہوتی ہے لیکن وہ جبکہ ظاہر نہیں ہوتی یعنی حقیقۃً ملفوظ نہیں ہوتی تو کالعدم ہے اور معدوم لیس بشئ ہوتا ہے پس اسم اشارہ "ہذا" مفضل ہو جائیگا کیونکہ یہ ضمیر کے قائم مقام ہے اس اعتبار سے کہ اسم تفضیل کی ضمیر اس کی طرف راجع ہوتی ہے اور بسریت ہذا کے ساتھ مفضل ہونے کی حیثیت سے متعلق ہے لہذا بسراً کو ہذا کے ساتھ متصلاً ذکر کیا جائیگا اور اس کے باوجود کہ ضمیر بہ نسبت اسم مظہر کے کالعدم ہوتی ہے یہاں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھنا کہ زیدٌ احسن قائماً منہ قاعداً کہا جائے اگرچہ یہ ترکیب سنی نہیں گئی اس سے درحقیقت مصنف پہ اعتراض مقصود ہے کہ ضمیر مظہر کی بہ نسبت کالعدم ہوتی ہے حالانکہ اس مثال میں کالعدم نہیں بلکہ قابل اعتبار اور ذوالحال واقع ہے یعنی احسن کی ضمیر زید کی طرف راجع اور ذوالحال ہے اور قائماً اس سے حال پس اگر اس کا کالعدم ہونا ضروری ہوتا تو احسن کی ضمیر ذوالحال واقع نہیں ہوسکتی

الرطبية تعلقت به من حيث انه مفضل عليه وهو ضمير منه فيجب
ان يليه قال الرضي واما الضمير المستكن في افعل فانه وان كان مفضلا
لكنه لما لم يظهر كان كالعدم ومع هذا فلا ارى باسا بان يقال وان لم
يسمع زيد احسن قائما منه قاعدا وذهب بعضهم الى ان العامل في بسرا
اسم الاشارة اي اشير اليه حال كونه بسرا وهذا ليس بصحيح لانه يمكن
ان يكون المشار اليه التمر اليابس فلا تتقيد الاشارة بحالة البسرية ولانا

ھذا مظہر کو رکھا گیا اور نحویوں نے ضروری قرار دیا کہ حال اس مظہر کے ساتھ متصل (اور قریب) ہو اور رطبیت (جو کہ حال ثانیہ رطبا سے مفہوم ہے) مشار الیہ (یعنی ھذا) کے ساتھ متعلق ہوئی (کہ اس سے حال واقع ہوئی) اس حیثیت سے کہ مشار الیہ منہ کی ضمیر کے اس کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے) مفضل علیہ ہے اور مفضل علیہ منہ کی ضمیر ہے تو ضروری ہے کہ حال منہ کی ضمیر کے ساتھ ملا ہوا ہو (تاکہ حال اپنے ذوالحال کے پہلو میں رہے اگرچہ فصل بھی جائز ہے اور اسی وجہ سے حال کو اس کے عامل ضعیف پر مقدم کیا گیا اگرچہ اس کا حق تاخیر تھا) رضی نے کہا کہ اطیب میں جو ضمیر مستتر ہے وہ اگرچہ (حقیقت میں) مفضل ہے لیکن وہ ضمیر جبکہ ظاہر نہ تھی (یعنی حقیقت میں ملفوظ نہ تھی بلکہ حکما ملفوظ تھی) تو وہ کالعدم ہوئی (اور معدوم کوئی چیز نہیں لہذا اسم اشارہ اس اعتبار سے کہ وہ ضمیر اس کی طرف راجع ہے مفضل ہوا) لہذا میں اس میں کوئی اندیشہ نہیں دیکھتا کہ یہ کہا جائے اگرچہ لے (اہل عرب سے) نہیں سنا گیا زید احسن قائما منہ قاعدا (تاکہ دونوں حالتوں میں سے ہر ایک اپنے ذوالحال کے پہلو میں ہو اگرچہ اسم تفضیل احسن اور اس کے معمول منہ کے درمیان اجنبی کا فاصلہ آگیا ہے اس لئے فلا اری باسا سے کہا) اور (ابو علی اور اس کے اتباع ایسے) بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ بسرا (حال اول کہ مختلف فیہ ہے) میں عامل اسم اشارہ (سے مستنبط فعل کا معنی) ہے یعنی اشیر الیہ حال کونہ بسرا اور یہ صحیح نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ (ھذا کا) مشار الیہ تمر یابس ہو (تو اشیر الیہ حال کونہ بسرا کی صورت میں مشار الیہ کا بسریت کے حال کے ساتھ مقید ہونا لازم آتا ہے جو درست نہیں کما یقول الشارح) پس اشارہ بسریت کے حال کے ساتھ مقید ہونا لازم آتا ہے جو درست نہیں کما یقول الشارح) پس اشارہ بسریت کے حال کے ساتھ مقید نہیں (یعنی یہ تقیید صحیح نہیں ہے بلکہ مقصود اشارہ ہے مطلقا کہ حالت بسریت کے غیر میں بھی ھذا بسرا اطیب منہ رطبا کہنا صحیح

تھی بلکہ اسم مظہر کو اس کے بجائے لانا پڑتا واللہ اعلم۔

۲۰۶ قولہ وذہب بعضہم الخ اور بعض لوگ ان تکلفات سے بچنے کے لئے اس طرف گئے ہیں کہ بسرا میں عامل اسم اشارہ ہے (اسم تفضیل نہیں) اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ہذا بسرا ای اشیر الیہ حال کونہ بسرا مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ممکن ہے کہ اشارہ اس وقت ہو جبکہ مشار الیہ تمر یابس (خشک کھجور) ہو گدری نہ ہو پس یہ اشارہ حالۃ بسریت کے ساتھ مقید نہ ہو گا اور یہ خلاف مقصود ہے اس لئے کہ ہماری مراد یہ ہے کہ تمر حالت بسریت میں حالت رطبیت سے عمدہ ہے عام ازیں کہ اشارہ اور تکلم اس وقت ہو جبکہ وہ گدر ہو یا اس وقت جبکہ پختہ ہو یا اس وقت جبکہ وہ خشک ہو کر چھوارہ بن جائے نیز یہ مذہب اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اطیب اس وقت بھی عامل ہو سکتا ہے جبکہ اسم اشارہ کی جگہ میں ایسا اسم واقع ہو کہ اس اسم کا حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہو مثلا ہذا کی جگہ بر نیز کو ذکر کر دیں تو یہ اسم جامد ہے اور یہ حال میں عمل نہیں کر سکتا پس ہذا میں تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ اشیر بسرا میں عامل ہے لیکن اس مثال میں وہ سوائے اطیب کے اور کس کو عامل قرار دیں گے کہ جس میں ہذا کے بجائے اسم جامد ہو جیسے تمرۃ نخلی بسرا اطیب منہ رطبا پس لامحالہ کہنا پڑے گا کہ پہلا مذہب ہی حق ہے۔

(فائدہ) شرح جامی کے بعض نسخوں میں لانہ یصح حیث الخ کے بجائے لانہ لایصح حیث الخ ہے لہذا اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اسم اشارہ کا بسرا میں عامل ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ جب ہذا کے بجائے ایسا اسم آجائے کہ جس کا حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہو تو اس اسم کا حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہو گا جو کہ اسم اشارہ کی بجائے مذکور ہے پس جب ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس میں عامل اطیب کو مانیں نہ کہ اشیر کو واللہ اعلم۔

یصح حیث وقع موقع اسم الاشارۃ اسم لا یصح اعمالہ فیہ نحو تمرۃ نخلی بسرًا اطیب منہ رطبًا وَقَدْ تَکُوْنُ ای الحال جُمْلَۃً لدلالتھا علی الھیاۃ کالمفردات فیصح ان تقع حالا مثلھا ولکن یجب ان تکون الجملۃ الحالیۃ خَبَرِیَّۃً محتملۃ للصدق والکذب لان الحال بمنزلۃ الخبر عن ذی الحال واجراءھا علیہ فی قوۃ الحکم بھا علیہ والجملۃ الانشائیۃ لا تصلح اَن یحکم بھا علی شئ ولما کانت الجملۃ مستقلۃ فی الافادۃ لا تقتضی ارتباطھا بغیرھا والحال مرتبطۃ بغیرھا فاذا وقعت الجُملۃ حالا لابد لھا من رابطۃ تربطھا الی صاحبھا وھی الضمیر والواو والجملۃ الخبریۃ امّا اسمیۃٌ اوفعلیۃ والفعلیۃ اما ان یکون فعلھا

ہے) اور اس لئے کہ اسم اشارہ کی جگہ دوسرے ایسے اسم کا واقع ہونا صحیح ہے کہ حال میں اس کو عامل بنانا صحیح نہ ہوگا (کہ نہ شبہ فعل ہو اور نہ ہی شبہ فعل کے معنی کو مفید ہو) جیسے تمرۃ نخلی بسرا اطیب منہ رطبا (اس میں تمرۃ نخلی اسم اشارہ کے قائم مقام ہے) ((اور)) حال کبھی ((جملہ ہوتا ہے)) کیونکہ مفردات کی طرح جملہ ہیئت (صفت) پر دلالت کرتا ہے لہٰذا مفردات کی مانند جملہ کا حال واقع ہونا صحیح ہے لیکن ضروری ہے کہ جملہ حالیہ ((خبریہ)) ہو جو صدق وکذب کا احتمال رکھتا ہے (اگرچہ جملہ خبریہ میں اصل صدق ہے کہ کلام عاقل ہے اور عاقل سے کذب کا سرزد ہونا اس کی شان سے بعید ہے لیکن محض خبر ہونے کی حیثیت سے وہ محتمل کذب ہے تو جملہ حالیہ کا خبریہ ہونا ضروری ہے) کیونکہ حال ذوالحال سے (معنی میں) بمنزلہ خبر کے ہے (کہ حال و ذوالحال افراد وتثنیہ وجمع وتذکیر وتانیث میں ولزوم ضمیر بصورت جملہ مبتدا وخبر کے طور پر ہوتے ہیں) اور حال کا ذوالحال پر جاری کرنا حال سے ذوالحال پر حکم کی قوت میں ہے (کالحکم بالخبر علی المبتداء) اور جملہ انشائیہ اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس سے کسی چیز پر حکم لگایا جائے اور جب کہ جملہ فائدہ پہنچانے میں مستقل ہوتا ہے تو وہ اپنے غیر کے ساتھ اپنے ارتباط کا تقاضا نہیں کرتا (کہ جو افادے میں مستقل ہو وہ فی نفسہ کافی ہونے کی وجہ سے تعلق بالغیر کا مقتضی نہیں ہوتا) اور حال (عرض قائم بالغیر ہونے کی وجہ سے) اپنے غیر کے ساتھ مربوط ہوتا ہے تو جب جملہ (خبریہ) حال واقع ہو تو اس کے لئے رابطہ کا ہونا ضروری ہے جو اسے ذوالحال سے مربوط کرے اور رابطہ (کے لئے یہاں دو چیزیں ہیں ایک تو) ضمیر اور (دوسری) واو ہے اور جملہ خبریہ (حالیہ) یا اسمیہ ہوگا (اگر اس کی ابتداء اسم سے ہوگی لفظا یا تقدیرا) یا فعلیہ ہوگا (اگر اس کی ابتداء فعل سے ہوگی جو کہ خبر کے لئے موضوع

ح ۲۸۷ قولہ وقد تکون الخ اور کبھی حال جملہ بھی ہوتا ہے کیونکہ جملہ بھی مفردات کی طرح ہیئت پر دلالت کرتا ہے اور حال سے مقصود ہیئت پر دلالت ہی ہے نمراہ کسی طرح حاصل ہو پس جملہ کا بھی مفردات کی طرح حال واقع ہونا صحیح ہے اس جگہ قد حرف تقلیل ہے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حال جملہ کبھی کبھی ہوتا ہے ورنہ اصل یہی ہے کہ حال مفرد ہو اس لئے کہ حال مبتدا کی خبر کے مانند ہوتا ہے اور خبر میں اصل افراد ہے لہٰذا حال میں بھی اصل افراد ہوگا۔ البتہ بطور تقلیل کے حال جملہ واقع ہو جاتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ جملہ خبریہ ہو کہ جس میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہو اس لئے کہ حال ذوالحال سے بمنزلہ خبر کے ہوتا ہے نیز حال کا ذوالحال پر جاری ہونا ذوالحال کے لئے محکوم بہ کی قوت میں ہے یعنی جس طرح خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور مبتدا محکوم علیہ اسی طرح ذوالحال بمنزلہ محکوم علیہ کے ہوگا اور حال بمنزلہ محکوم بہ کے اور جملہ انشائیہ میں محکوم بہ بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کا نفس الامر میں کوئی ثبوت نہیں ہوتا پس جب جملہ انشائیہ محکوم بہ نہیں بن سکتا تو حال کبھی واقع نہیں ہو سکتا بخلاف خبر کے کہ اس کا نفس الامر میں ثبوت ہوتا ہے مثلاً زیدٌ قائمٌ میں قیام کا ثبوت ہے لہٰذا جملہ خبریہ حال واقع ہو سکتا ہے پھر جملہ چونکہ افادہ میں مستقل ہوتا ہے لہٰذا وہ دوسری شئے کے ساتھ ارتباط کو مقتضی نہیں ہوتا اور حال ذوالحال کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے لہٰذا جب حال جملہ ہوگا تو اس کے لئے لامحالہ ایک رابطہ کی ضرورت پیش آئے گی جو اس کو ذوالحال سے مرتبط کر دے پس وہ رابطہ ضمیر اور واو ہے واللہ اعلم۔

ح ۲۸۱ قولہ والجملۃ الخبریۃ الخ یہ عبارت قولہ فالاسمیۃ کے لئے بطور دلیل حصر کے ہے کہ تاکہ فالاسمیۃ اس پر متفرع ہو سکے پس جملہ خبریہ دو حال سے خالی نہیں اسمیہ

مضارعًا مثبتًا او مضارعًا منفیًا او ماضیًا مثبتًا او ماضیًا منفیًا فهذه خمس جمل فَالْاِسْمِيَّةُ ای الجملة الاسمیة الحالیة متلبسة بِالْوَاوِ وَالضَّمِیْرِ معًا لقوة الاسمیة فی الاستقلال فناسب اَن تکون الرابطة فیها فی غایة القوة نحو جئت وانا راکب وجئت وانت راکب وجاءنی زید وهو راکب اَوْ بِالْوَاوِ وحدها لانها تدل علی الربط فی اول الامر فاکتفی بها مثل قوله علیه السلام کنت نبیا وآدم بین الماء والطین وهذا ای الربط بالواو وحدها وبها مع الضمیر انما یکون فی الحال المنتقلة واما فی الحال الموکدة فلا تجوز الواو تقول هو

ہے) اور (یہ) فعلیہ یا اس طرح ہوگا کہ اس کا فعل مضارع مثبت یا مضارع منفی یا ماضی مثبت یا ماضی منفی ہوگا پس یہ پانچ جملے ہیں (لا تو اسمیہ) یعنی جملہ اسمیہ حالیہ ((واو اور ضمیر کے ساتھ) متلبس ((ہوگا)) معًا کیونکہ (جملہ) اسمیہ استقلال میں قوی ہوتا ہے (کہ دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے اور اصل حال سے خارج ہے جو کہ انتقال اور عدم تقرر سے عبارت ہے) تو مناسب ہوا کہ جملہ اسمیہ میں رابطہ انتہائے قوت میں ہو (کہ قوی کے لئے اقوی رابطہ درکار ہے جو اسے استقلال سے خارج کرکے ماقبل سے طوعًا وکرہًا مربوط کردے) جیسے جئت وانا راکب (یہ صیغۂ تکلم اور جئت وانت راکب (یہ صیغۂ خطاب) اور جاءنی زید وہو راکب (یہ صیغۂ غائب اور ضمیر کے اعتبار سے یہ تین قسمیں ہیں) ((یا واو کے ساتھ)) تنہا واو ہو (اور یہ ایک ہی قسم ہے) کیونکہ واو اول امر میں ربط پر دلالت کرتی ہے (کہ اس کے بعد کا جملہ اس سے قبل کے جملے کے ساتھ مربوط ہے فی ذاتہ مستقل نہیں ہے کہ جملہ مستقلہ ابتداء میں ہی ہوتا ہے اور یہ کہ واو اصل وضع میں جمع مطلق کے لئے ہے) تو تنہا واو پر اکتفاء کرلیا گیا جیسے آنحضرت صلی اللہ کا قول اقدس ہے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین (کہ میں اس وقت نبی تھا درآنحالیکہ آدم پانی اور گارے کے درمیان تھے وفی روایۃ وآدم بین الروح والجسد رواہ الترمذی وغیرہ) اور یہ (جملہ اسمیہ حالیہ میں) یعنی تنہا واو کے ساتھ یا واو کے ساتھ ضمیر کے ہمراہ ربط حال منتقلہ میں ہی ہوتا ہے (منتقلہ یعنی غیر متقررہ) لیکن حال مؤکدہ میں واو جائز نہیں تم کہوگے ہو الحق لا

ہوگا یا فعلیہ اور فعلیہ اگر ہے تو اس کا فعل مضارع مثبت ہوگا یا مضارع منفی یا ماضی مثبت ہوگا یا منفی پس یہ پانچ جملے ہیں پس جملہ اسمیہ حالیہ جو کہ واو اور ضمیر کے ساتھ معًا متلبس ہو اس لئے کہ جملہ اسمیہ استقلال میں قوی تر ہے اور استقلال کی وجہ یہ ہے کہ دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے بخلاف فعل کے کہ وہ ایک اسم اور ایک فعل کی ترکیب سے بنتا ہے اس لئے جملہ اسمیہ قوی ہوا جملہ فعلیہ سے پس مناسب یہ ہے کہ قوی میں رابطہ بھی ایسا ہی ہونا چاہئے جو قوی تر ہو پس جب واو اور ضمیر دونوں ایک ساتھ رابطہ بنیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک سے دو قوی ہوتے ہیں جیسے جئت وانا راکب اس میں انا راکب جملہ اسمیہ ہو کر جئت کی ضمیر انا سے حال ہے اور دو رابطے موجود ہیں اور واو اور ضمیر انا اور جیسے جئت وانت راکب اور جاءنی زید وہو راکب دونوں میں واو اور ضمیر موجود ہیں واللہ اعلم۔

۲۱۹ قولہ او بالواو الخ یا اور رابطہ صرف واو کو لایا جائیگا اس لئے کہ یہ اول امر میں رابطہ پر دلالت کرتا ہے پس اسی پر اکتفار کیا جائیگا اور یہ اول امر پر اس لئے دلالت کرتا ہے کہ مثلاً جب واو کے بعد جملہ کو ذکر کیا جائیگا تو فورًا معلوم ہو جائیگا کہ جملہ مابعد ماقبل سے مرتبط ہے اس لئے کہ واو کی اصل وضع جمع کے لئے ہے جیسے قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا وآدم بین الماء والطین کہ اس میں آدم الخ جملہ اسمیہ حالیہ ہے اور واو رابطہ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حال اور ذوالحال کے درمیان رابطہ لانا ضروری ہے خواہ وہ ایک ہی حرف کے ساتھ آئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی بھی بعض امثلہ موجود ہیں جن میں کسی ایک کے ساتھ بھی رابطہ نہیں نہ واو کیساتھ اور نہ ضمیر کے ساتھ جیسے ہو الحق لاشک فیہ کہ اس میں لاشک فیہ جملہ اسمیہ حال واقع ہے اور اس میں کوئی رابطہ نہیں اس کا جواب وہذا ای الربط بالواو الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ یہ ربط بالواو تنہا یا ربط واو اور ضمیر کے ساتھ معًا حال منتقلہ میں ہوتا ہے لیکن حال مؤکدہ میں ربط بالواو جائز نہیں جیسے ہو الحق لاشک فیہ کہ اس میں لاشک فیہ اگرچہ جملہ اسمیہ حال ہے مگر یہ تاکید کے لئے ہے پس اگر اس میں بھی ربط بالواو آجائیگا مؤکد اور تاکید کے درمیان فصل لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان شدت اتصال ہے کیونکہ ثانی عین اول ہوتا ہے اگرچہ لفظًا کچھ فرق ہو اور حال منتقلہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ذوالحال سے نقل وانفکاک کو قبول کرلیتا قائمًا ضربت زیدًا قائمًا میں کہ زید سے حالت قیام

LIBRARY

الحق لاشک فیہ وذلک لان الواو لا تدخل بین المؤکد والمؤکد لشدۃ الاتصال بینھما اَوْ بِالضَّمِیْرِ وحدہ عَلٰی ضُعْفٍ لان الضمیر لا یجب ان یقع فی الابتداء فلا یدل علی الربط فی اول الامر نحو کلمتہ فوہ الی فیَّ فلا بد من الواو علی الصحیح وَالْمُضَارِعُ الْمُثْبَتُ ای الجملۃ الفعلیۃ التی یکون الفعل فیھا مضارعًا مثبتا متلبسۃ بِالضَّمِیْرِ وَحْدَہٗ لمشابھتہ لفظًا ومعنًی لاسم الفاعل المستغنی عن الواو نحو جاء نی زید یسرع وَمَا سِوَاھُمَا ای ماسوی الجملۃ الاسمیۃ والفعلیۃ المشتملۃ علی المضارع المثبت من الجمل المشتملۃ علی

شک فیہ (لاشک فیہ حق سے حال ہے اور حق ذوالحال اور یہ حال مؤکدہ ہے کہ ھو الحق کی تاکید کرتا ہے اور اس میں عائد فیہ کی ضمیر ہے اور حال میں عامل ثبت یا ثابت ہے یعنی ثبت حقیقۃ یا حقیقۃ ثابت لاشک فیہ جیسے کہتے ہیں زید قائم حقا اور ذلک الکتاب لاریب فیہ کہ علی احد الوجوہ لاریب فیہ حال ہے) اور یہ (یعنی حال مؤکدہ میں واو کا عدم جواز) اس لئے ہے کہ واؤ مؤکد (بفتح کاف) اور مؤکد (بکسرہ) کے درمیان ان دونوں کے مابین شدت اتصال کی وجہ سے داخل نہیں ہوتی (کہ ثانی عین اول ہے (یا ضمیر کے ساتھ)) تنہا (ضعف پر) کیونکہ ضمیر کا ابتداء (کلام) میں واقع ہونا ضروری نہیں (بلکہ کبھی ابتداء میں واقع ہوتی ہے تو اس وقت واؤ کی طرح اول امر میں ربط پر دلالت کرتی ہے اور کبھی وسط میں کبھی آخر میں واقع ہوتی ہے) تو اول امر میں ربط پر دلالت نہیں کرتی جیسے کلمتہ فوہ الی فیَّ (یعنی میں نے اس کے ساتھ بات کی درانحالیکہ اس کا منہ میرے منہ کی طرف تھا اگر اسے فاعل کی ضمیر سے حال بنائیں تو رابط فیَّ کی متکلم کی ضمیر ہوگی اور اگر مفعول کی ضمیر سے بنائیں تو رابط فوہ کی ضمیر غائب ہوگی) تو صحیح قول کی بنا پر واؤ ضروری ہے (شرح جامی کے بعض نسخوں میں علی الصحیح کی جگہ علی الاصح ہے بر تقدیر اول واؤ لازما ضروری اور بر تقدیر ثانی بہتر ہے) (اور مضارع مثبت) یعنی وہ جملہ فعلیہ کہ اس میں فعل مضارع مثبت ہوتا ہے (تنہا ضمیر کے ساتھ) متلبس ہوگا کیونکہ وہ لفظاً (یعنی حرکات و سکنات اور تعداد حروف میں) اور معنیً (یعنی حدوث و تجدد اور حال و استقبال پر دلالت کرنے میں) اسم فاعل کے مشابہ ہے (جبکہ اسم فاعل حال واقع ہو) جو واؤ سے بے نیاز ہے جیسے جاء نی زید یسرع (بمعنی مسرعا) (لیکن جب مضارع پر قد داخل ہو تو اس پر واو داخل ہوگی جیسے قرآن مجید میں ہے لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَعْلَمُوْنَ الاٰیۃ) (اور ان دونوں کا ماسوا) یعنی جملہ اسمیہ اور ان (تینوں) جملوں کہ مضارع منفی یا ماضی مثبت یا ماضی منفی

ضعیف ہے اس لئے کہ ضمیر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ واو کی طرح ابتداء میں واقع ہو اور اول امر میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جملہ ماقبل سے مرتبط ہے پس ضمیر اول امر میں ربط پر دلالت نہیں کرے گی جیسے کلمتہ فوہ الی فیَّ کہ اس میں فوہ مضاف مضاف الیہ سے ملکر مبتدا اور الی فی جار مجرور ظرف مستقر مرفوع محلاً اس کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر ضمیر متکلم سے حال واقع ہو رہا ہے پس اس میں فیَّ کی ضمیر متکلم رابط ہے اور اگر فوہ الخ کو کلمتہ کی ضمیر مفعول بہ سے حال قرار دیں تو فوہ کی ضمیرہ رابطہ واقع ہوگی یعنی متکلم کے لئے ضمیر متکلم اور غائب کے لئے ضمیر غائب اس کا ترجمہ یہ ہے میں نے اس سے بات چیت کی درانحالیکہ اس کا منہ میرے منہ کی طرف تھا پس چونکہ یہ اول امر میں رابطہ پر دلالت نہیں کرتی اس لئے صحیح یہ ہے کہ واو رابط لایا جانا ضروری ہے واللہ اعلم۔

۲۹۱ قولہ والمضارع الخ اور جملہ فعلیہ میں اگر مضارع مثبت حال واقع ہو تو اس وقت ربط کے لئے حرف ضمیر ہی کافی ہوگی اس لئے کہ مضارع لفظاً اور معنیً اسم فاعل کے مشابہ ہے اور اسم فاعل واو سے مستغنی ہوتا ہے پس جو حکم مشبہ بہ کا ہوگا وہی مشبہ کا بھی ہوگا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل میں ربط کے لئے ضمیر کافی ہوتی ہے یعنی مثلاً قائما میں ضمیر مستتر ہو اسی طرح فعل مضارع میں بھی ضمیر کافی ہوگی واو کی ضرورت نہیں ہوگی بوجہ مشابہت کے۔ مشابہتہ لفظیہ تو یہ ہے کہ اسم فاعل اور مضارع کے حرکات و سکنات اور عدد حروف برابر ہیں اور مشابہتہ معنویہ یہ ہے کہ اسم فاعل کے مضارع کے موقعہ میں واقع ہو سکتا ہے اس لئے کہ مضارع سارع کے معنی میں ہے پس اس کی مثال یہ ہے جیسے جاء نی زیدٌ یسرعُ واللہ اعلم۔

۲۹۲ قولہ وماسواھما الخ اور جملہ اسمیہ و فعلیہ کہ جس میں مضارع مثبت حال واقع ہو

علیحدہ بھی ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ زید بیٹھا ہوا ہو یا متکلم حالت قعود میں مارے بخلاف حال مؤکدہ کے کہ وہ اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عین اول ہوتا ہے واللہ اعلم۔

۲۹۰ قولہ او بالضمیر الخ یا جملہ اسمیہ حالیہ میں رابطہ حرف ضمیر کے ساتھ لایا جائیگا لیکن یہ

المضارع المنفی او الماضی المثبت او المنفی بالواو والضمیر معاً او باحدهما
وحده من غیر ضعف عند الاکتفاء بالضمیر لعدم قوة استقلالها کالاسمیة
فالمضارع المنفی نحو جاءنی زید وما یتکلم غلامه او جاءنی زید ما یتکلم
غلامه او جاءنی زید وما یتکلم عمرو والماضی المثبت نحو جاءنی زید وقد
خرج غلامه او جاءنی زید قد خرج غلامه او جاءنی زید وقد خرج عمرو
والماضی المنفی نحو جاءنی زید وما خرج غلامه او جاءنی زید ما خرج غلامه
او جاءنی زید وما خرج عمرو ولابد فی الماضی المثبت ۲۹۱ المنفی من

پر مشتمل ہوتے ہیں میں سے جملہ فعلیہ مشتمل بر مضارع مثبت (ان دو) کا ماسوا متلبس ہوتا ہے) (واؤ اور ضمیر کے ساتھ) معاً یا ان دو میں سے کسی ایک کے ساتھ)) تنہا (واؤ کے ساتھ یا تنہا) ضمیر کے ساتھ اکتفاء کے وقت کسی ضعف کے بغیر (متلبس ہوگا) کیونکہ ان تینوں جملوں کی قوت استقلال نہیں ہے (لہٰذا ان میں ادنیٰ ربط بھی کافی ہے) جیسے (جملہ اسمیہ (کی قوت استقلال) ہے (لہٰذا اس کے لئے رابطہ بھی اس کی قوت کے مطابق قوی درکار ہے لہٰذا اس میں ضمیر پر اکتفاء ضعف ہی کے ساتھ جائز ہے اور یہاں بلا ضعف) پس مضارع منفی (اپنے اقسام ثلاثہ کے ساتھ) جیسے جاءنی زید وما یتکلم غلامہ (واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ) یا جاءنی زید ما یتکلم غلامہ (صرف ضمیر کے ساتھ) یا جاءنی زید وما یتکلم عمرو (صرف واؤ کے ساتھ) اور ماضی مثبت (کے تینوں قسموں کی مثال) جیسے جاءنی زید قد خرج غلامہ (صرف ضمیر کے ساتھ) یا جاءنی زید وقد خرج عمرو (صرف واؤ کے ساتھ)، اور ماضی منفی (کے تینوں قسموں کی مثال) جیسے جاءنی زید .... وما خرج غلامہ (واؤ اور ضمیر کے ساتھ) یا جاءنی زید ما خرج غلامہ صرف ضمیر کے ساتھ) یا جاءنی زید وما خرج عمرو (صرف واؤ کے ساتھ) (اور ضروری ہے ماضی

ان دونوں کے سوا ان جمل فعلیہ میں کہ جن میں فعل مضارع منفی یا ماضی مثبت یا منفی واقع ہو رابطہ واو اور ضمیر کے ساتھ ایک ساتھ بھی لایا جا سکتا ہے اور واو یا ضمیر کو علیحدہ علیحدہ بھی اور رابطہ ضمیر کے ساتھ لانے کی صورت میں کسی قسم کا ضعف بھی نہیں ہوگا جیسا کہ جملہ اسمیہ میں رابطہ بالضمیر لانا ضعیف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تینوں جملوں میں سے کسی میں بھی اس درجہ قوۃ استقلال موجود نہیں جیسی کہ جملہ اسمیہ میں تھی پس جب وہ قوت استقلال ہی موجود نہیں تو اکتفاء بالضمیر میں کوئی حرج نہیں مضارع منفی کی مثالیں جیسے جاءنی زیدٌ وما یتکلم غلامُہٗ کہ اس میں واو اور ضمیر دونوں رابطے موجود ہیں جاءنی زیدٌ ما یتکلم غلامہٗ اس میں صرف غلامہٗ کی ضمیر رابطہ ہے جاءنی زیدٌ وما یتکلم عمروٌ اس میں ضمیر نہیں صرف واو رابطہ ہے ماضی مثبت کی مثالیں جیسے جاءنی زیدٌ وقد خرج غلامہٗ و واو اور ضمیر دونوں رابطے موجود ہیں جاءنی زید قد خرج غلامہٗ (صرف ضمیر غلامہٗ رابطہ ہے واو نہیں ہے) جاءنی زید وقد خرج عمرو (صرف واو رابطہ ہے ضمیر موجود نہیں) علیٰ ہذا القیاس ماضی منفی کی مثالیں جیسے جاءنی زیدٌ وما خرج غلامہٗ الخ واللہ اعلم۔

۲۹۲ قولہ ولابد فی الماضی الخ یعنی جب جملہ فعلیہ ماضی مثبت کو حال بنائیں گے تو ماضی پر دخول قد ضروری ہے جو کہ زمانہ ماضی کو حال لغوی سے قریب کر دیتا ہے اس لئے کہ ماضی زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتی ہے اور حال وہ ہے جو زمانہ موجودہ پر دلالت کرے پس لامحالہ ماضی مثبت پر جبکہ وہ حال واقع ہو قد کو داخل کرنا ضروری ہوگا تاکہ مجازاً قد کے ذریعہ سے اس بات پر دلالت کی جائے کہ ماضی کا زمانہ ذوالحال سے صدور فعل یا اس پر وقوع فعل کے زمانہ سے قریب ہے اس لئے کہ ماضی مثبت جبکہ حال واقع ہو تو اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کا گذرنا زمانہ عامل کی نسبت سے ہے نہ کہ عامل سے صدور فعل کی نسبت سے مثلاً جاءنی زید رکب میں زمانہ رکوب کی مضی زمانہ مجیئ (جو کہ اس میں عامل ہے) کی نسبت سے ہے یعنی زمانہ رکوب زمانہ مجیئ پر سابق ہے پس اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مجیئ بعد رکوب ہے اور رکوب پہلے ہو چکا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ رکوب کے ساتھ ہے پس ضروری ہوا کہ قد لایا جائے تاکہ وہ ماضی کو زمانہ حال سے قریب کر دے اور زمانہ حال زمانہ عامل سے مقارن ہو جائے۔ اب رہی یہ بات کہ ماضی منفی پر جبکہ وہ حال ہو تو اس پر قد کیوں نہیں داخل ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ منفی کے لئے صدارت کلام ضروری ہے اور دخول قد سے وہ مفقود ہو جاتی ہے نیز یہ کہ اس کی کوئی حاجت ہی نہیں اس لئے کہ جب فعل ماضی کی نفی کی جائے گی تو یہ نفی انتفاء کے وقت سے فاعل صدور فعل یا مفعول پر وقوع فعل کے وقت تک مستمر رہے گی پس زمانہ حال

دخول لفظة قَدْ المقربة زمان الماضی الی الحال لغة علی المثبت الواقع حالاً لیدل بها علی قرب زمانه الی زمان صدور الفعل من ذی الحال او وقوعه علیه تجوزاً لان المتبادر من الماضی المثبت اذا وقع حالا ان مضیه انما هو بالنسبة الی زمان العامل فلا بد من قد حتی تقربه الیه فیقارنه وهذا[۲۹۴] بخلاف

مثبت میں)) (جبکہ حال واقع ہو) ماضی منفی میں نہیں لفظ ((قد کا)) داخل ((ہونا)) جو (قد) کہ لغت کی رو سے ماضی کے زمانے کو حال کے قریب کرتا ہے (ماضی) مثبت پر (یعنی قد کا اس ماضی مثبت پر داخل ہونا ضروری ہے) جو کہ حال واقع ہو تاکہ قد کے ذریعے ماضی مثبت کے زمانے کے (فاعلیت کی صورت میں) ذوالحال سے فعل کے صادر ہونے یا (مفعولیت کی صورت میں) ذوالحال پر فعل کے واقع ہونے کے زمانے سے قریب ہونے پر مجازی طور پر دلالت کی جائے (لفظ قد کی اس قرب پر دلالت مجازی ہے اور علاقہ جزئیت کا ہے کہ لفظ قد کی یہ دلالت قد کے لغوی معنی کی جز ہے کہ وہ مطلق ہے یعنی لفظ قد اس معنی پر کبھی مجاز کے طور پر دلالت کرتا ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں کیونکہ حقیقت میں تو قد ماضی کے زمانے کو اس حال کے قریب کرتا ہے جو تکلم کے معنی میں ہے حال اصطلاحی کے نہیں اور ماضی جب حال واقع ہو تو اس پر قد کا داخل ہونا ضروری ہے) کیونکہ متبادر ماضی مثبت سے جبکہ حال واقع ہو یہ ہے کہ اس کا ماضی ہونا (اس حال میں) عامل کے زمانے کے ہی اعتبار سے ہے (مثلاً جاءنی زید قد رکب میں رکوب کے زمانے کا ماضی ہونا اس مجیئ کے زمانے کے اعتبار سے ہے جو اس میں عامل ہے یعنی رکوب کا زمانہ مجیئ کے زمانہ سے سابق ہے تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ مجیئ رکوب کے بغیر ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مجیئ رکوب کے ہی ساتھ ہے) لہذا قد کا ہونا ضروری ہے تاکہ لفظ قد ماضی مثبت کو عامل کے زمانے کے قریب کر دے اور زمانہ حال کو زمانہ عامل کے ساتھ ملا دے (تو حکماً دونوں کا زمانہ متحد ہو جائے گا یعنی مثال جاءنی زید قد رکب میں قد نے آکر رکوب کے زمانے کو مجیئ کے زمانے کے قریب کر دیا کہ ماضی اس وقت تک حال نہیں ہو سکتا جبتک کہ زمانے کے اعتبار سے عامل کے قریب اور اس کے ساتھ مقرون نہ ہو اور یہ بات قد کے دخول سے ہی حاصل ہو سکتی ہے لہذا قد کا داخل ہونا ضروری ہے

زمانہ عامل کے مقارن ہو کہ دونوں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا مثلاً جب مارکب کہا جائیگا تو عدم رکوب مستمر رہے گا اس لئے کہ نفی تمام زمانہ عدم رکوب کو مستوعب ہو جائے گی اور اس کا احاطہ کرے گی پس زمانہ حال اور زمانہ ذوالحال دونوں مقارن ہو جائینگے

پس اس پر دخول قد کی احتیاج نہیں ہوگی۔
(فائدہ) دخول قد سے ماضی کا حال کے قریب ہو جانا مجازاً اس لئے ہے کہ قد حقیقۃً میں اصل وضع کے اعتبار سے زمانہ ماضی کو زمانہ حال لغوی کے (جو کہ تکلم کا زمانہ ہے) نزدیک کرتا ہے یہ بات نہیں کہ وہ زمانہ حال

اصطلاحی کے قریب کرے جو کہ فاعل یا مفعول یا دونوں کی ہیئۃ کو بیان کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی اصل وضع کے خلاف ہے مثلاً جب جاءنی زیدٌ قد رکب کہا گیا تو لفظ قد حال پر داخل ہوا ہے تاکہ حال کے زمانہ کو زید سے صدور فعل مجیئ کے زمانہ سے قریب کر دے (زیرِ کہ عامل کی ہیئت بیان کرے) پس جب دونوں کے زمانہ میں قرب ہو جائیگا تو رکوب مجیئ کے مقارن ہو جائیں گے اور رکوب و مجیئ دونوں ایک زمانہ میں ہونگے بخلاف اس کے کہ اگر اس پر قد نہ داخل کیا جائے تو زمانہ رکوب اور زمانہ مجیئ دونوں متحد نہ ہوتے بلکہ زمانہ رکوب مقدم ہوتا اور زمانہ مجیئ مؤخر کما مر واللہ اعلم

۲۹۴ قولہ وہذا الخ اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ دخول قد کا لزوم نحاۃ بصرہ کے نزدیک ہے نحاۃ کوفہ اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک نہ قد ظاہرۃً لازم ہے اور نہ باعتبار تقدیر کے پس فعل ماضی اس کے بغیر ہی مقارنۃ زمان کا فائدہ دیگی اس لئے کہ جس طرح اسم فاعل تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے اسی طرح فعل بھی خواہ وہ ماضی مثبت ہی کیوں نہ ہو تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے اور یہی مشابہۃ فعل کی اسم فاعل کے ساتھ کافی ہے لہذا ادخال قد کی ضرورت نہیں، نیز ان کی دلیل قول باری تعالیٰ اوجاءوکم حصرت صدورہم بھی ہے کہ اس میں لفظ قد کا ذکر نہیں نیز اس کے علاوہ دیگر امثلہ بھی ہیں جو قرآن میں وارد ہوئی ہیں مثلاً ہذہ بضاعتنا ردت الینا اور وکیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً کہ ان میں ردت الینا اور وکنتم امواتا حال ہیں اور ماضی مگر کسی پر بھی قد داخل نہیں واللہ اعلم۔

مذهب الكوفيين فانهم لا يوجبون قد ظاهرة ولا مقدرة ۲۹۵ سواء كانت
ظاهرة في اللفظ نحو جاءني زيد قد ركب غلامه اَوْ مُقَدَّرَةً
منوية نحو قوله تعالى جاؤكم حصرت صدورهم اي قد حصرت و
هذا بخلاف مذهب سيبويه والمبرد فانهما لا يجوزان حذف قد
فسيبويه يؤول قوله تعالى حصرت صدورهم بقوما حصرت صدورهم
فتكون جملة حصرت صدورهم صفة موصوف محذوف وهو الحال و
المبرد يجعله جملة دعائية ۲۹۶ وانما لم يشترط ذلك في المنفي لاستمرار النفي
بلا قاطع فيشمل زمان الفعل ۲۹۷ وَيَجُوْزُ حَذْفُ الْعَامِلِ في الحال لقيام

اور یہ (دخول قد کا ضروری ہونا) کوفیوں کے مذہب کے خلاف ہے کہ وہ قد ظاہرہ کو ضروری قرار نہیں دیتے اور نہ ہی قد مقدرہ کو (بلکہ ماضی کو قد کے بغیر حال بناتے ہیں جیسے ماضی منفی کو قد کے بغیر حال بناتے ہیں جیسا کہ بصریوں کے نزدیک ہے کیونکہ فعل بذاتہ حدوث وتجدد پر دلالت کرتا ہے اگرچہ ماضی ہو لہذا فعل ماضی (جو حال واقع ہوا) کا زمانہ قد کے بغیر ہی زمانۂ عامل سے مقارن ہوگا) خواہ قد لفظ میں (ظاہر) ہو جیسے جاءنی زید قد رکب غلامہ (تنہا ضمیر کے ساتھ) (یا مقدر) درنیت (کہ مقدر درنیت بلا فرق ملفوظ کی مانند ہے) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے جاءوکم حصرت صدورہم یعنی قد حصرت صدورہم اور یہ (ماضی مثبت کا قد مقدر کے ساتھ حال واقع ہونا) سیبویہ اور مبرد کے مذہب کے خلاف ہے کہ وہ دونوں حضرات قد کے حذف کو جائز نہیں ٹھیراتے (خواہ قد مقدر درنیت ہو یا نسیا منسیا کسی کے بھی قائل نہیں ہیں) پس سیبویہ اللہ تعالیٰ کے قول حصرت صدورہم کی (حذف موصوف کے ساتھ) قوما حصرت صدورہم سے تاویل کرتے ہیں لہذا جملہ حصرت صدورہم موصوف محذوف (قوما) کی صفت ہوگا اور وہی موصوف محذوف حال ہے اور حذف موصوف پر جملہ حصرت قرینہ ہے کہ حصر صدور وصف و عرض ہے جو قائم بذاتہ نہیں اور جبکہ کسی ایسے محل کا ذکر نہیں جس سے یہ وصف و عرض قائم ہو تو معلوم ہوا کہ ما قام بہ ہذا الوصف محذوف ہے) اور مبرد (اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ) حصرت صدورہم کو جملہ دعائیہ بناتے ہیں (یعنی یہ بددعا کے لئے ہے) اور ماضی منفی میں دخول قد کی شرط کسی مانع کے بغیر (زمانۂ انتفاء سے) استمرار نفی کی وجہ سے نہیں لگائی گئی (مانع سے مراد ایجاب ہے وہو ضد النفی) پس نفی (اس) فعل کے زمانے کو شامل ہوگی (جو حال میں عامل ہے) (اور جائز ہے حذف کرنا عامل کا) (یعنی) حال میں (عمل کرنے والے کا) قرینہ

۲۹۵ قولہ سواء کانت الخ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ظاہرۃً اور مقدرۃً دونوں خبریت کان کی بنا پر منصوب ہیں مطلب یہ ہے کہ دخول قد ہیں فعل ماضی مثبت پر جبکہ وہ حال واقع ہو تعمیم ہے یعنی دخول قد خواہ لفظاً یعنی ظاہر ہو یا مقدر یعنی پوشیدہ ہو پس ظاہر کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی زیدٌ قد رکب غلامہٗ اور قد منویہ کی مثال یہ ہے جیسے قول باری تعالیٰ جاءوکم حصرت صدورہم کہ اس میں حصرت سے قبل لفظ قد محذوف ہے ای قد حصرت صدورہم مگر یہ سیبویہ اور مبرد کے مذہب کے خلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک حذف قد جائز نہیں اس لئے کہ قد حرف ہے اور حرف کا کوئی اثر نہیں ہوا کرتا جبکہ اس کو حذف کر دیا جائے پس یہ دونوں حضرات قول باری تعالیٰ جاءوکم حصرت صدورہم میں تاویل کرتے ہیں اور اس کے حال ہونے سے منکر ہیں پس سیبویہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ حصرت حال نہیں بلکہ اس کا موصوف محذوف ہے وہ حال ہے یعنی قوماً پس تقدیر عبارت یہ ہوگی جاءوکم قوما حصرت صدورہم پس جملہ فعلیہ موصوف محذوف کی صفت ہو کر حال واقع ہوگا اور مبرد یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ بددعا کے لئے ہے پس حال ہونے کی صورت میں ترجمہ آیت کا یہ ہوگا وہ لوگ تمہارے قتل کے لئے اس حال میں آئے کہ ان کے دل تنگ ہو گئے تھے اور بددعا ہونے کی صورت میں یہ ترجمہ ہے وہ لوگ تمہارے قتل کے لئے آئے (خدا کرے) اس قوم کے دل تنگ ہو جائیں واللہ اعلم ۱۲۔

۲۹۶ قولہ وانما لم یشترط الخ اس کی پوری تفصیل قولہ ولا بد ما فی الماضی الخ کے ضمن میں گذر چکی واللہ اعلم ۱۲۔

۲۹۷ قولہ ویجوز الخ یہاں حال کے عامل ذوالحال کے جواز حذف کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جبکہ کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ ایسا موجود ہو جو حذف ذوالحال پر دلالت کر سکے تو ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے قرینہ حالیہ کی مثال جیسے کوئی شخص رخت سفر باندھے

قرینة حالیة کقولك للمسافر ای الشارع فی السفر او المتهیئ له
راشدا مهدیا ای سر راشدا مهدیا بقرینة حال المخاطب وقوله مهدیا
اما صفة لراشدا او حال بعد حال او مقالیة کقولك راکبا لمن یقول کیف
جئت ای جئت راکبا بقرینة السؤال ومنه قوله تعالی ایحسب الانسان ان
لن نجمع عظامه بلی قادرین ای بلی نجمعها قادرین ویجب حذف العامل
فی بعض الاحوال المؤکدة وهی ای الحال المؤکدة مطلقا هی التی لا
تنتقل من صاحبها مادام موجودا غالبا بخلاف المنتقلة والمنتقلة قید

حالیہ کے قیام کے وقت (جیسے مسافر کے لئے تمہارا قول ہے) یعنی اس شخص کے لئے جو سفر میں شروع اور اس کے لئے آمادہ ہو رہا ہے (راشدا مہدیا) یعنی سر راشدا مہدیا (سر سار یسیر سیر اسے امر ہے اور عامل) مخاطب کے حال کے قرینے (یعنی سفر کی تیاری) کی وجہ سے (محذوف کیا گیا ہے) اور قائل کا قول مہدیا راشدا کے لئے صفت ہے یا حال کے بعد حال (مترادفہ) ہے (کہ دونوں کا ذوالحال ایک ہی ہے) یا (قرینہ) مقالیہ (کی وجہ) سے (عامل کو محذوف کیا گیا ہے) جیسا کہ تمہارا قول راکبا ہے اس شخص کے جواب میں جو (تم سے) کہے کیف جئت؟ یعنی جئت راکبا (جئت) قرینۂ سوال کی وجہ سے (محذوف ہوا) اور اسی (حذف عامل بنا بر قرینۂ سوال محقق) سے اللہ تعالیٰ کا قول ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ بلی قادرین یعنی نجمعہا قادرین (اور) (قیام قرینہ کے وقت) بعض احوال (مؤکدہ میں) (سب میں نہیں) عامل کا حذف (واجب ہے) اور وہ یعنی حال مؤکدہ مطلقاً (یعنی عام ازیں کہ اس کے عامل کا حذف واجب ہو یا جائز) وہ ہے کہ اپنے ذوالحال سے جب تک کہ ذوالحال موجود ہو غالب طور پر منتقل نہیں ہوتا (کہ وہ ذوالحال طبیعت کا جز ہوتا اور طبیعت، طبیعت والے سے منتقل نہیں ہوتی) حال منتقلہ کے برعکس (کہ وہ ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے جیسے رکوب وغیرہ ہے) اور

یا سفر شروع کر چکا ہو تو اس کو کہا جائے راشداً مہدیاً یعنی سر راشداً مہدیاً پس اس میں بقرینہ حال مخاطب ذوالحال یعنی سر محذوف ہے پھر قول مصنف مہدیاً یا تو راشداً کی صفت ہے یا حال بعد حال ہے ای سر حال کونک مہدیاً ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ راشد خود بخود راستہ جاننے والے کو کہتے ہیں اور مہدیا جس کو راستہ بتایا جائے خود نہ جانے اور قرینہ مقالیہ یہ ہے

جیسے کوئی شخص کہے کیف جئت تو تم جواباً کہو راکباً ای جئت راکباً پس راکباً میں بقرینہ سوال ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے اور اسی سے قول باری تعالیٰ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَنْ نَجْمَعَ عِظَامَہٗ بَلٰی قَادِرِیْنَ بھی ہے کہ اس میں قادرین حال واقع ہے اور اس کا ذوالحال نجمعہا بقرینہ سوال محذوف ہے ترجمہ یہ ہے کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ کسی ذات ان کی ہڈیوں کو جمع نہیں کیا جائیگا (یہ گمان ان کا صحیح نہیں) یقیناً ہم ان کی ہڈیوں کو جمع کر دیں گے درانحالیکہ ہم قادر ہیں کہ ان کی انگلیوں کو برابر کر دیں واللہ اعلم ۱۲۔

۲۹۸ قولہ ویجب الخ اور بعض احوال مؤکدہ میں ذوالحال کا حذف کرنا واجب ہے اور حال مؤکدہ اس حال کو کہتے ہیں جو اپنے ذوالحال سے جب تک کہ وہ موجود ہو غالباً جدا نہ ہو سکے اور اگر اس سے جدا بھی ہوگا تو ندرت کے طور پر ہوگا مثلاً باپ سے بیٹے کے حق میں مہربانی ہمیشہ رہتی ہے اور بہت کم شاذ و نادر ہی باپ اپنے بیٹے کے حق میں نامہربان ہوتا ہے بخلاف حال منتقلہ کے کہ وہ اپنے ذوالحال کی موجودگی میں جدا ہو سکتا ہے مثلاً ضربت زیدا قائما یہاں قائماً اپنے ذوالحال کے ہوتے ہوئے اس سے جدا ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ حالت قیام نہ ہو بلکہ حالت قعود ہو اب رہی یہ بات کہ شارح نے فی بعض الاحوال کیوں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حال مؤکدہ کے بعض احوال ایسے بھی ہیں جن میں حذف واجب نہیں پس حال مؤکدہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مضمون جملہ فعلیہ کی تاکید کے لئے آئے اور دوسری وہ جو جملہ اسمیہ کی تاکید بیان کرے پس ثانی یعنی جملہ اسمیہ کی تاکید میں حذف ذوالحال واجب ہے اور مطلقاً سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تعریف مطلقاً حال مؤکدہ کی ہے خواہ عامل کا حذف ہوا ہو یا نہ ہو پھر شارح والمنتقلۃ الخ سے حال مؤکدہ اور منتقلہ میں فرق بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ حال منتقلہ عامل کے لئے بمنزلہ قید کے ہوتا ہے اس لئے کہ اس سے اس حدث کی تقیید مقصود ہوتی ہے جو کہ ذوالحال کی طرف اسناداً یا ایقاعاً منسوب ہو اور یہی حدث حال میں عامل ہوتا ہے پس حال اس کے لئے قید ہوگا بخلاف حال مؤکدہ کے کہ وہ قید نہیں ہوتا اس لئے کہ اس سے ذوالحال

للعامل بخلاف الموكدة مِثْلُ[۲۹۹] زَيْدٌ اَبُوْكَ عَطُوْفًا فان العطوفية لاتنتقل عن الاب فی غالب الامر اَیْ اُحِقُّهُ بفتح الهمزة او ضمها من حققت الامر بمعنی تحققته وصرت منه علی یقین او من احققت الامر بهذا المعنی بعینه او بمعنی اثبتته ای تحققت ابوته لك وصرت منها علی یقین او اثبتها لك عطوفًا وقال[۳۰۰] صاحب المفتاح احق التقدیرات عندی ان یقدر یحنی عطوفا

حالِ منتقلہ عامل کے لئے قید ہوتا ہے حالِ مؤکدہ کے برعکس (جیسے زید ابوک عطوفا) کہ عطوفیت (مہربان ہونے کی وصف) غالب امر (اکثر اوقات) میں باپ سے منتقل نہیں ہوتی (اگرچہ شاذ و نادر بعض باپ غیر مہربان بھی ہوجاتے ہیں) (یعنی اُحِقُّہُ ہمزہ کی فتح (بنا براں کہ فریفر از باب ضرب یضرب کی طرح مضارع متکلم ہو) یا اس کے ضمہ کے ساتھ (ہمزہ کی فتح کے ساتھ) از حققت الامر بمعنی تحققت وصرت منہ (ای من الامر) علی یقین (یعنی میں اس بات سے یقین پر ہوگیا) یا (بر تقدیر ضمۂ ہمزہ) از اُحققتُ الامر (بنا برآں کہ باب افعال یعنی احق یحق امد یمد کی مانند ہو بعینہ اسی معنے کے ساتھ (یعنی صرت منہ علی یقین) یا اَثبتُّہ کے معنی میں ہو یعنی تَحَقَّقَتْ ابوتہ (فاعل تحققت) لک وصرت منہا علی یقین یا اثبتہا لک عطوفا اور صاحب المفتاح (علامہ ابو یعقوب یوسف السکاکی) نے کہا کہ میرے نزدیک (اس مثال میں جس قدر تقدیرات یعنی عامل مقدر کے کلمات ہیں) سب تقدیرات سے بہتر یہ ہے کہ یحنی عطوفا مقدر کیا جائے (یحنی، حنی یحنی رمی یرمی کی طرح سے

کی ہیئت خلقیہ کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جو پہلے سے اس میں موجود ہوتی ہے یہ نہیں کہ خارج سے اس میں کوئی قید اضافہ کر دی جائے پس یہ تقیید کے لئے نہیں ہوگا تاکید کے لئے ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۲۹۹ قولہ مثل زیدٌ الخ یہ حال مؤکدہ کی مثال ہے کہ جس میں عامل کا حذف وجوباً کیا گیا ہے اس لئے کہ عطوفت اور مہربانی باپ سے اکثر اوقات جدا نہیں ہوتی الا شاذ و نادر پس اس میں ذو الحال کو اس لئے حذف کرنا واجب ہوا کہ ابوۃ عطوفت و مہربانی کو مستلزم ہے لہذا عامل کو ذکر کر کے تصریح کی ضرورت نہیں پس اس میں اُحِقُّہ عامل ہے جس کو وجوباً حذف کر دیا گیا اس کو بفتح الہمزہ بھی پڑھ سکتے ہیں اس بنا پر کہ یہ باب ضرب سے مضارع متکلم ہے فریفر کے وزن پر یعنی حَقَّ یَحِقُّ اور بضم الہمزہ بھی پڑھنا درست ہے پس اس صورت میں یہ اگرچہ رہے گا تو مضارع واحد متکلم ہی مگر باب افعال سے ہوگا ای اَحَقَّ یُحِقُّ اور یہ احقاق مصدر ہوگا پھر اگر بفتح الہمزہ پڑھتے ہیں تو یہ حقیقت الامر سے ماخوذ ہوگا جو کہ تحققتہٗ کے معنی میں ہے یعنی میں نے اس کی تحقیق کر لی اور میں اس سے یقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا یعنی مجھ کو علم الیقین حاصل ہوگیا پس اس صورت میں عطوفاً ہیئت مفعول کے بیان کے لئے ہوگا اور اگر بضم الہمزہ پڑھتے ہیں تو احققتہ الامر سے ماخوذ ہوگا اور معنی بعینہ یہی ہوں گے یا اثبتہٗ کے معنی میں ہوگا یعنی میں نے تیرے لئے ابوۃ کی تحقیق کر لی اور مجھ کو علم الیقین حاصل ہوگیا یا میں نے تیرے لئے ابوۃ کا اثبات کر دیا اس حال میں کہ تیرا باپ مہربان ہے اب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ شارح نے حقیقت الامر کو بمعنی تحققتہٗ کہہ کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے کہ یہ مقام مبالغہ کا ہے پس ایسا صیغہ ذکر کرنا چاہیئے جس سے مبالغہ معلوم ہوجائے اور اُحِقُّہٗ سے نفس ثبوت تو معلوم ہو رہا ہے مگر مبالغہ کا بالکل پتہ نہیں چلتا جواب یہ ہے کہ یہ تحققتہٗ کے معنی میں ہے اور ظاہر ہے کہ تحققتہٗ مبالغہ کے لئے ہے اس لئے کہ باب تفعل کی خاصیت مبالغہ بھی ہے پھر وصرت منہ الخ کو عطف تفسیری کہہ لیجئے یا سوال مقدر کا جواب سوال یہ ہے کہ زید کی ابوۃ کا اثبات مخاطب کے لئے ولادت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ متکلم کے کہنے سے لہذا زیدٌ ابوک کہنا کس طرح درست ہوگا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ ولادت کی وجہ سے ابوۃ کا اثبات ہوگا مگر یہاں اس سے علم بالابوۃ مراد ہے اثبات ابوۃ مقصود نہیں پھر ای تحققتُ کے بعد ابوۃ لک کہنے کا منشا یہ ہے کہ تحققتُ اور اثبتہ دونوں کا تعلق ابوۃ کے ساتھ من حیث ہو اب ہے ذات اب کے اعتبار سے یہ تعلق مراد نہیں اس لئے ذاتیہ اب کے تیقن اور اثبات کے کوئی معنی ہی نہیں واللہ اعلم۔

۳۰۰ قولہ وقال صاحب الخ اس عبارت سے مصنف پر اعتراض کرتے ہوئے عطوفاً کے لئے دوسرا عامل ذو الحال بیان کرنا مقصود ہے جو وجوباً حذف کر دیا گیا صاحب مفتاح العلوم یعنی سکاکی جو عمدۃ النحاۃ ہیں کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تقدیرات میں زیادہ محقق یہ ہے کہ یحنی عامل محذوف

[۳۰۱] شَرْطُهَا ای شرط وجوب حذف عاملها اَنْ تَكُوْنَ مُقَرِّرَةً ای موكدة لِمَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ احترز به عما يوكد بعض اجزائها كالعامل فی قوله تعالٰی انا ارسلناك للنّاس رسولا فانه لايجب حذفه اِسْمِيَّةٍ احترز بها عما اذا كانت فعليةً فانه لايجب حذف عاملها كما قال صاحب الكشاف فی قوله تعالٰی قائما بالقسط انه حال موكدة من فاعل شهد ولابد[۳۰۲] ههنا من قيدٍ آخر وهو ان يكون عقد تلك الاسمية من اسمين لا يصلحان للعمل فيها والا لكان عاملها مذكورًا فكيف يكون حذفه واجبًا نحو الله

فعل مضارع ہے بمعنی مشفق و مہربان ہونا) (اور اس کی شرط) یعنی حال کے عامل کے وجوب حذف کی شرط (یہ ہے کہ حال مقررہ ہو) یعنی مؤکدہ ہو (مضمونِ جملہ کے لئے) مصنف نے اس قید سے اس حال سے احتراز کیا ہے جو (کل جملے کے مضمون کی بجائے) جملے کے بعض اجزاء کی تاکید کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا میں عامل ہے (کہ اس میں رسولا کاف ضمیر مخاطب مفعول سے حال واقع ہے اور یہ جملہ میں سے صرف ارسل کی تاکید کرتا ہے جبکہ جملہ کے اجزاء میں سے ارسال کے علاوہ مرسِل بکسر سین اور مرسَل بفتح سین اور مرسل الیہم بھی ہیں پس (اس میں) عامل کا حذف واجب (بلکہ قطعا) نہیں ہے (جو اسمیہ ہو) مصنف نے اسمیہ کی قید سے اس جملے سے احتراز کیا ہے جو فعلیہ ہو کہ اس کے حال کے عامل کا حذف واجب نہ ہوگا (بلکہ جائز ہی نہیں) جیسا کہ صاحب کشاف (علامہ زمخشری) نے اللہ تعالیٰ کے قول قائما بالقسط میں کہا کہ قائما بالقسط شہد کے فاعل (لفظ اللہ) سے حال مؤکدہ (واقع) ہے (کہ قیام بالقسط جملہ شہد سے سمجھا جاتا ہے تو قائما بالقسط سے اس کی تاکید لائی گئی ہے) اور یہاں (حال مؤکدہ کے عامل کے وجوب حذف میں) ایک اور قید کا ہونا ضروری ہے وہ یہ کہ اس جملہ اسمیہ کا ترکب دو ایسے اسموں سے ہو جو اس جملہ میں عمل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ورنہ حال مؤکدہ کا عامل (وہی اسم

نکالا جائے ای یحنی عطوفاً حنی یحنی باب ضرب سے آتا ہے اور اس کے معنی مال یمیل کے آتے ہیں یعنی زید تیرا باپ ہے مائل ہوتا ہے وہ اس حال میں کہ مہربان ہے اور اس کو احق التقدیرات کہنے کا منشا یہ ہے کہ مصنف نے جو تقدیر مراد لی ہے اس پر مذکورہ بالا اعتراض وارد ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں اقول اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے عطوفا یحنی سے حال واقع نہ ہو بلکہ اس کا مفعول لہ ہو پس اس صورت میں یہ ما نحن فیہ سے خارج ہو جائیگا اس لئے مصنف نے اس کو بیان نہیں کیا واللہ اعلم۔

ف ۳۰۱ قولہ شرطہا الخ عامل ذوالحال کے وجوب حذف کے لئے شرط یہ ہے کہ حال مضمون جملہ اسمیہ کی تقریر و تاکید کرتا ہو یعنی حال جملہ اسمیہ کے مضمون کا اثبات کرنے والا ہو پس جب مصنف نے مضمون جملہ کہا تو اس سے وہ حال خارج ہو گیا جو بعض اجزاء جملہ کی تاکید کرے جیسے قول باری تعالےٰ انا ارسلناک للناس رسولاً میں رسول صرف رسالۃ کی تاکید کر رہا ہے پورے جملہ کے مضمون کی تاکید نہیں کر رہا اس لئے کہ پورا جملہ مضمون جملہ ارسال اللہ تعالیٰ ہے اس لئے کہ کسی شخص کا رسول ہونا محض ارسال کا مقتضی ہوتا ہے ارسال اللہ تعالیٰ کا نہیں رسالۃ اجزاء جملہ میں سے بعض ہے لہذا اس میں حذف عامل واجب نہ ہوگا پھر جب اسمیۃ کی قید کا اضافہ کیا تو اس سے وہ حال خارج ہو گیا جو جملہ فعلیہ کی کے مضمون کی تاکید کرتا ہو اس لئے کہ اس صورت میں حذف عامل واجب نہیں جیسا کہ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ قول باری تعالیٰ شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولوا العلم قائمًا بالقسط میں قائما شہد کے فاعل اللہ سے حال موکدہ ہے اور ظاہر ہے کہ شہد اللہ جملہ فعلیہ ہے جس کے مضمون کی تاکید قائما کر رہا ہے اور اس میں عدم وجوب حذف عامل کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ اگر عامل کو حذف کر دیا جائے تو اس کا کوئی قائم مقام نہیں پایا جائیگا جو حذف پر دلالت کر سکے اس لئے اس کا حذف واجب نہیں واللہ اعلم۔

ف ۳۰۲ قولہ ولابد ہہنا الخ اس سے شارح کا مقصود مصنف پر اعتراض کرنا ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف کو اس جگہ ایک قید کا اور اضافہ کرنا چاہیئے تھا یعنی یہ کہ جملہ اسمیہ ایسے دو اسموں سے مرکب نہ ہو کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی حال میں عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ورنہ اگر کوئی نہ کوئی اسم بھی ایسا ہوا جس میں عمل کرنے کی صلاحیت ہوگی تو وہ مذکور ہو کر عمل کرے گا یعنی عامل مذکور ہوگا اور اس کا

شاهدٌ قائما بالقسط اَلتَّمْيِيْزُ [۳۰۳] مَا ای الاسم الذی يَرْفَعُ الْاِبْهَامَ واحترز به عن البدل فان المبدل منه فی حکم التنحية فهو ليس يرفع الابهام عن شئ بل هو ترك مبهم وايراد معين اَلْمُسْتَقَرَّ [۳۰۴] ای الثابت الراسخ فی المعنی

صالح للعمل) مذکور ہوگا تو عامل کا حذف کیسے واجب ہوگا جیسے اللہ شاہد قائما بالقسط . . . . (مصنف نے یہ قید اس لئے ترک کی ہے کہ یہ قول سابق وعاملها الفعل او شبهه او معناه سے سمجھی جاتی ہے) ((تمیز وہ ہے)) یعنی وہ اسم ہے جو ((رفع کرے ابہام کو)) مصنف نے یرفع الابہام کی قید سے بدل سے احتراز کیا کہ مبدل منہ (معنی میں درمیان سے) ازالہ کے حکم میں ہے پس بدل کسی چیز سے ابہام کو رفع نہیں کرتا (کہ اس میں ابہام بھی نہیں جسے رفع کرنے کی حاجت ہو) بلکہ بدل مبہم (یعنی مُبدل منہ) کو ترک اور معین (یعنی بدل) کو وارد کرنا ہے (کہ بدل ہی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اس لئے معین ہوتا ہے) ((ایسے ابہام کو جو مستقر ہو)) یعنی ثابت (اور) معنی موضوع لہ میں اس حیثیت سے راسخ ہو کہ وہ موضوع لہ ہے (یعنی تمیز اس ابہام کو رفع کرتی ہے جو معنی موضوع لہ میں اس حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے پایا جاتا ہے یہاں دو باتیں قابل غور

حذف واجب نہ ہوگا جیسے اللہ شاہدٌ قائمًا بالقسط میں شاہدٌ جملہ اسمیہ کا دوسرا اسم ایسا ہے کہ اس میں عمل کرنے کی صلاحیت موجود ہے اس لئے کہ یہ شبہ فعل ہے پس یہ قائمًا میں عامل ہوگا اور عامل محذوف نہیں مانا جائیگا یعنی احقہ اس لئے کہ اس صورت میں استدراک لازم آتا ہے کہ ایک عامل موجود بھی ہے اور پھر محذوف نکالا جا رہا ہے بہرحال جب شرط مذکور متحقق ہو جائے گی تو حال موکدہ کے عامل کا حذف کرنا واجب ہوگا اور یہ اس لئے کہ جملہ سابقہ عامل محذوف پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ مثلاً زیدٌ ابوک عطوفًا میں متکلم کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ زید مخاطب کا باپ ہے اور اس پر مہربانی کرنے والا ہے مخاطب کو صرف ابوۃ زید کی خبر دینا مقصود نہیں یعنی زید کے متعلق ذاتی ابوۃ کا یقین و اثبات مقصود متکلم نہیں بلکہ من حیث ہواب اس کی مہربانی کو بیان کرنا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ جملہ سابقہ احقہ پر دلالت کرتا ہے لہذا اس کو وجوبًا حذف کر دیا گیا کیونکہ اس پر دلالت کرنے والا موجود ہے واللہ اعلم۔

۳۰۳ قولہ التمیز الخ یہ منصوبات میں چھٹی قسم ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ تمیز اس اسم کو کہتے ہیں جو ذات مذکورہ یا مقدرہ سے اس ابہام کو دور کر دے جو اس کے معنی موضوع لہ میں راسخ ہو چکا ہے اس جگہ شارح نے ای الاسم الذی سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ جب اسم ہے پس اس سے اسم ہی مراد ہو سکتا ہے لہذا جو فعل ابہام کو دور کر دیگا وہ تمیز نہیں کہلا سکتا پھر الذی سے یہ ظاہر کر دیا کہ الاسم معرفہ ہے اور یرفع جملہ ہو کر نکرہ کی قوت میں ہے اور نکرہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوا کرتا لہذا اس کی صفت محذوف ہے یعنی الذی۔ اب فوائد قیود ملاحظہ فرمایئے تعریف مذکور میں قول مصنف ما جنس ہے اور تمام اسماء کو شامل ہے اور یرفع الابہام الخ فصل ہے پس جب مصنف نے یرفع الابہام کہا تو اس سے بدل خارج ہو گیا اس لئے کہ مبدل منہ ترک کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جب بدل کو ذکر کر دیا گیا تو مبدل منہ کا اب کوئی ذکر ہی نہیں رہا معنًے اس لئے کہ مثلاً جب ہم نے کہا جاءنی زیدٌ عمروٌ تو اس سے بدل یعنی عمرو مقصود ہے زید معنًی کالمعدوم ہو گیا اگرچہ لفظوں میں موجود ہے پس بدل کسی شئے سے ابہام کو دور نہیں کرتا بلکہ وہ ترک مبہم اور ایراد معین پر دلالت کرتا ہے یعنی مبدل منہ کو ترک کر دینا اور بدل کو مراد لینا واللہ اعلم۔

۳۰۴ قولہ ای الثابت الخ اس سے شارح کا مقصود ہر چند سوالات مقدرہ کا جواب دینا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ المستقر کی قید کا فائدہ بیان کرنا ہے پس سوالات یہ ہیں کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں جاریۃً اور الرجل عمرو داخل ہو جاتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل مثالوں میں واقع ہیں جیسے رأیت عینًا جاریۃً ہذا الرجل قائم اور ابو حفص عمرو۔ اس لئے کہ جاریۃً عینًا کی صفت ہے اور اس سے ابہام کو دور کر رہی ہے اور رجل ہذا کی صفت کہ ہذا سے رفع ابہام کر رہی ہے اور عمرو ابو حفص کی عطف بیان ہے کہ ابو حفص سے رفع ابہام ہے مگر اس کے باوجود ان کو کوئی بھی تمیز نہیں کہتا جواب یہ ہے کہ المستقر کے یہ معنی ہیں کہ وہ ابہام معنی موضوع لہ کا میں اس

الموضوع له من حیث انه موضوع له فان المستقر وان کان بحسب اللغة هو الثابت مطلقاً لکن المطلق منصرف الی الکامل وهو الوضعی واحترز به ٣٠٥ عن نحو رایت عیناً جاریةً فان قوله جاریةً یرفع الابهام عن قوله عیناً لکنه غیر مستقر بحسب الوضع بل نشأ فی الاستعمال باعتبار تعدد الموضوع له وکذا یقع ٣٠٦ به الاحتراز عن اوصاف المبهمات نحو هذا الرجل فان هذا مثلاً اما موضوع لمفهوم کلی بشرط استعماله فی جزئیاته او لکل جزئی

ہیں ایک یہ کہ ابہام معنی موضوع لہ میں ہوتا ہے نہ کہ لفظِ موضوع میں مثلاً عشرون میں کوئی ابہام نہیں بلکہ ابہام اس معنی میں ہے جو لفظ عشرین کا موضوع لہ ہے اور وہ معدودات ہیں کہ جب کوئی کہے عندی عشرون تو معلوم نہ ہوگا کہ معدودات کی کونسی جنس سے عشرون ہیں جب درھما کہا ابہام معنی رفع ہوگیا (قس علی ہذا) کیونکہ (اس سے مصنفِ شرح اپنے قول الثابت الخ کی علت بیان کررہے ہیں) مستقر اگرچہ لغت کے اعتبار سے ثابت ہی ہے مطلقاً (یعنی خواہ وہ معنی وضعی ہو یا استعمالی) لیکن مطلق کامل کی طرف پھرا کرتا ہے اور (ابہام) کامل (ابہام) وضعی ہے (نہ کہ ابہام استعمالی) اور مصنف (ماتن) نے اپنے قول مستقر سے رایت عینا جاریۃ اسے (ابہام غیر مستقر) سے احتراز کیا ہے (کہ عین میں وضعی طور پر کوئی ابہام نہیں بلکہ اس میں تعددِ موضوع لہ سے ابہام پیدا ہوا) تو قائل کا قول جاریۃ اس کے قول عینا سے ابہام کو اٹھا دیتا ہے لیکن یہ ابہام وضع کے اعتبار سے غیر مستقر ہے (کیونکہ اس میں وضع کے لحاظ سے نہیں) بلکہ تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے استعمال میں پیدا ہوا ہے اور اسی طرح مصنف کے قول مستقر سے مبہمات (اسمائے اشارات) کے اوصاف سے احتراز واقع ہوتا ہے (کہ اسمائے اشارات استعمال کی رو سے مبہم ہیں اور مشار الیہ ان کے ابہام کو دور کرتا ہے وضع میں مبہم نہیں کیونکہ یہ معارف سے ہیں) جیسے ہذا الرجل اور ھذہ المرأۃ) تو (لفظ) ھذا مثلا یا تو مفہوم کلی (مشار الیہ یعنی مایصلح للاشارۃ بھذا) کے لئے موضوع ہے بشرطیکہ ھذا مفہوم کلی کے جزئیات (رجل وامرءۃ وزید و بکر وغیرہم) میں استعمال ہو (جیسا کہ متقدمین وعلامہ تفتازانی کا مذہب ہے) یا (لفظ مثلا لفظ ھذا یعنی اسم اشارہ) مفہوم کلی کی ہر ایک ایک جزئی کے لئے (موضوع) ہے

حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے راسخ اور قرار پکڑ گیا ہو اور یہ معنی اس لئے ہیں کہ مستقر اگرچہ لغت کے اعتبار سے مطلق ثابت کے معنی میں ہے خواہ قید موضوع لہ کی حیثیت ملحوظ و معتبر ہو یا نہ ہو لیکن وہ

مطلق ہے اور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف ہوتا ہے یعنی مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے اور فرد کامل ابہام وضعی ہے پس وہی مراد ہوگا لہذا اس سے جاریۃ وغیرہ خارج ہوگئے واللہ اعلم۔

٣٠٥ قولہ واحترز بہ الخ اس سے جاریۃ تو اس لئے خارج ہوگیا کہ یہ عینا سے رفع ابہام کرتا ہے لیکن یہ وضع کے اعتبار سے غیر مستقر ہے اس لئے کہ اس کے استعمال میں تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے ابہام پیدا ہوا ہے یعنی اسکے متعدد معنے موضوع لہ ہیں مثلاً چشمہ، آنکھ۔ سونا (زر) وغیرہ وغیرہ پس ان میں سے ایک معنی متعین کرنے کے لئے جاریۃ کو لایا گیا واللہ اعلم۔

٣٠٦ قولہ وکذا یقع الخ اسی طرح اس سے اوصاف مبہمات بھی خارج ہوجائینگے جیسے ہذا الرجل قائمٌ میں اس لئے کہ ہذا مثلاً یا تو مفہوم کلی کے لئے وضع کیا گیا ہے بشرط استعمالہ فی الجزئیات یا مفہوم کلی کے تحت جتنی جزئیات ہیں ان میں سے ہر ہر جزئی کیلئے وضع کیا گیا ہے پس اگر اول یعنی مفہوم کلی مراد لیتے ہیں تو اس وقت ظاہر ہے کہ مفہوم کلی میں من حیث انہ مفہوم کلی کوئی ابہام نہیں اس لئے کہ اس کا مفہوم کلی واحد ہے یعنی مشارٌ الیہ اور اگر ثانی مراد لیتے ہیں تو ہر ہر جزئی کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا ہے اس لئے کہ جس کی طرف ہذا سے اشارہ کیا گیا وہ غیر مبہم ہے پس یہ ابہام تعدد موضوع لہ، یا مستعمل فیہ کے اعتبار سے پیدا ہوا ہے پس ہذا کی صفت الرجل ہذا کے اسی ابہام کو دور کرے گی نہ کہ اس ابہام کو جو موضوع لہ من حیث ہو موضوع لہ میں واقع ہے حاصل یہ ہوا کہ یہ ابہام وضعی نہیں بلکہ مستعمل فیہ یا تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے پیدا ہوا ہے اس لئے کہ جب ہم نے ہذا کا استعمال کیا تو اس میں ابہام پیدا ہوگیا کہ ہذا سے کیا مراد ہے پس جب الرجل کہہ دیا گیا تو اس کا ابہام دور ہوگیا لہذا یہ تمیز سے خارج ہے۔

(فائدہ) لفظ ہذا میں اختلاف ہے کہ

جزئي منه ولا ابهام في هذا المفهوم الكلي ولا في واحد من جزئياته
بل الابهام انما نشأ من تعدد الموضوع له او المستعمل فيه فتوصيفه بالرجل
يرفع هذا الابهام لا الابهام الواقع في الموضوع له من حيث انه موضوع
له وكذا ۳۰۷ يقع به الاحتراز عن عطف البيان في مثل قولك ابو حفص عمر
فان كل واحد من ابي حفص وعمر موضوع لشخص معين لا ابهام فيه
لكن لما كان عمر اشهر زال بذكره الخفاء الواقع في ابي حفص لعدم الاشتهار
لا الابهام الوضعي عن ذات ۳۰۸ لا عن وصف واحترز به عن النعت والحال

(جیسا کہ جمہور متاخرین کا مذہب ہے) اور اس مفہوم کلی (اس حیثیت سے کہ وہ مفہوم کلی ہے یعنی من حیث ہو ہو کہ وہ واحد ہے اور وہ مشار الیہ ہے جیسا کہ انسان نوع واحد ہے اور کچھ نہیں) میں کوئی ابہام نہیں اور نہ ہی اس مفہوم کلی کے جزئیات میں سے ایک ایک جزئی میں ابہام ہے بلکہ (بنا بر مذہب جمہور متاخرین) ابہام تعدد موضوع لہ یا (بنا بر مذہب متقدمین وعلامہ تفتازانی تعدد) مستعمل فیہ سے ہی ابہام پیدا ہوا۔ پس اسم اشارہ کی ہذا سے توصیف (اس) ابہام کو رفع کر دیتی ہے (جو تعدد موضوع لہ یا مستعمل فیہ سے حاصل ہوا) اس ابہام کو نہیں جو موضوع لہ میں اس کے موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے واقع ہوا کرتا ہے (کیونکہ اس میں ایسا کوئی ابہام نہیں ہے کہ اس کے رفع کی حاجت ہو) اور اسی طرح ماتن کے قول مستقر سے تمہارے قول ابو حفص عمر کے مثل میں (پائے جانے والے) عطف بیان سے احتراز واقع ہو جاتا ہے کیونکہ ابو حفص اور عمر میں سے ہر ایک شخص معین کے لئے موضوع ہے اس میں کوئی ابہام نہیں لیکن جبکہ عمر (اسم گرامی سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آپ کی کنیت ابو حفص ہے) زیادہ مشہور تھا تو آپ کے اسم گرامی کے ذکر سے وہ خفاء دور ہو گیا جو ابو حفص میں عدم شہرت کی وجہ سے واقع ہے نہ کہ ابہام وضعی (کہ اس میں ابہام ہے ہی نہیں نہ وضعاً نہ استعمالاً اور تمیز رفع کرتی ہے ابہام کو (ذات سے) وصف سے نہیں (رفع کرتی) اور مصنف

یہ مفہوم کلی کے لئے وضع کیا گیا ہے یا مفہوم کلی کی ہر ہر جزئی کے لئے۔ پس جن لوگوں نے اس بات کا خیال کیا کہ ہر چیز میں اصل یہ ہے کہ اس کا موضوع لہ منضبط اور منحصر ہو تو انہوں نے کہہ دیا کہ اس کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے لیکن چونکہ مفہوم کلی میں اس کا استعمال پایا نہیں جاتا لہٰذا انھوں نے بشرط استعمالہ فی الجزئیات کا اور اضافہ کر دیا یعنی اس کی وضع ہے تو مفہوم کلی ہی کے لئے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کا استعمال جزئیات میں ہو اور جنھوں نے یہ دیکھا کہ اس کا استعمال جزئیات کے علاوہ اور کسی طرح ہوتا ہی نہیں تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اس کی وضع مفہوم کلی کی ہر ہر جزئی کے لئے ہے اس لئے کہ مقصود افراد ہے نہ کہ غیر۔ پھر رہی یہ بات کہ اس کا مفہوم کلی کیا اور مفہوم کلی کی جزئیات کیا ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا مفہوم کلی مشار الیہ ہوگا یعنی جس میں اس کی طرف ہذا سے اشارہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔

(نوٹ) اس کی مفصل بحث دیباچہ میں فہذہ فوائد وافیہ کے ذیل میں گذر چکی وہاں دیکھ لینا چاہئے واللہ اعلم۔

۳۰۷ قولہ وکذا یقع الخ علی ہذا القیاس اس سے عطف بیان بھی خارج ہو جائے گا جیسا کہ ابو حفص عمر رض میں عمر ابو حفص کا عطف بیان ہے پس یہ اس لئے خارج ہو جائے گا کہ ابو حفص اور عمر شخص معین ہی کے نام ہیں اور شخص معین میں کوئی ابہام نہیں لیکن چونکہ ابو حفص کی بہ نسبت عمر زیادہ مشہور ہے اسلئے اس کے ذکر سے وہ خفاء دور ہو جائے گا جو کہ ابو حفص کی عدم شہرت کے باعث ابو حفص میں پیدا ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ابہام وضعی نہیں۔ پس عمر عطف بیان ہے نہ کہ تمیز اس لئے کہ تمیز کے لئے ممیز میں ابہام وضعی ہونا چاہئے اور یہ ابہام وضعی نہیں لہٰذا یہ تعریف تمیز سے خارج ہے واللہ اعلم۔

۳۰۸ قولہ لا عن وصف الخ یعنی قول مصنف عن ذات بھی قید احترازی ہے جس سے ایسے ابہام کو خارج کرنا مقصود ہے جو وصف مستقر میں ہوتا ہے پس اس قید سے نعت اور حال خارج ہو جائیں گے اس لئے کہ یہ دونوں ایسے ابہام مستقر کو دور کرتے ہیں جو کہ وصف میں ہوتا ہے ابہام ذات کو دور نہیں کرتے اس لئے کہ مثلاً جب جاءنی رجل کہا گیا تو رجل میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے اس کی صفت عالم لائی جائے یا جاہل۔ پس اس کے وصف میں ابہام پیدا ہو گیا پس جب جاءنی رجل عالم کہا گیا تو موصوف میں جو ابہام پیدا ہو گیا تھا وہ زائل ہو گیا۔

فانهما یرفعان الابهام المستقر الواقع فی الوصف لا فی الذات وتحقیق[۳۰۹] ذلك ان الواضع لما وضع الرطل مثلا لنصف من فلا شك ان الموضوع له معنی معین متمیز عما هو اقل من النصف کالربع وعما هو اکثر منه کمن ومنین ولا ابهام فیه الا من حیث ذاته ای جنسه فانه لا یعلم منه بحسب الوضع انه من جنس العسل او الخل او غیرهما والا من حیث وصفه فانه لا یعلم منه بحسب الوضع انه بغدادی او مکی فاذا ارید رفع الابهام الوصفی الثابت فیه بحسب الوضع اتبع بصفة او حال فیقال رطل بغدادی واذا ارید رفع الابهام الذاتی قیل زیتا فزیتا یرفع الابهام المستقر عن الذات لا النعت والحال فانهما یرفعان الابهام عن الوصف مذکورة[۳۱۰]

نے اس قید سے نعت اور حال سے احتراز کیا ہے کہ یہ دونوں اس ابہام مستقر کو رفع کرتے ہیں جو وصف میں واقع ہوتا ہے نہ کہ ذات میں اور اس (بات) کی تحقیق (کہ تمیز وہی ہے جو اس ابہام مستقر کو رفع کرے جو ذات میں واقع ہے اور جو اس ابہام کو دور کرے جو وصف میں ہے وہ تمیز نہیں کہلاتی) یہ ہے کہ (الفاظ کے) واضع نے جب رطل (راء کی فتح وکسر کے ساتھ) کو مثلاً نصف من کے لیے وضع کیا (من دو سو ساٹھ درہم وزن کا ہوتا ہے اور رطل ایک سو تیس درہم وزن کا) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ (رطل کا معنی) جس کیلئے رطل وضع کیا گیا معنی معین ہے (اور) ربع ایسے (معنے سے جو کہ) نصف (من) سے اقل ہے اور من ودو من ایسے (معنے سے جو کہ رطل سے) اکثر ہے سے متمیز ہے اور (معنی رطل میں کوئی ابہام نہیں (کیونکہ رطل نصف من کو کہتے ہیں) مگر (اس میں) من حیث ذاتہ یعنی (من حیث) جنسہ (ابہام پایا جاتا ہے) (یعنی موضوع لہ کہ موزون ہے میں کوئی ابہام نہیں مگر اس کی جنس میں ابہام ہے) کیونکہ صورت حال یہ ہے کہ اس سے وضع کے اعتبار سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ رطل بغدادی ہے یا مکی ہے (گویا اس میں دو ابہام ہیں ایک من حیث ذاتہ وجنسہ اور دوسرا من حیث وصفہ لہذا مراد کو بیان کرنا ضروری ہے) پس جب ابہام وصفی جو اس میں وضع کے اعتبار سے ثابت ہے کے رفع کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو رطل کے بعد صفت یا حال لایا جائے گا پس کہا جائے گا (الفلان) رطل بغدادی (صفت کی صورت میں اور رطل بغداد یا حال کی صورت میں) اور جب ابہام ذاتی (وجنسی) کے رفع کا ارادہ کیا جائے گا تو کہا جائے گا (الفلان رطل) زیتا پس زیتا ذات سے ابہام مستقر کو رفع کرتا ہے نعت اور حال (ذات سے رفع) نہیں کرتے پس نعت اور حال وصف سے ابہام کو دور کرتے ہیں (تمیز ابہام کو رفع کرتی ہے ذات) (مذکورہ سے یا مقدرہ سے) مذکورۃ

علی ہذا القیاس حال بھی ذو الحال کیلئے بمنزلہ صفت کے ہے لہذا یہ دونوں تمیز سے خارج ہیں واللہ اعلم

۳۰۹ قولہ وتحقیق ذلک الخ یہاں سے شارح اس بات کی تحقیق بیان کر رہے ہیں کہ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے اور نعت وحال ابہام عن الوصف کو رفع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ واضع نے جبکہ رطل کو مثلاً نصف سیر کے لئے وضع کیا تو اسمیں کوئی شک نہیں کہ موضوع لہ معنے معین ہیں اور نصف سیر سے کم سے متمیز مثلاً ربع سیر سے متمیز ہیں اس لئے کہ نصف سیر کی تخصیص ہے اور یہ معنے موضوع لہ نصف سیر سے زائد سے بھی متمیز ہیں مثلاً سیر دو سیر سے پس رطل کے معنی میں کوئی ابہام نہیں مگر یہ کہ اس کی ذات یعنی اس کی جنس کہ جس کو اس کے ساتھ تولا جاتا ہے اس کے اعتبار سے ابہام ہے پس مطلقاً رطل کہنے سے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ یہ رطل شہد کی جنس سے ہے یا سرکہ کی یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور جنس سے پس یہ ابہام ذاتی ہوا کہ اس کی ذات کی جنس کیا ہے نیز اس میں وصفیت کی حیثیت سے بھی ابہام ہے کہ اس کی وصفیت کیا ہے پس یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ رطل بغدادی ہے یا مکی۔ پس جب اس میں ابہام وصفی کا ارادہ کیا جائیگا جو کہ باعتبار وضع کے اس میں ثابت ہے تو اس کے بعد یا تو صفت کو ذکر کیا جائیگا یا حال کو پس صفت میں تو عندی رطلٌ بغدادیٌ یا مکیٌ کہا جائیگا اور حال میں عندی رطلاً بغدادیاً یا مکیاً اور جب ابہام ذاتی کا رفع کرنا مقصود ہوگا تو عندی رطلٌ زیتاً کہیں گے پس زیتاً اس ابہام کو دور کردے گا جو کہ ذات رطل میں مستقر ہے نعت اور حال اس ابہام کو دور نہیں کریں گے اس لئے کہ یہ دونوں وصف سے رفع ابہام کرتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۳۱۰ قولہ مذکورۃ الخ مذکورۃ او مقدرۃ دونوں عن ذات میں ذات کی صفت ہیں اور اس

اَوْمُقَدَّرَةٍ صفتان للذات اشارة الی تقسیم التمییز فالمذکورة نحو رطل زیتًا و
المقدرة نحو طاب زید نفسا فانه فی قوة قولنا طاب شیٌ منسوبٌ الی زیدٍ
ونفسًا یرفع الابهام عن ذلک الشیٔ المقدر فیه فَالْاَوَّلُ ای القسم الاول من
التمییز وهو ما یرفع الابهام عن ذات مذکورة یرفعه عَنْ مُفْرَدٍ یعنی به
ما یقابل الجملة وشبهها والمضاف مِقْدَارٍ صفة لمفرد وهو ما یقدر به الشیٔ
ای یعرف به قدره ویبین غَالِبًا ای فی غالب المواد واکثرها ای رفع الابهام

اور مقدرۃ دونوں ذات کی صفتیں ہیں (یہ) تمیز کی تقسیم کی طرف اشارہ ہے پس مذکورہ (کی مثال) جیسے رطل زیتا اور مقدرہ (کی مثال جیسے) طاب زید نفسا کیونکہ طاب زید نفسا ہمارے قول طاب شئ منسوب الی زید نفسا کی قوت میں ہے (اور وہ شئ معلوم نہیں ہے) اور نفسا (تمیز ہے جو) ابہام کو اس شئ سے رفع کرتی ہے جو طاب زید میں مقدر ہے (اور طاب زید میں جو شئ مقدر ہے وہ وہی جس کی تمیز کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے کیونکہ زید کی طرف طیب کی نسبت کا معلوم نہیں کہ نفس کی جہت سے ہے یا علم وغیرہما کی جہت سے پس جب نفسا کہا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ نسبت نفس کی جہت سے ہے) (پس اول) یعنی تمیز سے قسم اول جو کہ ابہام کو ذات مذکورہ سے رفع کرتی ہے ابہام کو رفع کرتی ہے (ا) ایسے مفرد سے کہ ... مراد وہ ہے جو جملہ وشبہ جملہ (کہ جس میں فعل وفاعل کا معنی پایا جائے جیسے اسم فاعل واسم تفضیل وصفت مشبہ یا فعل ونائب فاعل کا معنی پایا جائے جیسے اسم مفعول یا اس میں فعل کا معنی پایا جائے جیسے حسبک زید رجلا) اور مضاف (کہ جس میں نسبت اضافت ملحوظ ومعتبر ہو بخلاف علی التمرة مثلہا زبدا لانہ وان کان مضافا الی الضمیر لکنہ مفرد لان المثل نفسہ مراد ونسبت اضافت معتبر نہیں) کے مقابلہ میں ہو (ا جو مقدار ہو) یہ مفرد کی صفت ہے اور مقدار وہ ہے کہ جس کے ساتھ ایک شئ کا اندازہ کیا جائے یعنی اس سے شئ کا اندازہ ومعیار پہچانا اور بیان کیا جا سکے (اور مقدار کی پانچ قسمیں ہیں عدد وکیل ووزن وذراع اور مقیاس) (غالبًا) یعنی غالب اور اکثر مثالوں میں

سے مصنف کا مقصود تمیز کی تقسیم کرنا ہے یعنی تمیز کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ ذات مذکورہ سے ابہام مستقر کو دور کرے جیسے رطل زیتا اور دوسری یہ کہ ذات مقدرہ سے ابہام مستقر کو دور کرے جیسے طاب زید نفسا کہ یہ قول طاب شئ منسوب الی زید کی قوت میں ہے اور وہ شئے غیر معلوم ہے پس نفسا نے اس شئے سے رفع ابہام کر دیا جو طاب زید میں مقدر ہے واللہ اعلم۔

۱۱۳ قولہ فالاول الخ اس کی تفسیر ای القسم الاول کے ساتھ کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الاول موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی تمیز کی قسم اول جو کہ ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ اکثر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اس جگہ یرفعہ کے ذکر سے شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عن مفرد الخ کا متعلق یرفعہ ہے اور پھر یہ جملہ فعلیہ ہو کر الاول مبتدا کی خبر ہے پھر یعنی بہ الخ سے یہ بتایا ہے کہ مفرد سے مراد جملہ اور شبہ جملہ اور مضاف کا مقابل ہے یعنی جملہ شبہ جملہ اور وہ مضاف نہ ہو کہ جس میں نسبت اضافی ملحوظ ہو جیسے غلام زید میں اس لئے کہ یہ جملہ کی قسم ثانی میں داخل ہوگا یعنی شبہ جملہ ہوگا تثنیہ یا جمع یا وہ مضاف ہو کہ جو مضاف الیہ کے ساتھ اس شرط کے ساتھ تمام ہو کہ مضاف میں ابہام پایا جائے لہذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہو سکتا کہ عشرون درہما میں درہما جمع سے ابہام کو دور کر رہا ہے اور مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جائے جیسے عدد۔کیل۔وزن۔گز وغیرہ اور غالباً کے بعد ای غالب المواد الخ کہنا اس امر کی طرف مشیر ہے کہ قولہ غالباً ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے واللہ اعلم۔

۱۱۴ قولہ ای رفع الابہام الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ قولہ عن مفرد خبر ہے اور مبتدا وخبر میں اصل یہ ہے کہ خبر کا مفہوم مبتدا کے مفہوم سے مغایر ہونا چاہئے اور یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ الاول سے بھی رفع ابہام عن مفرد مقدار مراد ہے اور عن مفرد مقدار سے بھی پس دونوں میں مغایرت نہیں ہوتی جواب یہ ہے کہ الاول سے مراد رفع ابہام مطلقاً ہے خواہ وہ مفرد مقدار سے ہو یا نہ ہو اور عن مفرد مقدار غالباً سے رفع ابہام خصوصی ہے یعنی مفرد مقدار سے رفع ابہام ہو پس دونوں میں تعمیم وتخصیص کے اعتبار سے مغایرت ہو گئی اسی کو شارح ای رفع الابہام مطلقاً سے بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ذات مذکورہ سے رفع الابہام مطلقاً مراد ہے جو کہ اس رفع خاص غالباً یعنی فی اکثر المواد کے ضمن میں متحقق ہے اور یہ غالباً اس لئے ہے کہ مفرد مقدار

مطلقاً یتحقق فی ضمن هذا الرفع الخاص فی اکثر المواد وذلک لان الابهام فیه اکثر والمقدار اِمّا متحقق فی ضمن عدد نحو عشرون درهماً وسیأتی ذکر تمیز العدد وبیانه فی باب اسماء العدد واِمّا فی ضمن غیره ای غیر العدد کالوزن نحو رطل زیتاً فان الرطل نصف منّ ونحو منوان سمناً و کالکیل نحو قفیزان برّاً وکالذراع نحو ذراع ثوباً و کالمقیاس وعلی التمرة مثلها زبداً والمراد بالمقادیر فی هذه الصور هو المقدرات لان قولک عندی عشرون درهماً ورطل زیتاً وقفیزان برّاً وذراع ثوباً

یعنی رفع ابہام مطلقا (بلا تقییدہ بکونہ فی المفرد المقدار او فی الجملہ او غیرہما) اکثر مثالوں میں اس رفع خاص (رفع ابہام از مفرد مقدار) کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ مفرد مقدار میں ابہام اکثر ہے اور مقدار ((یا)) متحقق ہوتی ہے ((عدد)) کے ضمن ((میں جیسے عشرون درهما اور)) تمیز عدد کا ذکر و بیان اسمائے عدد کے باب میں ((عنقریب آئے گا اور یا اس کے غیر)) کے ضمن ((میں)) یعنی عدد کے غیر (کے ضمن میں) جیسے وزن ((جیسے رطل زیتا)) تو رطل نصف من ہے ((اور)) جیسے ((منوان سمنا)) اور (عدد کے غیر) کیل کی مانند جیسے قفیزان برا اور ذراع کی مانند جیسے ذراع ثوبا ((اور)) مقیاس کی مانند جیسے ((علی التمرۃ مثلہا زبدا)) اور (رہا یہ سوال کہ ان اشیاء مذکورہ میں تو کوئی ابہام نہیں کہ عشرین مثلا عدد معین پر دلالت کرتا ہے جس میں کوئی ابہام نہیں اسی طرح دوسروں میں بھی ابہام نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ) ان سب صورتوں میں مقادیر سے مراد مقدرات ہیں (یعنی اکثر میں اور یا مقیس ہے سب کو مقدرات کہنا از قبیل الاکثر حکم الکل ہے نہ کہ مقادیر) کیونکہ تمہارا قول عندی عشرون درهما و رطل زیتا و قفیزان برا و ذراع

ہیں ابہام اکثر ہوتا ہے بہ نسبت غیر مفرد مقدار کے اس لئے کہ مقدار اکثر تنوین۔ نون تثنیہ۔ نون جمع اور اضافت کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کا استعمال ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو اس میں اکثر ابہام ہوتا ہے اس لئے کہ تنوین تنکیر کے لئے آتی ہے نون تثنیہ و جمع تنوین کے عوض میں آتے ہیں پس جو حکم مفعول معہٗ کا ہوگا وہی مبدل کا بھی ہوگا اور غیر مضاف بھی اس جگہ تنکیر کے لئے ہوتا ہے اور تنکیر میں تعیین و تخصیص نہیں ہوتی پس معلوم ہو گیا کہ ہیں میں اکثر ابہام ہی ہوتا ہے واللہ اعلم۔

۳۱۳ قولہ والمقدار الخ اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مقدار کے متحقق ہونے کی کیا صورت ہوگی کہتے ہیں کہ مقدار یا تو عدد کے ضمن میں متحقق ہوگی جیسے عشرون درہما اس لئے کہ عشرون عدد مبہم ہے کیونکہ اس کا مصداق معلوم نہیں کہ کونسی شئ ہے آیا درہم ہے یا دینار یا کچھ اور پس جب درہما کہا تو تمام احتمالات سے امتیاز حاصل ہو گیا یعنی وہ مقدار درہم کی ہے اور اس کا ذکر عنقریب اسماء عدد کے باب میں آئیگا انشاء اللہ اور یا وہ مفرد مقدار غیر عدد کے ضمن میں متحقق ہوگی مثلاً وزن میں جیسے رطلٌ زیتا کہ اس میں مفرد مقدار رطل کے ضمن میں متحقق ہے اس لئے کہ رطل نصف سیر کو کہتے ہیں پس یہ نصف سیر کی مقدار غیر عدد سے معلوم ہوئی ایک رطل کا وزن ایک سو تیس درہم کے برابر ہوتا ہے اور من سیر کو کہتے ہیں جو دو سو ساٹھ درہم کے برابر ہوتا ہے وزن کی دوسری مثال جیسے منوان سمناً (دو سیر گھی) اور کیل کی مثال جیسے قفیزان برّاً (دو بوری گیہوں) اور ذراع (گز) کی مثال جیسے ذراع ثوباً اور مقیاس کی مثال جیسے علی التمرۃ مثلہا زبداً ہیں کہ ان تمام امثلہ میں مفرد مقدار غیر عدد سے معلوم ہو رہی ہے واللہ اعلم۔

۳۱۴ قولہ والمراد الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مثلا عشرون اور منوان عدد معین کے لئے وضع کئے گئے ہیں بیس سے کم یا زائد پہ عشرون کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا اور دو سیر سے کم یا زائد کو منوان نہیں کہہ سکتے پس ان میں ابہام وضعی نہیں پایا گیا لہذا یہ تمیز میں کیونکر داخل ہو سکتے ہیں جواب یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں مقادیر سے مراد مقدرات ہیں یعنی جو مقادیر کا مصداق بن سکیں پس عندی عشرون درہما میں عشرون عدد سے معدود مراد ہے جو کہ عدد کا مصداق ہے اور رطل زیتاً۔ قفیزان برّاً۔ ذراعٌ ثوباً اور علی التمرۃ مثلہا زبداً میں علی طریق اللف والنشر مرتب موزون۔ مکیل۔ مذروع اور مقیس نہ کہ غیر پس ان سے مراد مذکورہ مقدرات ہوں گے تو لامحالہ ان میں ابہام پایا جائیگا اس لئے کہ مثلاً معدود سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ وہ کس جنس سے ہے اس لئے کہ وہ تمام معدودات کو شامل ہوگا پس جب درہما کہا گیا تو معلوم ہو گیا کہ معدود از قسم دراہم ہے واللہ اعلم۔

وعلی التمرۃ مثلها زبدًا المراد بها المعدود والموزون والمکیل والمذروع والمقیس لاغیر وانما[۳۱۵] اقتصر المص علی الامثلة الثلثة لانه کان مطمح نظرہ التنبیہ علی بیان مایتم به المفرد وھو التنوین کما فی رطل زیتًا اوالنون کما فی منوان سمنا والاضافة کما فی علی التمرۃ مثلها زبدا ولهذا لم یستوف اقسام المقادیر وکرر بعضها ومعنی[۳۱۶] تمام الاسم ان یکون علی حالة لایمکن اضافته معها والاسم مستحیل الاضافة مع التنوین.

ثو با وعلی التمرۃ مثلها زبدا ان سب سے مراد معدود (عدد میں) وموزون (وزن میں) و مکیل (کیل میں) ومذروع (ذراع میں) اور مقیس ہے (مقیاس میں) کوئی اور نہیں اور مصنف نے تین مثالوں (کے وارد کرنے) پر اکتفاء اس لیے کیا (اور پانچوں کی مثالیں نہ لائے) کہ مصنف کا مطمح نظر (یعنی اس کا مقصود) اس چیز کے بیان پر تنبیہ کرنا تھا جس کے ساتھ مفرد (مقابل جملہ وشبہ جملہ ومضاف معتبر دران نسبت اضافت) تام ہوتا ہے (جو کہ تمیز کو نصب دیتا ہے) اور مایتم بہ المفرد (تین ہیں اول) تنوین جیسے رطل زیتا میں یا (دوسرا) نون (تثنیہ) جیسے منوان سمنا یا (تیسرا) اضافت (کہ دراں نسبت اضافت معتبر نباشد) کما مر) جیسے علی التمرۃ مثلها زبدا اور اسی مطمح نظر کی وجہ سے مصنف نے مقادیر کے تمام اقسام کو پورے طور پر بیان نہیں کیا (کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ مثالیں بیان نہیں کیں اور مقادیر کی قسمیں جیسا کہ گذرا عدد کے سوا چار اور اس کے ہمراہ پانچ ہیں اور اسی مطمح نظر کی وجہ مساحت کی مثال جیسے مافی السماء قدر راحة سحابا کو بھی چھوڑ دیا ہے اور اسی مطمح نظر کی وجہ سے) بعض اقسام مقادیر (یعنی الوزن) کو مکرر لائے اور اسم کے تمام ہونے کا معنی اسم کا ایسی حالت پر ہونا ہے کہ اس حالت کے ہمراہ اسم کی اضافت ممکن نہ ہو اور اسم (تمام چار چیزوں میں سے ہر ایک کے ساتھ) مستحیل الاضافة ہے (ایک تو) تنوین کے ساتھ (دوسری تیسری) تثنیہ

۳۱۵ قوله وانما اقتصر الخ اس سے بھی رفع دخل مقدر مقصود ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ توضیح ممثل کے لئے ایک مثال کافی ہے متعدد امثلہ کے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ مصنف نے تین مثالوں کے بیان پر اس وجہ سے اقتصار کیا کہ اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ مفرد تمام ہوتا ہے اس کے بیان پر تنبیہ کر دیں یعنی تمیز کا عامل اسم تام ہوتا ہے پس مصنف نے مناسب سمجھا کہ مثالوں کے ذریعہ اسم تام کی تمام امثلہ ذکر کر دیں چنانچہ اسم یا تنوین سے تام ہوتا ہے جیسے رطلٌ زیتًا میں یا نون سے خواہ وہ تثنیہ کا ہو جیسے منوان سمنًا میں یا جمع کا جیسے عشرون درہمًا میں اور یا اضافت سے تام ہوتا ہے جیسے علی التمرۃ مثلها زبدًا کہ اس میں مثل مضاف مبہم ہے اور اس کے ابہام کو زبدًا دور کر رہا ہے پس چونکہ مصنف کو اتمام اسم پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اس لئے شارح نے صرف وہی امثلہ بیان کر دیں کہ جن سے اتمام اسم کی علامت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے یعنی تنوین۔ نون اور اضافت کی طرف اور مصنف کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام مقدرات کی مثالیں علیحدہ علیحدہ ذکر کرے اس لئے تمام مقادیر کی امثلہ کا احاطہ نہیں کیا بلکہ صرف تین مثالیں بیان کر دیں اور ان کو بھی مقادیر کے لحاظ سے بیان نہیں کیا بلکہ ایک ہی مقدار کے لئے دو امثلہ ذکر کر دیں پس اس سے غرض یہی ہے کہ تمام اسم پر تنبیہ ہو جائے پس جو امثلہ مذکور ہیں ان سے اسی امر کی طرف اشارہ ہے مثلاً رطل تنوین کی مثال ہے اور منوان نون کی حالانکہ دونوں مثالیں وزن سے تعلق رکھتی ہیں واللہ اعلم۔

۳۱۶ قوله ومعنی تمام الخ اور اسم کے تام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم ایسی حالت پر ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کی اضافت کسی دوسرے اسم کی طرف ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جب اسم پر تنوین یا نون تثنیہ وجمع ہو یا اس میں اضافت ہو تو اسم کی اضافت دوسرے اسم کی طرف ممکن نہیں ہوتی اس لئے کہ اگر اضافت ہو گی تو اسم پر تنوین نہیں آسکتی علی ہذا القیاس نون کبھی بوقت اضافت حذف کرنا ضروری ہوتا ہے ایسے ہی جب ایک اسم پہلے سے مضاف ہوگا تو اب اس کی اضافت دوبارہ نہیں ہو سکتی، پس جب اسم تنوین وغیرہ کے ساتھ تام ہوگا تو اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ہو جائے گی، پس جس طرح فعل اپنے فاعل کے ساتھ تمام ہوتا ہے اسی طرح یہ اسم بھی اشیاء مذکورہ میں سے کسی ایک کے ذریعہ تام ہوتا ہے، پس اسم تام کے بعد جو تمیز آئیگی وہ مفعول کے بعد مشابہ ہو گی کیونکہ یہ تام اسم کے بعد واقع ہوتی ہے جیسا کہ مفعول کا حق یہ ہے کہ وہ کلام کے تام ہونے کے بعد آیا کرتا ہے پس جس طرح فعل وفاعل کے بعد اسم منصوب ہوتا ہے اسی طرح تمیز بھی منصوب ہو گی

وفی التثنیة والجمع ومع الاضافة لان المضاف لا یضاف ثانیا فاذا تم الاسم بهذه الاشیاء شابه الفعل اذا تم بالفاعل وصار به کلاما تاما فینتصب التمییز الآتی بعده المفعول لوقوعه بعد تمام الاسم کما ان المفعول حقه ان یقع بعد تمام الکلام فینصبه ذلک الاسم التام قبله لمشابهة الفعل التام بفاعله وهذه الاشیاء انما قامت مقام الفاعل لکونها فی آخر الاسم کما کان الفاعل عقیب الفعل الاتری[317] ان لام التعریف الداخلة علی اول الاسم وان کان یتم بها الاسم فلا یضاف معها لا ینتصب التمییز عنه فلا یقال

وجمع کے دونوں اور (چوتھی) اضافت کے ہمراہ کیونکہ مضاف کو دوبارہ مضاف نہیں کیا جاتا (کہ اضافت سے غرض تعریف یا تخصیص یا تخفیف ہے تو ایک بار اضافت سے غرض حاصل ہو گئی لہذا دوبارہ اضافت سے یا تحصیل حاصل یا الغاء اضافت اولی لازم آئے گا وکلاهما باطلان) پس اسم (مفرد مقدار) جب ان اشیاء سے تام ہو گیا تو وہ فعل کے مشابہ ہو گیا جبکہ فعل فاعل کے ساتھ تام ہو جائے اور فعل فاعل کے ساتھ کلام تام ہو جاتا ہے پس اسم تام کے بعد آنیوالی تمیز اسم کے تمام ہونے کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مفعول سے مشابہ ہو جاتی ہے جیسا کہ مفعول کا حق یہ ہے کہ وہ کلام کے تام ہونے کے بعد واقع ہو (اگرچہ لفظوں میں مقدم ہو) پس وہ اسم تام جو تمیز سے پہلے ہے اس فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے جو اپنے فاعل کے ساتھ تام ہوتا ہے تمیز کو نصب دیتا ہے اور یہ چیزیں (یعنی تنوین اور تثنیہ و جمع کے دونوں اور اضافت) فاعل کے قائم مقام اس لئے ہیں اسم تام کے آخر میں ہیں جس طرح کہ فاعل فعل کے آخر میں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ لام تعریف جو اسم کے اول پر داخل ہوتا ہے اگرچہ اسم اس کے ساتھ تمام ہو جاتا ہے پس اسم اس (لام تعریف) کے ہمراہ مضاف نہیں ہوتا (تاہم) اس اسم تام (بلام تعریف) سے تمیز منصوب نہیں ہوتی (کیونکہ مشابہت مذکورہ مفقود ہے (یہ اس وقت ہے جب ما یتم بہ المفرد لام سے زائل ہو جائے جیسے تنوین و اضافت کہ یہ لام تعریف کے ساتھ جمع نہیں ہوتے لیکن جب ما یتم بہ المفرد لام تعریف سے زائل نہ ہو جیسے نون تثنیہ و جمع تو لام تعریف کے باوجود تمیز منصوب ہو جائے گا کہ مشابہت مذکورہ موجود ہے کما تقول عندی المنوان سمنا)

اور وہ اسم تام جو تمیز سے پہلے ہے اس کو نصب دے گا کیونکہ اسم تام فعل کے مشابہ ہے جو کہ فاعل کے ساتھ تام ہوتا ہے اب رہی یہ بات کہ یہ اشیاء فاعل کے قائم مقام کیسے ہیں؟ تو اس کا جواب وہذہ الاشیاء الخ سے شارح بیان کر رہے ہیں کہ یہ اشیاء فاعل کے قائم مقام اس لئے ہیں کہ یہ اسم کے آخر میں ہوتی ہیں جیسا کہ فاعل فعل کے بعد آتا ہے پس اس مشابہت کے باعث اشیاء مذکورہ بمنزلہ فاعل کے ہونگی واللہ اعلم۔

۳۱۷ قولہ الاتری الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ الف ولام سے بھی تو اسم تام ہو جاتا ہے اس لئے کہ تمامی اسم سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ اس حالت کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے اسم کی طرف مضاف نہ ہو سکتا ہو پس جب الف لام کے ساتھ بھی اسم مستحیل الاضافۃ ہے تو الف لام سے بھی اسم تام ہوگا لہذا مذکورہ ماقبل چاری چیزوں کی کیوں خصوصیت ہے جواب یہ ہے کہ جو تقریر ہم نے تمامی اسم کے متعلق کی ہے وہ اسم معرف باللام پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ اسم فعل کے مشابہ ہوتا ہے اور تنوین وغیرہ کے فاعل کے اور تمیز مفعول کے اور سب کی وجہ شبہ ظاہر ہے کہ فاعل فعل کے بعد آتا ہے اور فعل اس پر تام ہو جاتا ہے اسی طرح تنوین بھی اسم کے آخر میں آتی ہے اور اسم اس پر تام ہوتا ہے اور مفعول جیسا کہ اس کا حق ہے فعل کے فاعل کے ساتھ تام ہونے کے بعد آتا ہے اسی طرح تمیز بھی اسم کے تنوین وغیرہ کے ساتھ تام ہونے کے بعد آتی ہے پس یہ وجہ شبہ اسم معرف باللام میں مفقود ہے اس لئے کہ الف لام شروع میں آتا ہے آخر میں نہیں اور فاعل فعل کے شروع میں نہیں آیا کرتا اور نہ وہ مبتدا کہلاتا ہے فاعل نہیں پس فعل کے اتمام کے لئے ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے اور فعل فاعل کے شروع میں آنے سے تام نہیں ہوتا لہذا اسم پر بھی الف لام کے شروع میں آنے سے اگرچہ اسم تام ہو جاتا ہے مگر اس سے ہمارا مقصود حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ ناصب تمیز نہیں اور نہ الف لام اسم کے آخر میں ہیں جس کے باعث فعل کے ساتھ مشابہت پائی جائے لہذا تمیز اس کی وجہ سے منصوب نہیں ہوگی اور عندی الراقود خلاً نہیں کہا جائیگا راقود مصر کا مشہور

عندی الراقود خلاً فیفرد ای التمییز وان کان الاسم التام مثنی او مجموعاً ان کان ای التمییز جنساً وهو مایتشابه اجزاؤه ویقع بمجرد اعن التاء علی القلیل والکثیر فلا حاجة الی تثنیته وجمعه کالماء والتمر والزیت والضرب بخلاف رجل وفرس الا ان یقصد الانواع ای ما فوق النوع الواحد فیشمل المثنی ایضاً لانه لایدل لفظ الجنس مفرداً علیها فلابد من ان یثنی او یجمع قیل وفی تخصیص قصد الانواع بالاستثناء نظر لانه کما جاز ان یقال طاب زید جلستین للنوع جاز ان یقال طاب

لہذا عندی الراقود خلاً نہیں کہا جا سکتا (راقود بڑا مٹکا ہے) ((تو مفرد لایا جائے گا)) یعنی تمیز کو (مفرد یہاں پر مثنی و مجموع و مضاف کے مقابل ہے) اگرچہ اسم تام مثنی و مجموع ہو۔ (یعنی تمیز اسم تام کہ ماینتصب عنہ التمیز کہلاتا ہے کے مطابق نہ ہوگی بلکہ مفرد ہوگی خواہ اسم تام یعنی ماینتصب عنہ التمیز مثنی ہو یا مجموع) ((اگر ہو)) یعنی تمیز ((جنس)) (ان کان جنسا شرط ہے اور اس کی جزا فیفرد ہے بصورت جواز تقدیم الجزاء علی الشرط یا قرینۂ فیفرد کی وجہ سے جزاء فیفرد محذوف ہوگی بصورت عدم جواز تقدیم الجزاء) اور جنس وہ ہے کہ جس کے اجزاء (متکثرہ و متفرقہ) ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور تاء سے مجرد قلیل وکثیر پر واقع ہو لہذا تمیز کے تثنیہ و جمع کرنے کی حاجت نہیں جیسے پانی و تمر و زیت و ضرب ہے رجل و فرس کے برعکس (لعدم التشابہ ولعدم الوقوع) ((مگر یہ کہ انواع کا قصد کیا جائے)) یعنی مافوق النوع والواحد کا قصد کیا جائے (انواع سے جمع لغوی مراد ہے) لہذا یہ مثنی کو بھی شامل ہوگا (تو عندی رطلان زیتین کے جواز پر اعتراض نہ ہوگا) کیونکہ (جب جنس سے مافوق النوع الواحد مقصود ہو تو) جنس کا لفظ مفرد ہونے کی حالت میں (ایک نوع سے زائد) انواع پر دلالت نہ کرے گا لہذا اس کا (قصد نوعین کے وقت) تثنیہ اور (قصد انواع کثیرہ کے وقت) جمع لانا ضروری ہے اعتراض کیا گیا ہے کہ استثناء کے ساتھ قصد انواع کے خاص کرنے میں نظر ہے (یعنی اس تخصیص میں اعتراض ہے کہ قصد انواع کے وقت جیسے تمیز کا مثنی و جمع لانا ضروری ہے یوں ہی قصد مرات و اعداد کے وقت بھی لہذا کہنا تھا الا ان یقصد الانواع او المرات) کیونکہ جیسا کہ طاب زید جلستین (بکسر جیم) نوع کے لئے کہنا جائز ہے یوں ہی طاب زید جلستین

وجہ ہے جبکہ عدد کے لئے بھی تمیز تثنیہ یا جمع لائی جا سکتی ہے پس جس طرح طاب زیدٌ جلستین کہنا جائز ہے (زید دو طرح بیٹھنے کے اعتبار سے اچھا ہے) اسی طرح طاب

کہا جائے گا صرف زیتاً نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم

۳۲۰ قولہ قیل وفی الخ یہ ایک اعتراض ہے جو مصنف پر وارد ہوتا ہے اعتراض یہ ہے کہ قصد انواع کے لئے ہی استثناء کی کیا

پیمانہ ہے اس میں چھ بیس صاع آتے ہیں نیز راقود بڑے مٹکے کو بھی کہتے ہیں واللہ اعلم۔

۳۱۸ قولہ فیفرد الخ پس جب تمیز جنس ہو تو اس کو مفرد لاتے ہیں اگرچہ اسم تام تثنیہ یا جمع ہو جنس سے مراد یہ ہے کہ اس کے اجزاء متشابہ ہوں یعنی کل کے ساتھ اس کے اجزاء اطلاق اسم میں شریک ہوں یعنی جیسے اسم کا اطلاق کل کے اوپر کیا جائے ایسے ہی ہر جزء پر بھی اس کا اطلاق کیا جا سکے جیسے مثلاً الماء (پانی) کہ سمندر پر بھی اس کو بولا جاتا ہے اور سمندر کے قطرے پر بھی اور نیز یہ کہ اس کا اطلاق بغیر تاء کے قلیل وکثیر پر ہوتا ہو پس جب اس کا اطلاق کل اور جزء دونوں پر ہو سکے گا تو اب تمیز کو تثنیہ یا جمع لانے کی حاجت نہیں ہوگی جیسے الماء۔ التمر۔ الزیت۔ الضرب کہ ان کا اطلاق جس طرح کل پر ہوتا ہے اسی طرح جزء پر بھی ہوتا ہے پس یہ اسماء اگر تمیز لائے جائیں گے تو ان کو مفرد ہی لایا جائیگا خواہ ان کا اسم تام تثنیہ یا جمع ہی کیوں نہ ہو۔ بخلاف رجل اور فرس کے کہ ان کا اسم تام اگر تثنیہ یا جمع ہوگا تو ان کو بھی تثنیہ یا جمع ہی لایا جائیگا اس لئے کہ ان میں کل کا اطلاق جزء پر نہیں کیا جا سکتا پس مثلاً ہاتھ یا پاؤں کو رجل یا فرس نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم۔

۳۱۹ قولہ الا ان یقصد الخ اور اگر انواع کا قصد کیا جائیگا یعنی جب جنس سے مافوق الواحد دو نوع یا چند نوع کا بیان کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں جب مراد اس کو تثنیہ اور جمع لایا جائیگا اس لئے کہ جنس جس طرح ایک پر دلالت کریگی اسی طرح دو اور دو سے زائد پر بھی دلالت کرے گی، پس جب فرداً فرداً انواع مختلفہ مقصود ہونگی تو علی الانفراد یہ جنس انواع پر دلالت نہیں کرے گی۔ لہذا تمیز کو لامحالہ تثنیہ یا جمع لانا پڑے گا، پس عندی رطلان زیتین یا عندی ارطال زیوتاً

زید جلستین للعدد ویمکن ان یجاب عنه بان المراد بالانواع حصص الجنس سواء کانت بالخصوصیات الکلیة او الشخصیة [٣٢١] ویجمع ای یورد التمییز علی ما فوق الواحد جوازاً حیث لم یقصد الواحد فی غیره ای فی غیر الجنس نحو عندی عدل ثوبین او اثوابا [٣٢٢] ثم ان کان ای المفرد المقدار تاما بتنوین او بنون التثنیة او المعنی ان وجد التمییز متلبسا بتنوین المفرد او بالنون التی للتثنیة فانه لما تم الاسم بهما اقتضی التمییز

(بفتح جیم) عدد کے لئے کہنا جائز ہے اور اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ (مصنف کے کلام میں) انواع سے مراد جنس کے حصص (وافراد) ہیں (یعنی انواع سے وہ چیز مراد ہے جس کا جنس احتمال رکھتی ہو تو جنس مرات واعداد کا یوں ہی احتمال رکھتی ہے جس طرح انواع کا گویا تقدیر عبارت یوں ہوگی الا ان یقید حصص الانواع) خواہ وہ حصص (وافراد) خصوصیات کلیہ کے ساتھ ہوں (جیسے نوع میں) یا خصوصیت شخصیہ کے ساتھ (جیسے عدد میں) ((اور جمع لایا جائے گا)) یعنی تمیز کو مافوق الواحد (کے طریقے) پر لایا جائے گا جوازی طور پر جہاں کہ واحد کا قصد نہ کیا جائے ((اس کے غیر میں)) یعنی جنس کے غیر میں (یعنی اگر تمیز جنس نہ ہو تو اسے تثنیہ وجمع لایا جا سکتا ہے) جیسے عندی عدل ثوبین یا (عندی عدل) اثوابا ((پھر اگر ہو)) یعنی مفرد مقدار تام ((تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ)) (بر تقدیر آنکہ کان ناقصہ ہو وہو المتبادر فلذا قدمہ الشارح) یا معنی یہ ہے کہ اگر تمیز مفرد کی تنوین یا اس نون کے ساتھ جو تثنیہ کے لئے ہے متلبس پائی جائے (بر تقدیر آنکہ کان تامہ ہو اور ضمیر تمیز کی طرف راجع ہو اور بر تقدیر اول مفرد مقدار کی طرف اور تاما خبر ہوگی اور جار ومجرور کا متعلق اور بر تقدیر ثانی جار ومجرور متلبسا کے متعلق ہوں گے جو کان کی ضمیر سے حال ہوگا جو تمیز کی طرف راجع ہے) کیونکہ جب اسم تنوین اور نون تثنیہ سے (علی سبیل منع الخلو والجمع) تام ہو

زیدٌ جلستین کہنا بھی ممنوع نہیں (زید اچھا ہے از روئے دو مرتبہ بیٹھنے کے) جواب یہ ہے کہ مصنف کی مراد انواع جنس کے حصص ہیں خواہ وہ حصص خصوصیات کلیہ سے ہوں جیسے انواع یا خصوصیات شخصیہ جیسے عدد یعنی جنس میں جس طرح انواع کا احتمال ہے اسی طرح مرات اور عدد کا بھی احتمال ہوتا ہے پس مصنف نے صرف انواع کا استثناء کرکے جنس کے تمام حصص مراد لئے ہیں خواہ وہ انواع ہوں یا عدد لہذا اب کوئی اعتراض نہیں واللہ اعلم۔

٣٢١ قولہ ویجمع الخ اور اگر تمیز غیر جنس سے ہوگی تو اس کو اسم تام کے مطابق تثنیہ یا جمع لایا جائے گا اس لئے کہ جب اس کا اطلاق قلیل وکثیر پر درست نہیں ہوگا تو لامحالہ تثنیہ اور جمع جیسا مقصود ہوگا اس کے مطابق تمیز کو لائیں گے جیسے عندی عدل ثوبین اور ثوابا اگر اس میں لفظ ثوب جنس نہیں ہے کہ اس کے اجزاء متشابہ ہوں پس افراد کا قصد ہوگا تو مفرد لایا جائے گا اور تثنیہ مقصود ہوگا تو تثنیہ لائیں گے اور جمع مدنظر ہوگی تو اثواب جمع لائی جائے گی اب رہی یہ بات کہ شارح نے ویجمع کی تفسیر ای یورد التمییز الخ سے کیوں کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ یجمع سے صرف یہ سمجھا تا ہے کہ اگر تمیز غیر جنس سے ہوگی تو جمع لائی جائے گی واحد یا تثنیہ نہیں لائی جا سکتی ہیں پس شارح نے ظاہر کر دیا کہ جمع سے مراد مافوق الواحد ہے اور یہ تثنیہ کو بھی شامل ہے پس تمیز غیر جنس تثنیہ بھی لائی جا سکے گی جب کہ اسم تام تثنیہ کا متقضی ہوگا پھر جب حیث الخ کا اضافہ اور کیا گیا تو اس میں واحد بھی داخل ہوگیا پس اگر اسم تام کا متقضی ہوگا تو تمیز غیر جنس بھی مفرد لائی جائے گی حاصل یہ ہوا کہ جمع کے اس جگہ اصطلاحی معنے مراد نہیں بلکہ لغوی ہیں یعنی تعدد جیسا کہ اسم تام متقضی ہوگا ویسی ہی تمیز لے آئیں گے واللہ اعلم۔

٣٢٢ قولہ ثم ان کان الخ پھر اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام ہو تو اس وقت اس کی اضافت تمیز کی طرف جائز ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ان کان کی ضمیر تمیز کی طرف راجع ہے پس عبارت اس طرح ہوئی ان التمییز ان کان تاما بالتنوین او بنون التثنیة جازت اضافة المفرد المقدار الیہ یعنی اگر تمیز تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام ہو تو اس کی طرف مفرد مقدار کی اضافت جائز ہے حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ مثلاً درہماً تنوین کے ساتھ تام ہے لیکن عشرون کی اضافت اس کی طرف جائز نہیں پس اس کے شارح نے دو جواب دیئے ایک انکاری اور ایک تسلیمی۔ انکاری تو یہ ہے کہ کان کی ضمیر کا مرجع تمیز نہیں بلکہ مفرد مقدار ہے لہذا کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا اس لئے کہ عشرون مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے

جَازَتِ الْاِضَافَۃُ ای اضافۃ المفرد المقدار الی التمییز ۳۲۳ اضافۃً بیانیۃً باسقاط التنوین و نون التثنیۃ جوازًا شائعًا کثیرًا لحصول الغرض و ھو رفع الابھام بذلک مع التخفیف نحو رِطلُ زیتٍ ومنوا سمنٍ وَ ۳۲۴ اِلَّا ای وان لم یکن بتنوین او بنون التثنیۃ بان یکون بنون الجمع او الاضافۃ فلا تجوز الاضافۃ الابقلۃ فی نون الجمع نحو عشرو درھم اما فی الاضافۃ فلئلا تلزم اضافۃ المضاف واما فی نون الجمع فلانہ جاز ان یضاف الی غیر الممیز نحو عشریک وعشری رمضان بالاتفاق لکثرۃ

گیا تو تمیز کا مقتضی ہوا) غرضیکہ اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تمام ہو) ((تو اضافت جائز ہے)) یعنی مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف اضافت بیانیہ کے طور پر تنوین اور نون تثنیہ کو ساقط کرکے جواز عام وکثیر کے ساتھ حصول غرض کی وجہ سے (جائز ہے) اور غرض اس (اضافت) کے ذریعے (مفرد مقدار سے) ابہام کا رفع کرنا ہے تخفیف کے (اضافہ کے) ہمراہ جیسے رطل زیتٍ ومنوا سمن (دونوں اضافت کے ساتھ) ((ورنہ)) یعنی اگر (مفرد مقدار) تنوین یا تثنیہ کے نون کے ساتھ نہ ہو اس طرح کہ (مفرد مقدار) جمع کے نون یا اضافت کے ساتھ (تام) ہو ((تو نہیں)) جائز اضافت مگر نون جمع میں قلت کے ساتھ (جائز ہے) جیسے عشرو درھم لیکن مفرد مقدار کے) اضافت (کے ساتھ تام ہونے کی صورت) میں (اس کی اضافت تمیز کی طرف اس لئے ناجائز ہے) تاکہ مضاف کی اضافت لازم نہ آئے (کہ مضاف کی اضافت یا تو مضاف الیہ کے بقاء کے ساتھ ہوگی اور یہ محال ہے کہ حرف عطف کے بغیر کوئی اسم دو اسموں کی طرف مضاف نہیں ہوتا یا حذف مضاف الیہ کے ساتھ تو معنی فاسد ہوجائے گا) لیکن (مفرد مقدار کے) نون جمع (کے ساتھ تام ہونے کی صورت) میں (مفرد کی تمیز کی طرف اضافت) پس اس لئے (جائز ہے) کہ اس کی اضافت غیر ممیز کی طرف غیر ممیز کی کثرت حاجت کی وجہ سے بالاتفاق جائز ہے جیسے عشریک وعشری رمضان (کیونکہ غیر ممیز یا تو صاحب عشرین ہے حقیقۃً جیسے مثال اول

ساتھ تام نہیں پس شارح نے ان کان کے بعد ای المفرد المقدار تامًا کا اضافہ کردیا اور دوسرا جواب تسلیمی او المعنے ان وجد الخ سے یہ دیا کہ ہم کو تسلیم ہے کہ کان کی ضمیر تمیز کی طرف راجع ہے مگر اس کے معنے وہ نہیں جو معترض نے بیان کئے بلکہ معنے یہ ہیں کہ اگر تمیز اس حال میں پائی جائے کہ وہ تنوین یا نون (جو کہ تثنیہ کے لئے ہوتا ہے) مفرد مقدار کے ساتھ متلبس ہو تو اس کی اضافت جائز ہوگی پس تمیز سے مراد تنوین تمیز نہیں بلکہ مفرد مقدار کی تنوین مراد ہے۔ علی ہذا القیاس نون تثنیہ اور یہ معنی مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اسم مفرد ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ (نون جمع وغیرہ سے قطع نظر کرکے) تام نہیں ہوگا اس وقت تک تمیز کا مقتضی نہیں ہوگا کیونکہ مشابہت مذکورہ نہیں پائی جائے گی پس جب اسم ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تام ہوجائے گا تمیز کو مقتضی ہوجائیگا پھر ان وجد التمیز سے اس طرف بھی شارح نے اشارہ کیا ہے کہ ثم ان کان میں کان تامہ ہے بمعنے وجد لہذا خبر کی جستجو نہ کی جائیگی البتہ پہلے جواب کی صورت میں کان ناقصہ ہوگا اور اس کی خبر تامًا محذوف ہوگی کما اشار الیہ الشارح بقولہ تامًا واللہ اعلم ۱۲۔

۳۲۳ قولہ اضافۃً بیانیۃً الخ یعنی مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف بیانیہ ہوگی نہ کہ غیر اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مضاف الیہ جنس مضاف سے ہوتا ہے تو اس کی اضافت بیانیہ ہوتی ہے جیسے خاتمُ فِضَّۃٍ ای خاتم من فضۃ کہ اس میں فضۃ سے خاتم کا بیان مقصود ہے اور کچھ نہیں کما سیجئی انشاء اللہ فی بحث المجرورات اور ظاہر ہے کہ اس جگہ تمیز اپنے ممیز کو بیان کرتی ہے پس اسم کی اضافت جب تمیز کی طرف ہوگی تو بیانیہ ہی ہوگی اور اس اضافت کا طریقہ یہ ہوگا کہ تنوین اور نون تثنیہ کو ساقط کردیا جائے گا بجز یہ کہ اس کا جواز بکثرت شائع وذائع ہے لہذا اس پر ندرت کا اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا اور شائع وذائع اس طرح ہے کہ اس سے حصول غرض یعنی رفع ابہام کے ساتھ ساتھ تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے پس رطلٌ زیتًا اور منوان سمنًا کو رطلُ زیتٍ اور منوا سمنٍ کہیں گے واللہ اعلم۔

۳۲۴ قولہ والا الخ اور اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام نہ ہو بلکہ نون جمع یا اضافۃ کے ساتھ تام ہو تو مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف جائز نہیں الا شاذًا اور وہ بھی صرف نون جمع میں جیسے عِشرو درہم اب رہی یہ بات کہ یہ اضافت جائز کیوں نہیں تو اس کے متعلق شارح اما فی الاضافۃ الخ سے یہ کہتے ہیں کہ اضافت میں تو اضافت

الحاجة اليه فلو اضيف الى المميز لزم الالتباس فى بعض الصور لانه لا
يعلم مثلا عند اضافة عشرين الى رمضان انه اراد عشرين رمضان او
اراد اليوم العشرين من رمضان فلا يضاف فى غير صورة الالتباس ايضا
الاعلى قلة ليكون الباب اقرب الى الاطراد وعن غير مقدار عطف
على قوله عن مفرد مقدار اى الاول كما يرفع الابهام عن مفرد مقدار
كذلك يرفعه عن مفرد غير مقدار اى ما ليس بعدد ولا وزن ولا ذراع
ولا كيل ولا مقياس مثل خاتم حديدا فان الخاتم مبهم باعتبار الجنس

میں یا کما جیسے مثال ثانی میں) پس اگر عشرین کو ممیز کی طرف مضاف کیا جائے (جیسے غیر ممیز کی طرف مضاف کیا جاتا ہے) تو بعض صورتوں میں (غیر ممیز کا ممیز کے ساتھ) التباس لازم آئیگا کیونکہ مثلاً عشرین کی رمضان کی طرف اضافت کے وقت معلوم نہ ہوگا کہ متکلم نے (بیس سال میں سے) بیس رمضان (بلا اضافت) کا ارادہ کیا ہے (کہ ہر ایک سال سے ایک رمضان) یا ایک رمضان سے بیس دن کا (تو اس صورت میں رمضان تمیز نہ ہوگی بلکہ عشرین کی غیر ممیز کی طرف اضافت ہوگی جیسے عشروک اور ستوک) پس التباس کی صورت کے علاوہ میں بھی مائتم بنون الجمع کو تمیز کی طرف مضاف نہیں کیا جائے گا مگر قلت کے طور پر تاکہ مائتم بنون الجمع کا باب (عدم اضافت میں، مماثلت اور موافقت کے زیادہ قریب ہو (یہاں تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مائتم بنون الجمع کی غیر ممیز کی طرف اضافت جو بالاتفاق جائز ہے جیسے عشریک وستیک دوسری ممیز کی طرف مگر التباس لازم نہ آتا ہو جو قلیل طور پہ جائز ہے جیسے عشرو درہم اور تیسری ایسی چیز کی طرف اضافت جو ممیز و غیر ممیز دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے جیسے عشرون رمضان یہ التباس کی وجہ سے ناجائز ہے) (اور غیر مقدار سے) یہ مصنف کے قول عن مفرد مقدار پر عطف ہے یعنی اول (جو ذات مذکورہ سے ابہام کو رفع کرتا ہے) جس طرح (غالبا) مفرد مقدار سے ابہام کو رفع کرتا ہے اسی طرح مفرد غیر مقدار یعنی جو عدد نہیں اور نہ وزن اور نہ ذراع اور نہ کیل اور نہ مقیاس اس سے ابہام کو رفع کرتا ہے (جیسے خاتم حدیدا) پس خاتم جنس کے اعتبار سے

اس لئے جائز نہیں کہ مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ اسم واحد کی اضافت دو اسموں کی طرف محال ہے جب تک کہ درمیان میں واو عاطفہ نہ لایا جائے اور اگر پہلے مضاف الیہ کو حذف کرکے اضافت کرتے ہیں تو

فساد معنی لازم آتا ہے اور نون جمع میں اضافت اس لئے جائز نہیں کہ اس کی اضافت غیر ممیز کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے عشریک اور عشری رمضان اور یہ اضافت بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اس کی احتیاج بکثرت ہوتی ہے پس اگر عشرون کو ممیز کی طرف مضاف کریں گے

تو بعض صورتوں میں ممیز اور غیر ممیز میں التباس لازم آجائیگا اس لئے کہ مثلاً جب عشرون کی اضافت رمضان کی طرف کی گئی تو اس سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ بیس از روئے رمضان یعنی بیس دن رمضان کے مراد ہیں جو تمیز کی غرض ہوتی ہے یا رمضان کا بیسواں دن جو غیر تمیز کی غرض ہے پس دونوں میں التباس پیدا ہو گیا کہ مراد کیا ہے پس جبکہ اس کی اضافت بوقت التباس جائز نہیں ہے تو اس کو غیر التباس کے وقت بھی مضاف نہیں کریں گے (مگر قلت کے ساتھ) تاکہ باب مائتم بنون الجمع عدم اضافت کے بارے میں اطراد کے قریب ہو جائے اس جگہ اقرب اس لئے کہا کہ علی وجہ الکلی اطراد اللباب نہیں پایا جاتا کیونکہ اس میں شذوذ کے درجہ میں اضافت پائی جاتی ہے اس لئے اقرب الی الاطراد ہوگا لا اطراد الباب نہیں ہوگا واللہ اعلم ۔

۳۲۵ قولہ وعن غیر مقدار الخ
اس کا عطف مفرد مقدار پر ہے جو کہ فاالاول مبتدا کی بتقدیر یرفعہ خبر ہے پس تمیز کی قسم اول یعنی جو ذات مذکورہ سے ابہام دور کرے جس طرح مفرد مقدار سے رفع ابہام کرتی ہے غالباً اسی طرح غیر مفرد مقدار سے بھی ابہام دور کرتی ہے غیر مفرد مقدار کا مطلب یہ ہے کہ عدد ۔ وزن ذراع ۔ کیل اور مقیاس نہ ہو جیسے خاتم حدیداً کہ خاتم جنس کے اعتبار سے مبہم ہے اور غیر مفرد مقدار سے ہے اس لئے کہ مذکورہ بالا اشیاء عدد وغیرہ کسی میں سے نہیں اور غیر مفرد مقدار تنوین کے ساتھ تام ہے پس تمیز کی ضرورت پیش آئے گی لہٰذا حدیداً کو بنا بر تمیز منصوب کر دیا گیا واللہ اعلم ۔

تام بالتنوین فاقتضی تمیزًا والخفض ای خفض التمیز باضافة غیر المقدار الیه اکثر استعمالا لحصول الغرض مع الخفة ولقصور غیر المقدار عن طلب التمیز لان الاصل فی المبہمات المقادیر وغیرہا لیس بہذہ المثابة والثانی ای القسم الثانی من التمیز وھو ما یرفع الابہام عن ذات مقدرة یرفعہ عن نسبة کان الظاہر ان یقول عن ذات مقدرة فی نسبة

مبہم اور تنوین کے ساتھ تام ہے لہذا تمیز کا متقاضی ہوا ((اور جر)) یعنی تمیز کی جر تمیز کیطرف غیر مقدار کی اضافت کی وجہ سے ((اکثر ہے)) استعمال کی رو سے کیونکہ (ایک تو خفت کے باوجود (رفع ابہام کی) غرض حاصل ہوتی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ غیر مقدار تمیز کی طلب سے قاصر ہے کیونکہ مبہمات میں اصل مقادیر ہیں (کیونکہ مقادیر کو وضعی طور پر مبہم کی معرفت کے لئے معیار بنایا گیا ہے تو مبہمات کے بعد تمیز کی نصب اس کے تمیز ہونے کی بنا پر ہے اور نصب تمیز میں اصل ہے اس کے برعکس جر علامات اضافت ہے) اور غیر مقادیر کا یہ مرتبہ نہیں ہے (کیونکہ غیر مقادیر کو معیار نہیں بنایا گیا) ((اور ثانی)) یعنی قسم ثانی تمیز سے جو ذات مقدرہ سے ابہام کو رفع کرتا ہے وہ ابہام کو ((نسبت سے)) رفع کرتا ہے ظاہر یہ تھا کہ مصنف یوں کہتے ’’عن ذات مقدرة فی نسبة فی جملة‘‘ (کیونکہ جو ابہام تمیز کا متقاضی ہے وہ

۳۲۶ قولہ والخفض الخ یعنی غیر مفرد مقدار میں تمیز کا استعمال اکثر خفض کے ساتھ ہوتا ہے یعنی غیر مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف کی جائے اسلئے کہ اس سے حصول غرض کے ساتھ ساتھ تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے نیز یہ کہ غیر مفرد مقدار طلب تمیز میں کم مرتبہ میں ہوتی ہے اس لئے کہ مبہمات میں اصل مقادیر ہیں یعنی عدد وزن وغیرہ اور غیر مفرد مقدار اس میں سے ہے نہیں لہذا یہ مفرد مقدار کے ہم مرتبہ نہیں ہوگی پس اس کو اکثر اضافت کے ساتھ پڑھیں گے واللہ اعلم۔

۳۲۷ قولہ والثانی الخ اور قسم ثانی تمیز کی یعنی جس میں تمیز ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے وہ ہے کہ جو ابہام کو اس نسبت سے دور کرتی ہے جو جملہ یا شبہ جملہ میں ہے اس جگہ کبھی یرفعہ کا اضافہ اسی غرض سے ہے کہ عن نسبة الخ یرفعہ مقدر کے متعلق ہو کہ القسم ثانی مبتدا کی خبر ہے پھر شارح نے کان الظاہر ان یقول الخ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ ماقبل میں تو مصنف نے یہ بیان کیا تھا کہ قسم ثانی وہ ہے جس میں تمیز ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے اور یہاں کہتے ہیں کہ نسبت سے دور کرے ذات کا ذکر نہیں اور نسبت ایک امر معنوی ہے لہذا یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ نسبت اور ذات دونوں ایک ہیں لہذا مصنف کو مناسب یہ تھا اور یہ ظاہر بھی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قسم ثانی وہ ہے جو ایسی ذات مقدرہ سے ابہام دور کرے جو نسبت حاصلة فی الجملة میں پائی جائے پس اس صورت میں مصنف کے کلام میں کوئی تعارض نہ ہوتا لکن لما کان الخ سے

شارح نے جواب یہ دیا کہ چونکہ طرف نسبت میں ابہام کا ہونا ابہام فی النسبة کو مستلزم ہے اور نسبت سے ابہام کا دور کرنا طرف نسبت سے ابہام کے دور کرنے کو لازم ہے لہذا مصنف نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے عن نسبة الخ کہہ دیا نیز اس سے اس امر پر بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ قسم اول اور ثانی کے درمیان تقابل صرف نسبت کے اعتبار سے ہے نہ کہ باعتبار ذکر ذات اور عدم ذکر ذات کے اس لئے کہ کبھی قسم اول میں بھی ذات کو ذکر نہیں کرتے جیسے نعم رجلاً کہ اس جگہ رجل ذات مقدرہ یعنی نعم کی ضمیر سے ابہام کو دور کرتا ہے حالانکہ یہ قسم اول سے ہے پس معلوم ہوا کہ تمیز کی دونوں قسموں میں ذات مذکورہ اور مقدرہ کا فرق نہیں بلکہ فرق یہ ہے کہ اول میں رفع ابہام غیر نسبت سے ہوتا ہے اور ثانی میں نسبت سے حاصل یہ ہوا

کہ ابہام تو ذات مقدرہ میں ہی ہوگا مگر اس ذات مقدرہ کا تحقق بغیر نسبت کے نہیں ہوگا بلکہ نسبت کے ذریعہ ذات مقدرہ حاصل ہوگی پس ذات مقدرہ طرف نسبت میں واقع ہوگی مثلاً طاب زید نفسًا کے معنی میں طاب شئ منسوب الی زید نفسًا کے ہے پس اس میں ذات مقدرہ یعنی شئے اس وقت حاصل ہوئی جبکہ جملہ میں نسبت پائی گئی پس ذات مقدرہ یعنی شئے نسبت کی طرف میں واقع ہوئی اور ذات مقدرہ مبہم ہے اس لئے کہ شئے کا مصداق متعین نہیں پس جب نفسًا نے شئے سے ابہام کو دور کر دیا تو نسبت سے بھی ابہام رفع ہوگیا ایسے ہی چونکہ ذات مقدرہ طرف نسبت میں واقع ہے اور اس کی وجہ سے نسبت میں بھی ابہام ہے لہذا یہ دونوں یعنی طرف نسبت اور نسبت آپس میں لازم

فی جملۃ لکن لما کان الابہام فی طرف النسبۃ یستلزم الابہام فیہا ورفعہ عنہا یستلزم الرفع عنہ قال عن نسبۃ مقتصرا علیہا تنبیہا علی ان مقابلۃ ما فی ہذا القسم للمفرد المذکور فی القسم الاول انما ہی بمجرد النسبۃ لاغیر فی جُمْلَۃٍ ای نسبۃ کائنۃ فی الجملۃ ۳۲۸ اَوْ مَا ضَاہَاہَا ای ماشابہہا عطف علی جملۃ وہو اسم الفاعل ونحو الحوض ممتلی ماء او اسم المفعول نحو الارض مفجرۃ عیونا او الصفۃ المشتبہۃ نحو زید حسن وجہا او اسم التفضیل نحو زید افضل ابا او المصدر نحو اعجبنی طیبہ ابا وکذا کل مافیہ معنی الفعلِ نحو حسبک زید رجلا ۳۲۹ مِثْل طَابَ زَیْدٌ نَفْساً مثال للجملۃ

ذات مقدرہ ہی میں ہے نہ کہ نسبت میں اور اس لئے کہ تمیز کا قسم ذات مقدرہ ہے نہ کہ نسبت لیکن جبکہ وہ ابہام جو نسبت کی طرف (یعنی ذات مقدرہ) میں ہے ابہام فی النسبۃ کو مستلزم تھا اور (جبکہ) رفع ابہام از طرف کو مستلزم تھا .... رفع ابہام از نسبت تو مصنف نے نسبت پر اکتفاء کرتے ہوئے "عن نسبۃ" کہا تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ جو اس قسم ثانی میں ہے اس کا قسم اول میں مذکور مفرد سے مقابلہ محض نسبت میں ہی ہے اور نہیں "جملہ میں" یعنی ایسی نسبت سے (ابہام کو رفع کرتا ہے) جو جملہ میں ہے (یا اس میں جو جملہ کے مشابہ ہو) یعنی جو جملہ کے مشابہ ہو یہ (مصنف کے قول) "جملۃ" پر عطف ہے اور مشابہ جملہ اسم فاعل (اس کے فاعل کے ساتھ) جیسے الحوض ممتلی ماءً یا اسم مفعول (اس کے نائب فاعل کے ساتھ) جیسے الارض مفجرۃ عیونا یا صفت مشبہ (مع فاعلہ) جیسے زید حسن وجہا یا اسم تفضیل (مع فاعلہ) جیسے زید افضل ابا یا مصدر (مع فاعلہ) جیسے اعجبنی طیبہ ابا اور اسی طرح ہر وہ اسم یا حرف (مشابہ جملہ) ہے جس میں فعل کا معنی ہے جیسے حسبک زید

وملزوم ہوئے پس جب ایک دوسرے سے ابہام کو دور کیا جائیگا تو لامحالہ دونوں سے ابہام دور ہو جائیگا پس جب نسبت سے ابہام دور کر دیں گے تو چونکہ ذات مقدرہ اس نسبت کے باعث پیدا ہوئی ہے اور مبہم ہے اس لئے نسبت سے رفع ابہام کے ساتھ ذات مقدرہ یعنی طرف نسبت سے بھی ابہام دور ہو جائے گا۔ اسی غرض سے مصنف نے عن نسبۃٍ کہا عن ذاتٍ مقدرۃٍ فی نسبۃٍ فی جملۃ نہیں کہا پھر شارح نے فی جملۃٍ کے بعد ای نسبۃٍ کائنۃٍ کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ

کیا ہے کہ فی جملۃ ظرف مستقر کائنۃ مقدر کے متعلق ہے اور عبارت اس طرح ہے ای فی نسبۃٍ کائنۃٍ فی جملۃٍ واللہ اعلم۔

۳۲۸ قولہ او ماضاہاہا الخ اس کا عطف جملۃٍ پر ہے اور مراد اس سے شبہ جملہ ہے یعنی اسم فاعل۔ اسم مفعول صفۃ مشبہ وغیرہ مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ نسبت جملہ میں نہ پائی جائے تو شبہ جملہ میں حاصل ہو نی چاہیے مثلاً اسم فاعل میں جیسے الحوض ممتلیٌ ماءً کہ اس میں ابہام اس نسبت امتلاء میں ہے جو کہ ممتلیٌ کی ضمیر مستتر سے سمجھ میں آرہی ہے

جو حوض کی طرف راجع ہے پس ماءً نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ یہ امتلاء پانی سے ہے یا اسم مفعول میں وہ نسبت پائی جائے جیسے اَلْاَرْضُ مُفَجَّرَۃٌ عُیُوْناً (زمین جاری ہے از روئے چشموں کے) کہ اس میں مفجرۃٌ کی ضمیر مستتر سے جو نسبت تفجر سمجھ میں آرہی ہے اس سے عیوناً نے رفع ابہام کر دیا یا وہ نسبت صفۃ مشبہ میں حاصل ہو جیسے زیدٌ حسنٌ وجہاً (زید اچھا ہے از روئے چہرے کے) کہ اس میں حسنٌ سے جو نسبت حسن معلوم ہو رہی ہے اس سے وجہاً تمیز ہے یا اسم تفضیل میں وہ نسبت حاصل ہو جیسے زیدٌ افضلُ اباً یا مصدر میں حاصل ہو جیسے اعجبنی طیبہ اباً کہ اس میں طیب کی نسبت جو ضمیر بارز یعنی فاعل مصدر کی طرف ہو رہی ہے مبہم ہے کہ یہ طیب کس اعتبار سے ہے پس اباً نے اس ابہام کو دور کر دیا اور ایسے ہی جس میں بھی فعل کے معنے پائے جائیں گے اس کی ذات مقدرہ سے تمیز ابہام کو دور کر سکتی ہے جیسے حسبک زیدٌ رجلاً کہ اس جگہ حسبک زیدٌ یکفیک زیدٌ کے معنی میں ہے پس اس میں جو نسبت ہے اس سے رجلاً نے ابہام کو دور کر دیا واللہ اعلم ۱۲

۳۲۹ قولہ نحو طاب الخ یہ وہ مثال ہے کہ جس میں ذات مقدرہ جملہ میں پائی جاتی ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں اس لئے کہ ممثل لہ ذات مقدرہ ہے اور اس مثال میں مقدر نہیں بلکہ محذوف ہے پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ طاب شیٌ منسوب الی زید نفساً کی قوت میں ہے اور ظاہر ہے کہ شی ذات مقدرہ ہے مذکورہ نہیں پس اس میں شیٔ ممیز اور مبہم ہے اس کے ابہام کو نفساً نے دور کر دیا اور دوسری مثال وزیدٌ طیبٌ اباً شبہ جملہ کی ہے اس میں ذات مقدرہ نسبت شبہ جملہ

والتمیز فیه خاص بالمنتصب عنه وَزَيْدٌ طَيِّبٌ اَبًا مثال لما یشبه الجملة والتمیز فیه یصلح ان یکون لما انتصب عنه ولمتعلقه وحیث لا فرق فی التمییز بین الجملة وما ضاهاها فهذان المثالان فی قوة اربعة امثلة فکانه قال طاب زید وزید طیب نفسا وابا فقوله [۳۳۰] وَاُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا عطف علی نفسا وابا بحسب المعنی فهو ناظر الی کل من المثالین المذکورین غیر مختص بالاخیر فهو بحسب الحقیقة اورد لکل من التمییز

رجلا (جیسے طاب زید نفسا) یہ جملہ کی مثال ہے اور اس میں تمیز منتصب عنہ (یعنی زید) کے ساتھ خاص ہے (اور زید طیب ابا) یہ اس کی مثال ہے جو جملہ سے مشابہ ہے اور اس میں (ابا) تمیز اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ ما انتصب عنہ (یعنی زید) کیلئے ہو اور (اس بات کی بھی کہ) ما انتصب عنہ (یعنی زید کے) متعلق (بفتح لام یعنی باپ) کے لئے ہو اور کیونکہ جملہ اور مشابہ جملہ کے درمیان تمیز میں کوئی فرق نہیں لہذا یہ دونوں مثالیں (طاب زید نفسا اور زید طیب ابا) چار مثالوں کی قوت میں ہیں گویا مصنف نے کہا طاب زید وزید طیب نفسا وابا (تقدیر یہ طاب زید نفسا وطاب زید ابا وزید طیب نفسا وزید طیب ابا لہذا یہ سمجھا جائے کہ جملہ کی صورت میں تمیز ما انتصب عنہ کیلئے ہوتی ہے اور شبہ جملہ کی صورت میں ما انتصب عنہ اور اس کے متعلق کے لئے ہوتی ہے) پس مصنف کا قول (ابوۃ ودارا وعلما) نفسا پر اور معنی کے اعتبار سے ابا پر عطف ہے تو مصنف کا یہ قول دونوں مذکورہ مثالوں میں سے ہر ایک کی طرف ناظر ہے مثال اخیر کے ساتھ خاص نہیں پس مصنف نے حقیقت کے اعتبار

سے تمیز ابہام دور کرتی ہے کہ طیب صفت مشبہ ہے اور اس کا فاعل ابُ ضمیر مستتر ہے پس یہ چونکہ حقیقۃً جملہ نہیں اس لئے شبہ جملہ اس کو کہتے ہیں پھر اس شبہ میں جو نسبت ہے جو ضمیر مستتر سے سمجھ میں آتی ہے وہ مبہم ہے اور اس کے ابہام کو ابا تمیز دور کر رہی ہے اب رہی یہ بات کہ شارح کے قول والتمیز فیہ خاص الخ کا کیا مطلب ہے تو یہ اس امر کا جواب ہے کہ مصنف نے کثرت سے امثلہ کیوں بیان کیں صرف ایک پر اکتفاء کر لیتے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں تکثیر امثلہ سے مصنف اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تمیز کی منتصب عنہ (یعنی جس کے باعث تمیز منصوب ہوتی ہے) کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہیں اس لئے کہ تمیز یا تو منتصب عنہ پر بالذات محمول ہوگی یا نہیں اگر محمول ہوگی تو غیر کا احتمال رکھے گی یا نہیں پس اگر احتمال غیر کا نہ رکھے اور تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول ہو تو اس کی مثال طاب زید نفسًا ہے اس لئے کہ نفس زید کے ساتھ خاص ہے غیر کا احتمال نہیں رکھتا اور اس پر نفس بالذات محمول ہے اور اگر غیر کا احتمال رکھے اور بالذات محمول ہو تو اس کی مثال زیدٌ طیبٌ ابًا ہے اس لئے کہ ابًا زید پر بالذات محمول ہے اور غیر زید کا بھی احتمال رکھتا ہے اسی کو شارح والتمیز فیہ یصلح ان یکون الخ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس مثال میں تمیز میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ یہ منتصب عنہ پر بھی محمول ہو اور اس کے متعلق یعنی غیر زید پر بھی محمول ہونے کی اس میں صلاحیت موجود ہو غیر زید کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید کا باپ مراد ہو زید نہ ہو۔ اب اگر کوئی کہے کہ جس طرح ابًا میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ وہ نسبت شبہ جملہ سے تمیز واقع ہو اسی طرح نفسًا بھی نسبت شبہ جملہ سے تمیز واقع ہو سکتا ہے علی ہذا القیاس اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے پس مصنف نے نفسًا کو جملہ اور ابًا کو شبہ جملہ میں کیوں ذکر کیا۔ اس کا جواب شارح وحیث لا فرق فی التمییز الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ چونکہ جملہ اور شبہ جملہ کی تمیز کے درمیان کوئی فرق نہیں لہذا یہ دونوں مثالیں چار مثالوں کی قوت میں ہیں گویا کہ مصنف نے ان دونوں امثلہ پر اکتفاء کر کے حقیقۃً میں چار مثالیں بایں طور ذکر کی ہیں طاب زید نفسًا۔ طاب زیدٌ ابًا۔ زیدٌ طیبٌ نفسًا۔ زیدٌ طیبٌ ابًا۔ لہذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا واللہ اعلم

۳۳۰ قولہ فقولہ ابوۃ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جس طرح ابوۃ علما اور دارا میں نسبۃ شبہ جملہ سے تمیز واقع ہونے کی صلاحیت ہے اسی طرح نسبت جملہ سے بھی ان میں تمیز بننے کی صلاحیت موجود ہے پس کیا وجہ ہے کہ مصنف نے ان کو شبہ جملہ کے بعد کیوں ذکر کیا اور ان کا عطف ابًا پر کس لئے کیا؟ جواب یہ ہے کہ ان کا عطف معنی کے اعتبار سے نفسًا اور ابًا دونوں پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح نفسًا و ابًا میں دونوں احتمالات نکلتے تھے اسی طرح ان میں بھی نسبۃ جملہ اور شبہ جملہ سے تمیز واقع ہونے کے احتمالات نکلیں گے پس اس معنی عطف کی بنا پر قول مصنف نفسًا اور ابًا والی دونوں مثالوں کی طرف مائل ہے حرف اخیر یعنی ابًا کے ساتھ مختص نہیں پس مصنف حقیقۃ کے اعتبار سے ہر ایک مثل کے لئے پانچ پانچ امثلہ لائے ہیں یعنی پانچ امثلہ اس امر کی ہیں کہ نسبۃ جملہ سے تمیز واقع ہو اور پانچ اس بات کی کہ نسبت

الواقع في الجملة او ما ضاهاها خمسة امثلة فالنفس (۳۳۱) عين غير اضافي خاص
بالمنتصب عنه والدار عين غير اضافي وهو متعلق بالمنتصب عنه و
الاب عين اضافي محتمل لهما والابوة عرض اضافي والعلم (۳۳۲) عرض غير
اضافي وكل واحد منهما متعلق بالمنتصب عنه اَوْ فِيْ اِضَافَةٍ عطف
على قوله في جملة او ما ضاهاها مِثْلُ يُعْجِبُنِيْ طِيْبُهٗ نفسا وتركه لانه

سے جملہ یا مشابہ جملہ میں واقع ہونیوالی ہر ایک تمیز کی پانچ مثالیں وارد کیں ہیں پس نفس عین (قائم بذاتہ) ہے غیر اضافی ہے (کہ امور اضافیہ سے نہیں کیونکہ اس کا معنی کسی چیز کی حاجت کے بغیر سمجھا جاتا ہے) منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور دار عین غیر اضافی ہے اور دار منتصب عنہ کے متعلق (بکسر لام) ہے (اور منتصب عنہ دار کا مالک ہے تو طاب زید دارا میں نسبت زید کی طرف علاقۂ مالکیت سے مجازی ہے) اور اب عین اضافی ہے (کہ اس کے معنی کا تعقل ابن کی نسبت پر موقوف ہے یعنی اب اس حیوان کو کہتے ہیں کہ جس کے نطفے سے اس کی نوع کا دوسرا حیوان پیدا ہوا ہو) جو دونوں کا محتمل ہے (یعنی ابا تمیز منتصب عنہ سے بھی ہو سکتی ہے اور منتصب عنہ کے متعلق بفتح لام سے بھی ہو سکتی ہے) اور ابوۃ عرض اضافی ہے (کہ قائم بالاب ہے و کونہ اضافیا ظاہر) اور علم عرض غیر اضافی ہے اور ابوۃ و علم میں سے ہر ایک منتصب عنہ سے متعلق ہے (اور اسی سے ابہام کو رفع کرتا ہے) (یا اضافت میں) یہ مصنف کے قول "فی جملۃ" یا "ماضاہاہا" پر عطف ہے (جیسے یعجبنی طیبہ نفسا (تو نفسا نسبت اضافیہ سے تمیز ہے) اور مصنف نے

شبہ جملہ سے تمیز واقع ہو واللہ اعلم۔

۳۳۱ قولہ فالنفس الخ یہاں سے شارح تمیز کی منتصب عنہ کے اعتبار سے پانچ قسمیں بیان فرمارہے ہیں دو کی تفصیل میں بیان کر چکا ہوں اب بقیہ تین قسموں کی تفصیل ملاحظہ کیجئے جو کہ ابوۃ دار اور علم سے متعلق ہیں تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں تمیز کو منتصب عنہ کی صفت بنانا جائز ہو گا یا نہیں اگر جائز ہو گا تو غیر کا احتمال رکھے گی یا نہیں اگر غیر کا احتمال رکھے گی تو اس کی مثال طاب زیدٌ ابوۃً یا زیدٌ طیبٌ ابوۃً ہے اس لئے کہ ابوۃً منتصب عنہ پر بالذات محمول نہیں اس لئے کہ ابوۃ بذات خود قائم نہیں ہوتی بلکہ اب کے ساتھ قائم ہوتی ہے اس لئے کہ ابوۃ کے معنی سمجھنے کے لئے پہلے اب کے معنی سمجھنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے نیز ابوۃ زید منتصب عنہ کی صفت بھی واقع ہو سکتی ہے اور اس میں غیر کا بھی احتمال موجود ہے کہ کسی اور کی بھی صفت ہو اور اگر غیر کا احتمال نہ رکھے تو اس کی مثال طاب زیدٌ علماً یا زیدٌ طیبٌ علماً ہے اس لئے کہ علم کا حمل زید پر بالذات نہیں بالعرض ہے اور علم زید کی صفت بھی واقع ہو سکتا ہے نیز یہ کہ اس میں غیر کا احتمال موجود نہیں اس لئے کہ علم کے معنے سمجھنے کے لئے غیر کی احتیاج نہیں اس لئے کہ علم کے معنے وضوح

و انکشاف اور دانستن کے ہیں بخلاف ابوۃ کے کہ اس کے معنے سمجھنے کے لئے اب کے معنے سمجھنے کی احتیاج واقع ہوتی ہے۔ اور اگر تمیز کو منتصب عنہ کی صفت بنانا جائز نہ ہو تو اس میں شقوق جاری نہ ہونگی اور اس کی مثال یہ ہے جیسے طاب زیدٌ داراً یا زیدٌ طیبٌ داراً اس لئے کہ دار انہ تو منتصب عنہ پر محمول ہے اور نہ اس کی صفت ہے اسی تفصیل کی طرف شارح فالنفس عینٌ الخ سے اشارہ فرمارہے ہیں کہتے ہیں پس نفس عین یعنی جوہر ہے اور غیر اضافی ہے یعنی اس کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہیں اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے یعنی بالذات محمول ہے کیونکہ زید اور نفس زید دونوں ایک ہی چیزیں ہیں اور دار عین غیر اضافی ہے یعنی اس کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہیں اور منتصب عنہ پر محمول نہیں بلکہ منتصب عنہ سے متعلق ہے اور اب عین اضافی ہے کہ اس کے معنی سمجھنے کے لئے غیر کی احتیاج ہوتی ہے پس اس میں دونوں احتمال موجود ہیں یعنی منتصب عنہ پر بالذات محمول ہو اور غیر کا بھی احتمال ہو اور ابوۃ عین یعنی جوہر قائم بنفسہ نہیں بلکہ عرض ہے کہ اب کے ساتھ قائم ہے اور اضافی ہے کہ اس کے معنی اب کے معنی سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آتے اور علم عرض یعنی قائم بالعالم ہے اور غیر اضافی ہے کہ اس کے معنے سمجھنے کیلئے غیر کی احتیاج واقع نہیں ہوتی اور دونوں منتصب عنہ سے متعلق ہیں بالذات محمول نہیں اس لئے کہ دونوں زید کی صفت واقع ہو سکتی ہیں مگر ابوۃ میں احتمال غیر ہے علم میں احتمال غیر نہیں واللہ اعلم ۱۲

اظهر التمييزات ولا خفاء به و اَبًا وَاُبُوَّةً وَدَارًا وعلمًا اورد هذه الامثلة على وفق ماسبق وزاد عليه ۳۳۳ قوله وَلِلّٰهِ دَرُّهٗ فَارِسًا اشارة الى ان التمييز قد يكون صفة مشتقة وايضًا لما اورده صاحب المفصل مثالًا لتمييز المفرد على ان يكون الضمير فيه مبهما كضمير ربّه رجلًا و يكون فارسًا تمييزا عنه اراد ان ينبه على انه يصلح ان يكون تمييزًا عن نسبته على ان يكون الضمير فيه معينًا معلومًا والابهام يكون فى نسبة الد ر

"نفسا" کو (مثال ھذا سے) اس لئے ترک کر دیا کہ "نفسا" سب تمیزوں سے ظاہر ترین تمیز ہے (کہ یہ عین غیر اضافی ہے اور منتصب عنہ کے ساتھ ہی خاص ہے اور اس (کے تمیز ہونے) میں کوئی خفاء نہیں ہے ((اباوابوۃ ودارا وعلما)) اور یہ مثالیں ماسبق کے موافق ہیں اور مصنف نے اس پر اپنے قول ((وللہ درہ فارسا)) کو اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے زائد کیا کہ کبھی صفت مشتقہ ہوتی ہے (اور کبھی مشتق نہیں ہوتی جیسے ابوۃ وعلما اور تمیز اصل یہ ہے کہ اسم جنس ہو جو ذات پر دلالت کرے یا ذات کے ساتھ قائم ہو) اور نیز جبکہ " للہ درہ فارسا " کو صاحب مفصل نے اس بنا پر مفرد (مقدار) کی تمیز کے لئے مثال (بنا کر) وارد کیا کہ درہ میں ضمیر، ربہ رجلا کی ضمیر کی طرح مبہم ہو اور فارسا اس ضمیر مبہم سے تمیز ہو تو مصنف نے ارادہ کیا کہ اس بات پر تنبیہ کر دیں کہ فارسا (کہ جس طرح وہ مفرد مقدار سے تمیز رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی طرح) اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ نسبت سے اس بنا پر تمیز ہو کہ درہ میں ضمیر معین ومعلوم ہو (مثلا اس کا تعلق مرجع سابق کے ساتھ ہو کما تقول جاءنی زید للہ درہ فارسا اور یہی اولی ہے کہ ضمیر میں اصل یہی ہے کہ وہ مرجع کے اعتبار سے معلوم ومعین ہو) اور ابہام اس کی طرف در کی نسبت میں ہو

۳۳۲ قولہ ادنی اضافۃ الخ اس کا عطف قول مصنف فی جملۃ او ما ضاہاہا پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ رفع ابہام نسبت فی جملہ یا شبہ جملہ سے نہ ہو بلکہ نسبت فی الاضافت سے ہو جیسے یعجبنی طیبہ نفسا وابا وابوۃ الخ کہ ان امثلہ میں تمیز نسبت اضافۃ سے دور کرتی ہے اس جگہ شارح نے نفسًا ذکر کر لانہ کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف نے اگرچہ مثال میں نفسًا کو ذکر نہیں کیا مگر سابق پر قیاس کر سکتے ہیں نیز اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں اس لئے کہ نفس کا نسبت سے تمیز واقع ہونا بہت مشہور اور ظاہر و باہر ہے اور اس میں کسی قسم کا خفا نہیں اس لئے کہ عین غیر اضافی ہے اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور دیگر امثلہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی مذکورہ سابق پانچوں قسمیں متحقق ہوتی ہیں پس اس میں طیب کی اضافت الی الضمیر سے جو نسبت مبہمہ پیدا ہوتی ہے اس سے یہ تمام الفاظ نفسًا - اباً وغیرہ تمیز واقع ہیں واللہ اعلم

۳۳۳ قولہ وزاد علیہ الخ ان دونوں قسموں کے بعد وللہ درہٗ فارسًا سے مصنف نے ان بعض نحاۃ کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تمیز کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ جامد ہو مشتق نہ ہو حتی کہ اگر کوئی اسم مشتق بصورت تمیز دیکھا جائے گا تو وہ اس کو حال کہتے ہیں تمیز نہیں کہتے پس مصنف اس کے رد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہے پس یہ اگر اسم مشتق سے بھی حاصل ہو تو اس کو بھی تمیز کہیں گے تمیز کے لئے جامد ہونا شرط نہیں نیز اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ بعض نحاۃ کا مسلک یہ ہے کہ تمیز اگر ضمیر سے واقع ہوگی تو قسم اول یعنی ذات مذکورہ سے ہوگی جیسا کہ صاحب مفصل نے اس مثال کو قسم اول میں داخل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ تمیز مفرد مقدار کی اس بنا پر مثال ہے کہ درّہ کی ضمیر مبہم ہے جیسا کہ ربّہ رجلًا کی ضمیر مبہم ہے اس لئے کہ نکرہ ہے کیونکہ رُبَّ نکرہ پر ہی داخل ہوتا ہے اور فارسًا اس سے تمیز واقع ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس میں مصنف کے نزدیک تفصیل ہے پس مصنف نے یہ مثال ذکر کر کے اس امر پر تنبیہ کا ارادہ کیا کہ اس میں حسب ذیل تفصیل ہے یعنی اگر ضمیر کا مرجع معلوم ہے تو یہ تمیز ذات مقدرہ سے ہوگی اس لئے کہ اس وقت حقیقۃ میں مرجع ممیز ہے اور وہ اس جگہ مذکور نہیں پس فارسًا میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ نسبت یعنی ذات مقدرہ سے اس بنا پر تمیز واقع ہو کہ ضمیر کا مرجع معین اور معلوم ہے اور ابہام درّ کی نسبت ضمیر کی طرف کرنے سے پیدا ہوا ہے مثلاً ہم نے جاءنی زیدٌ کہا اور پھر اس کے بعد للہ درّہٗ فارسًا کہہ دیا اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ درّہ کی ضمیر کا مرجع زید ہے پس مرجع اگرچہ للہ درّہٗ فارسًا میں موجود نہیں مگر وہ بقرینۂ سابق ضرور موجود ہے نیز یہ کہ ضمیر میں اصل بھی یہ ہے کہ اس کا مرجع معلوم اور متعین ہو لہذا فارسًا ذات مقدرہ یعنی

۳۳۴ الیه والدر فی الاصل اللبن وفیه خیر کثیر للعرب فارید به الخیر ای لله خیره فارسًا والفارس اسم الفاعل من الفراسة بالفتح مصدر فرس بالضم ای حذق بامر الخیل واما الفراسة بالکسر فمن التفرس ۳۳۵ ثم ان کان ای التمییز بعد مالم یکن نصًا فی المنتصب عنه اسمًا لاصفة یصح جعله لما انتصب عنه والمراد بجعله له اطلاقه علیه والتعبیر به عنه جاز ان یکون ذلك التمییز تارة له ای للمنتصب عنه بان یکون تمییزا ای رفع الابهام عنه وتارة لمتعلقه بان یکون تمییزا ای رفع الابهام

اور در اصل میں لبن کو کہتے ہیں اور اس میں عرب کے نزدیک خیر کثیر ہے لہذا اس سے مراد خیر ہے یعنی للہ خیرہ فارسا اور فارس فراستہ بفتح الفاء سے ماخوذ اسم فاعل ہے فرس بضم العین (کرم کی طرح) کا مصدر ہے یعنی (فرس فلان) یعنی گھوڑوں کے معاملے میں ماہر ہوگیا اور فراست بکسر فا، تفرس سے ماخوذ ہے (اور تفرس کے معنی ادراک و اذعان کے ہیں تقول تفرس یعنی تفکر (پھر اگر ہو) یعنی (اگر) تمیز بعد ازاں کہ منتصب عنہ میں نص نہ ہو اسم ہو صفت نہ ہو (تو اسے ما انتصب عنہ کے لئے کرنا صحیح ہو)) اور تمیز کو ما انتصب کے لئے کرنے سے مراد تمیز کا اس پر اطلاق اور ما انتصب عنہ کو اس تمیز سے تعبیر کرنا ہے ((تو جائز ہے کہ)) وہ تمیز کبھی ((اس کے لئے ہو)) یعنی منتصب عنہ کے لئے اسطرح کہ وہ اسم تمیز ہو جو منتصب عنہ سے ابہام کو دفع کرے ((اور)) کبھی ((اس کے متعلق کے

نسبت سے تمیز واقع ہوگا البتہ اگر ضمیر کا مرجع معلوم و متعین نہ ہو تو اس وقت تمیز ذات مذکورہ واقع ہوگی اس لئے کہ اس حالت میں ضمیر مبہم ہوگی اور وہ مذکور ہے پس فارسًا اسی سے تمیز واقع ہے لہذا صاحب مفصل کا اس کو صرف قسم اول میں داخل کرنا صحیح نہیں بلکہ اس کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے واللہ اعلم۔

۳۳۴ قولہ۔ والدر فی الاصل الخ

یہاں سے شارح در اور فارس کے معنی بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ در اصل میں دودھ کو کہتے ہیں اور دودھ میں اہل عرب کے نزدیک بہت سے منافع اور خیر کثیر ہے پس اس جگہ در بول کر مجازًا خیر کثیر مراد لیا گیا ای للہ خیرہ فارسًا یعنی اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خیر کثیر از روئے شہسوار ہونے کے اور فارس فراستہ بفتح الفاء سے صیغہ اسم فاعل ہے اور فرس بضم الراء کا مصدر ہے یعنی فراستہ باب افعال سے ہے اور اس کے معنی حاذق اور ماہر ہونے کے ہیں فرس ای حذق بامر الخیل یعنی گھوڑے کے معاملہ میں وہ ماہر اور کامل ہے اور اگر اس کو فراستہ بکسر الراء سے لیتے ہیں تو فارس تفرس سے مشتق ہوگا جس کے معنی ادراک و ظاہری چیز سے اس کے باطن یعنی حقیقۃ کو پہنچ جانے کے ہیں پس اس صورت میں اس کے معنی یہ ہونگے اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خیر کثیر از روئے اس کی نیک شناسائی احوال ظاہرہ سے احوال باطنہ کے واللہ اعلم

۳۳۵ ثم ان کان الخ پھر تمیز اگر ایسا اسم ہو جو صفۃ نہ ہو اور جس کا حمل کرنا منتصب عنہ پر صحیح ہو تو اس صورت میں یہ جائز ہے کہ کبھی تو وہ تمیز منتصب عنہ کے لئے کریں گے اور کبھی منتصب عنہ کے متعلق کے لئے یعنی دونوں امر جائز ہیں اس جگہ شارح نے ان کان کی تفسیر ای التمییز بعد مالم یکن الخ سے کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ طاب زید نفسًا میں نفسًا کا اطلاق منتصب عنہ پر کیا جاسکتا ہے حالانکہ یہ صرف منتصب عنہ کی تمیز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے منتصب عنہ کے متعلق سے تمیز واقع نہیں ہوسکتا اور مصنف یہ کہتے ہیں کہ اس کو منتصب عنہ اور اس کے متعلق سے تمیز قرار دینا جائز ہے پس یہ قول غلط ہے شارح نے کہا کہ یہ قول اس وقت ہے جبکہ تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو اور نفسًا منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے لہذا یہ اس حکم میں مندرج نہیں پھر اسمًا کے بعد لاصفۃ کہہ کر شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسکا تقابل صفۃ سے ہے فعل سے اور حرف سے نہیں اس لئے کہ اگر اس کا تقابل فعل اور حرف سے ٹھہرائیں گے تو اس میں وہ اسم بھی داخل ہو جائے گا جو صفت کا مقابل ہوگا باوجودیکہ جو تمیز صفت ہو وہ اس پر صادق نہیں آئے گی یعنی اس میں دو احتمال نہیں ہوں گے بلکہ صرف منتصب عنہ کے لئے تمیز واقع ہوگی کما سیجیئ پس مصنف کا یہ قول غلط ہوگا کہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لئے تمیز واقع ہوسکتی ہے لہذا شارح نے لاصفۃ کہہ کر اس کو خارج کر دیا پھر والمراد بجعلہ لہ سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول مصنف یصح جعلہ لما انتصب عنہ سے مراد یہ ہے کہ منتصب عنہ کا اطلاق اس اسم پر کیا جاسکے اور منتصب عنہ کو اس اسم سے تعبیر

عن متعلقه وذلك بحسب القرائن والاحوال مثل ابا فی طاب زید ابا فانه یصح ان یجعل عبارةً عن زید فجاز ان یکون تارةً تمییزًا عن زید اذا ارید اسناد الطیب الیه باعتبار انه ابو عمرو وجاز ان یکون تارةً تمییزًا عن متعلقه باعتبار ان الطیب مسند الی متعلقه وهو ابوه وَ اِلَّا ای وان لم یکن التمییز بعد ما لم یکن نصًا فی المنتصب عنه اسما یصح جعله لما انتصب عنه فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهٖ خاصة نحو طاب زید ابوة وعلما ودارا فان هٰذه الاسماء لیست نصًا فی المنتصب عنه ولا یصح جعلها

لئے ہو)) اس طرح کہ وہ اسم تمیز ہو جو اس کے متعلق سے ابہام کو رفع کرے اور یہ (اسم کا کبھی منتصب عنہ اور کبھی اس کے متعلق سے تمیز ہونا) احوال و قرائن کے لحاظ سے ہے جیسے طاب زید ابا میں ہے کہ ابا کو زید سے تعبیر کرنا صحیح ہے (یعنی زید اب کہنا صحیح ہے) لہذا ابا کا (اس وقت) زید سے تمیز ہونا جائز ہے جبکہ زید کی طرف طیب کی اسناد کا اس اعتبار سے ارادہ کیا جائے کہ وہ عمرو کا باپ ہے اور کبھی ابا کا زید کے متعلق سے اس اعتبار سے تمیز ہونا جائز ہے کہ طیب زید کے متعلق کی طرف مسند ہو اور زید کا متعلق زید کا باپ ہے "اور" یعنی تمیز بعد ازاں کہ منتصب عنہ میں نص نہ ہو ایسا اسم نہ ہو کہ جیسے منتصب عنہ کے لئے (تمیز) کرنا صحیح ہو ((تو وہ)) خاص کر ((اس کے متعلق کے لئے ہے)) جیسے طاب زید ابوة وعلما ودارا کہ یہ اسماء منتصب عنہ میں نص نہیں ہیں اور ان کو منتصب عنہ کے لئے اس

کر سکیں جیسا کہ اب کا اطلاق منتصب عنہ یعنی زید پر کر سکتے ہیں اور زید اب کہہ سکتے ہیں پس اس سے ابوۃ اور دار اور علم کو خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ ان کا اطلاق منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا بلکہ صرف منتصب عنہ کے متعلق پر ان کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور ہمارا مقصود یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ دونوں پر اطلاق کیا جا سکے لہذا اس سے ابوۃ وغیرہ خارج ہو جائیں گے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ منتصب عنہ کے معنے یہ ہیں کہ جس کے ذریعہ تمیز نصب حاصل کرے بایں طور کہ وہ شے اس تمیز میں عامل ہو پس طاب زید ابا میں یا تو منتصب عنہ زید کا ہوگا یا طاب اگر زید ہے تو یہ درست نہیں اس لئے کہ قسم ثانی میں تمیز کا عامل فعل یا شبہ فعل ہوتا ہے نہ کہ وہ اسم جو تنوین وغیرہ کے ساتھ تام ہو اور اگر طاب عامل ہے تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ اس پر قول مصنف یصح جعله لما انتصب عنه صادق نہیں آتا کیونکہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ اس اسم کا اطلاق منتصب عنہ پر کیا جا سکے اور یہاں اب کا اطلاق طاب پر درست نہیں بلکہ زید پر درست ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اس میں منتصب عنہ زید ہے اور اس پر منتصب عنہ کا اطلاق مجازاً ہے حقیقۃً نہیں اور تارۃً لہ سے شارح نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ولمتعلقہ میں واو بمعنی مع ہے تاکہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کا اجتماع لازم نہ آئے کیونکہ واو عاطفہ جمع پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں کا بیک وقت اجتماع ناجائز ہے اسلئے کہ عرض واحد یعنی اب کا قیام دو محلوں کے ساتھ لازم آئیگا اور یہ محال ہے بہر حال جب اسم کا حمل

منتصب عنہ پر ہو سکے تو یہ جائز ہے کہ وہ تمیز کبھی منتصب عنہ کے لئے ہو یعنی تمیز منتصب عنہ سے ابہام دور کرے اور کبھی اس کے متعلق یعنی زید کے باپ سے اب رہی یہ بات کہ اس امر کا کیسے پتہ چلے کہ تمیز کبھی منتصب عنہ سے رفع ابہام کے لئے ہوتی ہے اور کبھی اس کے متعلق سے ابہام دور کرنے کے لئے تو اس کا جواب وذلك بحسب القرائن الخ سے کہ اس بات کا پتہ قرائن اور احوال سے چل جاتا ہے مثلاً طاب زید ابا میں ابا کا اطلاق زید پر صحیح ہے اور ابا کو زید سے تعبیر کر سکتے ہیں پس جب اس میں زید کا اسناد طیب کی طرف اس اعتبار

سے کیا جائیگا کہ زید عمرو کا باپ ہے تو تمیز یعنی ابًا زید سے ابہام کو دور کریگا یعنی زید عمرو کا باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے پس یہ تمیز منتصب عنہ سے رفع ابہام کرے گی اور اگر اس میں اسناد کا اعتبار کرتے ہیں کہ طیب کا اسناد منتصب عنہ کے متعلق یعنی زید کے باپ کے اعتبار سے ہے تو تمیز اس کے متعلق سے ابہام کو دور کرے گی اور اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ زید اپنے باپ کے اعتبار سے اچھا (خوش نصیب) ہے واللہ اعلم

۳۳۶ قولہ والا ای وان لم یکن الخ

اور اگر تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو یعنی وہ منتصب عنہ پر محمول نہ کی جا

له بالتعبير عنه بها فهي لمتعلق زيد وهو الذات المقدرة اعني الشيء المنسوب الى زيد فيطابق التمييز فيهما ای فيما جاز ان يكون لما انتصب عنه سواء كان نصًا فيه او محتملاً له ولمتعلقه وفيما تعين لمتعلقه ما قصد من وحدة التمييز وتثنية او جمعيته سواء كان لموافقة ما انتصب عنه مثل طاب زيد ابا والزيدان ابوين والزيدون آباءً او لمعنى فى نفسه مثل قولك طاب زيد ابا اذا اردت اباله فقط وطاب زيد ابوين اذا اردت ابا وجدًا له وطاب زيد آباءً اذا اردت اباءً واجدادًا له فعلى كل من التقديرين اذا قصدت وحدة التمييز اورد مفردا واذا قصدت

طرح کرنا صحیح نہیں کہ منتصب عنہ کو ان سے تعبیر کیا جائے (کیونکہ زید ابوۃ اور زید دار اور زید علم کہنا صحیح نہیں بلکہ زید متصف بالابوۃ اور زید ذو علم اور زید ذو دار کہا جائیگا) پس یہ (اسماء) متعلق زید کے لئے (مخصوص) ہیں اور وہ (متعلق جملہ طاب زید میں) ذات مقدر ہے یعنی شئ منسوب بجانب زید (تقدیرہ طاب شئ منسوب الی زید) (پس مطابق ہوگی) تمیز (ان دونوں میں) یعنی (دونوں صورتوں میں ایک) اس صورت میں کہ تمیز کا منتصب عنہ کے لئے ہونا جائز خواہ اس میں تمیز نص کے طور پر ہو (اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو جیسے طاب زید نفسا) یا تمیز منتصب عنہ اور اس کے متعلق کے لئے محتمل ہو (جیسے طاب زید ابا) اور (دوسرے) اس صورت میں کہ تمیز منتصب عنہ کے متعلِق (بکسر لام) کے لئے متعین ہو (جیسے تمہارے قول طاب زید ابوۃ وعلما ودارا میں ابوۃ وعلم ودار ہے) (یعنی تمیز دونوں صورتوں میں) (اس کے) (مطابق ہوگی) (جس کا قصد کیا گیا) یعنی تمیز کا واحد ہونا یا تثنیہ ہونا یا جمع ہونا یعنی اگر مقصود افراد ہو تو تمیز کو مفرد لایا جائیگا اور اگر مقصود مثنی ہو تو تمیز کو مثنی اور جمع ہو تو جمع لایا جائیگا) خواہ (ان امور ثلاثہ یعنی تمیز کے واحد و تثنیہ و جمع ہونے میں سے ہر ایک افراد و تثنیہ و جمع) منتصب عنہ (یعنی زید) کی موافقت کے لئے ہو جیسے طاب زید (نفسا و) ابا (وابوۃ ودارا وعلما) اور (طاب) الزیدان (نفسین و) ابوین (وعلمین وابوتین ودارین) اور (طاب) الزیدون (نفوسا و) آباء (وابوات وعلوما ودیارا) یا ایسے معنی (کی موافقت) کے لئے ہو جو تمیز کے نفس میں ہے جیسے تمہارا قول ہے طاب زید ابا جب تم صرف اس کے باپ کا ارادہ کرو اور طاب زید ابوین جب تم زید کے باپ اور دادا کا ارادہ کرو اور طاب زید آباء جب تم زید کے باپ اور اجداد کا ارادہ کرو پس دونوں تقدیروں میں ہر ایک تقدیر کی بنا پر جب تم تمیز کی وحدت کا قصد کیا جائے گا تو تمیز کو مفرد لایا جائے گا (تاکہ تمیز مقصود کے مطابق ہو) اور جب تم

سکے تو وہ تمیز منتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ خاص ہوگی جیسے طاب زید ابوۃ

ودارا وعلما اس لئے کہ یہ اسماء منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہیں اور نہ منتصب عنہ کو ان اسماء سے تعبیر کر سکتے ہیں لہذا یہ متعلق زید کی تمیز واقع ہونگے اور وہ متعلق زید ذات مقدرہ یعنی شئے ہوگی جو کہ زید کی طرف منسوب ہے اور طاب زیدٌ جملہ میں پائی جاتی ہے پس اس سے یہ اسماء ابہام کو دور کریں گے کما مر تفصیلا فی تقسیم المنتصب عنہ علی خمسۃ اقسام واللہ اعلم

٣٣٧ قولہ فیطابق الخ اس جگہ شارح نے فیہما کی تفسیر ای فیما جاز الخ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ ضمیر فیہما دو چیزوں کی طرف راجع ہے ایک ما یصح جعلہ للمنتصب عنہ ولمتعلقہ کی طرف اور دوسری ما لایصح جعلہ الخ کی طرف جو کہ قول مصنف والا سے مستفاد ہوتی ہے پس اس وقت مطابقت سے وہ صورت خارج ہو جائیگی کہ جس میں تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو حالانکہ اس میں بھی حسب ارادہ مطابقت لازم ہے جواب یہ ہے کہ فیہما سے مراد فیما جاز الخ ہے یعنی تمیز کی مطابقت ہر صورت میں حسب ارادہ ضروری ہے خواہ تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو یا خصوصیت کو محتمل ہو یا تمیز منتصب عنہ کے متعلق کے لئے ہو یا صرف متعلق منتصب عنہ کے ہی ساتھ خاص ہو بہر صورت جب وحدت تمیز یا اس کے تثنیہ یا جمع ہونے کا قصد کیا جائیگا تو تمیز حسب مقصود مفرد یا تثنیہ یا جمع لائی جائیگی خواہ یہ تمیز منتصب عنہ کی موافقت کے لئے لائی جائے جیسے طاب زید ابا طاب الزیدان ابوین۔ طاب الزیدون اباءً یا نفس تمیز وحدت یا تثنیہ یا جمع کی مقتضی ہو مثلاً جب کہ منتصب عنہ کے لئے ابا سے صرف باپ مراد ہوگا

تثنیته اورد تثنیةً واذا قصدت جمعیته اورد جمعًا فان صیغة المفرد لا تصلح ان تطلق علی المثنیٰ والمجموع [۲۲۸] اِلّا اِذَا کَانَ التمییز جِنْسًا یقع علی القلیل والکثیر فانه اذا قصدت تثنیته او جمعیته لا یلزم ان یثنی ذلک الجنس او یجمع بل یکفی ان یوتی به مفرد الصیغة اطلاقه علی القلیل والکثیر فلا حاجة الی تثنیته وجمعه نحو طاب زید علما والزیدان علما والزیدون علما [۲۲۹] اِلّا اَنْ یُقْصَدَ بالتمییز الذی هو الجنس الْاَنْوَاعُ من حیث امتیازاتها النوعیة فانه لابد حینئذ من تثنیته او جمعه نحو طاب الزیدان علمین والزیدون علوما اذا ارید ان متعلق الطیب من کل من الزیدین اف

تمیز کے تثنیہ ہونے کا ارادہ کرو تو اس کا تثنیہ لایا جائیگا اور جب اس کے جمع ہونے کا ارادہ کیا جائیگا تو اسے جمع لایا جائیگا کیونکہ مفرد کا صیغہ اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ مثنی اور مجموع پر اس کا اطلاق کیا جائے (لہذا تثنیہ اور جمع کے ارادہ کے وقت تمیز کو مثنی و مجموع کر کے لانا ضروری ہے تاکہ تمیز مقصود بالصیغہ کے مطابق ہو) ((مگر جبکہ)) تمیز (ایسی جنس ہو) جو قلیل اور کثیر پر واقع ہوتی ہے پس جبکہ تمیز کے تثنیہ یا جمع ہونے کا قصد کیا جائیگا اس جنس کو تثنیہ یا جمع لانا ضروری نہیں بلکہ تمیز کو مفرد لانا کافی ہے کیونکہ جنس کا قلیل و کثیر پر اطلاق صحیح ہے لہذا (جنس کی صورت میں) تمیز کے تثنیہ اور جمع لانے کی کوئی حاجت نہیں جیسے طاب زید علما اور (طاب) الزیدان علما اور (طاب) الزیدون علما ((مگر یہ کہ)) اس تمیز سے جو جنس ہے ((انواع کا قصد کیا جائے)) انواع کے امتیازات نوعیہ کی حیثیت سے (انواع کا قصد کیا جائے یعنی چونکہ انواع خصوصیت کلیہ یا شخصیہ کے اعتبار سے ایکدوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں) تو اس وقت تمیز کا تثنیہ یا جمع لانا ضروری ہے جیسے طاب الزیدان علمین اور (طاب) الزیدون علوما جبکہ اس بات کا ارادہ کیا جائے کہ ہر ایک یعنی (طاب)

تو طاب زیدٌ اباً کہیں گے اور اگر تمیز سے منتصب عنہ کے لئے اب اور جد دونوں کا ارادہ مقصود ہو تو طاب زید ابوین کہیں گے علی ہذا القیاس جب آبار واحد منتصب عنہ کے لئے مقصود ہوں تو طاب زیدٌ آباءً کہیں گے بہر حال خواہ کوئی صورت ہو اگر وحدت تمیز کا قصد کیا جائیگا تو تمیز مفرد لائی جائے گی اور تثنیہ کا قصد ہو تو تثنیہ لائیں گے اور جمعیت تمیز مقصود ہو تو جمع لائی جائے گی تاکہ تمیز مقصود کے مطابق ہو جائے اس لئے کہ اگر صیغہ مفرد لائیں گے تو اس میں بوقت قصد تثنیہ یا جمعیت تثنیہ یا جمع بننے کی صلاحیت نہیں ہو گی واللہ اعلم

۲۲۸ قولہ الا اذا کان الخ ہاں البتہ اگر تمیز جنس ہو اور قلیل و کثیر سب پر صادق آئے تو مفرد لائی جائے گی اس لئے کہ جب تمیز کے تثنیہ یا جمع ہونے کا قصد کیا جائے گا تو یہ ضروری نہیں ہو گا کہ اس جنس کو تثنیہ یا جمع لائیں بلکہ اس جنس کا مفرد ہی لے آنا کافی ہو گا کیونکہ جنس کا مفرد ہونے کی حالت میں قلیل و کثیر سب پر اطلاق درست ہو گا لہذا اس کے تثنیہ یا جمع لانے کی حاجت نہ ہو گی بلکہ مفرد سے ہی مقصود تام ہو جائے گا جیسے طاب زیدٌ علماً طاب الزیدان علماً طاب الزیدون علماً کہ ان امثلہ میں علم جنس ہے قلیل کثیر سب پر صادق آتا ہے لہذا اس کے لئے منتصب عنہ یا مقصود سے مطابقت ضروری نہیں ہوگی جیسا کہ غیر جنس کی صورت میں تھا واللہ اعلم۔

۲۲۹ قولہ الا ان یقصد الخ یہ استثناء سابق سے استثناء ہے یعنی اگر تمیز کے جنس ہونے کی صورت میں انواع کا قصد ہو اس حیثیت سے کہ بعض انواع بعض سے ممتاز ہوں خواہ یہ امتیاز نوع کے اعتبار سے ہو یا عدد کے (پس اس جگہ بھی حسب سابق انواع سے مراد نوع اور عدد دونوں ہیں جیسا کہ ان کان جنسًا اِلّا ان یقصد الانواع میں گذر چکا) تو تمیز جنس کی مراد کو موافق تثنیہ اور جمع لایا جائے گا جیسے طاب الزیدان علمین اور طاب الزیدون علوما جبکہ اس سے یہ ارادہ کیا جائے۔ کہ زیدون میں سے ہر زید علم کی ایک ایک نوع کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی مثلاً ایک زید علم فقہ کے اعتبار سے اچھا ہے دوسرا علم نحو کے لحاظ سے اور تیسرا علم صرف میں ماہر ہونے کے باعث پس ان میں اگرچہ علم تمیز جنس ہے مگر علم کی انواع مختلفہ مراد ہیں اس لئے اگر تمیز مفرد لائی جائے گی تو اس سے علم کی انواع مختلفہ پر دلالت نہیں ہو سکے گی بلکہ مطلب یہ ہو جائے گا کہ ہر زید علم کے اعتبار سے اچھا ہے اور یہ قصد انواع کے خلاف ہے لہذا تمیز کو حسب مقصود تثنیہ یا جمع لائیں گے واللہ اعلم

الزیدین نوع آخر من العلم فان صیغة المفرد لا تفید ذلك المعنی [۳۴۰] وان كان ای التمییز صفة مشتقة مثل لله دره فارسًا او مؤولة بها نحو كفی زید رجلًا فان معناه كاملًا فی الرجولیة كانت الصفة صفة له ای لما انتصب عنه لا لمتعلقه لان الصفة تستدعی موصوفًا والمذكور اولی بموصوفیته فاذا قیل طاب زید والدًا كان الوالد زیدًا ولا یحتمل ان یكون والده بخلاف الاسم نحو ابًا [۳۴۱] وطبقه الواو بمعنی مع والطبق مصدر بمعنی المطابقة ای كانت الصفة صفة له مع مطابقتها ایاه او مطابقته ایاها ویجوز ان یكون بمعنی اسم الفاعل والواو للعطف علی خبر كانت ای كانت

الزیدان (علمین) اور (طاب) الزیدون (علوما) سے طیب کا متعلق (بفتح لام) علم (کے انواع) سے نوع دیگر ہے (یعنی زید کی طرف طیب کی اسناد اس سبب سے کی گئی ہے کہ وہ علم کے ایک نوع کا عالم ہے اور دوسرے زید کی طرف طیب کی اسناد اس سبب سے کی گئی ہے کہ وہ علم کے نوع دیگر کا عالم ہے وقس علی ھذا غیر ذلک تو تمیز کا اس وقت تثنیہ و جمع لانا ضروری ہے) کیونکہ مفرد کا صیغہ اس معنی مقصود (یعنی مافوق النوع الواحد) کا فائدہ نہیں دیتا ((اور اگر)) تمیز ((صفت)) مشتقہ ((ہو)) جیسے للہ درہ فارسا (فارس اسم فاعل تمیز ہے) یا (صفت) مؤول بہ مشتق ہو جیسے کفی زید رجلا (کہ رجلا لفظ کے اعتبار سے اسم جنس مگر تمیز واقع ہونے کی وجہ سے مشتق سے مؤول ہے) کہ اس کا معنی کاملًا فی الرجولیت ہے ((تو ہو گی)) صفت، صفت ((اس کے لئے)) یعنی منتصب عنہ کے لئے اس کے متعلق کے لئے نہیں کیونکہ صفت موصوف کو چاہتی ہے اور جو مذکور ہے (یعنی منتصب عنہ) وہی اولی بالموصوفیۃ ہے پس جب کہا جائے طاب زیدا والدا تو زید ہی والد ہوگا اور اس بات کا احتمال نہ ہوگا کہ (صیغۂ صفت یعنی والد سے) اس کا والد (متصف) ہو اسم کے برخلاف جیسے (طاب زیدا ابا میں) اباہے ((اس کی مطابقت کے ساتھ)) (وطبقہ میں) واو مع کے معنی میں ہے اور طبق مصدر ہے بمعنی المطابقۃ یعنی صفت، منتصب عنہ کے لئے صفت ہوگی اس صفت کے منتصب عنہ سے مطابقت کے باوجود یا اس منتصب عنہ کے صفت سے مطابقت کے باوجود اور جائز ہے کہ طبق (مصدر) اسم فاعل کے معنی میں ہو اور واؤ کانت

۳۴۰ قولہ وان کان الخ اور اگر تمیز صفت مشتقہ ہو جیسے للہ درہ فارسًا میں فارسًا فراستہ یا تفرس سے مشتق ہے یا صفت مشتق کے ساتھ تاویل کی گئی ہو۔ جیسے کفیٰ زیدٌ رجلًا میں رجل کاملًا فی الرجولیۃ سے مؤول ہے یعنی رجلًا کے معنی کامل فی الرجولیۃ کے ہیں تو صفۃ صرف منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اس کے متعلق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اس لئے کہ صفۃ موصوف کی متقضی ہوتی ہے اور مذکور یعنی منتصب عنہ اولی ہے کہ اس کو صفت کا موصوف بنا دیا جائے لہٰذا صفت صرف منتصب عنہ کے ہی ساتھ خاص ہوگی پس جب طاب زیدٌ کہا جائے گا تو والد زید ہی ہوگا اس کا متعلق یعنی زید کا باپ نہیں ہوگا ورنہ والد کی صفتیۃ زید کے ساتھ باقی نہیں رہے گی بخلاف اسم کے جیسے ابا کہ اس میں دونوں احتمال ہیں زید کا بھی اور زید کے باپ کا بھی مشتقۃ کا مطلب معلوم ہی ہے کہ اس سے مراد اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ ہیں کمامر واللہ اعلم۔

۳۴۱ قولہ وطبقہ الخ یہ واو بمعنے مع ہے اور طبق مصدر ہے بمعنی المطابقۃ اور عبارت اس طرح ہے ای کانت الصفۃ صفۃً لہ مع مطابقتہا ایاہ او مع مطابقتہ ایاہا یعنی جب تمیز صفت ہوگی تو منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہونے کے ساتھ ساتھ منتصب عنہ کے افراد تثنیہ اور جمع اور تذکیر و تانیث میں بھی موافق ہوگی اس لئے کہ موصوف و صفۃ کے درمیان مطابقت ضروری ہے اس لئے کہ صفت میں ایک ضمیر ہوتی ہے جو موصوف کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر کا اپنے مرجع سے مطابق ہونا ضروری ہے پس اگر منتصب عنہ مذکر یا مؤنث ہوگا تو صفت بھی مذکر یا مؤنث لائی جائے گی اذا اگر منتصب عنہ تثنیہ یا جمع ہوگا تو صفت کا بھی تثنیہ یا جمع لانا ضروری ہوگا دوسری توجیہ طبق مصدر کے متعلق یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہو اور واو کانت کی خبر صفۃ لہ پر عطف کے لئے ہو پس اس صورت میں عبارت اس طرح ہوگی ای کانت الصفۃ صفۃً لہ ومطابقۃً ایاہ پس ان دونوں صورتوں میں یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ وطبقہ میں واو عاطفہ ہے اور اسکا عطف قول منتصب لہ پر ہے اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ صفت طبق نہیں ہے پس جب واو بمعنی مع یا عاطفہ لے لیا گیا اور طبق اپنے بمعنے

صفةً له مطابقةً اياه والمراد بالمطابقة الاتفاق فی الافراد والتثنية والجمع والتذكير والتانيث لكونها حاملةً لضميره واحتملت ای الصفة المذكورة ان الحال ايضا لاستقامة المعنی علی الحال نحو طاب زيد فارسا ای من حيث انه فارس او حال كونه فارسا لكن زيادة من فيها نحو لله دره من فارس وقولهم عز من قائل يويد التميز لان من تزاد فی التميز لا الحال وايضا المقصود مدحه بالفرسية لا بحال الفرسية اذ قد يمدح حال الفرسية بغيرها من الصفات ولا يتقدم التميز علی عامله

کی خبر پر عطف کے لئے ہو یعنی صیغہ صفت منتصب عنہ کے لئے صفت ہوگی اور منتصب عنہ سے مطابق ہوگی۔ اور مطابقت سے مراد (صفت کا منتصب عنہ کے ساتھ) افراد وتثنیہ وجمع وتذکیر وتانیث میں موافق ہونا ہے کیونکہ صفت منتصب عنہ کی ضمیر کی حامل ہے (یعنی صیغہ صفت میں جو ضمیر فاعل ہے وہ منتصب عنہ کی طرف راجع ہے اور ظاہر ہے کہ راجع ومرجع میں موافقت ضروری ہے) ((اور احتمال رکھتی ہے)) صفت مذکورہ ((حال کا)) بھی کیونکہ حال کی بنا پر معنی درست ہوتا ہے جیسے طاب زید فارسا یعنی من حیث انہ فارس (یہ تفسیر فارسا کے تمیز ہونے کی بنا پر ہے کیونکہ من بیانیہ تمیز میں ہی زائد آتا ہے اس لئے کہ من بیانیہ ہے اور تمیز بھی بیان کے لئے ہے) یا حال کونہ فارسا (یہ تفسیر فارسا کے حال ہونے کی بنا پر ہے) لیکن صیغہ صفت میں من کا زائد آنا جیسے للہ درہ من فارس (والاصل فارسا بالنصب) اور اہل عرب کا قول (فلانٌ) عزّ (فعل ماضی) من قائل (والاصل عزّ قائلا) تمیز کی تائید کرتا ہے کیونکہ من تمیز میں زائد آتا ہے حال میں نہیں اور نیز (طاب زید فارسا سے) مقصود فروسیت کے ساتھ زید کی مدح کرنا ہے نہ کہ فروسیت کی حالت میں (اس کی مدح کرنا مقصود ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس کی مدح فروسیت کے حال سے مقید ہو جائے گی اور قید مدح کے منافی ہوتی ہے) کیونکہ کبھی فروسیت کی حالت میں فروسیت کے علاوہ دیگر صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ مدح کی جاتی ہے (جیسے زید عالم من حیث انہ فارس اگر فارس کو حال تصور کیا جائے تو یہ مثال جائز نہ ہو کیونکہ یہ ایسا ہو جائیگا جیسے زید عالم حال کونہ راکبا اور یہ درست نہیں کہ علم حالت رکوب کے ساتھ مقید ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے) ((اور متقدم نہ ہوگی)) تمیز ((اپنے عامل

المطابقة تو اب اعتراض باقی نہیں رہا واللہ اعلم

۳۴۲ قولہ واحتملت الخ اور صفت مذکورہ اگر تمیز واقع ہو تو یہ حال کا بھی احتمال رکھتی ہے کیونکہ حال کے معنی کبھی صحیح ہو جاتے ہیں جیسے طاب زیدٌ فارسًا اچھا ہے زید از روئے شہسوار ہونے کے یا شہسوار ہونے کی حالت میں لیکن اس میں ترجیح تمیز کو حاصل ہے اسلئے کہ اس صفت میں کبھی من بھی زیادہ کردیا جاتا ہے جیسے للہ درہٗ من فارس کہ اصل میں فارسًا تھا اور جیسے اہل عرب کا قول عز من قائل عز قائلًا کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے ای عز فلانٌ من قائل جب کسی کی عزت مقصود ہوتی ہے تب یہ کہتے ہیں پس زیادتی من اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اس میں تمیز راجح ہے حال سے اس لئے کہ من تمیز میں ہی زیادہ کیا جاتا ہے حال میں نہیں کیونکہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہوتا ہے اور من بیان کے لئے آتا ہے پس من بیانیہ زید رفع ابہام پر دلالت کریگا نیز یہ کہ اس مثال سے زید کی تعریف فردسیۃ کے اعتبار سے کرنا مقصود ہے حال فروسیۃ کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ تمیز مدح کے لئے ہوتی ہے اور حال مدح کے لئے نہیں آتا بلکہ وہ عامل کو حال کے ساتھ مقید کر دینے کے لئے آتا ہے لہذا احتمال تمیز راجح ہوگا پھر یہ بھی وجہ ہے کہ اگر حال فرسیۃ کے ساتھ اس کی تعریف مقصود ہوتی تو فرسیۃ کے بغیر دوسری صفات کے ساتھ اس کی تعریف کی جاتی ہے جیسے حسن زیدٌ قائمًا ۱۲۔

۳۴۳ قولہ ولا یتقدم الخ اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوگی بشرطیکہ تمیز قسم اول سے ہو یعنی اس کا عامل اسم تام ہو کیونکہ عندی [illegible] زیتا رطل نہیں کہا [illegible] اس لئے کہ اس کا عامل اسم جامد ہوتا [illegible]

اگرچہ یہ فعل کے مشابہ ہے لیکن یہ مشابہت ضعیف ہے جیساکہ بالتفصیل بیان کیا جا چکا ہے کہ مفرد مقدار جب تنوین وغیرہ میں سے کسی ایک کے ساتھ تام ہو تو وہ فعل کے ساتھ

اس اعتبار سے مشابہ ہو جاتی ہے کہ فعل بھی اپنے فاعل پر تمام ہوتا ہے اسی طرح جس طرح فعل کے بعد فاعل آتا ہے مفرد مقدار کے بعد تنوین وغیرہ آتی ہے اس کے علاوہ

LIBRARY

اذا كان اسمًا تامًا بالاتفاق فلا يقال عندى درهما عشرون ولا زيتًا رطل لان عامله ح اسم جامد ضعيف العمل مشابه للفعل مشابهة ضعيفة ۲۴۳ كما ذكرنا فلا يقوى ان يعمل فيما قبله والاصح اى اصح المذاهب اَنْ لَا يَتَقَدَّمَ التمييزُ عَلٰى ما هو عامل فيه من الفِعْلِ الصريح او الغير الصريح لكونه من حيث المعنى فاعلًا للفعل نفسه نحو طاب زيد ابًا اى طاب ابوه او فاعلًا له اذا جعلته لازمًا نحو فجرنا الارض عيونًا اى انفجرت عيونها او اذا جعلته متعديًا نحو امتلأ الاناء ماءً اى ملأه

پر "ا" جبکہ عامل اسم تام بالاتفاق لہٰذا نہیں کہا جائے گا عندی درھما عشرون اور نہ (عندی) زیتا رطل کیونکہ تمیز کا عامل (جبکہ اسم تام ہو) اس وقت اسم (اور اس کے باوجود) جامد ہے ضعیف العمل ہے فعل مشابہ ہے (مگر) مشابہت ضعیفہ کے ساتھ جیسا کہ ہم نے (تمیز کے قسم اول میں) ذکر کیا پس یہ اس بات کی قوت نہیں رکھتا کہ اپنے ماقبل میں عمل کرے ((اور صحیح تر)) یعنی سب سے صحیح تر مذہب ((یہ ہے کہ متقدم نہ ہوگی)) تمیز کسی ایسی چیز پر جو اس میں عامل ہے یعنی ((فعل)) صریح یا غیر صریح ((پر)) کیونکہ تمیز (عن النسبۃ) معنی کی حیثیت سے (یعنی درحقیقت) نفس فعل کے لئے فاعل ہے جیسے طاب زید ابا یعنی طاب ابوہ یا نفس فعل کے لئے اس وقت فاعل ہے جبکہ تم اس (فعل) کو (جو تمیز میں عامل ہے انکسر کی طرح باب انفعل کی طرف نقل کر کے) لازم بنادو جیسے فجرنا الارض عیونا (اس میں تمیز نفس فعل کے لئے مفعول ہے پھر جب فجرنا کو لازم بنادیا جائے تو یہی تمیز فاعل ہو جائے گی) یعنی انفجرت عیونہا یا (تمیز اس وقت نفس فعل کے لئے فاعل ہوگی) جب تم اس (فعل) کو (جو تمیز میں عامل ہے حذف زوائد سے (متعدی کر دو (کہ فعل کبھی تو حذف زوائد سے لازم ہوتا ہے اور کبھی متعدی) جیسے امتلاء الاناء ماءً یعنی ملاءہ الماء ۔ پس تمیز عن النسبۃ کی تین قسمیں ہوئیں ۱ نفس فعل کے لئے فاعل ۲ فعل لازم کے لئے فاعل ۳ فعل متعدی

مشابہت کی اور کوئی وجہ نہیں پس یہ مشابہت ضعیفہ ہوگی تو یہ نہیں لہٰذا اگر تمیز کو اس کے عامل پر مقدم کریں گے تو اس کا عامل اپنے ضعف فی العمل کے باعث تمیز میں عمل نہیں کر سکے گا پس تمیز کو ممیز پر مقدم نہیں کیا جائے گا واللہ اعلم۔

۲۴۴ قولہ والاصح الخ جب یہ بیان کیا گیا کہ اگر تمیز کا عامل اسم تام ہو تو اپنے ضعف کی وجہ سے تمیز کے اس پر مقدم ہونے کی صورت میں عمل نہیں کرے گا تو شبہ پیدا ہوا کہ اگر عامل اسم تام نہ ہو بلکہ فعل یا شبہ فعل ہو تو چونکہ وہ عامل قوی ہے لہٰذا اس پر تمیز مقدم ہو جائے گی پس اس شبہ کے ازالہ کے لئے مصنف والاصح الخ کہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس کا عامل فعل ہو تو اس میں اختلاف ہے اس لئے بعض نحاۃ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں تمیز فعل پر مقدم ہو سکے گی جیسا کہ عنقریب آتا ہے لیکن اصح مذہب یہ ہے کہ تمیز اس صورت میں بھی اپنے فاعل پر مقدم نہیں ہو سکتی خواہ وہ عامل فعل صریح ہو یا غیر صریح یعنی اسم فاعل وغیرہ از قسم شبہ فعل اور اس عدم تقدم کی وجہ یہ ہے کہ تمیز اگرچہ منصوب ہوتی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معنی کی حیثیت سے فعل کا فاعل ہوتی ہے کیونکہ اس سے غرض اجمال کے بعد بیان ہوتی ہے اور اجمال فعل کا فاعل ہوتا ہے تو بیان بھی لامحالہ فعل کا فاعل ہوگا جیسے طاب زیدٌ ابًا معنے کے اعتبار سے طاب ابوہٗ کے معنی میں ہے جبکہ ابا کو منتصب عنہ کے متعلق سے تمیز قرار دیں پس ظاہر ہے کہ ابوہٗ طاب کا فاعل واقع ہو رہا ہے لہٰذا جس طرح فاعل کو فعل پر مقدم کرنا ناجائز ہے اسی طرح تمیز کو بھی عامل فعل یا شبہ فعل پر مقدم کرنا ناجائز ہوگا۔ یہ تو صورت اس وقت تھی جبکہ تمیز بذات خود فاعل بن سکتی تھی لیکن جب تمیز بذات خود فاعل نہ بن سکے بلکہ وہ فعل متعدی سے تمیز واقع ہو جیسے فجرنا الارض عیونا کہ اس میں فجرنا فعل متعدی ہے تو اس کو لازم کر لیں گے ای انفجرت عیونہا پس عیونا جو کہ تمیز واقع ہو رہا تھا وہ فعل کے لازم ہو جانے کے سبب سے اس کا فاعل ہو جائیگا اور فاعل فعل پر مقدم ہوا نہیں کرتا لہٰذا تمیز کو بھی عامل فعل پر مقدم نہیں کریں گے اسی طرح اگر فعل لازم ہو اور اس کی تمیز فاعل نہ بن سکے تو فعل لازم کو متعدی کر لیں گے جیسے امتلاء الاناء ماءً (بھر گیا برتن از روئے پانی کے) کہ امتلاء فعل لازم ہے اور ماءً اس کا فاعل نہیں بن سکتا لہٰذا فعل متعدی کو لازم سے بدل لیں گے ای ملاءہ الماء یعنی برتن کو پانی نے بھر دیا اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ الماء فاعل واقع ہو رہا ہے پس جس طرح فاعل مقدم نہیں ہوا کرتا فعل پر اسی طرح جو فاعل کے معنے میں ہوگا وہ بھی فعل پر مقدم نہیں کیا جائیگا واللہ اعلم۔

(۳۲۵) الماء والفاعل لا يتقدم على الفعل فكذا ما هو بمعنى الفاعل وههنا بحث وهو ان الماء فى قولهم امتلأ الاناء ماءً من حيث المعنى فاعل للفعل المذكور من غير حاجة الى جعله متعديا لان المتكلم لما قصد اسناد الامتلاء الى بعض متعلقات الاناء ولو على سبيل التجوز وقدره وقع الابهام فيه لا جرم ميزه بقوله ماءً فهو فى معنى امتلأ ماء الاناء فالماء فاعل معنى (۳۲۶) وذلك بعينه مثل قولك ربح زيد تجارة فان التجارة تمييز برفع الابهام

کے لیے فاعل گویا تمیز تمام فعلوں کے لئے فاعل ہوئی) اور فاعل فعل پر متقدم نہیں ہوتا (تاکہ مبتدا ء اس کا التباس نہ ہو) پس اسی طرح وہ چیز (یعنی تمیز بھی) فعل پر متقدم نہ ہو گی جو فاعل کے معنی میں ہے اور یہاں (امتلاء الاناء ماء میں) بحث ہے اور وہ بحث یہ ہے کہ اہل عرب کے قول امتلاء الاناء ماء میں الماء من حیث المعنی (جری النہر اور سال المیزاب کی طرح علاقۂ محلیت سے مجازی طور پر) فعل مذکور کا فاعل ہے اس ضرورت کے بغیر کہ (حذف زوائد سے) اسے متعدی کیا جائے کیونکہ (اس کلام کے) متکلم نے جب اناء کے بعض متعلقات (کہ جسے اناء میں کرنا ممکن ہے) کی امتلاء کی طرف اسناد کا قصد کیا اگرچہ (امتلاء کی اسناد اس بعض متعلقات کی طرف علاقۂ محلیت سے) مجاز کے طور پر ہے اور اس بعض کو مقدر کیا (کہ امتلاء کی فاعل حقیقی یعنی اناء کی طرف اسناد کر دی اور کہدیا امتلاء الاناء) تو اس قول میں ابہام واقع ہو گیا تو بہر صورت متکلم نے اس ابہام کو اپنے قول "ماءً" سے بیان کر دیا پس قول مذکور (امتلاء الاناء ماءً) امتلاء ماء الاناء کے معنی میں ہے (پس اس میں ماء انبت الربیع البقل کی طرح فاعل مجازی ہے) اور الماء کا فاعل مجازی ہونا بعینہ تمہارے قول ربح (از علم) زیدٌ تجارۃً کی طرح ہے کیونکہ تجارت (لفظ زید کی طرف ربح کی نسبت سے) تمیز (اور معنی کی رو سے فاعل مجازی) ہے جو

۳۲۵ قولہ وہہنا بحث الخ امتلاء الاناء ماء کے متعلق جو توجیہ کی گئی ہے اس کو فاعل بنانے کے لیے اس پر شارح اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ امتلاء الاناء ماءً میں لفظ ماء معنے کے اعتبار سے فعل مذکور کا فاعل ہے بغیر اس بات کے کہ اس کو لازم سے متعدی بنا کر ملأ ہ الماء کہا جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب متکلم نے اس بات کا قصد کیا کہ وہ امتلاء کا اسناد اناء کے بعض متعلقات ماء وغیرہ کی طرف کرے اگرچہ علی سبیل التجوز ہی کیوں نہ ہو یعنی متکلم نے جب اس شے کا قصد کیا جو کہ اناء کی طرف منسوب ہے یعنی ماء کا اور اس اسناد کو فرض کر لیا اگرچہ یہ اسناد مجازاً ہی ہے اس لئے کہ امتلاء کا اسناد حقیقۃً اناء کی طرف ہے ماء کی طرف نہیں تو اس قصد فرض اسناد کے باعث اس اسناد میں ابہام پیدا ہو گیا اسلئے کہ یہ پتہ نہیں کہ برتن کو کس شے نے پُر کیا ہے پس لامحالہ اس کی تمیز ماءً کے ساتھ لائی گئی پس یہ امتلاء ماء الاناء کے معنی میں ہو گا لہذا ماء معنی فاعل ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ فعل کا اسناد فاعل حقیقی کی طرف ضروری نہیں اس لئے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قول عرب انبت الربیع البقلۃ میں فاعل یعنی منبت حقیقی اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ اس کے معنی یہ کئے جاتے ہیں۔ بہار نے سبزہ اگایا پس اس میں فعل کی اسناد ربیع کی طرف مجازاً ہے اور ربیع کو انبت کا مجازاً فاعل بنایا گیا ہے کیونکہ ربیع انبات کا سبب ہے اسی طرح امتلاء ماء ن الاناء میں ماء کو اس اعتبار سے فاعل بنا دیا گیا کہ ماء سبب امتلاء اناء ہے پس فعل کی اسناد اناء کے بعض متعلقات کی طرف مجازاً جائز ہوئی لہذا کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ فعل لازم کو متعدی کر کے تمیز کو فعل کے معنی میں کریں پس اس بحث سے

شارح کا مقصد یہی ہے کہ فعل لازم کو متعدی بنانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جس طرح فاعل حقیقی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح فاعل مجازی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو گا واللہ اعلم ۱۲

۳۲۶ قولہ وذلک الخ اس سے شارح اپنے قول کی تائید پیش فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ لفظ ماء کا امتلاء ماء ن الاناء میں فاعل مجازی اور امتلاء الاناء ماءً میں فاعل معنوی ہونا بعینہ قول قائل ربح زید تجارۃً کی مثل ہے اس لئے کہ تجارۃً تمیز ہے اور شئ منسوب الی زید سے رفع ابہام کر رہی ہے اور وہ شئ منسوب الی زید تجارۃ ہے پس ربح کا فاعل اس صورت میں تجارۃ ہوا نہ کہ زید اگرچہ ربح کی اسناد زید کی طرف حقیقۃً ہے اور تجارۃ کی طرف مجازاً حاصل یہ ہوا کہ جب ربح شئے منسوبٌ الی زید کہا گیا تو اس میں ابہام پیدا ہو گیا کہ وہ شئ منسوب الی زید کیا ہے؟ اور شئ منسوب الی زید ربح کا فاعل ہے پس جب اس کی تمیز تجارۃً کے ساتھ لائی گئی تو اس شے سے ابہام

عن شئ منسوب الى زيد وهو التجارة فالفاعل في قصدك هو التجارة لا زيد
وان كان اسناد الربح اليه حقيقة واليها مجازا وبهذا[347] اندفع مايورد على
قاعدتهم المشهورة وهي ان التمييز عن النسبة اما فاعل في المعنى او مفعول
من ان التمييز في هذا المثال وامثاله لا فاعل ولا مفعول فلا تطرد تلك
القاعدة خلافا[348] للمازني والمبرد فانهما يجوزان تقديم التمييز على الفعل
الصريح وعلى اسمي الفاعل والمفعول نظرا الى قوة العامل بخلاف الصفة
المشبهة واسم التفضيل والمصدر وما فيه معنى الفعل لضعفها في العمل
وتمسكهما في هذا التجويز قول الشاعر شعر اتهجر سلمى بالفراق حبيبها ، وما
كاد نفسا بالفراق تطيب . على تقدير تانيث الضمير في تطيب فانه ح يكون

ابہام کو شئ (مقدر) منسوب بجانب زید سے رفع کرتی ہے (تقدیرہ الربح شئ منسوب الی
زید) اور وہ شئ تجارت ہے (یعنی جب ربح شئ منسوب الی زید کہا گیا تو اس میں ابہام
واقع ہوا تجارت نے اس کی تفسیر کردی فالاصل ربح تجارۃ زید) پس تمہارے قصد میں
(ربح کا) فاعل تجارت ہی ہے نہ کہ زید اگرچہ زید کی طرف ربح کی اسناد حقیقۃ اور تجارت
کی طرف مجازاً ہے اور اس جواب سے (کہ ربح کی اسناد زید کی طرف حقیقۃ اور تجارت
کی طرف مجازاً ہے علاقہ سببیت سے تجارت فاعل مجازی ہے) وہ اعتراض دور ہو
جاتا ہے جو نحویوں کے قاعدۂ مشہورہ پر وارد ہوتا ہے اور قاعدہ مشہورہ یہ ہے کہ تمیز
عن النسبۃ درحقیقت یا تو فاعل ہے یا مفعول (اعتراض یہ ہے) کہ اس مثال (ربح زید
تجارۃً) میں تمیز نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول پس یہ قاعدہ رد نہیں کیا جاسکتا (مازنی اور
مبرد کے برخلاف) کہ یہ دونوں فعل صریح اور اسم فاعل واسم مفعول پر تمیز کی تقدیم کو
عامل کی قوت کی طرف نظر کرتے ہوئے جائز قرار دیتے ہیں (فعل کا عامل قوی ہونا تو ظاہر
ہے اور اسم فاعل واسم مفعول اپنی شرط عمل کے ساتھ مضارع کے حکم میں ہوتے ہیں اور
مضارع عامل قوی ہے) صفت مشبہ اور اسم تفضیل اور مصدر اور اس کے برعکس کہ جس
میں فعل کا معنی ہے ان کے ضعف فی العمل کی وجہ سے (ان کی تمیز ان پر مقدم نہ ہوگی)
اور اس تجویز میں مازنی و مبرد کا مستدل شاعر کا یہ قول ہے ۔ شعر

اتہجر سلمی بالفراق حبیبہا   وما کاد نفسا بالفراق تطیب

بنا برآنکہ تطیب میں مؤنث کی ضمیر مقدر ہو پس اس وقت (کا دمیں) ضمیر کے مذکر ہونے

دور ہو گیا پس تجارت بمنزلہ فاعل کے ہوئی
کیونکہ تجارت سبب ربح ومنفعت ہے پس اسی
طرح امتلاء ماء ان الاناء میں مار کو مجازاً فاعل
کہیں گے کیونکہ مار سبب امتلاء انا رہے واللہ
اعلم ۱۲

۳۴۷ قولہ وبہذا الخ اس سے
شارح ایک اعتراض کے دفع کی طرف اشارہ
کررہے ہیں جو مذکورہ بالا بحث کے ضمن میں ہی
دفع ہوجاتا ہے کہتے ہیں کہ جب ہم نے یہ کہا
کہ ربح کی اسناد زید کی طرف حقیقۃً ہے اور
تجارۃ کی طرف مجازاً اور تجارۃ بعلاقہ
سببیت فاعل مجازی ہے تو اس سے ایک
اعتراض دفع ہو گیا جو اس مشہور قاعدہ
پر وارد ہوتا ہے کہ تمیز جب نسبت سے
رفع ابہام کرتی ہے تو وہ معنیً یا فاعل ہوتی
ہے یا مفعول حالانکہ ربح زید تجارۃ اور اس
کے امثال جیسے امتلاء الاناء مار میں تمیز نسبت
سے رفع ابہام کررہی ہے لیکن نہ معنی فاعل ہے
نہ مفعول پس یہ قاعدہ درست نہیں وجہ رفع
یہ ہے کہ فاعل اور مفعول جو اس قاعدہ میں
بیان کئے گئے ہیں ان میں تعمیم ہے یعنی خواہ
وہ حقیقۃً ہوں یا مجازاً اس لئے کہ یہ دونوں
مطلق ذکر کئے گئے ہیں اور مطلق میں فائدہ تعمیم
حاصل ہوسکتا ہے پس اگرچہ ان مثالوں میں تمیز
فاعل حقیقی نہیں لیکن فاعل مجازی ضرور ہے لہذا
قاعدہ اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہے واللہ اعلم

۳۴۸ قولہ خلافا للمازنی الخ اگر
تمیز کا عامل فعل صریح یا غیر صریح ہو تو اس میں
مازنی اور مبرد کا خلاف ہے اس لئے کہ یہ دونوں
فعل صریح اور اسم فاعل اور اسم مفعول پر تقدیم
تمیز کو جائز قرار دیتے ہیں اور دلیل ان کی یہ ہے
کہ یہ عامل قوی ہے اور جب عامل قوی ہوتا ہے
تو اس کے معمول کی تقدیم اس پر جائز ہوتی ہے
بشرطیکہ اس تقدیم سے کوئی مانع پیش نہ آئے
اور فعل صریح میں تو قوت ظاہر ہے اور آخرین
میں اس لئے قوت فی العمل ہے کہ جب ان
دونوں میں شرط عمل پائی جائے تو یہ مضارع کے
حکم میں ہوتے ہوئے باعتبار عمل کے پس یہ فعل
کی طرح مقدم اور موخر دونوں طرح عمل کریں
گے بخلاف صفۃ مشبہ ۔ اسم تفضیل اور مصدر
کے امر اس کے کہ جس میں فعل کے معنی ہوں تو

فی کاد ضمیر الشان لتذکیرہ ویعود ضمیر تطیب الی سلمی ویکون نفساً تمییزا عن نسبۃ تطیب الیھا مقدما علیہ واما[۳۴۹] علی تقدیر تذکیر الضمیر فضمیر کاد للحبیب ونفساً تمییز عن نسبۃ کاد الیہ ای وما کاد الحبیب نفسا یطیب فلا تمسك وما[۳۵۰] قیل یحتمل ان یحمل البیت علی تقدیر تانیثہ ایضا علی ھذا الوجہ بان یکون تانیث الضمیر الراجع الی الحبیب باعتبار النفس اذ المعنی و

کی وجہ سے کاد میں ضمیر شان ہوگی (تقدیرہ وما کاد الشان تطیب سلمی نفسا بالفراق) اور تطیب کی ضمیر سلمی کی طرف لوٹتی ہے اور نفسا سلمی کی طرف فعل تطیب کی نسبت سے تمیز ہے جبکہ فعل تطیب سے مقدم ہے لیکن (تطیب کی بجائے یطیب بہ یائے منقوطہ بہ نقطتین من تحت لکھا جائے تو اس میں ضمیر مستتر مذکر ہوگی لہذا) ضمیر کی تذکیر کی بنا پر تو کاد کی ضمیر حبیب کیلئے (راجع) ہوگی (ضمیر شان نہ ہوگی کہ وہ ایسے جملے سے پیشتر نہیں جو بعد اس کی تفسیر واقع ہو) اور نفسا کاد کی ضمیر (مستتر دروی) کی طرف نسبت سے تمیز ہوگی یعنی وما کاد الحبیب نفسا یطیب (تقدیرہ وما کاد نفس الحبیب یطیب ای یرضی بالفراق یعنی بالافتراق عن سلمی اور یہی اولی وانسب ہے) پس (مازنی اور مبرد کا اس شعر سے) کوئی استدلال نہیں ہوسکتا اور جو کہا گیا ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ ضمیر کی تانیث کی تقدیر پر بھی بیت کو اس وجہ مذکور پر اس طرح محمول کیا جائے کہ ضمیر راجع بسوئے حبیب کی تانیث نفس کے اعتبار سے ہو کیونکہ

چونکہ یہ ضعیف فی العمل ہیں اس لئے ان پر تمیز مقدم نہیں ہوسکتی کیونکہ عامل ضعیف مابعد میں تو عمل کرسکتا ہے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا اور ان دونوں کی دلیل قوت عامل کی دلیل کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ ایک شاعر نے اپنے شعر میں تمیز کو اس کے عامل پر مقدم باندھا ہے اور وہ شعر یہ ہے ؎

اتھجر سلمی بالفراق حبیبھا
وما کاد نفساً بالفراق تطیب

اس میں استفہام انکار کے لئے ہے اور سلمی اتھجر فعل مؤنث کا فاعل ہے اور ما کاد میں ما نافیہ اور کاد افعال مقاربہ سے ہے اور اس میں ضمیر شان مستتر ہے اور تطیب فعل مونث کا اسناد سلمی کی طرف ہو رہا ہے یعنی اسکی ضمیر مونث سلمی کی طرف راجع ہے پس اس تقدیر کی بناء پر نفساً تطیب کی سلمی کی طرف نسبت سے تمیز واقع ہو رہا ہے اور اپنے عامل تطیب پر مقدم ہے اسی کو شارح علی تقدیر تانیث الخ سے بیان کررہے ہیں یعنی یہ شعر محل استشہاد اس تقدیر کی بنا پر ہے کہ تطیب کو مونث پڑھیں اور اس میں ضمیر مؤنث لائیں گے پس اس وقت کاد چونکہ مذکر ہے لہذا اس میں ضمیر شان لائی جائے گی اور تطیب کی ضمیر سلمی کی طرف راجع ہوگی اور نفساً تطیب کی سلمی کی طرف نسبت سے تمیز واقع ہوگا اور یہ اپنے عامل پر مقدم ہے پس شعر کے معنی اس تقدیر کی بنا پر بشرطیکہ یہ شعر اس مصرعہ کا مصداق ہو ع دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی ؛ یہ ہوں گے کیا سلمیٰ اپنے محبوب یعنی عاشق کو فراق میں مبتلا چھوڑ دے گی درانحالیکہ شان یہ ہے کہ وہ از روئے نفس کے (یعنی بذات خود) فراق کو اچھا نہیں سمجھتی۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے عاشق کو جو اس کا محبوب ہے فراق میں مبتلا نہیں چھوڑے گی، پس اس صورت میں نفساً تمیز کا اپنے عامل ممیز پر مقدم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تمیز عامل فعل پر مقدم ہوسکتی ہے پھر اس جگہ شارح نے علی تقدیر تانیث الضمیر الخ اس وجہ سے کہا کہ اس شعر میں دو احتمال ہیں ایک کے بموجب تو استشہاد صحیح ہے اور دوسرے کے بموجب غیر صحیح لہذا اس شعر کو مطلقاً استشہاد کے لئے پیش نہیں کیا جاسکتا واللہ اعلم۔

ف۳۴۹ قولہ واما علی تقدیر الخ یہ دوسرا احتمال ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تطیب تاء کے ساتھ مؤنث نہ پڑھیں بلکہ یاء کے ساتھ یطیب مذکر پڑھیں پس اس صورت میں کاد کی ضمیر حبیب کی طرف راجع ہوگی اور نفساً ضمیر کی طرف کاد کی نسبت سے ممیز واقع ہوگا اور عبارت اس طرح ہو جائے گی ای وما کاد الحبیب نفساً یطیب پس اس صورت میں اس سے استشہاد ٹھیک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نفساً تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں بلکہ مؤخر ہے کما یکون پس اس صورت میں شعر کا ترجمہ یہ ہوگا کہ کیا سلمی اپنے عاشق کو فراق میں مبتلا چھوڑ دے گی درانحالیکہ اس کا عاشق فراق سے خوش نہیں ہے یعنی وہ فراق کو پسند نہیں کرتا۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں سلمی بھی اس پر فریفتہ ہو اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ ایسا نہ ہو بلکہ عاشق اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے اپنی محبوبہ کو بھی اپنا عاشق سمجھتے ہوئے ایسا کہہ رہا ہو (اس شعر کی اصل کیفیت کو عاشق ہی خوب سمجھ سکتے ہیں میں نے صرف اپنا خیال ظاہر کیا ہے واللہ اعلم۔

ف۳۵۰ قولہ وما قیل الخ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر شعر کو تقدیر تانیث فعل پر ہی محمول کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ

ماکادت نفس الحبیب تطیب فتکلف وتعسف غیر قادح فی التمسک ۳۵۱ المستثنیٰ ای مایطلق علیه لفظ المستثنیٰ فی اصطلاح النحاة علی قسمین و ۳۵۲ لما کان معلومیته بهذا الوجه الغیر المحتاج الی التعریف کافیة فی تقسیمه قسمه الی قسمین وعرف کل واحد منهما لان لکل واحد منهما

(اس توجیہ پر مصرع ثانی کا معنی یہ ہے وما کادت نفس الحبیب تطیب (بالفراق) تو تکلف اور طریق واضح سے عدول ہے (مؤنث کی ضمیر کو مذکر کی طرف باعتبار نفس لوٹانا تکلف اور تطیب کی ضمیر مؤنث کو مذکر کی طرف لوٹانا تعسف ہے) (مستثنیٰ) یعنی جس پر مستثنیٰ کے لفظ کا اطلاق کیا جائے نحویوں کی اصطلاح میں دو قسموں پر (منقسم) ہے اور جبکہ مستثنیٰ کا اس وجہ سے جو کہ تعریف کی محتاج نہیں معلوم ہونا اس کی تقسیم میں کافی تھا تو مصنف نے اسے دو قسموں کی طرف تقسیم کیا اور (تقسیم کے بعد) ان دونوں میں سے ہر ایک کی تعریف کی کیونکہ

ضمیر تطیب باعتبار نفس کے حبیب کی طرف راجع ہے اور نفس مونث ہے اس لئے کہ اس کے معنے وما کادت نفس الحبیب بالفراق تطیب کے ہیں نفس حبیب فراق کو پسند نہیں کرتا پس عبارت اس طرح ہوگی ای وما کاد الحبیب نفسا تطیب نفسہ لفراقہ پس اس صورت میں تطیب میں ضمیر مونث ہے لیکن شعر قابل تمسک نہیں اور نفسا محل استشہاد نہیں اس لئے کہ یہ اس ذنت کاد کی نسبت سے تمیز واقع ہو رہا ہے جو کہ ضمیر مستتر کی طرف ہو رہی ہے جو کہ حبیب کی طرف راجع ہے پس مازنی اور مبرد کو یہ شعر دلیل میں پیش کرنا درست نہیں شارح ان کی جانب سے جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس توجیہ میں تکلف اور تعسف ہے اور یہ شعر مذکور سے تمسک میں کوئی مضر نہیں پس تکلف تو اس میں اس اعتبار سے ہے کہ ضمیر مونث باعتبار نفس کے مذکر کی طرف لوٹائی گئی ہے اور تعسف کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ضمیر کا مرجع نفس کو بنایا گیا ہے مگر مراد اس سے مذکر ہی ہے بس ضمیر مونث مذکر کی طرف لوٹائی گئی حالانکہ ظاہر اور واضح اس میں یہ تھا کہ تطیب کی ضمیر مونث سلمیٰ کی طرف راجع کی جائے اس لئے کہ مونث مونث کی طرف راجع ہوتی ہے اور مذکر مذکر کی طرف پس چونکہ طریق واضح سے خروج اختیار کیا گیا ہے اس لئے اس میں تعسف ہے اس لئے کہ نعت میں اس کے یہی معنی ہیں پس شعر کو استدلال میں پیش کرنا قابل تمسک نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۳۵۱ قولہ المستثنیٰ الخ اس جگہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مستثنیٰ کے معنی مخرج یعنی نکالے گئے ہیں لہٰذا اس کی تقسیم متصل اور منقطع کی طرف جائز نہیں کیونکہ اس سے تقسیم الشیٔ الی نفسہ والی غیرہ لازم آتی ہے اس لئے کہ مستثنیٰ صیغہ اسم مفعول بمعنی المخرج ہے لغۃً اور یہ معنی متصل پر تو صادق آتے ہیں منقطع پر صادق نہیں آتے اس کا جواب دینے کے لئے شارح نے ای مایطلق علیہ لفظ المستثنیٰ الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ مستثنیٰ کے لغوی معنی مراد نہیں بلکہ جس پر مستثنیٰ کا اصطلاح نحاۃ میں اطلاق کیا جاتا ہو وہ مراد ہے پس منقطع پر اگرچہ مستثنیٰ کا اطلاق لغۃً نہیں کیا جاتا لیکن اصطلاحاً ضرور اس کو بھی مستثنیٰ کہتے ہیں پھر علی قسمین اس وجہ سے کہا کہ کلام مصنف سے تقسیم معلوم ہو رہی ہے اور ادوات حصر موجود نہیں لہٰذا شارح نے ادوات حصر ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ متصل و منقطع میں واو عطف کے لئے ہے جو کہ ربط کا بھی فائدہ دیتا ہے پس اس جگہ ربط پر عطف مقدم ہے یعنی دونوں کا من حیث المجموع ہونا مراد ہے دونوں کا ربط کے ساتھ فرداً فرداً ہونا مراد نہیں پس جب عطف ربط پر مقدم ہوا تو اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہو گیا لہٰذا مصنف نے ادوات حصر کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی واللہ اعلم ۱۲۔

۳۵۲ قولہ ولما کان الخ اس سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے اشیاء میں اصل یہ ہے کہ تعریف بیان کی جائے اور اس جگہ مصنف نے تعریف بیان نہیں کی بلکہ تقسیم کو خلاف اصل بیان کر دیا جواب یہ ہے کہ جبکہ مستثنیٰ کا علم اس اعتبار سے حاصل ہے کہ اصطلاح نحاۃ میں جس پر لفظ مستثنیٰ کا اطلاق کیا جا سکے وہ مستثنیٰ ہے تو یہ معلومیۃ تعریف کی محتاج نہیں پس تقسیم مستثنیٰ کیلئے یہ معلومیۃ کافی ہے لہٰذا مصنف نے اس کو دو قسموں پر منقسم کر دیا اور ہر ہر قسم کی علیحدہ علیحدہ تعریف بیان کر دی اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے خاص خاص احکام ہیں کہ ان کا اجراء ہر ایک پر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہر ایک کی تعریف نہ معلوم ہو جائے پس مصنف نے متصل و منقطع کہا اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جب مستثنیٰ کی تعریف من وجہٍ تقسیم کے لئے کافی ہے تو ہر ایک کی تعریف علیحدہ علیحدہ کیوں بیان کی؟ وجہ یہ ہی ہے کہ ہر ایک کے احکام جدا جدا ہیں اس لئے ہر ایک کی تعریف جدا جدا بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی اس جواب سے شیخ رضی کے قول کا رد ہو جاتا

اَحکامًا خاصیۃً لا یمکن اجراؤھا علیہ الا بعد معرفتہ فقال مُتَّصِلٌ وَ مُنْقَطِعٌ فَالْمُتَّصِلُ ھُوَ الْمُخْرَجُ ای اسم الذی اخرج واحترزبہ عن غیر

ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ایسے خاص احکام ہیں کہ جن کا اجراء ہر ایک پر اس کی معرفت کے بعد ہی ہو سکتا ہے تو مصنف نے کہا ((متصل ہے اور منقطع ہے پس متصل وہ ہے جو نکالا جائے)) یعنی وہ اسم ہے جو نکالا جائے اور مصنف نے المخرج کی قید سے غیر مخرج سے

ہے انہوں نے تعریف مستثنیٰ نہ کرنے کے اعتراض کا یہ جواب دیا تھا کہ مستثنیٰ کی کی تعریف دشوار ہے اس لئے مصنف نے اس کی تعریف بیان نہیں کی بلکہ ہر ایک قسم کی علیحدہ علیحدہ بیان کر دی۔ وجہ دیہ ہے کہ ہر ایک قسم کی تعریف بیان کرنے کا منشاء یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے خاص خاص احکام ہیں اور مستثنیٰ کی تعریف اسلئے بیان نہیں کی کہ وہ ظاہر ہے اس لئے کہ کہہ سکتے ہیں کہ مستثنیٰ وہ ہے جو الّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہو لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تعریف میں تعذر پیدا ہو واللہ اعلم

۳۵۲ قولہ فالمتصل الخ پس مستثنیٰ متصل اس اسم کو کہتے ہیں جو الّا یا اس کے اخوت کے ذریعہ شئے متعدد کے حکم سے نکالا گیا ہو خواہ وہ شئی متعدد یعنی مستثنیٰ منہ لفظوں میں ہو یا پوشیدہ اس جگہ شارح نے ای الاسم الذی اُخرِج کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ المخرج میں الف لام بمعنی الذی ہے اور اس کا موصوف الاسم محذوف ہے اور مخرج فعل ماضی مجہول کے معنی میں ہے پس قید مخرج سے غیر مخرج خارج ہو گیا مثلاً مستثنیٰ منقطع کی جزئیات یعنی حمار فرس وغیرہ جیسے جاءنی القوم الّا حمارًا کہ اس میں حمارًا کو متصل نہیں کہیں گے کیونکہ یہ مستثنیٰ منہ سے مخرج نہیں ہے پھر متعدد کے بعد جزئیاتہ الخ کا اضافہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ متعدد سے مراد یہ ہے کہ اس کی جزئیات یا اجزاء متعدد ہوں یعنی مستثنیٰ منہ خواہ کلی ہو کہ اس کی جزئیات متعدد ہوں جیسے احدٌ کہ ہر شئے اس کا فرد ہو گی یا مستثنیٰ منہ جزئی ہو کہ اس کے اجزاء متعدد ہوں جیسے اشتریتُ العبد الّا نصفہٗ کہ اس میں عبد مستثنیٰ منہ جزئی ہے اور مستثنیٰ باعتبار اس کے اجزاء یعنی نصف

وغیرہ کے ہے پس مستثنیٰ عام ہے، خواہ مستثنیٰ منہ سے اقل ہو یا اکثر یا مساوی لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اشتریت العبد الّا نصفہٗ میں نصفہ مستثنیٰ متصل ہے مگر یہ متعدد سے خارج نہیں کیونکہ عبد جزئی ہے اس میں تعدد کیسا پس جواب یہ ہو گا کہ عبد اگرچہ جزئی ہے مگر اس کے اجزاء تو ہیں نصف۔ ربع۔ ثمن وغیرہ پس یہ اپنے اجزاء کے اعتبار سے متعدد ہے جزئی کے اعتبار سے نہیں پس مستثنیٰ منہ کلی ہو تو اس کی مثال ماجاءنی احدٌ الّا زیدًا ہے کہ اس میں احدٌ کلی ہے اور تمام افراد کو شامل ہے یعنی میرے پاس تمام افراد میں سے سوائے زید کے اور کوئی نہیں آیا اور مستثنیٰ منہ جزئی کی مثال اشتریتُ العبد الّا نصفہٗ ہے کما مر پھر قول شارح سواءٌ کان ذلک المتعدد سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظًا اور تقدیرًا ملفوظًا اور مقدرًا کے معنی میں ہو کر کان کی خبریت کی بناء پر منصوب ہیں پس مستثنیٰ منہ ملفوظ ہو تو اس کی مثال جاءنی القوم الّا زیدًا ہے کہ اس میں القوم مستثنیٰ منہ لفظوں میں موجود ہے اور مستثنیٰ منہ مقدر کی مثال ماجاءنی الّا زیدٌ ہے کہ اس میں مستثنیٰ منہ یعنی احدٌ مقدر ہے ای ماجاءنی احدٌ الّا زیدًا پھر جب مستثنیٰ متصل میں یہ قید لگا دی گئی کہ وہ الّا یا اس کے اخوات عدا و خلا وغیرہ کے ذریعہ مخرج ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ خارج ہو جائے گا جو کہ حرف عطف کے ذریعہ مستثنیٰ منہ سے مخرج ہو جیسے جاءنی القوم لا زیدٌ اور ماجاءنی القوم لکن زیدٌ جاء پس

جب مستثنیٰ کی قسم سے نہیں ہوں گے تو ان پر نصب بھی نہیں آئے گا بلکہ جو اعراب ان کے معطوف علیہ کا ہو گا وہی معطوف کا بھی ہو گا اب اس جگہ ایک مشہور اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جاءنی القوم الّا زیدًا میں زید قوم میں داخل ہے یا اس سے خارج اگر خارج ہے تو خارج سے خارج کرنا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ اخراج شئی اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ شئی داخل بھی ہو پس جب داخل ہی نہیں ہو گی تو اخراج کے کیا معنے نیز اس سے خلاف اجماع بھی لازم آتا ہے اس لئے کہ جمہور کے نزدیک مستثنیٰ متصل کی صورت میں زید قوم میں داخل ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ عَلَیَّ عَشَرَۃٌ الّا درہمًا تو ایک درہم جو کہ مستثنیٰ ہے وہ بھی عشرۃ میں داخل ہو گا اور اگر اس کو داخل مراد لیتے ہیں، تو تناقض صریح لازم آتا ہے کہ مستثنیٰ یعنی زید مستثنیٰ منہ میں داخل بھی ہو اور خارج بھی جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ حکم سے مخرج نہیں مراد سے مخرج ہے پس جب ہم نے جاء القوم کہا تو اس سے بادی النظر میں یہ مراد لیا گیا کہ مجیئ مجموع کی ہے پس جب الّا زیدًا کہا گیا تو معلوم ہوا کہ مجموع مراد نہیں بلکہ زید کا ماسوا مراد ہے پس اولاً زید کو مراد مجموع سے خارج کیا گیا پھر قوم پر مجیئت کا حکم لگایا گیا اور دوسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ المخرج عن متعدد کے معنے علی سبیل المجاز منع دخولہ فی المتعدد بالّا واخواتہا کے ہیں یعنی مستثنیٰ ہے تو مستثنیٰ

المخرج کجزئیات المستثنیٰ المنقطع عَنْ حکمِ شیٔ مُتَعَدِّدٍ جزئیاته نحو ماجاء نی احد الا زیدٌ اواجزاؤہ نحو اشتریت العبد الا نصفه سواء کان ذلك المتعدد لَفْظًا ای ملفوظا نحو جاء نی القوم الا زیدًا اَوْ تَقْدِیْرًا ای مقدرا نحو ماجاء نی الا زید ای ماجاء نی احد الا زیدا بِاِلَّا غیر الصفة وَاَخَوَاتِهَا واحترز به عن نحو جاء نی القوم لا زید وماجاء نی القوم لکن زید جاء وَالمستثنیٰ اَلْمُنْقَطِعُ هو اَلْمَذْکُوْرُ بَعْدَهَا ای بعد الا واخواتها غَیْرَ مُخْرَجٍ عن متعدد واحترز به عن جزئیات المستثنیٰ المتصل فالمستثنیٰ الذی لم یکن داخلا فی المتعدد قبل الاستثناء منقطع سواء کان من جنسه کقولك جاء نی القوم الا زیدًا مشیرا بالقوم الی جماعة

احتراز کیا ہے جیسا کہ مستثنیٰ منقطع کی جزئیات ہیں ((متعدد)) الجزئیات شیٔ کے حکم ((سے)) جیسے ماجاء نی احد الا زیدا یا (ایسی چیز کے حکم سے نکالا جائے کہ) اس کے اجزاء ((متعدد ہوں)) جیسے اشتریت العبد الا نصفه (کہ عبد اگرچہ متعدد الاجزاء نہیں تاہم جب اشتراء کا اس کے ساتھ تعلق ہوا تو اشتراء کے اعتبار سے وہ متعدد الاجزاء ہو گیا کہ اشتراء کا تعلق کل عبد کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے بعض عبد کے ساتھ بھی) خواہ وہ (شیٔ) متعدد (الاجزاء یا متعدد الجزئیات) ((لفظا ہو)) یعنی ملفوظ ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدا ((یا تقدیرا)) یعنی مقدر طور پر ہو جیسے ماجاء نی الا زید یعنی ماجاء نی احد الا زیدا (نکالا جائے) ((الا)) غیر صفتیہ ((اور اس کے اخوات کے ذریعے)) اور مصنف نے اپنے قول بالا واخواتہا کی قید سے جاء نی القوم لکن زید جاء کے مثل (جو لا ایسے حرف عطف یا لاکن استدراکیہ کے ذریعے نکالے جاتے ہیں ان) سے احتراز کیا ہے ((اور)) مستثنیٰ ((منقطع)) وہ ہے ((جو اس کے بعد مذکور ہوتا ہے)) یعنی الا اور اس کے اخوات کے بعد ((نکالا ہوا نہیں ہوتا)) متعدد سے اور مصنف نے اس (قید غیر مخرج) سے مستثنیٰ متصل کی جزئیات سے احتراز کیا ہے پس وہ مستثنیٰ جو استثناء سے پیشتر (متکلم کے قصد میں) متعدد میں داخل نہ تھا وہ منقطع ہے خواہ وہ مستثنیٰ کی جنس سے ہو جیسے تمہارا قول جاء نی القوم الا زیدا قوم سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کرتے

منہ میں داخل ہے لیکن الا اور اس کے اخوات کے باعث مستثنیٰ کا متعدد میں دخول ممتنع ہو گیا پس اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہو گا واللہ اعلم

۳۵۵ قولہ والمستثنیٰ المنقطع الخ المنقطع موصوف محذوف کی صفت ہے اس لئے المستثنیٰ کا شارح نے اضافہ کیا اس کی تعریف یہ ہے کہ الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو لیکن متعدد سے نہ نکالا گیا ہو اس لئے کہ استثناء منقطع میں مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوا کرتا پس اس سے مستثنیٰ داخل کی جزئیات خارج ہو گئیں اس لئے کہ اس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا ہے پس جب منقطع کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ متعدد سے مخرج نہ ہو یعنی مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو تو اس میں وہ مستثنیٰ بھی داخل ہو جائیگا جو استثناء سے پیشتر متعدد یعنی مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو اس لئے کہ غیر مخرج اور عدم دخول کے اعتبار سے اس پر بھی مستثنیٰ منقطع کی تعریف صادق آتی ہے پھر خواہ وہ مستثنیٰ منقطع متعدد کی جنس سے ہو یا نہ ہو متعدد سے غیر مخرج ہونا اور اس میں عدم دخول ضروری ہے پس اگر ہم لفظ قوم سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو کہ زید سے خالی ہو یعنی اس میں زید موجود نہ ہو جاء نی القوم الا زیدا کہیں تو اس میں زیدا مستثنیٰ منقطع ہوگا کیونکہ زید اگرچہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے مگر اس میں داخل نہیں کیونکہ قوم پہلے سے ہی زید سے خالی ہے اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو تو اس کی مثال جاء نی القوم الا حمارًا ہے پس حمار مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ یہ نہ قوم میں داخل ہے اور نہ اس سے مخرج۔

(فائدہ) مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ مصنف نے متصل اور منقطع کی جو تعریف کی ہے وہ اتم اور اکمل ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ تعریف کی جائے اور دونوں میں یہ فرق بیان کیا جائے کہ متصل وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو پس اس اکملیت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے منقطع کی تعریف میں وہ مستثنیٰ بھی داخل ہو گیا جو کہ مستثنیٰ منہ میں استثناء سے پیشتر داخل نہ ہو خواہ وہ جنس متعدد سے ہو یا نہ ہو جیسا کہ ابھی مذکور ہوا بخلاف اس کے کہ اگر یہ تعریف کی جائے کہ منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ خارج ہو جاتا ہے جو استثناء سے پیشتر متعدد میں

خالية عن زيد اولم يكن نحو جاء نی القوم الا حمارًا وَهُوَ ای المستثنیٰ
مطلقاً حيث علم اولاً بوجه يصح تقسيمه كما عرفت وثانياً بما يتفطن
له من تعريف قسميه اعنی المذكور بعد الا واخواتها سواء كان مخرجا
او غير مخرج ولهذا لم يعرفه علی حدة رومًا للاختصار مَنْصُوْبٌ وجوبًا
اذا كان واقعاً بعد اِلَّا لا بعد غير وسوی وغيرهما غيرِ الصِّفَةِ قيد به
ون لم يكن الواقع بعد الا التي للصفة داخلاً في المستثنیٰ لئلا يذهل عنه
فی كلامٍ مُوجَبٍ ای ليس بنفی ولا نهی ولا استفهام نحو جاء نی القوم الا
زيدٌ اواحترز به عما اذا وقع فی كلامٍ غير موجب لانه ليس حينئذٍ

ہوتے جو زید سے خالی ہے (تقدیر یہ جاء نی ھذہ الجماعۃ الخالیۃ عن زید الا زیدا) یا مستثنیٰ کی جنس سے) نہ ہو جیسے جاء نی القوم الا حمارا (اور وہ)) یعنی مستثنیٰ مطلق (متصل ہو یا منقطع گو یا ضمیر ہو مستثنیٰ مطلق کی طرف راجع ہے جو متصل و منقطع کے لئے مقسم ہے اور یہ دونوں اس کے قسم ہیں مستثنیٰ مطلق صراحت سے مذکور تو نہیں مگر مصنف کے کلام سے سمجھا جاتا ہے) کیونکہ (مستثنیٰ مطلق) اولاً ایسی وجہ سے جانا گیا ہے جو (دو قسموں کی طرف) اس کی تقسیم کو صحیح کرتی ہے (وہ یہ کہ المستثنیٰ پر لام عہد خارجی کا ہے اس سے لفظ مستثنیٰ مراد ہے جو مستثنیٰ کے دونوں قسموں کو شامل ہے) جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا اور (مستثنیٰ مطلق کا پتہ) ثانیا اس (وجہ) سے بھی چل گیا جس سے وہ سمجھا جاتا ہے یعنی اس کے دو قسموں کی تعریف (سے مستثنیٰ مطلق کا پتہ چلتا ہے کہ مقسم اپنے اقسام کے ضمن سے سمجھا جاتا ہے نیز بما یتفطن لہ میں لہ نائب فاعل اور من تعریف میں من ما یتفطن کا بیان ہے) یعنی (مستثنیٰ مطلق وہ ہے) جو الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو خواہ مخرج ہو یا غیر مخرج اور اسی وجہ سے (کہ مستثنیٰ مطلق ضمنی طور پر سمجھا جاتا ہے) اختصار کے قصد سے اس کی (وہو المذکور بعد الا واخواتہا کہہ کر) علیحدہ تعریف نہیں کی (منصوب ہوگا)) وجوبا جبکہ الا غیر صفتیہ کے بعد) واقع (ہو)) غیر اور سوی وغیر عما کے بعد (واقع) نہ ہو کہ اس صورت میں مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے) مصنف نے غیر الصفۃ کی قید لگائی اگرچہ الا صفتیہ کے بعد واقع ہونے والا (اسم) مستثنیٰ میں داخل ہی نہیں (مع ہذا قید لگادی) تاکہ اس (یعنی الا صفتیہ کے بعد کے اسم کے مستثنیٰ میں داخل نہ ہونے) سے غفلت میں نہ رہا جائے (کلام موجب میں)) یعنی جو نفی نہ ہو اور نہ نہی اور نہ استفہام جیسے جاء نی القوم الا زیدا اور مصنف نے کلام موجب کی قید سے اس مستثنیٰ سے احتراز کیا ہے جو کلام غیر موجب

داخل نہ ہو حالانکہ کوئی بھی اس کو متصل کی تعریف میں داخل نہیں کرتا بلکہ سب کو منقطع ہی کہتے ہیں واللہ اعلم۔

۳۵۵ قولہ وہو الخ اس جگہ ای المستثنیٰ کہہ کر شارح نے ہو کا مرجع بیان کیا ہے اور مطلقاً الخ سے ایک اعتراض کا دفعیہ مقصود ہے اعتراض یہ ہے کہ مستثنیٰ کی تعریف تو ما قبل میں بیان نہیں کی گئی جس سے مستثنیٰ کا علم ہوا اور اس کی طرف ضمیر راجع کردی گئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ حکم مطلق مستثنیٰ کا ہے اور اس کی تعریف اولاً تو اس طرح معلوم ہوگئی تھی کہ اس کی تقسیم منفصل اور منقطع کی طرف صحیح ہو گئی تھی یعنی جس کو اصطلاح نحاۃ میں مستثنیٰ کہیں وہ مستثنیٰ ہے پھر ثانیا جب اس کی دونوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ تعریف کردی گئی تو اس سے بھی اس کی تعریف سمجھ میں آگئی یعنی مستثنیٰ وہ ہے جو الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو عام از یں کہ وہ متعدد سے مخرج ہو یا غیر مخرج پس جب اسکی تعریف دو وجہوں سے سمجھ میں آجاتی ہے تو اب مطلق مستثنیٰ کی طرف ضمیر کے راجع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی واسطے مصنف نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے مستثنیٰ مطلق کی تعریف نہیں کی بہر حال مستثنیٰ مطلق کا حکم یہ ہے کہ وہ وجوباً منصوب ہوتا ہے جبکہ وجوب کی شرائط پائی جائیں کما سیجئی واللہ اعلم ۱۲

۳۵۶ قولہ اذا کان الخ یہاں سے مصنف وجوب نصب کی شرائط بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مستثنیٰ اس وقت وجوبا منصوب ہوگا جبکہ الا غیر صفتی کے بعد کلام موجب میں واقع ہو الا کے بعد لا بعد غیر و سوی کا اضافہ کرکے شارح نے یہ بتایا ہے کہ غیر اور سوی وغیرہ کے بعد مستثنیٰ واقع نہ ہو ورنہ وہ بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہوگا کما سیجئی اور مصنف نے غیر الصفۃ کی قید احتراز کے لئے لگائی ہے یعنی الا کی دو قسمیں ہیں ایک استثنائی دوسری صفتی پس جب حکم استثنائی کا ہے صفتی کا نہیں اس لئے کہ الا صفتی کے بعد جو اسم واقع ہوگا کہ اس پر اعراب مستثنیٰ جاری کیا جائے بلکہ وہ اپنے ما قبل کی صفت ہوگا اور تابع ہونے کے لحاظ سے اس پر وہی اعراب آسکے گا،

واجب النصب علی ما سیجیئ ولا حاجۃ ههنا الی قید آخر وهو ان یکون الکلام الموجب تاما بان یکون المستثنیٰ منه مذکورًا فیه لیخرج نحو قرأت الا یوم کذا فانه منصوب علی الظرفیة لا علی الاستثناء لان الکلام فی کونه منصوبًا مطلقًا لا فی کونه منصوبًا علی الاستثناء بدلیل قوله او کان بعد خلا وعدا الا ان یقال الحاجة الی هذا القید انما هو لاخراج مثل قرئ الا یوم کذا فانه مرفوع وجوبًا لا منصوبٌ

میں جب واقع ہو کیونکہ اس وقت اس کی نصب واجب نہیں (بلکہ جائز) ہوگی بنا بر آنکہ عنقریب آئے گا اور یہاں (جہاں کہ مستثنیٰ وجوبًا منصوب ہوتا ہے) کسی دوسری قید کی حاجت نہیں (بلکہ گذشتہ دو قیود ہی کافی ہیں کسی تیسری قید کی ضرورت نہیں) اور وہ (تیسری قید) یہ ہے کہ کلام موجب تام ہو اس طرح کہ مستثنیٰ منہ کلام موجب میں (لفظی طور پر) مذکور ہو تاکہ (کلام موجب تام کی قید سے) قرأت الا یوم کذا خارج ہو جائے کہ یوم کذا بنا بر ظرفیت منصوب ہے نہ بنا بر استثناء (لیکن تیسری قید کے اضافے کی حاجت نہیں) کیونکہ مصنف کے قول "او کان بعد خلا وعدا" کی دلیل کی وجہ سے مصنف (علیہ الرحمۃ والرضوان) کا کلام مستثنیٰ کے مطلق منصوب ہونے میں ہے (خواہ استثناء کی بنا پر ہو یا ظرفیت یا مفعولیت یا لیس ولا یکون کی خبریت کی بنا پر) مستثنیٰ کے (صرف) استثناء کی بنا پر منصوب ہونے میں نہیں مگر یوں کہا جائے کہ اس قید کی حاجت قُرِءَ الا یومُ کذا کے مثل کو ہی نکالنے کے لئے ہے کیونکہ یوم کذا وجوبًا مرفوع ہے منصوب نہیں (کہ قرء کا نائب فاعل ہے) باوجودیکہ کلام موجب میں الا کے بعد واقع ہوا ہے لہٰذا مصنف کو ان یکون المستثنیٰ مذکورًا یا ان یکون الکلام موجبًا تامًا کی قید کا اضافہ کرنا چاہیے تھا۔

...... (مصنف نے اس قید کا اضافہ اس لئے نہیں

کیا مصنف کے کلام "فی کلام موجب" سے متبادر الی الذہن یہی ہوتا ہے کہ موجب سے موجب

جو موصوف کا ہوگا جیسے قول باری تعالیٰ لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا میں الا صفت کے لئے اور الله پر وہی اعراب رفعی ہے جو الا کے ماقبل یعنی اس کے موصوف پر ہے پس اگرچہ یہ امر متحقق ہے کہ الا صفتی مستثنیٰ امیں داخل نہیں ہوتا لیکن مصنف نے اس وجہ سے اس کا اضافہ کر دیا کہ مبتدی اس کے عدم ذکر سے یہ نہ سمجھ لے کہ مطلقًا الا کے بعد نصب واجب ہے نیز اس لئے کہ ممکن ہے کہ مبتدی کو معلوم ہو مگر اس کو اس موقع پر آکر ذہول ہو جائے اور اس کے ذہن سے یہ امر خارج ہو جائے لہٰذا اس

قید کے اضافہ کی ضرورت پیش آئی اور کلام موجب کا یہ مطلب ہے کہ کلام نفی یا نہی یا استفہام نہ ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدا اگر اس کلام میں نہ نفی ہے نہ نہی اور نہ استفہام پس اس قید سے وہ مستثنیٰ نکل گیا جس میں الا کلام غیر موجب میں واقع ہو اس لئے کہ اس کا حکم وجوب نصب کا نہیں کما سیجیئ واللہ اعلم۔

۳۵۷ قولہ ولا حاجۃ الخ اس عبارت سے شارح کا منشا فاضل ہندی پر رد کرتے ہوئے اس کے وارد کردہ اعتراض کا جواب دینا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ فاضل ہندی نے کہا ہے کہ مصنف کو متن میں ایک قید کا مزید اضافہ کرنا چاہئے تھا تاکہ اس سے قرأت الا یوم کذا خارج ہو جاتا اس لئے کہ اس میں یوم الا غیر صفتیہ کے بعد واقع ہے اور کلام موجب میں ہے مگر یوم پر نصب استثنائیت کی بنا پر نہیں بلکہ مفعول فیہ ہونے کی بنا پر ہے لہٰذا مصنف کو فی کلام موجب کے بعد تاما کی قید اور لگانی چاہئے تھی شارح رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس جگہ قید آخر کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ کہا جائے کہ کلام موجب تام ہو بایں طور کہ مستثنیٰ منہ اس میں مذکور ہو تاکہ اس سے قرأت الا یوم کذا خارج ہو جائے اس لئے کہ یہ کلام غیر تام ہے اور مستثنیٰ منہ اس میں مذکور نہیں پس یہ ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے استثنا کی بنا پر نہیں لان الکلام سے لا حاجۃ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی اس لئے ضرورت نہیں کہ کلام مستثنیٰ کے مطلقًا منصوب ہونے میں ہے، خواہ وہ کسی جہت سے ہو اس امر کلام نہیں کہ مستثنیٰ استثناء کی بنا پر منصوب ہو پس مثال مذکور میں اگرچہ مستثنیٰ ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے مگر منصوب تو ہے استثناء کی بنا پر نہیں ہے تو نہ ہو ہمیں اس سے بحث نہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کلام مستثنیٰ کے استثناء کی بنا پر منصوب ہونے میں ہوتا تو مصنف او کان بعد خلا وعدا نہ کہتے اس لئے کہ ان کے بعد جو مستثنیٰ منصوب ہوگا وہ بھی استثناء کی بنا پر نہیں ہوگا بلکہ مفعول بہ ہونے کی بنا پر پس نہ تو کسی قید کے اضافہ کی ضرورت ہے اور نہ قرأت الا یوم کذا کو اس سے خارج کرنے کی حاجت۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قید کی حاجت اس لئے ہے تاکہ اس سے قرئ الا یوم کذا خارج ہو جائے اس لئے کہ اس میں مستثنیٰ کلام موجب میں بھی ہے اور الا غیر صفتی کے بعد بھی واقع ہے لیکن منصوب نہیں بلکہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کے باعث وجوبًا مرفوع ہے اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ مصنف نے اس اضافہ قید سے

۳۵۸ والعامل فی نصب المستثنیٰ اذا کان منصوبا علی الاستثناء عند البصریۃ الفعل المتقدم او معنی الفعل بتوسط الّا لانہ شئ یتعلق بالفعل او معناہ تعلقاً معنویاً اذ لہ نسبۃ الی ما نسب الیہ احدھما وقد جاء بعد تمام الکلام فشابہ المفعول ۳۵۹ او مقدّماً عطف علی قولہ بعد الا ای المستثنیٰ منصوب وجوبا اذا کان المستثنیٰ مقدما علی المستثنیٰ منہ سواء کان فی کلام موجب او غیر

تام مراد ہے بدلیل ایرادہ بالتنکیر) اور مستثنیٰ کی نصب میں عامل جبکہ مستثنیٰ بنا بر استثنا منصوب ہو نحاۃ بصریہ کے نزدیک فعل متقدم ہے (الا کے توسط سے جیسے مفعول معہ میں واو کے واسطہ سے فعل عامل ہے اور یہی مذہب مختار ہے) یا فعل (متقدم) کا معنی (مستفاد از الا کما تقول جاءنی القوم الا زیدا ای استثنیت زیدا منہم اور ان دونوں میں سے ہر واحد) الا کے توسط سے (عمل کرتا ہے) کیونکہ مستثنیٰ کے لئے اس چیز (یعنی مستثنیٰ منہ) کی طرف نسبت ہے جس (مستثنیٰ منہ) کی طرف ان دو (یعنی فعل یا معنیٔ فعل) میں سے ایک کی نسبت کی گئی ہے حالانکہ مستثنیٰ کلام کے تمام ہونے کے بعد آیا ہے لہذا (اس حیثیت سے) مفعول بہ کے مشابہ ہوا اس لئے مفعول کی طرح مستثنیٰ بھی منصوب ہوگا (یا مقدم ہو) مصنف کے قول "بعدا..." پر عطف ہے یعنی مستثنیٰ وجوبا منصوب ہوتا ہے جبکہ مستثنیٰ مقدم ہو (مستثنیٰ منہ

اس لئے تعرض نہیں کیا کہ قول مصنف فی کلام موجب سے متبادر اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ کلام موجب تام ہو اسی واسطے مصنف اس کو نکرہ لائے معرفہ ذکر نہیں کیا یعنی فی الکلام الموجب نہیں کہا تاکہ اس سے کلام کی تمامیت کی طرف بھی اشارہ ہو جائے واللہ اعلم ۱۲

۳۵۸ قولہ والعامل الخ اب یہاں سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مستثنیٰ کس بنا پر منصوب ہوتا ہے یعنی اس میں عامل ناصب کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ جب مستثنیٰ استثناء کی بنا پر منصوب ہو تو نحاۃ بصرہ کے نزدیک اس میں عامل وہ فعل ہوتا ہے جو مستثنیٰ پر مقدم ہو پس یہ فعل الا کے توسط سے مستثنیٰ میں عمل کرتا ہے جیسا کہ مفعول معہ کا عامل ناصب بہ توسط واو فعل ہوتا ہے اور اگر فعل مقدم نہ ہو تو معنی فعل بتوسط الا مستثنیٰ میں عامل ہونگے معنی فعل کی تفصیل مالک و زیدا ای ما تصنع میں گذر چکی اور فعل یا معنیٰ فعل کے عامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ فعل یا معنیٰ فعل سے تعلق معنوی رکھتا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ کی نسبت اس مستثنیٰ منہ کی طرف ہوتی ہے جس کی طرف فعل یا معنیٰ فعل منسوب کئے جاتے ہیں مثلاً جاءنی القوم الا زیداً میں زید مستثنیٰ ہے اور اس کا تعلق قوم کے ساتھ ہے جو کہ مستثنیٰ منہ ہے اور قوم کی طرف فعل جاء منسوب ہے پس جب فعل مستثنیٰ منہ کی طرف منسوب ہوا اور مستثنیٰ کا تعلق مستثنیٰ منہ سے ہوتا ہے تو مستثنیٰ کا تعلق فعل یا معنیٰ فعل سے بھی ہوگا پس اس میں فعل یا معنیٰ فعل عامل ہونگے پھر یہ کہ مستثنیٰ کلام کے تمام ہونے کے بعد آتا ہے جیسا کہ مفعول فعل کے اپنے فاعل کے ساتھ تمام ہونے کے بعد آتا ہے پس مستثنیٰ مفعولؔ ہوگا اور اس مشابہت کے باعث مستثنیٰ کو نصب دیا جائیگا پھر اگر یہ مشابہت عام مراد ہو تو فضلہ ہونے کے اعتبار سے ہوگی کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے اور اگر مشابہت خاص مراد لی جائے تو اس کی مشابہت مفعول معہ کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ بتوسط واو منصوب ہوتا ہے بلا واسطہ نہیں اور یہ بتوسط الا اور وجوب نصب کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اس میں بدلیۃ کا احتمال اپنے ماقبل سے منقطع ہو جائے گا پس سوائے نصب کے اور کوئی احتمال باقی نہیں رہے گا لہذا نصب واجب ہوگا بخلاف بدلیۃ کے کہ چونکہ جیسا اس کا ماقبل ہوتا ہے ویسا ہی بدل بھی ہوتا ہے پس اگر یہاں بدلیۃ کا احتمال ہوتا تو زید بدلیۃ کی بنا پر مرفوع ہوتا کیونکہ مبدل منہ بنا بر فاعلیت مرفوع ہوتا نہ کہ منصوب واللہ اعلم۔

۳۵۹ قولہ او مقدما الخ یہ وجوب نصب کی دوسری شرط ہے اور اس کا عطف بعد الا پر ہے جو کہ اذا کان کی خبر ہے پس عبارت یہ ہوگی ای المستثنیٰ منصوبٌ الخ پس اس میں کلام موجب اور غیر موجب کی کوئی قید نہیں ہوگی پس معنے یہ ہوں گے کہ جب مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوگا خواہ کلام موجب میں واقع ہو یا غیر موجب میں جیسے جاءنی الا زیداً القوم اور ما جاءنی الا زیدا احدٌ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کبھی بدلیۃ کا احتمال نہیں ہوگا اس لئے کہ بدل مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ بدل توابع میں سے ہے اور تابع اپنے متبوع پر مقدم نہیں ہوا کرتا بخلاف کلام غیر موجب کے کہ اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم نہیں ہوگا تو مستثنیٰ منصوب نہیں ہوگا کیونکہ اس میں احتمال بدلیۃ موجود ہے جیسے ما جاءنی احدٌ الا زیدٌ کہ زید احدٌ سے بدل واقع ہو سکتا ہے پس مستثنیٰ مرفوع ہوگا نہ کہ منصوب چہ جائیکہ نصب واجب ہو واللہ اعلم۔

موجب نحو جاء نی الا زیدًا القوم وماجاء نی الا زیدًا احد لامتناع تقدیم البدل علی المبدل منه اَوْ مُنقَطِعًا ای المستثنیٰ منصوبًا ایضًا وجوبًا اذا کان منقطعًا بعد الا نحو مافی الدار احد الا حمارًا فی الاکثر ای فی اکثر اللغات وھی لغات اھل الحجاز فانھم قبائل کثیرون او فی اکثر مذاھب النحاۃ فان اکثرھم ذھبوا الی اللغۃ الحجازیۃ فالمنقطع مطلقًا منصوب عندھم اذ لا یتصور فیه الا بدل الغلط وھو لا یصدر الا بطریق السھو والغفلۃ والمستثنیٰ المنقطع انما یصدر بطریق الرویۃ والفطانۃ واما [361]

پر)) خواہ کلام موجب میں ہو یا غیر موجب میں جیسے جاءنی الا زیدًا القومُ وماجاءنی الا زیدًا احد (اور اس صورت میں نصب اس لئے واجب ہے کہ منصوب نہ ہو تو بدل ہوگا حالانکہ مابعد سے بدل ہونا جائز نہیں) کیونکہ بدل کی مبدل منہ پر تقدیم جائز نہیں (یا منقطع ہو)) یعنی نیز مستثنیٰ وجوبًا منصوب ہوتا ہے جبکہ (مستثنیٰ) منقطع ہو الا کے بعد (واقع) ہو (خواہ کلام موجب میں ہو اور من جنسہ ہو جیسے جاءنی القوم الا زیدًا یا من غیر جنسہ ہو جیسے جاءنی القوم الا حمارًا یا غیر موجب میں ہو اور من جنسہ ہو جیسے ماجاءنی القوم الا زیدًا یا من غیر جنسہ ہو) جیسے مافی الدار احد الا حمارًا ((اکثر میں)) یعنی اکثر لغات میں اور وہ اہل حجاز کی لغت ہے کہ اہل حجاز بہت قبائل ہیں یا نحویوں کے سب سے زیادہ کثیر مذہب میں کہ سب سے زیادہ نحوی لغت حجازیۃ کی طرف گئے ہیں پس (مستثنیٰ) منقطع مطلقًا (یعنی خواہ اس سے پہلے ایسا اسم ہو کہ اس کا حذف کرنا صحیح ہو یا نہ) حجازیوں کے نزدیک منصوب ہے کیونکہ مستثنیٰ منقطع میں بدل الغلط ہی متصور ہوسکتا ہے اور بدل الغلط سہو اور غفلت کے طریقے سے ہی صادر ہوتا ہے اور مستثنیٰ منقطع (برعکس آں) عقل وفکر ہی سے صادر ہوتا ہے (فبینھما تناف وتضاد) اور بنو تمیم نے تو مستثنیٰ

۳۶۰ قولہ او منقطعًا الخ یہ وجوب نصب کا تیسرا موضع یا تیسری شرط ہے اس کا عطف بھی الا پر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ای المستثنیٰ منصوبٌ ایضًا الخ یعنی مستثنیٰ کا نیز منصوب کرنا واجب ہے جبکہ مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو خواہ کلام موجب میں ہو یا غیر موجب میں اور مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو یا نہ ہو پس کلام موجب میں مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو تو اس کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی القوم الا زیدًا بشرطیکہ قوم کو استثناء سے پیشتر زید سے خالی مانا جائے اور غیر جنس سے ہو تو جاءنی القوم الا حمارًا اس کی مثال ہے علی ہذا القیاس کلام غیر موجب میں جنس مستثنیٰ منہ سے ہو جیسے ماجاءنی القوم الا زیدًا مذکورہ بالا شرط کے ساتھ یا غیر جنس سے ہو جیسے مافی الدار احدٌ الا حمارًا پس ان تمام امثلہ میں مستثنیٰ اکثر لغات عرب یا اکثر مذاہب نحاۃ کی بنا پر وجوبًا منصوب ہوگا اس جگہ فی الاکثر کی تفسیر فی اکثر اللغات سے کرکے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الاکثر میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے پس اگر اکثر لغات میں منصوب مراد ہے تو لغات اہل حجاز مراد ہوں گے نہ کہ لغت بنو تمیم اس لئے کہ اہل حجاز کے قبائل بکثرت ہیں اس لئے ان کیلئے اکثر لغات کا لفظ استعمال کیا گیا یا پھر اس سے اکثر مذاہب نحاۃ مراد ہے اس لئے کہ اکثر نحاۃ نے لغت حجازیہ کو اختیار کیا ہے اور لغت حجاز اکثر ہے اس لئے مذاہب کے اعتبار سے بھی اکثر مذاہب نحاۃ کہا گیا پس مستثنیٰ منقطع خواہ جنس مستثنیٰ منہ سے ہو یا نہ ہو مطلقًا انکے نزدیک منصوب ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں سوائے بدل الغلط کے اور کوئی احتمال متصور ہی نہیں ہوتا جبکہ ہم اس کو بجائے منصوب کے مرفوع پڑھیں جیسے ماجاءنی القوم الا حمارٌ کہ اس میں حمار القوم سے بدل الغلط ہی ہوسکتا ہے اور چونکہ یہ از روئے سہو وغفلت کے واقع ہوتا ہے اور مستثنیٰ منقطع قصدًا فکر و تامل اور فطانت کے بعد واقع ہوتا ہے لہذا اس میں بدل غلط کا بھی احتمال نہیں ہوسکتا جو کہ وجوب نصب کو مانع تھا پس مستثنیٰ منقطع وجوبًا منصوب ہوگا واللہ اعلم۔

۳۶۱ قولہ واما بنو تمیم الخ وجوب اور عدم وجوب نصب کے بارے میں مستثنیٰ منقطع کی دو قسمیں کرتے ہیں اس لئے کہ مستثنیٰ منہ دو حال سے خالی نہیں اس کو حذف کرکے مستثنیٰ کو اس کے قائم مقام کرنا صحیح ہوگا یا نہیں پس اگر صحیح ہو یعنی مستثنیٰ سے پہلے ایسا اسم ہو کہ اس کے حذف کرنے سے کوئی فساد معنی لازم نہ آئے تو اس وقت اس میں ان کے نزدیک مستثنیٰ منقطع کو بنا بر بدلیۃ رفع دیا جائے گا کیونکہ بدل الغلط میں مبدل منہ بمنزلہ ترک کردیئے جانے کے ہوتا ہے اس لئے بجائے اس کے بدل فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہوگا۔ جیسے ماجاءنی القوم الا حمارٌ کہ اس میں قوم کا حذف کرنا جائز ہے اور کوئی فساد معنی بھی لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے مقصود حمار کے لئے ثبوت مجیء ہے اور یہ بہر صورت

بنو تمیم فقد قسموا المنقطع الی قسمین احدهما ما یکون قبلہ اسم یصح حذفہ نحو ما جاء فی القوم الا حمارًا فهٰهنا یجوزون البدل وثانیهما ما لا یکون قبلہ اسم یصح حذفہ فهم هٰهنا یوافقون الحجازیین فی ایجاب نصبہ کقولہ تعالیٰ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ای من رحمہ اللہ فمن رحمہ اللہ هو المرحوم المعصوم فلا یکون داخلا فی العاصم فیکون منقطعًا اَوْ کَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا ای المستثنیٰ منصوب ایضًا وجوبًا اذا کان

منقطع کو دو قسموں کی طرف تقسیم کیا ہے ان دو میں سے ایک وہ (مستثنیٰ منقطع) ہے کہ جس سے پہلے ایک ایسا اسم ہو جس کا حذف کرنا صحیح ہو (اور اس کی جگہ مستثنیٰ کو قائم کیا جا سکتا ہو خواہ متعدد ہو) جیسے ما جاء فی القوم الا حمارا (یہاں القوم کو حذف کرکے اس کی بجائے حمار کو فاعل بنایا جا سکتا ہے یعنی ما جاء نی الا حمار اکہنا جائز ہے یا غیر متعدد ہو جیسے ما جاء فی زید الا عمروا) پس یہاں (اس قسم میں) بنو تمیم بدل کو جائز قرار دیتے ہیں اور دوسرا وہ (مستثنیٰ منقطع) ہے کہ اس سے پیشتر کوئی ایسا اسم نہ ہو جس کا حذف کرنا صحیح ہو (بلکہ اس کا مذکور ہونا ضروری ہو تو بنو تمیم یہاں (اس قسم میں) مستثنیٰ کی نصب کے واجب کرنے میں حجازیوں سے موافقت رکھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم یعنی من رحمہ اللہ (التقدیرہ لا عاصم من قضاء اللہ موجود الیوم الا من رحمہ اللہ) تو جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مرحوم معصوم ہے تو وہ عاصم میں داخل نہ ہو (کہ عاصم فاعل ہے اور من رحمہ اللہ مفعول ہے اور معصوم عاصم کی جنس سے نہیں کیونکہ مفعول فاعل کا غیر ہے) پس (مستثنیٰ) منقطع ہوا (ومثالہ لا ضارب الیوم الا زیدا ای لا ضارب الیوم موجود الا المضروب . . . . (اسم فاعل کبھی اسم مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے اس لیے اگر عاصم معصوم کے معنے میں ہو تو مستثنیٰ متصل ہوگا) لا یا خلا اور عدا

حاصل ہو جاتا ہے خواہ مستثنےٰ منہ کو ذکر کریں یا نہ کریں لہٰذا اس کو مرفوع پڑھیں گے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ مستثنےٰ منقطع سے پہلے ایسا اسم نہ ہو کہ اس کا حذف صحیح ہو اس لئے کہ اس سے فساد معنی لازم آتا ہو تو اس وقت یہ بھی وجوب نصب کے بارے میں حجازیین کے موافق ہیں جیسے قول باری تعالیٰ لا عاصِمَ الیوم من اَمر اللہ الا من رحِمَ کہ اس میں رحِمَ عاصم سے استثناء ہے اور عاصم مستثنےٰ منہ کا حذف صحیح نہیں اس لئے کہ یہ لا نفی جنس کا اسم ہے اور اسم اس کا حذف نہیں ہوا کرتا اور خبر اس کی محذوف ہے یعنی موجودٌ پس اگر اسم کو بھی حذف کردیں تو کلمہ کا بے معنی ہونا لازم آتا ہے اس لئے مستثنیٰ کو منصوب پڑھیں گے وجوبًا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ من رحم میں رحم یا تو من کا صلہ ہے یا صفۃ اور دونوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اگر جملہ صلہ یا صفت واقع ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے پس شارح نے ای من رحمہ اللہ سے اس عائد کو ذکر کردیا تاکہ اعتراض نہ وارد ہو۔ کیونکہ اس میں ضمیرہٗ عائد موجود ہے پھر من رحمہ اللہ کی شرح ہو المرحوم المعصوم سے اس لئے کی کہ جس کی اللہ حفاظت کرے اور اس پر رحم کرے وہ معصوم اور مرحوم ہی ہوگا نہ کہ عاصم پس معصوم عاصم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ عاصم فاعل ہے من رحمہ اللہ مفعول اور مفعول فاعل کا غیر ہوتا ہے پس معصوم بھی جنس عاصم سے نہ ہوگا لہٰذا اس کا مستثنےٰ منقطع ہونا صحیح اور درست ہوگا واللہ اعلم

۳۶۲ قولہ او کان بعد الخ یہ مستثنیٰ کو وجوب نصب کا چوتھا مقام ہے اس کا عطف کان بعد الا پر ہے اور عبارت اس طرح ہے ای المستثنےٰ منصوبٌ ایضاً وجوباً اذا کان الخ یعنی مستثنےٰ نیز منصوب ہوگا جبکہ عدا یا خلا کے بعد واقع ہو عدا باب نصر سے آتا ہے ای

عدا یعدو عدواً جس کے معنی ہیں تجاوز کرنا جیسے جاء نی القوم عدا زیداً اور خلا یخلو خلواً بھی اسی باب سے آتا ہے جیسے جاء نی القوم خلا زیداً لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عدا متعدی بنفسہ ہے اور خلا لازم ہے لہٰذا اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ جب خلا لازم ہے تو اس کے بعد زید کو نصب کیسا؟ اس لئے کہ لازم کے لئے مفعول کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اس کا جواب شارح وہو فی الاصل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ یہ اصل میں لازم ہے اور بواسطہ

من مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے خَلَتِ الدِّیَارُ مِنَ الْاَنِیْسِ (مکانات عمخواروں سے خالی ہو گئے) لیکن یہ کبھی جاوز کے معنی کو بھی متضمن ہوتا ہے پس اس صورت میں جس طرح جاوز متعدی بنفسہ اور طالب مفعول ہوتا ہے اسی طرح خلا بھی متعدی بنفسہ ہو کر طالب مفعول ہوگا نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفعول سے واسطہ جر کو حذف کرکے فعل کو مفعول سے موصول کر دیتے ہیں پس ہو سکتا ہے کہ یہاں سے من حذف کر دیا گیا اور فعل کو مفعول سے ملا دیا گیا پس

بعد عدا من عدا یعدو عدوًّا اذا جاوزہ مثل جاء نی القوم عدا زیدًا او بعد خلا من خلا یخلو خلوا نحو جاء نی القوم خلا زیدا وھو فی الاصل لازم یتعدی الی المفعول بمن نحو خلت الدیار من الانیس وقد یضمن معنی جاوز او یحذف من ویوصل الفعل فیتعدی بنفسہ والتزموا[۳۶۳] ھذا التضمین او الحذف والایصال فی باب الاستثناء لیکون ما بعدھا فی صورۃ المستثنی بالا التی ھی ام الباب وفاعلھما ضمیر راجع اما الی مصدر الفعل المقدم او الی اسم الفاعل منہ او الی بعض مطلق من المستثنی

کے بعد ہو) یعنی نیز مستثنی وجوبا منصوب ہوگا جبکہ عدا کے بعد ہو (عدا) عدا یعدو عدوا جبکہ اس سے تجاوز کر جائے سے ماخوذ ہے جیسے جاء نی القوم عدا زیدا یا خلا کے بعد ماخوذ از خلا یخلو جیسے جاء نی القوم خلا زیدا اور لفظ خلا (دراصل) لازم ہے (اور کبھی) مفعول کی طرف (حرف) من کے ذریعے متعدی ہوتا ہے جیسے خلت الدیار من الانیس اور کبھی (خلا میں) جاوز کے معنی کی تضمین کی جاتی ہے اور (حرف) من کو حذف کر دیا جاتا ہے اور خلا فعل کو (مفعول بہ تک) پہنچا دیا جاتا ہے تو خلا (اس صورت میں) متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے اور نحویوں نے اس تضمین وحذف وایصال کا باب استثناء میں التزام کر لیا تاکہ خلا کا مابعد اس الا کے ذریعے مستثنی کی صورت میں ہو جاتے جو باب استثناء میں اصل ہے اور عدا و خلا کا فاعل ضمیر ہے جو فعل مقدم کے مصدر (مدلول فعل مقدم کما فی قولہ تعالیٰ اعدلوا ھو اقرب للتقوی) یا فعل مقدم سے (ماخوذ) اسم فاعل یا مستثنی منہ سے بعض مطلق (غیر معین مفید استغراق در ایجاب کقولہ تعالیٰ علمت نفس ای کل نفس فلا یرد انہ لا یلزم من مجاوزۃ بعض القوم ایاہ وخلوہ منہ مجاوزۃ الکل وخلو الکل منہ) اور (ان دونوں میں سے ہر واحد میں تاویلات ثلاثہ کی بنا پر) التقدیر

فعل اس ایصال کے اور حذف من کے باعث متعدی بنفسہ ہو گیا اس لئے کہ جب فعل متعدی بحرف الجر سے حرف جر کو حذف کر کے فعل کو مفعول سے موصول کر دیتے ہیں تو فعل متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے اور اس حذف کو ایصال کہتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۳۶۳ قولہ والتزموا الخ یہاں سے شارح یہ بیان کر رہے ہیں کہ خلا میں تضمین معنیٔ جاوز اور حذف وایصال کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ کیا اس کے بغیر باب استثناء میں اس سے کام نہیں چل سکتا؟ کہتے ہیں کہ اس تضمین یا حذف والیصال کا باب استثناء میں التزام اس وجہ سے ہے تاکہ خلا کا مابعد مستثنی بہ الا کی صورت میں ہو جائے جو کہ ام الباب ہے اور ام الباب اس وجہ سے ہے کہ اس کی وضع ہی حرف استثناء کے لئے ہوئی ہے بخلاف اس کے ماسوا کے کہ کسی میں مغایرۃ کے معنی پائے جاتے ہیں کسی میں ظرفیۃ مجاوزت خلو نفی وغیرہ پس ان کو استثناء سے قدرے مناسبت کے باعث استثناء میں استعمال کیا جاتا ہے پس جب خلا اس تضمین یا حذف والیصال کے باعث مستثنی بالا کی صورت میں ہو جائے گا تو جس طرح الا کا مابعد منصوب ہوتا ہے اسی طرح اس کا مابعد بھی صریح طور پر بغیر کسی واسطے کے منصوب ہوگا اس لئے کہ جار مجرور محل نصب میں واقع ہوں گے مفعولیت کی بنا پر پس جب جار کو حذف کر دیا جائے گا تو وہی نصب محلی نصب لفظی سے تبدیل ہو کر خلا مابعد پر آجائے گا اور مستثنیٰ صریحاً منصوب ہو جائے گا، اب رہی یہ بات کہ اس کا مابعد تو مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوگا مگر ان کی ضمیر فاعل کس طرف راجع ہے اگر ان کا مرجع قوم کو ٹھیراتے ہیں تو قوم جمع ہے ضمیر مفرد اس طرف راجع نہیں ہو سکتی تو اس کا جواب شارح و فاعلھما الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ ان دونوں کی ضمیر مستتر یا تو فعل مقدم کے مصدر کی طرف راجع ہے یا اسی مصدر کے اسم فاعل کی طرف اس لئے کہ فعل اپنے صاحب پر دلالت کرتا ہے یا مستثنیٰ منہ سے بعض مطلق کی طرف اس لئے کہ کل بعض پر مشتمل ہوتا ہے پس بعض مطلق کل کے ضمن میں پایا جائیگا جس کی طرف عدا اور خلا کی ضمیر مستتر راجع ہوگی کیونکہ اگر کل کی طرف راجع کرتے ہیں تو مذکورہ بالا اعتراض پھر لوٹ آتا ہے کہ مفرد کا مرجع جمع کیسے ہو سکتا ہے اور بعض سے مراد یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ منہ کے ہر ہر فرد پر صادق آسکے تاکہ استثناء صحیح ہو جائے اسی واسطے شارح نے بعض مطلق کہا اس لئے اس میں ہر ہر فرد مستثنیٰ منہ پر صادق آنے کا احتمال ہوتا ہے پس استثناء ہر ہر فرد مستثنیٰ منہ سے ہو سکے گا علی سبیل البعضیۃ المطلقۃ بخلاف بعض معین کے کہ اس سے تعیین وتحدید کی بنا پر استثناء صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مستثنیٰ منہ کے ہر ہر فرد پر صادق نہیں آسکے گا پس تقدیر عبارت یہ ہوگی جاء نی القوم عدا (یا خلا) مجیئھم زیدا بصورت ارجاع ضمیر الی مصدر الفعل یا عدا الجائی منھم زیدا جبکہ ضمیر مصدر کے اسم فاعل کی طرف راجع کی جائے اور جب بعض مستثنیٰ منہ کی طرف راجع ہوگی تو تقدیر عبارت عدا بعض منھم زیدا پھر فاعل ومفعول سے خلا اور عدا مل کر جاء نی القوم

منه والتقدير جاء فى القوم عدا او خلا مجيئهم او الجانى منه او بعض منهم زيدًا وهما فى محل النصب على الحالية ولم يظهر معهما قد ليكون اشبه بالا التى هى الاصل فى باب الاستثناء فى الاكثر اى النصب بهما انما هو فى اكثر الاستعمالات لانهما فعلان ماضيان كما عرفت و قد اجيز الجر بهما على انهما حرفا جر قال السيرافى لم اعلم خلافا فى جواز الجر بهما الا ان النصب بهما اكثر وما خلا وما عدا اى المستثنى منصوب

ہوگی جاء فی القوم عدا (مجیئہم) او خلا مجیئہم (زیدا) یا (جاء فی القوم عدا و خلا) الجانی منہم (زیدا) یا (جاء فی القوم عدا و خلا) بعض منہم زیدا اور (عدا و خلا) دونوں (اپنے فاعل و مفعول سمیت) حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہیں اور ان دونوں کے ہمراہ (لفظ) قد کو ظاہر نہیں کیا گیا تاکہ (ان دونوں میں سے) ہر واحد اس الا کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو جو باب استثناء میں اصل ہے (اکثر میں) یعنی عدا و خلا کے ذریعے (مستثنیٰ کی) نصب اکثر استعمالات میں ہے کیونکہ یہ دونوں فعل ماضی ہیں جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا اور ان دونوں کے ذریعے (مستثنیٰ کی) جر کو جائز رکھا گیا ہے بنا بر آنکہ دونوں حرف جر ہیں (اور یہ مذہب اخفش ہے اور سیبویہ جواز جر کے منکر ہیں) اور سیرافی نے کہا کہ مجھے عدا و خلا کے ذریعے جر کے جواز میں کوئی اختلاف معلوم نہیں مگر ان دونوں کے ذریعے نصب اکثر ہے (اور ما خلا اور ما عدا) یعنی نیز مستثنیٰ

سے حالیت کی بنا پر محل نصب میں ہونگے ای جاء فی القوم حال انہ خلا (عدا) مجیئہم (وغیرہ) زیدًا واللہ اعلم ۱۲

۳۶۴ قولہ ولم یظہر الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہوتی ہے تو اس پر قد کا داخل کرنا ضروری ہوتا ہے اور یہاں خلا و عدا دونوں ماضی ہیں اور حال واقع ہیں مگر ان پر لفظ قد داخل نہیں پس اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان پر بظاہر دخول قد اس وجہ سے نہیں ہوا تاکہ یہ استثناء کے موقع میں واقع ہونے کی وجہ سے الا کے مشابہ ہو جائیں جو کہ باب استثناء میں اصل ہے پس ان میں قد مقدر کیا جائیگا نیز جبکہ یہ الا کے مشابہ ہو جائیں گے تو ان کی فعلیت میں ضعف پیدا ہو جائیگا پس ان پر قد کو داخل نہیں کرینگے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلا اور عدا خالیًا اور مجاوزًا کے معنی میں ہوں پس اس وقت ان کا حال واقع ہونا صحیح ہوگا پھر خلا اور عدا کے ذریعہ مستثنیٰ کا منصوب ہونا اکثر استعمالات کی بنا پر ہے کیونکہ یہ فعل ماضی ہیں حروف جر نہیں اس لئے کہ ان پر ما مصدریہ بھی داخل ہو جاتا ہے اور ما مصدریہ فعل پر داخل ہوتا ہے حرف پر نہیں اور بعض ان کے مابعد میں جر کے جواز کے بھی قائل ہیں کیونکہ وہ انکو حرف جر مانتے ہیں اس بارے میں سیرافی مشہور نحوی کہتے ہیں کہ مجھ کو اس بارے میں کسی اختلاف کا علم نہیں کہ کوئی ان کے مدخول میں جواز جر کا قائل ہو سوائے اس کے کہ ان دونوں کے مدخول پر نصب آتا ہے اکثر واللہ اعلم۔

۳۶۵ قولہ وما خلا الخ اسکا عطف خلا و عدا پر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ای المستثنیٰ منصوب ایضًا الخ یعنی مستثنیٰ نیز منصوب ہوتا ہے وجوبًا جبکہ ما خلا یا ما عدا کے بعد واقع ہو اس لئے کہ ان دونوں میں ما مصدریہ سے اور یہ فعل ہی پر داخل ہوتا ہے حرف پر نہیں پس مستثنیٰ بنا بر مفعولیت وجوبًا منصوب ہوگا جیسے جاء فی القوم ما خلا زیدًا (یا ما عدا زیدًا) پھر ما خلا اور ما عدا دونوں بتاویل مصدر ہو کر یا تو بنا بر ظرفیت منصوب المحل ہوں گے ای خلو زید و عدو زید اور مضاف ہوگا یعنی وقت پس اس وقت عبارت اس طرح ہوگی جاء فی القوم وقت خلوہم من زید ای وقت خلو بعضہم من زید یا وقت خلو مجیئہم من زید اور وقت مجاوزتہم عمرًا ای وقت مجاوزۃ بعضہم عمرًا یا مجاوزۃ مجیئہم عمرًا یعنی ما خلا اور ما عدا کی ضمیر مستتر میں مرجع کے اعتبار سے جو خلا و عدا میں احتمالات بنائے گئے ہیں وہ ہی ان میں بھی نکلیں گے پس انہیں احتمالات کی بنا پر مذکورہ بالا عبارات مقدر نکالی گئیں پھر انہی میں اس کے مرجع اسم فاعل کو بھی داخل کر لیا جائے پھر چونکہ خلا لازم ہے اور متعدی بواسطہ من ہوتا ہے اس لئے من کا بھی اضافہ کر دیا گیا پس اس میں وقت خلوہم اور وقت خلو مجیئہم من زید تقدیر ما خلا کی امثلہ ہیں اور بقیہ ما عدا کی اس لئے کہ عدا بمعنی جاوز ہے اب رہی یہ بات کہ ما خلا اور ما عدا کو خلو اور عدو کی تاویل میں کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی اور پھر وقت مضاف کس لئے مقدر مانا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے منصوب المحل ہونے میں دو احتمال ہیں بنا بر ظرفیت منصوب ہوں گے یا بنا بر حالیت اگر ظرفیت کی بنا پر منصوب ہیں تو یہ صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ ما خلا اور ما عدا خلو اور عدو کے معنی میں کر کے مضاف مقدر نہ مانیں اس لئے کہ ما خلا اور ما عدا نہ تو ظرف زمان ہیں اور نہ ظرف مکان پس جب یہ ما مصدریہ کے باعث

ایضًا وجوبا اذا کان بعد ما خلا وما عدا الا ان ما فیهما مصدریة مختصة بالافعال نحو جاءنی القوم ما خلا زیدًا او ما عدا عمرًوا وتقدیرہ خلو زید وعد وعمرو بالنصب علی الظرفیة بتقدیر مضاف ای وقت خلوهم او خلو مجیئهم من زید ووقت مجاوزتهم او مجاوزة مجیئهم عمرا [366] او علی الحالیة بجعل المصدر بمعنی اسم الفاعل ای جاءوا خالیا بعضهم او مجیئهم من زید و مجاوزا بعضهم او مجیئهم عمرا [367] وعن الاخفش انه اجاز الجر بهما علی ان ما فیهما زائدة ولعل هذا لم یثبت عند المصنف او لم یعتد به ولهذا لم یقل فی الاکثر [368] وکذا

وجوبی طور پر منصوب ہوتا ہے جبکہ ماخلا اور ماعدا کے بعد (واقع) ہو کیونکہ ان دونوں میں (لفظ) ما مصدریہ ہے جو (سیبویہ کے نزدیک) افعال کے ساتھ خاص ہے جیسے جاءنی القوم ماخلا زیدًا اور (جاءنی القوم) ماعدا عمروًا اور مثال اول کی تقدیر (جاءنی القوم) خُلُوُّ زید اور (جاءنی القوم) عَدْوُ عمرو (دونوں میں خلو اور عدو کی) نصب کے ساتھ بنا بر ظرفیت مضاف (یعنی لفظ وقت) کی تقدیر سے یعنی (جاءنی القوم) وقت خلوهم (من زید) یا (جاءنی القوم) وقت خلو مجیئهم من زید اور (جاءنی القوم) وقت مجاوزتهم (عمروا) یا (جاءنی القوم) وقت مجاوزة مجیئهم عمروا یا (خلو اور عدو کی نصب کے ساتھ) بنا بر حالیت مصدر کو اسم فاعل کے معنی میں کر کے یعنی جاءوا (جاءنی القوم) خالیا بعضهم (من زید) یا (جاءنی القوم خالیا) مجیئهم من زید اور (جاءنی القوم) مجاوزا بعضهم (عمروا) یا (جاءنی القوم) مجاوزا مجیئهم عمروا اور اخفش سے مروی ہے کہ انہوں نے ماعدا اور ماخلا کے ذریعے جر کو جائز رکھا

بتاویل مصدر ہو جائیں گے اور مضاف مقدر ہوگا تو ان کا بنا بر ظرفیة منصوب المحل ہونا درست ہو جائیگا واللہ اعلم۔

۳۶۶ قولہ او علی الحالیة الخ یہ ان دونوں کے منصوب ہونے کا دوسرا احتمال ہے یعنی اگر حالیة کی بنا پر منصوب مانتے ہیں تو یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ حال کا حمل ذوالحال پر ہوا کرتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں ہوتا اس لئے کہ حال یعنی ما خلا اور ما عدا بتاویل مصدر ہیں اور مصدر حرف وصف ہوتا ہے اور ذوالحال یعنی قوم ذات ہے پس وصف کا حمل ذات پر لازم آیا اور یہ درست نہیں لہذا شارح اس کا جواب او علی الحالیة سے یہ دے رہے ہیں کہ اس صورت میں بمعنی اسم فاعل ہوگا پس ما خلا کی تقدیر عبارت یہ ہوگی ای جاءوا خالیًا بعضهم من زید یا خالیا مجیئهم من زید اور ما عدا کی تقدیر عبارت اس طرح ہے جاءوا مجاوزًا بعضهم عمرًا یا مجاوزًا مجیئهم عمرًا سابقہ احتمالات کے ساتھ پس حال کا حمل ذوالحال پر درست ہو جائیگا کیونکہ اس صورت میں خالیًا اور مجاوزًا اسم فاعل ہوں گے اور اسم فاعل ذات مع الوصف ہوتا ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات محض پر صحیح ہوتا ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا واللہ اعلم۔

۳۶۷ قولہ وعن الاخفش الخ ماخلا اور ماعدا کے بارے میں اخفش سے روایت ہے کہ ان کے نزدیک ان کے مابعد میں جر جائز ہے کیونکہ وہ ما کو زائدہ مانتے ہیں اور خلا و عدا کو جارہ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی بات ہے تو مصنف نے حسب سابق اس جگہ بھی وعلی الاکثر کیوں نہ کہا تاکہ یہ معلوم ہو جاتا کہ اخفش کا مذہب اقل کے مرتبہ میں ہے اور اکثر نحوی ان کے مابعد میں نصب ہی پڑھتے ہیں اس کا جواب ولعل ہذا الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ شاید مصنف کے نزدیک اس کا ثبوت پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا ہو اور اگر ثبوت متحقق ہو بھی گیا ہو تو قابل اعتنا اور معتدبہ نہ سمجھا ہو اس لئے کہ اس جگہ فی الاکثر نہیں کہا واللہ اعلم۔

۳۶۸ قولہ وکذا المستثنٰی الخ یہ مستثنٰی کے وجوبًا منصوب ہونے کا آخری موقع ہے اس کا عطف بھی خلا و عدا پر ہے اور تقدیر عبارت حسب سابق ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مستثنٰی لیس اور لا یکون کے بعد بھی وجوبًا منصوب ہوتا ہے جیسے جاءنی القوم لیس زیدًا اور جیسے سیجئ اہلک لا یکون بشرا (عنقریب تیرے اہل آئیں گے بشر نہیں ہوگا) اور ان کے بعد یہ وجوب نصب کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ سے ہیں اور افعال ناقصہ خبر کو منصوب کرتے ہیں لہذا ان کا مابعد بنا بر خبریت کے وجوبًا منصوب ہوگا اب اگر کوئی کہے کہ ہو سکتا ہے ان کا مابعد خبر نہ ہو بلکہ اسمیة کی بنا پر مرفوع ہو تو اس کے جواب میں شارح ولیلزم اضمار الخ سے کہتے ہیں کہ ان دونوں کا اسم باب استثنا میں وجوبًا مضمر رکھا جائیگا تاکہ یہ الا سے مشابہ ہو جائیں جو کہ اس باب میں اصل ہے اس لئے کہ اگر ان کا اسم مذکور ہوگا اور اضمار واجب نہ ہوگا تو ان کے اور مستثنٰی کے درمیان فصل لازم آئے گا کیونکہ اسم وسط میں آجائیگا پس مشابہت میں فرق پیدا ہو جائیگا اس لئے کہ حرف

المستثنیٰ منصوب بعد لَيْسَ نحو جاء فی القوم لیس زیدًا وَ بعد لَا يَكُوْنُ نحو سیجیٔ اهلك لا یکون بشرًا وانما یکون النصب بعد هما لانهما من الافعال الناقصة الناصبة للخبر ویلزم اضمار اسمیهما فی باب الاستثناء وهو ضمیر راجع الی اسم الفاعل من الفعل المذکور او الی بعض من المستثنیٰ منه مطلقًا وهما فی الترکیب فی محل النصب علی الحالیة وَ ۳۶۹ اعلم انه لا تستعمل هذه الافعال الا فی المستثنیٰ المتصل الغیر المفرغ ولا یتصرف فیها لانها قائمة مقام الا وهی لا یتصرف فیها

ہے بنا برآنکہ دونوں میں (لفظ) ما زائدہ ہو اور شاید یہ (روایت) مصنف کے نزدیک ثابت نہیں ہو سکی یا مصنف نے اس روایت کو لائق توجہ نہیں سمجھا اور اسی وجہ سے (کہ یہ روایت لائق اعتناء نہیں) مصنف نے (" ما خلا وما عدا " کے بعد) فی الاکثر نہیں کہا (اور) اسی طرح مستثنیٰ (لیس) کے بعد منصوب ہوگا جیسے جاء فی القوم لیس زید (تقدیرہ جاء فی القوم لیس الجائی منهم یا لیس بعض منهم زیدا) (اور لا یکون) کے بعد جیسے سیجیٔ اہلک لا یکون بشرا (تقدیرہ لا یکون الجائی منهم بشرا یا لا یکون بعض منهم . . . . بشرا) اور لیس ولا یکون کے بعد (مستثنیٰ کی) نصب اس لئے ہی ضروری ہے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ سے ہیں جو خبر کو نصب دیتے ہیں اور باب استثناء میں لیس اور لا یکون کے اسم کا (اظہار کی بجائے) اضمار کرنا لازم ہے (تاکہ یہ الا کے زیادہ مشابہ ہوں جو باب استثناء میں اصل ہے کہ کبھی ان کا اسم ان کے بعد ہوتا ہے تو اس صورت میں ان کے اور مستثنیٰ کے درمیان فصل واقع ہو جائیگا جو ان کی مشابہت بہ الا کو نقصان پہنچائیگا کیونکہ حرف استثناء اور مستثنیٰ کے درمیان فصل منع ہے) اور وہ (اسم لیس ولا یکون) ضمیر ہوگی جو فعل مذکور سے ماخوذ اسم فاعل کی طرف یا مستثنیٰ منہ میں سے مطلقا بعض (مطلق یعنی غیر معین) کی طرف لوٹیگی . . . . (انہ قد مر افادۃ ذکر لفظ المطلق) اور وہ دونوں (لیس ولا یکون ترکیب میں حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہیں اور معلوم ہو کہ یہ افعال (ناصبہ للمستثنیٰ یعنی عدا سے لے کر لا یکون تک) مستثنیٰ متصل غیر مفرغ میں ہی استعمال ہوتے ہیں اور ان میں تغیر نہیں کیا جائے گا (بلکہ یہ جوں کے توں بلا تثنیہ و جمع کئے یا لا کی بجائے ما نافیہ لائے بغیر اسی حالت میں رہینگے) کیونکہ یہ الا کے قائمقام ہیں اور الا میں (اس کے حرف ہونے کی وجہ سے) کوئی تغیر نہیں کیا جا سکتا

کہ استثناء اور مستثنیٰ کے درمیان فاصلہ نہیں ہوا کرتا پس ان دونوں کا فاعل ضمیر مستتر ہوگی جو کہ فعل مذکور کے اسم فاعل کی طرف راجع ہوگی یا مستثنیٰ منہ سے بعض مطلق کی طرف پس لیس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی لیس الجائی زیدًا یا لیس بعضہم زیدًا اور لا یکون کی لا یکون الجائی بشرًا یا لا یکون بعضہم بشرًا اور ان دونوں میں مصدر فعل کی طرف ضمیر راجع کرنے کا احتمال اس وجہ سے نہیں کہ اس صورت میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے خروج لازم نہیں آتا کیونکہ زید کی نفی مجیٔ سے ہوگی نہ کہ جائی وغیرہ سے جو کہ مستثنیٰ منہ ہیں اس لئے شارح نے اس احتمال کو بیان نہیں کیا پھر یہ دونوں اسم ضمیر اور خبر سے مل کر حالیہ کی بنا پر محل نصب میں ہوں گے ای جاء فی القوم حال انہ لیس زیدًا وعلی ہذا القیاس سیجیٔ اہلک حال انہ لا یکون بشرًا واللہ اعلم

۳۶۹ قولہ واعلم انہ الخ اب شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ افعال از خلا تا یکون کون سے مستثنیٰ میں مستعمل ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ان کا استعمال مستثنیٰ متصل غیر مفرغ میں ہوتا ہے اس منقطع میں تو اس وجہ سے استعمال نہیں ہوتا کہ ان کی ضمیر مستتر مستثنیٰ منہ کی طرف (اگرچہ وہ تاویلاً ہو) راجع ہوتی ہے پس مناسب یہ ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو اس لئے کہ ان میں مستثنیٰ یا تو مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوتا ہے خبریت کی بنا پر اور ان کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ جنس مستثنیٰ منہ سے ہوں، ورنہ مفعول کا وقوع فاعل پر اور خبر کا حمل اسم پر صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ حمار کا وقوع اور حمل قوم پر لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں اور غیر مفرغ میں استعمال کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان کو مفرغ میں استعمال کریں گے تو چونکہ اس میں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا اور ان میں ضمیر ہوتی ہے جو مستثنیٰ منہ تاویلی کی طرف راجع ہوتی ہے پس اضمار قبل الذکر لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں پھر یہ کہ جب تک یہ افعال باب استثناء رہیں گے اس وقت تک ان میں کوئی تصرف صیغوں وغیرہ میں نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ یہ الّا کے قائم مقام ہوں گے اور الّا میں کسی قسم کی گردان نہیں کی جاتی اور نہ مستثنیٰ کو الّا پہ مقدم کیا جاتا ہے واللہ اعلم

ويجوز فيه

ای فی المستثنیٰ النصبُ علی الاستثناء ویختارُ البدلُ عن المستثنیٰ منه فی ما بعدَ الّا حال من الضمیر المجرور ای حال کون المستثنیٰ واقعاً فی محل یکون متاخراً عن الّا احترازٌ عما اذا کان بعد سائر ادوات الاستثناء مثل عدا وخلا وغیرهما فی کلامٍ غیرِ موجبٍ احترازٌ عما اذا وقع فی کلام موجب فانه منصوب وجوباً کما مر والحال انه قد ذُکر المستثنیٰ منهُ احترازٌ عما اذا لم یذکر المستثنیٰ منه فانه ح یُعرب علی حسب العوامل وفی بعض النسخ [۳۷۱] ذکر المستثنیٰ منه بغیر واو علی انه صفة لکلام غیر موجب ای کلام غیر موجب ذکر فیه المستثنیٰ منه ولم یشترطان لا یکون منقطعاً ولا مقدماً علی المستثنیٰ منه لان حکمهما قد علم فیما سبق

((اور اس میں جائز ہے)) یعنی مستثنیٰ میں ((نصب)) بنا بر استثناء ((اور)) مستثنیٰ منہ سے ((بدل (بنانا) مختار ہے الا کے مابعد میں)) (مصنف کا قول فیما بعد الا) ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی جبکہ مستثنیٰ ایسے محل میں واقع ہو کہ الا سے متاخر ہو (اس قید سے) اس مستثنیٰ سے احتراز ہے جو (الا کے سوا) عدا و خلا وغیرھما ایسے باقی حروف استثناء کے بعد واقع ہو ((کلام غیر موجب میں)) اس مستثنیٰ سے احتراز ہے جو کلام موجب میں واقع ہو کہ وہ وجوبی طور پر منصوب ہوگا ((اور)) جبکہ ((مستثنیٰ منہ مذکور ہو)) (مصنف کلام فیما بعد الا اور وذکر المستثنیٰ منہ دونوں ضمیر مجرور سے حال ہیں) اس سے احتراز ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو کہ اس وقت مستثنیٰ کو عوامل کے اعتبار سے اعراب دیا جائیگا اور بعض نسخوں میں "ذکر المستثنیٰ منہ" واؤ کے بغیر ہے بنا بر آنکہ (یہ مصنف کے قول) کلام غیر موجب کی صفت ہو یعنی (مستثنیٰ الا کے بعد) ایسے کلام (میں واقع ہو) جس میں مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور مصنف نے یہ شرط نہیں لگائی کہ مستثنیٰ منقطع نہ ہو اور نہ ہی مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو کیونکہ ان دونوں کا حکم ماسبق میں معلوم ہو گیا

۳۷۰ قولہ ویجوز فیہ الخ اور مستثنیٰ جبکہ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو تو مستثنیٰ میں استثناء کی بنا پر نصب پڑھنا جائز ہے مگر مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دینا مختار ہے بشرطیکہ مستثنیٰ صرف الا کے بعد واقع ہو اس کے ماسوا عدا، خلا وغیرہ کے بعد واقع نہ ہو اس جگہ قول مصنف فیما بعد الا فیہ کی ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی فیما بعد الا ظرف مستقر واقعاً کے متعلق ہوگا اور وہ فیہ کی ضمیر سے حال واقع ہوگا اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ الا کے بعد جو چیز واقع ہوگی وہ بھی مستثنیٰ ہوگی اور فیہ کی ضمیر مجرور بھی مستثنیٰ ہی کی طرف راجع ہے پس ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم آئی اور مطلب ہوا کہ مستثنیٰ میں مستثنیٰ ہونے کی حالت میں نصب جائز ہے پس شارح اس کا جواب ای حال کون الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ واقع فیما بعد الا سے محل استثنیٰ مراد ہے نہ کہ مستثنیٰ پس مطلب یہ ہوا کہ مستثنیٰ کا محل جبکہ الا کے بعد ہو تو اس میں نصب جائز ہے اور بدل مختار پس اس سے وہ مستثنیات خارج ہو گئے جس کا محل وقوع الا کے بعد نہیں بلکہ عدا خلا وغیرہ کے بعد ہے اور فی کلام موجب کی قید سے وہ مستثنیٰ نکل گیا جو کہ کلام موجب میں واقع ہوا اس لئے کہ اس میں نصب واجب ہے کما مر پھر وذکر المستثنیٰ منہ سے وہ مستثنیٰ خارج ہو گیا کہ جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو جس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں اس لئے کہ اس وقت اس کا اعراب نصب نہیں ہوگا بلکہ علی حسب العوامل اعراب دیا جائے گا۔ کما سیجئ اس جگہ والحال انہ قد کے اضافہ سے شارح کا منشا یہ ہے کہ ذکر المستثنیٰ منہ بھی ضمیر مجرور مذکور سے حال واقع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہوتی ہے تو اس پر دخول قد ضروری ہوتا ہے پس شارح نے بتا دیا کہ اگرچہ قد لفظوں میں نہیں مگر پوشیدہ ہے واللہ اعلم۔

۳۷۱ قولہ وفی بعض النسخ الخ اس سے دخول قد کے بارے میں دوسرا جواب دینا مقصود ہے کہتے ہیں کہ بعض نسخوں میں بغیر واو کے صرف ذکر المستثنیٰ منہ ہے پس یہ اس بنا پر کلام غیر موجب کی صفت واقع ہوگا ای کلام غیر موجب ذکر فیہ المستثنیٰ منہ اور اس تقدیر عبارت میں ذکر کے بعد فیہ کا اضافہ شارح نے اس لئے کر دیا کہ جملہ جب صفت واقع ہوتا ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے جو کہ موصوف کی طرف راجع ہے لہذا اب دخول قد وغیرہ کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور

فاکتفی بذلک نحو ما فعلوہ الا قلیل بالرفع علی البدلیۃ والا قلیلا بالنصب علی الاستثناء ونحو ما مررت باحدٍ الا زید بالجر علی البدلیۃ والا زیدا بالنصب علی الاستثناء وما رأیت احدا الا زیدا بالنصب اما بطریق البدلیۃ وھو المختار او بطریق الاستثناء وھو جائز غیر مختار و انما اختاروا البدل فی ھذہ الصور لان النصب علی الاستثناء انما ھو بسبب التشبیہ بالمفعول لا بالاصالۃ وبواسطۃ الا واعراب البدل بالاصالۃ وبغیر واسطۃ ویعرب ای المستثنی علی حسب العوامل ای بما یقتضیہ العامل من الرفع والنصب والجر اذا کان المستثنیٰ منہ غیر مذکور ویختص ذلک المستثنیٰ باسم المفرغ لانہ فرغ لہ العامل

ہے (کہ بنا بر استثناء ان کی نصب واجب ہے) تو اسی پر اکتفاء کر لیا (جیسے ما فعلوہ الا قلیل" (قلیل کے) رفع سے بدلیت کی بنا پر (اور الا قلیلا) نصب کے ساتھ بنا بر استثناء اور جیسے ما مررت باحد الا زید (زید کی) جر سے بدلیت کی بنا پر اور الا زیدا نصب سے استثناء کی بنا پر اور ما رأیت احدا الا زیدا (زیدا نصب سے) یا تو بدلیت کے طریق سے اور یہی مختار ہے یا استثناء کے طریق سے اور یہ جائز ہے مختار نہیں ہے (رفع ونصب وجر بنا بر عوامل تینوں کی مثالیں پوری ہو گئیں) اور نحویوں نے ان تینوں صورتوں میں بدل کو اس لئے اختیار کیا (اور اسے استثناء پر اس لئے ترجیح دی) کہ (مستثنیٰ کی) نصب بنا بر استثناء (مستثنیٰ کی) مفعول کے ساتھ تشبیہ کے سبب سے ہے بالاصالت نہیں اور (اس لئے کہ مستثنیٰ میں اعراب) الا کے واسطے سے ہے اور (اس کے برعکس) بدل کا اعراب بالاصالت ہے اور (نیز) کسی واسطے کے بغیر ہے (اور اس میں شک نہیں کہ اعراب بالاصالت وبلا واسطہ اس اعراب سے اقوی ہے جو غیر کی مشابہت اور غیر کے واسطے سے ہو اور اقوی پر جب تک عمل ممکن ہو اولیٰ ہے) (اور اعراب دیا جائے گا) یعنی مستثنیٰ کو (عوامل کے قدر پر) یعنی (مستثنیٰ کو) اس چیز کے ساتھ (اعراب دیا جائے گا) جس کو عامل چاہتا ہو یعنی رفع ونصب وجر میں سے کسی ایک کے ساتھ اسے معرب کیا جاتے گا) (جبکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو) اور وہ مستثنیٰ مفرغ کے نام کے ساتھ ممتاز

اگر بدل قرار دیتے ہیں تو الا قلیلٌ بالرفع پڑھیں گے اور استثناء کی صورت میں الا قلیلاً بالنصب اس کے منصوب پڑھے جانے کی وجہ تو ظاہر ہے البتہ جب رفع پڑھیں گے تو فعلوا کی ضمیر جمع سے بدل البعض ہوگا اور ظاہر ہے کہ بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ کا ہوتا ہے اور مبدل منہ فاعل ہونے کی بنا پر محل رفع میں ہے لہذا قلیل بھی مرفوع ہوگا یہ تو مثال تھی قول باری تعالیٰ اب دوسری مثالیں دیکھئے جیسے ما مررت باحدٍ الا زیدٍ بنا بر بدلیۃ جر کے ساتھ اور بنا بر استثنائیت الا زیداً نصب کے ساتھ اور جیسے ما رأیت احداً الا زیداً اس میں بہر صورت خواہ بدل قرار دیں یا مستثنیٰ نصب ہی ہوگا کیونکہ بدل بھی محل نصب میں ہی واقع ہے البتہ بطریق بدلیۃ نصب مختار ہے اور بطریق استثنائیت غیر مختار اور ان تمام صورتوں میں اختیار نصب وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ کو نصب اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ وہ مفعول کے ساتھ مشابہ ہوتا ہے اور پھر اس کی مشابہت مفعول معہ سے ہوتی ہے جو کہ بواسطہ واو منصوب فعل کا معمول ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی الا کے بعد واقع ہوتا ہے پس اس کا نصب اصالۃً نہیں ہوا بلکہ تشبیہ کا باعث ہوا اور بدل کا اعراب بالاصالۃ ہے بلا واسطہ یہاں مصنف نے ان لا یکون منقطعاً ولا مقدماً علی المستثنیٰ منہ کی قید اس وجہ سے نہیں لگائی کہ ان کا حکم سابق ہی بیان ہو چکا ہے یعنی ان میں نصب واجب ہے پس اس جگہ ان کی نفی کی کوئی ضرورت نہیں رہتی واللہ اعلم۔

۳۷۲ قولہ نحو ما فعلوہ الخ یہ جواز نصب اور اختیار بدل کی مثال ہے،

ہوتا ہے پس جس میں واسطہ نہ ہو وہ مختار ہوگا۔ کہ وہ جس میں واسطہ آجائے پھر اس جگہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ بدل کا اعراب بھی بالاصالۃ نہیں ہوتا کیونکہ یہ مبدل منہ کا تابع ہوتا ہے پس اس کا اعراب بالتبعیۃ ہوا نہ کہ بالاصالۃ اسلئے

کہ ہم جواب دیں گے بالاصالۃ سے بالتبعیۃ کا مقابلہ مقصود نہیں بلکہ واسطہ کا تقابل مد نظر ہے واللہ اعلم

۳۷۳ قولہ ویعرب الخ اور اگر مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور نہ ہو اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو تو مستثنیٰ تقضائ

عن المستثنیٰ منه فالمراد بالمفرغ المفرغ له کما یراد بالمشترك المشترك فیه وَهُوَ ای والحال ان المستثنیٰ واقع فی غیرِ الکلام المُوجَب و اشترط ذلك لِیُفِیدَ فائدةً صحیحةً مثل مَا ضَرَبَنی اِلَّا زیدٌ اذ یصح ان لایضرب المتکلم احد الا زید بخلاف ضربنی الا زید اذ لا یصح ان یضرب کل واحد المتکلم الا زید اِلَّا اَنْ یَسْتَقِیْمَ الْمَعْنٰی بان یکون

(و منفرغ کیا جاتا ہے کیونکہ مستثنیٰ (میں عمل کرنے) کی وجہ سے عامل کو مستثنیٰ منہ سے فارغ کیا گیا ہے (کہ مستثنیٰ منہ کو حذف کر دیا گیا ہے تاکہ عامل اس میں نہیں بلکہ مستثنیٰ میں عمل کرے) پس (یہاں) مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہے (لہ کو حذف کر دیا گیا کہ مفرغ تو عامل ہے اور مستثنیٰ مفرغ لہ) جیسے مشترک سے مشترک فیہ مراد لیا جاتا ہے ((اور وہ)) یعنی جبکہ مستثنیٰ واقع ہو ہو کلام ((غیر موجب میں)) اور مصنف نے یہ شرط (اس لئے) لگائی ((تاکہ کلام)) فائدۂ صحیحہ کو ((مفید ہو جیسے ماضربنی الا زید کیونکہ یہ بات صحیح (اور ممکن) ہے کہ متکلم کو زید کے بغیر کوئی نہ مارے (یعنی اسے صرف زید نے مارا ہو) ضربنی الا زید (کلام موجب) کے برعکس کیونکہ یہ بات ممکن نہیں کہ متکلم کو زید کے سوا (تمام لوگوں میں سے) ہر شخص مارے (مگر یہ کہ معنی

عامل کے مطابق اعراب دیا جاتا ہے تاکہ کلام معنیٰ صحیح کا فائدہ دے پس اگر عامل رفع کا مقتضی ہوگا تو مستثنیٰ کو رفع دیا جائیگا اور نصب کا اقتضا رپا پایا جائیگا تو منصوب پڑھیں گے علیٰ ہذا القیاس مجرور اس جگہ شارح نے علیٰ حسب العوامل کی شرح ای بما یقتضیہ العامل الخ سے اس وجہ سے کی ہے کہ العوامل میں الف لام جنس کے لئے ہے اور قاعدہ ہے کہ جب لام جنس جمع پہ داخل ہوتا ہے تو اس میں معنیٰ جمعیت کمزور ہو جاتے ہیں اور جنس مراد ہوتا ہے پس العوامل سے عامل مراد ہوگا لہٰذا اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جارنی الا زیدٌ میں عامل صرف ایک ہے جس کے باعث زید مرفوع ہے نہ کہ عوامل کہ ان کے باعث زید مرفوع ہو پس جواب یہی ہو گیا کہ اس سے جنس عامل مراد ہے اور جنس کا اطلاق ایک پر بھی آتا ہے اب رہی

یہ بات کہ اس قسم کے مستثنیٰ کو کس نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کا جواب شارح ویختص ذلک الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ یہ مستثنیٰ مفرغ کے نام کے ساتھ مخصوص ممتاز اور موسوم ہے اور اس کو مفرغ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے عامل مستثنیٰ منہ میں عمل کرنے سے فارغ ہو جاتا ہے اور حرف مستثنیٰ میں عمل کرتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ جب عامل اس کے باعث عمل سے فارغ ہو جاتا ہے تو یہ مستثنیٰ مفرغ نہ ہوا بلکہ اس کو مفرغ لہ کہنا چاہئے اس کا جواب شارح فالمراد الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس جگہ مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہی ہے جیسا کہ مشترک سے مشترک فیہ مراد ہوتا ہے یعنی جس میں اشتراک واقع ہو نہ یہ کہ جو شریک ہو پھر وھو کی تفسیر ای والحال ان المستثنیٰ الخ سے کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وھو میں واو حالیہ ہے اور یہ یُعرب کی ضمیر مفعول

مالم یُسم فاعلہ سے حال واقع ہے نیز یہ کہ جب جملہ اسمیہ حال واقع ہوتا ہے تو ضمیر اور واو دونوں ذکر کئے جاتے ہیں پس یہاں ایسا ہی ہے اور واشترط ذلک سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ لیفید مدعیٰ محذوف یعنی واشترط ذلک کی دلیل ہے اور فائدۃً صحیحۃً سے اس مستثنیٰ کا اخراج مقصود ہے جس سے فائدہ صحیح حاصل نہ ہو اس لئے کہ جب کلام غیر موجب غیر مفید ہوگا تو صحیح یا سقیم کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ مثلاً جب قام الا زیدٌ کہا گیا تو اس کے معنے یہ ہوں گے قام جمیع الناس الا زیدٌ اور یہ معنی قطعاً بعید از قیاس ہیں اس لئے کہ جماعت کی تخصیص کا قرینہ کہ منجملہ ان کے زید ہے منتفی ہے پس اس کو مستثنیٰ مفرغ نہیں کہیں گے اور کلام موجب میں مستثنیٰ مفرغ واقع نہ ہوگا اس لئے کہ اس سے فائدہ تام حاصل نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔

۳۷۴ قولہ مثل ماضربنی الخ یہ مستثنیٰ مفرغ کی مثال ہے اور مستثنیٰ معنے صحیح کا فائدہ دینے کے لئے کلام غیر موجب میں واقع ہے ماضربنی الا زید یعنی مجھ کو زید کے سوا کسی نے نہیں مارا اور یہ معنی صحیح ہیں اس لئے کہ ممکن اور صحیح ہے کہ متکلم کو سوائے زید کے کوئی اور نہ مارے بخلاف اس کے جبکہ کلام موجب ہو جیسے ضربنی الا زید مجھ کو سب نے مارا سوائے زید کے، کہ یہ معنی صحیح نہیں اس لئے کہ زید کے سوا متکلم کو تمام افراد انسانی کا مارنا ممکن نہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ تمام افراد انسان کا اس جگہ جمع ہونا ممتنع ہے کہ جہاں متکلم ہے لہٰذا مستثنیٰ مفرغ کے لئے کلام غیر موجب میں واقع ہونا شرط ہے واللہ اعلم۔

۳۷۵ قولہ الا ان یستقیم الخ یہ مفہوم کلام سابق سے استثناء ہے اور عبارت یوں ہے ای لایعرب المستثنیٰ علی ما یقتضیہ العوامل من الرفع والنصب والجر فی الکلام الموجب حال کون

الحکم مما یصح ان یثبت علی سبیل العموم نحو قولك کل حیوان یحرك فکه الاسفل عند المضغ الا التمساح اوتکون هناك قرینة دالة علی ان المراد بالمستثنی منه بعض معین یدخل فیه المستثنی قطعًا مثل قرأت الا یوم کذا ای اوقعت القراءة کل یوم الا یوم کذا لظهور انه لا یرید المتکلم جمیع ایام الدنیا بل ایام الاسبوع او الشهر او مثل ذلك وللقائل ان یقول کما لا یستقیم المعنی علی تقدیر عموم المستثنی منه فی الموجب فی بعض الصور فربما لا یستقیم المعنی علی تقدیر عموم المستثنی منه فی غیر الموجب ایضا نحو ما مات الا زید فینبغی ان یشترط فی غیر

صحیح ہو جائے) اس طرح (کلام موجب میں پایا جانیوالا) حکم اس قبیل سے ہو کہ اس کا عام طور پر ثابت کرنا صحیح ہو جیسے تمہارا قول ہے کل حیوان یحرک فکہ الاسفل عند المضغ الا التمساح یا وہاں کوئی قرینہ (علامت ظاہرہ) اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنی منہ (کہ کلام میں مذکور نہیں ہے) سے بعض معین مراد ہے جس میں مستثنی قطعاً (کسی شک کے بغیر و یقیناً) داخل ہے (جیسے قرأت الا یوم کذا) یعنی (وتقدیر عبارتہ) اوقعت القراءۃ کل یوم الا یوم کذا کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ متکلم (کل یوم سے) دنیا کے تمام ایام کا ارادہ نہیں کر رہا بلکہ ہفتے یا مہینے یا اسی طرح (اس سے کم پندرہ و بیس دن یا ہفتے سے کم پانچ یا ان سے تقریباً کم و بیش ایام) کے ایام (مراد ہیں) اور معترض کہہ سکتا ہے کہ جیسے بعض صورتوں میں کلام موجب میں مستثنی منہ کے عموم کی تقدیر کی بنا پر معنی درست نہیں ہوتا تو بسا اوقات کلام غیر موجب میں بھی مستثنی منہ کے عموم کی تقدیر کی بنا پر معنی درست نہیں ہوتا جیسے مامات الا زید (اور ماخلق الا البشر) ہے پس مناسب ہے کہ (کلام) غیر موجب میں بھی درستی معنی کی شرط لگائی جائے اور نیز قرأت الا یوم کذا کی مثال یوم کی مثلاً

المستثنی منه غیر مذکور فی جمیع الاوقات الا وقت معنی ذلك الکلام حینئذٍ لیعرب المستثنی علی حسب العوامل فی الکلام الموجب ایضاً. یعنی مستثنی کو حسب اقتضاء عامل رفع و نصب وغیرہ کلام موجب میں مستثنی منہ کے غیر مذکور ہونے کی حالت میں تمام اوقات میں اعراب نہیں دیا جاتا مگر یہ کہ اس کلام موجب کے معنی صحیح ہوں پس اس وقت مستثنی حسب اقتضاء عوامل کلام موجب میں بھی اعراب رفع وغیرہ دیا جا سکے گا پھر استقامۃ معنی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حکم اس قبیل سے ہو کہ اس کا اثبات علی سبیل العموم کرنا صحیح ہو پھر اس سے استثناء واقع ہو جیسے کل حیوان یحرک فکہ الاسفل عند المضغ الا التماح (ہر حیوان چبانے کے وقت اپنے نچلے جبڑے کو حرکت دیتا ہے سوائے مگرمچھ کے کہ وہ اوپر والے جبڑے کو حرکت دیتا ہے) پس اس جگہ تحریک فک اسفل کا حکم علی سبیل العموم ہر ہر حیوان کے لئے ثابت کرنا صحیح ہے پس اس حکم سے تماح کو مستثنی کر دیا اور تماح کو حسب اقتضاء عامل اعراب دیا گیا یعنی رفع (تماح کو فارسی میں نہنگ اور اردو میں گھڑیال مگرمچھ، ناکو وغیرہ کہتے ہیں یہ ایک دریائی جانور ہے عظیم الجثہ جو انسان کو سالم نگل لیتا ہے) اور دوسری صورت یہ ہے کہ کلام میں ایسا قرینہ ہونا چاہئے جو اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنی منہ غیر مذکور سے ایسا بعض معین مراد ہے کہ اس میں یقینی طور پر مستثنی داخل ہے جیسے قرأت الا یوم کذا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میری جانب سے تمام ایام میں قرأت واقع ہوئی مگر مثلاً یوم جمعہ میں نہیں ہوئی پس یہاں کلام موجب میں مستثنی منہ غیر مذکور ہے اور معنی بھی صحیح ہیں اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ متکلم کا ارادہ جمیع ایام دنیا کا قرأت میں احاطہ مقصود نہیں اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ یا ہفتہ کے ایام مراد ہوں گے یا مہینہ کے یا برس وغیرہ کے پس مستثنی منہ کے بعض کی تعیین پائی گئی کیونکہ یہ قرینہ موجود ہے کہ قرأت میں جمیع ایام دنیا کا احاطہ نہیں ہو سکتا لہذا مستثنی کو حسب اقتضاء عامل اعراب دیا جائیگا یعنی نصب اس لئے کہ قرأت فعل یا فاعل مفعول کا مقتضی ہے پس یوم کذا مفعول فیہ ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا واللہ اعلم۔

۳۷۶ قولہ وللقائل الخ اس سے شارح مصنف کے قول ویعرب المستثنی علی حسب العوامل الخ پر ایک اعتراض کرتے ہیں کہتے ہیں کہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جس طرح کلام موجب میں عموم مستثنی منہ کی تقدیر پر بعض صورتوں میں معنی صحیح نہیں ہوتے یعنی اگر مستثنی منہ عام کو کلام موجب سے حذف کیا جائے تو اس کی بعض صورتوں میں معنی مستقیم نہیں ہوتے مثلاً ضربنی الا زید میں لہذا اس کے لئے کلام غیر موجب ہونا ضروری ہے تب اعراب علی حسب العوامل ہوگا پس اسی طرح اگر مستثنی منہ کلام غیر موجب میں محذوف ہو تو اس کی بعض صورتوں میں بھی معنی درست نہیں ہوتے جیسے ما مات الا زیدٌ اس لئے کہ نہیں کہا جا سکتا ما مات احد الا زید کہ سوائے زید کے کوئی نہیں مرا یا مات کل احد

الموجب ایضاً استقامة المعنی وایضاً[۳۷۷] لا یصح مثل قرأت الا یوم کذا الا بعد تخصیص الیوم بایام الاسبوع مثلاً فیجوز مثل هذا التخصیص فی ضربنی الا زید بان یخص المستثنیٰ منه بکل واحد من جماعة مخصوصین اذا کان هناك قرینة دالة فلا فرق بین هاتین الصورتین فی کون کل واحدة منهما جائزةً مع القرینة وغیر جائزةٍ بدونها واجیب[۳۷۸] بان المعتبر هو الغالب والغالب فی الایجاب عدم استقامة المعنی علی

ایام اسبوع کے ساتھ تخصیص کے بعد ہی صحیح ہو سکتی ہے پس اس طرح کی تخصیص ضربنی الا زید (کلام موجب) میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ مستثنیٰ منہ کو (جو کہ غیر مذکور ہے) جماعت کے (افراد) مخصوصین میں سے ہر ایک (فرد) کے ساتھ خاص کیا جائے (یعنی مستثنیٰ منہ صرف ایک جماعت کے ہر ایک فرد کو شامل ہو پھر زید کو جو کہ اس جماعت میں داخل ہے مستثنیٰ کیا جائے) جبکہ وہاں (یعنی کلام موجب سے استثناء کے وقت) قرینۂ دالّہ (موجود) ہو لہٰذا (ضربنی الا زید اور قرأت الا یوم کذا کی) ان دونوں صورتوں کے درمیان ان دونوں میں سے ہر ایک کے قرینہ کے ہمراہ جائز اور قرینہ کے بغیر ناجائز ہونے میں کوئی فرق نہیں اور (اعتراض اول کا یہ) جواب دیا گیا ہے کہ (بناء احکام میں) معتبر غالب ہی ہوا کرتا ہے اور کلام موجب میں بنا بر

الا زیدٌ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ زید کے سوا بہت سے مر چکے ہیں پس مصنف کو مناسب یہ تھا کہ غیر موجب میں بھی استقامۃ معنی کی شرط لگاتے واللہ اعلم۔

۳۷۷ قولہ وایضاً لا یصح الخ یہ دوسرا اعتراض ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے استقامۃ معنی کی جو مثال قرأتُ الا یوم کذا پیش کی ہے اس کے معنی اس وقت تک مستقیم نہیں ہو سکتے جب تک کہ یوم کو مثلاً ایام ہفتہ یا ایام ماہ کے ساتھ خاص نہ کر لیا جائے پس اس سے ایام مخصوصہ مراد ہوں گے اسی طرح جائز ہے کہ ضربنی الا زیدٌ میں بھی مستثنیٰ منہ کو مخصوصین کی جماعت سے ہر واحد کے ساتھ خاص کر لیا جائے جبکہ اس جگہ جماعت مخصوصہ پر کوئی قرینہ دلالت کرنے والا ہو مثلاً قائل کسی دیہات میں ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ اہل دیہات کو خاص کر کے ان میں سے زید کو مستثنیٰ کر رہا ہو اور اس کا منشا ضربنی الا زیدٌ سے ضربنی اناسُ قریۃ الا زید ہو یا ہو سکتا ہے کہ قریہ میں مختلف خاندان اور جماعتیں ہوں پس وہ جس خاندان یا جماعت میں داخل ہو اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا ہو ضربنی الا زیدٌ ای ضربنی جماعۃ من اہل قریۃ الا زیدٌ پس کلام موجب اور غیر موجب دونوں صورتوں میں اس امر میں کوئی فرق نہیں رہے گا کہ بوقت قیام قرینہ ہر صورت جائز ہے اور جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو دونوں ناجائز لہٰذا مصنف کو استقامۃ معنی کی شرط کلام غیر موجب میں بھی لگانی چاہیئے واللہ اعلم۔

۳۷۸ قولہ واجیب الخ یہاں سے شارح مذکورہ بالا اعتراض اول کا جواب دے رہے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں قید غالب معتبر ہے اور ظاہر ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ محذوف کو کلام موجب میں عام رکھتے ہیں تو معنی اکثر مستقیم نہیں ہوں گے اس لئے کہ ایجاب عموم کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ کوئی

قرینہ نہ پایا جائے جیسا کہ ضربنی الا زیدٌ میں مستثنیٰ عام نہیں ہو سکتا کہ مجھ کو تمام دنیا کے لوگوں نے مارا سوائے زید کے بخلاف نفی کے کہ وہ اس کے برعکس ہے یعنی اس میں مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر معنی مستقیم ہو جاتے ہیں اس لئے کہ افراد جنس سے تعلق فعل کے انتفاء میں جمیع افراد جنس کا اشتراک اور افراد جنس میں سے کسی فرد کی مخالفت تعلق فعل کے انتفاء میں اکثر اور اغلب کے قبیل سے ہے یعنی کلام کے غیر موجب ہونے کے وقت فعل منفی کے ذریعہ جب افراد جنس یعنی مستثنیٰ منہ کا تعلق فعل سے انتفاء ہوگا تو جنس کے تمام افراد اس انتفاء میں شریک ہوں گے یعنی تمام افراد منتفی ہو جائیں گے جیسے ما ضربنی الا زیدٌ کہ مجھ کو کسی نے نہیں مارا سوائے زید کے کہ دنیا کے تمام افراد کا فعل سے اس کے منفی ہونے کے باعث کوئی تعلق نہیں رہا سب سے فعل ضرب کی نفی ہو گئی البتہ ان افراد میں سے ایک فرد تعلق فعل سے انتفاء میں مخالف رہا یعنی زید کہ زید کے ساتھ فعل کا تعلق موجود رہے یعنی اس نے مارا ہے پس اس میں مستثنیٰ منہ کا عموم درست ہے اور ایسا اکثر اور اغلب ہوتا ہے لیکن افراد جنس کے ساتھ تعلق فعل میں افراد جنس کا اشتراک اور ان افراد میں سے کسی فرد کا تعلق فعل میں مخالف ہونا اغلب اور اکثر کے قبیل سے نہیں بلکہ یہ بہت ہی کم ہوتا ہے یعنی اگر فعل مثبت ہو اور مستثنیٰ منہ محذوف عام ہو پھر اس عموم سے مستثنیٰ منہ کا کوئی فرد تعلق فعل کے مخالف ہو تو یہ بہت ہی کم ہوتا ہے جیسے قرأت الا یوم کذا کہ اس میں مستثنیٰ منہ کے افراد کا فعل کے ساتھ اثبات میں تعلق ہے اور انہیں افراد میں سے ایک فرد اس تعلق فعل کے خلاف ہے یعنی جس دن قرأت نہیں کی گئی پس چونکہ کلام غیر موجب میں جمیع افراد جنس سے تعلق فعل کا انتفاء اور ایک کا اثبات علی سبیل الاکثر والاغلب ہے اس لئے اس میں

العموم وفی النفی عکسہ لان اشتراک جمیع افراد الجنس فی انتفاء تعلق الفعل بہا ومخالفۃ واحد ایاھا فی ذلک مما یکثر ویغلب واما اشتراکہا فی تعلق الفعل بہا ومخالفۃ واحد ایاھا فی ذلک فمما یقل کما فی المثال المذکور وبان الفرق بین قولک قرأت الا یوم کذا وضربنی الا زید لیس الا بظھور قرینۃ دالۃ علی بعض معین من المستثنیٰ منہ مقطوع دخولہ فیہ فی الاول وعدم ظھورھا فی الثانی فلو قام فی الثانی ایضًا قرینۃ ظاھرۃ الدلالۃ علی بعض معین کما اذا قیل من ضربک من القوم ای القوم الداخل فیھم زید فقلت ضربنی الا زید فالظاھر ان ذلک ایضا مما یستقیم فیہ المعنی لکن الغالب عدم وجدان قرینۃ کذٰلک فی الموجب فالغالب فیہ عدم استقامۃ المعنی ومن ثَمَّ ای ومن اجل ان المفرغ

عموم مستثنیٰ منہ غالب معنی میں عدم درستی ہے اور نفی (یعنی کلام غیر موجب میں) اس کا عکس ہے (یعنی عموم مستثنیٰ منہ کی بنا پر غالب معنی کی درستی ہے) کیونکہ جنس (اسفل) کے تمام افراد کا ان افراد کے ساتھ فعل کے تعلق کے انتفاء میں مشترک ہونا اور اس (تعلق فعل) میں (فرد) واحد کا تمام افراد کی مخالفت کرنا ان امور میں سے ہے جو کثیر (الوقوع) اور غالب ہیں لیکن ان تمام افراد کا فعل کے ان کے ساتھ (ثبوت کے طور پر) متعلق ہونے میں مشترک ہونا اور اس میں فرد واحد کی تمام افراد سے مخالفت کرنا تو ان امور میں سے ہے جو قلیل (الوقوع) ہیں جیسا کہ مثال مذکور (ما ضربنی الا زید) میں ہے اور (اعتراض ثانی وہو قولہ وایضا لایصح الخ کا جواب) یہ (ہے) کہ تمہارے قول قرأت الا یوم کذا اور ضربنی الا زید کے درمیان فرق مثال اول میں ایسے قرینے کے ظہور سے ہی ہے جو مستثنیٰ منہ میں سے بعض ایسے معین (افراد) پر دلالت کرنے والا ہے جن کا مستثنیٰ منہ میں دخول یقینی ہے (اور قرینہ یہ ہے کہ متکلم جمیع ایام دنیا کا ارادہ کر ہی نہیں سکتا اس لئے اس سے بعض معین ایام ہی مراد ہو سکتے ہیں) اور مثال ثانی (قرأت الا یوم کذا) میں قرینے کے عدم ظہور سے (دونوں مثالوں میں فرق رونما ہے) پس اگر مثال ثانی میں بھی بعض معین (افراد) پر کوئی قرینہ ظاہر الدلالۃ قائم ہو جائے جیسا کہ (ایسے شخص کو جو کہتا ہے انی مضروب ومظلوم) کہا جائے من ضربک من القوم یعنی (القوم کالام مظلوم کے شکوہ کے قرینے سے عہد خارجی کا قرار پائے اور اس سے مراد) وہ قوم (ہو) جس میں زید داخل ہے تو تم (مظلوم جواب میں) کہو ضربنی الا زید تو ظاہر بات ہے کہ یہ قول اس قبیل سے جس میں معنی درست ہوگا لیکن غالب کلام موجب میں اس طرح کے

استقامت معنی کی قید نہیں لگائی اور کلام موجب میں جمیع افراد جنس سے فعل کا تعلق اور اس سے ایک فرد کا استثناء بہت ہی کم پایا جاتا ہے اس لئے اس میں استقامت معنی کی قید زائد کی گئی پس اب ما مات الا زیدٌ کو لیکر کلام غیر موجب میں عدم شرط استقامت معنی کا اعتراض نہ کیا جائے اس لئے کہ اس میں اغلب اور اکثر کی شرط ملحوظ ہے اور ما مات الا زیدٌ بطور شذوذ و ندرت اقل کے ہے لہذا یہ قابل اعتراض نہیں واللہ اعلم۔

۳۷۹ قولہ وبانّ الفرق الخ یہ دوسرے اعتراض کا جواب ہے کہتے ہیں کہ قرأت الا یوم کذا اور ضربنی الا زیدٌ میں فرق اس وقت ہوگا جبکہ مثال اول میں مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کے مقطوع ہونے پر کوئی قرینہ دلالت کرنے والا ظاہر ہو اور مثال ثانی میں غیر ظاہر پس اگر مثال ثانی میں بھی مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کے مقطوع ہونے پر کوئی قرینہ ظاہر الدلالۃ پایا جائے مثلاً کوئی شخص سوال کرے من ضربک من القوم تجھ کو قوم میں سے کس نے مارا اور اس قوم میں زید بھی داخل ہو اور وہ جواب میں کہے ضربنی الا زیدٌ کہ سوائے زید کے مجھ کو سب نے مارا تو اس جگہ قرینہ سوالیہ مستثنیٰ منہ عام سے بعض معین یعنی زید کے مقطوع ہونے پر دلالت کریگا پس یہ بھی ما یستقیم فیہ المعنی کے قبیل سے ہو جائے گا لیکن اس میں غالب یہی ہے کہ کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا پس جب اس میں غالب عدم وجدان قرینہ ہو تو اس میں عدم استقامت معنی بھی غالب ہوگا اس لئے کلام غیر موجب میں وجدان قرینہ کے باعث اور موجب میں عدم وجدان قرینہ کے سبب سے دونوں میں ظاہری فرق کے باعث کلام غیر موجب میں الا یستقیم المعنی کی قید نہیں لگائی گئی اس جگہ قول شارح مقطوع دخولہ فیہ میں مقطوع بعض معین کی صفت ہے جس سے مستثنیٰ مراد ہے اور بعض معین اس طرح پر ہے کہ جب مستثنیٰ منہ کے افراد سے استثناء کیا گیا تو مستثنیٰ ان افراد میں سے بعض معین ہی ہوگا مثلاً زید نہ کہ کچھ اور، اور دخولہ فیہ مقطوع شبہ فعل اسم مفعول کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے واللہ اعلم۔

۳۸۰ قولہ ومن ثم الخ اب یہاں سے

لایکون فی الموجب الا ان یستقیم المعنی لم یجز ما زال زیدٌ الا عالمًا
اذ معنی ما زال ثبت لان نفی النفی اثبات فیکون المعنی ثبت زید دائمًا علی
جمیع الصفات الا علی صفة العلم فلا یستقیم وقال الشارح الرضی یمکن ان
تحمل الصفات علی ما یمکن ان یکون زید علیها مما لا یتناقض ویستثنی
من جملتها العلم او یحمل ذلک علی المبالغة فی نفی صفة العلم کانک قلت
امکن ان یحصل فیه جمیع الصفات الا صفة العلم وعلی التقدیرین یندرج
فی صورة الاستقامة ولا یخفی علی المتفطن انه یمکن بمثل هذه التاویلات
ارجاع جمیع المواد الایجابیة عند الاستثناء الی صورة الاستقامة کما
یقع مثلاً فی قولک ضربنی الا زیدٌ المراد کل من یتصور منه الضرب من

قرینے کا عدم وجود ہے لہذا اس میں غالب معنی کی عدم درستی ہے ((اور اسی وجہ سے)) یعنی اس وجہ سے کہ کلام موجب میں مستثنیٰ مفرغ معنی کی درستی کے بغیر نہیں ہوا کرتا ((ما زال زید الا عالما کی مثال جائز نہیں)) کیونکہ ما زال کا معنی ثبت ہے اس لئے کہ نفی کی نفی اثبات ہے لہذا معنی ہوگا ثبت زید دائما علی جمیع الصفات الا علی صفۃ العلم تو یہ معنی درست نہیں ہوتا۔ اور شارح رضی نے کہا ہے کہ صفات (کہ جن سے علم کو مستثنیٰ کیا جا رہا ہے) کو ان صفات پر حمل کیا جا سکتا ہے کہ جن پر زید ہو سکتا ہے یعنی جو باہم متضاد نہ ہوں (کہ شخص واحد میں ان کا اجتماع ممکن ہو) اور ان کے مجموعہ سے علم کو مستثنیٰ کیا جائے یا اس مثال کو زید سے صفت علم کی نفی میں مبالغہ پر (بھی) محمول کیا جا سکتا ہے گویا کہ تم نے یوں کہا "زید میں تمام صفات کا حصول ممکن ہے مگر صفت علم (کا حصول ناممکن ہے) اور دونوں تقدیروں کی بنا پر مثال مذکور درستیٔ معنی کی صورت میں درج ہو جائے گی اور دانشمند پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ استثناء کے (ارادہ) وقت اس طرح کی تاویلات سے تمام امثال ایجابیہ کو درستیٔ معنی کی صورت کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے جیسا کہ مثال کے طور پر تمہارے قول ضربنی الا زید میں کہا جائے کہ (مستثنیٰ عنہ غیر مذکور سے) مراد وہ لوگ ہیں جن سے ضرب متصور ہو سکتی ہے یعنی تمہارے

حکم ما سبق یعنی مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں نہیں پایا جاتا تا وقتیکہ معنی مستقیم نہ ہوں ایسے تفریغ کرتے ہوئے کلام موجب کی مثال پیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں مثال یہ ہے جیسے ما زال زیدٌ الا عالمًا یہ کلام موجب اس وجہ سے ہے کہ ما نافیہ ہے اور زال کے معنی ہیں دور اور جدا ہونا لہذا اس میں بھی نفی پائی گئی اور قاعدہ ہے کہ جب نفی کی نفی کی جاتی ہے تو وہ

اثبات ہو جاتا ہے لہذا ما زال منفی نہیں رہا۔ مثبت ہو گیا پس اس مثال کے معنی یہ ہوں گے ثبت زیدٌ دائمًا علی جمیع الصفات الا علی صفۃ العلم یعنی زید ہمیشہ تمام صفات کے ساتھ متصف رہا سوائے صفۃ علم کے اور یہ معنی درست نہیں اس لئے کہ بہت سی صفات متضادہ ہیں جو بیک وقت موجود نہیں ہو سکتیں مثلاً نوم و بیداری۔ قیام و قعود۔ گفتار و سکوت

رفتار و سکون۔ گریہ و ہنسی وغیرہ پس عدم استقامۃ معنی کی بنا پر ما زال زیدٌ الا عالمًا کہنا جائز نہیں واللہ اعلم۔

۳۸۱ قولہ وقال الشارح الرضی الخ اس سے مصنف پر اعتراض کر کے مثال مذکور میں عدم استقامۃ معنی کی تصحیح کرنا مقصود ہے۔ شارح کافیہ علامہ رضی فرماتے ہیں کہ مصنف کا مثال مذکور کو ناجائز قرار دینا صحیح نہیں اس لئے کہ زید کی صفات کو ان صفات پر محمول کیا جا سکتا ہے جو متضادہ اور متناقضہ نہ ہوں اور پھر ان سے علم کو مستثنیٰ کر دیا جائے پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً زید۔ قیام۔ رفتار، گفتار، ہنسی اور بیداری پر ہمیشہ ثابت رہا مگر اس میں صفت علم کبھی نہیں پائی گئی یعنی مذکورہ بالا صفات تو اس میں موجود ہیں لیکن صفت علم نہیں یا یہ ہو سکتا ہے کہ اس مثال کو صفۃ علم کی نفی میں مبالغہ پر محمول کیا جائے پس اس وقت گویا کہ یہ کہا گیا کہ اس بات کا امکان ہے کہ زید میں تمام صفات پائی جائیں حتی کہ متناقضہ اور متضادہ بھی لیکن صفۃ علم ایک ایسی صفت ہے کہ زید میں اس کی استعداد اور قابلیت و صلاحیت نہیں پس دونوں صورتوں میں معنی مستقیم ہو جائیں گے اور مثال مذکور کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں رہے گی واللہ اعلم

۳۸۲ قولہ ولا یخفی الخ اس سے شارح رضی کا شارح جامی مصنف کی جانب سے جواب دے رہے ہیں کہ ہر سمجھدار آدمی پر مخفی نہیں کہ شارح رضی کے نزدیک مثال مذکور کا تاویلات مذکورہ کی بنا پر صحیح ہونا مسلم ہے لیکن اگر تاویلات سے ہی ہر جگہ کام لیا جائے تو کلام موجب کی ایک بھی مثال ایسی باقی نہیں رہے گی جو کسی نہ کسی تاویل کی بنا پر صحیح اور درست نہ ہو پس ممکن ہے کہ ان جیسی تاویلات کے ساتھ تمام مواد ایجابیہ کو ارادۂ استثناء کے وقت استقامۃ معنی کی صورت کی طرف راجع کر لیا جائے اور ایک میں بھی سلب ایجاب نہ رہے جیسا کہ

بمعارفك او المقصود منه المبالغة فی غلو المجتمعین علی ضربك ۳۸۳ وَاِذَا تَعَذَّرَ اَلْبَدَلُ من حیث حمله عَلَی اللَّفْظِ ای لفظ المستثنیٰ منه فَعَلَی الْمَوْضِعِ ای یحمل علی موضع المستثنیٰ منه لا علی لفظه عملا بالمختار علی قدر الامکان مِثْلُ مَاجَاءَنِیْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا زَیْدٌ فزید بدلٌ مرفوع محمول علی موضع احدٍ لا المجرور محمول علی لفظه وَمثل لَا اَحَدَ فِیْهَا ای فی الدار اِلَّا عَمْرٌو فعمرو مرفوع محمول علی محل احدٍ لا علی لفظه ۳۸۴ وَ مثل مَا زَیْدٌ شَیْئًا اِلَّا شَیْءٌ لَا یُعْبَأُ بِهٖ ای لا یعتد به فشی مرفوع محمول علی محل شیئًا لا منصوب محمول علی لفظه وقوله لا یعبأ به لیس فی کثیر من النسخ وعلی ما وقع فی بعضها فهو صفة شی المستثنیٰ قیل انما وصفه

جاننے والے لوگ' یا اس سے مقصود تمہاری مار پٹائی پر مجتمع ہونیوالوں کے غلو میں مبالغہ ہے (کہ وہ بہت زیادہ تھے) ((اور جب بدل متعذر ہو)) اس طرح کہ ((لفظ پر)) یعنی مستثنیٰ منہ کے لفظ پر اس کا حمل متعذر ہو ((تو محل پر)) یعنی مستثنیٰ منہ کے محل پر محمول کیا جائیگا اس کے لفظ پر نہیں کہ ممکن حد تک (مذہب) مختار پر عمل ہو جائے (یعنی اسے بدل بنایا جائے گا) ((جیسے ماجاءنی من احد الا زید)) تو زید بدل مرفوع 'احد کے محل پر محمول ہے لفظ پر "احد" پر نہیں ((اور)) جیسے ((لا احد فیہا)) یعنی فی الدار ((الا عمرو ہے)) تو عمرو (بدل) مرفوع، احد کے محل پر محمول ہے احد کے لفظ پر نہیں ((اور)) جیسے ((ما زید شیئًا الا شیٔ لا یعبأ بہ)) یعنی لا یعتد بہ تو شیٔ (بدل) مرفوع 'شیئًا کے محل پر محمول ہے شیئًا کے لفظ پر محمول منصوب نہیں اور مصنف کا قول "لا یعبأ بہ" بہت سے نسخوں میں نہیں ہے اور بنا بر آں کہ بعض نسخوں میں واقع

مثلاً ضربنی الا زیدٌ میں کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مراد متکلم کی یہ ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس سے اپنی جان پہچان والوں میں سے ضرب کا تصور ہو سکتا ہے سب نے اس کو مارا اگر زید نے نہیں مارا پس مثال مذکورہ صحیح ہوگئی یا کہہ سکتے ہیں کہ اس سے متکلم کا مقصود اس کی مار پیٹ پر لوگوں کے ہجوم اور کثرت ازدحام میں مبالغہ کرنا ہے پس اس صورت میں بھی اگرچہ متکلم کو تمام لوگوں کا مارنا ممکن نہیں لیکن جب اس سے مبالغہ مقصود ہے تو مثال مذکور میں عدم صحت معنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی واللہ اعلم۔

۳۸۳ قولہ تعذر البدل الخ یہاں سے مابعد اور کلام غیر موجب میں ذکر مستثنیٰ منہ کے وقت اختیار بدل کا دوسرا قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ جن صورتوں میں بدل پڑھنا مختار ہے اگر لفظ مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے بدل پڑھنا دشوار اور متعذر ہو تو موضع مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے بدل پڑھیں گے اور لفظ مستثنیٰ منہ پر بدل کو محمول نہیں کریں گے جیسے ماجاءنی من احدٍ الا زیدٌ کہ اس میں احدٍ مستثنیٰ منہ ہے پس اگر زید کو اس سے بدل قرار دیں تو یہ دشوار ہے اس کو محل مستثنیٰ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ من احدٍ محل رفع میں واقع ہے اگرچہ لفظاً مرفوع نہیں اور جیسے لا احد فیہا ای فی الدار الا عمروٌ کہ اس جگہ احد لا نفی جنس کا اسم ہونے کی بنا پر منصوب ہے پس عمروٌ کو محل مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ ابتدائیت کی بنا پر احد محل رفع میں داخل ہے بخلاف عمروٌ کو استثناء کی بنا پر منصوب پڑھنے کے کہ یہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس بنا پر یہ وہم ہوتا ہے کہ عمرًا علی سبیل البدلیۃ لفظ احد سے منصوب ہے نہ کہ استثناء کی بنا پر اور یہ وہم درست نہیں اس لئے کہ لفظ احد سے بدل دشوار ہے اب جاننا چاہئے کہ اس جگہ شارح نے من حیث حملہ کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تعذر کا صلہ علی نہیں آیا کرتا بلکہ باء آتا ہے پس علی محذوف یعنی حمل کا صلہ ہے اور ای لفظ المستثنیٰ منہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ علی اللفظ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور ای یحمل علی الخ سے یہ بتایا ہے کہ اذا تعذر البدل شرط ہے اور فعلی الموضع اس کی جزا اور جزا کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے پس یہ باعتبار اپنے متعلق محذوف یعنی یحمل کے جزا ہے اور عملاً بالمختار الخ کا اضافہ اس لئے کر دیا کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ جب بدل متعذر ہے تو مستثنیٰ کو استثناء کی بنا پر منصوب پڑھنا چاہئے واللہ اعلم۔

۳۸۴ قولہ ومثل ما زیدٌ الخ اور جیسے ما زیدٌ شیئًا الا شیٔ لا یعبأ بہ کہ اس میں شیئًا مستثنیٰ منہ ہے اور اس سے شیٔ کا بدل واقع ہو کر منصوب ہونا متعذر ہے لہذا شیٔ کو شیئًا کے محل رفع پر محمول کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ شیئًا مبتدا کی خبریت کی بنا پر مرفوع المحل ہے لفظ پر حمل کرتے ہوئے منصوب نہیں پڑھیں گے لا یعبأ بہ کے معنی لا یعتد بہ کے ہیں یعنی جس کو لائق اعتنا اور قابل توجہ نہ سمجھا جائے اور مثال مذکور کے معنی یہ ہیں

به لئلا یلزم استثناء الشیٔ من نفسه و لا یخفی [۳۸۵] انه لو جعل المستثنیٰ منه شیئا اعم من ان یزید علیه صفة غیر الشیئة اولا و خص المستثنیٰ بما لا یزید علیه صفة غیر الشیئة لکان ادق والطف وانما تعذر [۳۸۶] البدل علی اللفظ فی الصورة الاولیٰ لانّ مِنْ الاستغراقیة لَا تُزَادُ اتفاقا بَعْدَ الْاِثْبَاتِ ای ای بعد ما صار الکلام مثبتا لانتقاض النفی بالا لانها لتاکید النفی و لا نفی بعد الانتقاض فلو ابدل علی اللفظ و قیل ما جاءنی من احد الا زید

ہے تو یہ شیٔ مستثنیٰ کی صفت ہے کہا گیا ہے کہ مصنف نے شیٔ کو لایعبأ بہ سے اس لئے مقصف کیا ہے کہ شیٔ کا اپنی ذات سے استثناء لازم نہ آئے اور مخفی نہ رہے کہ اگر مستثنیٰ منہ کو (مثال مذکور میں) ایک ایسی شیٔ قرار دیا جائے جو اس سے عام ہو کہ اس پر شیٔ ہونے کے علاوہ (عظیم و کریم یا شریف وغیرہ ایسی) کسی صفت کا اضافہ کریں یا نہ (یعنی اس میں تعظیم و تحقیر دونوں سے کسی چیز کا لحاظ نہ ہو اس طرح وہ عام قرار پائے) اور مستثنیٰ کو ایسی شیٔ کے ساتھ خاص کیا جائے کہ اس پر ایک شیٔ ہونے کے علاوہ کسی صفت کا اضافہ نہ کریں تو یہ بات دقیق تر اور لطیف تر ہوگی (لہذا بعض نسخوں میں جو لایعباء بہ کا لفظ مذکور نہیں اور اس پر جو استثناء شیٔ من نفسہ کا اعتراض لازم آتا ہے وہ اس توجیہ سے نہ ہوگا . . . . (جامی صاحب کے اس نکتہ کو اس رنگ میں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مستثنیٰ منہ لابشرط شیٔ اور مستثنیٰ کو بشرط لاشیٔ کے مرتبہ پر متصور کیا جائے تو لایعبأ بہ کی قید کی ضرورت نہ ہوگی) اور (رہا یہ کہ) صورت اولی میں (مستثنیٰ منہ کے) لفظ پر بدل (کا حمل) متعذر ہوا ((کیونکہ من استغراقیہ)) بالاتفاق ((اثبات کے بعد زائد نہیں ہوتا)) یعنی بعد ازاں کہ الا کی وجہ سے نفی کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے کلام کے مثبت ہو جائے کیونکہ من استغراقیہ نفی کی تاکید کے لئے ہے اور ٹوٹ جانے کے بعد نفی نہیں ہے پس اگر لفظ پر بدل (محمول) کیا جائے اور کہا جائے ماجاءنی

زید تو شیٔ نہیں سوائے ایسی شیٔ کے کہ اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ لایعبأ بہ کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ یہ اکثر نسخوں میں مذکور نہیں اور جن نسخوں میں موجود ہے تو یہ شیٔ مستثنیٰ کی صفت ہے اور اس کی توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے صفت لانے کی وجہ یہ ہے کہ شیٔ کو شیٔ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے استثناء شیٔ عن نفسہ لازم نہ آئے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ شیٔ سے جب شیٔ کا استثناء کیا جائیگا تو لامحالہ استثناء شیٔ عن نفسہ لازم آئے گا پس جب شیٔ ثانی کی صفت لایعباء بہ لائی گئی تو استثناء شیٔ عن نفسہ لازم نہیں آئے گا اس لئے کہ مستثنیٰ منہ عام شیٔ ہو جائے گا اور مستثنیٰ شیٔ خاص جو کہ لایعبأ بہ کے ساتھ متصف ہے پس عام سے خاص کا استثناء قابل اعتراض نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۳۸۵ قولہ ولا یخفی الخ معترض کہہ سکتا ہے کہ جب اکثر نسخوں میں قولہ لایعبأ بہ موجود نہیں تو ان کے اعتبار سے لامحالہ استثناء شیٔ عن نفسہ لازم آتا ہوگا پس اس کی کیا توجیہ ہے؟ پس شارح اس کا جواب لایخفی سے دے رہے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجئے کہ اس سے شارح کا منشار قول قائل قیل انما وصفہ بہ الخ پر اعتراض کرنا ہے یعنی اگر اس صفۃ کو ذکر نہ کیا جائے تب بھی معنی درست ہو جاتے ہیں بلکہ یہ صورت زیادہ لطیف اور ادق ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ شیٔ ثانی میں تنوین تنکیر کو تحقیر کے لئے لیا جائے یعنی مستثنیٰ منہ کو اس بات سے عدم کر دیا جائے کہ اس کے اوپر صفۃ غیر شیئۃ کی زیادتی ہو سکے مثلاً یہ مطلب لیا جائے مازید شیئاً عظیماً اکریماً وغیرہ ذلک اور پھر مستثنیٰ کو صفۃ غیر شیئۃ کی عدم زیادۃ کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو یہ صورت زیادہ دقیق و لطیف ہو گی اس لئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ زید شیٔ عظیم یا کریم وغیرہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ایک حقیر اور ذلیل شیٔ ہے اور اس کے لطیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لایعبأ بہ کی زیادتی سے بھی مستثنیٰ کا حقیر ہونا معلوم ہو رہا تھا اور اس کے ذکر کے بغیر بھی اس کی حقارت ظاہر ہو جاتی ہے پس کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ لایعبأ بہ کا اضافہ کیا جائے اور دقیق اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادتی توجہ اور فکر و تامل کی ضرورت ہے واللہ اعلم۔

۳۸۶ قولہ وانما تعذر البدل الخ یہاں سے مصنف امثلہ مذکورہ میں تعذر بدل کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ لفظ کی بنا پر صورت اولیٰ میں تو بدل اس لئے دشوار ہے کہ من استغراقیہ اثبات کے بعد اتفاقاً زیادہ نہیں کیا جاتا یعنی جب نفی کو ختم کرنے کے لئے کلام الا کے ذریعہ مثبت ہو جائے اس لئے کہ من استغراقیہ تاکید نفی کے لئے آتا ہے اور الا ذریعہ نفی کے انتقاض کے بعد نفی باقی نہیں رہتی تو لامحالہ اثبات پیدا ہو جائے گا پس اگر مستثنیٰ کو لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل لائیں گے اور ماجاءنی من احد الا زید (زید کے جر کے

بالجر لكان في قوة قولنا جاءني من زيد فلزم زيادة من في الاثبات وذلك
غير جائز وفي الصورتين الاخيرتين [۲۸۷] لانه لو ابدل المستثنى على اللفظ وقيل
لا احد فيها الا عمرًا بالنصب لان فتحته شبيهة بالحركة الاعرابية لانها
حصلت بكلمة لا فهي كالنصب الحاصل بالعامل فلا بد من تقدير
لا حقيقة او حكما لتعمل فيه هذا العمل وكذا في قوله ما زيد شيئا الا شيئ
لو حمل المستثنى على لفظ المستثنى منه لابد من تقدير ما كذلك لتعمل فيه وما و لا لا
تقدران لا حقيقة اذ لم يكن البدل الا بتكرير العامل ولا حكما اذ الاكتفى
بدخوله على المبدل منه واعتبار سراية حكمه اليه فانه في قوة التقدير
حال كونهما عاملتين في المستثنى المحمول على البدل بعده اي بعد الاثبات
يعني بعد ما صار الكلام مثبتا لانتقاض النفي بالا لانهما اي ما ولا عملت

من احد الا زید جر کے ساتھ تو یہ عبارت ہمارے قول جاءنی من زید کے حکم میں ہوگی پس اثبات میں من کی زیادتی لازم آئے گی اور وہ ناجائز ہے اور دو آخری صورتوں میں (متعذر ہوا) کیونکہ اگر مستثنی کو لفظ پر محمول کیا جائے اور کہا جائے لا احد فیہا الا عمرًا نصب کے ساتھ (کہنا ہوگا) کیونکہ احد کی فتح حرکت اعرابیہ کے ساتھ مشابہ ہے کیونکہ اس کی فتح کلمہ لا سے حاصل ہوئی ہے پس یہ اس نصب کی طرح ہوئی جو عامل سے حاصل ہے تو (جواب لو) اس وقت (مستثنی میں) حقیقۃ یا حکما لا کا مقدر کرنا ضروری ہوگا تاکہ لفظ لا بدل میں بھی عمل کرے (اور یہ جائز نہیں کیونکہ معرفہ لا کے بعد مبنی نہیں ہوتا اور یہ کہ معرفہ لا کے بعد مرفوع ہی واقع ہوتا ہے) اور اسی طرح قائل کے قول ما زید شیئا الا شیئ میں (صورت حال) ہے اگر مستثنی کو مستثنی عنہ کے لفظ پر محمول کیا جائے تو اس وقت (مستثنی میں) اسی طرح (حقیقۃ یا حکما) ما کی تقدیر ضروری ہے تاکہ لفظ ما مستثنی میں عمل کرے (حالانکہ ما اور لا مقدر نہیں کئے جاتے) نہ حقیقۃ جبکہ بدل (اس میں) عامل کے تکرار کے ہی ساتھ ہو اور حکما جبکہ عامل کے دخول سے مبدل منہ پر اکتفاء اور بدل کی طرف عامل کے حکم کی سرایت کا اعتبار کیا جائے کہ یہ (اکتفاء) تقدیر کی قوت میں ہے جبکہ دونوں یعنی ما و لا (عمل کرنے والے ہوں) اس مستثنی میں جو بدل پر محمول ہے (اس کے بعد) یعنی اثبات کے بعد یعنی بعد ازاں کہ کلام الا کی وجہ سے نفی کے ٹوٹ جانے کی وجہ مثبت ہو

ساتھ کہیں گے تو یہ کہنا ہمارے قول جاءنی من زید کی قوت میں ہوگا اس لئے کہ بدل تکرار عامل کے ساتھ ہوتا ہے یعنی مبدل منہ اور بدل دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے اور اس جگہ عامل مبدل منہ من استغراقیہ جارہ ہے لہذا بدل کا بھی یہی عامل ہوگا پس الا زید کا مطلب جاءنی من زید ہوگا پس من کی زیادتی کلام مثبت میں لازم آئی اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ من استغراقیہ تاکید نفی کے لئے آتا ہے یعنی نفی کو جمیع افراد منفی کے ساتھ احاطہ کر لینے کیلئے پس جب مثلاً ما جاءنی من رجل کہا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رجل کے جس قدر بھی افراد ہیں ان میں سے میرے پاس کوئی نہیں آیا اور جب نفی نہ ہوگی تو من کی بھی زیادتی نہ ہوگی کیونکہ اس کی زیادتی بے فائدہ ہوگی پس محل مستثنی منہ پر حمل کرتے ہوئے مختار یہ بتقدیر امکان عمل کرنے کے لئے مستثنی کو مرفوع پڑھیں گے اس جگہ شارح نے قولہ ان لان من سے پیشتر فی الصورۃ الاولی کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مبتدی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ دلیل مثال ثالث کی ہے بلکہ مثال اول کی دلیل ہے اور اس کے بعد الاستغراقیہ کا اضافہ اس غرض سے کیا ہے کہ کلام مثبت میں من استغراق کے لئے نہیں آیا کرتا بلکہ اخفش کے نزدیک وہ زائدہ ہوتا ہے اور بصریین کے نزدیک تبعیضیہ یا بیانیہ اور من استغراقیہ صرف منفی کے ساتھ خاص ہے اور اسی بعد ما صار الکلام سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الاثبات میں باب افعال کا ہمزہ اس جگہ صیرورۃ کے لئے ہے تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ مثال مذکور تو منفی کی ہے نہ مثبت کی پس یہاں بعد الاثبات کہنا کیسے صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۸۷ قولہ وفی الصورتین الاخیرتین اور اخیر کی دو صورتوں یعنی لا احد فیہا الا عمرٌ اور ما زید شیئا الا شیئ لا یعبأ بہ میں تعذر بدل کی یہ وجہ ہے کہ اگر مستثنی کو لفظ پر محمول کرتے ہوئے بدل قرار دیں تو لا احد فیہا الا عمرًا کہا جائیگا اس لئے کہ احد کا فتحہ حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ وہ کلمہ لا سے حاصل ہوا ہے یعنی جس طرح نصب عامل ناصب کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح فتحہ بھی کلمہ لا سے حاصل ہوتا ہے جو کہ اپنے اسم نکرہ کو مبنی علی النصب

لِلنَّفْیِ وَقَدِ انْتَقَضَ النَّفْیُ بِاِلَّا وحیث تعذر فی هاتین الصورتین البدل علی اللفظ حمل علی المحل فعمرو مرفوع علی انه محمول علی محل احد وهو الرفع بالابتداء وشئ مرفوع علی انه محمول علی محل شیئا وهو الرفع بالخبریة فان قلت لاحد فی هذا المثال محلان من الاعراب محل قریب وهو نصبه بکلمة لا ومحل بعید وهو رفعه بالابتداء فلم اعتبروا حمله علی محله البعید لا القریب قلت لان محله القریب انما هو لعمل لا فیه بمعنی النفی وقد انتقض

جائے ((کیونکہ دونوں)) یعنی ما ولا (عمل کرتے ہیں نفی کے لئے حالانکہ نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی)) اور جب کہ ان دونوں صورتوں میں لفظ پر بدل (کا حمل) متعذر ہوا تو محل پر محمول کیا گیا لہذا عمرو اس بناء پر مرفوع ہے کہ احد کے محل پر محمول ہے اور احد کا محل ابتداء کی وجہ سے رفع ہے اور شیٔ مرفوع ہے اس بنا پر کہ شیئا کے محل پر محمول ہے اور شیئا کا محل خبر ہونے کی وجہ سے رفع ہے پھر اگر تم اعتراض کرو کہ اس مثال میں احد کے اعراب سے دو محل ہیں ایک محل قریب ہے اور وہ کلمۂ لا کی وجہ سے نصب ہے اور ایک محل بعید ہے اور وہ ابتداء کی وجہ سے رفع ہے تو نحویوں نے محل بعید پر اسے محمول کرنے کو کیوں معتبر قرار دیا قریب کو نہیں میں نے جواب دیا کہ اس کا محل قریب صرف اس میں لا کا نفی کے معنی میں عمل کرنا ہے جبکہ نفی الا

دیتا ہے پس وہ فتحہ نصب کی مانند ہوا جو کہ عامل سے حاصل ہوتا ہے پس اس وقت حقیقۃً یا حکمًا لا کی تقدیر ضروری ہے تاکہ وہ عمرًا میں نصب کا عمل کرے اسی طرح ما زید شیئًا الا شیٔ لا یعبأ بہ میں اگر مستثنٰی کو لفظ مستثنٰی منہ پر محمول کریں گے تو مستثنٰی میں بھی بوجہ بدلیۃ کو بدل تکرار عامل کا حکم رکھتا ہے ما مقدر مانیں گے تاکہ وہ بدل میں مبدل منہ کا عمل نصب کر سکے اور ما ولا مقدر ہو انہیں کرتے اس لئے کہ لا نفی جنس اور ما مشابہ بلیس معنی نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور نفی دونوں صورتوں میں الا کی وجہ سے کلام کے مثبت ہو جانے کے باعث ٹوٹ گئی لہذا اب کسی صورت سے بھی ممکن نہیں کہ ان کو بدل قرار دے کر منصوب پڑھ سکیں نہ حقیقۃً اور نہ حکمًا حقیقۃً تو اس وقت جبکہ بدل تکرر عامل کے حکم میں یعنی اس کے لئے تکرار عامل ضروری ہو جیسا کہ بعض نحاۃ تکرار عامل

کے قائل ہیں اور حکمًا جبکہ صرف مبدل منہ پر لا اور ما کے دخول پر اکتفار اور حکم ما ولا کی بدل کی طرف سرایت کا اعتبار کیا جائے اس لئے کہ بدل قوت تقدیر میں ہے یعنی اس میں ما اور لا مقدر ہوتا ہے پس اس صورت میں اگرچہ حقیقۃً تکرار عامل نہیں ہوگا مگر حکمًا ضرور ہوگا کما ذہب الیہ بعضہم لہذا دونوں صورتوں میں مستثنٰی کو مستثنٰی منہ سے بدل نہیں قرار دے سکتے اب جاننا چاہیے کہ اس جگہ لان فتحتہ شبیہۃ بالحرکۃ الاعرابیۃ الخ سے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ لا احد میں احد فتحہ پر مبنی ہے اور مبنی کے توابع لفظ پر محمول نہیں کئے جاتے محل پر محمول ہوتے ہیں لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مستثنٰی کو مستثنٰی منہ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے الا عمرًا بالنصب پڑھیں بلکہ مستثنٰی منہ مبنی کے اقتضاء کے بموجب مستثنٰی کو بھی بدل قرار دیتے ہوئے مبنی بر فتحہ

پڑھنا چاہیئے جواب یہ ہے کہ لفظ احد کا فتحہ حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ دونوں عامل کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں نیز یہ کہ فتحہ عارضی ہے اس لئے کہ اعراب اصل ہے پس احد بمنزلہ معرب کے ہوگا اور اس کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے الا عمرًا بالنصب کہہ سکتے ہیں اور حال کو نہما عاملتین سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ عاملتین لا تقدر ان کی ضمیر مفعول با لم یسم فاعلہٗ سے حال واقع ہے اس کے علاوہ اس میں دو احتمال اور ہیں ایک یہ کہ یہ تمیز واقع ہو اور دوسرے یہ کہ اگر لا تقدر ان کو لا تجعلان کے معنی کو متضمن سمجھیں تو عاملتین مفعول ثانی بھی بن سکتا ہے اور رای بعد الاثبات یعنی بعد ما صار الخ کے اضافہ کی وجہ گذر چکی واللہ اعلم۔

۳۸۸ قولہ وحیث تعذر الخ یعنی جب دونوں صورتوں میں لفظ پر حمل کرتے ہوئے مستثنٰی کو بدل قرار دینا دشوار ہو گیا تو محل پر حمل کرتے ہوئے بدل قرار دیں گے پس عمرو اس بنا پر مرفوع ہوگا کہ وہ محل احد پر محمول ہے اس لئے کہ اس کا محل ابتدائیت کی بنا پر رفع ہے اور شیٔ محل شیئًا پر رفع بالخبریۃ کی بنا پر مرفوع پڑھا جائیگا اب فان قلت سے شارح ایک اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مثال میں اعراب کے اعتبار سے احد کے دو محل ہیں ایک محل قریب کہ کلمۂ لا کی وجہ سے وہ منصوب ہوا اور دوسرے محل بعید کہ ابتدائیت کی بنا پر احد مرفوع ہو پس اس کی کیا وجہ ہے کہ محل بعید کا تو اعتبار کیا گیا اور محل قریب کا نہیں؟ یعنی مستثنٰی کو محل رفع پر حمل کرتے ہوئے مرفوع تو پڑھا گیا جو کہ بعید ہے اور محل قریب پر حمل کی بنا پر منصوب نہیں پڑھا گیا قلت سے اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ محل قریب میں لا کا عمل دخل ہے اس لئے کہ لا بمعنے النفی ہے

بالا بخلاف محله البعید فانه لا دخل لعمل لا فیه بِخِلَافِ[۳۸۹] لَیْسَ زَیْدٌ شَیْئًا الا شَیْئًا مع انه انتقض النفی فیه ایضًا بالا لِاَنَّهَا ای لیس عَمِلَتْ لِلْفِعْلِیَّةِ لا للنفی فَلَا اَثَرَ فِیْهَا لِنَقْضِ معنی النَّفْیِ فی عملها لِبَقَاءِ الْاَمْرِ الْعَامِلَۃِ هِیَ ای لیس لِاَجْلِهٖ ای لاجل ذلك الامر وهو الفعلیة وَمِنْ ثَمَّ[۳۹۰] ای ومن اجل ان عمل لیس للفعلیة لا للنفی وعمل ما و لا بالعکس جاز لَیْسَ زَیْدٌ اِلَّا قَائِمًا باعمال لیس فی قائمًا وان انتقض نفیها بالا لبقاء فعلیتها وَامْتَنَعَ مَا زَیْدٌ اِلَّا قَائِمًا باعمال ما فی قائمًا لان عملها فیه انما هو للنفی وقد انتقض النفی بالا وَالْمُسْتَثْنٰی[۳۹۱] مَخْفُوْضٌ

کی وجہ سے ٹوٹ گئی اس کے محل بعید کے برعکس کہ اس میں لا کے عمل کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں عامل معنوی ہے) ((لیس زید شیئًا الا شیئًا کے برعکس)) باوجودیکہ اس میں بھی الا سے نفی ٹوٹ گئی ہے ((کیونکہ وہ)) یعنی لیس ((عمل کرتا ہے فعلیت کی وجہ سے)) نفی کی وجہ سے نہیں ((لہذا)) اس کے عمل میں ((نفی کے)) معنی کے ((ٹوٹنے کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ چیز باقی ہے کہ وہ)) یعنی لیس ((عمل کرتا ہے اس کی وجہ سے)) یعنی اس چیز کی وجہ سے اور وہ چیز (کہ جس کی وجہ سے لیس عمل کرتا ہے اور وہ باقی ہے) فعلیت ہے ((اور اسی وجہ سے)) یعنی اور اس وجہ سے کہ لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے ہے نفی کی وجہ سے نہیں اور ما و لا کا عمل برعکس ہے ((جائز ہے لیس زید الا قائمًا)) لیس کے قائمًا میں عمل دینے سے اگرچہ الا کی وجہ سے اس کی نفی ٹوٹ گئی کیونکہ اس کی فعلیت باقی ہے ((اور ما زید الا قائمًا جائز نہیں)) قائمًا میں (لفظ) ما کو عمل دے کر کیونکہ اس (اسم و خبر میں سے ہر ایک) میں ما کا عمل نفی کے لئے ہے اور نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ((اور)) مستثنیٰ

اور وہ نفی اِلّا کے باعث ٹوٹ گئی لہذا اس کا محل قریب قابل اعتبار نہیں رہا اور محل بعید میں چونکہ لا کے عمل کو کوئی دخل ہی نہیں کیونکہ اس وقت اس میں عامل معنوی عامل ہوگا لہذا خواہ نفی منتقض ہو یا نہ ہو ہر حال میں یہ محل قابل اعتبار ہے واللہ اعلم۔

۳۸۹ قولہ بخلاف الخ اوپر بیان کیا تھا کہ ما و لا معنے نفی کی وجہ سے اپنے مدخول میں عمل کرتے ہیں اور جب یہ نفی اِلّا کے سبب سے ٹوٹ جاتی ہے تو ما بعد اِلّا میں معنیٰ نفی کے ختم ہو جانے کے باعث عمل نہیں کریں گے اب یہاں سے یہ تبلاتے ہیں کہ اگر معنے نفی عمل کا باعث نہ ہوں بلکہ فعلیۃ ہو جیسا کہ لیس زیدٌ شیئًا الا شیئًا میں کہ اس میں لیس اپنی فعلیۃ کے باعث عامل ہے معنی نفی کی وجہ سے نہیں تو اس میں انتقاض نفی کے باوجود لفظ مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے مستثنیٰ کو بدل قرار دیکر منصوب پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ معنے نفی کے انتقاض سے لیس کے عمل میں کوئی فتور پیدا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا عمل امر فعلیۃ کی وجہ سے ہے اور وہ باقی ہے اس لئے کہ اگرچہ الا کی وجہ سے نفی منتقض ہو گئی لیکن لیس جس کے باعث عمل کرتا ہے یعنی فعلیۃ وہ تو اس کی بدستور باقی ہے لہذا شیئًا کو بنا بر بدلیۃ لفظ مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے منصوب پڑھنا جائز ہے واللہ اعلم ۱۲

۳۹۰ قولہ ومن ثم الخ یہاں سے مصنف حکم ما سبق پر تفریع پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہو چکا کہ لیس کا عمل تو فعلیۃ کی وجہ سے ہے اور ما و لا کا معنے نفی کی وجہ سے تو اب کہنا جائز ہوگا بغیر مستثنیٰ منہ کو ذکر کئے اور مستثنیٰ کو اس کے لفظ سے بدل قرار دیتے ہوئے لیس زیدٌ الا قائمًا کہنا جائز ہوگا اس لئے کہ اس میں اگرچہ معنیٰ نفی الا کی وجہ سے باطل ہو گئے ہیں لیکن فعلیۃ باقی ہے لیس لیس قائمًا میں عمل کر سکتا ہے بخلاف ما زیدٌ الا قائمًا کے کہ یہ ترکیب جائز نہیں اس لئے کہ کلمہ ما معنے نفی کے باعث عمل کرتا ہے اور وہ الا کی وجہ سے ٹوٹ گئے لہذا کلمہ ما قائمًا کو نصب نہیں دیگا بلکہ قائمًا کو ابتدائیت کی بنا پر مرفوع پڑھتے ہوئے ما زیدٌ الا قائمٌ کہنا ضروری ہوگا واللہ اعلم

۳۹۱ قولہ والمستثنی الخ یعنی مستثنیٰ جب غیر اور سوی یا سوار کے بعد واقع ہوتا ہے نیز حاشا کے بعد اکثر استعمال میں مجرور پڑھا جاتا ہے سوی کسر سین اور ضم دونوں جائز ہیں جبکہ اس کو مقصور پڑھیں اور جب اس کو بالمد پڑھیں گے تو کسر سین اور فتحہ جائز ہوں گے لیکن قصر کی حالت میں کسر سین اور مد کی حالت میں فتحہ مشہور ہے بہر حال ان کے ما بعد میں کسرہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ما بعد مضاف الیہ واقع ہوگا اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے اور حاشا اکثر استعمالات کے اعتبار سے حرف جر ہے اس لئے اس کا ما بعد مجرور ہوگا اور

ای مجرور بَعْدَ غَیْرٍ وَسِوًی مع کسر السین او ضمها مع القصر وَسَوَاءٍ
بفتح السین او کسرها مع المد لکونه مضافا الیه وَبَعْدَ حَاشَا فِی
الْاَکْثَرِ لکونها حرف جر فی اکثر استعمالاتهم واجاز بعضهم النصب
بها علی انها فعل متعد فاعله مضمر ومعناها تبریة المستثنی عما
نسب الی المستثنی منه نحو ضرب القوم عمرا حاشا زیدًا ای براه الله
عن ضرب عمرو وَاِعْرَابُ غَیْرٍ فِیْهِ ای فی الاستثناء دون الصفة اذ هو
ح باعراب موصوفه کَاِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰی بِاِلَّا علی التفصیل المذکور فیما
سبق فکانه لما انجر به المستثنی للاضافة انتقل اعرابه الیه وَغَیْرٌ ای
کلمة غیر فی الاصل صفة لدلالتها علی ذات مبهمة باعتبار قیام معنی المغایرة

مخصوص (یعنی مجرور (لا ہوگا غیر و سوی کے بعد) سین کی کسرہ یا اس کے ضمہ کے ساتھ (آخر میں) الف مقصورہ کے ہمراہ (اور سواء) سین کی فتح یا اس کی کسرہ کے ساتھ اس لئے کہ مستثنی مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو) گا (اور حاشا کے بعد اکثر میں) اس لئے کہ حاشا عرب کے اکثر استعمالات میں حرف جر ہے اور بعض (نحویوں) نے اس کے ساتھ نصب کو جائز رکھا بنا بر آں کہ حاشا فعل متعدی ہے جس کا فاعل مضمر راجع بسوئے باری تعالی ہے اور حاشا کا معنی (خواہ وہ حرف قرار پائے یا فعل) مستثنی کو اس (فعل) سے بری قرار دینا ہے جو مستثنی منہ کی طرف منسوب ہے جیسے ضرب القوم عمرا حاشا زیدا یعنی برّأہ اللہ تعالی عن ضرب عمرو (اور اس میں غیر کا اعراب) یعنی استثناء میں (غیر کا اعراب) نہ کہ صفت میں کیونکہ غیر صفت ہوتے وقت اپنے موصوف کے اعراب کے ساتھ (معرب) ہوگا (مستثنی بہ الا کے اعراب کی طرح ہوگا) اس تفصیل کی بنا پر جو ماسبق میں مذکور ہوئی پس گویا جب مستثنی غیر کے ساتھ اضافت کی وجہ سے مجرور ہوا تو مستثنی کا اعراب غیر کی طرف منتقل ہوگیا (اور غیر) یعنی اصل میں غیر کا کلمہ (صفت ہے) کیونکہ وہ اس اعتبار سے کہ اس کے ساتھ مغایرت کا معنی قائم ہے ذات مبہم (موصوف) پر دلالت کرتا ہے

بعض نحاۃ نے حاشا کے مدخول پر نصب بھی جائز قرار دیا ہے اور ان کا دعوی یہ ہے کہ حاشا فعل متعدی ہے اور ضمیر مستتر اس کا فاعل اور معنی یہ ہیں کہ مستثنی اس چیز سے پاک اور بری ہے جو مستثنی منہ کی طرف منسوب کی گئی ہے جیسے ضرب القوم عمرا حاشا زیدا ای براہ اللہ عن ضرب عمرو یعنی اللہ تبارک وتعالی نے زید کو عمرو کی مار سے پاک رکھا پس زیدًا بنا بر مفعولیت منصوب ہوگا نہ کہ مجرور واللہ اعلم۔

۳۹۲ قولہ واعراب غیر الخ اور لفظ غیر کا اعراب باب استثناء میں نہ کہ صفت میں مستثنی بالا کے اعراب کی مانند ہے یعنی مستثنی بالا میں اعراب کی جو تفصیل مذکور ہوئی ہے اسی کے مطابق غیر کو بھی اعراب دیا جائیگا یعنی جہاں مستثنی بالا کو وجوبًا منصوب کیا جاتا ہے وہاں غیر بھی وجوبًا منصوب کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مستثنی بالا میں تو الا کا مابعد اعراب کو قبول کرتا ہے اور الا حرف استثناء ہے اور غیر جب استثناء کے لئے ہوگا تو اس کا مدخول قابل اعراب ہونا چاہئے نہ کہ خود غیر ہو اس کا جواب نکالنا لما انجر بہ الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ غیر کے دخول کے بعد اس کا مدخول اضافت کے باعث مجرور ہوگا پس جب غیر نے اپنے مابعد اضافت کے ساتھ مجرور کر دیا تو گویا اس کے اعراب کو خود قبول کر لیا پس مستثنی کا اعراب لفظ غیر کی طرف منتقل ہو جائے گا اس جگہ مصنف نے فیہ ای فی الاستثناء کی قید احتراز کے لئے لگائی ہے اور اس سے اس غیر کو خارج کرنا مقصود ہے جو کہ صفت ہو اس لئے کہ اس وقت اس کا اعراب اس کے موصوف کے مطابق ہوگا نہ کہ مستثنی بالا جیسا واللہ اعلم۔

۳۹۳ قولہ وغیر ای کلمۃ الخ یہاں سے مصنف لفظ غیر کی اصل وضع کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ کلمہ غیر اصل میں صفت ہے اس لئے کہ یہ ذات مبہم پر اس اعتبار سے دلالت کرتا ہے کہ اس کے ساتھ معنی مغایرت کا قیام ہوتا ہے یعنی کلمہ غیر مابعد کے لئے ماقبل کی مغایرت پر دلالت کرتا ہے پھر خواہ ماقبل و مابعد دونوں باعتبار ذات کے مغایر ہوں یا وصف کے اعتبار سے پس اس میں اصل یہ ہے کہ غیر صفت واقع ہو جیسے جاءنی رجل غیر زید اور اس طریقہ پر اس کا استعمال کلام عرب میں بکثرت ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلمہ غیر کو الا پر محمول کر کے استثناء میں اس کا استعمال کرتے ہیں علی خلاف الاصل اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اور الا اپنے ماقبل کے لئے مابعد

بہا فالاصل فیہا ان تقع صفة کما تقول جاء نی رجل غیر زید و استعمالہا علی ھذا الوجہ کثیر فی کلام العرب لکنہا حُمِلَتْ علی اِلّا واستعملت مثلہا فِی الِاسْتِثْنَاءِ علی خلاف الاصل وذلک لاشتراک کل منہما فی مغائرة مابعدہ لماقبلہ کما حُمِلَتْ اِلَّا عَلَیْہَا ای علی کلمة غیر فِی الصِّفَةِ لکن لا تحمل الا علیہا فی الصفة غالبا الا اِذا کانت ای الا تَابِعَةً لِجَمْعٍ ای واقعةً بعد متعدد فوجب ان یکون موصوفہا

(مغایرت سے مراد یہ ہے کہ اس کا مجرور اس کے موصوف کا غیر ہوتا ہے) پس غیر میں اصل یہ ہے کہ وہ (اپنے ماقبل کی) صفت واقع ہو (اگرچہ وہ معرفہ کی طرف مضاف ہو) چنانچہ تم کہو جاء نی رجل غیر زید (یعنی جو ذات میں زید کا غیر ہے) اور غیر کا استعمال اس (وصفیت کے معنی کے) طریقے پر کلام عرب میں بکثرت ہے۔ لیکن اسے (الا پر محمول کیا گیا ہے) اور الا کی طرح (اپنی) اصل (وضع) کے برخلاف ((استثناء میں)) استعمال کیا گیا ہے اور یہ (اس کا الا پر محمول کیا جانا) اس لئے ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اسبات میں (ایک دوسرے کے ساتھ) مشترک ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کا مغایر ہے (جیسا کہ الا کو اس پر محمول کیا گیا) یعنی غیر کے کلمہ پر (صفت میں)) لیکن الا کو صفت میں غیر پر غالباً محمول نہیں کیا جا سکتا مگر اس وقت ((جبکہ ہو)) یعنی الا (جمع کے تابع)) (ایسی جمع) جو متعدد کے بعد واقع

کے مغایر ہونے میں مشترک ہیں یعنی استثناء میں بھی ماقبل کے لئے مابعد کی مغایرت مقصود ہوتی ہے اور غیر میں بھی پس جس طرح غیر کو الا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اسی طرح الا کو بھی بمعنے غیر یعنی صفة کے معنی پر محمول کرلیا جاتا ہے لیکن یہ حمل الا کا صفة پر بہت کم ہوتا ہے اکثر استعمال اس کا استثناء ہی کے لئے ہوتا ہے کما مر پس جب غیر صفت الا کے معنی میں ہو تو اس کی مثال جاء نی القوم غیر زید ہے اس لئے کہ یہاں صفت متعذر ہے اس لئے کہ موصوف وصفت کے درمیان تعریف وتنکیر میں مطابقت شرط ہے اور اس جگہ قوم معرفہ ہے اور غیر اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر توغل ابہام کے باعث نکرہ ہے اس لئے غیر صفت واقع نہیں ہو سکتا پس بمعنے الا ہونے کے باعث بجائے رفع علی الصفیة کے منصوب پڑھا جائیگا اب جاننا چاہئے کہ اس جگہ غیر کی تفسیر ای کلمة غیر الخ سے کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ غیر مبتدا ہے اور صفةٌ اس کی خبر لیکن غیر کا مبتدا ہونا جائز نہیں اس لئے کہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ معرفہ یا نکرہ مخصصہ ہو اور یہاں غیر نکرہ محضہ ہے نیز قولہ حملت کی ضمیر غیر کی طرف راجع ہے اور غیر مذکر ہے پس ضمیر مؤنث کا مذکر کی طرف راجع کرنا لازم آیا شارح نے جواب دیا کہ غیر سے مراد کلمہ غیر ہے پس ضمیر کا مرجع صحیح ہونا تو ظاہر ہے اور اول کا جواب اس طرح ہوگا کہ لفظ سے جب محض لفظ کا بغیر اس کے معنی کا لحاظ کئے ارادہ کیا جاتا ہے تو لفظ عَلَم ہوتا ہے پس غیر بھی علم ہوگا اور ظاہر ہے کہ علم معرفہ ہوتا ہے لہذا اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہے پھر حملت علی الا پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کلمۂ غیر کا الا پر حمل کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جب کہ دونوں کے درمیان اتحاد نہیں

اور اتحاد حمل کے لئے شرط ہے اس کا جواب شارح نے واستعملت مثلہا سے یہ دیا کہ حمل سے مراد یہ ہے کہ غیر کا استعمال بھی الا ہی کی طرح کیا جائے واللہ اعلم۔

۲۹۴ قولہ الا اذا کانت الخ. یہاں سے مصنف کا منشا یہ بیان کرتا ہے کہ الا کس جگہ قطعی طور پر صفة کے لئے ہوتا ہے کہتے ہیں کہ الا کا حمل غیر پر صفت میں اس وقت ہوگا جب کہ الا ایسی جمع کے بعد ہو جو نکرہ اور غیر محصور ہو یعنی اس جمع کے افراد شمار کردہ اور معین نہ ہوں اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ تابع صفات اسم سے ہے اور الا صفات اسم سے نہیں بلکہ حرف ہے لہذا الا اذا کانت تابعةً کہنا صحیح نہیں کیونکہ تابع اسم کا ہوا کرتا ہے اور اسم ہی ہوتا ہے اور الا اسم نہیں شارح نے ای واقعةً بعد

متعدد الخ سے جواب دیا کہ تابعةً سے وہ تابع مراد نہیں جو اسم کا ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ الا متعدد کے بعد واقع ہو یعنی تابعةً بعد ظرف کے معنی میں ہے اور واقعةً اس ظرف کا متعلق ہے اور جمع سے معنی لغوی یعنی تعدد مراد ہے پھر چونکہ الا کا صفة کے معنی میں استعمال خلاف اصل ہے پس اعتبار صفة کے وقت یہ معنی الا میں ظاہر ہوں گے تو واجب یہ ہے کہ اس کا موصوف مذکور ہوتا کہ یہ معنی ظاہر ہو جائیں موصوف مقدر نہ ہو بخلاف غیر کے کہ وہ اصل میں صفة کے لئے ہے پس اس کا موصوف نظم کلام میں کبھی کبھی متعذر ہو جاتا ہے جیسے جاء نی غیر زید کہ اس میں غیر کا موصوف یعنی قوم مذکور نہیں مقدر ہے پھر موصوف کے لئے متعدد ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ الا کے صفت ہونے کے وقت

مذکوراً لامقدراً کما قد یکون مقدراً فی غیر مثل جاء نی غیر زید وبعد ما کان مذکوراً یکون متعدداً لیوافق حالها صفة حالها اداة استثناءٍ اذ لابد لها فی الاستثناء من مستثنیٰ منه متعدد فلا تقول فی الصفة جاء نی رجل الا زید والمتعدد اعم من ان یکون جمعاً لفظاً کرجال او تقدیراً کقومٍ ورهطٍ وان یکون مثنی فدخل فیه نحو ما جاء نی رجلان الا زید منکورٍ ۳۹۵ ای منکراً لا یعرف باللام حیث یراد به العهد والاستغراق

ہو (لفظ متعدد سے اس بات کی طرف اشارہ ہے (کہ اس میں جمع سے مافوق الواحد مراد ہے) تو ضروری ہے کہ الا کا موصوف مذکور ہو (کہ الا صفت کے معنی دینے میں غیر کی فرع ہے لہذا اس کے ساتھ موصوف کا اظہار ضروری ہے تاکہ اس کے فرع ہونے پر دلالت ہو) مقدر نہ ہو جیسا کہ غیر کا موصوف غالباً مذکور ہوتا ہے لیکن کبھی (نظم کلام میں) غیر کے اندر مقدر ہوتا ہے جیسے جاء نی غیر زید (تقدیرہ جاء نی رجل غیر زید) اور بعد ازاں کہ (الا کا) موصوف مذکور ہو وہ متعدد (یعنی تثنیہ یا جمع) ہوتا ہے تاکہ الا کا (غیر کے معنی میں ہونے کا) حال اس کے اس حال کی صورت کے موافق ہو جائے جو حالت اس کے حرف استثناء ہونے کی ہے کیونکہ استثناء میں (استعمال ہونے کی حالت میں) اس کے لئے مستثنیٰ منہ متعدد ہونا ضروری ہے لہذا (الا کے) صفت (کے معنی میں مستعمل ہونے کی صورت) میں تم جاء نی رجل الا زید نہیں کہہ سکتے اور متعدد اس سے عام ہے کہ لفظی طور پر جمع ہو جیسے رجال یا تقدیری طور پر جیسے قوم اور رهط ہے اور یہ (متعدد اس سے عام ہے) یہ کہ تثنیہ ہو پس مصنف کے قول بجمع میں ماجاء نی رجلان الا زید (جو منکور ہو) یعنی ایسی جمع جو) منکر ہو معرفہ بہ لام نہ ہو کیونکہ اس لام سے عہد خارجی یا ذہنی) کا ارادہ کیا جائے گا یا استغراق کا

کا حال اداۃ استثناء کے حال سے موافق ہو جائے یعنی جس طرح مستثنیٰ منہ متعدد ہوتا ہے اسی طرح اس کا موصوف بھی متعدد ہو تاکہ الا صفتی اور استثنائی میں موافقت رہے پس الا صفتی میں جاء نی رجلٌ الا زیدٌ نہیں کہہ سکتے کیونکہ موصوف یعنی رجل میں تعدد نہیں اور نہ اس جگہ الا استثناء کے لئے ہو سکتا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ منہ کا متعدد ہونا ضروری ہے پس یہ ترکیب درست نہیں ہوگی پھر تعدد میں تعمیم ہے یعنی خواہ متعدد لفظاً جمع ہو جیسے رجالٌ یا تقدیراً جمع ہو یعنی لفظ کے اعتبار سے تو مفرد ہو لیکن اس کا اطلاق جمع پر کیا جاتا

ہو جیسے قوم اور رہط پھر تعدد میں تثنیہ بھی داخل ہے کیونکہ دو پر بھی متعدد کا اطلاق ہوتا ہے پس اس میں ماجاء نی رجلان الا زیدٌ بھی داخل ہو جائے گا واللہ اعلم۔

۳۹۵ قولہ ای منکرا لخ اس جگہ منکور کی شرح ای منکرٍ سے کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ باب نَکِرَ یَنکَرُ تخفیف کے ساتھ ثلاثی مجرد سے غیر معلوم وغیر مشہور ہے حتےٰ کہ مصنف نے امالی کافیہ میں اپنے قول اذا نکر شرف کے ضمن میں کہا ہے کہ تخفیف کے ساتھ اہل عرب سے یہ سُنا ہی نہیں گیا پس شارح نے اس کی معروفیت

بتائی ہے کہ منکور منکر کے معنی میں مشہور و معروف ہے پھر منکر سے مراد یہ ہے کہ معرف باللام نہ ہو یہ مراد نہیں کہ مطلق معرفہ نہ ہو اور یہ عدم تخصیص باللام اس وجہ سے سمجھ میں آتی ہے کہ منکر کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معرفہ نہ ہو پس جب معرفہ نہیں ہوگا تو معرف باللام بھی نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کی تعریف میں کسی قسم کا خفاء نہیں نیز اس کا استعمال بہ نسبت ان معارف کے کہ جن میں لام نہ ہو بکثرت ہے پھر معرف باللام نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ لام سے عہد خارجی یا استغراق مراد نہ ہو اس لئے کہ اگر یہ مراد لیں گے تو استغراق کی تقدیر کی بنا پر مستثنیٰ منہ کا تناول قطعی طور پر معلوم ہوگا یعنی مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں یقیناً داخل ہوگا پس استثناء متصل صحیح ہو جائے گا لہذا الا کو معنے حقیقی سے معنے مجازی یعنی صفتی کی طرف اخراج کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اس کو غیر کے معنے پر حمل نہیں کر سکتے ایسے ہی جب الف لام کے ذریعہ ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ زید اس جماعت میں سے ہو تب بھی استثناء متصل متعذر نہیں ہو سکتا اور الا کو معنی مجازی پر محمول کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اگر الف لام سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ زید اس جماعت میں سے نہ ہو تو استثناء منقطع متعذر نہیں ہوگا یعنی اس صورت میں الا کا مابعد مستثنیٰ منقطع ہوگا اور الا کو صفت پر بمعنی غیر حمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں متعذر ہوں پس مستثنیٰ منہ کے معرف باللام ہونے کی صورت میں الف لام عہد خارجی یا استغراقی مراد لیتے وقت الا صفت کے معنی میں نہیں ہوگا البتہ اگر الف عہد ذہنی کے لئے ہو تو مستثنیٰ منہ معرفہ نہیں نکرہ ہی رہے گا لہذا یہاں اس کی نفی نہیں اب کوئی یہ نہ کہے کہ متعدد منکر میں لا یعرف باللام ہی کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جب کہ دیگر

فیعلم التناول قطعاً علی تقدیر الاستغراق وعلی تقدیر ان یشار بہ الی جماعۃ یکون زید منہم فلا یتعذر الاستثناء المتصل او عدم التناول قطعاً علی تقدیر ان یشار بہ الی جماعۃ لم یکن زید منہم فلا یتعذر المنقطع غیر ^۳۹۶^ محصور والمحصور نوعان اما الجنس المستغرق نحو ما جاءنی رجل او رجال واما بعض منہ معلوم العدد نحو لہ علی عشرۃ دراہم او عشرون وانما اشترط ان یکون غیر محصور لانہ ان کان محصوراً علی احد الوجہین وجب دخول ما بعد الا فیہ فلا یتعذر الاستثناء نحو کل رجل الا زیداً جاءنی ولہ علی عشرۃ الا درہماً وانما ^۳۹۷^ یصار عند وجود ہذہ الشرائط الی حمل

پس استغراق کی تقدیر پر مستثنیٰ منہ کا مستثنیٰ کو شامل ہونا قطعاً معلوم ہوگا (لہٰذا مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں قطعاً داخل ہوگا تو وہ استثناء متصل صحیح ہوگا اس صورت میں الا کو اس کے معنی حقیقی سے خارج کرنے کی ضرورت نہ ہوگی پس اسے غیر پر محمول نہ کیا جائیگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا الآیۃ) اور اس تقدیر کی بنا پر کہ لام سے ایک ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے جن میں سے زید ہے (مستثنیٰ منہ کا مستثنیٰ کو شامل ہونا بھی قطعی ہوگا کہ لام عہد خارجی کا قرار پائے اور اس کا معہود وہی جماعت ہو) تو (اس صورت میں بھی) استثناء متصل متعذر نہ ہوگا (دونوں صورتوں میں الا کو غیر پر محمول نہ کیا جائے گا) یا (مستثنیٰ منہ کا مستثنیٰ کو شامل نہ ہونا قطعی طور پر ہوگا بنا بر تقدیر کہ لام سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ ہو جن میں سے زید نہیں ہے پس (اس صورت میں) مستثنیٰ منقطع متعذر نہیں ہے (محصور نہ ہو)) اور محصور دو قسم ہے یا جنس مستغرق جیسے ما جاءنی رجل یا رجال یا جنس سے بعض معلوم العدد جیسے لہ علی عشرۃ دراہم یا عشرون (وغیرہما من الاعداد التی لا یتعذر الاستثناء منہا) اور غیر محصور ہونے کی شرط اس لئے ہی لگائی گئی ہے کہ اگر مستثنیٰ (حصر کی مذکورہ) دو وجہوں میں کسی ایک وجہ پر محصور ہو تو الا کے مابعد کا مستثنیٰ محصور میں داخل ہونا ضروری ہوگا تو استثناء متعذر نہ ہوگا (لہٰذا استثناء سے عدول نہ ہوگا) جیسے کل رجل الا زیدا جاءنی (یا جاءنی کل رجل الا زیدا یہ جنس مستغرق کی مثال ہے کہ کل کا لفظ جب نکرہ کی طرف مضاف ہو تو وہ احاطۂ افراد کو مفید ہوتا ہے) اور لہ علی عشرۃ الا درہما اور ان شرائط (ثلاثہ) کے پائے جانے کے وقت الا کو غیر پر محمول کرنے کی طرف ہی رجوع کیا

معارف کی صورت میں بھی الا صفت کے معنی پر عدم تعذر استثناء کے سبب سے محمول نہیں ہوتا مثلاً جاءنی ہؤلاء الا زیداً یہ اسم اشارہ معرفہ کی مثال ہے اور اس میں الا صفت کے معنی پر محمول نہیں ہو سکتا اس لیے کہ استثناء متعذر نہیں؟ جواب یہ ہے کہ معرف باللام چونکہ اعرف المعارف اور تمام معرفوں سے زیادہ مشہور اور کثیر الاستعمال ہے اس لئے اس کا ذکر کر دیا واللہ اعلم۔

۳۹۶ قولہ غیر محصور الخ یہ قول مصنف جمع کی صفت ثانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جمع ایسی ہونی چاہیئے جو نکرہ ہونے کے ساتھ ساتھ غیر محصور ہو یعنی اس کا شمار اور تعیین نہ کیا گیا ہو پھر چونکہ غیر محصور کا علم اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ محصور کا علم نہ ہو اس لئے شارح کہتے ہیں کہ محصور کی دو قسمیں ہیں ایک جنس مستغرق جیسے ما جاءنی رجلٌ یا رجالٌ کہ اس میں رجلٌ اگر حقیقۃً جمع نہیں مگر سیاق نفی میں واقع ہونے کے باعث جمع ہے پس اس اعتبار سے اس میں تعدد موجود ہے جنس مستغرق کا مطلب یہ ہے کہ اس جنس کے تمام افراد احاطہ کر لئے گئے ہوں کوئی فرد اس کا اس احاطہ اور شمار سے باہر نہ ہو پس رجل میں اس کا ہر ہر فرد اس میں داخل اور محصور ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ بعض جنس معلوم العدد ہو جیسے لہ علیَّ عشرۃ دراہم یا عشرون کہ دراہم جنس ہے لیکن اس کا بعض معلوم العدد ہے یعنی دس یا بیس درہم اب شارح کہتے ہیں کہ جب محصور کا علم ہو گیا تو غیر محصور کی قید اس وجہ سے لگانی پڑی کہ اگر مستثنیٰ منہ محصور ہو تو مابعد الا کا مستثنیٰ منہ میں داخل ہونا واجب ہوگا پس استثنا متعذر نہیں ہوگا لہٰذا الا کو بمعنے غیر صفت پر محمول نہیں کر سکتے جیسے کل رجلٍ الا زیدٌ جاءنی اور لہ علیَّ عشرۃٌ الا درہماً کہ ان میں سے اول جنس مستغرق اور دوم بعض جنس معلوم العدد کی مثال ہے اور دونوں میں [illegible] کا مابعد الا لا محالہ

مستثنیٰ منہ میں داخل ہیں پس استثنا متعذر نہیں رہا واللہ اعلم۔

۳۹۷ قولہ وانما یصار الخ یہاں سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وجود شرائط کے وقت الا کو غیر کے معنی پر محمول کرنے کا باعث کیا ہے

کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان شرائط کی موجودگی میں استثنا متعذر ہو جائے گا پس لا محالہ الا کو غیر کے معنی پر حمل کرنے کے لئے اضطرار پیش آئے گا اس لئے الا کو غیر کے معنی پر محمول کر لیں گے اس جگہ یصار فعل مضارع مجہول بذریعہ

الا علی غیر لتعذر الاستثناء عند وجودها فیضطر الی حملها علی غیر و
انما قلنا فی صدر هذا الکلام ان الا لا تحمل علی الصفة غالبا فقیدنا ه
بقولنا غالبًا لانه قد یتعذر الاستثناء فی المحصور نحو جاء نی مائة رجل
الا زید وقد لا یتعذر فی غیر المحصور نحو جاء نی رجال الا واحدًا او
الا رجلا و الا حمارًا ولکن لما کان ذلک نادرًا لم یلتفت المصنف الیه فی
بیان هذه القاعدة مثل لو کان فیہما ای فی السماء والارض الهة
جمع اله ولا دلالة فیها علی عدد محصور الا الله ای غیر الله لفسدتا
ای لخرجتا عن الانتظام فالا فی الآیة صفة لانها تابعة لجمع منکور
غیر محصور وهی آلهة ویتعذر الاستثناء لعدم دخول الله تعالی فی
آلهة بیقین فلم یتحقق شرط صحة الاستثناء وفی الآیة مانع آخر عن

جائے گا (کیونکہ استثناء متعذر ہے) جبکہ وہ شرائط موجود ہوں لہذا الا کے غیر پر محمول کرنے
کی طرف (سامع) مجبور ہوگا اور جو اس کلام کے آغاز میں ہم نے کہا تھا کہ الا صفت پر غالبا
محمول نہ کیا جائے گا تو ہم نے ... اس کو اپنے قول "غالبا" کی قید سے اس لئے مقید کیا ہے
کہ کبھی (مستثنی منہ) محصور میں (مستثنی کے قطعی طور پر داخل نہ ہونے کی وجہ سے) استثناء
متعذر ہو جاتا ہے جیسے جاء نی مائۃ رجل الا زید (یعنی غیر زید) اور کبھی (استثناء) متعذر نہیں
ہوتا بلکہ مستثنی منہ) غیر محصور میں (صحیح ہوتا ہے) جیسے جاء نی رجال الا واحدا والا رجلا (مستثنی
متصل میں) اور الا حمارا (مستثنی منقطع میں) لیکن جب کہ یہ (مستثنی منہ محصور میں استثناء کا
متعذر ہونا اور غیر محصور میں متعذر نہ ہوتا شاذ و) نادر تھا تو مصنف نے (الا کے غیر پر محمول کرنے
کے) اس قاعدہ کے بیان میں قید مذکور (غالبًا) کی طرف توجہ نہیں دی (جیسے لو کان فیہما)
یعنی فی السماء والارض ((آلہۃ)) الہ کی جمع ہے اور آلہۃ میں عدد محصور پر کوئی دلالت
نہیں ((الا اللہ)) یعنی غیر اللہ ((لفسدتا)) یعنی لخرجتا عن الانتظام پس آیت میں الا صفت ہے
کیونکہ یہ جمع منکور غیر محصور کے تابع ہے اور وہ جمع آلہۃ ہے اور استثناء متعذر ہے کیونکہ
اللہ تعالیٰ یقین سے آلہۃ میں داخل نہیں پس استثناء کے صحیح ہونے کی شرط یعنی یہ کہ
مستثنی یقینی طور پر مستثنی منہ میں داخل ہو جس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں استغراق یا عہد یا حصر
ان میں سے کوئی صورت بھی) نہیں پائی جاتی اور آیت میں الا کو استثناء پر محمول کرنے

کے معنی میں ہے واللہ اعلم۔

۲۹۸ قولہ وانما قلنا الخ اس سے شارح اپنے کلام سابق الا لا تحمل علی الصفۃ غالباً میں غالباً کے ذکر کی وجہ بیان کر رہے ہیں جس سے مقصود ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ الا کو صفت پر بمعنی غیر حمل کرنے کا مدار تعذر استثناء پر ہے لیکن اس کے لئے جو ضابطہ بیان کیا گیا وہ جامع مانع نہیں اس لئے کہ کبھی استثناء محصور میں متعذر ہو جاتا ہے حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ محصور میں متعذر نہیں ہوتا اس لئے اس میں غیر محصور کی قید لگائی گئی اور کبھی غیر محصور میں بھی متعذر نہیں ہوتا حالانکہ اس کے لئے ضابطہ تعذر کا مقتضی ہے پس شارح کہتے ہیں کہ ہم نے اسی وجہ سے اپنے قول میں غالباً کی قید لگائی ہے کیونکہ یہ دونوں ضابطے کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہیں اس لئے کہ کبھی محصور میں بھی استثناء متعذر ہو جاتا ہے جیسے جاء نی مائۃ رجل الا زید ای غیر زید کہ اس میں اگر مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں دخول اور خروج متیقن نہ ہو تو نہ استثناء متصل ہو سکتا ہے اور نہ منقطع بس لامحالہ الا کو صفۃ کے معنی پر محمول کرنا پڑے گا البتہ اگر دخول یا خروج دونوں میں سے کوئی ایک یقینی ہے تو پھر استثناء متعذر نہیں ہوگا بلکہ زیداً یا مستثنیٰ متصل واقع ہوگا یا منقطع علی حسب المراد اور کبھی غیر محصور میں بھی متعذر نہیں ہوتا جیسے جاء نی رجال الا واحداً والا رجلاً والا حماراً واللہ اعلم۔

۲۹۹ قولہ نحو لو کان الخ یہ الا کو بمعنی غیر صفت پر محمول کرنے کی مثال ہے اور اس میں آلہۃ غیر محصور ہے اس لئے کہ آلہۃ سے عدد محصور پر دلالت نہیں ہوتی (اور آلہۃ الٰہ کی جمع ہے) اور الا غیر کے معنے میں ای غیر اللہ آیۃ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ کے کئی معبود ہوتے تو زمین و آسمان انتظام سے نکل جاتے اور تباہ ہو جاتے پس اس آیۃ میں الا صفۃ ہے بمعنی غیر اس لئے کہ کلمہ الا ایسی جمع کے بعد واقع ہے جو کہ منکر غیر محصور ہے یعنی آلہۃ کے بعد اور اس میں استثناء متعذر ہے اس لئے کہ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ آلہۃ میں داخل ہے یا نہیں پس صحۃ استثناء کی شرط متحقق نہیں ہوئی لہذا اس جگہ الا استثنا کے لئے نہیں ہوگا البتہ اگر اللہ کا آلہۃ میں دخول یا اس سے خروج یقینی ہو تو استثناء متصل یا منقطع واقع ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔

۳۰۰ قولہ وفی الآیۃ الخ یعنی صورت

ANIA UN LIBRARY HYDE

حملها الا على الاستثناء وهو انه لو حملت عليه صار المعنى لو كان فيهما آلهة مستثنى عنها الله تعالى لفسدتا وهذا لا يدل الا على انه ليس فيهما آلهة مستثنى عنها الله تعالى وبهذا لا يثبت وحدانيته تعالى لجواز ان يكون فيهما آلهة غير مستثنى عنها الله تعالى بخلاف ما اذا كانت للصفة بمعنى غير فانه يدل على انه ليس فيهما آلهة غير الله تعالى واذا لم يكن فيهما آلهة غير الله تعالى يجب ان لا تتعدد الآلهة لان التعدد يستلزم المغايرة **وَضُعِّفَ** حمل الا على غير **(فِي غَيْرِهِ)** اى فى غير جمع منكور غير محصور لصحة الاستثناء حينئذ ومذهب سيبويه جواز وقوع الا صفة مع صحة الاستثناء قال يجوز فى قولك ما اتانى احد الا زيد ان يكون الا زيد صفة وعليه اكثر المتاخرين تمسكا بقوله

سے ایک اور مانع (اس کے علاوہ بھی) ہے اور وہ یہ کہ اگر الا کو استثناء پر محمول کیا جائے تو آیت کا معنی یوں ہوجائے گا لو کان فیہما آلهة مستثنی عنہا اللہ تعالیٰ لفسدتا اور یہ معنی اس بات پر ہی دلالت کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ایسے خدا نہیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہو اور اس معنی (کے اعتبار) سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ (اس معنی میں) جائز ہوگا کہ اس وقت آسمانوں اور زمین میں ایسے آلهہ ہوں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ نہ ہو برعکس آنکہ جب الا صفت کے لئے غیر کے معنی میں ہو کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور جب آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہ ہوا تو ضروری ہے کہ معبود متعدد نہ ہوں کیونکہ تعدد آلهة (کئی ایک خداؤں کا ہونا) باہمی جھگڑے کو مستلزم ہے ((اور ضعیف ہے)) الا کا غیر پر محمول کرنا ((اس کے غیر میں)) یعنی جمع منکور غیر محصور کے غیر میں (الا کا غیر پر حمل ضعیف ہے) کیونکہ اس وقت استثناء صحیح ہے اور سیبویہ کا مذہب صحت استثناء کے باوجود الا کے صفت واقع ہونے کا (بلا ضعف) جواز ہے سیبویہ نے کہا ہے کہ تمہارے قول ما اتانی احد الا زید میں یہ بات جائز ہے کہ الا زید صفت ہو اور (عمرو بن معدیکرب) کے قول سے تمسک

تعذر استثنار کی تو اس کی ضرورت تھی جبکہ الٰہ کا اللہ میں دخول یا اس سے خروج متحقق ہو تعذر استثنار کی اس کے علاوہ ہے کہتے ہیں کہ آیت میں الا کو بمعنی استثنار محمول کرنے پر ایک مانع اور موجود ہے اور وہ یہ کہ الا کو استثنار پر محمول کیا جائے تو معنے یہ ہوں گے لو کان فیہما آلهۃ مستثنے عنہا اللہ تعالےٰ لفسدتا یعنی اگر آسمان و زمین میں چند معبود ہوتے کہ جن سے اللہ تعالیٰ مستثنے ہے تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا پس اس صورت میں اس سے صرف اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ آسمان و زمین میں ایسے آلهہ نہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنے ہے پس اس سے وحدانیت باری تعالیٰ ثابت نہیں ہو سکتی حالانکہ آیت اثبات وحدانیت کے لیے بیان کی گئی ہے اس لئے کہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ ایسے آلهہ تو نہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنے ہے البتہ ایسے آلهہ ضرور موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنے نہیں پس ان آلهہ کی موجودگی فساد نظام کے لئے مضر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ معنی مقصد کے خلاف اور مفضی الی الشرک ہیں نہ یہ کہ اس آیت سے توحید باری کا اثبات ہو پس لامحالہ الا کو غیر پر محمول کرنا پڑے گا کیونکہ اس سے یہ معنی حاصل ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمان و زمین میں کوئی معبود ہے ہی نہیں تو واجب اور یقینی ہوا کہ متعدد معبود نہیں ہو سکتے اس لیے کہ تعدد جنگ و جدال اور فساد نظام کو مستلزم ہے پس اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ثابت ہو گیا وہو المقصود منہا واللہ اعلم۔

لغات قولہ وضعف الخ اور الا کو غیر پر بمعنے صفت محمول کرنا جبکہ الا جمع منکر غیر محصور کے بعد واقع نہ ہو ضعیف ہے اس لئے کہ اس وقت استثنار صحیح ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس جگہ مصنف کو مناسب یہ تھا کہ وہ لفظ امتناع یا لم یجز کہتے لفظ ضعف کہنے کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب شارح ومذہب سیبویہ الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس جگہ ضعیف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر نحوی الا کو صفت کے لئے غیر پر غیر جمع منکر غیر محصور میں بھی محمول کرتے اور اس کو جائز کہتے ہیں لہذا امتناع یا لم یجز کہنا مناسب نہیں تھا پس سیبویہ اس امر کے جواز کے قائل ہیں کہ الا صحت استثنار

کے باوجود بھی صفت پر محمول کیا جا سکتا ہے پس مثلاً ما اتانی احدٌ الا زیدٌ میں الا زیدٌ صفت پر بھی محمول ہو سکتا ہے اور استثنار پر بھی ای الا زیداً اور اسی طرف اکثر متاخرین گئے ہیں کہ الا میں دونوں وجہیں جائز ہیں اور اس کو صفت پر محمول کرنے کے لئے تعذر استثنار کی قید ضروری نہیں پس

شعر وکل اخٍ مفارقه اخوه …. لعمر ابیك الا الفرقدان

فالفرقدان صفة لکل اخ لا استثناء منه والا وجب ان یقال الفرقدین بالنصب وحمل المصؒ ذلك علی الشذوذ وقال فی البیت شذوذان آخران احدهما وصف کل دون المضاف الیه والمشهور وصف المضاف الیه اذ هو المقصود وکل لافادة الشمول فقط وثانیهما الفصل بالخبر بین الصفة والموصوف وهو قلیل وَاِعْرَابُ سِوَی وَسَوَاءُ النَّصْبُ عَلَی الظَّرْفِ ای بناء علی ظرفیتهما لانك اذا قلت جاء نی القوم سوی او سواء زید فکانك

کرتے ہوئے اکثر متاخرین اسی مذہب پر ہیں شعر وکل اخ مفارقہ اخوہ ؛ لعمر ابیک الا الفرقدان کل اخ کے لئے صفت ہے اس سے استثناء نہیں ورنہ ضروری ہے کہ الفرقدین نصب سے کہا جائے اور مصنف نے اس بیت کو شذوذ پر محمول کیا اور کہا کہ بیت میں دو شذوذ اور ہیں ایک تو کل کی وصف لانا ہے (یعنی مضاف کی وصف لائی گئی) مضاف الیہ کی نہیں حالانکہ مشہور مضاف الیہ کی وصف ہے کیونکہ وہی مقصود ہوتا ہے اور کل تو صرف شمول (وعموم افراد) کا فائدہ دینے کے لئے ہے اور دوسرا شذوذ صفت اور موصوف کے درمیان خبر کا فصل ہے اور وہ قلیل ہے ((اور سوی اور سوا کا اعراب بنا بر ظرف نصب ہے)) یعنی ان دونوں کے ظرف ہونے کی بنا پر کیونکہ جب تم کہو جاء نی القوم سوی یا سواء

متاخرین اپنے استدلال میں شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں ؎

وکلُّ اخٍ مُفَارِقُهٗ اخوهٗ

لعمر اَبِیْكَ الّا الفرقدان

اس شعر میں کل اخ مبتدا ہے اور مفارقہ اس کی خبر اور اخوہ خبر کا فاعل اور عمر بالفتح و بالضم بقار کو کہتے ہیں اور قسم کے موقعہ پر بفتح العین استعمال کیا جاتا ہے پس یہ مبتدا ہے اور لام ابتداء کی تاکید کے لئے ہے اور خبر اس کی محذوف ہے یعنی قسمی ای لعمر ابیک قسمی اور فرقدان دو ستارے ہیں جو قطب سے قریب ہیں اور یہ ہمیشہ پاس پاس رہتے ہیں کبھی جدا نہیں ہوتے پس شاعر کہتا ہے کہ تیرے باپ کی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہر بھائی اپنے بھائی سے جدا ہونے والا سوائے فرقدان کے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے حاصل اس کا یہ

ہے کہ دو ملنے والے کبھی ملے ہوئے نہیں رہ سکتے ایک نہ ایک دن ضرور ان کو ایک دوسرے سے جدا ہو جانا ہے خواہ یہ جدائی موت ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو پس اس شعر میں فرقدان کل اخ کی صفۃ صفت کے باعث حالت رفع میں ہے کل اخ سے مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ اس کا منصوب ہونا ضروری ہوتا اس لئے کہ مستثنیٰ جب کلام موجب میں واقع ہو تو اس میں نصب واجب ہوتا ہے پس حالت نصب میں اس کو الا الفرقدین پڑھتے لہذا معلوم ہوا کہ فرقدان کل اخ کی صفۃ ہے ای کل اخ ہو غیر الفرقدین مفارقہ اخوہ لعمر ابیک واللہ اعلم۔

۲۰۲ قولہ وحمل المص الخ یہاں سے شارح یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف نے متاخرین اور سیبویہ کے مذہب کو ضعیف کیوں کہا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہی ہے کہ یہاں استثناء صحیح ہے اور الا الفرقدین بالنصب پڑھ سکتے ہیں اور الا میں استثناء اصل اور حقیقۃ ہے پس اصل و حقیقۃ کے ہوتے ہوئے غیر اصل اور مجاز کو اختیار کرنا ضعیف نہیں ہوگا تو کیا ہوگا پس جب یہ ضعیف ہوا تو اس میں شذوذ بھی پیدا ہو گیا لہذا مصنف نے اس کو شذوذ پر محمول کیا ہے پھر مصنف نے کہا ہے کہ اس کے علاوہ اس میں دو شذوذ اور موجود ہیں ایک تو یہ الا الفرقدان کل کی صفت بنایا گیا ہے نہ کہ مضاف الیہ کی حالانکہ مشہور یہ ہے کہ صفۃ مضاف الیہ کی لائی جاتی ہے جیسے کل رجل عالم اس لئے کہ مقصود کلام سے کل کا مضاف الیہ ہی ہوتا ہے اور لفظ کل فقط افادۂ شمول اور عموم افراد کے لئے ہوتا ہے یعنی مضاف الیہ لفظ کل کے باعث اپنے تمام افراد کو شامل ہو جائے اور دوسرا شذوذ اس میں یہ ہے کہ موصوف اور صفۃ کے درمیان خبر کے ساتھ فاصلہ لایا گیا ہے یعنی کل اخ موصوف اور الا الفرقدان اس کی صفۃ کے درمیان مفارقہ اخوہ فاصل ہے اور یہ قلیل ہے اگرچہ یہ فاصلہ موصوف و صفۃ کے مغایر ہونے کے باعث جائز ہے مگر شذوذ سے خالی نہیں لفظۃ پس اس میں استثناء کو ترجیح ہوگی اور الا کو صفۃ پر محمول کرنا ضعیف واللہ اعلم ۱۲

۲۰۳ قولہ واعراب سوی الخ یہاں سے مصنف سوی اور سواء کے اعراب کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ سوی اور سواء کا اعراب ظرفیۃ کی بنا پر نصب ہے۔ اصح مذہب پر پھر یہ ظرفیۃ مقدرہ ہوگی محقق نہیں اور ظرفیۃ کی وجہ یہ ہے کہ جب مثلاً جاء نی القوم سوی یا سواء زید کہا جائیگا تو گویا کہ جاء نی القوم مکان زید کہا گیا اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بجائے زید کے سب قوم آئی زید نہیں آیا اور یہ مذہب سیبویہ کا ہے اور یہی اصح ہے اس لئے کہ اس میں معنی کے اعتبار سے قرب ہے یعنی سوی

قلت مکان زید علی المذہب الاصح وھو مذہب سیبویہ فہما عندہ لازما الظرفیۃ وعند ۴۰۴ الکوفیین یجوز خروجھما عن الظرفیۃ والتصرف فیھما رفعا ونصبا وجرا کغیر متمسکین بقول الشاعر شعر

ولم یبق سوی العدوا ن دناھم کما دانو

وزعم ۴۰۵ الاخفش ان سواء اذا اخرجوہ عن الظرفیۃ ایضا نصبوہ استنکارا لرفعہ فیقولون جاءنی سواءک وفی الدار سواءک ومثل ھذا فی استنکار

زید گویا کہ تم نے کہا (جاء نی القوم) مکان زید (اصحیح تر) مذہب (پر) اور وہ سیبویہ کا مذہب ہے کہ اس کے نزدیک یہ دونوں ظرفیت کو لازم ہیں اور کوفیوں کے نزدیک ان دونوں کا ظرفیت سے خروج اور (حسب تقاضائے عامل) ان میں رفع و نصب و جر کی رو سے تصرف جائز ہے غیر کی طرح شاعر کے قول سے تمسک کرتے ہوئے شعر۔ ولم یبق سوی العدوا ن دناھم کما دانو (سوی لم یبق کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے) اور اخفش کا خیال ہے کہ سواء کو جب کوفیوں نے ظرفیت سے خارج کیا تو بھی انہوں نے اس کے رفع کو پسند نہ کرنے کی وجہ سے اس کو نصب دی پس وہ کہتے ہیں جاءنی سواءک (سواءک کی نصب سے اگرچہ یہ جاء کا فاعل ہے) اور فی الدار سواءک (اگرچہ سواء ظرف کا فاعل ہے کہ ان کے نزدیک ظرف کسی شئ پر اعتماد کے بغیر فاعل ظاہر میں عمل کرتی ہے مگر .... سواءک مبتدا ہے اور فی الدار خبر ہے) اور اس

اور سوار میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں پس یہ دونوں سیبویہ کے نزدیک لازم الظرفیۃ ہوں گے اور یہ ہر حال میں منصوب ہوں گے واللہ اعلم

۴۰۴ قولہ وعند الکوفیین الخ اس جگہ کوفیین کا تقابل صرف سیبویہ سے اس لئے ٹھیرایا گیا ہے کہ سیبویہ راس البصریین ہیں پس ان سے تقابل گویا کہ بصریین سے تقابل ہے پس کوفیین کے نزدیک ان دونوں کا ظرفیۃ سے خروج جائز ہے اور ان میں رفع ونصب جر کے ساتھ غیر کی طرح تصرف کر سکتے ہیں اور یہ شاعر کے اس شعر سے دلیل پکڑتے ہیں

شعر

ولم یبق سوی العدوان
دناہم کما دانوا

کہ اس میں سوی مرفوع ہے باعراب تقدیری عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح اس لئے کہ یہ لم یبق کا فاعل ہے اور اس میں ظرفیۃ کے معنی نہیں یہ شعر سہیل بن شیبان کا ہے اور مکمل شعر اس طرح ہے

فلما صبح الشر وامسی وہو عریان
ولم یبق سوی العدوان دناہم کما دانوا

اس میں اصبح اور امسی دونوں تامہ ہیں ناقصہ نہیں پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب عداوت صبح وشام میں حالت برہنگی میں داخل ہو گئی یعنی خوب ظاہر ہو گئی اور سوائے دشمنوں کے قریہ میں کوئی باقی نہیں رہا یا سوائے ظلم صریح کے اور کچھ باقی نہیں رہا تو ہم نے ان کو ایسی سزا دی جیسا انھوں نے کیا یعنی انکے کئے کے مطابق ہم نے ان کو سزا دی دان یدین باب ضرب سے آتا ہے اور اس کے معنے جزا اور بدلہ دینے کے ہیں اسی سے یوم الدین ہے اس لئے کہ قیامت میں تمام افعال واعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور دنا ماضی معروف سے جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ بصریین کی طرف سے اس شعر کا یہ

جواب دیا جاتا ہے کہ یہ اصل میں ظرف مکان کے لئے ہی ہے مگر کبھی ظرف کو معنی بدل کی طرف بطریق مجاز واستعارہ منتقل کر لیتے ہیں اس لئے کہ لفظ مکان بدل کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے انت لی مکان عمرو ای بدل عمرو یعنی تو میرے واسطے عمرو کے بدلہ میں ہے اس لئے کہ بدل مبدل منہ کی جگہ میں ہوتا ہے پس جاءنی زید سوی عمرو ای بدل عمرو کہا جا سکتا ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ اصل میں ظرف ہے اور شعر میں معنی مراد کے مطابق غیر ظرف مجازا پس شعر مذکور میں سیبویہ سوی کو ظرفیۃ کی بنا پر منصوب قرار دیتے ہیں اصل کا لحاظ کرتے ہوئے اگرچہ اس میں فاعل ہونے کے باعث رفع واجب ہے اور کوفیہ حال معنی کی رعایت کرتے ہوئے اس میں جواز رفع علی

الفاعلیۃ کے بھی قائل ہیں اور حاصل معنی یہ ہے کہ سوی استثناء کے لئے واقع ہو رہا ہے اور استثناء میں معنی ظرفیۃ نہیں واللہ اعلم

۴۰۵ قولہ وزعم الاخفش الخ کوفیین جب سوی اور سواء کو ظرفیۃ سے خارج کرنا جائز سمجھتے ہیں اور پھر ان کو بجائے غیر پر محمول کرنے کے نصب دیتے ہیں تو اخفش نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ رفع کو مکروہ سمجھتے ہوئے نصب دیتے ہیں یعنی اس میں ظرفیۃ کی ہی رعایت کرتے ہیں پس جاءنی سواءک وفی الدار سواءک بفتح الہمزۃ کہتے ہیں حالانکہ پہلی جگہ سواء کو فاعل اور دوسری جگہ مبتدا مؤخر ہونے کی بنا پر مرفوع ہونا چاہئے اور اسی طرح اس صورت میں کہ جس میں نصب علی الظرفیۃ غالب ہو استنکار رفع کی وجہ سے قول باری تعالیٰ لقد تقطع بینکم بین

الرفع فیما غلب انتصابه علی الظرفیة قوله تعالی لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنُكُمْ بالنصب خَبَرُ كَانَ وَ اَخَوَاتِهَا وستعرفها فی قسم الفعل ان شاء الله تعالی هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا ای دخول کان او احدی اخواتها والمراد ببعدیة المسند لدخولها ان یکون اسناده الی اسمها واقعا بعد دخولها علی اسمها وخبرها ولا شك ان ذلك انما یتصور بعد تقرر الاسم والخبر فالاسناد الواقع بین اجزاء الخبر المقدم علی تقرره لا یکون بعد دخولها بل یکون قبله فلا ینتقض التعریف بمثل کان زید یضرب ابوه ولا بمثل کان زید

کے مثل کراہت رفع میں جس میں کہ بنا برظرفیت منصوب ہونا غالب ہے اللہ تعالیٰ کا قول لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنُكُمْ (بین کی) نصب سے ہے (کان اور اس کے اخوات کی خبر) اور فعل کی قسم میں انشاء اللہ تعالیٰ تم اخوات کان کو معلوم کرو گے (وہ مسند ہے کان کے دخول کے بعد) یعنی کان یا اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے دخول کے بعد اور کان کے دخول کیلئے مسند کے بعد میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ کان (یا اس کے اخوات) کی خبر کی اسناد اس کے اسم کی طرف کان کے اپنے اسم اور اپنی خبر پر داخل ہونے کے بعد واقع ہو اور اس میں شک نہیں کہ یہ (بعدیت) اسم اور خبر کے تقرر کے بعد ہی متصور ہو سکتی ہے (یعنی بعد ازاں کہ اسم کان کا اسم اور خبر اس کی خبر قرار پائے) پس وہ اسناد جو (کان زید یضرب ابوہ یا کان زید ابوہ قائم میں) خبر کے اجزاء کے درمیان واقع اور اس کے (کان کے لئے) خبر قرار پانے سے مقدم ہے وہ کان کے دخول کے بعد نہیں ہوتی بلکہ اس سے پہلے ہی ہے لہذا (خبر کان واخواتہا کی) تعریف کان زید یضرب ابوہ کے مثل سے منقوض نہ ہوگی اور نہ ہی کان زید ابوہ قائم کے

کے نصب کے ساتھ ہے حالانکہ اس میں بین کو فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہونا چاہیے تھا پس چونکہ بین اکثر ظرف واقع ہوا کرتا ہے اسلئے اس کو منصوب ہی پڑھیں گے واللہ اعلم ۱۲

۴۰۶ قولہ خبر کان الخ اسکے اخوات انشاء اللہ بحث فعل میں معلوم ہوں گے اس لئے کہ یہ افعال ناقصہ ہیں خبر کان اور اس کے اخوات کی تعریف یہ ہے کہ اس کے داخل ہونے کے بعد جو شئی مسند ہوتی ہے اس کو خبر کان و اخواتہا کہتے ہیں اس کی تفسیر شارح نے ای دخول کان الخ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یہ تعریف صحیح نہیں اس لئے کہ کان زیدٌ قائماً میں قائماً کان کی خبر ہے مگر یہ کان اور اس کے اخوات کے مجموعہ کے دخول کے بعد مسند نہیں بلکہ فقط کان کے دخول کے بعد مسند ہے حالانکہ بعد دخولہا کی ضمیر مجموعہ کی طرف راجع ہے جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دخول کان یا اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے دخول کے بعد مسند ہو نہ کہ مجموعہ کے دخول کے بعد اس لئے کہ خبر کان واخواتہا کہنا تفصیل کے لئے ہے نہ کہ مجموعہ مراد لینے کیلئے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں واللہ اعلم ۱۲

۴۰۷ قولہ والمراد الخ یہاں سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں تقریر سوال یہ ہے کہ تعریف مذکور دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ کان زیدٌ ابوہ قائمٌ اور کان زیدٌ یضرب ابوہ میں قائمٌ اور یضرب پر یہ تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ دونوں کان کے دخول کے بعد مسند ہیں حالانکہ یہ دونوں کان کی خبر نہیں بلکہ قائمٌ ابوہ کی خبر ہے اور ابوہ یضرب کا فاعل پس نہ تو قائمٌ کا اسناد زید کی طرف ہے اور نہ یضرب کا اس لئے کہ یضرب اور قائمٌ دونوں ابوہ کی طرف مسند ہیں پھر جملہ ہو کر کان کی خبر بنتے ہیں جواب یہ ہے کہ دخول کان اور اس کے اخوات کے سبب سے بعدیۂ مسند کا مطلب اور اس سے مراد یہ ہے کہ خبر کان کی اسناد کان کے اسم کی طرف کان کے اسم و خبر پر داخل ہونے کے بعد ہو کان کے دخول سے پیشتر نہ ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بعدیت اسی وقت متصور ہو سکتی ہے جبکہ اسم اور خبر کا تقرر ہو جائے پس جو اسناد اجزاء خبر کے درمیان واقع ہو اور وہ اسناد کان کے لئے تقرر اسم و خبر سے مقدم ہو تو وہ دخول کان کے بعد نہیں رہے گا بلکہ اس سے پیشتر معتبر ہو گا یعنی یضرب اور قائمٌ خبر کے جز ہیں اس لئے کہ یضرب ابوہ اور ابوہ قائمٌ جملہ ہو کر کان کی خبر واقع ہیں اور ظاہر ہے کہ جملہ خبر میں اجزاء ہوتے ہیں اور یہ اسناد جملہ کے کان کی خبر مقرر کئے جانے سے پہلے سے ہے دخول کان کے بعد نہیں اور شرط یہ ہے کہ اسناد دخول کان کے بعد ہو لہذا یہ اسناد دخول کان کے بعد کالعدم ہو گا اور اس کی خبر پورا جملہ ہو گی جو کہ کان کے اسم کی طرف مسند ہو گی پس تعریف اپنے افراد کو جامع ہے اور کان زید یضرب ابوہ اور کان زیدٌ ابوہ قائمٌ سے منقوض نہیں ہو گی بایں طور کہ یہ کہا جائے کہ یضرب اور قائمٌ پر معرف یعنی تعریف صادق آتی ہے اور یہ افراد معرف یعنی خبر کان سے نہیں اب اس جگہ عبارت شارح والمراد بعدیۃ پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس سے تعریف شئی لنفسہ لازم آتی ہے اس لئے کہ یہاں خبر کی تعریف بیان کی جا رہی

ابوہ قائم بان یقال یصدق علی یضرب وقائم فی ہذین المثالین المعرف ولیسا عن افراد المعرف ویمکن ان یقال فی جواب ہذا النقض ان المراد بدخولها ورودها للعمل فیما وردت علیہ کما سبقت الاشارۃ الیہ فی خبر ان واخواتہا مثل کان زید قائما وامرہ ای امر خبر کان واخواتہا کامر خبر المبتدا ای فی اقسامہ واحکامہ وشرائطہ علی ما سبق فی

مثل سے اسطرح (اعتراض نہیں کیا جاسکتا) کہ یضرب اور قائم پر ان دونوں مثالوں میں تعریف (یہاں لفظ معرف بروزن اسم مفعول مصدر میمی ہے بمعنی تعریف) صادق آتی ہے حالانکہ یضرب اور قائم معرّف (بہ صیغہ اسم مفعول) کے افراد سے نہیں (یعنی یضرب اور قائم کی اسناد ابوہ کی طرف کان کے دخول سے پیشتر تھی اور اس کے دخول سے فسخ نہیں ہوئی) اور اس اعتراض کے جواب میں ممکن ہے (یعنی یہ کہا جاسکتا ہے) کہ کان کے دخول سے مراد اس کا اس چیز میں عمل کرنے کے لئے وارد ہونا ہے جس پر کہ وہ وارد ہوا ہے جیسا کہ اس کی طرف ان اور اس کے اخوات میں پہلے اشارہ گذر چکا ہے (جیسے کان زید قائما اور اس کا معاملہ) یعنی کان اور اس کے اخوات کا معاملہ (مبتداء کی خبر کے معاملہ کی طرح ہے) اس کے اقسام اور اس کے احکام اور اس کے شرائط میں (اسی کی طرح ہے) بنا بر آنکہ مبتدا اور

اسی کو تعریف الشئے بنفسہ کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اخذ خبر فی تعریف الخبر نہیں ہے اور تعریف میں کہا جا رہا ہے کہ خبر کا اسناد اسم کی طرف کان کے اسم و خبر پر داخل ہونے کے بعد واقع ہو پس کان اسم و خبر پہ داخل ہو اور خبر ہی کی تعریف بیان کی جا رہی ہو تو یہ اخذ خبر فی تعریف الخبر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ بلکہ اخذ خبر فی تعریف التفسیر ہے اس لئے کہ اس سے شارح کا مقصود خبر کی تعریف کی تفسیر کرنا ہے نہ کہ ضمیر کی تعریف بیان کرنا اور اخذ شئے فی تفسیر الشئ جائز ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ان افعال کے اسم و خبر پر داخل ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ خبر کا اسناد اسم کی طرف کان کے دخول سے پہلے ہو کیونکہ اسم و خبر مل کر جملہ بنے گا اور جملہ میں اسناد ضروری ہے پس خبر کان کی تعریف اس کی خبر پر صادق نہیں آئے گی اس کا جواب یہ ہے کہ خبر کان کا اسناد اس کے اسم کی طرف کان کے دخول کے بعد ہی ہوگا پہلے نہیں اس لئے کہ جو اسناد کان کے دخول سے پیشتر ہوگا وہ کان کی خبر کا اسناد نہیں ہوگا بلکہ مبتدا کی خبر کا اسناد ہوگا اور ظاہر ہے کہ اسناد ثانی عین اول نہیں لہذا اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اسناد ثانی دخول کان کے بعد متغیر ہو جائیگا اور اسم و خبر پر کان کے داخل ہونے کے سبب سے اسناد آخر حاصل ہوگا واللہ اعلم۔

۴۰۸ قولہ ویمکن الخ اس سے شارح کا منشا بطریق دیگر اسی سوال کا جواب دینا ہے جو کان زید یضرب ابوہ وغیرہ سے وارد ہوتا ہے کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس نقض کے جواب میں یہ کہا جائے کہ دخول کان سے مراد اس چیز میں عمل کرنے کے لئے وارد ہونا ہے کہ جس پر وہ وارد ہوا ہے یعنی اسم و خبر پہ وارد ہو کر اسم کو رفع اور خبر کو نصب دے جیسا کہ خبر ان واخواتہا کے ضمن میں اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے دخول سے مراد ورود یعنی اثر کا پہنچانا ہے اور اثر کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی لفظی تو یہ ہے کہ اسم کو مرفوع اور خبر کو منصوب کرے اور معنوی یہ ہے کہ خبر کو اسم کے لئے ثابت کرے پس اس جگہ کان قیام اب کو زید کے لئے ثابت کرتا ہے نہ کہ صرف قیام کو پس کان کا دخول قیام اب یعنی جملہ ابوہ قائم پر متحقق ہوگا نہ کہ فقط قیام یعنی قائم پر کہ تعریف منتفی ہو ایسے ہی کان زید یضرب ابوہ سے کان زید کے لئے ضرب اب کو ثابت کرنے کے لئے ہے نہ کہ صرف ضرب کو پس کان کا دخول ضرب اب یعنی یضرب ابوہ پر متحقق ہوگا نہ کہ صرف یضرب پر واللہ اعلم ۱۲

۴۰۹ قولہ وامرہ ای الخ امر سے مراد حالت اور شان ہے اور اس کی تفسیر سے امرہ کا مرجع بیان کرنا مقصود ہے مطلب عبارت کا یہ ہے کہ خبر کان واخواتہا کا حال خبر مبتدا کے حال جیسا ہے یعنی خبر مبتدا کے معنی اقسام مفرد و جمع معرفہ و نکرہ اور احکام واحد یا متعدد و مثبت یا منفی محذوف یا مذکور اور شرائط کہ جب خبر جملہ ہو تو اس میں عائد ضروری ہے وغیرہ وغیرہ ہیں وہی خبر کان کے بھی ہیں مگر دونوں خبروں میں مابہ الامتیاز ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ اور تو سب چیزوں میں اتحاد ہے مگر جب کان کی خبر معرفہ ہو تو وہ اپنے اسم پر مقدم ہو سکتی ہے مبتدا کی خبر نہیں پس اس جگہ لکنہ کے اضافہ سے شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قول وامرہ الخ سے بمنزلہ استثناء اور استدراک کے ہے پھر معرفہ ہونے میں تعمیم ہے یعنی خواہ حقیقۃً معرفہ ہو جیسے کان المنطلق زیدٌ یا حکماً مثلاً نکرہ مخصصہ ہو جیسے کان خیراً من جاہلٍ رجلٌ عالم کہ اس میں خیراً نکرہ ہے مگر من جاہل سے اس میں تخصیص پیدا کر لی گئی یعنی مرد عالم کی خیریت جہالت کے اعتبار سے اعتبار آخر مثلاً پابندی صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے نہیں پس یہ تقدیم خبر اس وجہ سے جائز ہے کہ اس صورت میں اعراب کے اعتبار سے

بحث المبتدا والخبر ولکنه یَتَقَدَّمُ علی اسمها حال کونه مَعْرِفَةً حقیقة
او حکما کالنکرة المخصصة لاختلاف اسمها وخبرها فی الاعراب فلا
یلتبس احدهما بالآخر وذلک اذا کان الاعراب فیهما او فی احدهما
لفظیا نحو کان المنطلق زیدٌ او کان هذا زیدٌ بخلاف المبتدا والخبر فان
الاعراب فیهما لا یصلح للقرینة لاتفاقهما فیه بل لابد من قرینة دافعة
للبس وکذلک اذا انتفی الاعراب فی اسم کان وخبرها جمیعا ولا قرینة
هناک لا یجوز تقدیم الخبر نحو کان الفتی هذا وَقَدْ یُحْذَفُ ای
عامل خبر کان وهو کان لا خبر کان واخواتها لانه لا یحذف من هذه

خبر کی بحث میں گذرا (اور) لیکن (کان کی خبر) اس کے اسم پر (معرفہ ہونے کی حالت میں
مقدم ہو جاتی ہے) حقیقۃً (معرفہ ہو) یا حکماً جیسا کہ نکرہ مخصصہ ہے (جیسے کان خیراً من جاہل
عالم اور جب مبتدا کی خبر معرفہ یا نکرہ ہو تو مبتدا کی خبر پر تقدیم ضروری ہے تاکہ مبتدا وخبر
میں التباس واقع نہ ہو) کیونکہ کان کا اسم وخبر اعراب میں مختلف ہیں لہذا ان کا ایک دوسرے
سے التباس نہ ہوگا (اس لئے کان کی خبر میں تقدم وتاخیر جائز ہے) اور وہ (یعنی کان کی خبر کی
تقدیم کا جواز) اس وقت ہے جبکہ اعراب دونوں یا دونوں میں سے ایک میں لفظی ہو جیسے
کان المنطلق زیدٌ یا کان ھذا زید مبتدا وخبر کے برعکس کہ ان دونوں (مبتدا وخبر) میں اعراب
قرینے کے لئے صالح نہیں ہے (دونوں مرفوع ہوتے ہیں کوئی قرینہ نہیں جو مبتدا کے مبتدا وخبر
کے خبر ہونے پر دلالت کرے کیونکہ دونوں اعراب (رفع) میں متفق ہیں، بلکہ ایسے قرینے کا ہونا
ضروری ہے جو التباس دور کرے (جب قرینہ نہ ہوگا تو ضروری ہوگا کہ مقدم مبتدا اور مؤخر
خبر ہوگا) اور اسی طرح (جیسا کہ مبتدا کی خبر پر تقدیم ضروری ہے) جب کان کے اسم اور
اس کی خبر دونوں میں اعراب (لفظی) منتفی ہو جائے اور یہاں قرینہ نہ ہو تو خبر کی تقدیم جائز
نہیں جیسے کان الفتی ھذا (اور کبھی اس کا عامل محذوف ہوتا ہے) یعنی کان کی خبر کا عامل اور
وہ عامل لفظ کان ہے کان اور اس کے اخوات کی خبر (کا عامل) نہیں (جیسا کہ بعض نے عاملہ
کی ضمیر کو مطلق رکھا ہے کہ وہ کان اور اس کے اخوات کی طرف لوٹتی ہے یعنی کان اور اس کے
اخوات کی خبر کا عامل یعنی خود کان اور اس کے اخوات حذف بھی ہو جاتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ ضمیر

کیونکہ اسم وخبر میں التباس لازم آئیگا کہ
معلوم نہیں کون خبر ہے اور کون اسم پس اس
صورت میں اس کا حال مبتدا کی خبر کے
حال جیسا ہوگا اور خبر مبتدا کا حال بخلاف
المبتدا والخبر الخ سے شارح یہ بیان کرتے
ہیں کہ یہ دونوں اعراب کے اعتبار سے
متفق ہیں یعنی دونوں مرفوع ہوتے ہیں لہذا
کسی ایک میں بھی اعراب میں قرینہ بننے کی
صلاحیت نہ ہوگی لہذا تقدیم خبر سے مخاطب
کو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس میں خبر کون ہے
اور مبتدا کون؟ بلکہ التباس دور کرنے کے
لئے قرینہ کی ضرورت ہوگی اور قرینہ موجود
نہیں لہذا تقدیم خبر علی المبتدا خبر کے معرفہ
ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہوگی پس
ایسے ہی جب اسم کان اور اس کی خبر میں خبر
کے معرفہ ہونے کے وقت اعراب لفظی منتفی
ہوگا تو کوئی قرینہ اس جگہ بھی نہیں پایا
جائیگا لہذا تقدیم خبر کان کے اسم پر جائز
نہ ہوگی جیسے کان الفتی ہذا واللہ اعلم

قولہ وقد یحذف الخ اور
کبھی خبر کان کے عامل یعنی کان کو حذف
کر دیتے ہیں اب اس جگہ یہ اعتراض وارد ہوتا
ہے کہ عاملہ کی ضمیر خبر کان واخواتہا جمیعاً
کی طرف راجع ہو رہی ہے پس اس سے یہ
سمجھ میں آتا ہے کہ کان کے اخوات کو بھی
حذف کرنا جائز ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کا
جواب شارح نے وہو کان لا خبر کان الخ
سے یہ دیا ہے کہ اس کا مرجع صرف کان
ہے اس کے اخوات نہیں اس لئے کہ افعال
ناقصہ سے صرف کان کا حذف جائز ہے اس کے
اخوات کا نہیں اقوال اگرچہ صرف کان اس کا مرجع
بن سکتا ہے مگر یہ اچھا نہیں اس لئے کہ اس سے
پہلے تمام ضمائر مجموعہ کی طرف راجع کی گئی ہیں صرف
کان کی طرف نہیں نیز یہ کہ ماقبل میں صرف خبر کان
کا ذکر نہیں بلکہ کان اور اس کے اخوات دونوں کی

اسم وخبر دونوں مختلف ہوں گے یعنی خبر منصوب
ہوگی اور اسم مرفوع ہوگا پس دونوں ایک
دوسرے سے ملتبس نہیں ہونگے مگر یہ اس
وقت جائز ہے جب کہ دونوں کا اعراب
لفظی ہو جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں یا ایک

کا لفظی اور ایک کا تقدیری ہو جیسے کان
ہذا زید کہ اس میں ہذا کا اعراب تقدیری
ہے اور زید مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ ہذا
کان کی خبر ہے اور اگر دونوں کا اعراب
تقدیری ہوگا تو یہ تقدیم جائز نہ ہوگی

الافعال الا کان وانما اختصت بهذا الحذف لكثرة استعمالها فِی مِثْلِ النَّاسُ الْمَجْزِيُّوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ وَيَجُوْزُ[411] فِی مِثْلِهَا ای فی مثل هذه الصورة وهی ان يجیٔ بعد ان اسم ثم فاء بعدها اسم اَرْبَعَةُ اَوْجُهٍ نصب الاول ورفع الثانی وهو اقواها ای ان كان عمله خيرًا فجزاءه خيرٌ ونصبهما نحو ان خيرا فخيرًا على معنى ان كان عمله خيرًا فكان جزاؤه خيرًا ورفعهما نحو ان خير فخير ای ان كان فی عمله خير فجزاؤه خيرٌ وعكس الاول نحو ان خير فخيرًا ای ان كان فی عمله خير فكان جزاؤه خيرًا وقوة[412] هذه الوجوه وضعفها بحسب قلة الحذف وكثرته وَيَجِبُ[413] الْحَذْفُ ای حذف عامله يعنی كان فِی مِثْلِ اَمَّا

صرف کان کی طرف راجع ہے) کیونکہ ان افعال (ناقصہ) میں سے کان کے سوا کوئی محذوف نہیں ہوتا اور اس حذف کو کان کے ساتھ ہی خاص کیا گیا کان کے کثرت استعمال کی وجہ سے (اور اس لئے بھی کہ کان متعدد معانی کے لئے آتا ہے اور اس کے اخوات ایسے نہیں لہذا کان ام الباب ٹھہرا اسی لئے اس میں حذف وغیرہ سے توسیع کی گئی) ((الناس المجزیون باعمالہم ان خیرا فخیر و ان شرا فشر کے مثل میں اور جائز اس کے مثل میں)) یعنی اس صورت کے مثل میں اور وہ صورت یہ ہے کہ ان (شرطیہ) کے بعد ایک اسم ہو (یعنی پہلے اِن شرطیہ ہو اور ان شرطیہ کے بعد ایک اسم) پھر فا (جزائیہ) ہو اس کے بعد ایک اور اسم ہو یعنی اس اسم آخر کے شروع میں فائے جزائیہ ہو ((چار طریقے ہیں)) پہلے (اسم) کی نصب اور دوسرے (اسم) کا رفع اور یہ ان سب طریقوں سے قوی تر ہے یعنی ان کان عملہ خیرا فجزاءہ خیر اور دونوں (اسموں) کی نصب جیسے ان خیرا فخیرا اس معنی کی بنا پہ کہ ان کان عملہ خیرا فکان جزاءہ خیرا اور دونوں (اسموں) کا رفع جیسے ان خیر فخیر یعنی ان کان فی عملہ خیر فجزاءہ خیر اور (قسم) اول کا عکس جیسے ان خیر فخیرا یعنی ان کان فی عملہ خیر فکان جزاءہ خیرا اور ان وجوہ (اربعہ) کی قوت اور ان کا ضعف حذف کی قلت وکثرت کے اعتبار سے ہے)) اور حذف واجب ہے)) یعنی اس کے عامل کا یعنی کان کا ((اَمَّا

خبر کا ذکر ہے لہذا مصنف کو یہ چاہیئے تھا کہ وہ وقد یحذف کان کہتے مگر شاید جواب میں یہ کہہ دیا جائے کہ مثال سے صرف کان کا حذف ثابت ہو رہا ہے اور مثال کا ممثل کے مطابق ہونا ضروری ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ مصنف نے مثال کو افادۂ تقیید کے لئے بیان کیا ہو اسی واسطے مصنف نے فی مثل اضافہ کے ساتھ کہا ہے بدون ذکر فی کے مثل یا نحو نہیں کہا پس اس میں مصنف نے تفنن طبع کی رعایت کی ہے ورنہ اولیٰ یہی تھا کہ وقد یحذف کان کہتے اور کان میں اس کے حذف کے انحصار کی وجہ یہ ہے کہ اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہے اور کثرت استعمال اس امر کو مقتضی ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کو حذف بھی کر دیا جائے جیسے الناس مجزیون باعمالہم الخ میں ان خیر فخیر و ان شراً فشرٌ سے کان محذوف ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۴۱۱ قولہ ویجوز الخ اس جگہ مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے کہ جس میں ان شرطیہ کے بعد اسم ہو اور اس کے بعد فا اور پھر فا کے بعد اسم جیسے ان خیراً فخیرٌ کہ خیرا اور خیرٌ بصورت مذکورہ اسم واقع ہیں پس اس جیسی تراکیب میں چار وجہیں جائز ہیں (۱) نصب اول رفع ثانی اور یہ سب سے اقوی وجہ ہے اس لئے کہ اس میں قلت حذف ہے نیز فا کے بعد اکثر جملہ اسمیہ جزا ہوتا ہے بہ نسبت فعلیہ کے پس اس صورت میں تقدیر عبارت یوں ہو گی ان کان عملہ خیرا فجزاءہ خیرٌ (۲) اول و ثانی دونوں کا نصب جیسے ان خیراً فخیراً اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ان کان عملہ خیرا فکان جزاءہ خیراً (۳) دونوں کا رفع جیسے ان خیرٌ فخیرٌ ای ان کان فی عملہ خیرٌ فجزاءہ خیرٌ (۴) صورت اول کا عکس یعنی اول کو رفع اور ثانی نصب جیسے ان خیرٌ فخیراً ای ان کان فی عملہ خیرٌ فکان جزاءہ خیراً واللہ اعلم۔

۴۱۲ قولہ قوۃ ہذہ الخ یعنی ان وجوہ اربعہ کا قوی اور ضعیف ہونا قلت وکثرت حذف کے اعتبار سے ہے پس وجہ اول سب سے زیادہ قوی اور افضل ہے اور رابع سب سے زیادہ کمزور اور ثانی و ثالث متوسط اس لئے کہ اول میں سے تین چیزیں حذف کی گئی ہیں شرط سے کان اور اس کا اسم اور جزا سے مبتدا اور رابع میں پانچ امور محذوف ہیں شرط سے کان اور اور خبر اور جزا سے کان اور اس کا اسم اور ثانی و ثالث میں چار چار چیزیں حذف کی گئی ہیں پس ثانی میں شرط سے کان اور اس کا اسم اور جزا سے بھی کان اور اس کا اسم اور ثالث میں شرط سے کان جار اور خبر اور جزا سے مبتدا واللہ اعلم ۱۲۔

۴۱۳ قولہ ویجب الحذف الخ اور اما انت منطلقا انطلقتُ کے مثل میں کان کو حذف کرنا واجب ہے مثل سے مراد اس جگہ ہر وہ ترکیب ہے جس میں کان کو حذف کر کے اس کے عوض کسی دوسری چیز کو لائیں پس اس جگہ سے حذف کان اس وجہ سے واجب ہے کہ اگر کان کو ذکر کریں گے تو عوض

اَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتَ اَیْ لِاَنْ کُنْتَ منطلقا انطلقت فاصل اما انت لان کنت حذفت اللام قیاسًا ثم حذفت کلمة کان اختصارًا فانقلب الضمیر المتصل منفصلا وزیدت لفظة ما بعد ان فی موضع کان عوضًا عنها وادغمت النون فی المیم وابقی الخبر علی حاله فصار اما انت منطلقا انطلقت وهذا علی تقدیر فتح الهمزة واما علی تقدیر کسرها فالتقدیر ان کنت منطلقا انطلقت فعل به ما عمل بالاول من غیر فرق الا حذف اللام اذ لا لام فیه واقتصر المص علی الاول لانه اشهر اِسْمُ

اَنَّ وَاَخَوَاتِهَا وستعرفها فی قسم الحرف ان شاء الله تعالیٰ هُوَ الْمُسْنَدُ

انت منطلقا انطلقت یعنی لِاَنْ کُنْتَ منطلقا انطلقت)) تو (نحاۃ بصریہ کے نزدیک) اما انت کی اصل لِاَن کنت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (لان کنت میں لام جارہ ہے جو انطلقت سے متعلق ہے اور ان مفتوحہ مصدریہ ہے واصلہ انطلقت لِاَن کنت منطلقا یعنی انطلقت لاجل انطلاقک) تو لام (جارہ) کو قیاسی (وجوازی) طور پر حذف کیا گیا (کہ ان مصدریہ ومشددہ سے حرف جر کا حذف قیاسی ہے) پھر اختصار کے لئے کان کے کلمہ کو حذف کیا گیا تو ضمیر متصل منفصل سے بدل گئی (جیسا کہ عنقریب مذکور ہوگا کہ تنہا عامل کا حذف ضمیر متصل کو منفصل کر دیتا ہے) اور ان کے بعد لفظِ ما کو کان کے محل میں کان کے عوض زائد کیا گیا (تو ان ما انت ہوگیا) اور (ان کے) نون کو (ما کے) میم میں (قرب مخرج کی وجہ سے) مدغم کیا گیا) اور (کان کی) خبر کو اپنے حال پر (منصوب) باقی رکھا گیا لہٰذا اما انت منطلقا انطلقت ہوگیا اور یہ (عمل) ہمزہ کی فتح کی تقدیر (کی بنا) پر ہے اور لیکن ہمزہ کی کسرہ کی تقدیر (کی بنا) پر (کما ہو عند الکوفیین) تقدیر (یعنی اصل عبارت اما انت) ان کنت (ان شرطیہ ہے) منطلقا انطلقت ہے تو اس کے ساتھ ... کسی فرق کے بغیر حذف لام کے سوا وہی عمل کیا گیا جو اول کے ساتھ عمل کیا گیا. کیونکہ اس (ثانی) میں لام (سرے سے) تھی ہی نہیں اور مصنف نے اول پر اکتفا کیا (اور دوسرے کی اصل بیان نہ کی) اس لئے کہ یہ مشہور تر ہے. ((ان اور اس کے اخوات کا اسم)) اور اُن (انّ اور اس کے اخوات کو عنقریب حرف کی قسم میں ان شاء اللہ تم معلوم کر لوگے) (وہ مسند الیہ ہے ان کے دخول

کر دیا گیا اور خبر یعنی منطلقًا کو اپنے حال پر باقی رکھا گیا پس اما انت منطلقا انطلقت ہوگیا اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ ما کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا جائے لیکن اگر اس کو مکسور پڑھا جائے تو اس کی تقدیر ان کنت منطلقًا انطلقت ہوگی پس جو کچھ تعلیل صورت اول میں کی گئی ہے وہی اس میں بھی جاری ہوگی بس صرف فرق یہ ہے کہ تقدیر اول میں حذف لام تھا اور اس میں حذف لام نہیں ہوگا اس لئے کہ اس میں لام موجود نہیں کیونکہ اس کے بغیر معنی درست ہو جاتے ہیں بخلاف اول کے کہ بغیر لام کے معنی درست نہیں ہوتے اس لئے کہ اس کے معنی ہیں انطلقت لاجل انطلاقک یعنی ہیں تیرے منطلق ہونے کی وجہ سے منطلق ہوا اور تقدیر ثانی کی بنا پر معنی ظاہر ہیں کہ دونوں شرط وجزا ہیں اور انطلاق کے معنی چلنے کے آتے ہیں پس دونوں صورتوں میں چونکہ کلمۂ ما فعل کان کے عوض میں ہے اس لئے کان کا حذف واجب ہوگا تاکہ عوض اور معوض کا اجتماع لازم نہ آئے اب رہی یہ بات کہ مصنف نے صرف صورت اولیٰ پر کیوں اکتفا کیا دونوں صورتیں کیوں نہیں بیان کیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اول زیادہ مشہور ہے اس لئے اس پر اقتصار کیا گیا واللہ اعلم ۔

سـ۱۷۵ قولہ اسم انّ الخ ان اور اس کے اخوات کا اسم بھی منصوبات سے ہے اس کے اخوات کا بیان انشاء اللہ بحث حرف میں ہوگا اس جگہ ان کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ وہ حروف ہیں اور حروف کے لئے بحث حرف ہی ہی جگہ ہو سکتی ہے ای بعد دخول الخ ت وہی اعتراض اور جواب مقصود ہے جو خبر کان کے بیان میں بعد دخولہا کی تفسیر میں گذر چکا ہے اسم انّ کی تعریف یہ ہے کہ انّ یا اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد جو مسند الیہ یعنی محکوم علیہ ہو وہ اسم انّ کہلاتا ہے جیسے انّ زیدًا قائمٌ کہ اس میں انّ کے دخول کے بعد زیدًا مسند الیہ ہے کہ قائم

اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے پس اس کی اصل لان کنت منطلقًا انطلقتُ تھی یعنی اما انت اصل میں لان کنت تھا پس اول لام کو حذف کیا گیا اس لئے کہ لام کا حذف اسم تاویلی سے قیاس کے مطابق اور بکثرت ہے اس کے

بعد کان کو اختصاراً حذف کیا گیا اور کنت کی ضمیر متصل کو ضمیر منفصل یعنی انت سے بدل لیا اور ان مصدریہ کے بعد کان کی جگہ پر اس کے عوض میں کلمۂ ما زائد کیا گیا اس لئے کہ کان کی طرح ما مصدریہ زمان پر دلالت کرتا ہے پھر نون کا میم میں ادغام

اِلَیۡهِ بَعۡدَ دُخُوۡلِهَا ای بعد دخول ان او احدی اخواتها مِثۡلُ اِنَّ
زَیۡدًا قَائِمٌ و بما عرفت من معنی البعدیة والدخول فیما سبق
اند فع انتقاض هذا التعریف ههنا ایضًا بمثل ابوه فی ان زیدًا ابوه
قائم اَلۡمَنۡصُوۡبُ بِلَا[۴۱۵] الَّتِیۡ لِنَفۡیِ الۡجِنۡسِ ای لنفی صفة الجنس وحکمه وانما
لم یقل اسم لا لانه لیس کله ولا اکثره من المنصوبات فلا یصح جعله
مطلقًا من المنصوبات لا حقیقةً ولا مجازًا بل المنصوب منه اقل مما
عداه فلا بد من التعبیر عنه بالمنصوب بها بخلاف ما عداه من المنصوبات
فان بعضها وان لم یکن کله من المنصوبات لکن اکثره منها فاعطی للاکثر
حکم الکل فعد الکل منها تجوزًا ولا[۴۱۶] یبعد ان یقع اسم لا هو المنصوب بها

کے بعد) یعنی ان یا اس کے اخوات کے دخول کے بعد (جیسے ان زیدا قائم) اور اس سے جو
تم نے ماسبق میں معلوم کیا یعنی بعدیت اور دخول کے معنی سے یہاں (منصوبات میں) ان
زیدا ابوہ قائم کے اندر ابوہ کے مثل سے (ان کے اسم کی) اس تعریف کا اعتراض بھی مندفع
ہوگیا (منصوب اس لا سے جو جنس کی نفی کے لئے ہے) یعنی (جو) جنس کی صفت اور اس کے
حکم کی نفی کے لئے ہے اور مصنف نے اسم لا نہیں کہا (بلکہ منصوب بہ لا کہا) کیونکہ لا کے تمام
اسم منصوبات سے نہیں ہیں اور نہ ہی اکثر (منصوبات سے ہیں) لہذا لا کے اسم کو مطلقا منصوبات
سے قرار دینا صحیح نہیں ہے نہ حقیقةً اور نہ مجازا (کہ اگر اکثر لا کا اسم منصوب ہوتا ہوتا تو
للاکثر حکم الکل کی رو سے اس پر منصوب ہونے کا حکم لگ جاتا) بلکہ لا سے منصوب اس کے
(اسم) غیر منصوب سے قلیل تر ہے ...... لہذا (یہاں پر) لا کے اسم کو منصوب بہ لا
سے تعبیر کرنا ضروری ہے (یہ بات) اس کے ماسوا منصوبات سے نہیں ہیں لیکن پھر ان
میں سے اگرچہ کل کے کل منصوبات ...... سے نہیں ہیں لیکن کچھ ان
میں سے اکثر منصوب ہیں تو اکثر کو مجازا کل کا حکم دیا گیا (اور وہ لفظا یا تقدیرا منصوب ہونا
ہے) اور بعید نہیں کہ (مصنف کے قول المنصوب بلا کی بجائے) کہا جائے اسم لا ہو المنصوب

کا اسناد اس کی طرف ہو رہا ہے لہذا اس کو اسم
انّ کہیں گے پھر یہ کہ خبر کان میں شارح نے
والمراد بعدیة المسند الخ سے جس سوال کا
جواب دیا تھا وہی سوال یہاں بھی وارد ہوتا ہے اور
وہی اس کا جواب ہے جو وہاں گذرا پس وہ نقض اس
جواب سے اس تعریف سے بھی دور ہو جائے گا
جیسے انّ زیدا ابوہ قائم میں ابوہ مذکورہ جواب کے
باعث باعث نقض نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

۴۱۵ قولہ المنصوب الخ اس کی تفسیر
ای لنفی صفة الجنس وحکمہ سے کر کے شارح نے ایک
سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ لا کی تفسیر
نفی جنس کے ساتھ کرنا جائز نہیں اس لئے کہ وہ نفی
جنس کے لئے نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ جنس کے لئے
ہو تو لا غلام رجل ظریف فیہا کہنے سے نقض لازم
آئیگا اس لئے کہ اس ترکیب میں ظرافت غلام کی نفی
ہے نہ کہ ذات غلام کی اور اگر ذات غلام کی نفی کرتے
ہیں تو کذب لازم آتا ہے اس لئے کہ غلام موجود ہے
پس شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ عبارت بحذف
المضاف ہے اور عبارت یوں ہے لنفی الجنس ای
لنفی صفة الجنس پھر صفة چونکہ حکم کے معنی میں ہے
اس لئے کہ وہ حکم کی نفی کرتی ہے کہ مثلاً غلام ظریف
دار میں نہیں یا شہر وغیرہ میں نہیں لہذا وحکمہ کا اضافہ
کیا گیا حاصل یہ ہے کہ نفی صفة جنس سے متبادر یہ
ہوتا تھا کہ شاید وجود صفة جنس کی نفی ہو حکم جنس کی
نفی نہ ہو حالانکہ مقصود حکم جنس کی نفی ہے لہذا اس
اعتراض سے بچنے کے لئے وحکمہ کہا گیا اب سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے اس جگہ دیگر منصوبات
کی طرح اسم لا التی لنفی الجنس کیوں نہ کہا اس سے
عدول کر کے المنصوب بلا التی لنفی الجنس کیوں کہا
اس کا جواب شارح وانما لم یقل الخ سے یہ دیا ہے
ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لا نفی جنس کا کل کا کل
اسم یا اکثر منصوبات سے نہیں ہے پس اس کے اسم
کو مطلقاً منصوبات سے شمار کرنا صحیح نہیں نہ حقیقةً
کہ یہ کہا جائے کہ اس کا اسم ہر حال میں منصوب ہوگا
اور نہ مجازاً کہ ہم یہ کہیں کہ اکثر احوال میں منصوب

ہوگا بلکہ اس کے اسم کا اپنے ماعدا سے بہت ہی کم
حصہ منصوب ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ اس اقل
کو المنصوب بلا التی لنفی الجنس سے تعبیر کیا جائے
(اس کے اقل ہونے کی وجہ عنقریب آئے گی ان شاء اللہ
تعالی) بخلاف دیگر منصوبات کے کہ ان منصوبات میں
سے بعض مثلاً مستثنی اگرچہ ہر حال میں منصوبات
سے نہیں بلکہ کبھی مرفوع بھی ہوتا ہے لیکن چونکہ
وہ اکثر احوال میں منصوب ہی ہوتا ہے اس لئے اکثر

کو کل کا حکم دے دیا گیا پس منصوبات میں سے بعض
کو کامل طور پر منصوبات سے شمار کرنا مجازاً
ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۴۱۶ قولہ ولا یبعد الخ اس سے شارح
کا منشا مصنف پر اعتراض کرنا ہے جس کا حاصل
یہ ہے کہ مصنف اس طرح کہتے کہ اسم لا ہو المنصوب
الخ یعنی اسم لا وہ ہے جو لا کی وجہ سے لفظا یا محلاً
منصوب ہو لفظا یہ کہ مثلاً مضاف ہو جیسے لا غلام

لفظًا کالمضاف وشبھه اومحلا کماھو مبنی منه علی الفتح واما ما ھو
مرفوع فلیس اسمالھا لعدم عملھا فیه ھُوَ الْمُسْنَدُ اِلَیْهِ بَعْدَ دُخُوْلِھَا
خرج به مثل ابوہ فی لا غلام رجل ابوہ قائم لما عرفت وھذا القدر
کاف فی حد اسمھا مطلقًا لکنه لما اراد حد المنصوب منه زاد علیه قوله
یَلِیْھَا ای یلی المسند الیه لفظة لا ای یقع بعدھا بلا فاصلة نَکِرَةً
مُضَافًا اَوْ مُشَبَّھًا بِه ای بالمضاف فی تعلقه بشیٔ ھو من تمام معناہ

بہا الخ کہ لا کا اسم لا سے منصوب ہے لفظا جیسے مضاف یا مشابہ مضاف ہے (جیسے لا غلام رجل فی الدار اور جیسے لا خیر من زید جالس عندنا) یا محلا جیسا کہ اسم لا اس منصوب بہ لا میں سے مبنی علی الفتح ہے (مثلا لا رجل فی الدار اس میں رجل اگرچہ لفظا یا تقدیرا منصوب نہیں تاہم محلا منصوب اسی وجہ سے اس کے محل پر حمل جائز ہے جیسے لا رجل ظریفا فی الدار ظریفا کو اس کے محل قریب یعنی لفظ رجل پر محمول کر کے منصوب پڑھا گیا ہے اگر اعراب محلی معتبر نہ ہوتا تو ظریفا کا اس پر حمل نہ جائز ہوتا) اور وہ (لا کا اسم) مرفوع ہے تو وہ لا کا اسم ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں لا کا عمل نہیں ہے (وہ مسند الیہ ہے اس کے دخول کے بعد) اس قید (بعد دخولہا) سے اس وجہ سے جو تم نے (ماسبق میں دخول اور بعدیت کا معنی) معلوم کیا لا غلام رجل ابوہ قائم میں ابوہ کا مثل خارج ہوگیا (کہ وہ دخول لا سے پیشتر ہی مسند الیہ ہے) اور اس قدر (یعنی ھو المسند بعد دخولہا کہنا) اس کے اسم کی تعریف میں مطلقا (تمام حدود میں) کافی ہے (خواہ منصوب ہو لفظا یا تقدیرا یا محلا لہذا کسی دوسری قید کی حاجت نہیں ہے) لیکن جب مصنف نے اسم لا میں سے منصوب کی تعریف کا ارادہ کیا تو اس تعریف پر اپنے قول (یلیہا) کا اضافہ کیا یعنی مسند الیہ لفظ لا کے ساتھ متصل ہو یعنی مسند الیہ لا کے بعد کسی فاصلہ کے بعد واقع ہو (درانحالیکہ نکرہ مضاف ہو یا اس کے ساتھ مشابہ ہو) یعنی مضاف کے ساتھ کسی ایسی چیز سے تعلق

رجل ظریف فیہا یا شبہ مضاف ہو جیسے لا خیرا من زید جالس عندنا اور محلا یہ کہ مبنی علی الفتح ہو جیسے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور لا کے دخول کے بعد جو اسم مرفوع ہو وہ اس کا اسم نہیں اس لئے کہ اس میں لا کا عمل نہیں تو نہ اسلوب بیان بدلتا اور نہ یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ لا کا بعض اسم منصوب ہوتا ہے اور اکثر اس کے خلاف اور یہ بھی ممکن ہے کہ شارح کا منشا اس سے یہ ہو کہ خواہ اس طرح یہ کہہ لیا جائے یا جس طرح مصنف نے کہا ہے اس کو تسلیم کر لیا جائے بہر حال دونوں کا مآل ایک ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۷۴ قولہ ہو المسند الخ منصوب بلا نفی جنس اس اسم کو کہتے ہیں جو لا نفی جنس کے دخول کے بعد مسند الیہ ہو اور لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو نیز یہ کہ وہ مسند الیہ نکرہ مضاف یا شبہ مضاف ہو اس جگہ بعد دخولہا کہنے سے تعریف سے تمام وہ مسند الیہ خارج ہو گئے جو لا کے دخول سے پیشتر مسند الیہ ہوں اس لئے کہ ان میں سے کوئی بھی دخول لا کے بعد مسند الیہ نہیں پھر اس میں بھی وہی معنی مراد ہونگے جو بعدیت اور دخول کے خبر کان کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں لہذا اس تعریف سے وہ مسند الیہ بھی خارج ہو جائے گا جو دخول لا سے پیشتر ہی مسند الیہ ہو اور اس کے دخول کے بعد بھی اسی حالت پر باقی ہو جیسے لا غلام رجل ابوہ قائم میں ابوہ مسند الیہ ہے اور لا کے دخول سے پیشتر اور پھر لا کے دخول کے بعد بھی اسی حالت پر بدستور موجود ہے اس لئے کہ یہ قائم کا مسند الیہ ہے پس یہ اس تعریف سے خارج ہو جائیگا اور پھر یہ جملہ اسمیہ ہو کر لا کی خبر بنے گا اب شارح وہذا القدر کاف سے مصنف پر ایک اعتراض کر کے لکنہ سے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ اگرچہ مطلق لا نفی جنس کی تعریف یہاں تک کافی ہے اور اس کے بعد یلیہا نکرۃً الخ کے اضافہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے اس تعریف سے لا نفی جنس کا اسم معلوم ہو جاتا ہے لیکن چونکہ مقصود اس اسم کا بیان کرنا ہے جو منصوب ہو اور اسی کا ارادہ کرتے ہوئے مصنف نے اسلوب معروف سے عدول کر کے المنصوب بلا التی الخ کہا ہے لہذا اس پر اپنے قول یلیہا نکرۃً الخ کا اضافہ کیا اور یلیہا کی تفسیر ای یلی المسند الیہ الخ سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یلی کا فاعل المسند الیہ ہے اور ہا ضمیر مفعول بہ لا کی طرف راجع ہے اور لفظۃ لا کہہ کر راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت پیدا کی ہے اس لئے کہ لا مذکر ہے اور اس کی طرف لوٹائی گئی ہے ضمیر مؤنث پس جب لفظۃ لا کہا گیا تو ضمیر مؤنث مؤنث کی طرف راجع ہو گئی اس لئے کہ لا لفظۃ لا کی تاویل میں ہو کر مؤنث ہے اور مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ مسند الیہ لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو اور مشابہ بالمضاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی شئے کے ساتھ مضاف کا تعلق ہو کہ اس شئے سے مل کر مضاف کے معنی تمام ہوتے ہوں اور اس کے بغیر معنی ناقص رہتے ہوں لیکن حقیقۃً وہ مضاف نہ ہو کہ مضاف الیہ کو مجرور کرے پس مضاف کے شئے کے ساتھ تعلق میں جو مشابہت نکرہ کی مضاف کے ساتھ پائی جائے گی اس کو مشابہ بالمضاف سے تعبیر کریں گے جیسے لا خیرا

هذه احوال مترادفة من الضمير المجرور فى اليه او الاولى منه او من الضمير المجرور فى دخولها وما بقى من الضمير المرفوع فى يليها (۲۱۸) مِثْلُ لَاغُلَامَ رَجُلٍ مثال لما يليها نكرةً مضافًا وفى بعض النسخ لاغلام رجل ظريفٌ فيها وقد عرفت فى المرفوعات تحقيق قوله فيها وَلَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لك مثال لما يليها نكرةً مشبها بالمضاف وقوله لك على النسخ المشهورة من تتمة المثالين كليهما (۲۱۹) فَاِنْ كَانَ اى المسند اليه بعد دخولها غير واقع على الاحوال المذكورة بل كان مُفْرَدًا بانتفاء الشرط الاخير فقط وهو كونه مضافًا

پکڑنے میں (مشابہ ہو) جو مضاف کے معنی کے تمام سے ہو یعنی وہ شئ مضاف کے معنی کے لئے مُکمّل ہو کہ اس کے نہ ہونے سے مضاف کا معنی پورا نہ ہوتا ہو) اور یہ (قیود ثلاثہ مذکورہ یعنی اتصال وتنکیر واضافت یا شبہ اضافت مصنف قول المسند) الیہ میں ضمیر مجرور سے احوال مترادفہ ہیں (گویا الیہ یعنی جار ومجرور مصنف کے قول المسند کیلئے مفعول مالم یسم فاعلہ ہے یعنی نائب فاعل ہے) یا (حال) اولی اس (ضمیر مجرور) سے ہے یا دخولہا میں ضمیر مجرور سے اور جو (دو حال) باقی ہیں وہ یلیہا میں ضمیر مرفوع (ھو) سے (حال ہیں (جیسے لاغلام رجل) یہ اس مسند الیہ کی مثال ہے جو بحالت نکرہ مضاف لا کے ساتھ متصل ہو اور بعض نسخوں میں لاغلام رجل ظریف فیہا ہے اور مرفوعات میں مصنف کے قول فیہا کی تحقیق تمہیں معلوم ہو چکی (لہذا اس کا یہاں اعادہ نہیں کیا جاتا وہاں دیکھ لیں) (ولا عشرین درھما لک) اس مسند الیہ کی مثال ہے جو بحالت نکرہ مشابہ مضاف لا کے ساتھ متصل ہے اور مصنف کا قول لک مشہور نسخوں کی بنا پر دونوں مثالوں (لاغلام رجل اور لاعشرین درھما) کے تتمہ سے ہے (فتقدیر المثال الاول لاغلام رجل لک) (پھر اگر ہو) یعنی مسند الیہ لا کے داخل ہونے کے بعد احوال مذکورہ ثلاثہ بطور شرط برائے نصب اسم لا) پر واقع نہ ہو بلکہ (مفرد) ہو آخری شرط کے انتفاء کی وجہ سے فقط اور آخری شرط مسند

اگرچہ مضاف نہیں لیکن اس کا تعلق زید کے ساتھ اس قدر ہے کہ بغیر زید کے ملائے خبر کے معنی تمام نہیں ہوتے ناقص رہتے ہیں پس جس طرح مضاف عامل ہو کر مضاف الیہ کو مجرور کرتا ہے اسی طرح بھی اتمام معنے کے لئے بمنزلہ عامل کے ہے اور من زید بمنزلہ معمول کے اب رہی یہ بات کہ ترکیب کے اعتبار سے یلیہا الخ کیا واقع ہے تو اس کے متعلق شارح یہ کہتے ہیں کہ یلیہا اور اس کا مابعد نکرۃ الخ سب کے سب الیہ کی ضمیر مجرور سے حال مترادفہ ہیں حال مترادفہ اس کو کہتے ہیں جس کا ذوالحال ایک اور احوال متعدد ہوں یکے بعد دیگرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف یلیہا المسند الیہ کی ضمیر متصل مجرور یا دخولہا کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہو اور نکرۃ مضافا الخ یلیہا کی ضمیر مرفوع مستتر سے جو کہ المسند الیہ کی طرف راجع ہے پس اس صورت میں یہ احوال متداخلہ کہلائیں گے کہ ایک حال سے دوسرا حال واقع ہوا سی کو متداخلہ سے تعبیر کرتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۲۱۸ قولہ مثل لاغلام الخ جیسے لاغلام رجل یہ نکرہ مضاف کی مثال ہے جو کہ لا کے متصل ہے اور بعض نسخوں میں لاغلام رجل ظریفٌ فیہا ہے (اس میں فیہا کے اضافہ کا فائدہ مرفوعات میں گذر چکا وہیں دیکھ لیا جائے) جس کو شارح نے وانما اتی بہ لئلا یلزم الکذب الخ سے بیان کیا ہے اور جیسے لاعشرین درہما لک یہ مثال نکرہ مشابہ مضاف کی ہے کہ لا کے متصل واقع ہے اس لئے کہ عشرین کا تعلق درہما کے ساتھ اس درجہ ہے کہ بغیر درہما کہے اس کے معنی تمام نہیں ہوتے اور اس مثال میں قول مصنف لک مشہور نسخوں کی بنا پر کہ جن میں ظریفٌ فیہا کا اضافہ نہیں ہے دونوں مثالوں کے تتمہ سے ہے یعنی دونوں کی خبر ہے اور اگر اس نسخہ کا بھی اعتبار کر لیا جس میں ظریف فیہا ہے تو پھر لک خبر بعد خبر بعد خبر ہوگا اس لئے کہ ظریفٌ خبر اول ہے اور فیہا خبر ثانی اور لک خبر ثالث اب رہی یہ بات کہ مصنف نے مثال اول میں لک کو کیوں نہیں ذکر کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لاغلام رجل لک استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ لاغلام لک کہتے ہیں البتہ مثال ثانی میں اس وجہ سے لے آئے تاکہ یہ معلوم ہو جائے مثال اول میں خبر محذوف ہے اور حذف خبر والی مثال کو اس وجہ سے مقدم کیا کہ خبر لا کا حذف بکثرت ہوتا ہے کما مر فی المرفوعات ویحذف کثیرًا واللہ اعلم ۱۲۔

۲۱۹ قولہ فان کان الخ اب یہاں سے مصنف یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر شرائط مذکورہ فوت ہو جائیں تو اسم لا کا حکم اعراب کے اعتبار سے کیا ہوگا؟ کہتے ہیں کہ اگر مسند الیہ لا کے دخول کے بعد تمام احوال مذکورہ پر واقع نہ ہو بلکہ مفرد ہو یعنی شرط اخیر منتفی ہو کہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو ای یلیہا نکرۃً غیر مضاف ولا مشبہا بہ یعنی مسند الیہ لا کے متصل ہو اور نکرہ ہو مگر مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو تو وہ علامت نصب پر مبنی ہوگا اب رہی یہ بات کہ شارح نے بانتفاء الشرط الاخیر کا اضافہ کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مفرد اس جگہ مضاف اور شبہ مضاف کے مقابلہ میں ہے تثنیہ اور جمع کے مقابلہ میں نہیں نیز یہ کہ شرط اخیر کا انتفاء مقصود ہے تنکیر کا انتفاء

اومشبها به ای یلیها نکرة غیر مضاف ولا مشبها به لیترتب علیه قوله فهو مَبْنِیٌ عَلٰی مَا یُنْصَبُ بِهٖ فانه لو کان مفردًا معرفة او مفصولا فحکمه غیر ذلک وقوله علی ماینصب به ای علی ما کان ینصب به المفرد قبل دخول لا علیه وهو الفتح فی الموحد نحو لا رجل فی الدار والکسر فی جمع المؤنث السالم بلا تنوین نحو لا مسلمات فی الدار والیاء المفتوح ماقبلها فی المثنی والمکسور ماقبلها فی جمع المذکر السالم نحو لا مسلمَیْن ولا مسلِمِین لک ویعنی بالمفرد مالیس بمضاف ولا مضارع له فیدخل فیه المثنی والمجموع وانما بنی

الیہ کا مضاف یا مشابہ مضاف ہوتا ہے یعنی مسندالیہ بحالت غیر مضاف اور غیر مشابہ مضاف لا کے ساتھ متصل ہو اور ہم نے کان کے اسم یعنی ضمیر مرفوع متصل مستتر کو مسندالیہ کی طرف راجع کیا ہے المنصوب بلا کی طرف راجع نہیں کیا) تاکہ اس (مصنف کے قول فان کان مفردا) پر مصنف کا قول ((فھو مبنی علی ماینصب بہ)) مرتب ہو جائے (کہ کان کی ضمیر کو اگر منصوب بہ لا کی طرف راجع کرتے تو اس پر مصنف کا قول فہو مبنی الخ مرتب نہ ہوتا یعنی وہ اس پر مبنی ہوگا جس کے ساتھ منصوب ہوتا ہے اور ماینصب بہ سے مراد فتح و الف "یا" یا کسرہ ہے لیکن مبنی بر الف نہ ہوگا کہ وہ مضاف ہوتا ہے) پس اگر مسندالیہ مفرد معرفہ ہو یعنی مفرد نکرہ نہ ہو لیکن مفصول ہو تو اس کا حکم اس کے علاوہ ہے اور مصنف کا قول علی ماینصب بہ یعنی اس پر مبنی ہوگا کہ جس کے ساتھ دخول لا سے پیشتر مفرد منصوب ہوا کرتا تھا اور وہ فتح ہے واحد میں جیسے لا رجل فی الدار اور کسرہ تنوین کے بغیر جمع مؤنث سالم میں ہے جیسے لا مسلمات فی الدار اور یا ماقبل مفتوح تثنیہ میں اور یا ماقبل مکسور جمع مذکر سالم میں جیسے لا مُسْلِمَیْن اور لا مسلمِین تک اور مصنف کی مراد مفرد سے وہ ہے جو مضاف

حالت یعنی بعد دخول لا کے اعتبار سے یعنی مفرد دخول لا سے پیشتر حالت نصب میں جو اعراب حاصل کرتا ہے اس پر دخول لا کے بعد مسندالیہ کو مبنی کریں گے پس وہ اعراب واحد میں دو زبر ہوں گے اور جمع مؤنث سالم میں دو زیر و علی ہذا القیاس تثنیہ و جمع مذکر سالم میں پس جب لا کے دخول کے بعد یہ اسماء مبنی کئے جائیں گے تو تنوین مفتوح فتحہ سے اور تنوین مکسور کسرہ سے بدل جائے گی اور اسی پر ان کو مبنی کریں گے پس واحد میں فتحہ ہوگا جیسے لا رجل فی الدار اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ بلا تنوین جیسے لا مسلمات اور یا ساکن ماقبل مفتوح تثنیہ میں جیسے لا مسلمین اور یا ساکن ماقبل مکسور جمع مذکر سالم میں جیسے لا مسلمین لک اس جگہ بھی لک لا مسلمات لا مسلمین اور لا مسلمین تینوں کے متممات سے ہے چونکہ مصنف کو مفرد سے مضاف اور شبہ مضاف کی نفی مقصود ہے تثنیہ اور جمع کی نہیں لہذا اس میں تثنیہ اور جمع داخل ہو جائیں گے اور یہ بھی مبنی ہوں گے کما فی الامثلہ اور ان میں بھی شرط یہی ہوگی کہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہوں واللہ اعلم ۱۲

۴۲۱ قولہ وانما بنی لتضمنہ الخ اور اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معنے من کو متضمن ہوتا ہے اس لئے کہ لا رجل فی الدار کے معنی لا من رجل فی الدار کے ہیں اس لئے کہ یہ اس آدمی کے جواب میں ہے کہ جس نے ہل من رجل فی الدار کہا ہے پھر اس میں تعمیم ہے کہ وہ سوال حقیقۃً ہو جیسا کہ مثال مذکور میں یا تقدیراً مثلاً دو شخص کسی مکان کی طرف آئیں اور ان میں سے ایک مکان میں داخل ہو کر کہے لا رجل فی الدار پس وہ غیر داخل شخص گویا کہ سائل ہوگا جس کے جواب میں لا رجل فی الدار کہا گیا اور سوال گویا کہ ہل من رجل فیہا سے ہوا پس من کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا اور متضمن معنی حرف ہونے کی وجہ سے اس کو مبنی کیا گیا واللہ اعلم ۱۲

مقصود نہیں ورنہ اعتراض لازم آئیگا کہ زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ میں تنکیر کی نفی ہے اور پھر زید علامت نصب پر مبنی نہیں بلکہ مرفوع ہے پس جب شرط اخیر کے انتفاء سے عبارت اس طرح ہوئی ای یلیہا نکرۃً غیر مضاف ولا مشبہاً بہ تو اب اس پر قول مصنف فہو مبنیٌّ علی ماینصب بہ مترتب ہو جائے گا بعبرفانہ لو کان مفرداً معرفۃً الخ سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفرداً کی قید احترازی ہے اور اس سے وہ مفرد خارج کرنا مقصود ہے جو مفرد معرفہ یا مفعول ہو اس لئے کہ ان کا حکم اور ہے جو عنقریب آئے گا

واللہ اعلم ۱۲

۴۲۲ قولہ وقولہ علی ماینصب الخ اس جگہ قولہ علی ماینصب بہ کی تفسیر ای علی ما کان ینصب بہ المفرد الخ سے کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ کلام مصنف میں تناقض ہے اس لئے کہ قول مبنیٌ سے بناء کی صراحت معلوم ہو رہی ہے اور قولہ ینصب بہ سے اس کا معرب ہونا ظاہر ہوتا ہے اس لئے کہ نصب معرب کے القاب سے ہے شارح نے کہا کہ نصب کی نسبت مسندالیہ کی طرف قبل دخول لا کے اعتبار سے ہے اور بناء کی نسبت موجود دہ

لتضمنه معنی مِن اذ معنی لا رجل فی الدار لا من رجل فیها لانه جواب لمن یقول هل من رجل فی الدار حقیقة او تقدیرًا فحذف من تخفیفا [۴۲۲] وانما بنی علی ما ینصب به لیکون البناء علی حرکة او حرفٍ استحقهما النکرة فی الاصل قبل البناء ولم یبن المضاف ولا المضارع له لان الاضافة ترجح جانب الاسمیة فیصیر الاسم بها الی ما یستحقه فی الاصل اعنی الاعراب [۴۲۳] فَاِنْ کَانَ ای المسند الیه بعد دخولها مَعْرِفَةً بانتفاء شرط النکارة اَوْ مَفْصُوْلًا بَیْنَهٗ ای بین ذلك المسند الیه وَبَیْنَ لَا بانتفاء شرط الاتصال علی

اور مشابہ مضاف نہ ہو لہذا مفرد میں تثنیہ اور جمع داخل ہو جائیں گے) اور مسند الیہ (شروط مذکورہ ثلاثہ کے وقت) مبنی (بر فتح) کیا گیا ہے کیونکہ وہ من (استغراقیہ) کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ لا رجل فی الدار کا معنی لا من رجل فیہا ہے اس لئے کہ یہ اس شخص کو جواب ہے جو کہتا ہے ھل من رجل فی الدار حقیقۃ (اور یہ ظاہر ہے) یا تقدیرا (یعنی سوال مقدر مفروض کے جواب میں اور وہ اس طرح کہ دو شخص ایک مکان کی طرف آئیں تو ان میں سے ایک اندر داخل ہو کر واپس باہر آکر کہے لا من رجل فی الدار تو یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا داخل نہ ہونے والے نے سوال کیا کہ ھل من رجل فیہا تو اس نے کہا لا من رجل فیہا) تو من کو تخفیفًا حذف کر دیا گیا اور لا کے اسم کو ما ینصب بہ پر مبنی کیا گیا تاکہ (اسکی) بنا حرکت (یہ فتح کی طرح مفرد واحد میں اور کسرہ کی طرح جمع مؤنث سالم میں) یا حرف پر (یا کی طرح تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں) ہو کہ ان دونوں کا دراصل نکرہ قبل از بنا مستحق تھا اور مضاف و مشابہ مضاف کو مبنی نہ کیا گیا کیونکہ اضافت (اسم کے خواص سے ہونے کی وجہ سے جانب اسمیت کو ترجیح دیتی ہے لہذا (لا کا) اسم اضافت کی وجہ سے اس کی طرف (مائل و متوجہ) ہو جاتا ہے جس کا وہ اصل میں مستحق ہے میری مراد اعراب ہے (کیونکہ اسم معانی مقتضیۂ اعراب یعنی فاعلیت و مفعولیت و اضافت کی وجہ سے مطلقا معرب ہونے میں اصل ہے) (پس اگر ہو) یعنی مسند الیہ لا کے داخل ہونے کے بعد (معرفہ) شرط نکارت کے انتفاء کی وجہ سے (یا فاصلہ کیا گیا ہو اس کے درمیان) یعنی اس مسند الیہ کے (اور لا کے درمیان)

۴۲۲ قولہ وانما بنی علی الخ اس سے بتانا چاہتے ہیں کہ اس کو مبنی علی ما ینصب بہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ علامت رفع یا سکون پر کیوں نہیں مبنی کیا گیا جواب یہ ہے کہ اس کو علامت نصب پر اس وجہ سے مبنی کیا گیا ہے، تاکہ حرکت یا حرف بنائی اس حرکت یا حرف کے موافق ہو جائے کہ جس کا نکرہ اصل کے اعتبار سے بنار سے پہلے مستحق ہے یعنی تاکہ حرکت یا حرف اعرابی سے حرکت یا حرف بنائی کی موافقت ہو جائے، اور حتی الامکان عمل اصلی کی رعایت ہو جائے حرکتہ تو نکرہ مفردہ پر آئے گی، اور حرف تثنیہ یا جمع پر مثلاً مفرد پر تنوین مفتوح حالت نصب میں آتی ہے، پس جب مفرد کو فتحہ پر مبنی کیا جائیگا تو تنوین مفتوح اور فتحہ میں موافقت اور مناسبت ظاہر ہے، اور مضاف اور مشابہ مضاف اس وجہ سے مبنی نہ ہوگا کہ اضافتہ جانب اسمیۃ کو ترجیح دیتی ہے، اس لئے کہ اضافت اسم کے خواص میں سے ہے پس اسی ترجیح کی بنا پر اسم اس چیز کی طرف مائل ہوگا کہ جس کا وہ اصل میں مقتضی اور مستحق ہے یعنی اعراب کا پس اس کو معرب رکھا جائیگا، مبنی نہیں اس لئے کہ تقدیر حرف کی وجہ سے بنا میں اسم کی جانب اسمیۃ کمزور ہو جاتی ہے، اور اسم مبنی ہو جاتا ہے، اور یہاں کمزور ہے نہیں اس لئے کہ اگرچہ اس میں بھی حرف من مقدر ہوتا ہے، اور وہ بھی سوال سائل کے جواب میں واقع ہوتا ہے، مگر جانب اسمیۃ اضافت کے باعث چونکہ اس میں راجح ہوگئی ہے، اس لئے تقدیر حرف کچھ مؤثر نہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۴۲۳ قولہ وان کان الخ اور اگر شرط نکارت منتفی ہو جائے یعنی مسند الیہ کہ جس پر لا داخل ہوا ہے معرفہ ہو یا شرط اتصال معدوم ہو جانے یعنی لا اور اس کے مدخول مسند الیہ کے درمیان فصل واقع ہو عام ازیں کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونے کی شرط منتفی ہو یا نہ ہو تو مسند الیہ کو رفع اور لا میں معہ اس کے اسم کے تکرار ضروری ہے پھر انتفاء اتصال کی شرط علی سبیل منع الخلو ہے یعنی دونوں میں سے کوئی نہ کوئی پائی ضرور جائے کسی ہے مسند الیہ مدخول لا خالی نہ ہو اس سے بحیث نہیں کہ دونوں ایک جگہ جمع ہوں یا نہ ہوں لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ قولہ معرفۃ او مفصولا الخ میں کلمۂ او منع جمع کے لئے ہے یعنی دونوں شرطیں ایک جگہ جمع نہ ہوں، اس لئے کہ او احد الامرین کے لئے آتا ہے پس یہ کہنا اس قول سے متحقق ہے کہ لا فیہا زیدٌ ولا عمروٌ کہ اس میں لا اور اس کے

سبیل منع الخلو سواء کان مع انتفاء شرط کونہ مضافاً او مشبہاً او لا [۲۲۴] وھی ست صُوَرٍ نحو لا زید فی الدار ولا عمرو ولا غلام زیدٍ فی الدار ولا عمروٍ ولا فی الدار رجل ولا امراۃ ولا فی الدار غلامُ رجلٍ ولا امراۃٍ ولا فی الدار زید ولا عمرو ولا فی الدار غلام زیدٍ ولا عمروٍ وَجَبَ فی جمیع ھذہ الصور الست الرفع علی الابتداء اما [۲۲۵] فی المعرفۃ فلامتناع اثر لا النافیۃ للجنس فیھا واما

شرطِ اتصال کے انتفاء سے (مسند الیہ اور لا کے درمیان فاصلہ ہو) منع خلو کے طور پر (یعنی مسند الیہ اس بات سے خالی نہ ہوگا کہ یا تو مفرد معرفہ ہوگا یا مفصول ہوگا اس میں جمع ممنوع نہیں یعنی ہوسکتا ہے کہ مسند الیہ مفصول بھی ہوگا اور مفرد معرفہ بھی) خواہ وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونے کی شرط کے انتفاء کے ساتھ ہو یا نہ ہو اور یہ چھ صورتیں ہیں (اور یہ حصر عقلی ہے کیونکہ مسند الیہ یا تو معرفہ ہوگا یا نکرہ اور معرفہ یا تو مفرد ہوگا یا مضاف) جیسے لا زید فی الدار ولا عمرو اور لا غلام زید فی الدار ولا عمرو (عمرو کی جر کے ساتھ زید پر عطف ہے یعنی ولا غلام عمرو یہ دو صورتیں ہوئیں) اور (ثانی یا تو مفرد مفصول ہوگا یا مضاف مفصول جیسے) لا فی الدار رجل ولا امرأۃ اور لا فی الدار غلام رجل ولا امرأۃ (امرأۃ کی جر کے ساتھ دو صورتیں یہ ہیں) اور (اول یا تو مفرد مفصول ہوگا یا مضاف مفصول جیسے) لا فی الدار زید ولا عمرو اور لا فی الدار غلام زید ولا عمرو (عمرو کی جر کے ساتھ۔ معرفہ کی چار صورتیں ہوتی ہیں دو بلا فصل اور دو فصل کے ساتھ اور نکرہ کی صرف دو صورتیں ہیں اور وہ دونوں فصل کے ساتھ ہیں) (تو واجب ہے) ان تمام چھ صورتوں میں (رفع) بنا برابتداء معرفہ میں تو اس لئے (رفع واجب ہے) کہ معرفہ میں لائے نافیہ برائے جنس کا اثر نہیں ہوسکتا (عدم

مسند الیہ کے درمیان فاصلہ بھی ہے، اور مسند الیہ معرفہ بھی ہے پس دونوں شرطیں ایک جگہ جمع ہوگئیں حالانکہ جمع ممتنع ہے۔ پس چونکہ کہہ دیا گیا ہے کہ یہ شرطیں علی سبیل منع الخلو ہیں سبیل منع الجمع نہیں کہ دونوں کا اجتماع نہ ہوسکے لہٰذا مثال مذکور باعث نقض نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۲۲۴ قولہ وہی ست الخ جب یہ معلوم ہوگیا کہ شرط تعریف اور شرط فصل دونوں ایک جگہ جمع بھی ہوسکتی ہیں، اور علیحدہ بھی اور مضاف یا شبہ مضاف منتفی ہو یا نہ ہو تو اس کی اصولی طور پر نو صورتیں نکلتی ہیں اس لئے کہ اگر صرف شرط تعریف پائی جائے گی، تو اس کی تین صورتیں ہوں گی معرفہ مفرد ہو یعنی مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو، معرفہ مضاف ہو، معرفہ شبہ مضاف ہو۔ اسی طرح صرف شرط مفصول پائی جائے تو اس کی بھی یہی تینوں صورتیں ہوں گی۔ علی ہذا القیاس معرفہ اور مفصول دونوں مجتمع ہوں تو اس میں بھی مذکورہ تینوں صورتوں کا تحقق ہوگا پس تین کو تین میں ضرب دینے سے نو صورتیں حاصل ہوئیں۔ لیکن چونکہ مضاف پر شبہ مضاف کو قیاس کر سکتے ہیں، اس لئے شبہ مضاف کی صورتوں کو شارح نے ترک کر دیا، پس چھ صورتیں حسب ذیل ہیں جو نقشہ ذیل سے ظاہر ہوتی ہیں

اسم لا کے معرفہ اور مفصول ہونے کی صورتیں

(۱) معرفہ ہو مفصول اور مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو جیسے لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ	(۴) مفصول اور مضاف ہو معرفہ نہ ہو جیسے لا فی الدار غلامُ رجلٍ ولا امرأۃٍ
(۲) معرفہ مضاف ہو مفصول نہ ہو جیسے لا غلامُ زیدٍ فی الدار ولا عمرو	(۵) مفصول اور معرفہ ہو مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو جیسے لا فی الدار زیدٌ ولا عمروٌ
(۳) مفصول ہو نہ معرفہ ہو نہ مضاف نہ شبہ مضاف جیسے لا فی الدار رجلٌ ولا امرأۃٌ	(۶) معرفہ مضاف اور مفصول ہو جیسے لا فی الدار غلامُ زیدٍ ولا عمرو

پس یہ چھ صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں اسم لا کو ابتدا کی بنا پر رفع اور لا کی تکریر مع اسم کے واجب ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۲۲۵ قولہ واما فی المعرفۃ الخ پس معرفہ میں رفع اس لئے واجب ہے کہ لا نفی جنس صفت نکرہ کی نفی کے لئے موضوع ہے پس اس کا اثر معرفہ میں ممتنع ہوگا، لہٰذا لا اس میں عمل نہیں کرے گا اور لا کو ابتدائیت کی بنا پر رفع دیں گے، اور مفصول میں وجوب رفع کی یہ وجہ ہے کہ عامل ضعیف ہے، اور معمول مفصول میں عمل کرنا عامل

فی المفصول فلضعف لا عن التاثیر مع الفصل وَالتَّکرِیرُ[۴۲۶] ای وجب تکریر اسمہ لکن مطلقا لا بعینہ اما فی المعرفۃ لیکون کالعوض عما فی التنکیر من معنی نفی الآحاد واما فی النکرۃ لیکون مطابقا لما ھو جواب لہ من مثل قول السائل افی الدار رجل ام امرأۃ وھذا التعلیل جار فی المعرفۃ ایضا وَنَحْوُ قَضِیَّۃٌ[۴۲۷] ای ھذہ قضیۃ وَلَا اَبَا حَسَنٍ لَہَا ای لھذہ القضیۃ ھذا جواب دخل مقدر علی قولہ وان کان معرفۃ وجب الرفع والتکریر فان اسم لا فیہ معرفۃ لان ابا حسن کنیۃ علی ولا رفع

وجود شرائط التاثیر) اور رہا مفصول میں (وجوب رفع) تو (وہ) اس لئے (ہے) کہ (یہ لا فصل کے ہمراہ اثر کرنے سے ضعیف ہے ((اور مکرر لانا)) یعنی لا کے اسم کا مکرر لانا ضروری ہے لیکن مطلقاً، بعینہ (اسی سابق اسم کا دوبارہ لانا ضروری) نہیں (یعنی تکریر سے تکریر نوعی مراد ہے شخصی نہیں) بہر حال معرفہ میں (وجوب تکریر) اس لئے ہے تاکہ تکریر اس چیز سے عوض ہو جائے جو تنکیر میں ہے یعنی آحاد کی نفی کے معنی سے (عوض ہو جائے کیونکہ یہ لا آحاد کی نفی کیلئے موضوع ہے آحاد کی نفی اجناس میں ہی ہوتی ہے اور جب لا معرفہ پر داخل ہوگا تو یہ معنی فوت ہو جائے گا کیونکہ معرفہ میں مفرد کی نفی ہے آحاد کی نفی نہیں لہذا اس کے اسم کا تکرار لانا ضروری ہے تا یہ ما فات کا عوض ہو سکے اس لئے کہ تکرار میں فی الجملہ آحاد کی نفی پائی جاتی ہے کیونکہ تکریر میں تعدد ہے) اور نکرہ میں (وجوب تکریر اس لئے ضروری ہے) تاکہ کلام اس سوال کے مطابق ہو جائے جس کا یہ (کلام) جواب ہے جیسے سائل کا قول ہے اَفی الدار رجل ام امرءۃ (لہذا جواب میں بھی اسم کا تکرار ہوگا لا فی الدار رجل ولا امرءۃ) اور یہ (مطابقت کی) تعلیل معرفہ (کے چاروں قسموں) میں بھی جاری ہے ((اور جیسے قضیۃ)) یعنی ھذہ قضیۃ ((و لا ابا حسن لہا)) یعنی لھذہ القضیۃ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جو مصنف کے قول وان کان معرفۃ وجب الرفع والتکریر پر (وارد ہوتا) ہے (اعتراض کی تفصیل یہ ہے) کہ اس میں لا کا اسم (ابا حسن) معرفہ ہے کیونکہ ابا حسن (سیدنا حضرت) علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) کی

قوی کا کام ہے۔ لہذا حالت فصل میں بھی لا عمل نہیں کر سکتا پس بنا پر ابتداء کے رفع واجب ہوگا۔ اور لا کے عامل ضعیف ہونے کی یہ وجہ ہے کہ یہ ان کے مشابہ ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور انّ فعل سے مشابہت کے باعث عامل ہوتا ہے لہذا یہ شبہۃ در مشابہت ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہوا پس جب لا اور اس کے اسم کے درمیان فصل واقع ہو جائے گا تو لا اپنے ضعف کے باعث مفصول میں عمل نہیں کر سکے گا واللہ اعلم ۱۲۔

۴۲۶ قولہ ای وجب تکریر الخ اس جگہ شارح نے وجب ظاہر کر کے التکریر کے عطف کی طرف اشارہ کیا ہے، پھر یہ تکریر لا مع اسمیۃ اس طرح ہوگی کہ اسم مکرر بعینہ اول نہ ہو بلکہ مطلقاً کوئی اسم ہو جیسے لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ میں عمروٌ اسم ہے بعینہ اول یعنی زید نہیں لہذا لا زیدٌ فی الدار ولا زیدٌ نہیں کہہ سکتے پس اس میں رفع اس وجہ سے واجب ہوگا کہ لا اصل میں جنس کی نفی کے لئے ہوتا ہے اور جنس میں تعدد ہے، مفرد میں نہیں لہذا تکریر کو تعدد جنس کے قائم مقام کیا گیا یعنی لا اصل میں آحاد کی نفی کے لئے ہوتا ہے، اور آحاد صرف جنس ہی میں پائے جاتے ہیں پس جب معرفہ پر داخل ہوگا تو اس میں یہ معنی فوت ہو جائیں گے اس لئے کہ معرفہ میں مفرد کی نفی ہوتی ہے آحاد کی نہیں پس اس وقت تکریر ضروری ہے تاکہ مافات کا عوض ہو جائے اس لئے کہ تکریر میں نسبۃً نفی آحاد پائی جاتی ہے، کیونکہ تکریر تعدد کے حکم میں ہوتی ہے اور جنس میں بھی تعدد ہوتا ہے۔ لہذا تکریر کا جنس کا عوض بننا صحیح ہوگا۔ اور نکرہ مفصول میں تکریر اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ جواب کی سوال کے ساتھ مطابقت ہو جائے اس لئے کہ لا فی الدار رجلٌ ولا امرأۃٌ سائل کے اس سوال کے جواب میں بولا جاتا ہے کہ اَفی الدار رجلٌ ام امرأۃٌ پس سوال کی مطابقت سے جواب میں

تکریر واجب ہوئی اور یہی تعلیل معرفہ میں بھی جاری ہو سکتی ہے یعنی سوال کی جواب کے ساتھ مطابقت واللہ اعلم ۱۲۔

۴۲۷ قولہ ونحو قضیۃٌ الخ قضیۃٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے اس لئے شارح نے ہذہ قضیۃٌ کہا قضیۃٌ کے معنی حادثہ اور تنازع کے آتے ہیں لا ابا حسن لہا میں ہا ضمیر ہذہ القضیۃ کی جانب راجع ہے اس لئے شارح نے

اس کی تفسیر ای لہذہ القضیۃ کے ساتھ کی پس یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ما قبل مذکور ہو چکا ہے کہ جب لا کا اسم معرفہ ہو تو رفع اور تکریر واجب ہوتی ہے، اور یہاں لا کا اسم معرفہ ہے اس لئے کہ ابا حسن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے لیکن اس میں نہ رفع ہے، اور نہ تکریر بلکہ ابا حسن منصوب ہے، اور غیر مکرر پس مصنف

فیه ولا تکریر بل هو منصوب غیر مکرر فاجاب بانه مُتاوّل بالنکرة اما بتقدیر المثل ای ولا مثل ابی حسن لها فان مثلا لتوغله فی الابهام لایتعرف بالاضافة الی المعرفة او بتاویله بفیصل بین الحق والباطل لاشتهاره بهذه الصفة فکانه قیل لا فیصل لها ویقوی هذه التاویل ایراد حسن بحذف اللام لان الظاهر ان تنوینه للتنکیر وَفِی مِثْلِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ای فیما کررت فیه لا علی سبیل العطف وکان عقیب کل منهما نکرة بلا فصل یجوز خَمْسَةُ اَوْجُهٍ بحسب اللفظ لا

کنیت ہے (اس کے باوجود) اس میں رفع نہیں اور نہ ہی تکریر بلکہ یہ منصوب بلا تکرار ہے تو مصنف نے جواب دیا ہے کہ ((مؤول ہے)) نکرہ کے ساتھ یا تقدیر مثل سے یعنی ولا مثل ابی حسن لها (یہ نکرہ اس لئے ہے) کہ لفظ مثل ابہام میں شدت کی وجہ سے معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے معرفہ نہیں ہوتا یا (ابا حسن مؤول ہے) فیصل بین الحق والباطل کی تاویل سے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس صفت سے مشہور ہیں گویا یوں کہا گیا لا فیصل لها اور اس (دوسری) تاویل کو حسن کو لام کے حذف سے لانا قوت دیتا ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حسن کی تنوین تنکیر کے لئے ہے ((اور لا حول ولا قوة الا باللہ کے مثل میں)) یعنی اس صورت میں کہ جس میں لا عطف کے طور پر مکرر لایا جائے اور ہر دو لا کے بعد بلا فصل نکرہ ہو ((پانچ صورتیں)) جائز ((ہیں)) (یعنی) تلفظ کے اعتبار سے (پانچ صورتیں ہیں) توجیہ (اور

نے جواب دیا کہ یہ نزول نکرہ کے ساتھ متاول ہے پھر اس کی تاویل دو وجہ پر ہے ایک یہ کہ لا ابا حسن میں مضاف یعنی لفظ مثل محذوف ہے ای لا مثل ابی حسن رضی اللہ عنہ کہا پس اس وقت اسم معرفہ نہ ہوگا اس لئے کہ لفظ مثل اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر کثرت ابہام کی وجہ سے معرفہ نہیں ہو سکتا اسلئے کہ معرفہ میں تخصیص اور عدم ابہام ضروری ہے دوسرے یہ کہ اس کی تاویل فیصل بین الحق والباطل کے ساتھ کی جائے اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وصف کے ساتھ مشہور ہیں پس اس صورت میں علم سے مراد اس جگہ وہ وصف ہوگا کہ جس کے ساتھ صاحب علم مشہور ہے پس لا ابا حسن لها کہنے سے گویا کہ لا فیصل لها کہا گیا، یعنی اس قضیہ

اور تنازع کا کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں پس جب علم سے وصف مشہور مراد ہوا تو علمیت اور تعریف دونوں باطل ہو گئیں۔ اور یہ تاویل ثانی قوی ہے اس لئے کہ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حسن کو حذف لام کے ساتھ لائے۔ اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنی اس سے فیصل مراد ہے خواہ کوئی ہو اور اگر تنکیر کے لئے تنوین نہ ہوتی تو مشہور سے اعراض نہ کیا جاتا اس لئے کہ ابو الحسن الف لام کے ساتھ مشہور ہے۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۴۲۸ قولہ وفی مثل الخ اس جگہ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں لا بر سبیل عطف مکرر ہو اور ہر ایک لا کے بعد نکرہ بلا فصل کے واقع ہو پس لا حول ولا قوة الا باللہ

کے مثل میں پانچ صورتیں جائز ہیں پھر یا پانچ صورتیں بحسب اللفظ جائز ہیں توجیہ کے اعتبار سے نہیں یعنی لا میں توجیہ نہیں کی جائے گی کہ یہ نفی جنس کے لئے ہے یا مشابہ بلیس ہے یا زائدہ اس لئے کہ اس صورت میں ان وجوہ کا انحصار صرف پانچ میں ہی نہیں رہیگا بلکہ اس پر زیادہ بھی ہو سکتی ہیں، پس جس نے یہ کہا ہے کہ اس میں ایک وجہ سادس بھی ہے اور وہ اس طرح کہ اسم اول لا نفی جنس کا معمول ہونے کی وجہ سے مفتوح ہو اور ثانی مرفوع اس بنا پر کہ وہ لیس کے مشابہ ہو اور یہ صورت پانچویں صورت کا عکس ہو گی تو اس نے غلطی کی ہے اس لئے کہ اس اعتبار سے تو اس میں چھ سے بھی زیادہ صورتیں متحقق ہو سکتی ہیں اس لئے کہ اگر دونوں اسموں کو فتحہ دیا جائے گا تو یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اول میں تو نفی جنس کے لئے ہو اور ثانی میں زائدہ اور دونوں اسم مرفوع ہوں گے تو کہا جا سکتا ہے کہ دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے ہو لیکن ملغی ہو کر عمل نہ کرتا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اول مشابہ بلیس ہو اور ثانی زائدہ پس اس طرح تو اس کی بہت سی توجیہات ہو سکتی ہیں لہٰذا یہ پانچ صورتیں لفظ کے اعتبار سے ہوں گی، یعنی ایک صورت حرکات و سکنات کے اعتبار سے دوسری صورت سے مغایر ہو لا سے کوئی بحث نہ ہو اس جگہ لا سے عدم بحث سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اگر لا سے بحث نہ ہو گی تو یہ پانچ صورتیں کس طرح متحقق ہو سکتی ہیں؟ اس لئے کہ ہماری مراد اس سے یہ ہے کہ لفظ کو پانچ طرح پڑھنا جائز ہے، اور اس میں لا سے ضرور بحث ہو گی، اور یہ مراد نہیں کہ چونکہ لا سے بحث ہے اس لئے پانچ صورتیں جائز ہیں پس دونوں میں فرق یہ ہوا کہ لفظ حول اور قوة میں پانچ صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت جائز

بحسب التوجیه فانها بحسب التوجیه تزید علیها الاول[۴۲۹] فتحهما ای
لاحول ولا قوة الا بالله علی ان تکون لا فی کل منهما لنفی الجنس ولا قوة
عطفا علی لاحول عطف مفرد علی مفرد وخبرها محذوف ای لاحول ولا
قوة موجود الا بالله او عطف جملة علی جملة ای لاحول الا بالله ولا
قوة الا بالله فحذف خبر الجملة الاولی استغناء عنه لخبر الجملة الثانیه
والثانی[۴۳۰] فتح الاول ونصب الثانی ای لاحول ولا قوة الا بالله اما
فتح الاول فلان لا الاولی لنفی الجنس واما نصب الثانی فلان لا
الثانیة مزیدة لتاکید النفی والثانی معطوف علی الاول فیکون منصوبا
حملا علی لفظه لمشابهة حرکته حرکة الاعراب ویجوز ان یقدر لهما خبر
واحد وان یقدر لکل منهما خبر علی حدة والثالث[۴۳۱] فتح الاول ورفعه

حال کے بیان) کے اعتبار سے نہیں کہ اس توجیہ کے اعتبار سے صورتیں پانچ سے بڑھ جاتی ہیں پہلی صورت ((دونوں کی فتح)) یعنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ بنا بر آں کہ ہر دو میں لا نفی جنس کے لیے ہو اور لا قوۃ کا عطف لاحول پر ہو جس طرح کہ مفرد کا مفرد پہ عطف ہوتا ہے اور لاحول کی خبر محذوف ہے یعنی لاحول ولا قوۃ موجود الا باللہ یا جیسے ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف ہوتا ہے یعنی لاحول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ پھر پہلے جملے کی خبر کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسرے جملے کی خبر کی (موجودگی کی) وجہ سے اس کی ضرورت نہ تھی ((اور)) دوسری صورت پہلے کلمے کی فتح اور ((دوسرے کی نصب)) یعنی لاحول ولا قوۃً الا باللہ بہرحال پہلے کی فتح اس لئے ہے کہ پہلا لا نفی جنس کے لئے ہے (کہ جو حول اسم مفرد نکرہ متصل بہ لا ہے لہذا مبنی بر فتح ہوگا) اور دوسرے کی نصب اس لئے ہے کہ لا ثانیہ نفی کی تاکید کے لئے زائد (آیا) ہے اور دوسرا (کلمہ قوۃ) پہلے (کلمہ حول) پر معطوف ہے لہذا وہ (دوسرا پہلے کے لفظ پر محمول کئے جانے کی وجہ سے منصوب ہوگا کیونکہ اس کی حرکت اعراب کی حرکت کے مشابہ ہے اور جائز ہے کہ دونوں (اسموں کہ جن کا ایک دوسرے پر عطف ہے) کے لئے ایک خبر مقدر کی جائے (کیونکہ اس میں پہلا لا ہی تنہا عامل ہے لہذا مجموعہ ایک جملہ ہوگا) اور (جائز ہے) یہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ خبر کو مقدر کیا جائے (اس صورت میں

نہیں، اور لا میں پانچ صورتوں کی کوئی تعیین نہیں یعنی دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے بھی ہوسکتا ہے مشابہ بلیس بھی اور زائدہ بھی ایسے ہی اول میں جنس کے لئے ہو اور ثانی میں مشابہ بلیس یا زائدہ ہو یہ بھی جائز ہے وبالعکس وغیرہ وغیرہ فافہم فانہ دقیق واللہ اعلم ۱۲۔

۴۲۹ قولہ الاول فتحہما الخ اول صورت یہ ہے کہ دونوں اسم مبنی علی الفتح ہوں جیسے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس صورت میں دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے ہوگا، اور لا قوۃ کا عطف لاحول پر بر سبیل عطف مفرد علی مفرد ہوگا پس لا قوۃ کی خبر تو الا باللہ ہوگی، اس لئے کہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے جس کو مستثنیٰ منہ محذوف کا اعراب دیا گیا ہے، اور مستثنیٰ منہ محل خبر میں ہے پس مستثنیٰ مفرغ اس کے قائم مقام ہوگا اور لاحول کی خبر محذوف ہوگی ای لاحول ولا قوۃ موجودٌ الا باللہ پس اس صورت میں مثال مذکور ایک جملہ ہوگی، اور تقدیر عبارت یوں ہوگی لاحول عن المعصیۃ ولا قوۃ علی الطاعۃ موجودان لشیءٍ الا باللہ اور دوسری صورت یہ ہے کہ جملہ کا عطف جملہ پر ہو ای لاحول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ پس جملۂ اولیٰ کی خبر کو بقرینہ خبر جملۂ ثانیہ حذف کر دیا گیا یعنی لا قوۃ کی خبر الا باللہ کے باعث جملہ اولیٰ کے لئے ذکر خبر کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، اس لئے اس سے خبر کو حذف کر دیا واللہ اعلم ۱۲۔

۴۳۰ قولہ والثانی فتح الاول الخ دوسری صورت جواز یہ ہے کہ اسم اول مبنی فتحہ بر فتحہ ہو، اور اسم ثانی معرب منصوب یعنی لاحول ولا قوۃً الا باللہ پس اس میں اول کا فتحہ تو اس وجہ سے ہوگا کہ اس میں لا نفی جنس کے لئے ہے اور ثانی کا نصب اس وجہ سے کہ لا زائد ہے جس کی زیادتی تاکید نفی کے لئے عمل میں آئی ہے اس لئے کہ منفی پر جس کا عطف کیا جاتا ہے منفی ہی ہوتا ہے پس لا زائدہ ہوا اور عطف سے نفی مستفاد ہوئی، مگر لا نے زائد ہو کر تاکید کا فائدہ دیا، اور ثانی یعنی قوۃً منصوب اس وجہ سے ہے کہ اس کا حمل لفظ پر ہے اور لفظ یعنی حول کی حرکت حرکت اعراب کے مشابہ ہے پس اس مشابہت کے باعث حرکت اعرابیہ پر بھی اس کا حمل جائز ہے بغیر

اس ہی صورت اولیٰ میں مذکورہ دونوں صورتیں ہیں کہ اگر خبر واحد مقدر ہوگی، تو ایک جملہ ہوگا، اور اگر دونوں کی خبریں علیحدہ علیحدہ ہوں گی تو دو جملے ہوں گے والتقدیر کما مر واللہ اعلم ۱۲۔

۴۳۱ قولہ والثالث الخ تیسری صورت

ای رفع الثانی نحو لاحول ولا قوۃُ الا باللہ اما فتح الاول فلان لا الاولی لنفی الجنس واما رفع الثانی فلان لا زائدۃ والثانی معطوف علی محل الاول لانہ مرفوع بالابتداء عطف مفرد علی مفرد بان یقدر لہما خبر واحد او عطف جملۃٍ علی جملۃ بان یقدر لکل منہما خبر علی حدۃ وَالرابع ۴۳۲ رَفعُہُمَا قولہ بالابتداء نحو لاحولٌ ولا قوۃٌ الا باللہ لانہ جواب قولہم ابغیر اللہ حول و قوۃ فجاء بالرفع فیہما مطابقۃً للسوال ویجوز الامران ہٰہنا ایضا و ۴۳۳ الخامس رَفعُ الاَوّل علی ان لا بمعنی لیس عَلٰی ضعف فان عمل لا بمعنی لیس قلیل وَفتحِ الثَّانِی نحو لاحولٌ ولا قوۃَ الا باللہ علی ان تکون لا لنفی الجنس ۴۳۴ وضعف وجہِ ضعف رفع الاول بانہ یجوز ان یکون

دو جملے ہوں گے)(اور) تیسری صورت اول کی فتح ہے اور (اس کا رفع) یعنی دوسرے کا رفع جیسے لاحول ولا قوۃٌ الا باللہ پہلے کی فتح تو اس لئے ہے کہ لائے اولیٰ نفی جنس کیلئے ہے (اور حول نکرہ مفردہ لا کے بعد بلا فصل واقع ہوا لہٰذا مبنی بر فتح ہوگا) اور دوسرے کا رفع اس لئے ہے کہ لا زائد ہے (اور نفی کی تاکید کیلئے ہے) اور ثانی (یعنی قوۃ) پہلے کے محل پر معطوف ہے کیونکہ اول ابتداء (عامل معنوی) کی وجہ سے مرفوع ہے (اور وہ) مفرد کا مفرد پر عطف ہے (اور وہ) یوں کہ دونوں . . . کے لئے ایک خبر مقدر کی جائے (یعنی لاحول موجود الا اللہ ولا قوۃ کما تقول فی الاثبات زید قائمٌ وعمرو) یا جملے کا جملے پر عطف ہے (اور وہ) یوں کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ خبر مقدر کی جائے ((اور)) چوتھی صورت ((ان دونوں کا رفع ہے)) ابتداء کی وجہ سے جیسے لاحولٌ ولا قوۃٌ الا باللہ کیونکہ یہ کلام ان کے قول أبغیر اللہ (یہ خبر مقدم ہے) حول وقوۃ (مبتدا مؤخر ہے) تو سوال کی مطابقت کی وجہ سے (جواب) رفع کے ساتھ آیا اور یہاں (قسم رابع میں) بھی دو امر جائز ہیں (کہ ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ خبر مقدر کی جائے اور کلام دو جملے قرار پائے یا دونوں کیلئے ایک ہی خبر مقدر ہو اور کلام ایک ہی جملہ سمجھی جائے) ((اور)) پانچویں صورت ((اول کا رفع)) بنا برآنکہ لا لیس کے معنی میں ہو ((ضعف پر)) کیونکہ لا کا عمل لیس کے معنی میں قلیل ہے ((اور دوسرے کی فتح)) جیسے لاحولٌ ولا قوۃَ (قوۃ مبنی بر فتح ہے) الا باللہ بنا برآنکہ لا جو قوۃ سے پہلے ہے، نفی جنس کے لئے ہو اور (اس قسم خامس میں) اول کے رفع کی صورت ضعیف

یہ ہے کہ اول حسب سابق مبنی بر فتحہ ہو اور ثانی مرفوع ہو یعنی لاحول ولا قوۃٌ الا باللہ اول کا مفتوح ہونا تو ظاہر ہے کہ لا نفی جنس کے لئے ہے البتہ ثانی اس وجہ سے مرفوع ہے کہ لا زائدہ ہے، اور اس کا عطف لفظ اول پر نہیں بلکہ محل اول پر ہے) اور محل اول لا سے قطع نظر کرکے ابتدائیت کی بناء پر مرفوع ہے، پھر دونوں کی اگر ایک خبر مانی جائیگی مفرد کا عطف مفرد پر ہوگا، اور دو خبر ہوں تو عطف جملہ علی الجملہ کما مر واللہ اعلم ۱۲

۴۳۲ قولہ والرابع الخ چوتھی صورت یہ ہے کہ دونوں مرفوع ہوں، ابتدائیت کی بناء پر یعنی لاحولٌ ولا قوۃ الا باللہ پس اس وقت دونوں لا عمل سے ملغی ہوں گے، اس لئے کہ یہ قول قول عرب أبغیر اللہ حول وقوۃ کے جواب میں بولا گیا ہے بس دونوں کو مرفوع پڑھا جائے گا، تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے، اور اس صورت میں بھی اس کو ایک جملہ بر سبیل عطف مفرد علی المفرد اور دو جملے بر بناء عطف جملہ علی الجملہ بنانا جائز ہوگا کما مر واللہ اعلم ۱۲۔

۴۳۳ قولہ والخامس الخ اور پانچویں صورت یہ ہے کہ اول کا رفع ہو بر سبیل ضعف اور ثانی کا فتحہ یعنی لاحولٌ ولا قوۃ الا باللہ پس اول کا رفع اس وجہ سے ہے کہ لا بمعنی لیس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اس وجہ سے کہ لا بمعنی لیس بہت کم ہوتا ہے، اور ثانی پر فتحہ اس وجہ سے ہے کہ لا نفی جنس کے لئے ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۴۳۴ قولہ وضعف الخ اس سے شارح کا مقصد قول مصنف رفع الاول علی ضعفٍ کا رد کرنا ہے۔ کہتے ہیں کہ علامہ صنی نے رفع اول کے ضعف کی وجہ کو ضعیف قرار دیا ہے اس لئے کہ جائز ہے کہ اس کا رفع مشابہت لیس کے باعث نہ ہو بلکہ تکریر کے باعث لا کے ملغی عن العمل ہونے کے سبب سے اسم اول مرفوع ہوا اس لئے کہ الغاء عمل کے لئے شرط یہ ہے کہ اسم لا مکرر رہے اور اسم لا کے مکرر ہونے سے تکریر حاصل ہوگئی لہٰذا اس صورت کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں اب اگر کوئی کہے کہ تکریر کے ساتھ ساتھ یہ بھی تو شرط ہے کہ دونوں اسم اعراب میں موافق ہوں یعنی اگر اول مرفوع ہے تو ثانی بھی مرفوع ہو اور یہاں ایسا ہے نہیں اس لئے کہ اول مرفوع ہے اور ثانی مفتوح پس انتفاء شرط

رفعه لا لغاء عمل لا بالتكرير لا لكونها بمعنى ليس لان شرط صحة الغائها التكرير فقط وقد حصل ههنا ولا دخل فيها التوافق الاسمين بعدها فی الاعراب فهذا على التوجيه الاول متعين لعطف جملة على جملة ای لاحول الا بالله ولا قوة الا بالله والا يلزم ان يكون قوله الا بالله منصوبا ومرفوعا وعلى التوجيه الثانی يحتمل ان يكون من قبيل عطف مفرد على مفرد او عطف جملة على جملة كما لا يخفى وَاِذَا دَخَلَتِ[۴۳۵] الْهَمْزَةُ على لا التی لنفی الجنس لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ ای عمل لا ای تاثيرها فی مدخولها اعرابا

ہے وجہ یہ کہ ممکن ہے کہ اس کا رفع تکرار (یعنی مدخول کے مکرر لائے جانے) کے باعث لغو ہوجانے کی وجہ سے ہو لا کے لیس کے معنی میں ہونے کی وجہ سے نہیں کیونکہ لا کے (عمل کو) لغو کرنے کی صحت کی شرط (مدخولِ لا کا) تکرار ہے بس۔ اور وہ یہاں حاصل ہے اور اس (صحتِ الغاء بوجہ تکرار) میں لا کے بعد دونوں اسموں کے اعراب میں باہم موافق ہونے کو کوئی دخل نہیں (یعنی تکرار سے ہی الغاء صحیح ہے خواہ دونوں اسم اعراب میں باہم موافق ہوں یا نہ ہوں عبارت لادخل فیہا التوافق الخ میں لا نفی جنس کا ہے اور دخل اس کا اسم مبنی بر فتح ہے اور فیہا ظرف لغو دخل سے متعلق ہے اور لتوافق الخ میں لام تعلیل کا نہیں بلکہ جار مجرور لائے مذکور کی خبر ہے) پس یہ (قسم خامس) پہلی توجیہ پر (ای علی کون لا فیہ فی الاول بمعنی لیس) ایک جملے کے دوسرے جملے پر عطف کے لئے متعین ہے یعنی لاحول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ ورنہ لازم آئے گا کہ اس کا قول الا باللہ (بہ یک وقت) منصوب اور مرفوع ہو (کیونکہ پہلا لا منصوب اور دوسرا مرفوع کا تقاضا کرتا ہے تو بیک وقت ایک ہی حالت میں دو مختلف عاملوں کا معمول ہوگا جو ناجائز ہے لہذا عطف جملہ بر جملہ متعین ہوگیا) اور دوسری توجیہ پر (یعنی اول کا رفع ابتداء ہونے کی بنا پر اور لا ملغی عن العمل ہو) اس بات کا احتمال ہے کہ یہ عطف مفرد بر مفرد ہو (کیونکہ اول مرفوع بہ ابتداء ہے تو اس کے محل بعید کے اعتبار سے اس پر دوسرے کا عطف جائز ہے اور الا باللہ اول کی خبر ہوگی لہذا یہ ایک جملہ ہوگا) اور (اس بات کا بھی احتمال کہ یہ از قبیل) عطف جملہ بر جملہ ہو (ہو و یعلم وجہہ مما سبق) جیسا کہ مخفی نہیں ((اور جب ہمزہ داخل ہو)) اس لا پر جو نفی جنس کے لئے ہے ((تو عمل متغیر نہ ہوگا)) یعنی لا کا عمل (متغیر نہ ہوگا) یعنی اعراب و بنا کے اعتبار سے لا کی تاثیر اس کے مدخول (اسم و خبر) میں (متغیر نہ ہوگی) کیونکہ عامل

مستلزم ہے انتفاء امر کو لہذا الا ملغی نہیں ہو سکتا اس کا جواب رضی نے ولا دخل فیہا الخ سے یہ دیا کہ اعراب کے اعتبار سے توافق اس میں کو الغاء عمل میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ شرط صرف یہ ہے کہ اسم لا مکرر ہو اور وہ یہاں پایا جاتا ہے، بہرحال اگر مصنف کی بیان کردہ توجیہ کی بنا پر اول کو مرفوع پڑھتے ہیں تو اس صورت میں ترکیب مذکور ایک جملہ نہیں ہو سکتی بلکہ عطف جملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہو گی یعنی لاحولَ الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ اس لئے کہ لائے نفی جنس کی خبر مفتوح اور لا مشابہ بلیس کی مرفوع ہوتی ہے، پس اگر مفرد کا عطف مفرد پر کرکے دونوں کی ایک خبر مقدم مقدر کریں تو اسم واحد کا آن واحد میں اعراب مختلفہ کے ساتھ معرب ہونا لازم آئے گا، یعنی یہ کہ الا باللہ لا نفی جنس کی خبر ہونے کے باعث مرفوع بھی ہو اور لا مشابہ بلیس کی خبریت کی بنا پر منصوب بھی اور یہ محال ہے اور مستلزم امر محال کا خود محال ہوتا ہے لہذا دونوں کو ایک جملہ بنانا محال ہوگا لیکن اگر رضی کی بیان کردہ توجیہ کو اختیار کرتے ہیں تو دونوں ترکیبیں جائز ہو سکتی ہیں کما لا یخفی علی ماہر واللہ اعلم۔

[۴۳۵] قولہ واذا دخلت الخ اور اگر لا نفی جنس پر ہمزہ داخل ہو تو لا کا عمل متغیر نہیں ہوگا اس جگہ شارح نے ای عمل لا کے اضافہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کوئی یہ اعتراض نہ کردے کہ بحث تو ہو رہی ہے لا نفی جنس سے اور ذکر آگیا تغیر عمل کا لہذا یہ خروج عن المبحث نہیں ہے تو اور کیا ہے! پس چونکہ عمل لا بڑھا دیا گیا ہے یعنی لا کا عمل متغیر نہیں ہوگا۔ اور عمل لا متعلقات لا میں سے ہے لہذا خروج عن المبحث نہیں یا یہ سمجھ لیجئے کہ العمل میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے جیسے اس کی تفسیر ای تاثیرہا الخ سے کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی

تقریر یہ ہے کہ لفظ عمل اصطلاح میں معرب میں عمل کرنے سے عبارت ہے۔ اور مثلاً لا رجل فی الدار معرب نہیں بلکہ مبنی ہے پس لم یتغیر العمل کہنا کیسے درست ہے جواب یہ ہے کہ عمل سے مراد معنی لغوی ہیں نہ کہ اصطلاحی یعنی

عمل بمعنی تاثیر ہے، اور ظاہر ہے کہ لا کا مدخول خواہ معرب ہو یا مبنی لا کا اس میں اثر ضرور ہوگا اور عدم تغیر عمل کی یہ وجہ ہے کہ کلمہ استفہام کے داخل ہونے کی وجہ سے عامل کا عمل نہیں بدلا کرتا پس اگر دخول ہمزہ سے پہلے لا کا اسم

وبناءً لان العامل لا يتغير عمله لدخول كلمة الاستفهام ومعناها اى معنى الهمزة الداخلة على لا التى لنفى الجنس اما الاستفهام حقيقة فتقول الا رجل فى الدار مستفهما واما العرض مثل الا نزول عندى ولم يذكر سيبويه ۴۳۶ ان حال لا فى العرض كحاله قبل الهمزة بل ذكره السيرافى وتبعه الجزولى والمصور رد ذلك الاندلسى وقال هذا خطاء لانها اذا كانت عرضا كانت .. من حروف الافعال مثل ان ولو وحروف التحضيض فيجب انتصاب الاسم بعدها نحو الا زيدا تكرمه واما ۴۳۷ التمنى

(خواہ لفظی ہو یا معنوی، سماعی ہو یا قیاسی، رافع ہو یا ناصب یا جارہ) کا عمل کلمۂ استفہام کے دخول کی وجہ سے متغیر نہیں ہوگا (اور اس کا معنی) یعنی اس ہمزے کا معنی جو لائے نفی جنس پر داخل ہوتا ہے (تین چیزیں ہیں) یا ((استفہام ہے)) حقیقت میں، پس تم کہوگے الا رجل فی الدار سوال کرتے ہوئے (اور) یا ((عرض ہے)) جیسے الا تنزل عندی اور سیبویہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ عرض میں لا کا حال اس کے قبل از ہمزہ کے حال کی طرح ہے بلکہ امام سیرافی نے اس کو ذکر کیا اور امام جزولی اور مصنف ان کے پیرو ہوئے اور اندلسی (ہمزہ کی فتح اور نون کی جزم اور دال کی فتح) نے اس کو رد کیا اور کہا کہ یہ خطا ہے کیونکہ یہ (لائے نفی جنس ہمزہ کے دخول کے بعد) جب عرض ہوا تو افعال کے حروف سے ہوا یعنی ان حروف میں سے ہوا جو لفظاً یا تقدیراً افعال کے متقاضی ہیں حروف شرط کی طرح) جیسے ان اور لو اور (جیسے) حروف تحضیض ہیں (مثلاً ھلا والا ولولا ولوما) تو (ان کے بعد جس طرح اسم منصوب ہوتا ہے یوں ہی) الا کے بعد اسم کا منصوب ہونا ضروری ہے جیسے الا زیدا تکرمہ (تقدیرہ الا تکرم زیدا تکرمہ فحذف تکرم الاول للثانی ((اور)) یا ((تمنی))

بنی ہے تو دخول ہمزہ کے بعد بھی بنی ہی رہے گا، اور معرب ہے تو معرب رہے گا، البتہ اس ہمزہ کے معنی کہ جو لا نفی جنس پر داخل ہو کبھی استفہام حقیقی کے ہوں گے، جیسے سوال کرتے ہوئے کہا جائے الا رجل فی الدار (کیا گھر میں کوئی مرد نہیں ہے) یا استفہام مجازی کے اور استفہام مجازی عرض وتمنی کو کہتے ہیں عرض کی مثال جیسے الا نزول عندی (کیا میرے پاس آپ کا نزول نہیں ہوگا) اس جگہ شارح نے العرض اور التمنی سے پہلے اما کا اضافہ کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کلام مصنف سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ

ہمزہ کے معنی تینوں امور کا مجموعہ ہیں اس لئے کہ واو عاطفہ جمع کے لئے ہوتا ہے اور جمع بحرف الجمع، جمع بلفظ الجمع کی مانند ہوتی ہے اور استفہام معنی حقیقی ہیں، اور عرض وتمنی معنی مجازی پس حقیقت ومجاز کا اجتماع لازم آیا اور یہ ناجائز ہے پس شارح نے اما سے اشارہ کردیا کہ تینوں کا مجموعہ مراد نہیں بلکہ تینوں میں سے کوئی ایک مقصود ہے اس لئے کہ واو عاطفہ اما تردیدیہ کے معنی میں ہے پھر چونکہ اما تردیدیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ معطوف علیہ پر بھی داخل ہوتا کہ اول امر سے ہی یہ معلوم ہوجائے کہ کلام شک پر مبنی ہے

لہٰذا اس لئے شارح نے الاستفہام پر بھی اما داخل کرکے اس طرف اشارہ کردیا واللہ اعلم

۴۳۶ قولہ ولم یذکر الخ اس سے شارح کا منشا یہ بیان کرنا ہے کہ مصنف نے کتاب کے قواعد بیان کرنے میں سیبویہ کی رائے کا اتباع کیا ہے، اور سیبویہ نے اس امر کو ذکر نہیں کیا کہ لا کا حال عرض میں بھی دخول ہمزہ سے پہلے جیسا ہے یا نہیں پس چونکہ اس بارے میں سیبویہ سے کچھ مذکور ہی نہیں بلکہ اس کو سیرافیؒ نے ذکر کیا ہے لہٰذا مصنف نے اس کا اتباع کرلیا، اور جزولی نے بھی سیرافی ہی کا اتباع کیا ہے لیکن اندلسی اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مصنف نے اس کو اختیار کرکے خطا کی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ عرض کی صورت میں اس کا حال دخول ہمزہ سے پہلے جیسا ہے اس لئے کہ لا نفی جنس جب دخول ہمزہ کے بعد عرض ہوجائے گا تو یہ ان حروف افعال میں سے ہوجائیگا۔ کہ جن کے بعد فعل کو لفظاً یا تقدیراً ذکر کرنا ضروری ہے یعنی ان لو اور حروف تحضیض الا وغیرہ کی طرح اور یہ حروف فعل پر داخل ہوتے ہیں، خواہ فعل مقدر ہو یا لفظاً مذکور ہو پس اگر فعل مقدر ہو تو اسم کو بنا ٔ علی شریطۃ التفسیر نصب دینا واجب ہوگا جیسے الا زیدا تکرمہ ای الا تکرم زیدا تکرمہ واللہ اعلم

۴۳۷ قولہ واما التمنی الخ یا ہمزہ کے معنی تمنی کے ہوں گے، جیسے الا ماءً اشربہ (کاش کہ پانی ہوتا کہ میں اس کو پی لیتا) اور یہ معنی تمنی کے اس وقت ہونگے جب کہ پانی کی امید نہ ہو اس لئے کہ اگر پانی کی امید ہوگی تو اس وقت استفہام حقیقی پایا جائے گا، اور ہمزہ کو تمنی کے لئے کہنا درست نہیں ہوگا اب اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قول شاعر ع الا رجلاً جزاہ اللہ خیراً یدل

نحو الاماء اشربه حيث لا يرجى ماء واما قوله ع الا رجلا جزاه الله خيرا
فهذه عند الخليل ليست لا الداخلة عليها الاستفهام ولكنه حرف موضوع
للتحضيض براسه فكانه قال الا ترونني رجلا يعني هلا ترونني رجلا ولذلك
نصب ونون وهي عند يونس لا التي دخلت عليها همزة الاستفهام بمعنى التمني
فكان القياس الا رجل ولكنه نونه لضرورة الشعر ونعت اسم لا المبني

جیسے الاماء اشربہ جہاں پانی کی امید نہ ہو حیث لا یرجی ماء کی قید اس لیے لگائی تاکہ کلام تمنی ٹھیرے کہ جہاں پانی کی امید ہو وہاں استفہام اپنی حقیقت پر محمول ہوگا تمنی نہیں ٹھیریگا کیونکہ غیر مرجو کا استفہام نہیں کیا جاتا) اور شاعر کا قول ع الا رجلا جزاہ اللہ خیرا (قیاس میں الا رجل الخ مبنی بر فتح ہوتا) تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) کلمہ الا خلیل نحوی کے نزدیک وہ لائے نفی جنس ہی نہیں جس پر حرف استفہام داخل ہوتا ہے لیکن یہ ایک حرف ہے جو مستقل طور پر تحضیض کے لئے موضوع ہے گویا کہ شاعر نے کہا الا ترونني (از اراءة) رجلا یعنی ھلا ترونني رجلا جزاہ اللہ خیرا اس کے بعد فعل ناصب کو بہ قرینہ جزاہ حذف کردیا گیا کہ جزاہ فعل ناصب کا سبب ہے جو اپنے مسبب کے لئے قرینہ ہے نیز کلمہ تحضیض بھی قرینہ ہے کہ (وہ دخل افعال سے ہے) اور اس وجہ سے (کہ الا حرف از حروف تحضیض ہے اور اس کا ما بعد اسم فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے) رجلا کو نصب دیا اور منون (بہ نون تنوین) کیا گیا - - - - - - - - - - (الا جب ماضی پر داخل ہو تو ترک فعل پہ توبیخ و ملامت کے معنی دیتا ہے اور جب مضارع پر داخل ہو تو فعل کے انجام دینے اور طلب کرنے کی ترغیب کو مفید ہوتا ہے) اور یہ (کلمہ الا) یونس نحوی کے نزدیک وہ لا ہے جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوا ہے (یعنی یہ لائے نفی جنس اور ہمزۂ استفہام سے مرکب ہے سو یہ) تمنی کے معنی میں ہے (کقولک الاماء اشربہ) پس قیاس تو الا رجل (بفتح رجل بلا تنوین) تھا لیکن شاعر نے اسے ضرورت شعری وجہ سے تنوین دیدی (کہ ہر مصرع میں اس کا وزن مفاعلتن مفاعلتن فعولن ہے جب تنوین نہ ہو تو مصرع اول ایک حروف سے کم رہے گا کہ تنوین شعراء کے نزدیک حرف شمار ہوتا ہے) (اور لا کے) اسم (مبنی کی نعت) لا

ہمزہ تمنی کے لئے ہے، مگر لا کا عمل باطل ہے، اس لئے کہ اس کا اسم منصوب ہے، مفتوح نہیں۔ پس شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں، ایک اپنے قول عند الخلیل سے اور دوسرا قولہ عند یونس الخ سے۔ پس کلمۂ الا خلیل کے نزدیک وہ نہیں ہے کہ جس پر حرف استفہام داخل ہو بلکہ یہ مستقل طور پہ تحضیض کے لئے ہلا اور الا کیطرح حرف موضوع ہے پس گویا کہ شاعر نے الا ترونی رجلاً کہا اور اس سے ہلا ترونی رجلاً مراد لیا یعنی جب یہ حرف تحضیض ہوا تو اس کے بعد فعل کا مذکور ہونا ضروری ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً پس اس کا فعل ترونی مقدر ہے، اور رجلاً اس فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ پس اس میں فعل کو اس وجہ سے وجوباً حذف کردیا گیا کہ اس کا ما بعد اس فعل کی تفسیر کر رہا ہے، اور اس فعل مذکور کے باعث رجلاً کو نصب آسکتا ہے اگر اس کو رجلاً پر مسلط کردیا جائے پس فعل مقدر کی وجہ سے رجلاً کو منصوب کرکے تنوین دی گئی، ترونی تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور مادہ مصدر باب افعال سے پس اس کی اصل ترئیون تھی، پس ہمزہ اور یاء کو تعلیلاً حذف کردیا گیا ترون بضم التاء والراء رہ گیا اس لئے کہ یاء مضموم کی حرکت منقول ہوکر راء پر آگئی، اور تاء باب افعال سے مضارع ہونے کی وجہ سے پہلے سے مرفوع ہے پھر اس میں نون وقایہ اور یاء ضمیر متکلم مفعول بہ کا اضافہ کردیا گیا اور یونس کے نزدیک یہ ہے کہ یہ لا وہی ہے کہ جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوا ہے، اور بمعنی تمنی ہے پس قیاس اس امر کو مقتضی ہے کہ الا رجل ہو لیکن چونکہ ضرورۃ شعریہ اس امر کو مقتضی ہے کہ اس کو تنوین دی جائے ورنہ وزن غلط ہوجائیگا، اور شعر موزونیت سے نکل جائے گا لہٰذا اس کو تنوین دے دی گئی

پس اس عارض کی وجہ سے اس کا عمل باطل نہیں ہوا۔ (فائدہ) یہ شعر مکمل اس طرح ہے

ے　الا رجلاً جزاہ اللہ خیراً
یدلنی علی محصلۃ تبیت

محصلہ بکسر المیم معشوقہ کا نام ہے۔ اور تبیت باب افعال سے ہے بمصدر الابانۃ بمعنے کان سے سونا نکالنا اور اس میں جزاہ اللہ خیراً جملہ دعائیہ معترضہ ہے اور اس کی

تحلیل توجیہ اول کی بناء پر یوں ہے الا ترونی رجلاً یہدینی طریقاً لوصلنی الی ھذہ المحبوبۃ المسماۃ بالمحصلۃ التی لتخرج الذہب عن المعدن یعنی مجھ کو ایسا مرد کیوں نہیں دکھاتے جو مجھ کو راستہ بتائے اور مجھ کو میری محبوبہ محصلہ تک پہنچا دے جو کہ کان سے سونا نکالتی ہے (اللہ اس مرد کو جزائے خیر دے) اور توجیہ

لا نعت اسمها المعرب احترازٌ عن نحو لا غلامَ رجلٍ ظریفًا الاَوّل بالرفع صفة للنعت ای لا الثانی وما بعده احتراز عن مثل لا رجلَ ظریفَ کریمٌ فی الدار مفردًا حال من ضمیر مبنی والعامل فیه مبنی احتراز عن مثل لا رجلَ حسنُ الوجہ یلیہ حال بعد حال او صفة مفردًا احتراز عن المفصول نحو لا غلامَ فیها ظریفٌ وهذا القید یغنی عن الاول مَبنِیٌّ[۴۳۹] علی الفتح حملًا علی المنعوت لمکان الاتحاد بینهما والاتصال وتوجه النفی الیه ای الی النعت حقیقة والمبنی[۴۴۰] فی قوله

کے اسم معرب کی نعت نہیں یہ لا غلام رجل ظریفا کے مثل سے احتراز ہے ((اول)) لفظ اول کے رفع کے ساتھ نعت کی صفت ہے یعنی (نعت اول) نعت ثانی اور اس کا مابعد نہیں یہ لا رجل ظریف کریم فی الدار کے مثل سے احتراز ہے ((مفرد ہونے کی حالت میں)) (مفردا) مبنی کی ضمیر حال ہے اور اس میں مبنی عامل ہے (اس قید سے) لا رجل حسن الوجہ کے مثل (غیر مفرد) سے احتراز ہے ((اس کے ساتھ متصل ہو)) (یلیہ) حال بعد حال یا مفردا کی صفت ہے (یلیہ کی قید سے) مفصول (یعنی غیر متصل) سے احتراز ہے جیسے لا غلام فیہا ظریف اور یہ قید، قید اول سے بے نیاز کرتی ہے

.... (جامی صاحب نے ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے جسے ایک فطین شخص ہی سمجھ سکتا ہے اور وہ یہ کہ مفرد کا معنی یہ ہے کہ مسبوق بہ چیزے دیگر نہ ہو اور یلیہ کا معنی بھی یہی ہے تو مفردا اور یلیہ میں ترادف ہوا) ((مبنی ہوگی)) فتح پر موصوف پر محمول کرتے ہوئے کیونکہ دونوں (موصوف وصفت) کے درمیان (صدق میں) اتحاد و اتصال موجود ہے اور اور نفی (موصوف کی طرح) نعت کی طرف متوجہ ہے حقیقۃً اور مصنف کے قول ونعت

اسم لا کا اضافہ کرکے شارح نے المبنی صفتہ کے موصوف کو ظاہر کیا ہے پس اس سے اسم لا معرب کی نعت خارج ہوجائے گی اسم کے مبنی نہ ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ اس صورت میں اس نعت کا حکم فقط یہی ہوگا کہ وہ بھی اپنے متبوع کی طرح ثانی کی بنا پر یہ معنی ہیں کہ کاش کہ کوئی مرد ایسا ہوتا جو مجھ کو راستہ بتاتا اور مجھ کو میری محبوبہ محصلہ تک پہنچا دیتا جو کان کنی کا کام کرکے سونا نکالتی ہے (اللہ اس کو جزاء خیر دے) واللہ اعلم ۱۲۔

۴۳۸ قولہ ونعت اسم الخ اس جگہ معرب ہی ہو جیسے لا غلام رجل ظریفا کہ اس میں لا کا اسم غلام رجل معرب ہے پس اس کی نعت بھی ظریفا معرب ہے اور قولہ الاول رفع کے ساتھ ہے اس لئے کہ یہ نعت کی صفت ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی نعت اول ہو ثانی وثالث وغیرہ نہ ہو پس اس سے وہ نعت خارج ہو گئی کہ جو ثانی وثالث نمبر پر ہو جیسے لا رجل ظریف کریمٌ فی الدار کہ اس میں کریمٌ نعت ثانی ہے لہٰذا یہ صرف معرب ہوگی مبنی نہیں اور قولہ مفردا نعت المبنی الخ مبتدا کی خبر مبنیٌ کی ضمیر مستتر سے حال واقع ہے کہ جس میں مبنیٌ عامل ہے، یعنی وہ ضمیر مبنیٌ کا مفعول مالم یسمّ فاعلہ ہے پس اس صورت میں حال ذوالحال سے مؤخر ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی نعت اول مفرد ہو مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو لہٰذا اس سے مضاف اور اسم شبہ مضاف خارج ہو جائیں گے اس لئے کہ نعت غیر مفرد بھی صرف معرب ہوگی مبنی نہیں جیسے لا رجل حسن الوجہ اور قولہ یلیہ مبنیٌ مؤخر کی ضمیر مستکن سے حال بعد حال ہے یعنی مفردًا اور یلیہ دونوں حال مترادفہ ہیں یا یہ کہ مفردًا کی صفت ہے پس اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی نعت اول مفرد ہونے کے ساتھ ساتھ اسم لا سے متصل بھی ہو لہٰذا اس سے نعت مفصول خارج ہو جائے گی، جیسے لا غلام فیہا ظریفٌ کہ اس میں نعت اور منعوت کے درمیان فیہا فاصل ہے لہٰذا یہ نعت بھی صرف معرب ہوگی اب شارح اس قید اخیر یلیہ کے متعلق وہذا القید الخ سے کہہ رہے ہیں کہ اس قید کے ہوتے ہوئے قید اول کی ضرورت باقی نہیں رہتی یعنی جب اسم لا کے ساتھ نعت کا اتصال ہوگا تو لامحالہ وہ نعت اول بھی ہوگی ثانی اور ثالث وغیرہ نہیں ہوسکتی لہٰذا مصنف کو قید الاول حذف کر دینا مناسب تھا، اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ حال مبتدی کی رعایت کرتے ہوئے مصنف نے ایسا کیا یعنی یہ کہ الاول سے ثانی اور ثالث وغیرہ نہ ہونا مراد ہے اتصال اس حیثیت سے مراد نہیں کہ اس میں غیر نعت حائل ہو جیسے لا غلام فیہا میں فیہا غیر نعت حائل ہے، اور یلیہ سے وہ اتصال مراد ہے کہ جو نعت کا غیر ہو چہ جائیکہ اول وثانی وغیرہ ہو پس دونوں میں من وجہٍ فرق ہے اس لئے مصنف نے دونوں قیدیں ذکر کر دیں واللہ اعلم ۱۲۔

۴۳۹ قولہ مبنیٌ علی الفتح الخ یہ نعت اسم لا المبنی الخ کی صفت ہے اور قول مابعد معربٌ

ونعت المبنی اشارة الی مابنی علی الفتح بالاصالة لا بالتبعیة فانه المذکور سابقا فلا یرد انه اذا کرر المبنی وبنی علی الفتح ثم جی بنعت لا یجوز بناؤه مثل لا ماء ماء باردا مع انه یصدق علیه انه نعت المبنی الاول مفردا یلیه فان باردا فی هذا المثال نعت للتابع لا للمتبوع کما هو الظاهر ولو جعل نعتا للمتبوع فلیس مما یلیه لتوسط التابع بینهما ومُعرَبٌ ۴۴۱ لان الاصل

"المبنی میں "المبنی" اس مبنی کی طرف اشارہ ہے جو بالاصالۃ مبنی بر فتح ہو بالتبعیۃ نہیں کہ سابق میں (مصنف کے قول فان کان مفردا فھو مبنی کے اندر) مبنی بالاصالت ہی مذکور ہے لہذا اس توجیہ کے بعد) یہ سوال وارد نہ ہوگا کہ جب مبنی کو مکرر لایا جائے اور مکرر کو (اول کی طرح) مبنی بر فتح کیا جائے (کہ یہ اس کی تاکید ہے) پھر نعت لائی جائے (اور اسے ثانی کی نعت قرار دیا جائے کما ہو الظاہر) تو اس نعت کی بنا جائز نہ ہوگی جیسے لا ماء ماء باردا باوجودیکہ باردا پر صادق آتا ہے کہ یہ مبنی اول کی نعت ہے جبکہ مفرد ہے اس کے ساتھ متصل ہے (حالانکہ اس کی بنا جائز نہیں ہے) کہ اس مثال میں باردا تابع (یعنی ماء ثانی) کی نعت ہے متبوع (ماء اول) کی نہیں جیسا کہ (نعوت سے) ظاہر ہے۔ اور اگر باردا کو متبوع (یعنی ماء اول) کی نعت قرار دیا جائے تو یہ نعت ان نعوت سے نہیں ہے جو منعوت کے ساتھ متصل ہوتی ہیں کیونکہ دونوں کے درمیان تابع (ماء ثانی) کا واسطہ ہے "(اور معرب ہوگی)"

اس پر معطوف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب اسم لا مبنی کی صفت اول مفرد ہو اسم لا سے متصل ہو تو وہ مبنی اور معرب دونوں ہو سکتی ہیں، پھر صورت اعراب میں اس پر رفع و نصب دونوں جاری ہو سکتے ہیں پس نعت اول مبنی بر فتح اس وجہ سے ہوگی کہ اس کو منصوب پر محمول کیا جائے گا اس لئے کہ اولاً منعوت اور نعت دونوں کی ذات متحد ہے یعنی مکان سے مراد ذات ہے، اور دونوں کے درمیان اتحاد ثابت ہے اس لئے کہ رمل اور ظریف دونوں کے افراد متحد ہیں، اور ثانیاً نعت کا اتصال اپنے منعوت سے ہے، اور ثالثاً یہ کہ نفی حقیقۃً نعت کی طرف متوجہ ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے، کہ جب کلام منفی مقید با قید ہوتا ہے تو نفی حقیقت میں قید کی طرف راجع ہوتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا نفی قید پر داخل ہے، اور قید سے مراد اس جگہ نعت ہے اس لئے کہ وہ اپنے منعوت کی قید ہے، پس بقاعدہ مذکورہ جب نفی مقید با قید پر داخل ہو کر قید یعنی نعت کی نفی ہوئی تو گویا نفی نعت پر داخل ہوئی اور چونکہ وہ مفرد ہے لہذا قید یعنی نعت بھی مبنی بر فتحہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۴۴۰ قولہ والمبنی فی قولہ الخ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اسم مبنی جب مکرر لایا جائے، اور مکرر کو مبنی بر فتحہ کر دیا جائے، اور پھر اسم مکرر کی نعت لائی جائے تو اسم مکرر کی نعت میں بناء جائز نہیں رہتی حالانکہ قاعدہ اس امر کا مقتضی ہے کہ بناء جائز ہو جیسے لا ماء ماءً باردًا کہ اس پر قاعدۂ مذکورہ صادق آ رہا ہے، اس لئے کہ باردًا اسم مبنی کی نعت اول ہے، اور مفرد بھی ہے نیز یہ کہ متصل بھی مگر اس کے باوجود نعت صرف معرب

ہے مبنی نہیں شارح نے جواب دیا کہ قول مصنف نعت المبنی میں مبنی سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسم مبنی علی الفتح بالاصالۃ ہو بالتبعیۃ نہ ہو اس لئے کہ بناء جب مطلق بولی جاتی ہے تو بناء بالاصالۃ مراد ہوتی ہے بالتبعیۃ نہیں نیز یہ کہ ماسبق میں قول مصنف فان کان مفرداً فھو مبنیٌ علی ما ینصب بہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ بناء سے مراد بناء اصلی ہے تبعی نہیں، اور باردًا مثال مذکور میں تابع کی نعت ہے یعنی ماءِ ثانی کی جو کہ ماء اول کی تاکید کے لئے ہے متبوع یعنی ماءِ اول کی نعت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے لہذا جب بناء اصلی فوت ہو گئی تو باردًا صرف معرب ہی ہوگا مبنی نہیں پھر کما ہو الظاہر سے اس طرف اشارہ ہے کہ باردًا میں اس احتمال کے علاوہ دوسرا احتمال بھی ہے

جس کو شارح خود بھی بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ اگر اس کو متبوع یعنی ماء اول کی نعت قرار دیا جائے تو شرط اتصال فوت ہو جاتی ہے اس لئے کہ متبوع اور نعت کے درمیان ایک اور تابع حائل ہے یعنی ماءٌ لہذا اس صورت میں بھی باردًا کو مبنی نہیں کہا جا سکتا صرف معرب ہی رہے گا۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۴۴۱ قولہ ومعربٌ الخ اور نعت اول کو بناء کے ساتھ ساتھ معرب بھی پڑھ سکتے ہیں، اس لئے کہ توابع میں ان کے اپنے متبوعات کی تبعیت کی وجہ سے اصل یہ ہے کہ وہ اپنے متبوعات کے اعراب میں تابع ہوں نہ کہ بناء میں اس لئے کہ بناء ایک عارضی امر ہے، اور اصل اسم میں اعراب ہے لہذا نعت مذکور گویا تو اسم لا کے محل بعید پر حمل کرنے کی

فی التوابع تبعیتھا لمتبوعاتھا فی الاعراب دون البناء رفعًا حملًا علی محلہ البعید ونصبًا حملًا علی اللفظ او علی محلہ القریب نحو[۴۴۲] لا رجل ظریفَ بالفتح وظریفٌ بالرفع وظریفًا بالنصب والّا[۴۴۳] ای وان لم یکن النعت کذٰلک فالاعراب ای فحکمہ الاعراب لا غیر رفعًا حملًا علی المحل البعید ونصبًا حملًا علی اللفظ او المحل القریب وقد مرت امثلتہ فی بیان فوائد القیود والعطف[۴۴۴] علی اسم لا المبنی اذا کان المعطوف نکرۃً بلا تکریر لا فی المعطوف فانہ اذا کان المعطوف معرفۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الامثلۃ

کیونکہ توابع اصل ان کا اپنے متبوعات کے لئے اعراب میں تابع ہونا ہے نہ بناء میں (نعت مذکور کو) ((رفع دیا جائے گا)) اس کے محل بعید پر حمل کرنے کی وجہ سے ((اور نصب دیجائیگی)) لفظ یا اس کے محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ سے ((جیسے لا رجل ظریف)) فتح کے ساتھ یعنی مبنی بر فتح ہوگا) ((اور ظریفٌ)) رفع کے ساتھ ((اور ظریفًا)) نصب کے ساتھ ((ورنہ)) یعنی اگر نعت اس طرح نہ ہو ((تو اعراب ہے)) یعنی تو اس کا حکم اعراب ہے دوسرا کوئی نہیں رفع دیا جائے گا محل بعید پر حمل کرنے کی وجہ سے اور نصب دی جائے گی لفظ یا محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ سے اور نعت کے معرب ہونے کی مثالیں فوائد قیود کے بیان میں گذر چکی ہیں ((اور عطف ہے)) لا کے اسم مبنی پر جبکہ معطوف نکرہ ہو اور معطوف میں لا مکرر بھی

وجہ سے مرفوع پڑھیں گے، اس لئے کہ لا کا اسم حقیقۃ میں مبتدا ہے اور محلًا مرفوع یا اسم لا کے لفظ اور محل قریب پر حمل کرنیکی وجہ سے منصوب ۱۲ واللہ اعلم۔

۴۴۲ قولہ نحو لا رجل الخ یہ مذکورہ بالا قاعدہ کی مثال ہے، اور اس میں ظریف اول مبنی بر فتحہ ہے، اور ثانی معرب مرفوع اور ثالث معرب منصوب واللہ اعلم ۱۲۔

۴۴۳ قولہ والّا الخ اور اگر نعت اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف نہ ہو تو اس میں صرف اعراب جائز ہوگا یعنی یا مرفوع ہوگی، محل بعید پر حمل کرتے ہوئے یا منصوب لفظ اور محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ سے اور فوائد قیود کے ضمن میں چار صورتیں خارج ہوئی تھیں یعنی (۱) نعت معرب کی ہو، (۲) نعت اول نہ ہو (۳) غیر مفرد ہو (۴) غیر متصل ہو۔ لہٰذا انتفاء قیود کے وقت یہ چاروں صورتیں اعراب میں منحصر ہوں گی، اور امثلہ ہر ایک کی گذر چکیں لہٰذا ان کے ذکر کی ضرورت نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۴۴۴ قولہ والعطف الخ اور لائے نفی جنس کے اسم مبنی پر عطف جائز ہے، جبکہ معطوف نکرہ ہو اور اس میں تکریر لا نہ ہو اس لئے کہ اگر معطوف نکرہ کے بجائے معرفہ ہوگا تو معطوف میں رفع واجب ہے، جیسے لا غلام لک والفرسُ کہ اس میں الفرسُ معطوف معرفہ ہے لہٰذا اس کو مرفوع پڑھنا ضروری ہے، اس لئے کہ اگر اس کو منصوب پڑھیں گے، لفظ یا محل قریب پر حمل کرتے ہوئے تو لفظ لا معرفہ میں بھی عامل ہوگا، اور یہ محال ہے اس لئے کہ لا نکرہ میں عمل کرتا ہے معرفہ میں نہیں، معرفہ میں لا ملغی ہوتا ہے لہٰذا اس کو لا محالہ مرفوع ہی پڑھیں گے، اور اگر نکرہ معطوف میں لا مکرر ہو تو اس کا حکم لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے ضمن میں معلوم ہو چکا اس وجہ سے نکرہ اور بلا تکریر لا کی قید کا اضافہ کیا گیا پس اس وقت معطوف میں دو وجہ جائز ہیں ایک یہ کہ عطف اسم لا مبنی کے لفظ یا محل قریب پر ہو اور وہ نصب ہے پس اس کو منصوب پڑھا جائے دوسرے یہ کہ عطف محل بعید پر لیا جائے، اور محل بعید اس کا ابتدائیت کی بنا پر رافع ہے لہٰذا اس کو مرفوع پڑھا جائے پس عطف کی صورت میں معطوف صرف معرب ہو سکتا ہے، بنا رہنا جائز نہیں کیونکہ متبوع اور تابع کے درمیان واو عاطفہ فاصل موجود ہے، اور بنا کے لئے اتصال نعت منعوت سے شرط ہے، اور معطوف کو متصل کے حکم میں اس وجہ سے نہیں کر سکتے کہ یہ وہ محل ہے کہ جس میں فصل کا گمان کیا جا سکتا ہے کہ لا مذکورہ کے ساتھ فصل واقع ہو اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر منفی پر عطف ہو تو معطوف میں اکثر لا زیادہ کر دیا جاتا ہے جیسے لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں کہ قوۃ کا عطف حول منفی پر ہے لہٰذا اس میں واو عاطفہ کے ساتھ لا بھی زیادہ کر دیا گیا پس اس قاعدہ کی رو سے اس میں لا زائدہ فاصل ہو سکتا ہے، پس جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ عاطف کو اس اعتبار سے متصل کے حکم میں کر دیا جائے کہ یہ عامل کے قائم مقام ہے صحیح نہیں اس لئے کہ جب عامل مکرر ہو جائیگا تو نیابت بھی ختم ہو جاتی ہے، اور تابع و متبوع کے درمیان فصل بھی آجاتا ہے جو کہ بنا کے لئے مضر ہے لہٰذا معطوف میں صرف اعراب ہی جائز ہوگا بنا نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

وجب رفعہ نحو ....

لا غلام لك والفرس واذا كان لا مكررًا فى للعطوف فحكمه ما علم فى قوله لا حول ولا قوة فيما سبق بان يحمل على اللفظ اى لفظ اسم لا المبنى ويجعل منصوبا او بان يحمل على المحل ويجعل مرفوعا جائز ولا يجوز فيه البناء لمكان الفصل بالعاطف ولم يجعل فى حكم المتصل لمظنة الفصل بلا المؤكدة اذا المعطوف على المنفى يزاد فيه لا كثيرًا نحو لا حول ولا قوة مثل لا اب وابنًا وابن فى قول الشاعر ؎

وَلَا اَبَ وابنًا مثل مروان وابنه   اذ هُوَ بالمجد ارتدى وتازرا

نہ ہو کیونکہ جب معطوف معرفہ ہو تو اس کا رفع واجب ہے جیسے لا غلام لک والفرس (کیونکہ اگر معرفہ کو لفظ یا محل پر حمل کر کے نصب دی جائے تو لفظ لا معرفہ میں عامل ہوگا حالانکہ یہ محال ہے اس لئے کہ لا نکرہ مضاف یا مشابہ مضاف ہی میں عمل کرتا ہے) اور جب لا معطوف میں مکرر ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو مصنف کے قول لا حول ولا قوۃ میں ماسبق میں گذرا ہے یہ کہ (لفظ پر محمول کیا جائے یعنی لا کے اسم مبنی کے لفظ پر (محمول ہو) اور منصوب کیا جائے (اور) یہ کہ (محل پر) محمول اور مرفوع کیا جائے (جائز ہے) اور عاطف سے فصل کے وجود کے باعث معطوف میں بنا جائز نہیں (ولا شک ان البناء مع الفصل ممتنع) اور معطوف کو لائے موکدہ (زائدہ) کے ساتھ فصل کے گمان کی وجہ سے متصل کے حکم میں نہیں کیا گیا (وہذا محل یظن فیہ الفصل کما فی قولہ تعالیٰ لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ برعکس صفات وندا کہ دریں جا ایں گمان نباشد پس فرق واضح گردید) کیونکہ (مطلقاً) منفی پر جو معطوف ہوتا ہے اس میں بکثرت لا (برائے تاکید نفی) زیادہ کیا جاتا ہے جیسے لا حول ولا قوۃ (اس میں بعض توجیہات کے اعتبار سے لائے ثانیہ زائدہ ہے کما عرفت سابقا) (جیسے لا اب وابنا وابن) (اس میں لف ونشر مرتب ہے اول منصوب وثانی مرفوع ہے عطفا علی اللفظ وعلی المحل) شاعر کے قول میں ولا اب وابنا مثل مروان وابنہ ....

.... (شاعر کے کلام میں لا نفی جنس کا ہے اور اب نکرہ مفرد بلا فصل مبنی بر فتح اور ابنا نصب کے ساتھ اس کے لفظ پر عطف ہے اور خبر محذوف یعنی لا اب وابنا موجودان جبکہ عطف مفرد بر مفرد ہو اور موجود محذوف ہوگا اگر عطف جملہ بر جملہ ہو بنا بر تقدیر اول کلام ہذا ایک جملہ ہوگا اور بر تقدیر ثانی دو جملے تقدیر لا اب موجود ولا ابنا موجود اور مثل مروان وابنہ خبر کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور اس میں لف ونشر مرتب ہے کہ باپ مروان کے اور بیٹا بیٹے کے مشابہ ہے اسے تشبیہ ملفوف کہتے ہیں کہ پہلے مشبہات پھر مشبہات بہا کو لایا جائے) اذ ھو بالمجد ارتدی وتازرا (الف برائے اشباع ہے)

۴۴۵ قولہ ...... * پر معطوف کی مثال ہے کہ اس میں معطوف میں صرف اعراب جائز ہے یعنی رفع ونصب بناء جائز نہیں اور یہ مثال شاعر کے اس شعر میں واقع ہے ؎

لا اَب وابنًا مثلُ مروان وابنہ
اذا ہو بالمجد ارتدیٰ وتَاَزَرا

پس یہاں معطوف یعنی ابن کو ابنٌ مرفوع اور ابنًا منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے اس لئے کہ اس میں اور معطوف علیہ میں حرف عطف کا فصل واقع ہے، اور فصل کی صورت میں بناء جائز نہیں۔ (فائدہ) شعر مذکور فرزدق شاعر کا ہے جس کا نام ہمام ابن غالب ہے وہ مروان بن حکم اور اس کے بیٹے عبد الملک کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے یہ شعر کہتا ہے تحلیل اس شعر کی یہ ہے کہ اب وابنًا لا کا اسم ہے، اور مثل مروان وابنہ اس کی خبر اور اذا ظرف ہے جو کہ مثل کے متعلق ہے اور ہو مبتدا ہے جو کہ اب کی طرف راجع ہے، اور یہ اب کی طرف اس وجہ سے راجع ہے کہ باپ کی بزرگی بیٹے کی بزرگی ہوتی ہے بیٹے کی بزرگی باپ کی بزرگی نہیں ہوتی، اس لئے کہ شرف ومجد آبا واجداد سے ہوتا ہے، اور بالمجد جار مجرور فعل مؤخر کے متعلق ہیں جار مجرور کو فائدہ حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے، اور ارتدی مبتدا کی خبر ہے، اور تازرا اس پر معطوف اس میں الف اشباع کے لئے ہے، ضرورت شعری کی بنا پر مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ مروان اور ان کے بیٹے عبد الملک کی طرح کوئی باپ بیٹا نہیں کہ مروان نے بزرگی کی چادر اور ازار پہن رکھی ہے (یعنی ان دونوں کے سراپا سے بزرگی ظاہر ہوتی ہے) اور اگر ارتداد کے معنی رجوع اور تازر کے معنی قوت کے لئے جائیں تو اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ مروان بزرگی کی طرف لوٹا ہے، اور اس میں قوت حاصل کر لی ہے یعنی مروان میں بزرگی سرایت ہو کر ایسی ہو گئی ہے کہ اب اس سے جدا نہیں ہو سکتی

وسائر التوابع لا نص عنهم فيها لكن ينبغي ان يكون حكمها حكم توابع المنادى كذا ذكره الاندلسيُّ وَمِثْلُ لَا اَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ اى كل تركيب يكون فيه بعد اسم لا التى لنفى الجنس لام الاضافة واُجرى على ذلك الاسم احكام الاضافة من اثبات الالف فى نحو اَبَ وحذف النون من نحو غلامين جائزٌ يعنى ان الاصل فى مثل هذين التركيبين ان يقال لا اَبَ له و لا غلامين له فيكون اسم لا فيهما مبنيا على ما ينصب به والجار مع مجروره خبرًا لها وقد جاء على قلة مثل لا اَبًا له ولا غلامى له بزيادة الالف فى مثل

اور باقی توابع (یعنی تاکید لفظی ومعنوی وبدل وعطف بیان) کے بارے میں نحویوں سے کوئی واضح چیز منقول نہیں لیکن مناسب ہے کہ ان کا حکم منادی کے توابع کا حکم ہو اس کو اندلسی نے اسی طرح ذکر کیا «اور لا ابا لہ ولا غلامی لہ» یعنی (اس سے) ہر وہ ترکیب (مراد ہے) جس میں لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت ہو اور اس اسم پر اضافت کے احکام جاری کیے جائیں یعنی الف کا اثبات اَبَ کے مثل میں اور غلامین کے مانند سے نون کا حذف (اضافت کے احکام ہیں) «جائز ہے» یعنی ان دونوں ترکیبوں کے مثل میں اصل یہ ہے کہ لا اب لہ ولا غلامین لہ کہا جائے پس دونوں میں لا کا اسم ما ینصب بہ پر مبنی ہو (وہو الفتح فی الاول والیاء فی الثانی) اور جار اپنے مجرور کے ساتھ (یعنی لہ) لائے نفی جنس کی خبر ہوگی حالانکہ قلیل لا ابا لہ ولا غلامی لہ

۲۴۶ قولہ وسائر التوابع الخ اس سے ایک دخل مقدر کا دفعیہ مقصود ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ جب مصنف نے نعت اور معطوف کا حکم بیان کیا تو اس کو مناسب یہ تھا کہ وہ اسم لا کے تمام توابع کو ذکر کر دیتا یعنی تاکید عطف بیان اور بدل کو پس کیا وجہ ہے کہ مصنف نے صرف انہیں دو پر اکتفا کیا جواب یہ ہے کہ بقیہ توابع کے بارے میں نحاۃ سے کوئی نص صریح وارد نہیں ہوئی اس لئے بقیہ کو ذکر نہیں کیا، لیکن مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ بقیہ توابع کا حکم توابع منادی کے حکم کی مانند ہے جیسا کہ اندلسی نے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل توابع منادی کے بیان میں گذر چکی ہے لیکن یہاں وہ تفصیل ذکر کر دینی مناسب ہے جس کو علامہ رضی نے اندلسی سے مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد رضی میں ذکر کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسم لا کا تابع جب بدل مفرد نکرہ ہو تو اس میں بناء جائز ہے اس لئے کہ مبدل منہ اور بدل سے مقصود بدل ہوتا ہے، پس مبدل منہ کا حکم بدل پر جاری ہوگا، جیسے لا رجلَ صاحبَ ذی پس صاحب کو مبنی علی الفتح ہونا جائز ہے اب رہی یہ بات کہ مصنف نے بیان کیا ہے کہ بدل کا حکم مستقل مبدل منہ کا حکم رکھتا ہے، لہذا اس کو اس حکم کے مطابق وجوبًا مبنی ہونا چاہیے نہ کہ جوازًا اس کا جواب شیخ رضی یہ دیتے ہیں کہ بدل میں جہتیں ہیں ایک جہت تو یہ ہے کہ یہ اپنے متبوع کا محتاج نہیں ہوتا جیسا کہ صفت ہوتی ہے کہ بغیر موصوف کو ذکر کیے اس کے معنی مفہوم نہیں ہوتے لہذا بدل کی اس عدم احتیاج کے باعث اس کا حکم مستقل کا سا ہے پس اس کو وجوبًا مبنی ہونا چاہیے، اور اگر ہم اس جہت کو دیکھتے ہیں کہ اس کا اعراب اپنے متبوع کے اعراب کے تابع ہے تو اس کا حکم مستقل جیسا نہیں رہتا لہذا درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے ہم یہی کہیں گے کہ اس میں بناء جائز ہے واجب نہیں۔ اور عطف بیان بھی چونکہ بدل کا ہی حکم رکھتا ہے، لہذا اس میں بھی بناء جائز ہوگی، اور تاکید لفظی کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ اپنے مؤکد کے مطابق ہوگی، یعنی اس کا مؤکد اسم لا چونکہ مبنی بر فتحہ ہوگا لہذا اس کو بھی مبنی بر فتحہ پڑھیں گے جیسے لا رجلَ رجلَ فی الدار اس لیے کہ تاکید لفظی عین اول ہوتی ہے اور اول مبنی ہے لہذا اس کا بھی مبنی پڑھنا ضروری ہوگا لیکن جیسا کہ توابع منادی میں تاکید کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ اس میں اعراب بھی جائز ہے، یعنی رفع ونصب اس لئے کہ اعراب اصل ہے اور بناء عارض ہے، پس مؤکد کی بناء تاکید میں سرایت نہیں کرے گی اور یہ تقلیل کے ساتھ ہے تو اسم لا کی تاکید لفظی میں بھی تقلیل کے ساتھ اعراب رفعی اور نصبی جائز ہے پس رفع تو محل بعید اور لفظ پر حمل کرتے ہوئے ابتدائیت کی بناء پر اور نصب محل قریب پر حمل کرتے ہوئے اول کی مثال جیسے لا رجلَ رجلٌ فی الدار اور ثانی کی مثال جیسے لا رجلَ رجلًا فی الدار اور تاکید معنوی چونکہ نکرہ کی صفت واقع ہی نہیں ہوتی سوائے معرفہ کے لہذا اسم لا نکرہ کی تاکید معنوی کے ساتھ نہیں لائی جا سکتی، اب ایک بات اور یہ رہ گئی کہ جب بقیہ توابع کا حکم نحاۃ سے منصوص نہیں تو کیا اندلسی نحاۃ میں سے نہیں ہیں، لہذا قول شارح لا نص عنہم فیہا کیسے صحیح ہے، جواب یہ ہے کہ اندلسی نے اس کو بطریق النص ذکر نہیں کیا بلکہ التزامًا ذکر کر دیا نیز ہو سکتا ہے کہ نحاۃ سے نحاۃ

اَبَ واسقاط للنون فی مثل غلامین کما فی حال الاضافة تشبیہا له ای لاسم لا فی هذین الترکیبین مع انه لیس بمضاف بالمضافِ واجراءً لاحکام المضاف علیه باثبات الالف وحذف النون فیکون معربا وذلک التشبیه انما هو لمشارکته ای مشارکة اسم لا حین یضاف باظهار اللام بینه وبین ما

الف کے اضافہ کے ساتھ اب کے مثل میں اور غلامین کے مثل میں نون کے حذف کے ساتھ آیا ہے جیسا کہ اضافت کی حالت میں ہوتا ہے «اس کی تشبیہ کی وجہ سے» یعنی ان دونوں ترکیبوں میں لا کے اسم کی تشبیہ کی وجہ سے باوجودیکہ مضاف (کسی چیز کی طرف) مضاف نہیں «مضاف کے ساتھ» اور (بعض میں) الف کا اثبات اور (بعض میں) نون کا حذف کر کے اس پر مضاف کے احکام جاری کرنے کی وجہ سے (جائز ہے) پس (اس وقت) لا کا اسم معرب (منصوب) ہوگا اور یہ تشبیہ «اس کے مشارک ہونے کی وجہ سے ہے» یعنی لا کے اسم کی مشارکت کی وجہ سے جبکہ اسے مضاف کیا جائے اس کے اور اس کے مضاف الیہ کے

مدونین مراد ہوں، یعنی جنہوں نے قواعد نحویہ کی تدوین و ترتیب کا انجام دیا ہے، اور اندلسی ان میں سے ہیں نہیں لہٰذا قول شارح یہ صحیح ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۴۴۷ قولہ ومثل لا ابا لہ الخ اس جگہ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں لا نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافہ ہو اور اسم لا پر احکام اضافت جاری ہوں، یعنی اَبَ اور اس کے مثل میں اثبات الف ای اَبا اور غلامین میں حذف نون کے ساتھ غلامی اس عبارت سے دراصل مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ ماسبق میں کہا گیا تھا کہ اسم لا جب مفرد ہو تو وہ علامت نصب پر مبنی ہوتا ہے مگر یہ قاعدہ لا اَبا لہ اور لا غلامی لہ سے منقوض ہے اس لئے کہ یہ دونوں مفرد نکرہ اور غیر مضاف ہونے کے باوجود منصوب ہیں اول الف کے ساتھ اور ثانی یاء کے ساتھ مبنی علامت فتحہ پر ایک بھی نہیں مصنف نے جواب دیا کہ اگرچہ دونوں ترکیبوں میں اسم لا مضاف نہیں مگر چونکہ ان جیسی ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر ان پر احکام اضافت جاری کر دیئے گئے ہیں اس لئے کہ یہ مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی میں مشارک ہیں لہٰذا یہ مفرد نہیں رہتے پس ان پر اجراء اعراب جائز ہے پھر جاننا چاہئے کہ قول شارح فی نحو اب سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے اسماء ستہ مکبرہ مراد ہیں سوائے ذو کے اس لئے کہ ذو لازم الاضافۃ ہے کہ کسی حال اس سے اضافت جدا ہی نہیں ہوتی، اور اب اخ وغیرہ سے اضافت جدا ہو سکتی ہے پس ان کو مثال مذکور میں عدم اضافت حقیقی اور وجود لام اضافت کے باعث مشابہ بالمضاف کیا جائے گا اور اگر ذو کو بھی اس میں شمار کریں تو اس کو مشابہ بالمضاف کہنے کے کوئی معنی ہی نہیں

اس لئے کہ وہ پہلے ہی سے مضاف ہوتا ہے اور غلامین سے تثنیہ و جمع مراد ہیں واللہ اعلم ۱۲

۴۴۸ قولہ جائز یعنی الخ یہ مثل لا ابا لہ کی خبر ہے یعنی یہ ترکیب مذکورہ جائز ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اصل تو ان دونوں ترکیبوں میں یہی ہے کہ لا اَبَ اور لا غلامین لہ کہا جائے علامت نصب پر بناء کے ساتھ پس ان دونوں میں اسم لا مبنی ہوگا، اور لہ جار مجرور سے مل کر اس کی خبر اور جملہ تام ہوگا، لیکن بہت کم ایسا بھی منقول ہے کہ لا اَبَ میں الف کی زیادتی کر کے لا اَبا لہ کہا جائے، اور لا غلامین سے نون تثنیہ ساقط کر کے لا غلامی لہ جیسا کہ حالت اضافت میں کیا جاتا ہے، اور اس صورت میں چونکہ لہ مضاف الیہ واقع ہوگا، خبر نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کی خبر محذوف ماننی پڑے گی واللہ اعلم ۱۲۔

۴۴۹ قولہ تشبیہا لہ الخ تشبیہا یا تو اُجیز فعل محذوف کا مفعول لہ ہے یا فعل محذوف شُبّہ کا مفعول مطلق اور تشبیہا لہ میں لہ کی ضمیر مجرور مثل کی طرف راجع ہے، اور وہ مرجع ہونے کے اعتبار سے تشبیہا کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اس لئے کہ تشبیہا اس جگہ مصدر مبنی للمفعول ہے بمعنی تشبیہ دیا جانا اور لہ میں لام زائدہ ہے بہرحال مطلب یہ ہے کہ ان دونوں ترکیبوں میں اسم لا کسی شئے کی طرف مضاف نہیں مگر ان دونوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دیئے جانے کے سبب سے یہ ترکیب جائز ہے، اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب مثال مذکور میں اسم لا کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اس صورت میں اسم لا نکرہ مشابہ بالمضاف ہوا لہٰذا اس میں نصب واجب ہونا چاہیئے چہ جائیکہ اس میں بناء بھی جائز ہو شارح اس کا جواب واجراءً لاحکام المضاف الیہ الخ سے دے رہے ہیں کہ مشابہت سے مشابہت حقیقیہ مراد نہیں کہ مذکورہ اعتراض لازم آئے بلکہ مضاف کے احکام کے اجراء میں مشابہت مراد ہے یعنی جس طرح مضاف کی صورت میں اب پر الف کی زیادتی اور غلامین میں حذف نون کیا جاتا ہے، اسی طرح یہی احکام اس پر بھی جاری کئے جائیں گے، واللہ اعلم ۱۲۔

۴۵۰ قولہ وذلک التشبیہ الخ اس کے

یضاف الیه لَهٗ ای للمضاف فِیْ اَصْلِ مَعْنَاہ ای معنی المضاف من حیث هو مضاف یعنی الاضافة وهو الاختصاص او المعنی (۱۵۴) ان مثل لا اباله ولا غلامی له جائز تشبیهًا له ای لمثل هذین الترکیبین حیث لا اضافة فیه بالمضاف ای بترکیب یشتمل علی الاضافة لمشارکته ای لمشارکة مثل هذین الترکیبین له ای لما یشتمل علی الاضافة فی اصل معناه ای معنی ما یشتمل علی

درمیان لام (مقدرہ) کو ظاہر کرکے ((اس کے لئے)) یعنی مضاف الیہ کے لئے (لہ میں ضمیر مضاف کی طرف راجع ہے اور لام مشارکت کا صلہ ہے یقال مشارک لہ یعنی یہ اس کے ساتھ شریک ہے) ((اس کے اصل معنی میں)) یعنی مضاف کے اصلی معنی میں اس کے مضاف ہونیکی حیثیت سے یعنی اضافت (اصلی معنی ہے) اور اضافت اختصاص ہے یا یہ معنی ہے کہ لا اباله ولا غلامی له کی مانند (الف کے اثبات اور نون کے حذف کے ساتھ) جائز ہے اس کی تشبیہ کی وجہ سے یعنی ان دونوں ترکیبوں کے مثل کی تشبیہ کی وجہ سے کہ اس (مثل) میں اضافت نہیں مضاف کے ساتھ یعنی ایسی ترکیب کے ساتھ (تشبیہ کی وجہ سے) جو اضافت پر مشتمل ہو (اور مصنف کا قول) لمشارکتہ یعنی ان دونوں ترکیبوں کے مثل کے اس کے یعنی اس ترکیب کے (مشارک ہونے کی وجہ سے) جو کہ اضافت پر مشتمل ہو اس کے اصلی معنی میں (مشارکت کی وجہ

اضافہ سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول مصنف لمشارکتہ کا تعلق تشبیهًا له کے ساتھ ہے یعنی اسم لا کی تشبیہ مضاف کے ساتھ اصل معنی میں مشارکت کی وجہ سے ہے یعنی جس وقت اسم لا مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اظہار لام اضافت کے ساتھ مضاف ہوگا تو بغیر اظہار لام کی صورت میں من حیث الاضافۃ مضاف کے جو معنی اصل ہوتے ہیں اسم لا اصل معنی میں اس مضاف کا مشارک ہوگا، اور مضاف کے من حیث الاضافۃ معنی اصلی یہ ہیں کہ اختصاص حاصل ہو اس لئے کہ اضافت سے کبھی مقصود تعریف ہوتی ہے، اور کبھی تخصیص لیکن تعریف تقدیر حرف جر سے ہوتی ہے جیسے غلام زید کہ اس میں غلام معرفہ ہے اور تخصیص جس طرح تقدیر حرف جر سے ہو جاتی ہے اسی طرح حرف جر ملفوظ سے بھی ہو جاتی ہے جیسے اب لک اور ظاہر ہے کہ تلفظ بہ نسبت تقدیر کے اصل ہے پس ثابت ہوگیا کہ معنی اضافت میں

حاصل تخصیص ہے، اور وہ ان دونوں ترکیبوں میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ اب ابن کے ساتھ مختص ہے، اور غلام مولیٰ کے ساتھ پس دونوں ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر ان پر احکام اضافۃ جاری کر دیئے گئے حاصل یہ ہوا کہ ابوک مضاف ہے اور اس کے اصل معنی اب لک کے ہیں اس لئے کہ متکلم کو اب کی تخصیص صرف مخاطب کے ساتھ کرنا مقصود ہے کسی اور سے اس کا تعلق نہیں، پھر اب لک سے جب لام حذف کر دیا گیا، اور اب کی اضافت کاف کی طرف کر دی گئی تو مضاف معرفہ بھی ہوگیا پس ابوک تخصیص اصلی پر باقی رہا، اور تعریف اضافت کی وجہ سے عارض ہوئی پس اب لک ابوک کے اصل معنی یعنی اختصاص میں مشارک ہے پس جس طرح ابا ک میں بوقت اضافت اصلیہ الف ثابت رہتا ہے اسی طرح ابا لک میں بھی الف باقی رہے گا، اور جس طرح ابا ک معرب ہے اسی طرح ابا لک بھی معرب ہوگا

واللہ اعلم ۱۲۔

(۱۵۴) قولہ او المعنی الخ مآل کے اعتبار سے دونوں معنی میں کوئی فرق نہیں البتہ لفظی طور پر قدرے فرق ہے، اور وہ یہ کہ معنی مذکورہ کی بناء پر لمشارکتہ کی ضمیر مجرور اسم لا کی طرف راجع کی گئی جو کہ اظہار لام کے ساتھ مضاف ہے، اور لہ کی ضمیر مضاف کی طرف اور ان معنی کے اعتبار سے لمشارکتہ کی ضمیر مثل ہذین الترکیبین کی طرف راجع ہوگی، اور لہ کی ضمیر ترکیب یشتمل علی الاضافۃ فی اصل معناہ کی طرف اور ظاہر ہے کہ مثل ہذین الترکیبین سے بھی وہی مراد ہے جو کہ اول معنی سے مراد تھا یعنی اسم لا اور ترکیب یشتمل الخ سے بھی وہی معنی اول یعنی مضاف پس بیان کا فرق ہے مآل دونوں کا ایک ہے، الغرض شارح کہتے ہیں کہ مثل لا اباله اور لا غلامی له کے یا یہ معنی ہیں کہ ان جیسی ترکیب اس وجہ سے جائز ہے کہ ان دونوں ترکیبوں اور ان کے مثل کو کہ جن میں اضافۃ نہ ہو مضاف یعنی ایسی ترکیب کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے کہ جو اضافۃ پر مشتمل ہو اور تشبیہ کی وجہ ہے کہ دونوں ترکیبیں اس چیز کے ساتھ مشارک ہیں جو اصل معنی میں اضافت پر مشتمل ہو اور جو معنی اضافت پر مشتمل ہوتے ہیں وہ اختصاص ہے، پس اختصاص دونوں میں پایا گیا مضاف میں بھی اور غیر مضاف میں بھی لہٰذا اس اختصاص کی وجہ سے لا اباله الخ جیسی ترکیب جائز ہے البتہ دونوں اختصاصوں میں کچھ تفاوت ہے، اس لئے کہ ترکیب اضافی سے جو اختصاص مفہوم ہوتا ہے وہ اس ترکیب سے اتم اور اکمل ہے کہ جس میں اضافۃ نہ ہو اس لئے کہ مضاف اور مضاف الیہ شیٔ واحد کے حکم میں ہوتے ہیں کیونکہ مضاف الیہ مضاف کی تنوین یا اس کے نون تثنیہ یا جمع کے قائم مقام ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ تنوین اور نون مضاف کا آخر ہوتے ہیں پس قائم مقام بھی لازمی طور پر آخر ہوگا، اور اسی

الاضافة وهو الاختصاص الا ان بين الاختصاصين تفاوتا فان الاختصاص المفهوم من التركيب الاضافی اتم مما يفهم من غيره ۴۵۲ ومن ثم ای لاجل ان جواز مثل هذين التركيبين انما هو بتشبيه غير المضاف بالمضاف فی معنی الاختصاص لم يجز تركيب لا ابا فيها ای فی الدار لعدم الاختصاص فان الاختصاص المفهوم من اضافة الاب الی شیء انما هو بابوته هذا الاختصاص

سے) یعنی ایسے معنی (میں) جو اضافت پر مشتمل ہو اور اضافت اختصاص (کا نام) ہے (پس دونوں توجیہوں میں اختصاص اور مشارکت وجہ شبہ ہے

دونوں توجیہوں میں مآل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں فرق صرف مصنف کی ترکیب کے حل میں ہے مشارکۃ کی ضمیر اسم کی طرف راجع کریں تو لہ کی ضمیر کو مضاف کی طرف راجع کرنا ہوگا اور اگر مشارکۃ کی ضمیر کو مثل ہذین الترکیبین کی طرف راجع کریں تو لہ کی ضمیر ایسی ترکیب کی طرف راجع کرنی ہوگی جو اضافت پر مشتمل ہو) مگر دونوں اختصاصوں میں فرق ہے (یعنی وہ اختصاص جو لا ابا لہ کی ترکیب سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس میں اضافت نہیں ہے اور وہ اختصاص جو اس ترکیب سے مفہوم ہوتا ہے جس میں لا کا اسم مضاف ہو) کیونکہ جو اختصاص ترکیب اضافی سے مفہوم ہوتا ہے وہ اس اختصاص سے اتم ہے جو غیر اضافی سے مفہوم ہوتا ہے ((اور اسی وجہ سے)) یعنی اس وجہ سے کہ ان دونوں ترکیبوں کے مثل کا جواز غیر مضاف کو مضاف کے ساتھ اختصاص کے معنی میں مشابہ قرار دینے کی وجہ سے ہے ((لا ابا فیہا)) کی ترکیب ((جائز نہیں ہے)) (فیہا) یعنی فی الدار عدم اختصاص کی وجہ سے

وجہ سے مضاف میں مضاف الیہ سے مل کر تعریف یا تخصیص حاصل ہوتی ہے، پس مضاف اور مضاف الیہ میں سے احدہما خبر آخر ہوگا بخلاف لا ابا لہ اور لا غلامی لہ کے کہ ثانی یعنی لہ اول سے اجنبی ہے اور اختصاص بھی لام کے ذریعہ مستفاد ہوا ہے حتی کہ اگر لام نہ ہو تو اختصاص بھی ختم ہو جائے گا اس لئے اول یعنی ترکیب اضافی ثانی سے اتم ہے پس اختصاص اختصاص دونوں برابر ہیں لیکن اکملیت کے اعتبار سے اختصاص حاصل بالاضافۃ اعلی ہوگا۔ اب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ شارح نے ای لمثل ہذین الترکیبین سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لہ کی ضمیر مثل کی طرف راجع ہے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جائے ہذین الترکیبین کی طرف راجع نہیں ورنہ عدم مطابقت کا اعتراض وارد ہو جائے گا ای ترکیب یشتمل الخ سے یہ ظاہر کیا ہے کہ مرکب کی تشبیہ مرکب کے ساتھ ہے مفرد کے ساتھ نہیں اگر شارح ای بترکیب کا اضافہ نہ کرتے تو اعتراض وارد ہوتا کہ لا ابا لہ اور لا غلامی لہ دونوں مرکب اور مشبہ ہیں، اور مضاف مشبہ بہ مفرد پس تشبیہ مرکب بالمفرد لازم آتی اور الا ان بین الاختصاصین الخ سے بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا دفعیہ کیا ہے سوال یہ ہے کہ لا ابا لہ اور لا غلامی لہ تراکیب خبری ہیں، اور ترکیب خبری چونکہ مخاطب کو فائدہ دیتی ہے اس لئے یہ قوی ہوتی ہے، اور لا اباہ و لا غلامیہ ترکیب اضافی ہے، اور غیر قوی پس قوی کو ضعیف کے ساتھ تشبیہ دینا کیسے درست ہے اس لئے کہ مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے مشبہ سے جواب یہ ہے کہ ترکیب اضافی سے جو اختصاص مفہوم ہوتا ہے وہ اتم و اکمل ہوتا ہے و التفصیل کما مر واللہ اعلم ۱۲۔

۴۵۲ قولہ ومن ثم الخ یعنی چونکہ ان دونوں ترکیبوں کا جواز اس پر موقوف ہے کہ غیر مضاف مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی یعنی اختصاص میں مشابہ ہو پس ترکیب لا ابا فیہا جائز نہیں ہوگی فیہا میں ہا ضمیر کا مرجع دار ہے ای فی الدار پس یہ ترکیب اس لئے جائز نہیں کہ اس میں اختصاص موجود نہیں اس لئے کہ جو اختصاص اب کی اضافت شئی کی طرف کرنے سے مفہوم ہوتا تھا، وہ اس اعتبار سے تھا کہ اس شئے کے لئے ابوۃ کو خاص کیا جا رہا ہے، اور یہ اختصاص اب کی نسبت دار کی طرف کرنے سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ابوۃ صرف ابن کے لئے متحقق ہو سکتی ہے کسی اور کے لئے نہیں پس اب کی اضافت دار کی طرف درست نہیں ہوگی، اور جب اب کی اضافت دار کی طرف درست نہیں ہوگی تو ترکیب لا ابا فیہا اس ترکیب کے کیسے مشابہ ہو سکتی ہے؟ کہ جس میں اب کی اضافت صریح طور پر دار کی طرف ہو رہی ہو اور پھر یہ کہ ترکیب لا ابا فیہا اصل معنے میں اس ترکیب کے مشارک بھی ہو کہ جس میں اب دار کی طرف مضاف ہو رہا ہے حاصل یہ ہے کہ ترکیب لا ابا فیہا کو اس ترکیب سے مشابہت دینا درست نہیں کہ جس ترکیب میں اب کی اضافت دار کی طرف ہو اس لئے کہ یہ ترکیب جائز نہیں کیونکہ اس کا اختصاص ایسا نہیں جیسا کہ اب اور ابن کے درمیان ہوتا ہے پس جو ترکیب سرے سے جائز ہی نہ ہو اس کے ساتھ اصل معنی میں مشارکت کے باعث تشبیہ دینا بھی جائز نہیں ہوگا اور

غیر ثابت للاب بالنسبة الی الدار فلا تصح اضافته الی الدار فکیف یشبه ترکیب لا ابا فیها بترکیب یضاف فیه الاب الی الدار لمشارکته له فی اصل معناه وَلَیْسَ[۴۵۱] ای مثل هذین الترکیبین بِمُضَاف حقیقة لِفَسَادِ المَعْنی المراد المفاد بهما علی تقدیر الاضافة وهو نفی ثبوت جنس الاب او الغلامین لمرجع الضمیر المجرور بالاستقلال من غیر احتیاج الی تقدیر خبر وهذا[۴۵۲]

(جائز نہیں) کیونکہ جو اختصاص اب کی کسی چیز کی طرف اضافت سے سمجھا جاتا ہے (جبکہ اب کو اس کی طرف مضاف کیا جائے) وہ تو اس کے اس چیز کے لئے اب ہونے کی وجہ سے ہے یہ اختصاص (جو اس چیز کی طرف اب کی اضافت سے مفہوم ہوتا ہے دار کی نسبت سے اب کے لئے ثابت نہیں ہے لہذا اب کی اضافت دار کی طرف صحیح نہیں ہے تو لا ابا فیہا کی ترکیب کو کیسے اس ترکیب کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے جس میں اب کو دار کی طرف مضاف کیا جائے (یعنی اب کی اضافت دار کی طرف صحیح ہی نہیں ہے تو) اس کے لئے اصلی معنی (اضافت) میں مشارکت ہونے کی وجہ سے (تشبیہ کیسے دی جا سکتی ہے یعنی لا ابا فیہا کی ترکیب اس ترکیب کے ساتھ کہ جس میں اب کو دار کی طرف مضاف کیا جائے اصلی معنی میں مشارک ہو اور اس مشارکت کی وجہ سے تشبیہ دی جائے) ((اور نہیں)) یعنی ان دونوں ترکیبوں کی مثل ((مضاف)) حقیقت میں ((فساد معنی کی وجہ سے)) (اس معنی کے فساد کی وجہ سے) جو ان دونوں ترکیبوں سے مراد و مفاد ہو (وہ) اضافت کی تقدیر پر (فاسد ہو جائے گا علی تقدیر الخ جار و مجرور فساد سے متعلق ہیں یعنی جو معنی ان دونوں ترکیبوں سے اضافت کے بغیر مستفاد ہے وہ اضافت کی صورت میں فاسد ہو جائے گا) اور وہ (معنی مستفاد) اس بات کی نفی ہے کہ ضمیر مجرور کے مرجع کے لئے بالاستقلال (یعنی) تقدیر خبر کی حاجت کے بغیر اب یا غلامین کی جنس ثابت ہو لمرجع الضمیر اور بالاستقلال میں دونوں حروف جارہ اپنے

جب تشبیہ دینا جائز نہ ہوگا تو ترکیب لا ابا فیہا بھی جائز نہیں ہوگی کیونکہ جواز اس امر پر موقوف ہے کہ غیر مضاف مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی میں مشابہ ہو اس جگہ شارح نے لم یجز کے بعد ترکیب کا اس لئے اضافہ کیا ہے کہ لا ابا فیہا جملہ ہے اور جملہ فاعل نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ فاعل اسم کی قسم سے ہے پس ترکیب مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر لم یجز کا فاعل ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۴۵۱ قولہ ولیس الخ یہ عبارت مصنف ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ ترکیب لا ابا لہ اور لا غلامی لہ کو اگر یہ کہا جائے کہ ان میں اب اور غلامی معنی کے اعتبار سے حقیقۃ مضاف ہیں تو غلط نہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تاکید کے لئے لام زائد ہو جواب یہ ہے کہ مثل ان دونوں ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ مضاف حقیقی نہیں اس لئے کہ اگر یہ دونوں ترکیبیں اضافی ہوں تو فساد معنی لازم آتا ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ قولہ ومثل لا ابا لہ الخ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترکیب لا ابا لہ ولا غلامی لہ میں اضافت جائز ہے اس لئے کہ مشارکت معنی کے باعث غیر مضاف کو مضاف سے تشبیہ دی گئی ہے، اور لیس مضاف سے یہ لازم آتا ہے کہ ان میں اضافت جائز نہیں ورنہ فساد معنی لازم آئے گا پس مصنف کے قول میں تناقض پیدا ہو گیا اس کا جواب شارح نے المراد المفاد بہما الخ سے یہ دیا کہ اس سے مطلق معنی فاسد نہیں ہوتے کہ اعتراض مذکور لازم آئے بلکہ اضافت کی وجہ سے وہ معنی فاسد ہوتے ہیں جو ان دونوں ترکیبوں سے بلا اضافت حاصل ہوں یعنی یہ کہ تقدیر خبر کی حاجت کے بغیر بالاستقلال مرجع ضمیر لہ کے لئے ثبوت جنس اب و جنس غلامین کی نفی ہو جائے یعنی جب لا ابا لہ کہا جائیگا بغیر تقدیر اضافت کے تو اس میں سوائے اس کے کہ لہ جار مجرور کا متعلق ضرور مقدر مانا جائے گا کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں لا کی خبر محذوف ماننے کی کوئی حاجت نہیں ہوگی، اور لہ کی ضمیر کا جو بھی مرجع ہو مثلاً زید اس کے لئے جنس اب کی نفی بھی ہو جائے گی، اور معنی یہ ہوں گے کہ جنس اب زید کے لئے ثابت نہیں وعلی ہذا القیاس لا غلامی لہ ہے پس حاصل یہ ہوا کہ مصنف کے کلام میں کوئی تناقض نہیں اس لئے کہ جیسا کہ قول اول ومثل لا ابا لہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اضافت جائز ہے قول ثانی ولیس بمضاف الخ سے اس جواز اضافت کی نفی نہیں ہوتی اس لئے کہ جواز اضافت کی صورت میں مطلق فساد معنی لازم نہیں آئے گا کہ یہ اضافت ناجائز ہو بلکہ اس صورت میں معنی صحیح ہوں گے، اگرچہ یہ ہمارے مقصود کے خلاف ہوں گے البتہ چونکہ ہمارا منشا ان معنی کے علاوہ ہے اور ان کے مضاف ہونے کی صورت میں

المعنی لیفسد علی تقدیر الاضافۃ من وجہین اما اولاً فلان معنی ھذین الترکیبین علی تقدیر الاضافۃ لا اباہ ولا غلامیہ وھذا لا یتم الا بتقدیر خبر ای لا اباہ موجود ولا غلامیہ موجودان واما ثانیاً فلان المراد نفی ثبوت جنس الاب او الغلامین لہ لا نفی الوجود عن ابیہ المعلوم او غلامیہ المعلومین خلافاً

مجرور سے مل کر ثبوت سے متعلق ہیں) اور یہ معنی اضافت کی تقدیر پر دو وجہوں سے فاسد ہو جائے گا بہرحال اولاً تو اس لئے کہ اضافت کی تقدیر پر ان دونوں ترکیبوں کا معنی ہے لا اباہ ولا غلامیہ (کہ دونوں میں لام زائد ہے اور زائد کا حذف جائز ہے پس حذف کی صورت میں اسم کو ضمیر کی طرف مضاف کرنا ہوگا) اور یہ (ترکیب کلمۂ لا کی) خبر کو مقدر کئے بغیر تام نہ ہوگی (تو تقدیر خبر کی حاجت ہوگی لہذا خبر محذوف ہوگی اور اس کے حذف ہونے پر کوئی قرینہ نہیں برعکس آنکہ جب اسم مضاف نہ ہو تو تقدیر کی حاجت نہ ہوگی کہ لہ خبر ہوگی تو کلام بلا تقدیر تام ہوگی) و بر تقدیر حذف جر یعنی لا اباہ موجود ولا غلامیہ موجودان (اس بنا پر لا عاملہ فی المعرفہ ہوگا اور یہ ناجائز ہے) اور بہرحال ثانیاً تو اس لئے کہ مراد (حقیقۃً ان دونوں ترکیبوں سے عند عدم الاضافۃ) مرجع ضمیر کے لئے اب یا غلامین کی جنس کے ثبوت کی نفی ہے (اور یہ معنی اس وقت ہی حاصل ہوگا جب اسم مضاف نہ ہو اور جار و مجرور کی خبر ہو) نہ کہ ضمیر مجرور کے اب معلوم اور اس کے غلامین معلومین سے وجود کی نفی (کہ جب لام زائد ہوگا تو اس کا حذف جائز ہوگا اور بصورت حذف اسم کو ضمیر کی طرف مضاف کرنا ہوگا لہذا خبر موجود کی تقدیر کی حاجت ہوگی تو اسم اضافت سے معرفہ ہو جائے گا تو اب معلوم اور غلامین معلومین سے وجود کی نفی لازم آئے گی)۔

معنیٔ مقصود فوت ہو جاتے ہیں، اور ہمارا مدعا حاصل نہیں ہوتا لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ دونوں ترکیبیں حقیقۃً مضاف نہیں ہیں ورنہ فسادِ معنیٔ مقصود لازم آئے گا۔ اور اس میں کوئی تعارض نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۴۵۴ قولہ وہذا المعنی لیفسد الخ

یہاں سے شارح فسادِ معنی کی صورت بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ تقدیرِ اضافت کی بناء پر یہ معنی دو وجہوں سے فاسد ہوتے ہیں اولاً اس وجہ سے کہ تقدیرِ اضافت کی بنا پر ان دونوں ترکیبوں کے معنی لا اباہ اور لا غلامیہ کے ہوں گے، اور یہ اس وقت تک تام نہیں ہو سکتے جب تک کہ خبر کو مقدر مانیں ای لا اباہ موجودٌ ولا غلامیہٗ موجودان پس ان میں خواہ مخواہ تقدیرِ خبر کی ضرورت پیش آئی اضافت کے باعث حالانکہ بلا اضافت کے تقدیرِ خبر کی احتیاج کے بغیر معنی تام ہو جاتے ہیں اس لئے کہ لہ لا کی خبر بن جاتا ہے اور ثانیاً یہ کہ لا ابا لہ اور لا غلامی لہ کے اصل معنی یہ ہیں کہ مرجع ضمیر مثلاً زید کا کوئی باپ نہیں یعنی وہ ثابت النسب نہیں اور اس کے مطلقاً دو غلام نہیں اس لئے کہ جب نکرہ نفی کے تحت میں واقع ہوتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، پس اس سے مثلاً زید کے لئے جنس اب اور جنس غلام کی نفی کا ثبوت ہوا لیکن جب دونوں ترکیبوں میں اضافت مانیں گے، اور لا اباہ ولا غلامیہ کہیں گے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ مثلاً زید کا باپ جو متکلم کے نزدیک معلوم الوجود ہے اب اس کے وجود کی نفی ہو رہی ہے۔ یعنی وہ اب موجود نہیں اسی طرح زید کے دو غلام جو متکلم کے نزدیک معلوم الوجود ہیں وہ اب موجود نہیں فرد رخصت ہو گئے یا مر گئے یا فرار ہو گئے، اور ظاہر ہے کہ دونوں معنی ایک دوسرے سے ممتاز ہیں کہ معنیٔ اول سے مطلق جنس اب اور جنس غلامین کی زید کے لئے نفی ہو رہی ہے، اور ثانی سے جنس اب اور جنس غلامین کی نفی نہیں بلکہ وجود کی نفی ہے، اور یہ ہمارے مقصود کے خلاف ہے لہٰذا دونوں ترکیبوں میں اضافت نہیں مانی جائے گی، نیز اضافت کی صورت میں ایک اور قباحت لازم آتی ہے، اور وہ یہ کہ اضافتِ حقیقی میں لام کو حذف کر دیتے ہیں، اور یہاں حذف نہیں کیا گیا نیز یہ کہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے اسم معرفہ ہو جاتا ہے پس اضافت کی صورت میں لا ابا لہ اور لا غلامی لہ معرفہ ہو جائیں گے (یعنی اسم لا) اور یہ قاعدہ ابھی گذر چکا ہے کہ لا لنفی جنس کا اسم جب معرفہ ہوتا ہے تو رفع اور تکریر لا مع اسم کے واجب ہوتی ہے حالانکہ نہ اس جگہ اسم لا مرفوع ہے نہ تکریر پس معلوم ہوا کہ یہ مضاف نہیں ہیں، بلکہ ان پر مضاف کے احکام کے اجراء میں یہ مضاف کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۴۵۵ قولہ خلافاً الخ اس جگہ مصنف نے صرف سیبویہ کی تخصیص کی حالانکہ خلیل اور جمہور نحاۃ بصرہ مذہب مصنف کے اس بارے میں خلاف ہیں پس اس کی وجہ یہ ہے کہ سیبویہ ان سب میں مشہور اور نحاۃ بصرہ کے سردار و رئیس ہیں، اور ان کے علاوہ سب ان کے اتباع پس ان کا ذکر کر دینا جمہور کے ذکر کو مستلزم ہے نیز ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے مقصود بیان خلاف ہے مخالفین کا تعین مدِ نظر نہیں اس لئے کہ جملہ

لِسِیْبَوَیْه والخلیل وجمھور النحاۃ وانما خص سیبویه بھذا الخلاف لانه العمدۃ فیما بینھم اولان المقصود بیان الخلاف لا تعیین المخالفین فمذھب سیبویه والخلیل وجمھور النحاۃ ان مثل ھذا الترکیب مضاف حقیقۃ باعتبار المعنی واقحام اللام بین المضاف والمضاف الیه تاکید للام المقدرۃ وحکم المص بفساده لما عرفت وَیُحذَفُ اسم لا حذفا کَثِیْرًا فِی مِثْلِ لَا عَلَیْكَ اَیْ لَا بَاْسَ عَلَیْكَ ولا یحذف الا مع وجود الخبر لئلا یکون اجحافا وقولھم لا کزید ان جعلنا الکاف اسما جاز ان یکون کزید اسما والخبر محذوفا ای لا مثله موجود وجاز ان یکون خبرا ای لا احد

جو لا کی وضع کے مناسب نہیں کہ یہ نفیِ جنس کے لئے ہے) (سیبویہ کے خلاف)) اور (اسی طرح) خلیل اور جمہور نحویوں کے (بھی خلاف) اور مصنف نے اس خلاف کے ساتھ سیبویہ کو اس لئے خاص کیا کہ سیبویہ نحویوں کے درمیان میں عمدہ (اور مقتدیٰ) ہیں یا اس لئے کہ (مصنف کے قول سے) مقصود بیانِ خلاف ہے (جو کسی ایک کے ذکر سے حاصل ہو جاتا ہے) نہ کہ (جمیع) مخالفین کی تعیین پس سیبویہ وخلیل اور جمہور نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ اس قسم کی ترکیب حقیقت میں معنی کے اعتبار سے مضاف ہے (لہٰذا اب معلوم وغلامین معلومین کے وجود کی نفی ہوگی اس لئے لا کا اسم معرفہ ہوگا اور فصل باللام کے باعث شبہ تنکر کی وجہ سے نہ تو رفع واجب ہوگا اور نہ ہی تکریر) اور مضاف ومضاف الیہ کے درمیان لام کا اضافہ لام مقدرہ کی تاکید کے لئے ہے (کہ یہاں اضافت لامیہ ہے) اور مصنف نے اس وجہ سے جو تمہیں معلوم ہوئی اس کے فساد کا حکم لگایا ((اور حذف کیا جاتا ہے لا کا اسم حذف (کثیر لا علیک کے مثل میں)) یعنی لا بأس علیک اور لا کا اسم خبر کے موجود ہونے کے ساتھ ہی حذف کیا جائے گا (یعنی اسم محذوف ہوگا تو خبر موجود ہوگی جیسے خبر محذوف ہوگی تو اسم موجود ہوگا) تاکہ نقصان نہ ہو (اجحاف ہمزہ کی کسرہ سے جیم پھر حاء بمعنی اذہاب وتنقیص یعنی تاکہ حذف الغاء کا سبب نہ ہو کہ جب اسم بھی محذوف ہو اور خبر بھی تو لا معمول کے بغیر رہ جائے گا جو عین اجحاف ونقصان ہے) اور عرب کا قول لا کزید (کی وضاحت یہ ہے کہ) اگر تم کاف (مثل کے معنی میں) اسم بناؤ (کہ کاف ان حروف میں سے ہے جو اسم بھی استعمال ہوتے ہیں اور حرف بھی) تو جائز ہوگا کہ کزید کو اسم بناؤ (اس صورت میں تنہا کاف محلاً منصوب ہوگا بنا بر اینکہ

مخالفین کا ذکر کرنا دشوار ہے پس ذکر واحد خصوصاً سردار کے ذکر سے مقصود حاصل ہو گیا، پس سیبویہ خلیل اور جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ مثل ان دونوں ترکیبوں

کے باعتبار معنی کے حقیقۃً مضاف ہیں اور مذکورہ بالا اعتراضات کا یہ جواب دیا جاتا ہے، کہ مضاف ومضاف الیہ کے درمیان لام کا لانا لام مقدرہ کی تاکید کے لئے ہے، اور

یہ لام لام اضافت نہیں لہٰذا یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ مضاف ومضاف الیہ کے درمیان بوقت اضافت لام نہیں آ سکتا، اور لام مقدرہ کی تاکید لام زائدہ سے اس وجہ سے لائی گئی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس جگہ اضافت بمعنی اللام ہے، اور اضافت بمعنی اللام وہ ہے کہ مضاف الیہ نہ جنس مضاف ہو اور نہ اس کا ظرف کما یجئی اور تعریف وتنکیر کا اعتراض اس طرح رفع ہو جاتا ہے، کہ نحویوں کے نزدیک یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ وہ جب اس جیسے معرفہ کو نکرہ کرتے ہیں تو لام محذوف کے عوض میں تاکید کے لئے دوسرا لام زائد کرتے ہیں پس مضاف اس لام کی وجہ سے بمنزلہ منفصل کے ہو جائے گا کہ گویا کہ اس کی اضافت ہی نہیں ہوئی اگرچہ حقیقۃً میں مضاف ہے پس اس وقت لا منکر پر داخل ہوگا معرفہ پر نہیں لہٰذا جب اس کا اسم معرفہ ہی نہیں ہوگا تو نہ تکریر لازم آئے گی، اور نہ اسم لا کا رفع لیکن چونکہ شارح کے بیان کردہ دونوں اعتراض ابھی باقی ہیں یعنی تقدیر خبر کی ضرورت اور ثبوت جنس کی نفی کے بجائے وجود کی نفی لہٰذا مصنف کا ان دونوں ترکیبوں میں فساد معنی کا حکم اپنی جگہ پر بدستور باقی ہے واللہ اعلم ۱۲

۴۵۶ قولہٗ ویحذف الخ اور مثل لا علیک سے اکثر اسم لا لنفی جنس حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ عموم کے معنی زیادہ ہو جائیں اور اس جگہ مثل لا علیک سے ہر وہ ترکیب مراد ہے کہ جس میں لا لنفی جنس کے اسم کے حذف پر کوئی قرینہ قائم ہو پس لا علیک اصل میں لا بأس علیک تھا چونکہ اس جگہ بأس کے حذف پر یہ قرینہ موجود ہے کہ لا حرف پر داخل ہو رہا ہے، اور حرف پر اس کا داخل ہونا ممتنع ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس جگہ سے اسم محذوف ہے پھر اسم لا لنفی

مثل زید وان جعلناه حرفا فالاسم محذوف ای لا احد کزید خبرما
ولا المشبهین فی النفی والدخول علی الجملة الاسمیة بلیس هو
المسند بعد دخولهما ای دخول ما ولا وهی ای خبریة خبرما
ولا لهما وکذا اسمیة اسمهما لهما لغة حجازیة وخص الخبریة
بالذکر لان اعمالهما وجعل اسمهما وخبرهما اسما وخبرا لهما انما
یظهر باعتبار الخبر فجعل الخبر خبرا لهما انما هو فی لغة اهل الحجاز
واما بنو تمیم فحیث لا یذهبون الی اعمالهما لا یجعلون الخبر خبرا

وہ لا کا اسم ہے) اور خبر محذوف ہو یعنی لا مثلہ موجود اور جائز ہے کہ کزید خبر ہو (اس صورت میں اسم قرینہ حالیہ کی بنا پر محذوف ہوگا) یعنی لا احد مثل زید اور اگر ہم (ظاہر متبادر پر عمل کرتے ہوئے) کاف کو حرف بنائیں تو اسم محذوف ہوگا یعنی لا احد کزید (یعنی لا احد کائن کزید ((ما اور لا جو کہ مشابہ ہیں)) نفی اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں (لیس کے ساتھ)) ((وہ مسند ہے ان دو کے داخل ہونے کے بعد)) یعنی ما اور لا (کے داخل ہونے کے بعد) ((اور وہ)) یعنی ما اور لا کے لئے ماولا کی خبر کا خبر اور اسی طرح ما اور لا کے لئے ما اور لا کے اسم کا اسم ہونا (لغت حجازی ہے)) اور مصنف نے خبریت کو ذکر کے ساتھ خاص کیا (حالانکہ ما اور لا اسم میں بھی عامل ہوتے ہیں) اس لئے کہ ما اور لا کا (اسم وخبر میں) عمل کرنا یعنی (عطف تفسیری ہے اس لئے یعنی سے اس کا معنی کیا ہے یہ اعمال تفسیر ہے) ان دونوں کے اسم اور دونوں کی خبر کو ان کے لئے اسم وخبر بنانا خبر کے اعتبار سے ہی ظاہر ہوتا ہے (کہ خبر منصوب ہوتی ہے جس سے ان کے عمل کا پتہ چلتا ہے اور اسم ویسے ہی مرفوع ہوتا ہے جیسے ان کے دخول سے قبل تھا اور جب خبر منصوب ہوگی تو معلوم ہوگا کہ اسم بھی ماولا کی وجہ سے مرفوع ہوگا کہ حرف صرف جملے کی ایک جز میں عمل نہیں کرتا بلکہ دونوں میں عمل کرتا ہے) اور خبر کو ان کی خبر بنانا اہل حجاز ہی کی لغت (اور بصریین کے مذہب) میں ہے۔ اور بہر صورت بنو تمیم (اور نحاۃ کوفہ) تو چونکہ وہ انہیں عمل دینے کی طرف نہیں چلتے خبر کو ان کی خبر نہیں بناتے اور نہ ہی اسم کو ان کا اسم

جنس کے حذف کے ساتھ شرط یہ ہے کہ اس کی خبر محذوف نہ ہو بلکہ مذکور ہو اس لئے کہ اگر اسم وخبر دونوں بکثرت محذوف ہونے لگیں گے تو لا نفی جنس بیکار رہ جائے گا اور نقصان کا باعث ہوگا پس حذف اسم کے لئے وجود خبر ضروری ہے اس جگہ اجحاف مصدر بتقدیم الجیم ہے جس کے معنی ہیں نقصان اور از باب کے اسی سے اجحفتہ ای اذہبتہ ماخوذ ہے کذا فی الصحاح باب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ حذف اسم کے لئے وجود خبر ضروری ہے اس لئے کہ لا نفی جنس کے اسم وخبر دونوں کا حذف کرنا جائز ہے جیسے لا کزید میں کہ یہاں نہ اسم ہے نہ خبر اس کا جواب شارح وقد لہم لا کزید الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ مثال مذکور میں اسم وخبر دونوں کا بیک وقت حذف نہیں بلکہ یا تو اسم محذوف ہے فقط یا خبر صرف اس لئے کہ اگر ہم کزید کے کاف کو اسمیہ قرار دیتے ہیں تو کاف بمعنی مثل ہوگا پس کزید کا مثل زید کے معنی میں ہو کر لا کا اسم واقع ہونا جائز ہوگا اور خبر محذوف ہوگی یعنی موجود ای لا مثلہ موجود اور یہ بھی جائز ہے کہ زید لا کی خبر واقع ہو اور اس کا اسم محذوف ہو ای لا احد مثل زید اور اگر کاف کو اسمیہ نہیں لیتے بلکہ بحسب ظاہر حرف قرار دیتے ہیں تو لا نفی جنس کا اسم محذوف ہوگا اور کزید جار مجرور سے مل کر ظرف مستقر مرفوع محلاً ہو کر خبر واقع ہوگا پس بہر صورت حذف اسم وخبر معاً لازم نہیں آتا وہو المقصود۔ اب اگر کوئی کہے کہ وجود خبر کی شرط کو مصنف نے کیوں ذکر نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اس لئے کہ نفی مثل لا علیک اسی واسطے کہا تاکہ مثل سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مثل سے مراد حذف اسم لا کے ساتھ وجود خبر بھی ہے پس یہ مثال متممات قاعدہ سے ہے اور

اس اعتراض کی یہاں کوئی گنجائش نہیں کہ مثال اتمام قاعدہ کے بعد ہوتی ہے کیونکہ مثال سے قاعدہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہم کہیں گے کہ اس جگہ مصنف نے مثال کو ذکر بھی نہیں کیا کہ اعتراض مذکور لازم آئے اور اس کے عدم ذکر پر دلیل یہ ہے کہ نفی مثل لا علیک کہا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لا علیک کو اصل قاعدہ میں دخل ہے ورنہ اگر اس سے تمثیل مقصود ہوتی تو نفی مثل کے

بغیر مثال ذکر کی جاتی واللہ اعلم ۱۲

۴۵۷ قولہ خبرما ولا الخ یعنی ما ولا جو کہ معنیٔ نفی اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں لیس کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں (کما مر فی المرفوعات) ان کی خبر منصوبات سے ہے۔ اور ان کی خبر وہ ہے جو ما یا لا کے دخول کے بعد مسند ہو اس میں بھی اعتراضات اور جوابات خبر کان واخواتہا کی طرح ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۴۵۸ قولہ وہی ای خبریة الخ اس

لیهما ولا الاسم اسما لهما بل هما مبتداء وخبر علی ما کانا علیه قبل دخولهما علیهما ولغة اهل الحجاز هی التی جاء علیها التنزیل قال الله تعالیٰ ما هذا بشرًا وما هن امهاتهم وَاِذَا زِیْدَتْ اِنْ مَعَ مَا نحو ما ان زید قائم قیل انما خصصت ما بالذکر لانها لا تزاد مع لا فی استعمالهم وهی زائدة عند البصریین ونافیة مؤکدة عند الکوفیین او انْتَقَضَ المنفی بِاِلَّا نحو ما زید الا قائم او تقدم الخبر علی الاسم نحو ما قائم زید بطل العمل ای عمل ما اذا کان مع واحد من هذه الامور الثلثة اما اذا زیدت

بلکہ (اسم و خبر) دونوں اس بنا پر مبتدا و خبر ہیں جس پر وہ ماولا کے ان پر داخل ہونے سے قبل تھے اور اہل حجاز کی لغت وہی ہے جس پر (قرآن کریم کی) تنزیل آئی ہے قال تعالیٰ ما هذا بشرا وما هن امهاتهم ((اور جب ما کے ساتھ اِن کو زائد کیا جائے)) جیسے ما ان زید قائم کہا گیا ہے کہ ما کو خاص کر اس لئے ذکر کیا گیا کہ عرب کے استعمال میں ان لا کے ساتھ زائد نہیں کیا جاتا اور بصریوں کے نزدیک (ما ان زید قائم میں) ان زائد ہے اور کوفیوں کے نزدیک نافیہ مؤکدہ ہے ((یا نفی الا سے ٹوٹ جائے)) جیسے ما زید الا قائم ((یا خبر)) اسم پر ((مقدم ہو جائے)) جیسے ما قائم زید ((تو عمل باطل ہو جاتا ہے)) یعنی ما کا عمل (باطل ہو جاتا ہے) جبکہ ما ان تین امور میں سے کسی ایک امر کے ساتھ ہو بہر صورت جب ان کو زائد کیا جائے تو (اس کا عمل)

جگہ شارح نے ای خبریۃ الخ سے ہی کا مرجع بیان کیا ہے یعنی اس کا مرجع خبریۃ ہے جو کہ خبر کے ضمن میں مستفاد ہوتا ہے خبر کو اس لئے مرجع قرار نہیں دیا کہ ضمیر اور مرجع میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت نہیں رہتی تھی پس مطلب یہ ہے کہ ما ولا کی خبر کی خبریۃ اور اسی طرح ان کے اسم کی اسمیت اہل حجاز کا لغت ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے لغۃ حجازیہ کے ساتھ صرف خبر ما ولا کو کیوں خاص کیا جبکہ ما ولا اسم میں بھی عمل کرتے ہیں اور ان کے اسم کی اسمیت بھی لغت حجازیہ ہے اس کا جواب وخص الخبریۃ الخ سے شارح نے یہ دیا کہ خبر کو ذکر کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ ما ولا کا عمل کرنا اور اسم و خبر کو اپنے لئے (اسم و خبر بنانا اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے جبکہ خبر کا اعتبار کیا جائے گا

اس لئے کہ اگر خبر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا تو اسم کا ما ولا کا اسم واقع ہونا معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ اسم خبر کے مقابلہ میں ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اشیاء اپنی ضد اور مقابل سے پہچانی جاتی ہیں پس اعتبار خبر پر اعتبار اسم موقوف ہے پس جب خبر کو لغۃ حجازیہ کے ساتھ خاص کیا تو اسم کا بھی لغت اہل حجاز سے ہونا ثابت ہو گیا پس خبر کو ان دونوں کی خبر قرار دینا اہل حجاز کی لغت میں ہے بنی تمیم ما ولا کے عمل کے قائل نہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مبتدا و خبر ما ولا کے دخول کے بعد بھی علی حالہ مبتدا و خبر ہی رہتے ہیں پس ان کے نزدیک نہ مبتدا ما ولا کا اسم کہلائے گی، اور نہ خبر ان کی خبر اور چونکہ قرآن کریم کا نزول لغت حجاز کے مطابق ہوا ہے اس لئے اس میں ما کو عمل دیا گیا ہے جیسے قولہ تعالیٰ (فی قصۃ یوسف

علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ما ہذا بشرا (یہ انسان نہیں ہے) اور سورۂ مجادلہ میں ما ہن امہاتہم (وہ عورتیں ظہار کرنے والوں کی مائیں نہیں ہیں) پس دونوں مثالوں میں ہذا اور ہن چونکہ مبنی ہیں اس لئے ان میں تو عمل کا اثر تقدیری ہے، البتہ بشرًا اور اُمّہاتِ چونکہ معرب ہیں اس لئے دونوں ما کے عامل ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں امہات جمع مؤنث سالم ہے اور اس کا اعراب حالت نصب میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے، پس اگر ما عامل نہ ہوتا تو بشرا اور امہات کو مرفوع پڑھا جاتا ای ما هذا بشر وما هن امهاتهم حالانکہ تمام قراء دونوں کے نصب پر متفق ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۴۵۹ قولہ واذا زیدت الخ اور جب لفظ اِن کلمۂ ما کے بعد زیادہ کیا جائے تو اس کا عمل باطل ہو جاتا ہے جیسے ما ان زیدٌ قائمٌ اور صرف ما کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ استعمال نحاۃ میں کلمۂ اِن کا لَا پر زیادہ کیا جانا درست نہیں پھر بصریوں کے نزدیک یہ ان زائدہ ہے مگر تاکید نفی کے لئے ہے اور کوفیین یہ کہتے ہیں کہ یہ زائدہ نہیں بلکہ نافیہ ہے، اور ما کی تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ اگر اس کو زائدہ مانیں گے تو اس کا لغو ہونا لازم آئے گا، اور یہ جائز نہیں اور مؤکدہ اس لئے ہے کہ اگر اس کو بھی نفی کے لئے مانیں گے تو قاعدہ ہے کہ نفی کی نفی ان سب کا فائدہ دیتی ہے پس اس کا اثبات لازم آئے گا، اور یہ بھی ناجائز ہے یا ما کی نفی اَلّا کی وجہ سے منتقض ہو جائے جیسے ما زیدٌ الا قائمٌ یا خبر اسم پر مقدم ہو جیسے ما قائمٌ زیدٌ تو ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے یعنی جبکہ لفظ ما امور ثلثہ میں سے کسی ایک امر کے ساتھ پایا جائے اس جگہ شارح نے العمل کی تفسیر ای عمل ما سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ العمل میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

ان فلان ما عامل ضعیف عمل بشبہ لیس فلما فصل بینهما وبین معمولها لم تعمل واما اذا انتقض النفی بالا فلان عملها لمعنی النفی فلما انتقض بطل ^۱۶۶۷^ العمل واما اذا تقدم الخبر فلتغیر الترتیب مع ضعفها فی العمل وَاِذَا عطف عَلَیْہِ ای علی خبرهما بمُوجِب بکسر الجیم ای بعاطف یفید الایجاب بعد النفی وهو بل ولکن نحو ما زیدٌ مقیما بل مسافر وما عمرو قائما لکن قاعد فَالرَّفْعُ ای فحکم المعطوف الرفع لا غیر لکونهما بمنزلة الا فی نقض النفی

اس لئے باطل ہوجاتا ہے) کہ ما عاملِ ضعیف ہے لیس کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے توجب اس کے اور اس کے معمول کے درمیان (اجنبی کا) فصل واقع ہوگیا تو وہ عمل نہیں کرتا اور جب الا (کے توسط) سے نفی ٹوٹ جائے تو (اس کا عمل، اس لئے (باطل ہوجاتا ہے کہ لا (وما) کا عمل نفی کے معنی کے لئے تھا توجب نفی ٹوٹ گئی عمل باطل ہوگیا اور بہرصورت جب (ما ولا کی) خبر (اسم سے) مقدم آجائے تو (ان دونوں میں سے ہرایک کا عمل) ترتیب کے تغیر کی وجہ سے (باطل ہوجاتا ہے کہ ترتیب ان کے عمل کے لئے شرط ہے) مع آنکہ یہ عمل میں ضعیف ہیں ((اور جب اس پر عطف ڈالا جائے)) یعنی ان دونوں (میں سے ہرایک کی) خبر پر (موجب کے ساتھ) جیم کی کسرہ سے (از اوجب کیونکہ عاطف معطوف کی نفی کو توڑ کر معطوف میں حکم کو واجب کرتا ہے تو معطوف موجب بفتح جیم ہوا) یعنی ایسے عاطف کے ساتھ (عطف ڈالا جائے) جو نفی کے بعد ایجاب کو ثابت کرتا ہو اور وہ (عاطف دو ہیں ایک) بل اور (دوسرا) لکن ہے (یعنی یہ دونوں معطوف علیہ منفی کے بعد ایجاب کے فائدہ کے لئے ہیں) جیسے ما زید مقیما بل مسافر۔ وما عمرو قائما لکن قاعد ((تو رفع ہے)) یعنی پس معطوف کا حکم رفع ہے کوئی دوسرا حکم نہیں کیونکہ دونوں نفی کے توڑنے میں بمنزلۂ الا ہیں .... (منصوبات بخیر وخوبی ختم ہوئے

اب مجرورات شروع ہوا چاہتے ہیں منصوبات کے بعد مجرورات اس لئے لائے کہ یہ شبیہ

یہ ہے کہ جب کسی اسم کا عطف ما ولا کی خبر پر علی سبیل التردید ایسے حرف عطف کے ذریعہ کیا جائے جو نفی کے بعد ایجاب و اثبات کا فائدہ دے اور وہ حروف عطف موجب بل اور لکن ہیں اس لئے کہ یہ اپنے مابعد کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں جیسے ما زیدٌ مقیماً بل مسافرٌ وما عمروٌ قائماً لکن قاعدٌ تو معطوف میں رفع واجب ہوگا اگرچہ معطوف علیہ

منصوب یا بوجہ دخول باء زائدہ مجرور ہوگا اور وجہ وجوب رفع کی یہ ہے کہ معنیٔ نفی عمل ما کا سبب تھے اور وہ اس حرف عطف موجب کے باعث باقی نہیں رہے پس بل ولکن بمنزلہ الا کے ہیں کہ جس طرح الا کے مابعد میں انتقاض نفی کے باعث ما ولا عمل نہیں کرتے اسی طرح ان دونوں کے حرفوں کے بعد بھی ما ولا عامل نہیں ہوں گے، اور

یا عہد کے لئے ہے، اور معہود ما ہے پس اس سے صرف ما کے عمل کا باطل ہونا مراد ہے نہ یہ کہ مطلق عمل باطل ہوجائے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۶۶۶ قولہ اما اذا زیدت الخ یہاں سے شارح صور مذکورہ میں ابطال عمل ما کی وجہ بیان کررہے ہیں کہتے ہیں کہ ان کی زیادتی کی وجہ سے تو ما کا عمل اس لئے باطل ہوگا کہ ما عامل ضعیف ہے اس لئے کہ اس کا عمل لیس سے مشابہت کی وجہ سے ہے بذاتِ خود نہیں پس جب ما اور اس کے معمول کے درمیان فاصلہ آجائے گا تو ما اپنے ضعف کے باعث عمل نہیں کرسکے گا، اس لئے کہ اس کے عمل کے لئے اتصال شرط ہے، اور جب نفی الا کی وجہ سے منتقض ہوجائے گی تو چونکہ اس کا عمل معنیٔ نفی کی وجہ سے تھا، اس لئے معنیٔ نفی کے فقدان کے وقت اس کے عمل کی ضرورت ہی نہیں رہے گی، پس اس کا عمل باطل ہوجائے گا، ایسے ہی اگر خبر اسم پر مقدم ہوجائیگی تو ترتیب میں تغیر لازم آئیگا۔ اور ترتیب اس کے عمل کے لئے شرط ہے تاکہ فرع اصل کے مرتبہ سے کم رہے ورنہ فرع اور اصل دونوں کا ایک مرتبہ میں ہونا لازم آئے گا، اور یہ معنیٔ فرعیت اور تشبیہ کے بالکل خلاف ہے پس ترتیب میں اختلاف کے باعث ما عمل نہیں کرسکے گا۔ نیز ترتیب کے اختلاف کے ساتھ ساتھ یہ بھی وجہ ہے کہ ما عامل ضعیف ہے پس خبر میں رفع واجب ہوگا جیسے ما قائمٌ زیدٌ واللہ اعلم ۱۲۔

۱۶۶۷ قولہ واذا عطف الخ علیہ کے مرجع میں شراح کا اختلاف ہے، بعض اس کو خبر ما ولا دونوں کی طرف راجع کرتے ہیں، اور بعض صرف خبر ما کی طرف مگر چونکہ بیان خبر ما ولا دونوں کا ہورہا ہے اس لئے شارح نے خبر ما ولا دونوں کی طرف ضمیر مجرور کو راجع کرتے ہوئے ای علی خبرهما کہا بہرحال مطلب

المجروراتُ

هُوَ مَا اشْتَمَلَ ای اسم اشتمل لتخرج الحروف الاواخر التی هی محال الاعراب فانه لا یطلق علیها المرفوعات والمنصوبات والمجرورات اصطلاحًا لانها اقسام الاسم عَلٰی عَلَمِ الْمُضَافِ اِلَیْهِ ای علامة المضاف الیه من حیث هو مضاف الیه یعنی الجر سواء کان بالکسرة او الفتحة او الیاء لفظًا او تقدیرًا

یا المنصوبات ہیں **المجرورات** (مجرور کی جمع ہے کما مر فی المرفوعات) (وہ ہے جو مشتمل ہو) یعنی (المجرور) وہ اسم ہے جو مشتمل ہو (اسم کی قید اس لئے لگائی) تاکہ وہ آخری حروف خارج ہو جائیں جو اعراب کا محل ہیں (جیسے زید میں دال اور عمرو میں راء ہے) کہ (اگرچہ لغت میں زید کی دال ہی مرفوع یا منصوب یا مجرور ہوتی ہے لیکن) اصطلاح نحاۃ میں ان پر مرفوعات و منصوبات و مجرورات کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ یہ انواع ثلاثہ اسم کے اقسام ہیں (مضاف الیہ کی علامت پر) یعنی المجرور وہ اسم ہے جو مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے مضاف الیہ کی علامت یعنی جر پر (مشتمل ہو) خواہ (جر) کسرہ کے ساتھ ہو (جیسے غلام زید) یا فتحہ کے ساتھ (جیسے غلام احمد میں دال کی جر فتح کے ساتھ ہے) یا (جر) یا کے ساتھ (جیسے تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں پھر ان تینوں میں سے ہر ایک) لفظی طور پر ہو (جس کی مثال گذر چکی ہے)

یہ ظاہر ہے کہ ما ولا کا مدخول جملہ اسمیہ یعنی مبتدا و خبر ہوتا ہے، اور مبتدا کی خبر مرفوع ہوتی ہے پس ما ولا کے دخول کے بعد اگرچہ خبر منصوب ہوگئی مگر چونکہ جملہ اسمیہ بدستور موجود ہے اس لئے ان دونوں کی خبر محل رفع میں ہوگی پس معطوف کو محل رفع پر عطف کرتے ہوئے بنا پر اصل رفع دینا واجب ہوگا نہ کہ نصب اس جگہ قول مصنف بموجب بکسر الجیم ہے جو کہ ایجاب بمعنی اثبات کا اسم فاعل ہے، اور فالرفع کے بعد ای فحکم المعطوف الرفع سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جزا ہمیشہ جملہ ہوتی ہے محض الرفع کا جزا واقع ہونا درست نہیں کما مر سابقًا مرةً واللہ اعلم ۱۲ تمت المنصوبات بعون اللہ وحسن توفیقہ۔

سلہ قولہ المجرورات الخ اس کی ترکیب بعینہ وہی ہے جو المرفوعات اور المنصوبات کی ہے، اور اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو المرفوعات کے ضمن میں گذر چکی کہ یہ مجرورٌ کی جمع ہے یا مجرورةٌ کی وغیرہ اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ المرفوعات اور المنصوبات میں تو جمع لانا درست تھا اس لئے کہ مرفوع اور منصوب بہت ہیں لیکن مجرور جو کہ صرف ایک ہے یعنی مضاف الیہ اس کے بیان میں المجرورات جمع لانا کیسے درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ مجرور اگرچہ صرف ایک ہے مگر اس کے انواع متعدد ہیں، اس لئے انواع کو ملحوظ رکھتے ہوئے المجرورات کہا واللہ اعلم ۱۲

سلہ قولہ ہو ما اشتمل الخ اس جگہ ہو ضمیر کا مرجع مجرورٌ ہے جو کہ المجرورات کے ضمن میں پایا جاتا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ وارد ہو کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں اور ما سے حسب سابق اسم مراد ہے اس لئے کہ تمام گفتگو اسم ہی سے ہو رہی ہے پس تعریف یہ ہوئی کہ مجرور اس اسم کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو پس جب ما کی تفسیر ای اسم سے کی گئی تو اس سے وہ حروف اواخر خارج ہو گئے کہ جو محل اعراب ہیں اس لئے کہ حروف اواخر پر مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کا اصطلاحًا اطلاق نہیں کیا جاتا اس لئے کہ مرفوعات وغیرہ اسم کے اقسام سے ہیں اقسام حروف سے نہیں نیز اس کے ساتھ ساتھ حروف اول اور اوسط بھی خارج ہو جاتے ہیں مگر چونکہ اعراب کا اثر آخر میں آتا ہے اس لئے شارح نے الحروف الاواخر کو ذکر کر دیا، اور اس عبارت کے متعلق جو سوالات و جوابات مرفوعات کے بیان میں گذر چکے وہی بعینہ یہاں بھی تصور کئے جائیں، اور علم المضاف الیہ کی شرح ای علامة المضاف الیہ الخ سے کرکے شارح کا مقصود جس طرف اشارہ کرتا ہے وہ بھی مرفوعات کے شروع میں بیان ہو چکا ہے، پس حاصل یہ ہوا کہ مجرور اس اسم کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ کی علامت پر مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے مشتمل ہو اور مضاف الیہ کی علامت جر ہے خواہ وہ جر کسرہ کے ساتھ ہو جیسے غلامُ زیدٍ یا فتحہ کے ساتھ جیسے غلامُ احمدَ یا یاء کے ساتھ جیسے یا غلامُ اخی پھر اس میں بھی تعمیم ہے کہ یہ کسرہ یا فتحہ یا یاء لفظًا ہوں یا تقدیرًا۔ لفظًا کی امثلہ ابھی بیان ہوئیں تقدیرًا کی مثالیں یہ ہیں کسرہ تقدیری جیسے مررتُ بفتیً فتحہ تقدیری جیسے مررتُ باحمدَ۔ یاء تقدیری جیسے یا غلامِ ای یا غلامی واللہ اعلم ۱۲۔

وانّما قلنا من حیث ھو مضاف الیہ لان الجر لیس علامۃ لذات المضاف الیہ بل لحیثیۃ کونہ مضافا الیہ والمضاف الیہ وان کان مختصا بما عرفہ بہ لکن المشتمل علی علامتہ اعم منہ ومما ھو مشبہ بہ فیدخل فی تعریف المجرور مثل بحسبک درھم وکفی باللہ وکذا المضاف الیہ بالاضافۃ اللفظیۃ وان لم یکن داخلا فی تعریفہ وَالمُضَافُ اِلَیۡہِ وھو ھھنا غیر ما ھو المصطلح المشھور بینھم وذھب فی ذلک الی مذھب

یا تقدیری طور پر (جیسے غلام فتی وحبلی وابی العباس اور مصنف نے جر محلی کا ذکر نہیں کیا کہ وہ فتح اور یاء کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف کسرۂ محلیہ سے ہوتی ہے جیسے مررت بھذا یا بھذین بحالت تثنیہ) اور ہم نے من حیث ھو مضاف الیہ اس لئے ہی کہا کہ جر مضاف الیہ کی ذات کے لئے علامت نہیں (مثلاً غلام زید میں ذات زید کی علامت نہیں) بلکہ اس کے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت کے لئے ہے اور مضاف الیہ (کا یہ جو مضاف الیہ نام ہے) اگرچہ اس مضاف الیہ کے ساتھ خاص ہے جس کی مصنف نے اس (عبارت لا المضاف الیہ کل اسم الخ) سے تعریف کی ہے لیکن جو اسم مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہے وہ اس (مضاف الیہ) سے اور (مجرور ہونے میں) مشابہ بالمضاف الیہ سے عام ہے (اگرچہ اس پر مضاف الیہ کا اطلاق نہ ہو لجواز ان توجد علامۃ الشئ بدون ذلک الشئ) لہذا مجرور کی تعریف میں بحسبک درھم اور کفی باللہ کی مانند داخل ہوگا اور اسی طرح مضاف الیہ اضافت لفظیہ (بھی مجرور کی تعریف میں داخل ہوگا) اگرچہ مضاف الیہ کی تعریف میں داخل نہیں ہے ((اور مضاف الیہ)) اور مضاف الیہ یہاں (مصنف کے کلام میں) اس (مضاف الیہ) کے علاوہ ہے جو نحویوں کے درمیان اصطلاح میں مشہور ہے اور مصنف مضاف الیہ کے اطلاق

الیہ کا اطلاق نہ کیا جائے پس تعریف مجرور اپنے تمام افراد کو جامع ہو جائے گی، اور اس میں مجرور بحرف جر اور مضاف الیہ باضافت لفظیہ داخل ہو جائیں گے جیسے بحسبک درھمٌ وکفی باللہ اور ضاربُ زیدٍ اہی ضاربٌ زیداً حاصل یہ ہوا کہ مضاف الیہ سے خاص کر مضاف الیہ ہی مراد نہیں بلکہ اس میں باللہ وغیرہ بھی داخل ہیں اب رہی یہ بات کہ اضافت لفظیہ تعریف مضاف الیہ میں کیوں داخل نہیں تو اس کا بیان عنقریب آئے گا، انشاء اللہ تعالے واللہ اعلم ۱۲۔

۵ قولہ وانما قلنا الخ یہاں سے شارح اپنی تفسیر علم المضاف میں قید من حیث ھو مضافٌ الیہ کے اضافہ کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے من حیث ھو مضاف الیہ اس وجہ سے کہا کہ جر ذات مضاف الیہ کے لئے علامت نہیں ہوتا اس لئے کہ اعراب مطلقاً علامۃ نہیں ہوا کرتا تاکہ اطلاق سے مراد ذات لی جائے بلکہ اعراب اس وقت علامت ہوتا ہے جبکہ لفظ میں معانی مقتضیہ میں سے کوئی معنے پائے جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ معنی اسی حیثیت سے پائے جاتے ہیں کہ لفظ فاعلیۃ یا مفعولیۃ یا اضافۃ کے ساتھ متصف ہو پس اعراب بیان وصف کے لئے ہوگا نہ کہ ذات کے لئے پس جر مضاف الیہ کے لئے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے علامت ہوگا، اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ علامت مضاف الیہ پر مشتمل صرف مضاف الیہ ہی ہو سکتی ہے نہ کہ غیر پس تعریف مجرور میں باللہ اور بحسبک کیسے داخل ہو سکتے ہیں، حالانکہ یہ بھی مجرورات میں سے ہیں اسی طرح اضافۃ لفظیہ بھی اس سے خارج ہوئی جاتی ہے، اس لئے کہ اضافۃ لفظیہ میں مضاف الیہ دراصل یا تو منصوب ہوتا ہے یا مرفوع پس اس کا جر کالعدم ہے اس کا جواب شارح رحمہ اللہ والمضاف الیہ وان کان مختصا الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگرچہ مصنف کی تعریف سے مضاف الیہ صرف اسی میں اضافۃ معنویہ پائی جائے لیکن مشتمل علی علامتہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس میں تعمیم کی جائے، اور یہ کہا جائے کہ اس سے مراد عام ہے یعنی وہ خواہ اسم مضاف الیہ ہو جیسا کہ تعریف مصنف سے ظاہر ہوتا ہے یا وہ اسم مشابہ بمضاف الیہ ہو یعنی مجرور ہونے کے اعتبار سے اس اسم کی مضاف الیہ کے ساتھ مشابہۃ ہو اگرچہ اس پر مضاف

۶ قولہ والمضاف الیہ الخ شروع میں تو مجرورات کی تعریف تھی اب مضاف الیہ کی تعریف بیان کرتے ہیں، اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس جگہ مصنف نے تعریف مشہور سے عدول کر کے غلطی کا ارتکاب کیا ہے اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ مجرور بواسطہ حرف جر لفظاً مضاف الیہ نہیں ہوتا لہذا وہی تعریف صحیح ہو سکتی ہے کہ جس سے مجرور بواسطہ حرف جر لفظاً خارج ہو جائے، اور وہ یہ ہے جو نحاۃ نے کی ہے یعنی سے

سیبویہ حیث اطلق المضاف الیہ علی المنسوب الیہ بحرف الجر لفظا ایضًا
کلُّ اسمٍ حقیقۃ او حکما لیشمل الجمل التی یضاف الیہا نحو یوم ینفع
الصادقین صدقہم فانہا فی حکم المصادر نُسِبَ اِلَیْہِ شئٌ اسما کان نحو
غلام زید او فعلا مثل مررت بزید بواسطۃ حرفِ الجرِّ لفظًا او
تقدیرًا ای ملفوظا کان ذلک الحرف کما فی مثل مررت بزید او مقدرًا
حال کون ذلک المقدر مرادًا من حیث العمل بابقاء اثرہ وھو الجر مثل
غلام زید وخاتم فضۃ وضرب الیوم بخلاف قمت یوم الجمعۃ فانہ وان

(کے سلسلے) میں سیبویہ کے مذہب کی طرف گئے ہیں
(ان المختار عند المصنف مذہب سیبویہ) کیونکہ سیبویہ نے اس اسم پر بھی مضاف
الیہ کا اطلاق کیا ہے جو لفظی طور پر بھی حرف جر کے ساتھ منسوب الیہ ہو (والمراد بحرف الجر
غیر الزائد لانہ لایکون مضافا الیہ عندہ ایضًا) (ہر وہ اسم ہے) حقیقۃً یا حکماً تاکہ کل اسم ان
جملوں کو شامل ہو جائے جو (اسماء زمان کے لئے) مضاف الیہ ہوتے ہیں جیسے یوم ینفع
الصادقین صدقہم کہ یہ جملے مصادر کے حکم میں ہیں (جس کی طرف کسی شئے کی نسبت کی
جائے) وہ شئے اسم ہو جیسے غلام زید یا فعل جیسے مررت بزید (حرف جر کے واسطے سے لفظی
طور پر یا تقدیری طور پر) یعنی وہ حرف جر ملفوظ ہو جیسے مررت بزید کے مثل میں یا مقدر ہو
جبکہ وہ مقدر (مراد ہو) عمل کی حیثیت سے (اور وہ) اس طرح کہ اس کا اثر جو کہ جر ہے باقی
رکھا گیا ہو جیسے غلام زید اور خاتم فضۃ اور ضرب الیوم (ای غلام لزید وخاتم من فضۃ وضرب
فی الیوم (حرف الجر فی المفعول فیہ والمفعول لیست

کل اسم اضیف الیہ اسم آخر
بواسطۃ حرف الجر تقدیرا مرادًا
پس اس سے مجرورًا بواسطہ حرف جر لفظی
خارج ہو جاتا ہے جیسے مررت بزید اس کا
جواب وذہب فی ذلک الخ نے یہ دیا کہ مصنف
نے مذہب سیبویہ اختیار کیا ہے اس لئے
کہ سیبویہ نے مضاف الیہ کا اطلاق منسوب
الیہ بحرف جر لفظی پر بھی کیا ہے، پس اس
اختیار کی وجہ یہ ہے کہ مصنف حق کی پیروی
کرتے ہیں مطلقاً نحاۃ کی نہیں اور مصنف کے
نزدیک حق یہ ہے کہ مجرور بواسطہ حرف جر
لفظی بھی تعریف مضاف الیہ میں داخل ہو

اس لئے کہ اس میں بھی نسبت پائی جاتی ہے،
فائدہ، ہو ما اشتمل علی علم المضاف الیہ کہنے
سے اگرچہ مضاف الیہ کی تعریف سمجھ میں آجاتی
ہے، مگر چونکہ مصنف کا منشاء تعریف میں التعریف
ظاہر کرنے کا تھا، اس لئے اس کی علیحدہ تعریف
بیان کردی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مصنف نے
جمہور نحاۃ کا اتباع نہیں کیا واللہ اعلم ۱۲

۵ قولہ کل اسم الخ مضاف الیہ ہر وہ
اسم ہے کہ جس کی طرف کسی شئے کی نسبت
بواسطہ حرف جر کی گئی ہو عام ازیں کہ وہ اسم
حقیقۃً ہو یا حکماً، حقیقۃً جیسے غلام زید میں زید
اور حکماً جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم ای یوم
نفع الصادقین پس اس تعمیم کی ضرورت اس
لئے پیش آئی تاکہ تعریف ان جملوں کو بھی شامل
ہو جائے کہ جو مضاف الیہ ہوتے ہیں اس لئے
کہ یہ جملے مصادر کے حکم میں ہوتے ہیں ورنہ ان
کی جانب اضافت صحیح نہیں ہو سکتی کما فی یوم ینفع
الصادقین صدقہم پھر جس شئے کی نسبت کی
جائے اس میں بھی تعمیم ہے کہ وہ شئے اسم ہو
جیسے غلام زید کہ اس میں شئے منسوب یعنی غلام
اسم ہے یا شئی منسوب فعل ہو جیسے مررت بزید
میں مررت پھر واسطہ حرف میں بھی تعمیم ہے
یعنی عام ازیں کہ وہ حرف جر لفظوں میں ہو جیسے
مررت بزید میں با جارہ یا مقدر ہو مگر من حیث
العمل مراد ہو یعنی اس کا اثر لفظوں میں باقی
ہو اور وہ اثر جر ہے جیسے غلام زید کہ یہ اصل
میں غلام لزید تھا پس یہاں لام مقدر ہے اور
مراد ہے اس لئے اس کا اثر لفظوں میں باقی
ہے علی ہذا القیاس خاتم فضۃ ای خاتم
من فضۃ وضرب الیوم ای ضرب
فی الیوم بخلاف قمت یوم الجمعۃ کے
کہ اس میں اگرچہ یوم الجمعۃ کی طرف قیام کی نسبت
حرف جر مقدر یعنی فی کے ساتھ ہے، لیکن وہ
حرف جر مراد نہیں اس لئے کہ اگر وہ مراد ہوتا
تو اس کا اثر یعنی جر لفظوں میں ظاہر ہوتا اور
یہاں الیوم منصوب ہے پس معلوم ہوا کہ یہ تعریف
مضاف الیہ سے خارج ہے اسی چیز کو مدنظر
رکھتے ہوئے شارح نے من حیث العمل بابقاء
اثرہ الخ کا اضافہ فرمایا لہٰذا اب کوئی شخص یہ اعتراض
نہ کرے کہ تقدیرًا کے بعد مرادًا کی قید کا اضافہ
کرنا بیکار ہے اس لئے کہ تقدیر کے معنی ہی یہ
ہیں کہ لفظ سے اسقاط ہو اور نیت میں ابقاء
پس جب حرف جر مقدر ہوگا تو نیت میں ضرور
باقی رہے گا پھر لفظاً اور تقدیرًا کی شرح
ملفوظا اور مقدرًا سے کرکے بدستور سابق
اس امر پر تنبیہ کی ہے کہ یہ بمعنی اسم مفعول
ہو کر کان محذوف کی خبر ہیں، اور بمعنی اسم مفعول

نسب الیه القیامُ بالحرف المقدر وهو فی لکنه غیر مراد اذ لو ارید لانجر به ~~فالتقدیر~~ ای تقدیر الحرف شرطه اَنْ یَکُوْنَ المُضَافُ اِسْمًا اذ لو کان فعلا لابد من ان یتلفظ بالحرف نحو مررت بزید مُجَرَّدًا ای منسلخا عَنْهُ تَنْوِیْنُه او ما قام مقامه من نونی التثنیة والجمع لِاَجْلِهَا ای لاجل الاضافة لان التنوین او النون دلیل علی تمام ما هی فیه فلما ارادوا ان یمزجوا الکلمتین مزجا تکتسب به الاولی من الثانیة التعریف او التخصیص

بمراد والالم ینصبا) تمت یوم الجمعة کے برعکس کہ اگرچہ یوم جمعہ کی طرف حرف مقدر جو کہ فی ہے (اور ضربتہ تادیبا میں لام) کے واسطے سے قیام کی نسبت کی گئی ہے لیکن حرف جر مراد نہیں ہے کیونکہ اگر حرف جر مراد ہوتا اس حرف سے یوم (اور تادیب میں سے ہر واحد) مجرور ہوتا و لیس کذلک ((پس تقدیر کی)) یعنی حرفِ جر کی تقدیر کی ((شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہو)) کیونکہ اگر مضاف فعل ہوگا تو حرف جر کا تلفظ ضروری ہوگا جیسے مررت بزید ((اس سے اس کی تنوین کو مجرد)) یعنی منسلخ ((کیا گیا ہو)) (یعنی تنوین کو) یا تثنیہ وجمع کے دو نون میں سے جو تنوین کے قائم مقام ہے (کو مضاف سے الگ کر لیا گیا ہو) ((اس کی وجہ سے)) یعنی اضافت کی وجہ سے کیونکہ تنوین یا نون اس چیز کے تمام (وکمال) پر دلیل ہے جس میں یہ (تنوین ونون) ہو تو نحویوں نے دو کلموں کو آپس میں اس طرح ملانے کا ارادہ کیا کہ پہلا کلمہ دوسرے کلمہ (یعنی مضاف مضاف الیہ) سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف حاصل

ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خبر کا حمل اسم پر درست ہو جائے کما مر کرات مرات پس تقدیر عبارت یہ ہوگی سواءً کان الحرف ملفوظاً او مقدراً اور قولہ مراداً کان محذوف کی خبر سے حال واقع ہے نیز ہو سکتا ہے کہ مراداً قولہ تقدیراً سے تمیز ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراداً مقدراً کی صفت یا خبر بعد خبر ہو پس مراداً سے مفعول فیہ اور مفعول معہ خارج ہو جائیں گے اس لئے کہ ان دونوں میں حرف جر کی تقدیر مراد نہیں ہوتی ورنہ وہ منصوب نہ ہوتے واللہ اعلم ۱۲۔

ے قولہ فالتقدیر الخ التقدیر میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اس لئے شارح نے اس کی تفسیر ای تقدیر الحرف کے ساتھ کی اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ وہ اضافت جو بتقدیر حرف جر ہوتی ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو کہ جو اضافت کے باعث تنوین یا قائم مقام تنوین مثلاً نون تثنیہ و جمع سے خالی ہو اس جگہ مضاف کا اسم ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے نہ کہ فعل کا پس اگر مضاف فعل یا متضمن معنیٰ فعل کو ہوگا تو حرف جر کا تلفظ ضروری ہے اس لئے کہ اضافت فعل کے خواص میں سے نہیں ہے کہ تقدیر حرف جائز ہو جیسے مررتُ بزید اور انا مارٌّ بزید اب رہا قولہ مجرداً تو اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مجرداً اسم مفعول ہے اور تنوینہ اس کا نائب فاعل پس مجرداً کا اسناد تنوینہ کی طرف ہوا اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ تنوین عارض ہے اور اصل شئی میں یہ ہے کہ معروض کی طرح مسند ہو نہ کہ عارض کی طرف پس مناسب یہ تھا کہ مجرداً کا اسناد کلمہ کی طرف کرتے ہوئے مجرداً ہو عن تنوینہ کہتے تاکہ شئی کا اسناد بنابر اصل معروض کی طرف ہو جاتا

اس کا جواب شارح نے ای منسلخاً سے یہ دیا کہ اس جگہ مجرداً منسلخاً کے معنی میں ہے، اور تقدیر عبارت یوں ہے ای منسلخاً عنہ تنوینہ یعنی مضاف سے تنوین سلب کر لی گئی ہو پس تجرید چونکہ انسلاخ کو مستلزم ہے، اس لئے ملزوم یعنی تجرید بول کر لازم یعنی انسلاخ مراد لیا ہے، پھر سوال پیدا ہوا کہ جس طرح مضاف کے لئے تنوین سے خالی ہونا ضروری ہے اسی طرح قائم مقام تنوین یعنی نون تثنیہ و جمع سے بھی خالی ہونا ضروری ہے پس مصنف نے صرف تنوین کو ذکر کیا اور نون تثنیہ و جمع کو چھوڑ دیا اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ تنوین اصل ہے، اور نون تثنیہ و جمع اس کی فرع پس جب اصل کو ذکر کر دیا تو فرع

خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے یا یہ کہہ لیا جائے کہ اس جگہ عبارت علی حذف المعطوف ہے جیسا کہ شارح نے او ما قام مقامہ سے اس طرف اشارہ کیا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اب رہا یہ امر کہ تقدیر حرف کے لئے مضاف کا تنوین سے خالی ہونا کس لئے ضروری ہے تو اس کا جواب شارح لان التنوین والنون الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ تنوین یا نون تثنیہ و جمع کلمہ کے تمام ہونے پر دلالت کرتے ہیں پس جب دو کلموں کو ملانے کی ضرورت داعی ہو اور اس اتصال سے مقصود یہ ہو کہ کلمۂ اولیٰ کلمۂ ثانیہ سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف کا فائدہ حاصل کرے تو اول کلمہ سے اتمام کلمہ کی علامت کو حذف کرنا ضروری ہوگا

او التخفيف حذفوا من الاولى علامة تمام الكلمة وتمموها بالثانية ثم[ک] المتبادر من هذا التعريف نظرا الى كلام القوم حيث ليسوا قائلين بتقدير حرف الجر فى الاضافة اللفظية انه غير شامل للمضاف اليه بالاضافة اللفظية لكن الظّ من كلام المصّ فى المتن والصريح فى شرحه له ان التقسيم الى الاضافة المعنوية واللفظية انما هو للاضافة بتقدير حرف الجر لكنه لم يبين تقدير الحرف فيها لا فى المتن ولا فى شرحه ولم ينقل عنه شئ

کرے تو انہوں نے پہلے کلمے (یعنی مضاف) سے کلمہ کے تمام ہونے کی علامت (تنوین یا نون) کو حذف کر دیا اور اسے دوسرے کلمہ کے ذریعے (اس طرح) مکمل کیا (کہ دوسرے کلمہ کو کلمۂ اولیٰ کی شئ محذوف کے قائم مقام کر کے اس کے نقصان کی تلافی کر دی) پھر نحویوں کے کلام کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ اضافت لفظیہ میں حرف جر کی تقدیر کے قائلین نہیں ہیں مضاف الیہ کی اس تعریف سے متبادر یہ ہے کہ یہ تعریف مضاف الیہ بہ اضافت لفظیہ کو شامل نہیں ہے (کہ اضافت لفظیہ میں حرف جر ہے ہی نہیں نہ لفظا اور نہ تقدیرا لہذا یہ تعریف مضاف بہ حرف جر لفظا یا تقدیرا مراد لے کے ساتھ خاص ہوگی) لیکن اس کتاب (کافیہ) کے متن اور اس کے مصنف کی اپنی شرح میں مصنف کے کلام سے جو ظاہر و واضح ہے وہ یہ ہے کہ اضافت معنویہ اور لفظیہ کی طرف جو تقسیم ہے وہ اضافت بہ تقدیر حرف جر کے لئے ہی ہے (لہذا اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اضافت لفظیہ بھی تقدیر حرف جر سے ہے) لیکن مصنف نے (جس طرح اضافت معنویہ میں حرف جر کی تقدیر کو بیان کیا ہے اسی طرح) اضافت لفظیہ میں حرفِ جر کی تقدیر کو بیان نہیں کیا نہ (کافیہ کے) متن میں اور نہ ہی اس کی شرح میں اور نہ ہی مصنف کی باقی مصنفات سے حرف

ورنہ دونوں کلموں میں امتزاج پیدا نہیں ہوگا۔ کہ دونوں کلمے مل کر بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہو جائیں بلکہ انفصال پیدا ہو جائے گا اور یہ مقصود اضافت کے خلاف ہے پس کلمۂ اولیٰ سے علامت اتمام کلمہ کو حذف کر کے کلمۂ ثانیہ کے ساتھ اس کو تام کر دیں گے، اب اس جگہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جب کلمۂ اولیٰ تنوین یا اس کے قائم مقام کے ساتھ تام ہوتا ہے تو حذف تنوین یا قائم مقام اور اتمام بشئ آخر کی کیا ضرورت ہے اس لئے کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ کلمۂ اولیٰ میں جب تعریف یا تخصیص وغیرہ پیدا کرنا مقصود ہو تو یہ فائدہ

بغیر حذف تنوین اور انضمام کلمۂ ثانیہ کے حاصل نہیں ہو سکتا پس کلمۂ ثانیہ اگر معرفہ ہوگا تو کلمۂ اولیٰ میں تعریف آئے گی، اور نکرہ ہوگا تو اولیٰ میں تخصیص پیدا ہوگی اور تخفیف بہر صورت حاصل ہوتی ہے، اس لئے حذف تنوین و حذف نون تثنیہ و جمع اور انضمام کلمۂ ثانیہ ضروری ہوا اب اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تنوین اگر اضافت کے علاوہ کسی اور سبب سے ساقط ہو گی مثلاً التقاء ساکنین دخول لام تعریف اور عدم انصراف وغیرہ کے باعث تو اس سے ہماری بحث نہیں کیونکہ ان مقامات میں حذف تنوین کا باب اضافت

سے کوئی تعلق نہیں واللہ اعلم ۱۲-

ک قولہ ثم المتبادر الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال کر کے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں تعریر سوال معلوم کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ جمہور نحاۃ اس امر کے قائل ہیں کہ اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جر نہیں ہوتی نہ لفظاً اور نہ معنیً اب ہم قول جمہور نحاۃ کو سامنے رکھیں، اور مصنف کی عبارت نسب الیہ شئ الخ کو دیکھیں تو اس تعریف سے تبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ تعریف مضاف الیہ باضافت لفظیہ کو شامل نہیں اس لئے کہ اس میں حرف جر کا واسطہ نہیں ہوتا، اور تعریف میں واسطہ حرف جر ملحوظ ہے پس اعتراض وارد ہوا کہ یہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے مضاف الیہ باضافت لفظیہ خارج ہو جاتا ہے، اب رہا یہ سوال کہ اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جر کیوں نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مضاف الیہ درحقیقت منصوب یا مرفوع ہوتا ہے اس لئے کہ یہ مفعول یا فاعل واقع ہوا کرتا ہے پس اس کو جر کی احتیاج نہیں اسی لئے اس اضافت سے نہ تو تعریف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ نہ تخصیص کا صرف تخفیف مدنظر رہتی ہے پس اگر اضافت صفت کی مفعول کی طرف ہو جیسے ضارب زید تو زید درحقیقت مفعول بہ ہے اور اس میں تقدیر حرف جر کی اس لئے ضرورت نہیں کہ ضارب متعدی بنفسہ ہے ہاں اگر یہ متعدی بنفسہ نہ ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ زید بتقدیر حرف جر مجرور ہو کر بواسطہ حرف جر ضارب کا مفعول ہے ایسے ہی صفت کی اضافت فاعل کی طرف ہو جیسے الحسن الوجہ تو اس میں بعینہ وجہ کا حمل حسن پر حمل ہو ہو کے قبیل سے ہے اس لئے کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں، پس اس میں تقدیر حرف جر کے کوئی معنی نہیں اس کا جواب لکن الظاہر من کلام المصنف

فيه من سائر مصنفاته وقد[8] تكلف بعضهم فی اضافة الصفة الی مفعولها مثل ضارب زيد بتقدير اللام تقوية للعمل ای ضارب لزيد وفی[9] اضافتها الی فاعلها مثل الحَسَنُ الوجه بتقدير من البيانية فان ذكر الوجه فی قولنا جاء نی زيد الحسن الوجه بمنزلة التميیز فان فی اسناد الحسن الی زيد ابهاما فانه لا يعلم انه ای شیٔ منه حسن فاذا ذكر الوجه فكانه قال من حيث الوجه فان[10] قلت هذا فی الحقيقة تخصيص فلا يصح ان الاضافة

جر کی تقدیر (کے سلسلے) میں مصنف سے کوئی چیز منقول ہے اور بعض حضرات نے ضارب زید کے مثل میں صفت (اسم فاعل) کے اس کے مفعول کی طرف اضافت کے اندر (ردف لکم کی طرح عامل کے) عمل کو قوت دینے کے لئے لام کو مقدر کرنے کا تکلف کیا ہے یعنی ضارب لزید (کہ مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہے اور نہ اس کی ظرف لہذا اضافت لامی ہوگی جیسے غلام زید میں) اور (بعض حضرات نے) الحسنُ الوجہ کے مثل میں صفت کی اس کے فاعل کی طرف اضافت کے اندر من بیانیہ کی تقدیر کا (تکلف کیا) کہ ہمارے قول جاء نی زید الحسن الوجہ میں الوجہ کا ذکر تمیز کے بمنزلہ ہے (لہذا تقدیر من بیانیہ مناسب ہوئی وجہ مبین ہوا) کہ زید کی طرف حسن کی اسناد میں ابہام ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ زید کی کونسی چیز حسن ہے تو جب وجہ کا ذکر کیا گیا تو گویا کہا (جاء نی زید الحسن) من حیث الوجہ پھر اگر تم کہو کہ یہ (الحسن کا وجہ کی طرف اس توجیہ سے مضاف ہونا) تو درحقیقت تخصیص ہے (کہ الحسن اضافت سے قبل عام اور شائع تھا تو

الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگرچہ تعریف سے اضافۃ لفظیہ کا شمول مضاف الیہ میں معلوم نہیں ہوتا لیکن مصنف کے کلام "ای وہی معنویۃ ولفظیۃ" میں ہی ضمیر کے مرجع اور شرح کافیہ میں اپنے قول مذکورہ کی شرح میں قولہ ہی ای الاضافۃ بتقدیر حرف الجر معنویۃ ولفظیۃ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اضافۃ معنویہ اور لفظیہ کی طرف تقسیم اضافۃ بتقدیر حرف الجر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اضافۃ لفظیہ میں بھی تقدیر حرف جر ہوتی ہے، لیکن مصنف نے اس میں تقدیر حرف کو بیان نہیں کیا جیسا کہ اضافۃ معنویہ میں بیان کیا ہے، اور نہ اس کی شرح کافیہ میں اس کا کچھ بیان ملتا ہے اور نہ اس کی تمام مصنفات میں اس سے کچھ منقول ہے، پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مصنف کی تعریف جامع نہیں بلکہ جامع ہے اور اضافۃ لفظیہ بھی اس میں داخل ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۸ قولہ وقد تکلف الخ اس سے شارح کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ اضافۃ لفظیہ میں واسطہ حرف جر کی کیا صورت ہے! پس بعض نحاۃ نے کہا ہے کہ مثلاً جب اسم فاعل کی اضافۃ اپنے مفعول کی طرف ہو جیسے ضاربُ زید تو اس کی تقدیر ضاربٌ لزید ہے اور اس میں لام کو عمل مضاف کی تقویۃ کے لئے قرار دیتے ہیں نہ کہ تقدیر کے لئے اس لئے کہ ضارب متعدی بنفسہ ہے اس کو کسی علت کی احتیاج نہیں اب رہی یہ بات کہ شارح نے اس کو تکلف کیوں کہا؟ حالانکہ اس سے تعریف کی جامعیت سمجھ میں آتی ہے، اور مصنف الزام سے بچ جاتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقویۃ عمل کے لئے جو لام آیا کرتا ہے وہ زائدہ ہوتا ہے پس جب یہ لام زائدہ ہوا تو اس کا فائدہ صرف اتنا ہوا کہ یہ اپنے ماقبل کو اپنے مابعد سے ربط دے دے، پس جب یہ ربط کے لئے ہوا تو مناسب یہ ہے کہ اس کو لفظوں میں

ذکر کیا جائے نہ کہ مقدر رکھا جائے پس اس کو مقدر کرنا تکلف نہیں تو کیا ہے؟ واللہ اعلم ۱۲

۹ قولہ وفی اضافتہا الخ اس کا عطف فی اضافۃ الصفۃ پر ہے اور یہ بھی قد تکلف کے تحت میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مثلاً اسم فاعل کی اضافۃ اپنے فاعل کی طرف ہو جیسے الحسن الوجہ تو اس میں بعض نحاۃ من بیانیہ مقدر مانتے ہیں، اور من بیانیہ کی تقدیر کی یہ وجہ ہے کہ من بیانیہ تمیز کی مانند ہوتا ہے، پس جاء فی زید الحسن الوجہ میں الوجہ بمنزلہ تمیز کے ہے اس لئے کہ زید کی طرف حسن کے اسناد کرنے میں ابہام پایا جاتا ہے کہ معلوم نہیں زید کس لحاظ سے

خوبصورت ہے پس جب اس وجہ کا ذکر کر دیا گیا تو گویا کہ یہ کہا گیا کہ زید اپنے چہرہ کے اعتبار سے خوبصورت ہے پس یہاں من بیانیہ مقدر مانا جائے کہ من حیث الوجہ زید کے حسن ہونے کا بیان ہو جائے، اور اس کے تکلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فاعل پر حرف جر داخل نہیں ہوا کرتا لہذا الوجہ پر من بیانیہ داخل کرنا قاعدہ کے خلاف ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۰ قولہ فان قلت الخ ابھی قریب ہی بتایا گیا تھا کہ اضافۃ لفظیہ سے حرف تخفیف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے تعریف اور تخصیص کا نہیں تو اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ اس جگہ الحسن

اللفظیۃ لا تفید الا تخفیفا فی اللفظ قلنا کان هذا التخصیص واقعا قبل الاضافۃ فلا یکون مما تفیدہ الاضافۃ فلیست فائدۃ الاضافۃ الا التخفیف فی اللفظ وهی[۱۱] ای الاضافۃ بتقدیر حروف الجر معنویۃ ای منسوبۃ الی المعنی لانها تفید معنی فی المضاف تعریفا او تخصیصا ولفظیۃ ای منسوبۃ الی اللفظ فقط دون المعنی لعدم سرایتها الیه فالمعنویۃ[۱۲] علامتها ان

وجہ کے ذکر سے وہ وجہ کے ساتھ خاص ہوگیا) لہذا یہ صحیح نہ ہوا کہ اضافت لفظیہ تخفیف فی اللفظ ہی کا فائدہ دیتی ہے (تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی) ہم نے جواب دیا کہ (فاعل یعنی الوجہ کی وجہ سے) یہ تخصیص اضافت سے پیشتر واقع تھی (کہ فاعل مخصص یعنی فعل کو اپنے ساتھ خاص کرنے والا ہوتا ہے مثلاً جب تم نے قام کہا تو معلوم نہیں کہ قیام کس سے سرزد ہوا پس قام عام اور اس بات کے صالح ولائق ہوا کہ یہ زید و عمرو وغیرہما سے صادر ہو تو جب تم نے قام کے بعد زید کہدیا تو قام کو تم نے زید کے ساتھ خاص کردیا اسی طرح تمہارے قول الحسن وجہہ میں الوجہ ہے صفت کو اپنے ساتھ قائم ہونے کے ساتھ خاص کرتا ہے)، تو تخصیص اس قبیل سے نہیں جس کا اضافت لفظیہ فائدہ دیتی ہے (کیونکہ فاعل کی وجہ سے تخصیص پہلے سے ہی حاصل ہے والحاصل لا یحصل) لہذا اضافت لفظیہ کا فائدہ تخفیف فی اللفظ ہی ہوا (اور کچھ نہیں) ((اور وہ)) یعنی اضافت بہ تقدیر حرف جر ((معنویہ ہے)) یعنی معنی کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ مضاف میں تعریف یا تخصیص کے معنی کا فائدہ دیتی ہے ((اور لفظیہ ہے)) یعنی لفظ کی طرف منسوب ہے فقط معنی کی طرف نہیں کیونکہ اضافت لفظیہ (فائدہ میں لفظ سے آگے بڑھ کر) معنی کی طرف نہیں جاتی ((پس معنویہ)) کی علامت

الوجہ میں اضافۃ لفظیہ سے تخصیص کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اس لئے کہ الحسنُ الوجہ الحسن مبہم ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حسن کیا چیز ہے؟ آیا چہرہ ہے یا کچھ اور؟ پس جب الوجہ ذکر کر دیا گیا تو اس سے تخصیص حاصل ہو گئی کہ الحسنُ ہو الوجہ لا غیرہٗ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ اضافۃ لفظیہ محض تخفیف فی اللفظ کا فائدہ دیتی ہے اس کا جواب قلنا کان ہذا الخ سے شارح نے یہ دیا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس میں تخصیص کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ بھی تخصیص ہے وہ اضافۃ کے پیشتر سے واقع ہے اس لئے کہ ہم نے جب الحسن وجہہٗ کہا تھا بلا اضافۃ تو اس میں تخصیص پائی گئی تھی، پس جب اس میں اضافت لائی گئی تو حذف ضمیر کے ساتھ تخفیف حاصل ہوئی اگرچہ تخصیص اس میں موجود ہے مگر یہ اس کے لئے مصر نہیں کیونکہ پیشتر سے ہے پس اضافۃ سے تخصیص کا فائدہ حاصل نہیں ہوا سوائے اس کے کہ اس سے تخفیف فی اللفظ ہو گئی واللہ اعلم ۱۲۔

[۱۱] قولہٗ وہی ای الاضافۃ الخ اس جگہ شارح کو ای الاضافۃ بتقدیر حرف الجر کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ مررتُ بزیدٍ پر اضافۃ کی تعریف صادق آتی ہے، مگر اس کو نہ اضافۃ معنویہ کہتے ہیں، نہ لفظیہ پس ضمیر ہی کا مرجع اگر مطلق اضافۃ کو ٹھہراتے ہیں، اور مقسم اقسام میں معتبر ہوتا ہے تو یہ درست نہیں ہوتا اس لئے کہ مطلق اضافۃ کی تقسیم معنویہ اور لفظیہ کی جانب صحیح نہیں ورمررتُ بزیدٍ کو لے کر معترض اعتراض کر سکتا ہے پس شارح نے اپنی شرح سے بتا دیا کہ یہ تقسیم مطلق اضافۃ کی نہیں بلکہ اضافۃ بتقدیر حرف الجر کی ہے، لہٰذا مررتُ بزیدٍ والا اعتراض اس جگہ درست نہیں پس کہتے ہیں کہ اضافۃ بتقدیر حرف الجر کی دو قسمیں ہیں معنویہ اور لفظیہ، معنویہ کو معنویہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ منسوب الی المعنی ہوتی ہے، اس لئے کہ اس سے معنوی ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے، یعنی یہ اضافت مضاف میں تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اس جگہ معنی فی المضاف میں معنی سے مراد وہ نہیں جو لفظ کا مدلول ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد معنی وصفی ہیں جو کہ معنی مدلول لفظ کے غیر ہیں یعنی مدلول لفظ پر جو معنی زائد ہوں خواہ وہ معنی تعریف کے ہوں یا تخصیص کے پس اگر مضاف الیہ معرفہ ہو گا تو مضاف میں بھی تعریف آجائے گی، اور نکرہ ہو گا تو تخصیص اور لفظیہ کو لفظیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ صرف لفظ کی طرف منسوب ہوتی ہے معنی کی طرف نہیں یعنی اس سے سوائے معنیٔ اول کے کوئی معنی زائد حاصل نہیں ہوتے کیونکہ یہ اضافت معنی میں سرایت نہیں کرتی یعنی اس کا فائدہ لفظ سے معنی کی طرف سرایت نہیں کرتا واللہ اعلم ۱۲

[۱۲] قولہٗ فالمعنویۃ الخ اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ قولہٗ المعنویۃ مبتدا ہے، اور قولہٗ ان یکون الخ بتاویل مصدر یعنی بمعنی لکون ہو کر اس کی خبر اور اصل خبر میں یہ ہے کہ وہ مبتدا پر محمول ہوا کرتی ہے، اور اس جگہ اس کا حمل درست نہیں اس لئے کہ اضافۃ لفظیہ کون

يَكُونَ الْمُضَافُ فيها غَيْرَ صِفَةٍ كاسم الفاعل والمفعول والصفة المشبهة مُضَافَةً اِلٰى مَعْمُوْلِهَا فاعلها او مفعولها قبل الاضافة سواء لم يكن صفة كغلام زيد او كان صفة ولكن غير مضافة الى معمولها بل الى غيره كمصارع مصر وكريم البلد واحترز به عن نحو ضارب زيد وحسن الوجه وَهِيَ اى الاضافة المعنوية بحكم الاستقراء اِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ فِيمَا اى فى المضاف اليه عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ اى لا يكون صادقا على المضاف وغيره ولا ظرفا له نحو غلام زيد فان زيدا

((یہ ہے کہ)) اس میں ((مضاف)) اسم فاعل و ((اسم)) مفعول وصفت مشبہ کی طرح ((صیغۂ صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو)) (اس کا معمول) اضافت سے قبل اس کا فاعل یا مفعول ہے (جو اضافت کے بعد اس کا مضاف الیہ ہوتا ہے) خواہ مضاف (سرے سے) صیغۂ صفت ہی نہ ہو جیسے غلام زید یا صیغۂ صفت ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے مصارع مصر (مصر کی تنوین) کے ساتھ (کہ اس میں مصارع اگرچہ صیغۂ صفت ہے مگر مصر اس کا معمول نہیں بلکہ اس کا معمول وہ ہے جس کے ساتھ مصارعت ہوئی) اور کریم البلد (اگرچہ اس میں مضاف صیغۂ صفت ہے تاہم وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں (کہ کرم بلد کے ساتھ قائم نہیں) اور مصنف نے اپنے قول (مضافة الی غیر معمولہا) سے ضارب زید وحسن الوجہ کے مثل سے احتراز کیا ہے (کہ دراصل ضارب زیدا بنصب زید بنا بر آنکہ مفعول بہ ہے گویا صیغۂ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف ہے اسی طرح حسن الوجہ صیغۂ صفت اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے)) ((اور وہ یعنی اضافت معنویہ بحکم استقراء ((یا تو لام کے معنی میں ہوگی اس میں)) یعنی اس مضاف الیہ میں جو ((مضاف کی جنس اور اس کی ظرف کے ماسوا ہو)) یعنی مضاف الیہ (ترکیب اضافی میں) مضاف اور غیر مضاف پر صادق نہ آئے (یعنی مضاف الیہ کا مضاف پر حمل صحیح نہ ہو اور نہ ہی غیر مضاف پر) اور نہ ہی مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو جیسے غلام زید کہ زید غلام کی جنس نہیں

المصنف غیر صفة الخ سے عبارت نہیں ہے بلکہ یہ اس نسبت سے عبارت ہے جو بتقدیر حرف الجر ہو اور اس حرف جر کا اثر بھی باقی ہو اور مضاف اس میں غیر صفت ہو لہٰذا مصنف کی تعریف مذکور درست نہیں شارح نے علامتها سے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ اضافۃ معنویہ کی تعریف نہیں ہے کہ ایراد مذکور وارد ہو بلکہ یہ اضافت معنویہ کی علامت ہے پس قولہ ان یکون الخ بتاویل مصدر ہو کر مبتدا محذوف علامتها کی خبر ہوگا پھر یہ جملہ اسمیہ المعنویۃ کی خبر بنے گا، اور فیہا کے اضافہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے، پس اس جگہ عائد محذوف ہے پس اضافت معنویہ کی علامت یہ ہوئی کہ اس میں مضاف غیر صفۃ ہو یعنی اسم فاعل اسم مفعول اور صفت مشبہ نہ ہو اور اگر صفۃ ہو تو اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو اس جگہ معمول سے مراد قبل الاضافۃ ہے جیسا کہ شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ اگر یہ قید نہ لگائیں تو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مضاف الیہ بھی تو مضاف کا معمول ہوتا ہے اس لئے کہ مضاف کو عامل مضاف الیہ کہا جاتا ہے پس اگر اس میں معمول کی نفی ہوگی تو اضافۃ کا ہی تحقق نہیں ہوگا پس جب قبل الاضافۃ کہہ دیا گیا تو اس سے مطلق معمول کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس سے وہ معمول خارج ہو جاتا ہے جو اضافۃ سے پہلے معمول کہلاتا ہے یعنی فاعل یا مفعول اور ظاہر ہے کہ مضاف الیہ قبل الاضافۃ معمول نہیں کہلاتا اب ایراد مذکور لازم نہیں آئے گا پس اگر مضاف غیر صفۃ ہو تو اس کی مثال یہ ہے جیسے غلام زید اور صفۃ ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر کی طرف مضاف ہو تو اس کی مثال یہ ہے جیسے مصارع مصر اور

کریم البلد کی اس میں مصارع (بمعنی پچھاڑنے والا پہلوان) اور کریم (بمعنی سخی) صیغۂ صفۃ اسم فاعل ہیں، اور مصر اور البلد جو کہ مضاف الیہ ہیں وہ ان کے معمول قبل الاضافۃ نہیں بلکہ دونوں مصارع اور کریم کے ظرف ہیں اس لئے کہ مصر اور البلد کو اگر معمول قرار دیتے ہیں، تو یہ دونوں یا تو فاعل ہوں گے یا مفعول پس مفعول تو اس وجہ سے نہیں کہ مفعول کے معنی ان پر صادق

نہیں آتے اور فاعل اس وجہ سے نہیں کہ ظرف ہیں پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ پہلوان مصر یعنی شہر ہے کہ فعل کی اسناد مصر کی طرف ہو اسی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص شہر کو زیر کرنے والا ہے اس لئے کہ یہ بھی صریح البطلان ہے علی ہذا القیاس کریم البلد میں پس دونوں کا غیر معمول کی طرف مضاف ہونا واضح ہو گیا پس مصنف کے غیر صفۃ مضاف الی معمولہا

لیس جنسًا للغلام صادقًا علیہ ولا ظرفہ فاضافۃ الغلام الیہ بمعنی اللام ای غلام لزید وَاَمَّا بِمَعْنٰی مِنْ البیانیۃ فِی جِنْسِ الْمُضَافِ الصادق علیہ وعلی غیرہ بشرط ان یکون المضاف ایضا صادقا علی غیر المضاف الیہ فیکون بینہما عموم وخصوص من وجہ وَاَمَّا بِمَعْنٰی فِی فِی ظَرْفِہٖ ای ظرف المضاف و الحاصل ان المضاف الیہ اما مباین للمضاف وح ان کان ظرفا لہ فالاضافۃ

ایسی کہ اس پر صادق آئے (کہ زید حر اور غلام رق ہے) اور نہ اس کی ظرف ہے لہذا زید کی طرف غلام کی اضافت لام کے معنی میں ہے یعنی غلام لزید ((اور یا من)) بیانیہ ((کے معنی میں ہوگی مضاف کی جنس میں)) جو مضاف اور غیر مضاف پر اس شرط کے ساتھ صادق آئے کہ مضاف بھی (مضاف الیہ کی طرح مضاف الیہ اور) غیر مضاف الیہ پر صادق آئے (یعنی جیسے فضۃ خاتم فضۃ میں خاتم اور غیر خاتم پر صادق آتی ہے اسی طرح خاتم بھی فضہ اور غیر فضہ پر صادق آتا ہے) لہذا (اس اضافت میں)) مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم وخصوص من وجہ (کی نسبت) ہے ((اور یا فی کے معنی میں ہوگی اس کی ظرف میں)) یعنی مضاف کی ظرف میں اور خلاصہ یہ ہے کہ مضاف الیہ یا تو مضاف کے لئے مباین ہوگا (کہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر صادق نہ آئے گا جیسے انسان اور فرس) اور اس وقت اگر مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو تو اضافت

کہنے سے ضاربُ زید اور حسن الوجہ خارج ہو گئے، اس لئے کہ ان دونوں میں صفت کی اضافت اپنے معمول قبل الاضافۃ کی طرف ہے یعنی اول میں اضافۃ مفعول کی طرف ہے، اور ثانی میں فاعل کی طرف واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳ قولہ وہی ای الاضافۃ الخ اب یہاں سے مصنف اضافۃ معنویہ کے اقسام کو بیان فرما رہے ہیں، شارح نے ہی کی تفسیر سے اس کا مرجع بیان کیا ہے اور بحکم الاستقراء سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اضافۃ معنویہ کا تین قسموں میں منحصر ہونا دلیل واستقراء سے ثابت ہے، اس لئے کہ مضاف الیہ اگر جنس مضاف سے ہوگا تو اضافۃ بمعنی من بیانیہ ہے، اور اگر مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو تو اضافت بمعنی فی ہے، اور اگر دونوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو اضافۃ بمعنی اللام ہے، اب رہی یہ بات کہ مصنف نے دلیل حصر کو کیوں نہیں بیان کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اضافۃ معنویہ میں اصل یہ ہے کہ بمعنی اللام ہو پھر بمعنے من بیانیہ پھر بمعنی فی پس اس ترتیب کو مد نظر رکھنے کے باعث مصنف نے دلیل حصر بیان نہیں کی کیونکہ وجہ حصر سے یہ ترتیب مستفاد نہیں ہو سکتی تھی پس اضافت معنوی یا بمعنے اللام ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ مضاف الیہ جنس مضاف کا غیر ہو اور مضاف کا ظرف بھی نہ ہو جیسے غلام زید کہ اس میں زید جنس غلام سے نہیں کہ مضاف پر صادق آئے اور نہ زید غلام کا ظرف ہے پس غلام کی اضافۃ زید کی طرف بمعنی اللام ہوئی ای غلام لزید اب رہی یہ بات کہ شارح نے ای لایکون صادقا علی المضاف الخ کا اضافہ کس لئے کیا؟ تو اس سے اس اعتراض کا دفعیہ مقصود ہے کہ زید غلام کی جنس سے ہے اس لئے کہ دونوں حیوان ناطق ہیں پس اضافۃ بمعنے اللام نہ ہونی چاہیئے جواب سے ظاہر ہو گیا کہ جنس مضاف سے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف پر صادق نہ آئے اور ظاہر ہے کہ مثال مذکور میں زید غلام پر صادق نہیں آتا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۴ قولہ واما بمعنی من الخ اور یا اضافۃ معنویہ بمعنی من بیانیہ ہوگی اس جگہ شارح نے البیانیۃ کا اضافہ کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ من سے مراد اس جگہ حرف نہیں بلکہ علم ہے تاکہ من کا عطف اللام پر صحیح ہو جائے کیونکہ اللام مضاف الیہ اور اسم ہے لہذا معطوف کا بھی اسم ہونا ضروری ہے بہر حال اگر مضاف الیہ جنس مضاف سے ہو اور وہ مضاف وغیر مضاف دونوں پر صادق آ سکے تو اضافۃ بیانیہ ہوگی جیسے خاتم فضۃ کہ اس میں مضاف الیہ یعنی فضۃ مضاف یعنی خاتم پر بھی صادق آتا ہے اور غیر خاتم پر بھی مثلاً زیور وغیرہ لہذا اس اضافۃ معنویہ کو بیانیہ سے تعبیر کریں گے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ احد الیوم پر اضافۃ بیانیہ کی یہ تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ الیوم جس طرح احد پر صادق آتا ہے جو کہ مضاف ہے اسی طرح غیر احد پر بھی دیگر ایام پر صادق آتا ہے لہذا اس میں اضافۃ بیانیہ ہونی چاہیئے حالانکہ یہ اضافۃ ممتنع ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے اس پر لہٰذا اس کا جواب دینے کے لئے شارح نے بشرط ان یکون المضاف الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اضافۃ بیانیہ کے لئے صرف یہی قدر کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ مضاف بھی غیر مضاف الیہ پر صادق آ سکے جیسے خاتم فضۃ کہ اس میں مضاف یعنی خاتم غیر مضاف الیہ پر بھی صادق آ سکتا ہے جیسا کہ مثلاً خاتم سونے یا کسی اور دھات کی ہو پس ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبۃ ہوگی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں مضاف ومضاف الیہ کے درمیان تین مادے نکالے جائیں گے، ایک اجتماع

کا اور ودِ افتراق کے مادۂ اجتماعیہ تو یہ ہوگا کہ بعض خاتم فضہ کی بنی ہوئی ہوں پس اس میں موضوع و محمول دونوں جمع ہیں۔ اور افتراقیہ مادے یہ ہوں گے کہ بعض خاتم فضہ سے نہ بنی ہوں یا بعض فضہ خاتم نہ ہوں پس اس میں موضوع و محمول دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں اب رہا احد الیوم کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اس میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت نہیں بلکہ اعم مطلق ہے لہٰذا اس کو بیکار اعتراض نہیں کر سکتے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵ قولہ واما بمعنی فی الخ یا اضافت بمعنی فی ہوگی جبکہ مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو جیسے ضرب الیوم کہ اس میں الیوم مضاف الیہ ضرب مضاف کا ظرف ہے، کیونکہ ضرب یوم میں واقع ہوئی ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۶ قولہ والحاصل الخ اس عبارت سے شارح عبارت مصنف کا حاصل نہیں بلکہ بیان اضافت کا حاصل بیان کرنا اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان تینوں اضافتوں میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان نسب اربعہ میں سے کون کون سی نسبتیں پائی جاتی ہیں پس کہتے ہیں کہ مضاف الیہ اگر مضاف کے مباین ہو یعنی دونوں میں نسبت تباین ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہوگا یا نہ ہوگا اگر ظرف ہوگا تو اضافت بمعنی فی ہے ورنہ بمعنی اللام اور اگر دونوں کے درمیان نسبت مساوی یا اعم مطلق پائی جائے تو دونوں صورتوں میں اضافت ممتنع ہوگی صورت اولیٰ میں تو اس وجہ سے کہ اس اضافت سے نہ تو تعریف کا فائدہ حاصل ہوگا نہ تخصیص کا کیونکہ اس میں مضاف الیہ کا ذکر کرنا عبث ہے اس لئے کہ مثلاً جب مررت بالاسد کہا تو اس سے سامع کو پورا فائدہ حاصل ہو گیا پس اگر اس کے بجائے مررت بلیث اسد یا مررت باسد لیث کہیں گے تو اس سے مزید کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا پس اضافت لا یعنی ثابت ہوگی لہٰذا یہ ممتنع ہوگی حالانکہ اضافت معنویہ سے تعریف و تخصیص مدنظر ہوتی ہے پس جب بھی فائدہ حاصل نہ ہوا تو اضافت بیکار ہوگی لہٰذا یہ ممتنع ہوگی تو یہ صورت ہی تساوی کی اسی طرح صورت ثانیہ اعم مطلق میں جیسے احد الیوم کہ جب ایام کا شمار ہو رہا ہو اور اس وقت صرف احد کہہ دیا جائے تو اس سے سامع سمجھ لے گا کہ یکشنبہ مراد ہے، پس اگر اس میں الیوم مضاف الیہ کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ بیکار محض بھی ہوگا کیونکہ صرف احد سے ہی وہ فائدہ حاصل ہو گیا جو احد الیوم سے مقصود ہے اور اضافت خاص کی عام کی طرف بھی لازم آئے گی جو کہ ناجائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں بھی تعریف یا تخصیص کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا لہٰذا عام افادہ کے باعث یہ بھی ممتنع ہے یہ صورت ہے مضاف الیہ کے اعم مطلق ہونے کی اس میں الیوم عام ہے احد اور غیر احد ہر ایک یوم پر صادق آتا ہے، اور احد خاص کہ صرف یکشنبہ پر صادق آتا ہے، غیر پر نہیں پس اس میں دو مادے نکلیں گے ایک افتراقیہ اور ایک اجتماعیہ اجتماعیہ تو یہ ہے کہ ہر احد (جبکہ ایام کا تذکرہ ہو) یوم ضرور ہوگا، اور افتراقیہ یہ ہے کہ بعض یوم احد نہیں ہوتے پس پہلا قضیہ موجبہ کلیہ ہوگا یعنی کل احدٍ یومٌ اور قضیہ ثانیہ سالبہ جزئیہ یعنی بعض الیوم لیس باحدٍ اور اگر مضاف الیہ اخص مطلق ہو یعنی احد الیوم کا عکس ہو جیسے یوم الاحد۔ علم الفقہ اور شجر الاراک تو اس وقت بھی ان دونوں میں اضافت بمعنی اللام ہوگی اس لئے کہ جب مضاف الیہ اخص مطلق ہو گیا کہ مضاف کا اس پر ہر وقت صادق آنا ضروری نہیں مثلاً علم ہو اور فقہ نہ ہو بلکہ صرف و لغت وغیرہ ہو تو یہ بمنزلہ مباین مضاف کے ہو گیا لہٰذا اس میں بھی اضافت بمعنی اللام ہوگی، ان تینوں مثالوں میں بھی دو دو مادے نکلیں گے، ایک اجتماعیہ اور دوسرا افتراقیہ اجتماعیہ تو یہی ہے کہ احد، فقہ اور اراک کے لئے یوم، علم اور شجر ہونا ضروری ہے، اور افتراقیہ یہ کہ یوم علم اور شجر کے لئے احد فقہ اور اراک ہونا ضروری نہیں اراک پیلو کے درخت کو کہتے ہیں جس سے مسواک بنائی جاتی ہے، اب رہی یہ بات کہ اگر مضاف الیہ اخص من وجہ ہو یعنی مضاف و مضاف الیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت پائی جائے تو اس کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہوگا یا نہیں اگر اصل ہوگا تو اضافت بمعنی من بیانیہ ہوگی اس لئے کہ مضاف الیہ مضاف کو بیان کرے گا، کیونکہ وہ اس کی جنس اور اصل ہے پس اس کے لئے من بیانیہ مناسب ہے کیونکہ یہ بھی بیان کے لئے آتا ہے، اور اگر مضاف الیہ اصل نہ ہو مضاف کے واسطے تو اضافت بمعنی اللام ہوگی اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مضاف و مضاف الیہ کے درمیان نسبت عموم و خصوص من وجہ ہو تو اس میں اضافت بمعنی من ہوگی پس اس جگہ شارح کو اس تفصیل کی کیا ضرورت پیش آئی کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہو تو اضافت بمعنی من ہے ورنہ بمعنی اللام اس کا جواب یہ ہے کہ شارح نے دراصل لحاظ پر اعتراض کیا ہے کہ عموم و خصوص من وجہ کی نسبت میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان اضافت بمعنی من کہنا مطلقاً صحیح نہیں اس لئے کہ اگر خاتم فضۃ کا عکس کرکے فضۃ خاتم کہیں تو اس میں اضافت بمعنی من نہیں ہو سکتی اس لئے کہ مضاف الیہ اس جگہ مضاف کو بوجہ اتم بیان نہیں کر رہا کیونکہ مضاف الیہ اصل نہیں ہے، مضاف کے لئے نیز اضافت بمعنی من میں ضروری ہوتا ہے کہ اسم مجرور یعنی مضاف الیہ کا اطلاق مضاف پر ہو سکے اور یہاں مطلقاً یہ اطلاق درست نہیں ہوتا لہٰذا ضروری ہے کہ اس میں اصل اور

بمعنی فی والا فهی بمعنی اللام واما مساو له کلیث اسد واما اعم مطلقًا کاحد الیوم فالاضافة علی التقدیرین ممتنعة واما اخص مطلقا کیوم الاحد وعلم الفقه وشجر الاراك فالاضافة ح ایضا بمعنی اللام واما اخص من وجه فان کان المضاف الیه اصلا للمضاف فالاضافة بمعنی من والا فهی ایضًا بمعنی اللام فاضافة خاتم الی فضة بیانیة واضافة فضة الی خاتم بمعنی اللام کما یقال فضة خاتمك خیر من فضة خاتمی واعلم[۱۷] انه لا یلزم فیما هو بمعنی اللام ان یصح التصریح بها بل یکفی افادة الاختصاص الذی هو مدلول اللام فقولك یوم الاحد وعلم الفقه وشجر الاراك بمعنی اللام ولا یصح اظهار اللام فیه ولهذا قال المصنف بمعنی اللام ولم یقل بتقدیر اللام و

فی کے معنی میں ہے ورنہ (یعنی تباین کی صورت میں مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف نہ ہو تو اضافت) لام کے معنی میں ہوگی اور یا مضاف الیہ مضاف کے لئے مساوی ہوگا (کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر صادق آئے گا) جیسے لیث اور اسد ہے اور یا مضاف الیہ (مضاف اور غیر مضاف کو) مطلقاً عام ہوگا (اس صورت میں دونوں کے درمیان عام وخاص مطلق کی نسبت ہوگی) جیسے احد الیوم (احد یکشنبہ یوم عام اور احد خاص ہے) پس ان دونوں تقدیروں (یعنی مساوات اور عام وخاص مطلق) پر اضافت ممتنع ہے (لعدم الفائدة) اور یا (مضاف الیہ) مطلقاً اخص ہوگا (کہ مضاف عام اور مضاف الیہ خاص ہوگا) جیسے یوم الاحد وعلم الفقہ وشجر الاراک تو اس وقت بھی اضافت لام کے معنی میں ہے اور یا (مضاف الیہ مضاف سے) اخص من وجہ ہوگا پھر اگر مضاف الیہ مضاف کے لئے اصل ہو تو اضافت من کے معنی میں ہے ورنہ (جبکہ مضاف الیہ مضاف کے لئے اصل نہ ہو تو) یہ اضافت بھی لام کے معنی میں ہے پس خاتم کی اضافت فضہ کی طرف بیانیہ ہے اور اضافت فضہ کی خاتم کی طرف لام کے معنی میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فضة خاتمک خیر من فضة خاتمی اور معلوم ہو کہ اس اضافت میں جو لام کے معنی میں ہے لازم نہیں، آتا کہ لام کی تصریح صحیح ہو (کہ اس اضافت سے مقصود مضاف کی مضاف الیہ کے ساتھ تخصیص ہے اور جب یہ تخصیص حاصل ہوگئی تو لام کا اظہار ضروری نہ رہا) بلکہ اس اختصاص کا کہ لام کا مدلول ہے افادہ ہی کافی ہے پس (عام کی خاص کی طرف اضافت میں) تمہارا قول یوم الاحد اور علم الفقہ اور شجر الاراک لام کے معنی میں ہے حالانکہ اس قول میں لام کا اظہار صحیح نہیں (کیونکہ یہ یوم للاحد اظہار لام کے ساتھ استعمال ہی نہیں ہوا جیسا کہ غلام زید میں غلام لزید اظہار لام کے ساتھ استعمال ہوا ہے) اور اس

غیر اصل کی قید لگائی جائے پس شارح نے اس چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مضاف ومضاف الیہ کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت کے بارے میں تعمیم کردی کہ مضاف الیہ مضاف کیواسطے اصل ہوگا تو اضافة بمعنی من ہے ورنہ بمعنی اللام پس خاتم کی اضافة فضہ کی طرف بیانیہ ہوگی اس لئے کہ فضہ خاتم کے لئے اصل ہے اور فضہ کی اضافت خاتم کی طرف بمعنی اللام (اس لئے کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل نہیں) جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فضةُ خاتمک خیرٌ من فضةِ خاتمی تیری انگشتری کی چاندی میری انگشتری کی چاندی سے بہتر ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۷ قولہ واعلم انہ الخ اب شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اضافة بمعنی اللام کے متعلق ہے سوال یہ ہے کہ اضافة بمعنی اللام وہاں تو صحیح ہے جہاں اظہار لام درست ہو اور علم الفقہ یوم الاحد اور شجر الاراک میں اظہار لام درست نہیں پس ان میں اضافة بمعنی اللام کیسے ہوسکتی ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اضافة بمعنی اللام میں یہی ضروری نہیں کہ لام کی تصریح صحیح ہو بلکہ اس اضافة سے مقصود تخصیص مضاف الیہ بالمضاف ہوتا ہے پس جب یہ فائدہ تخصیص جوکہ مدلول لام ہے بغیر اظہار لام کے بھی حاصل ہوجاتا ہے، تو یہی کافی ہے اور اظہار لام کی ضرورت نہیں پس یوم الاحد علم الفقہ اور شجر الاراک بمعنی اللام ہیں اس لئے کہ مضاف الیہ کی تخصیص مضاف کے ساتھ ہو رہی ہے اور یہ فائدہ لام سے حاصل ہوتا ہے، پس اضافة لامیہ کے لئے یہی قدر کافی ہے، اور ان میں اظہار لام صحیح نہیں، اور اسی امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصنف نے بمعنی اللام کہا ہے بتقدیر اللام نہیں کہا اس لئے کہ اگر بتقدیر

بهٰذا[۱۸] الاصل یرتفع الاشکال عن کثیر من مواد الاضافة اللامیة ولایحتاج فیه الی التکلفات البعیدة مثل کل رجل وکل واحد وَهُوَ[۱۹] ای کون الاضافة بمعنی فی قَلِیْلٌ فی استعمالاتهم وردّها[۲۰] اکثر النحاة الی الاضافة بمعنی اللام

وجہ سے مصنف نے بمعنی اللام کہا بتقدیر اللام نہ کہا اور اس قاعدہ سے (کہ لام کی تصریح کی صحت ضروری نہیں بلکہ اس میں افادۂ معنیٔ اختصاص ہی کافی ہے) اضافت لامیہ کے بہت سی مثالوں سے اعتراض اٹھ جاتا ہے اور یوم الاحد کے مثل میں تکلفات بعیدہ کی حاجت نہیں رہتی جیسے کل رجل اور کل واحد (یعنی تکلف کیا جائے اور کہا جائے کہ یوم الاحد کی تقدیر یوم مخصوص للاحد من قبیل اضافة المسمی الی اسمہ کہ احد ایام اسبوع میں سے ایک یوم کا نام ہے تو اس یوم اس کے اسم کی طرف مضاف اور اسی کے ساتھ خاص کیا گیا اور علم الفقہ میں علم مخصوص للفقہ کہا جائے اس اعتبار سے فقہ علم کا ایک جزء ہے تو کل کو علاقہ جزئیت کی وجہ سے جزء کی طرف مضاف اور اسی کے ساتھ خاص کیا گیا اور اسی طرح کل رجل اور کل واحد میں تکلف بعید کیا جائے کہ الکل مخصوص الرجل والواحد کہ کل عام ہے مگر ما یفید اختصاصہ کی طرف اضافت سے خاص ہو جاتا ہے لان اضافة العام الی الخاص توجب اختصاصہ لہ کقولک غلام الرجل ای الغلام مخصوص بہ بسبب الاضافة ....

.... ((اور وہ)) یعنی اضافت کا فی کے معنی میں ہونا ((قلیل ہے)) عرب کے محاورات

اللام کہتا تو اعتراض مذکور لازم آتا ہے اس لئے کہ امثلۂ مذکورہ میں تقدیر لام جائز نہیں واللہ اعلم ۱۲

۱۸ قولہ وبہذا الاصل الخ اس جگہ اصل بمعنی ضابطہ اور قاعدہ ہے یعنی جب یہ بیان کر دیا گیا کہ اضافۃ لامیہ میں افادۂ اختصاص ہی کافی ہے اظہار لام ضروری نہیں تو اس قاعدے سے بہت سے اعتراضات خود بخود مرتفع ہو گئے جو اضافۃ لامیہ کے بہت سے مواد پر واقع ہونے تھے مثلاً علم الفقہ وغیرہ پر اور اس اصل کے ہوتے ہوئے تکلفات بعیدہ کی بھی احتیاج نہیں رہی مثل کل رجل وکل واحد کے تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ جس طرح علم الفقہ شجر الاراک وغیرہ پر اعتراض وارد ہوتا تھا اسی طرح کل رجل اور کل واحد پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ان میں اضافت بمعنی اللام ہے مگر اظہار لام ان میں درست نہیں اس لئے کہ کل احاطۂ افراد کے لئے آتا ہے پس بغیر اظہار لام کی صورت میں اس کے معنے ہوا الکل الذی خصوصیتہٗ برجل کے ہوں گے بایں طور کہ رجل اس کل کا ایک فرد ہے اور یہی معنی کل رجل اظہار لام کی صورت میں ہیں پس اس میں اظہار لام بے فائدہ ہونے کے باعث ممتنع ہوگا نیز یہ کہ کل امور لازمۃ الاضافۃ سے ہے جیسا کہ عند لدی اور دون وغیرہ ہیں پس اگر اس کے بعد لام ظاہر کریں گے اور کل لرجل یا کل لواحد کہیں گے تو امر لازمۃ الاضافۃ کا سلب لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے لہٰذا ان میں اضافۃ لامیہ کیسے درست ہو گی جبکہ اظہار لام ہی جائز نہیں تو بعض شارحین نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا تھا کہ ان تمام امثلہ میں بشمول علم الفقہ یوم الاحد اور شجر الاراک کے اظہار لام صحیح ہے بایں طور کہ کل رجل میں کل فرد لرجل ای کل فرد ثابت لرجل کہا جائے یعنی کل چونکہ لازمۃ الاضافۃ ہے اور اظہار لام سے فک اضافت [illegible] آتا ہے اور لہٰذا

ناجائز ہے لہٰذا اس میں تاویل کریں گے کہ کل سے مراد جزئیات یا افراد لیں گے پھر اظہار لام کریں گے جیسے کل فرد لرجل پس اسی تاویل کی بناء پر اظہار لام درست ہو جائے گا، علیٰ ہٰذا القیاس علم الفقہ یوم الاحد اور شجر الاراک میں اظہار لام کے لئے بالترتیب حسب ذیل تاویل سے کام لیں گے یوم مخصوص للاحد اور یہ اس قبیل سے ہوگا کہ مسمّٰی کی اضافت اسم کی طرف کی جائے اس لئے کہ احد ایام ہفتہ میں سے ایک یوم کا نام ہے پس یوم مسمّٰی ہوا اور احد اسم پس یوم کی اضافت اس کے اسم احد کی طرف کر کے اس کے ساتھ یوم کو خاص کر دیا گیا، اور علم الفقہ میں علم مخصوص للفقہ کہیں گے اس اعتبار سے کہ فقہ علم کا جزء ہے پس بعلاقۂ جزئیت کل کی اضافت جزء کی طرف کر کے کل کو جزء کے ساتھ خاص کر دیا گیا، اور اسی پر شجر الاراک کو قیاس کر لیا جائے ای شجر مخصوص للاراک پس شارح ان تمام تکلفات کے رد میں کہتے

ہیں کہ اظہار لام ضروری نہیں افادہ تخصیص کافی ہے جیسا کہ مصنف نے بمعنی اللام سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے، اور کل رجل وکل واحد میں بھی یہی جواب جاری ہوگا اور تمام امثلہ میں تاویل مذکور کا از قبیل تکلف ہونا ظاہر ہے کہ اظہار لام مدخول مضاف میں ہونا چاہیئے نہ کہ شئی آخر میں پس مثلاً علم مخصوص للفقہ جب کہا گیا تو علم کا مدخول مخصوص ہوا نہ کہ الفقہ شئی آخر ہو گیا اسی طرح کل فرد لرجل میں کل کا مدخول فرد ہوا نہ کہ رجل پس غیر مدخول میں اظہار لام مناسب نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۹ قولہ وہو الخ اس جگہ شارح نے ای کون الاضافۃ بمعنی فی کہکر ہو کے مرجع مذکر کو ظاہر کر کے ضمیر اور مرجع میں مطابقت دکھائی ہے حاصل عبارت کا یہ ہے کہ استعمالات نحاۃ میں اضافۃ بمعنی فی کا استعمال بہت ہی کم ہوتا ہے اس لئے کہ مثلاً ضرب الیوم میں ضرب فاعل

فان معنی ضرب الیوم ضرب لہ اختصاص بالیوم بملابسۃ الوقوع فیہ ۲۱ فان قلت فعلی ھذا یمکن رد الاضافۃ بمعنی من ایضًا الی الاضافۃ بمعنی اللام للاختصاص الواقع بین المبین والمبین قلنا نعم لکن لما کانت الاضافۃ بمعنی فی قلیلۃ ردوھا الی الاضافۃ بمعنی اللام تقلیلا للاقسام واما الاضافۃ بمعنی من فھی کثیرۃ فی کلامھم فالاولی بھا ان تجعل قسما علی حدۃ نَحْوُ غُلَامِ زَیْدٍ مثال للاضافۃ بمعنی اللام ای غلامٌ لزید وَخَاتَمِ فِضَّۃٍ مثال للاضافۃ بمعنی من ای خاتم من فضۃ وَضَرْبِ الْیَوْمِ مثال للاضافۃ بمعنی فی ای ضرب واقع فی الیوم ۲۲ وتقیید ای الی الاضافۃ المعنویۃ

میں اور اسے اکثر نحویوں نے اضافت بمعنی اللام کی طرف لوٹایا ہے لہذا ضرب الیوم کا معنی ضرب لہ اختصاص بالیوم اس علاقہ سے کہ ضرب یوم میں واقع ہے پھر اگر تم اعتراض کرو کہ (اس طرح تو) اس اختصاص کی وجہ سے کہ مبین (اسم فاعل از تبیین بروزن تفعیل) اور اور مبین (اسم مفعول) کے درمیان ہے اس اضافت کو جو من کے معنی میں ہے اس اضافت کی طرف بھی لوٹایا جا سکتا ہے جو لام کے معنی میں ہے (لہذا اضافت لامیہ ہی باقی رہ گئی) ہم نے جواب دیا کہ ہاں (لوٹایا جا سکتا ہے) لیکن جب کہ اضافت فی کے معنی میں قلیل تھی تو نحویوں نے اسے تقلیل اقسام کی غرض سے اضافت بمعنی اللام کی طرف لوٹا دیا اور بہر حال اضافت بمعنی مِن تو کلام عرب میں بہت (وارد) ہے لہذا اضافت بمعنی من کے ساتھ اولی یہ ہے کہ اسے علیحدہ قسم قرار دیا جائے ((جیسے غلام زید)) یہ اس اضافت کی مثال ہے جو لام کے معنی میں ہے یعنی غلام لزید ((اور خاتم فضۃ)) اضافت بمعنی من کی مثال ہے یعنی خاتم من فضۃ ((اور ضرب الیوم)) اضافت بمعنی فی کی مثال ہے یعنی ضرب واقع فی الیوم ((اور فائدہ دیتی ہے)) یعنی

اضافۃ بمعنی اللام میں ہی داخل کر دیا ہے اس لئے کہ ضرب الیوم کے معنی ضرب لہ اختصاص بالیوم کے ہیں یعنی اس سے بھی فائدہ تخصیص حاصل ہوتا ہے جو کہ اضافۃ لامیہ سے حاصل ہوتا ہے، اسی فائدہ کی طرف شارح نے لہ سے اشارہ کیا ہے کیونکہ لام تخصیص کے لئے آتا ہے، اور اس افادہ تخصیص کے لئے یہ ادنیٰ ملابست کافی ہے کہ ضرب یوم میں واقع ہوئی ہے۔ بس اضافۃ بمعنی فی کو اضافۃ بمعنی اللام کہنا زیادہ بہتر ہے تاکہ ارتکاب مجاز سے احتراز ہو جائے کیونکہ اضافۃ بمعنی اللام

کا فعل ہے نہ کہ ظرف لیکن چونکہ ضرب یوم میں واقع ہوئی ہے اس لئے بعلاقۂ زمانیۃ فعل ضرب کی اضافت یوم کی طرف بطریق مجاز ہوگی اور ظاہر ہے کہ شئے کی اضافۃ فاعل حقیقی کی طرف اولی ہوتی ہے، اور حقیقۃ کا استعمال بکثرت ہوتا ہے لہذا مجاز کی وجہ سے اضافۃ بمعنی فی قلیل ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۲۰ قولہ وردہا الخ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ اضافۃ بمعنی فی قلیل ہوتی ہے اب شارح اس سے ترقی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اضافۃ قلیل ہی نہیں بلکہ اکثر نحاۃ نے اس کو

ہیں مضاف مضاف الیہ کے ساتھ خاص اور اس کا مملوک ہوتا ہے لہذا یہ اضافۃ حقیقۃ ہوگی، ایسے ہی اضافۃ بیانیہ میں مضاف الیہ اصل ہوتا ہے، اور مضاف اس پر متفرع تو یہ اضافۃ بھی حقیقیہ ہوگی، اور اس فن میں حقیقت پر عمل کرنا اولی ہے لہذا نحاۃ نے اضافۃ بمعنی فی کو سرے سے ہی خارج کر دیا واللہ اعلم ۱۲۔

۲۱ قولہ فان قلت الخ اب یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس طرح اضافۃ بمعنی فی کو اضافۃ بمعنی اللام قرار دے لیا اسی طرح اضافۃ بمعنی من بھی اضافۃ بمعنی اللام قرار دی جا سکتی ہے اس لئے کہ مبین اور مبیَّن کے درمیان اختصاص پایا جاتا ہے جیسے خاتم فضۃ کہ اس میں خاتم عام ہے جس میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ وہ چاندی کی ہو یا غیر چاندی کی پس جب اس کی اضافت فضہ کی طرف کر دی گئی تو فضۃ خاتم کے لئے مخصص ہو گیا، اور اس میں اختصاص پیدا ہو کر خاتم غیر فضہ کی نفی ہو گئی، پس اس کی تقدیر عبارت بھی خاتم لہ اختصاص بالفضۃ ہوگی اس اعتبار سے کہ خاتم فضہ سے متفرع ہے یعنی بنائی گئی ہے قلنا سے اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ اگرچہ اعتراض مذکور صحیح ہے لیکن ہے۔ لیکن چونکہ اضافۃ بمعنی فی قلیل ہے، اس لئے نحاۃ نے اس کو اضافۃ لامیہ میں مدغم کر دیا تاکہ اقسام میں کمی پیدا ہو جائے، اور ضبط سہل ہو اور اضافۃ بمعنی من چونکہ کلام میں بکثرت پائی جاتی ہے اس لئے اس میں اولی یہی ہے کہ اس کو علیحدہ قسم رکھا جائے، لہذا اس کو اضافۃ لامیہ میں مدغم نہیں کیا گیا واللہ اعلم

۲۲ قولہ وتقیید الخ یہاں سے مصنف اضافۃ معنویہ کا فائدہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ اسم کو معرفہ کی طرف مضاف کرنے سے اضافۃ معنویہ تعریف مضاف کا فائدہ دیتی ہے شارح نے ای الاضافۃ المعنویۃ سے اولاً تو تقیید میں ضمیر کے مرجع کی طرف اشارہ

تعریفا ای تعریف المضاف مع المضاف الیہ المعرفۃ لان الھیأۃ الترکیبیۃ فی الاضافۃ المعنویۃ موضوعۃ للدلالۃ علی معلومیۃ المضاف[٢٣] لا ان نسبۃ امر الی معین یستلزم معلومیۃ المنسوب ومعھودیتہ فان ذلک غیر لازم کما لا یخفی[٢٤] فان قلت قد یقال جاءنی غلام زید من غیر اشارۃ لمے

اضافت معنویہ (تعریف کا) یعنی مضاف کی تعریف کا مضاف الیہ (معرفہ کے ساتھ) کیونکہ اضافت معنویہ میں ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کے لئے (بوضع نوعی) موضوع ہے (پھر لا ان کا عطف لان الھیئۃ پر ہے) یہ نہیں کہ ایک امر (غیر معین) کی نسبت معین کی طرف منسوب کی معلومیت و معہودیت کو مستلزم ہے (کما قیل ان الاضافۃ ھھنا للعھد حیث تفید معھودیۃ المضاف) کہ یہ (یعنی نسبۃ امر غیر معین بجانب معین منسوب کی معلومیت کو مستلزم ہے) غیر لازم ہے کما لا یخفی (وجہ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جمیع امور منسوب بجانب معین کی تعریف لازم آتی ولیس کذلک مثلاً خبر کی نسبت مبتدا کی طرف عدم وضع کی وجہ سے اس کی تعریف کو لازم مستلزم نہیں اسی طرح اضافت لفظیہ تو معلوم ہوا کہ مضاف کی تعریف کو مستلزم جب کہ مضاف الیہ معرفہ ہو وضع ہی ہے) پھر اگر تم کہو کہ کبھی (زید کے کئی ایک غلاموں میں سے) کسی ایک معین (غلام) کی طرف اشارہ

کیا، اور ثابت کیا ... واضح کر دیا کہ ... مضاف ... معنویہ تعریف مضاف کا ... ہے اور تعریفا کی شرح کر کے شارح نے بتایا کہ اس میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور وہ مضاف الیہ لفظ ”مضاف“ ہے۔ اب رہی یہ بات کہ تعریف مضاف ہی کیوں حاصل ہوتی ہے اس کا عکس کیوں نہیں؟ کہ مضاف معرفہ سے تعریف مضاف الیہ کا فائدہ حاصل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مضاف معرفہ ہوگا تو اضافہ سے افادۂ تعریف میں تحصیل حاصل لازم آئے گی اور اگر مضاف معرفہ ہو اور مضاف الیہ نکرہ تو حصول اعلیٰ کے ہوتے ہوئے طلب ادنیٰ لازم آتی ہے، اس لئے کہ مضاف معرفہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ ہوگا، اور مضاف الیہ نکارت کے باعث ادنیٰ اور اضافت میں اگرچہ مقصود مضاف ہوتا ہے مگر مضاف الیہ کی جانب بھی توجہ ضروری ہوتی ہے لہٰذا حصول اعلیٰ کے ساتھ طلب ادنیٰ لازم آئی، اور یہ ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ افادۂ تعریف جانب مضاف کے ساتھ خاص ہی المضاف الیہ سے مع کے بعد شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ المعرفۃ موصوف محذوف کی صفت ہے اس کے بعد لان الھیئۃ الترکیبیۃ الخ سے شارح اس افادۂ تعریف کی وجہ بیان فرما رہے ہیں، کہتے ہیں کہ اضافۃ معنویہ میں مثلاً غلام زید کی ہیئۃ ترکیبیہ معلومیۃ مضاف پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہے یعنی اس سے یہ معلوم ہوگا کہ مضاف واحد متشخص اور معین ہے بایں طور کہ زید کے بہت سے غلام ہوں پس غلام زید سے اس غلام کی طرف اشارہ کیا جائے کہ جس کو زید کے ساتھ مزید خصوصیت حاصل ہے، یعنی اس اعتبار سے کہ وہ اس کے غلاموں میں سب سے بڑا ہے یا سب سے زیادہ مشہور ہے یا یہ کہ وہ متکلم اور مخاطب کے درمیان معہود ہے کہ لفظ غلام سے صرف اسی معہود کا وجود سمجھ میں آئے دوسروں کی طرف التفات نہ ہو تو غلام زید کہنے سے مذکورہ بالا فائدہ حاصل ہوگا یعنی معلومیۃ مضاف اور یہ اس وجہ سے کہ تعریف مضاف الیہ مضاف کی طرف سرایت کر جائے گی کیونکہ دونوں میں اتصال اور امتزاج بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے کہ لفظ مضاف الیہ جب مضاف سے ممتزج ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ مضاف الیہ کے عوض میں مضاف پر صرف تنوین رہ جاتی ہے، اور مضاف الیہ لفظوں میں معدوم ہو کر مضاف میں منضم ہو جاتا ہے تو یہ امتزاج معنی کے اعتبار سے بھی حاصل ہوگا تاکہ قدر مرتبۂ معنی قدر مرتبۂ لفظ کے برابر ہو جائے پس مضاف الیہ کی جانب سے مضاف میں تعریف آجائے گی واللہ اعلم ۱۲۔

٢٣ قولہ لا ان نسبۃ الخ فاضل ہندی نے افادۂ تعریف کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ امر غیر معین کی نسبت اگر امر معین کی جانب کر دی جائے تو یہ منسوب کی معلومیۃ اور اس کی معہودیت کو مستلزم ہے پس مثلاً جب غلام امر غیر معین کی نسبت زید کی طرف کی گئی تو اس سے منسوب یعنی غلام کی معلومیۃ اور اس کا معہود ہونا سمجھ میں آیا پس شارح جامی فاضل ہندی کے اس قول کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ افادۂ تعریف کے لئے فاضل ہندی کی دلیل یعنی استلزام معلومیۃ منسوب درست نہیں اس لئے کہ یہ استلزام غیر ضروری ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ استلزام علاوہ مضاف اور مضاف الیہ کے بہت سی چیزوں میں جاری و ساری ہوگا، مثلاً غلام اور زید کو ہی لے لیا جائے یعنی بجائے غلام زید کہنے کے غلام لزید کہہ دیا جائے تو اس میں امر غیر معین یعنی غلام کی نسبت زید کی طرف تو موجود ہے لیکن اس سے منسوب یعنی غلام کی معلومیۃ سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ تنوین تنکیر کے اوپر دلالت کرتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس فعل کی نسبت فاعل معین کی جانب

واحد معین فلا یکون هیأة الترکیب الاضافی موضوعة لمعلومیة المضاف قلنا ذلك کما ان المعرف باللام فی اصل الوضع لمعین ثم قد یستعمل بلا اشارة الی معین کما فی قوله ع ولقد امرّ علی اللئیم یسبنی وذلك علی خلاف وضعه ولیس یجری هذا الحکم فی نحو غیر ومثل فان اضافتهما لا تفید التعریف و

کئے بغیر جاءنی غلام زید کہا جاتا ہے لہذا ہیئت ترکیب اضافی مضاف کی معلومیت کے لئے موضوع نہ ہوگی ہم نے جواب دیا کہ یہ (جاءنی غلام زید) اسی طرح ہے کہ معرف باللام اصل وضع میں معین کے لئے ہے پھر کبھی کسی ایک معین کی طرف اشارہ کے بغیر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ قائل کے قول میں ہے ع ولقد امر علی اللئیم یسبنی (یسبنی اللئیم کیلئے صفت واقع ہوا ہے کیونکہ اللئیم معنی میں نکرہ کی مانند ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کمثل الحمار یحمل اسفارا) اور یہ (جو مثلاً جاءنی غلام زید کسی ایک معین کی طرف اشارہ کئے بغیر کہا جاتا ہے اپنی وضع کے برعکس ہے (اور جو خلاف وضع ہو وہ وضع کے معارض نہیں ہو سکتا (الغلام لزید میں زید کے غلمان کثیرہ میں سے غلام غیر معین ہے اور غلام زید میں زید کے غلمان کثیرہ میں غلام معین ہے یا ایک ہی غلام ہو اور وہی معین مراد ہو) اور یہ حکم (کہ ہیئت ترکیب اضافی وضع کی رو سے مضاف الیہ معرفہ سے مضاف کی تعریف کا فائدہ دیتی ہے) غیر اور مثل کے مانند میں جاری نہیں ہوتا کیونکہ ان (دونوں) کی اضافت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی

کی جاتی، مثلاً ضرب زید کہا جائے تو اس سے فعل کی معہودیت اور اس سے فعل کی معہودیت اور اس کی تعریف لازم نہیں آتی پس فاضل ہندی کا یہ قول اعتراضات سے خالی نہیں البتہ اگر موصوف اپنی عبارت اس طرح بیان کرتے انتساب امر الی معین فی الاضافۃ یستلزم الخ تو فی الاضافۃ کہنے سے تمام دوسری شقیں خود بخود خارج ہو جاتیں واللہ اعلم ۱۲۔

۲۴ قولہ فان قلت الخ شارح کی بیان کردہ اوپر کی دلیل پر اگر کوئی اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ زید کے غلاموں میں کوئی غیر معین غلام آئے اور اس وقت بغیر کسی ایک معین کی جانب اشارہ کئے جاءنی غلام زید کہا جائے تو ہیئۃ ترکیب اضافی معلومیۃ مضاف کے لئے موضوع نہیں ہوگی اس لئے کہ اس سے مضاف معلوم نہیں ہوا بلکہ وہ غیر معین ہونے کی وجہ سے پردہ خفا میں ہی رہا

قلنا سے اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ ہمارا کلام اصل وضع میں ہے، اور اس مثال میں غلام کا نکرہ ہی رہنا معرفہ نہ ہونا عارض استعمال کی وجہ سے ہے، اور اس سے اصل وضع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا لہذا یہ اعتراض قابل اعتنا نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ معرف باللام یعنی لام تعریف اصل وضع میں معین کے لئے ہے مگر کبھی زائدہ بھی ہوتا ہے، اور اس کا استعمال معین کی طرف اشارہ کئے بغیر یہی کرلیا جاتا ہے جیسے قول شاعر ؎

ولقد امر علی اللئیم یسبنی
فمضیت ثمہ قلت لا یعنینی

کہ اس میں جملہ یسبنی اللئیم کی صفت واقع ہو رہا ہے، اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے لہذا یہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہو سکتا، اور یہاں صفت بن رہا ہے تو معلوم ہوا کہ لئیم معرفہ نہیں بلکہ اس میں الف لام زائد ہے اور اگر اس کو زائدہ نہ مانیں بلکہ عہد خارجی کے لئے لیں تو اس سے شاعر کا مقصود فوت ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی مدح اور کمال کا اظہار تمام کمینہ سب وشتم کرنے والوں کے مقابلہ میں کر رہا ہے کہ میں ہمیشہ کمینہ لوگوں میں سے کسی کمینہ پر گذرتا ہوں کہ وہ مجھ کو گالی دیتا ہوا ہوتا ہے تو میں اس جگہ سے گذر کر کہتا ہوں کہ وہ مجھے مراد نہیں لے رہا بلکہ اس کا مقصد سب وشتم کوئی اور ہے، پس اگر لام عہد خارج کے لئے لیں تو لئیم خاص مراد ہوگا، اور تعمیم مفقود ہو جائے گی شعر میں واؤ قسمیہ ہے اور مقسم بہ محذوف ہے ای واللہ اور لقد میں لام جواب قسم کے لئے ہے پس لام تعریف کی اصل وضع اگرچہ معین کے لئے ہے، مگر اس شعر میں خلاف وضع مستعمل ہو رہا ہے، اسی طرح اگر غلام زید میں غلام اس خاص معترضہ صورت میں نکرہ ہو جائے تو یہ اصل وضع کے لئے مخل نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۲۵ قولہ ولیس یجری الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ہیئۃ ترکیب اضافی مضاف کے واسطے افادۂ تعریف کے لئے موضوع ہے، جب کہ مضاف الیہ معرفہ ہو صحیح نہیں اس لئے کہ غیر اور مثل تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں دیتے اگرچہ مضاف الیہ معرفہ ہو شارح نے کہا کہ یہ حکم غیر اور مثل اور ان جیسے الفاظ میں جاری نہیں ہوتا اس لئے کہ ان دونوں کی اضافۃ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مضاف الیہ معرفہ ہو کیونکہ ان میں ابہام بہت ہے، اس لئے کہ مثلاً غیر زید میں مغایرۃ زید ایسی صفۃ نہیں کہ جس سے ایک ذات کو دوسری ذات سے تخصیص حاصل ہو اس لئے کہ جو شخص بھی موجود ہے وہ مغایرۃ زید کے ساتھ متصف ہے پس تعریف یا تخصیص کا احتمال ہی نہیں پیدا ہوتا ہاں البتہ اس صورت میں ایسا ہو سکتا ہے جبکہ مضاف الیہ کی صرف ایک

ان کان مع المضاف الیہ المعرفۃ لتوغلھما فی الابھام الاان یکون للمضاف الیہ ضد واحد یعرف بغیریتہ کقولك علیك بالحرکۃ غیر السکون وکذٰلک[٢٦] اذا کان للمضاف الیہ مثل اشتھر بمماثلتہ فی شیٔ من الاشیاء کالعلم والشجاعۃ فقیل لہ جاء مثلك کان معرفۃ اذا قصد الذی یماثلہ فی الشیٔ الفلانی وتفید[٢٧] الاضافۃ المعنویۃ تخصیصًا ای تخصیص المضاف مع المضاف الیہ النکرۃ نحو غلام رجل فان التخصیص تقلیل الشرکاء ولا شك ان الغلام قبل اضافتہ الی رجل کان مشترکا بین غلام رجل وغلام امرأۃ فلما اضیف الی رجل خرج عنہ غلام امرأۃ وقلت الشرکاء فیہ وشرطھا[٢٨] ای شرط

اگرچہ مضاف الیہ معرفہ کے ہمراہ ہو کیونکہ یہ دونوں ابہام میں بہت آگے بڑے ہوئے ہیں (اسی طرح لفظ نظیرک وشبیہک ومثیلک وسواک ہے) مگر یہ (اضافت اس صورت میں تعریف کا فائدہ دیگی جب) کہ مضاف الیہ کے لئے ایک ہی ضد ہو کہ پہچانی جائے اس کی غیریت کے ساتھ (یعنی وہ ضد اس کے غیر سے پہچانی جائے جس کی طرف غیر کی اضافت کی گئی کہ غیر کا انحصار اسی میں ہو) جیسے تمہارا قول ہے علیک ای الزم بالحرکۃ (ودوام علیہا فان البرکۃ مع الحرکۃ) غیر السکون (اسی طرح صوم ویوم وعلم کہ ان کی ایک ہی ضد ہے - - - - - - - - - - - غیر چونکہ الحرکۃ معرفہ بالام کی صفت واقع ہوا ہے اور حرکت کی صرف ایک ضد ہے اور وہ سکون ہے لہذا غیر یہاں معرفہ ہوگیا) اور اسی طرح جبکہ مضاف الیہ کے لئے کوئی ایک مثل ہو کہ علم وشجاعت ایسی اشیاء میں سے کسی شیٔ میں اس کے ساتھ مماثل ہونے میں مشہور ہو تو اس (شخص کے لئے کہ اسی شیٔ میں مشہور ہے) کہا جائے جاء مثلک تو یہ معرفہ ہوگا جبکہ اسی شخص کا قصد کیا جائے جو فلاں شیٔ میں اس کا مماثل ہو ((اور)) اضافت معنویہ ((تخصیص کا)) یعنی مضاف کی تخصیص کا فائدہ دیتی ہے مضاف الیہ ((نکرہ کے ہمراہ)) جیسے غلام رجل کہ تخصیص تقلیل شرکاء ہے اور اس میں کوئی شک نہیں غلام رجل کی طرف مضاف ہونے سے قبل غلام رجل اور غلام امرءۃ کے درمیان مشترک تھا - - - - - - - پھر جب رجل کی طرف اس کی اضافت کیگئی تو اس سے غلام امرءۃ خارج ہوگیا اور اس میں شرکاء کم ہوگئے ((اور اس کی شرط)) یعنی اضافت

ضد ہو اور وہ ضد غیریۃ مضاف الیہ سے سمجھ میں آجائے تو اس صورت میں اس سے افادۂ تعریف حاصل ہو سکتا ہے، جیسے علیک بالحرکۃ غیر السکون کہ اس میں مضاف الیہ کی صرف ایک ضد یعنی حرکت ہے پس لفظ غیر میں اس کی وجہ سے تعریف آجائیگی اور اس مغایرۃ سے مخصوص مغایرت ہی سمجھی جائے گی، اسی طرح ضد واحد والے اور الفاظ مثلاً صوم یوم علم وغیرہ تو ان میں بھی غیر کی اضافت میں افادۂ تعریف حاصل ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

٢٦ قولہ وکذلک الخ اسی طرح مضاف الیہ کا کوئی مثل ہو کہ وہ اشیاء میں سے کسی شیٔ کے ساتھ مماثلۃ میں مشہور ہو جائے مثلاً علم اور شجاعت میں اور اس وقت لفظ مثل میں اضافۃ کے ساتھ جاء مثلک کہیں اور مثل سے مراد وہی صفۃ علم یا شجاعت ہو جو مضاف الیہ میں پائی جاتی ہے، اور وہ اس کے ساتھ مشہور ہے تو اس وقت لفظ مثل میں ابہام نہیں رہے گا بلکہ تعیین پیدا ہو جائے گی لہذا یہ بھی معرفہ ہو جائے گا، واللہ اعلم ۱۲۔

٢٧ قولہ وتفید الاضافۃ الخ اس سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ تخصیصًا کا عطف تعریفًا پر ہے اور مطلب عبارت کا یہ ہے کہ اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف میں اضافۃ معنویہ تخصیص کا فائدہ دے گی، جیسے غلام رجل کہ اس میں مضاف الیہ یعنی رجل نکرہ ہے پس غلام کی اضافت جب اس کی طرف ہوئی تو اس سے تخصیص حاصل ہوگئی، اس لئے کہ تخصیص کہتے ہیں تقلیل شرکاء کو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک غلام کی اضافۃ رجل کی طرف نہیں ہوئی تھی تو غلام غلام رجل اور غلام امراۃ میں مشترک تھا اس لئے کہ لفظ غلام مطلق تھا اور مرد وعورت کی ملکیت کی کوئی تعین نہیں تھی، پس جب اس کی اضافۃ رجل کی طرف کر دی گئی تو اس سے غلام امراۃ خارج ہوگیا اور شرکاء قلیل رہ گئے یعنی صرف مرد اور عورت سے تخصیص حاصل ہوگئی واللہ اعلم ۱۲۔

٢٨ قولہ وشرطہا الخ یہاں سے مصنف اضافۃ معنویہ کی شرط بیان کرتے ہیں شارح نے ای شرط الاضافۃ سے ہا ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے۔ اور المعنویۃ سے اضافۃ لفظیہ کو خارج کرنا مقصود ہے تاکہ الضارب زید سے اعتراض نہ واقع ہو کہ اس میں مضاف لام تعریف سے خالی نہیں ہے پس اضافۃ معنویہ کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف تعریف سے خالی ہو یعنی معرفہ نہ ہو اب اگر کوئی کہے کہ یہ

الاضافة المعنویة تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ اذا کان معرفة مِنَ التَّعْرِيْفِ فان کان ذا اللام حذف لامه وان کان علما نکر بان یجعل واحدا من جملة من سمی بذلك الاسم وان لم یکن معرفة فلا حاجة الی التجرید بل لا یمکن او المراد[۲۹] بالتجرید تجرده وخلوه من التعریف عند الاضافة سواء کان نکرةً فی نفسه من غیر تجرید او کان معرفة جرّدت عن التعریف وانما[۳۰] یجب التجرید لان المعرفة لو اضیفت الی النکرة لکان طلبا للادنی وهو التخصیص مع حصول الاعلی وهو التعریف ولو اضیفت الی المعرفة لکان تحصیل الحاصل فتضیع الاضافة حیث لا تفید تعریفا ولا تخصیصا فان[۳۱] قیل لا فرق

معنویہ کی شرط (مضاف کی) جبکہ معرفہ ہو (تعریف سے تجرید ہے) پس اگر وہ (یعنی جس کی اضافت مراد ہو) ذولام ہو تو اس کے لام کو حذف کیا جائے گا اور اگر وہ علم ہو تو اس کو اس طرح نکرہ کیا جائے گا کہ جو اس نام سے موسوم ہیں اسے ان میں سے ایک (غیر معین فرد) قرار دیا جائے گا (کما مر فی آخر بحث غیر المنصرف) اور اگر معرفہ نہ ہو تو تجرید کی حاجت نہیں بلکہ اس کی تجرید ممکن ہی نہیں (کہ خالی از تعریف تجرید را قبول نہ کند) اور تجرید سے مراد مضاف کا اضافت کے وقت تعریف سے عاری اور خالی ہونا ہے خواہ (غلام کی طرح) فی نفسہ کسی تجرید کے بغیر نکرہ ہو یا معرفہ ہو (نے کے بعد) تعریف سے خالی کیا گیا ہو اور تجرید اس لئے ضروری ہے کہ اگر معرفہ کو نکرہ کی طرف مضاف کیا جائے (اور کہا جائے الغلام رجل اضافت) تو یہ عمل ایک اعلیٰ چیز یعنی تعریف کے حصول کے باوجود ایک ادنیٰ چیز یعنی تخصیص کی طلب قرار پائے گا اور اگر معرفہ کو معرفہ کی طرف مضاف کیا جائے تو یہ عمل تحصیل حاصل ٹھیرے گا پس اضافت ضائع گئی کہ نہ تو تعریف کو مفید ہوئی نہ تخصیص کو پھر اگر کہا جائے کہ معرفہ کی

تو اسی وقت متحقق ہوگی جبکہ وجود تعریف ہو اور غلام زید میں غلام نکرہ مابعد کی طرف مضاف ہو رہا ہے، اور اس میں تجرید متحقق نہیں اس لئے کہ وہ پہلے ہی سے نکرہ ہے لہٰذا مطلقاً تجرید المضاف من التعریف کہنا صحیح نہیں شارح نے اذا کان معرفۃً کے اضافہ سے جواب کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ شرط اس وقت ہے جبکہ مضاف معرفہ ہو اور جب معرفہ نہ ہو تو شرط کی کوئی ضرورت نہیں پس مضاف سے تجرید تعریف کی یہ صورت ہوگی کہ اگر مضاف معرف باللام ہوگا تو لام کو حذف کر دیا جائے گا، اور اگر علم ہوگا تو اس کو نکرہ کر دیں گے، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً زید نام کے جس قدر افراد ہوں گے، ان میں سے لا علی التعیین کسی فرد واحد کا اس کو مدلول قرار دے لیں گے یہ معنے نہیں کہ اس کو نکرۂ حقیقی بنا لیں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۲۹ قولہ او المراد الخ یہ اعتراض سابق کا دوسرا جواب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تجرید سے مراد مضاف کا بوقت اضافت تعریف سے خالی ہونا ہو یعنی ملزوم ہو کر لازم مراد لیا جائے پس اس میں دو صورتیں آجائیں گی یعنی یہ کہ مضاف بوقت اضافت بغیر تجرید کے فی نفسہٖ نکرہ ہو جیسے لفظ غلام یا معرفہ کہ جس کو تعریف سے خالی کر لیا گیا ہو پس اس صورت میں یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ تجرید سبق وجود تعریف کو مستلزم ہے کیونکہ تجرید سے مراد مضاف کو تعریف سے خالی کرنا نہیں بلکہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ہے بوقت اضافت فافہم واللہ اعلم ۱۲۔

۳۰ قولہ وانما یجب التجرید الخ یہاں سے شارح وجوب تجرید کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں تجرید اس لئے واجب ہے کہ مضاف اگر معرفہ ہو تو دو حال سے خالی نہیں مضاف الیہ یا نکرہ ہوگا یا معرفہ پس اگر نکرہ ہو تو طلب ادنیٰ یعنی تخصیص لازم آئے گی باوجودیکہ اعلیٰ یعنی تعریف کا حصول ہو رہا ہے اس لئے کہ اضافۃ میں مضاف مقصود ہوتا ہے، اور یہ جب قبل الاضافۃ ہی معرفہ ہے تو حصول اعلیٰ پہلے سے موجود ہے، اور مضاف کا مضاف الیہ اگر نکرہ ہو تو اس سے افادہ تخصیص حاصل ہوتا ہے، اور یہ تعریف کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے پس طلب ادنیٰ باوجود حصول اعلیٰ لازم آئی، اور یہ مذموم ہے، اور اگر مضاف الیہ بھی معرفہ ہو تو تحصیل حاصل لازم آئے گی کیونکہ جب مضاف بھی معرفہ ہوا اور مضاف الیہ بھی تو اضافت بالکل عبث ہوگی، اس لئے کہ یہ نہ تعریف کا فائدہ دے گی، نہ تخصیص کا پس ضروری ہوا کہ مضاف کو نکرہ رکھیں تاکہ اس میں تعریف یا تخصیص کا حصول مضاف الیہ سے اصل وضع کے مطابق ہو واللہ اعلم ۱۲۔

۳۱ قولہ فان قیل الخ یہ ایک اعتراض ہے جو امتناع اضافہ معرفہ پر وارد ہوتا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ اضافۃ معرفہ اور معرفہ کو علم بنا دینے میں کوئی فرق نہیں یعنی جس طرح معرفہ کی اضافت ممتنع ہے کہ اس سے تحصیل

بین اضافۃ المعرفۃ وبین جعلہا علما فی نحو النجم والثریا والصعق وابن عباس فی لزوم تعریف المعرف فما بالہم جوزوا ھذا دون ذلک قیل[۳۲] لا نسلم ان فی ھذہ الامثلۃ تعریف المعرف بل فیہا زوال تعریف وھو التعریف الحاصل باللام او الاضافۃ وحصول تعریف آخر وھو التعریف بالعلمیۃ فانہا حین صارت اعلاما لم یبق فیہا الاشارۃ الی معلومیتہا باللام او الاضافۃ فلا یلزم فیہا تعریف المعرف بل تبدیل تعریف بتعریف آخر وما[۳۳] اجازہ الکوفیون مِن ترکیب الثلثۃ الاثواب وشبہہ مِنَ العدد المعرف باللام المضاف الی معدودہ نحو الخمسۃ الدراھم والمائۃ الدینار ضعیف قیاسا واستعمالا اما قیاسا فلما ذکر من لزوم تحصیل الحاصل واما استعمالا فلما ثبت من الفصحاء

(معرفۂ دیگر کی طرف) اضافت کرنے اور النجم والثریا والصعق وابن عباس ایسے (معارف) کے علم بنانے کے درمیان تعریف معرف کے لازم آنے میں کوئی فرق نہیں (یعنی جیسے معرفہ کو معرفۂ دیگر کی طرف مضاف کرنے میں تحصیل حاصل ہے جسے ناجائز کیا گیا ویسے ہی معارف مذکورہ کو علم بنانے میں بھی تحصیل حاصل ہے کہ علم بھی تو معرفہ ہی اور یہ جائز کہا گیا ہے حالانکہ تعریف المعرف بلافرق دونوں جگہ لازم آتی ہے) پھر نحویوں کو کیا ہوا کہ انہوں نے معرفہ کو علم کرنا جائز بتایا اور اضافۃ معرفۃ الی المعرفہ (والی النکرہ) کو ناجائز؟ (جواب میں) کہا گیا ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ان (النجم وغیرہ) امثلہ میں تعریف المعرف ہے بلکہ ان امثلہ میں (پہلے تو اس) تعریف کا زوال ہے جو تعریف کہ لام یا اضافت سے حاصل ہے اور (اس کے بعد) دوسری تعریف کا حصول ہے اور وہ تعریف بالعلمیۃ ہے پھر جب یہ اسماء اعلام ہوگئے تو ان میں ان کی معلومیت باللام یا (معلومیت) بالاضافت کی طرف اشارہ باقی نہ رہا لہذا (ایک) معرف کی (دوبارہ) تعریف لازم نہیں آتی بلکہ (یہ تو) ایک تعریف کو (زائل کرکے) دوسری تعریف سے بدلنا ہے (اور وہ جو کوفیوں نے جائز قرار دیا یعنی الثلثۃ الاثواب اور عدد سے اس کی مشابہ) ترکیب (وہ عدد) جو معرفہ باللام اور اپنے معدود کی طرف مضاف ہو جیسے الخمسۃ الدراھم اور المائۃ الدینار (وہ ضعیف ہے) قیاس اور استعمال کی رو سے۔ رہا قیاس کی رو سے تو وہ اس وجہ سے جو مذکور ہوا یعنی (اس میں) تحصیل حاصل لازم آتا ہے۔ اور رہا استعمال کی رو سے تو وہ اس وجہ سے جو فصحاء

حاصل یا حصول ادنیٰ مع حصول الاعلیٰ لازم آتا ہے اسی طرح معرفہ کو اگر علم بنائیں گے اور علم از قسم معرفہ ہے تو وہی تحصیل حاصل لازم آئیگی پس کیا وجہ ہے کہ علمیۃ معرفہ کو تو جائز قرار دے دیا اور اضافۃ معرفہ کو ناجائز جیسے النجم، الثریا، الصعق اور ابن عباس وغیرہ کہ ان میں اولاً تو دخول لام اور ابن میں اضافۃ کے باعث تعریف آئی، اور پھر مجموعہ کو علم قرار دے دیا گیا، اور بعینہٖ مجموعہ کو علم قرار دے لینا تحصیل حاصل نہیں تو اور کیا ہے؟ پس تحصیل حاصل اور تعریف معرف میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ النجم ایک خاص ستارے کا نام ہوگیا اور ثریا جھمکے کو کہتے ہیں، مگر اس سے اب ۵ ستارے مراد ہونے لگے جو بہت سے یکجا مجتمع ہوں اور الصعق اس مرد کو کہنے لگے جو بزدل ہو اور ابن عباس سے مراد صرف عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ لئے جانے لگے کسی دوسرے شخص کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا واللہ اعلم ۱۲

۳۲ قولہ قیل لا نسلم الخ یہ اعتراض مذکور کا جواب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ ان امثلہ مذکورہ میں تعریف معرف پائی جاتی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں زوال تعریف ہے یعنی النجم وغیرہ میں الف لام اور ابن عباس رضی اللہ عنہ میں اضافت کے باعث جو تعریف آئی تھی، وہ بوقت علمیۃ زائل ہوگئی اور تعریف آخر یعنی تعریف بالعلمیۃ حاصل ہوگئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان اسماء کو علم قرار دے لیا گیا تو اب ان کے معرفہ باللام اور اضافۃ کی طرف کوئی اشارہ باقی نہیں رہا اس لئے کہ ان میں الف لام اور اضافۃ بمنزلہ جزء کلمہ کے ہوگئے کیونکہ علمیۃ مجموعہ کے اعتبار سے ہے ترک لام اور قطع اضافۃ کے ساتھ نہیں پس ان میں تعریف معرف لازم نہیں آتی بلکہ تبدیل تعریف بتعریف آخر پائی جاتی ہے اور یہ کوئی مضر نہیں پس جب اجتماع تعریفین یا تعریف معرف لازم نہیں آئی تو تحصیل حاصل بھی لازم نہیں آئے گی، فلا اشکال فیہ واللہ اعلم ۱۲

۳۳ قولہ وما اجازہ الخ یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مضاف سے تجرید مضاف کی شرط ہم کو تسلیم نہیں اس لئے کہ نحاۃ کوفہ کے نزدیک الثلثۃ الاثواب اور اس

من ترك اللام قال ذوالرمة ع ثلث الاثافی والدیار البلاقع واما (۳۴) ما جاء فی الحدیث من قوله علیه السلام بالالف الدینار فعلی البدل دون الاضافة والاضافة (۳۵) اللفظیة علامتها ان یکون المضاف صفة احترازعما اذا لم یکن صفة نحو غلام زید مضافة الی معمولها احترازعما اذا کانت مضافة الی غیر معمولها نحو مصارع البلد وکریم العصر مثل ضارب زید من قبیل اضافة اسم الفاعل الی مفعوله وحسن الوجه من قبیل اضافة الصفة المشبهة الی فاعلها و (۳۶)

سے ثابت ہے یعنی (مضاف پر) لام کا ترک ذوالرمہ نے کہا ہے ع ثلاث الاثافی والدیار البلاقع (الاثافی اثفیہ کی جمع وہ پتھر جس پر ہانڈی رکھتے ہیں اور وہ تین پتھر ہوتے ہیں بلاقع بلقع کی جمع بمعنی خالی از ماء و نبات دیار بلاقع وہ مکانات جو ماء و گیاہ سے خالی ہوں) اور جو حدیث شریف میں وارد ہوا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالالف الدینار (اس میں الالف اسم عدد معرفہ باللام اپنے معدود کی طرف مضاف ہے) تو وہ بدل (یا عطف بیان) کے طور پر ہے نہ کہ اضافت کے طور پر (یعنی الالف مبدل منہ ہے اور الدینار اس سے بدل البعض من الکل ہے یا عطف بیان بطور تفسیر ہے (اور) اضافت (لفظیہ) کی علامت (یہ ہے کہ) مضاف (صفت ہوگا) اس سے احتراز ہے کہ مضاف صفت نہ ہو جیسے غلام زید (اپنے معمول کی طرف مضاف ہوگا) اس سے احتراز ہے کہ اپنے معمول کے غیر کی طرف مضاف ہو جیسے مصارع البلد اور کریم العصر (ضارب زید) اسم فاعل کے اپنے مفعول کی طرف اضافت کے قبیل سے (اور حسن الوجہ) صفت مشبہ کے اپنے فاعل کی طرف اضافت کے قبیل سے (اور)

کے مثل جیسے الخمسۃ الدراہم اور المائۃ الدینار کی تراکیب جائز ہیں یعنی ان میں معرف باللام اپنے معدود کی طرف مضاف ہو رہا ہے، حالانکہ مضاف کے لئے تعریف سے خالی ہونا شرط ہے پس اگر تجرید کی شرط ضروری ہوتی تو کوفیہ کیوں ان کو جائز رکھتے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مصنف نحاۃ بصرہ کے پیرو ہیں، اور یہ مذہب کوفیہ کا ہے، لہٰذا وہ اس اعتراض سے بری ہیں، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تراکیب ضعیف ہیں قیاس کے اعتبار سے بھی اور استعمال کے لحاظ سے بھی قیاس سے تو وجہ ضعیف یہ ہے کہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور استعمال کے لحاظ سے وجہ ضعیف ظاہر ہے کہ فصحاء سے ترک لام ثابت ہے یعنی وہ معرف باللام کو بوقت اضافۃ ترک لام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ذوالرُّمّۃ شاعر نے کہا ہے ع ثلث الاثافی والدیار البلاقع۔ کہ اس میں ثلث کا استعمال بغیر لام کے ہے یہ مصرعہ سابقہ تین مصرعوں سے تعلق رکھتا ہے اس لئے دونوں شعر حاضر ہیں ؎

شعر

ایا منزلی سلمی سلام علیکما
هل الازمن اللاتی مضین رواجع
وهل یرجع التسلیم او یکشف العمی
ثلث الاثافی والدیار البلاقع

(ترجمہ) اے میری محبوبہ سلمیٰ کی گرما و سرما کی دونوں قیام گاہو! تم دونوں کے اوپر سلامتی ہو کیا وہ زمانے جو گذر گئے لوٹ آئیں گے، اور کیا چولہے پر ہانڈی ٹیکنے کے تین پتھر اور خراب و خستہ مکانات میرے سلام کا جواب لوٹا دیں گے یا سلمیٰ کے حال سے بے خبری کی تاریکی کو دور کریں گے۔ اس جگہ میں نے دوسرے شعر کا ترجمہ برعکس کیا ہے تاکہ محاورہ کا لحاظ رہے۔ الاثافی جمع ہے اثفیۃ کی جس کے معنی ہیں ان پتھروں کے جو ہانڈی رکھنے کے لئے بطور چولہے کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اور بلاقع کے معنی خالی اور خراب کے ہیں اس کا مفرد بلقعٌ آتا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۴ قولہ واما ما جاء الخ یہ عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ ہم نے شرط تجرید مضاف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تراکیب مذکورہ کو تو ضعیف اور غیر فصیح قرار دے دیا لیکن قول نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اغتسلوا یوم الجمعۃ ولو اشتریتم نصف الصاع بالالف الدینار میں کیا کہو گے کہ اس میں الالف معرف باللام کی اضافۃ اپنے معدود کی طرف بغیر تجرید کے ہو رہی ہے کیا یہ بھی غیر فصیح کلام ہے شارح نے جواب دیا کہ یہ بدلیۃ پر محمول ہے اضافۃ پر نہیں یعنی الدینار۔ الالف سے بدل البعض واقع ہو رہا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ الدینار عطف بیان ہے اس لئے کہ یہ تفسیر کے قائم مقام ہے اس لئے کہ جب بالالف کہا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ الف سے کیا مراد ہے پس الدینار نے آکر اس کی تفسیر کر دی واللہ اعلم ۱۲۔

۳۵ قولہ والاضافۃ اللفظیۃ الخ اس جگہ ذکر اضافۃ سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ قول مصنف اللفظیۃ موصوف محذوف کی صفۃ ہے اور علامتہا سے اسی سوال و جواب کی طرف اشارہ ہے جو اضافۃ معنویہ میں فالمعنویۃ علامتہا ان یکون الخ کے ضمن میں گذر چکا ہے۔ بہر حال اضافۃ لفظیہ کی علامت یہ ہے کہ صفۃ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو خواہ وہ معمول فاعل

لَاتُقِيْدُ الاِضافۃ اللفظية فائدۃً اِلَّاتَخْفِيْفًا لاتعريفا ولاتخصيصا لكونها في تقدير الانفصال فِی اللَّفْظِ لافي المعنی بان يسقط بعض المعاني عن ملاحظة العقل بازاء مايسقط من اللفظ بل المعنی علی ماكان عليه قبل الاضافة و[۳۷] التخفيف اللفظي امافي لفظ المضاف فقط بحذف التنوين حقيقة مثل ضارب زيد اوحكما مثل حواج بيت الله اوبحذف نوني التثنية والجمع

اضافت لفظیہ (تخفیف کے سوا) کوئی (فائدہ نہیں دیتی) نہ تعریف کا اور نہ تخصیص کا کیونکہ اضافت لفظی انفصال کی تقدیر میں ہے (اگرچہ اس میں بظاہر لفظی طور پر اتصال ہو کر آپ کو معلوم ہوگیا کہ مضاف الیہ یا تو فاعل ہوگا اور وہ درحقیقت مرفوع ہے اگرچہ بہ ظاہر مجرور ہے یعنی ضاربُ زیدٍ دراصل ضاربٌ زیدٌ بہ رفع زید ہے جو ضارب سے منفصل ہے یا مفعول ہوگا وہ منصوب ہے اگرچہ بہ ظاہر مجرور ہوگا تو جب اتصال معنوی نہ رہا تو اضافت نے تخفیف کے سوا کسی طرح کا فائدہ نہ دیا اور وہ بھی) (لفظ میں) معنی میں نہیں یوں کہ بعض معانی بھی ملاحظۂ عقل سے اس کے مقابلہ میں ساقط ہوئے جو لفظ سے ساقط ہوئے (یعنی تنوین وما قام مقامہ جو لفظ سے ساقط ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں کوئی معنی بھی ساقط ہوجاتا حالانکہ ایسا نہیں) بلکہ معنی اس حال پر باقی ہے جس حال پر اضافت سے قبل تھا (تو معلوم ہوا اضافت لفظی صرف لفظ کی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے معنی کی نہیں) اور تخفیف لفظی یا مضاف کے لفظ میں ہوگی فقط (پھر یہ بھی یا تو) حقیقت کی رو سے تنوین کے حذف کرنے سے ہوگی جیسے ضارب زید یا حکم کی رو سے جیسے حواج بیت اللہ (کہ حواج دراصل حوائج بروزن مساجد تھا تو اس کی تنوین غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اضافت سے قبل ہی ساقط تھی مگر حکماً ثابت تھی جو پھر اضافت سے ساقط

ہو یا مفعول جیسے ضاربُ زیدٍ کہ اس میں اسم فاعل کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہو رہی ہے، اور یہ اصل میں ضاربٌ زیداً تھا، افادۂ تخفیف کی وجہ سے اضافت کرلی گئی، اور جیسے حسن الوجہ کہ اس میں صفت شبہ کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہو رہی ہے، اور یہ اصل میں حسنٌ وجہہٗ تھا پس تخفیف کی وجہ سے اضافت کرلی گئی، اور وجہہٗ میں یا ضمیر کے عوض بوقت اضافت مضاف الیہ پر الف لام داخل کردیا گیا حسن الوجہ ہوگیا اب شارح احترازٌ عما الخ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عبارت ماتن میں قولہ صفۃ وغیرہ قیود احترازی ہیں پس صفۃ کہنے سے وہ مضاف خارج ہوگیا جو صفۃ نہ ہو اس لئے کہ اس میں اضافۃ معنویہ ہوگی لفظیہ نہیں جیسے غلام زید اور اضافۃ الی معمولہا کہنے سے وہ مضاف خارج ہوگیا جو غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے مصارعُ البلد اور کریم العصر کہ ان میں صیغۂ صفۃ مصارع (پچھاڑنے والا) اور کریم (سخاوت کرنے والا) اپنے غیر معمول کی طرف مضاف ہیں اس لئے کہ ان کا معمول البلد اور العصر نہیں بنا سکتے کیونکہ شہر کو نہیں پچھاڑا جاتا بلکہ اہل شہر پچھاڑے جاتے ہیں اسی طرح کریم العصر ہے، اور من قبیل اضافۃ الخ سے اس امر کو واضح کیا ہے کہ تعدد امثلہ تعدد مثل کی وجہ سے ہے تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ کر بیٹھے کہ توضیح کے لئے ایک مثال کافی ہے واللہ اعلم ۱۲۔

ن سقط

۳۶ قولہ ولا تقید الخ اس جگہ الاضافۃ اللفظیہ کا اضافہ بیان مرجع کے لئے ہے تاکہ کوئی مطلق اضافۃ کو اس کا مرجع سمجھ کر یہ اعتراض نہ کر بیٹھے کہ اضافۃ معنویہ بھی اس ضمن میں آجاتی ہے اور وہ تخفیف کے علاوہ تخصیص اور تعریف کا بھی فائدہ دیتی ہے لہٰذا قول مصنف الاتخفیفاً غلط ہے اور فائدۃً سے یہ بتایا ہے کہ الاتخفیفاً مستثنیٰ مفرغ ہے لہٰذا مستثنیٰ منہ کی تلاش نہ کی جائے، اور لاتعریفاً ولاتخصیصاً سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قول مصنف تخفیفاً قید احترازی ہے اور اس سے افادۂ تعریف وتخصیص خارج ہے بہر حال عبارت مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اضافۃ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تعریف یا تخصیص کا نہیں اس لئے کہ اس میں اگرچہ لفظاً اتصال پایا جاتا ہے مگر یہ درحقیقۃ انفصال کے درجہ میں ہے یعنی اس سے اضافۃ کو سبب کرکے مضاف الیہ کا فاعل یا مفعول بنا لیتے ہیں بخلاف معنویہ کے کہ اس میں مضاف الیہ فاعل یا مفعول نہیں بن سکتا پھر یہ تخفیف کا فائدہ لفظ میں ظاہر ہوگا معنی میں نہیں کہ بعض معانی لفظ سے ساقط شدہ حرف کے بدلہ میں نظر انداز کر دیئے جائیں بلکہ قبل الاضافۃ جو معنے تھے وہی معنی بعد تخفیف بھی باقی رہیں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۷ قولہ والتخفیف اللفظی الخ تخفیف لفظی کی چند صورتیں ہیں (۱) فقط لفظ مضاف میں ہوگی اس کی دو صورتیں ہیں مضاف مفرد ہوگا یا تثنیہ وجمع اگر مفرد ہوگا تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں تنوین حقیقۃً حذف کی جائے گی یا حکماً اول کی مثال جیسے ضاربُ زید کہ یہ اصل میں ضاربٌ زیداً تھا مضاف سے تنوین حذف کردی گئی، اور ثانی کی مثال جیسے

مثل ضاربا زید وضاربو زید واما فی لفظ المضاف الیہ فقط بحذف الضمیر واستتارہ فی الصفۃ کالقائم الغلام کان اصلہ القائم غلامہ حذف الضمیر من غلامہ واستتر فی القائم واضیف القائم الیہ للتخفیف فی المضاف الیہ فقط واما فی المضاف والمضاف الیہ معًا نحو زید قائم الغلام اصلہ قائم غلامہ فالتخفیف فی المضاف بحذف التنوین و فی المضاف الیہ بحذف الضمیر واستتارہ فی الصفۃ وَمِنْ ثَمَّ[٣٨] ای من جھۃ وجوب افادۃ الاضافۃ اللفظیۃ التخفیف وانتفاء کل واحد من التعریف والتخصیص جَازَ ترکیب مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حسن الوَجْہِ باضافۃ الصفۃ الی معمولھا وجعلھا صفۃ للنکرۃ فمن جھۃ انھا لم تفد تعریفا جاز ھذا الترکیب وَامْتَنَعَ ترکیب مررت بِزَیْدٍ حسن الوَجْہِ فلو افادت تعریفا لم یجز الاول للزوم کون المعرفۃ صفۃ للنکرۃ ولجاز الثانی لکون المعرفۃ اذن صفۃ للمعرفۃ والمراد[٣٩] ان المشار الیہ بثم و

ہوئی) یا تثنیہ وجمع کے دونوں کے حذف کرنے سے (مضاف میں تخفیف ہوگی) جیسے ضاربا زید وضاربو زید اور یا (تخفیف) فقط مضاف الیہ کے لفظ سے ہوگی (اور وہ تخفیف اس) ضمیر کو (جو فاعل کے ساتھ متصل تھی) حذف کرنے اور (اس کے بعد) اسے صفت میں مستتر کرنے سے (ہوگی) جیسے القائم الغلام اس کی اصل القائم غلامہ تھی غلامہ سے ضمیر کو حذف کیا گیا اور اسے القائم میں مستتر کیا گیا اور (اس کے بعد) فقط مضاف الیہ میں تخفیف کے لئے القائم کو اس کی طرف مضاف کیا گیا (کہ اس سے ضمیر حذف ہو کر تخفیف ہوگئی) اور یا (تخفیف) مضاف ومضاف الیہ میں معًا ہوگی جیسے زید قائم الغلام اس کی اصل (زید) قائم غلامہ تھی پس تخفیف مضاف میں تنوین کے حذف سے اور مضاف الیہ میں ضمیر کے حذف اور اس کے صفت میں مستتر کرنے سے ہے ((اور اسی وجہ سے)) یعنی اضافت لفظیہ کے افادۂ تخفیف کے وجوب اور تعریف وتخصیص میں سے ہر ایک کے انتفاء کی وجہ سے ((مررت برجل حسن الوجہ)) کی ترکیب ((جائز ہے)) (صیغہ) صفت کو اس کے معمول کی طرف مضاف اور صفت کو نکرہ کی صفت کرکے تو اس وجہ سے کہ یہ اضافت تعریف کو مفید نہیں یہ ترکیب جائز ہے ((اور)) مررت ((بزید حسن الوجہ)) کی ترکیب ((ناجائز ہے)) پس اگر اضافت لفظی تعریف کا فائدہ دیتی ہوتی تو مثال اول اس لئے ناجائز ہوتی کہ معرفہ (حسن الوجہ) کا نکرہ (رجل) کے لئے صفت ہونا لازم آتا اور دوسری مثال اس وقت معرفہ کے معرفہ کے لئے صفت ہونے کی وجہ جائز ہوتی (اس کے بعد فاضل ہندی کے اعتراض کا جواب دیتے ہیں اعتراض یہ ہے کہ ثمہ حصر مذکور کے لئے اشارہ ہے حالانکہ جواز ترکیب مذکور عدم

حواج بیت اللہ کہ اس میں حواج سے بوجہ عدم القران قبل الاضافۃ تنوین ساقط ہوگئی تھی پس اگرچہ یہ لفظًا ساقط تھی مگر حکمًا موجود تھی اس لئے بوقت اضافۃ حکمًا اس تنوین کو حذف کر دیا گیا، اور یہ لفظ جمع ہے اس کا مفرد حاج آتا ہے، اور اگر مضاف تثنیہ یا جمع ہو تو جمع کے نون کو حذف کیا جائے گا، جیسے ضاربا زید اور ضاربو زید (۲) فقط لفظ مضاف الیہ میں تخفیف ہو اس کی صورت یہ ہے کہ ضمیر کو حذف کر کے صفۃ میں پوشیدہ کردیں گے جیسے القائم والغلام کہ یہ اصل میں القائم غلامہ تھا غلام سے ضمیر مضاف الیہ کو حذف کر کے القائم میں اس کو مستتر مان لیا گیا، اور القائم کو اس کی طرف مضاف کردیا گیا پس مضاف الیہ میں تخفیف حاصل ہوگئی، (۳) کبھی مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوتی ہے جیسے زیدٌ قائم الغلام کہ یہ اصل میں زیدٌ قائمٌ غلامہٗ تھا پس مضاف میں تو تخفیف حذف تنوین کی وجہ سے ہوئی، اور مضاف الیہ میں حذف ضمیر اور صفۃ میں مستتر مان لینے سے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۸ قولہ ومن ثم الخ یعنی جب یہ معلوم ہوگیا کہ اضافہ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور افادہ تعریف وتخصیص میں سے ہر ایک اس میں منتفی ہے تو اب ترکیب مررت برجلٍ حسن الوجہ جائز ہوگی بایں طور کہ صفۃ کو اس کے معمول کی طرف مضاف کردیا جائے، اور پھر صفۃ کو نکرہ کی صفۃ قرار دی جائے، اور وجہ جواز یہ ہے کہ اس میں بوجہ اضافۃ کے مضاف سے تنوین اور مضاف الیہ سے ضمیر محذوف ہوگئی تعریف یا تخصیص حاصل نہیں ہوئی لہٰذا اس اعتبار سے حسن الوجہ کا نکرہ کی صفت واقع ہونا صحیح ہے ورنہ اگر تعریف یا تخصیص حاصل ہوتی اس کا نکرہ کی صفۃ واقع ہونا صحیح نہ تھا اس لئے کہ موصوف وصفت میں مطابقت

هو مجموع امور ثلثة وجوب افادة الاضافة اللفظية التخفيف و انتفاء التعريف وانتفاء التخصيص يستلزم جواز التركيب الاول وامتناع الثانی و لایلزم من ذلك ان یکون لکل واحد من تلك الامور دخل فی ذلك الاستلزام بل یجوزان یکون باعتبار بعضها فلایرد انه لادخل فی ذلك الاستلزام لانتفاء التخصیص ومن جهة انها تفید تخفیفا جاز ترکیب الضَّارِبَا زَیْدٌ وَالضَّارِبُوْا زَیْد لحصول التخفیف بحذف النون وَامْتَنَعَ الضَّارِب زید لعدم التخفیف لان تنوین الضارب انما سقط للالف واللام

تعریف پر مبنی ہے نہ کہ حصر مذکور یعنی لاتفید الا تخفیفا پر) اور مراد یہ ہے کہ مشار الیہ ثمہ کا اور وہ امور ثلاثہ اضافت لفظیہ کے افادۂ تخفیف کا وجوب وانتفاء تعریف وانتفاء تخصیص کا مجموعہ ہے ترکیب اول کے جواز اور ترکیب ثانی کے امتناع کو مستلزم ہے اور اس (مجموعہ امور ثلاثہ کے مشار الیہ ہونے) سے لازم نہیں آتا کہ ان تین امور میں سے ہر ایک کو اس استلزام (جوازِ ترکیبِ اول وعدم جوازِ ثانی) میں دخل ہے (کیونکہ ترکیب اول کے جواز کا مستلزم افادۂ تخفیف کا وجوب ہے جو اس میں موجود ہے اور ترکیب ثانی کے عدم جواز کا مستلزم انتفاء تعریف ہے جواز وعدم جواز میں تخصیص کو کوئی دخل نہیں کیونکہ اس کے بغیر ترکیب اول جائز اور ثانی ناجائز ہو رہی ہے - - - - - - - - - - - (بلکہ ممکن ہے کہ استلزام ان امور ثلاثہ سے بعض کے اعتبار سے ہو (کہ اکثر کو کل کا حکم حاصل ہے لہذا اس اعتبار سے کہ استلزام میں ان امور ثلاثہ میں سے اکثر کو دخل ہے ان امور کے مجموعہ کا ثمہ سے مشار الیہ ہونا صحیح ہے) لہذا اعتراض نہ ہوگا کہ اس استلزام میں انتفاء تخصیص کو (تو) کوئی دخل نہیں (لہذا ثمہ کا مشار الیہ امور ثلاثہ کا مجموعہ کیسے ہو سکتا ہے؟) (اور) اس وجہ سے کہ اضافت لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے ((الضاربا زید والضاربوا زید)) کی ترکیب ((جائز ہے)) اس لئے کہ نون کے حذف سے تخفیف حاصل ہو گئی ((اور الضارب زید ناجائز ہے)) عدم تخفیف کی وجہ سے کیونکہ الضارب کی تنوین تو الف ولام کی وجہ سے ساقط ہوئی اضافت

الضاربا زید اور الضاربو زید دونوں جائز ہیں اس لئے کہ ان میں اضافۃ کی وجہ سے حذف نون کے ساتھ تخفیف آگئی ہے کیونکہ اگر اضافت سلب کرلیں تو باوجود الف لام کے نون محذوف لوٹ آئے گا، پس یہ حذف نون اضافۃ کی وجہ سے ہوا نہ کہ امر غیر کے باعث بخلاف ترکیب الضاربُ زید کے کہ یہ ممتنع ہے اس لئے کہ اضافۃ سے جو تخفیف مقصود تھی وہ اس

سے حاصل نہیں ہوئی کیونکہ الضارب کی تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافۃ کی وجہ سے نہیں ورنہ فک اضافت کے وقت تنوین عود کر آتی حالانکہ عود نہیں کرتی پس جب اسقاط تنوین میں اضافۃ کو کوئی دخل نہیں ہوا تو تخفیف مقصودہ حاصل نہیں ہوئی لہذا یہ ترکیب ممتنع ہے واللہ اعلم ۱۲-

ضروری ہے بخلاف ترکیب مررت بزید حسن الوجہ کے کہ وہ ممتنع ہے اس لئے کہ اس میں موصوف یعنی زید معرفہ اور صفۃ یعنی حسن الوجہ نکرہ ہے پس موصوف وصفۃ میں مطابقت باقی نہیں رہی اسی کو شارح نے فلو افادت تعریفاً الخ سے بیان کیا ہے واللہ اعلم ۱۲-

۳۹ قولہ والمراد الخ اس عبارت سے شارح ایک اعتراض کا دفعیہ کرنا چاہتے ہیں جس کی تقریر یہ ہے کہ قول مصنف ومن ثم میں ثم کا مشار الیہ تین امور کا مجموعہ ہے یعنی (۱) اضافۃ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے (۲) افادۂ تعریف کا انتفاء (۳) افادۂ تخصیص کا انتفاء پس ان تینوں امور کا مجموعہ ترکیب اول کے جواز اور ترکیب ثانی کے امتناع کو مستلزم ہے حالانکہ انتفاء تخصیص کو ترکیب اول کے جواز اور ترکیب ثانی کے امتناع میں کوئی دخل نہیں اس لئے کہ مثال اول میں رجل نکرہ اپنی صفۃ نکرہ کا مقتضی ہے، اور مثال ثانی میں زید معرفہ ہے جس کی صفۃ نکرہ نہیں آسکتی پس اس میں انتفاء تخصیص کا بالکل بھی ذکر نہیں حالانکہ مشار الیہ تینوں امور کا مجموعہ ہے اس کا جواب شارح ولایلزم من ذلک الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس استلزام میں امور مذکورہ میں سے ہر ایک کو بر سبیل مجموع دخل ہو بلکہ جائز ہے کہ تینوں امور میں سے باعتبار بعض کے استلزام مذکور واقع ہو پس دونوں ترکیبوں میں جواز وعدم جواز کے استلزام میں اگر انتفاء تخصیص کو دخل نہیں تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں لہذا اعتراض مذکور وارد نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲-

۴۰ قولہ ومن جہۃ الخ اس سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف ومن ثم پر ہے اور یہ تفریع صرف افادہ تخفیف پر منحصر ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ ترکیب

لا للاضافة ولا شك[٤١] انه لا دخل فی هذا التفریع لانتفاء التعریف ولا لانتفاء التخصیص بل یکفی فیه وجوب التخفیف فقط وعلی هذا کان الانسب تقدیم هذا الفرع لکنه اخره لکثرة لواحقه خلافا[٤٢] للفراء فانه یجوز ترکیب الضارب زید اما لانه توهم ان دخول لام التعریف انما هو بعد الاضافة فحصل التخفیف بحذف التنوین بسبب الاضافة ثم عرف باللام واجاب المصنف عنه فی شرحه بانه غیر مستقیم لان القول بتاخر اللام المتقدمة حسا علی الاضافة مجرد ادعاء مخالف للظاهر واما[٤٣] لما وقع فی شعر الاعشی من قوله ع الواهب المائة الهجان وعبدها ۞ فان قوله وعبدها بالجر معطوف علی المائة فصار

کی وجہ سے نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تفریع میں انتفاء تعریف کو کوئی دخل نہیں اور نہ ہی انتفاء تخصیص کو بلکہ اس میں فقط وجوب تخفیف کافی ہے بنا بر آں اس فرع کی تقدیم انسب تھی لیکن مصنف نے اس کے کثرت لواحق کی وجہ سے اسے مؤخر کر دیا (اور کثرت لواحق مصنف کا قول خلافا للفراء ہے یعنی) (فراء کے برعکس) کہ وہ الضارب زید کی ترکیب کو جائز قرار دیتا ہے کیونکہ اسے وھم لگا ہے کہ (الضارب پر) لام تعریف کا دخول اضافت کے بعد ہی ہے لہذا اضافت کے سبب سے تنوین کو حذف کرنے سے تخفیف حاصل ہو گئی اس کے بعد ضارب کو معرفہ بہ لام کیا گیا اور مصنف نے اپنی شرح کافیہ میں فراء کے قول ہذا سے یہ جواب دیا ہے کہ یہ (تقدیم اضافت علی اللام کا قول) درست نہیں ہے کیونکہ اس لام کے کہ اضافت پر ظاہرا مقدم ہے تاخر کا قول کرنا دعوی محض (بلا دلیل) اور ظاہر کا مخالف ہے اور بہر صورت جب شاعر اعشی (شب کور) کے شعر میں اس کے قول سے واقع ہوا ع الواہب المائۃ الھجان وعبدہا کہ اس کا قول وعبدہا جر کے ساتھ المائۃ پر معطوف ہے پس عطف کے اعتبار سے معنی ہوا الواہب عبدہا از قبیل الضارب

٤١ قولہ ولا شک الخ اس سے ایک سوال اور اس کا جواب مقصود ہے سوال یہ ہے کہ اس تفریع میں انتفاء تعریف اور انتفاء تخصیص کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں صرف وجوب تخفیف کافی ہے لہذا مصنف کو مناسب یہ تھا کہ وہ اس تفریع کو تفریع اول پر مقدم کرتے جیسا کہ متفرع علیہ کا حال ہے اس لئے کہ متفرع علیہ یعنی تخفیف تو صریحاً مذکور ہے اور فرعین سابقین یعنی انتفاء تعریف وتخصیص غیر مذکور یہ ضمناً حاصل ہوتے ہیں پس صریح کا مرتبہ غیر صریح سے اعلیٰ ہے لکنہ اخرہ الخ سے شارح نے شارح نے جواب [illegible] اس کو اس کے کثرۃ لواحق کی وجہ سے [illegible] ر کرنا پڑا اور وہ لواحق اس کے آگے آتے ہیں یعنی خلافاً للفراء وغیرہ واللہ اعلم ١٢-

٤٢ قولہ خلافاً الخ یعنی فراء نحوی ترکیب ممتنع الضارب زید کو جائز کہتا ہے، اور اس جواز کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس کو یہ وہم پیدا ہو گیا کہ مثال مذکور میں دخول لام تعریف اضافۃ کے بعد ہوا ہے پس اضافۃ کے سبب سے حذف تنوین کے باعث تخفیف حاصل ہو گئی پھر اس کو معرف باللام کر دیا گیا اس کا جواب مصنف نے اپنی شرح کافیہ میں یہ دیا کہ یہ دلیل صحیح نہیں اس لئے کہ یہ کہنا کہ دخول لام اضافۃ سے مؤخر ہے، (حالانکہ ظاہری طور پر دخول لام اضافۃ پر مقدم ہے) ایک ادعاء محض ہے جو ظاہر کے خلاف ہے اس لئے کہ لام تعریف کے اضافۃ پر مقدم ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ دخول لام تعریف سے حذف تنوین کے بعد اضافۃ آئی ہے پس حذف تنوین کو اضافۃ کی طرف کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے؟ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ لام تعریف ذات اسم کی تحقیق کے لئے ہے، اور اضافۃ اس امر کی تحقیق کے لئے کہ جو اسم کو عارض ہے یعنی تخفیف اور ظاہر ہے کہ جس طرح ذات کا درجہ صفۃ پر مقدم ہے اسی طرح محقق ذات کا مرتبہ محقق صفۃ پر مقدم ہو گا پس دخول لام تعریف اضافۃ پر مقدم ہوا لہذا فراء کا یہ وہم باطل ہے واللہ اعلم ١٢-

٤٣ قولہ واما لما وقع الخ اس کا عطف اما لانہ توہم پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ یا اس جواز ترکیب مذکور کی وجہ اعشی شاعر کا یہ مصرعہ ع الواہب المائۃ الہجان وعبدہا ۞ ہے کہ اس میں قولہ وعبدہا جر کے ساتھ المائۃ پر معطوف ہے پس باعتبار عطف کے اس کے معنی الواہب عبدہا کے ہوں گے، اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ سے پہلے جو قید ہوتی ہے وہ معطوف کی طرف لوٹتی ہے پس گویا شاعر نے الواہب عبدہا کہا پس یہ الضارب زید کے قبیل سے ہو گیا دخول لام تعریف اور حذف تنوین میں پس جس طرح الواہب عبدہا ممتنع نہیں کہ اس کو بعض بلغاء اور فصحاء اپنے کلام میں لاتے ہیں، اور اگر یہ ممتنع ہوتا تو بلیغ ہرگز اس کو جائز قرار نہیں دے سکتا تھا پس اسی

المعنی باعتبار العطف الواھب عبدھا فھو من باب الضارب زید فکما لا یمتنع ذلک حیث اتی بہ بعض البلغاء لا یمتنع ھذا فاجاب المص عنہ بقولہ وَضعف ع اَلوَاھِبُ المِائَۃَ الہِجان وَعَبْدِھَا یعنی ان ھذا القول ضعیف لا یقوی فی الفصاحۃ بحیث یستدل بہ لما عرفت من امتناع مثل الضارب زید لعدم الفائدۃ فی الاضافۃ ولا یخفی ان فیہ شوب مصادرۃ علی المطلوب اللھم الا ان یقال المراد بہ انہ ضعیف فی الاستدلال بہ اذ لا نص فیہ علی الجر فانہ یحتمل النصب حملاً علی المحل او علی انہ مفعول

زید پس جس طرح یہ ناجائز نہیں کیونکہ اس کو بعض بلیغ شاعر (اپنے کلام میں) لائے ہیں تو یہ (الضارب زید ناجائز نہیں ہے تو مصنف نے اس استدلال کا اپنے قول سے جواب دیا «اور ع الواہب المائۃ والھجان وعبدھا ضعیف ہے» یعنی یہ قول ضعیف ہے فصاحت میں قوی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے اور اس (کے ضعف) کی وجہ وہی ہے جو تم نے معلوم کی یعنی الضارب زید کے مثل کا اضافت میں فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا اور مخفی نہیں کہ اس . . جواب میں مصادرۃ علی المطلوب کا شائبہ ہے . . . . (مصادرۃ علی المطلوب اصطلاح مناظرہ میں اس بات کا نام ہے دعوی کو دلیل کی جز کر دیا جائے یا دوسرے لفظوں میں نتیجہ کو قیاس کا جز کرنا اور وہ یہاں اس طرح ہے کہ اثبات مطلوب یعنی الضارب زید کا امتناع مخالف کی دلیل کے ابطال پر موقوف ہے اور وہ یہاں اس طرح ہے کہ اثبات مطلوب یعنی الضارب زید کا امتناع مخالف کی دلیل کے ابطال پر موقوف ہے اور وہ اعشی کا شعر ہے اور مخالف کی دلیل کے ابطال کو اپنے مطلوب کے اثبات پر موقوف کر دیا گیا فتراجعا) اللھم (خدایا میرا مواخذہ نہ کرنا میرا کلام اول غیر تام ہے بلکہ استثناء کا محتاج ہے) مگر (یہ بات مصادرۃ علی المطلوب کے شائبہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ) یہ کہ کہا جائے کہ مصنف کے قول وضعف سے مراد یہ ہے کہ یہ شاعر کا قول اس بات میں ضعیف ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے کیونکہ شاعر کے قول میں (عبدھا کی) جر پر کوئی نص نہیں پس وہ نصب کا بھی محتمل ہے (مائۃ کے لفظ پر نہیں) محل پر محمول کرنے سے (کہ وہ الواھب کا مفعول بہ ہے

طرح الضاربُ زیدٍ بھی جائز ہونا چاہیئے پس مصنف نے اس کا جواب اپنے قول وضعف الخ سے یہ دیا کہ یہ قول ضعیف ہے فصاحت میں ایسا قوی مرتبہ نہیں رکھتا کہ اس سے استدلال کیا جائے، اور وجہ ضعیف ظاہر ہے کہ یہ قول الواھب عبدھا پر مشتمل ہے، اور وہ الضاربُ زیدٍ کے مثل ہے اور یہ ممتنع ہے کیونکہ اس سے اضافت میں فائدہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ گذر چکا پس جس طرح الضاربُ زیدٍ ضعیف ہے کہ اس میں عدم فائدہ کی وجہ سے اضافت بیکار ہے، اور اسی بیکاری کی وجہ سے اس کو ممتنع کہا گیا ہے، اسی طرح الواھبُ عبدھا بھی ضعیف ہوگا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو قول پر مشتمل ہوتا ہے وہ خود ضعیف ہوتا ہے لہٰذا یہ قول بھی ضعیف ہوگا، اور اس سے استدلال بھی ضعیف ہوگا اس لئے کہ قول ضعیف غیر پر حجت نہیں ہوسکتا واللہ اعلم ۱۲۔

۴۴۵ قولہ ولا یخفی الخ مصرعہ مذکورہ الواھب الخ سے قول بھی مراد ہوسکتا ہے اور استدلال بھی پس شارح نے اس سے قول مراد لیا مگر یہ چیز اعتراض سے خالی نہیں جس کو شارح ولا یخفی سے بیان کرنا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں مصادرۃ علی المطلوب کی آمیزش یعنی ملاوٹ ہے جس کو دوسرے معنی میں رائحہ اور لمحہ، سے بھی تعبیر کرتے ہیں مصادرۃ علی المطلوب کے لغوی معنی حمل بر مطلوب کے آتے ہیں، اور اصطلاحی اعتبار سے اس کی چار صورتیں (۱) مدعیٰ عین دلیل ہو (۲) مدعیٰ دلیل کا جز ہو (۳) مدعیٰ پر دلیل موقوف ہو (۴) مدعیٰ پر دلیل کا جز موقوف ہو اور ان میں سے ہر ایک باطل ہے اس لئے کہ اس سے دور لازم آتا ہے پس اب جاننا چاہیئے کہ شارح نے یہاں کہا کہ مصادرۃ علی المطلوب کی آمیزش پائی جاتی ہے مصادرۃ علی المطلوب نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مصادرۃ علی المطلوب کے چاروں

معنی میں سے ایک بھی معنی نہیں پائے جاتے بلکہ کچھ اس سے ملتے جلتے معنی پائے جاتے ہیں کہ جن سے دور لازم آتا ہے، اور وہ یہ ہیں کہ اس جگہ مدعی امتناع الضاربُ زیدٍ ہے اور دلیل ہے اس کی اعشیٰ کے قول کا ابطال پس اگرچہ یہاں مدعیٰ عین دلیل یا جزء دلیل نہیں لیکن یہ موقوف ہے دلیل خصم کے ابطال

یعنی اعشی کے قول کے باطل کرنے پر اور اس کا ابطال موقوف ہے، اثبات مطلوب یعنی امتناع الضاربُ زیدٍ پر جیسا کہ شارح نے لما عرفت من امتناع الخ سے اشارہ کیا ہے، پس نتیجہ یہ نکلا کہ امتناع الضاربُ زیدٍ موقوف ہے امتناع الضاربُ زیدٍ پر اور یہ دور ہے اور دور باطل ہوتا ہے لہٰذا یہ قول بھی باطل

معه او لانه قد یحتمل فی المعطوف مالا یحتمل فی المعطوف علیه کما فی رب شاة وسخلتها حیث جاز هذا الترکیب ولم یجز رب سخلتها بادخال رب علی سخلتها بدون العطف والبیت^۴۵^ بتمامه ؛ الواهب المائة الهجان وعبدها ؛ عوذا یزجی خلفها اطفالها - ای ممدوحه الواهب المائة الهجان ای البیض من النوق یستوی فیه الجمع والواحد والهجان صفة للمائة او بدل عنها او

منصوب ہے) یا بنابر آنکہ مفعول معہ ہے یا اس لئے کہ کبھی معطوف میں وہ بات برداشت کی جاتی ہے جو معطوف علیہ نہیں کی جاتی (یعنی قد یجوز فی المعطوف مالا یجوز فی المعطوف علیہ) جیسے رب شاة وسخلتہا میں ہے (اور یازید والحارث میں ہے) کیونکہ یہ (یعنی رب شاة وسخلتہا یعنی ولد الضان اور یازید والحارث کی) ترکیب جائز ہے اور رب سخلتہا رب کو سخلتہا پر عطف کے بغیر داخل کرکے جائز نہیں (کہ رب تقلیل کے لئے موضوع ہے اور وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ نکرہ پر داخل ہو کہ نکرہ تقلیل اور اس کی ضد کو قبول کرتا ہے) اور پورا بیت ؛ الواہب المائة الہجان وعبدہا ؛ عوذا یزجی خلفہا اطفالہا - یعنی شاعر کا ممدوح وہ شخص ہے جو سفید سو اونٹنیوں کے بخشنے والا ہے (الہجان بکسر الہاء بمعنی سفید اونٹنیاں) اس میں جمع اور واحد برابر ہیں یقال ناقة ہجان بروزن حمار ونوق ہجان بروزن رجال اور الہجان، المائة کی صفت ہے۔ یا

پس اس میں مصادرة علی المطلوب کی باعتبار واسطہ یعنی ابطال دلیل خصم آمیزش پائی گئی بلا واسطہ مصادرة علی المطلوب نہیں لیکن نتیجہ وہی ہے جو مصادرة علی المطلوب کا ہوتا ہے یعنی استلزام دور باطل لہٰذا یہ قول اعتراض سے خالی نہیں اس کا جواب شارح اللّٰہم الا ان یقال الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ مصرعہ مذکورہ کی طرف بجائے ہذا القول کے ہم ہذا الاستدلال سے اشارہ کریں گے پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ استدلال مذکور ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اس مصرعہ میں وعبدہا کے مجرور پڑھنے پر کوئی دلیل قطعی نہیں اگر دلیل قطعی موجود ہوتی تو اس سے استدلال قوی ہوتا لیکن یہاں احتمال ہے کہ وعبدہا کو بفتح الدال پڑھا جائے محل پر حمل کرتے ہوئے اس لئے کہ المائة الواہب کا مفعول واقع ہونے کی بنا پر محل کے اعتبار سے منصوب

ہے یا یہ کہا جائے کہ وعبدہا میں واو بمعنی مع ہے اور یہ مفعول معہ واقع ہے یا یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ بغیر عطف کے تنہا الواہب عبدہا ممتنع ہو اور عطف کے ساتھ ترکیب الواہب المائة وعبدہا جائز ہو اس لئے کہ بسا اوقات معطوف میں وہ امر جائز ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں جائز نہیں ہوتا جیسے رُبَّ شاة وسخلتہا میں کہ یہاں رب کا دخول عطف کے ساتھ سخلتہا معرفہ پر ہوگیا ہے، اور یہ ترکیب جائز ہے، اور یہ بغیر عطف کے تنہا اس کا دخول معرفہ پر کرتے اور رب سخلتہا کہتے تو یہ جائز نہ تھا اس لئے کہ رب معرفہ پر داخل نہیں ہوا کرتا پس جس طرح اس میں امر ممتنع عطف کی صورت میں جائز ہے، اسی طرح وعبدہا میں بھی بصورت عطف اس کا مجرور پڑھنا جائز ہوگا پس یہ استدلال ضعیف ہوا اور جب یہ استدلال ضعیف ہوگیا

تو ہمارا مدعی امتناع الضارب زید اپنی جگہ درست باقی رہا (سخلہ بکری کے بچہ کو کہتے ہیں) اب اگر کوئی کہے کہ جب یہ صورت اعتراض سے خالی ہے تو شارح نے اولاً اسی کو کیوں نہ اختیار کر لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارح نے مصنف کی پیروی کی ہے کیونکہ مصنف نے بھی امالی کافیہ میں یہی طرز اختیار کیا ہے، واللّٰہ اعلم ۱۲ م

۴۵ قولہ والبیت بتمامہ الخ الواہب مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ممدوحہ الواہب ہجان بکسر الہاء سفید اونٹنی کو کہتے ہیں، اور اس میں واحد وجمع دونوں کے لئے ایک ہی لفظ آتا ہے پھر یہ ترکیب میں یا تو المائة کی صفت واقع ہے، یا اس سے بدل الکل یا جیسا کہ کو فیہ کہتے ہیں یہ الثلاثة الاثواب کے قبیل سے ہے بیض ابیض کی جمع ہے اور نوق ناقہ کی بمعنی اونٹنی عبد غلام کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد چرواہا ہے اس کو عبد کے ساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی کہ یہ بھی غلام کی طرح بکریوں کی نگہبانی اور خدمت کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے جیسا کہ غلام ہر وقت اپنے آقا کی خدمت بجالاتا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبد حقیقةً ان بکریوں کا غلام ہے اس لئے کہ آقا نے اس کو انہیں کی خدمت کے لئے خریدا ہے پس اس ادنی ملابستہ کی وجہ سے عبد کی اضافة ہا ضمیر راجع الی المائة کی طرف جائز ہے لہٰذا دونوں صورتوں پر اب یہ اعتراض نہیں واقع ہو سکتا کہ عبد عبارت ہے مملوکیة سے اور مائة میں مملوکیة متصور نہیں ہو سکتی عوذاً ذال منقوطہ کے ساتھ عائذ کی جمع ہے، اور عائذ نوزائیدہ کو کہتے ہیں اور یہ مائة سے حال واقع ہے یزجی زائے منقوطہ اور جیم کے ساتھ باب تفعیل سے صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کے معنی یسوق یعنی چلاتے کے آتے ہیں جس کو اردو میں ہانکنا کہتے ہیں اس کا فاعل ضمیر

من قبيل الثلثة الاثواب كما هو مذهب الكوفية وعبدها اى راعيها تشبيها
له بالعبد لقيامه بحق خدمتها او عبدها حقيقة باضافته لادنى ملابسة
عوذًا بالذال المعجمة جمع عائذ اى حديثات النتائج حال من المائة يزجى
بالزاء المعجمة والجيم على صيغة المعلوم المذكر اى يسوق وفاعله ضمير العبد و
اطفالها منصوب على المفعولية او على صيغة المجهول المؤنث واطفالها مرفوع
على انه مفعول ما لم يسم فاعله و(۴۶)حقيقة الامر لا تنكشف الا بعد معرفة
حركة حرف الروى من القصيدة و(۴۷)اما لانه قاسه على الضارب الرجل و
الضاربك فاجاب المص عنه بقوله وانما جاز الضارب الرجل يعني كان

اس سے بدل الکل ہے یا الثلاثۃ الاثواب کے قبیل سے ہے (یعنی اضافۃ العدد المعرف باللام الی
معدودہ بلا تجرید عن اللام) جیساکہ کوفیہ (نحات) کا مذہب ہے اور عبدہا یعنی راعیہا (ان کا
چرواہا) راعی کو اونٹنیوں کی خدمت میں قائم رہنے کی وجہ سے عبد سے تشبیہ دی گئی (جیساکہ
عبد اپنے مولا کی خدمت میں قائم رہتا ہے یا ادنی تعلق کی وجہ سے (کہ اونٹنیوں کو مالک سے
ہوتا ہے) اس کی اضافت کے باعث حقیقت میں ان کا عبد (اور عبدہا سے مراد عبد صاحبہا)
ہے۔ عوذ (عین کے ضم اور) ذال معجمہ کے ساتھ عائذ کی جمع یعنی حدیثات النتائج (نوزائیدہ) المائۃ
سے حال ہے یزجی زائے معجمہ اور جیم کے ساتھ بنا بر صیغہ معلوم مذکر (از باب افعال) یعنی ہانکتا
ہے اور اس فعل (میں ہی اس) کا فاعل عبد کی (طرف راجع ہونے والی) ضمیر ہے اور
اطفالہا بنا بر مفعولیت منصوب ہے یا تزجی بنا بر صیغہ مجہول مؤنث ہے اور اطفالہا بنا
بر مفعول مالم یسم فاعلہ مرفوع ہے اور اس امر (کہ فعل یزجی مبنی للفاعل ہے اور مفعول
منصوب ہے یا مبنی للمفعول اور مفعول مرفوع ہے) کی حقیقت قصیدہ سے حرف روی (حرف
مکرر) کی حرکت کی معرفت کے بعد ہی منکشف ہو سکتی ہے (اور وہ یہاں لکھا ہے) اور یا فراء
نے الضارب زید کو الضارب الرجل اور الضاربک پر قیاس کیا ہے تو مصنف نے اپنے
قول (آئندہ) سے اس کا جواب دیا ((اور الضارب الرجل جائز ہوا)) یعنی قیاس اس کا

ہیں کہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ ترکیب الضارب
الرجل بھی ناجائز ہو اس لئے کہ اس میں اضافۃ
سے کوئی تخفیف نہیں آئی بلکہ تخفیف اس میں
محض لام کی وجہ سے ہے مگر تاہم یہ ایک دوسری
وجہ سے جائز ہے وہ یہ کہ ترکیب مذکورہ الحسن
الوجہ کی وجوہ میں سے وجہ مختار پر محمول ہے
اور وہ الوجہ کا اضافت کی وجہ سے مجرور ہونا ہے
اس کے علاوہ اس میں دو وجہیں اور بھی ہیں

مگر وہ غیر مختار ہیں اس لئے کہ وہ قبیح اور مخدوش
ہیں اول وجہ یہ ہے کہ الوجہ کو فاعلیۃ کی بناء
بر رفع پڑھیں مگر یہ اس وجہ سے قبیح ہے
کہ جملہ عائد موصوف سے خالی رہ جاتا ہے
اس لئے کہ جاءنی زید حسن الوجہ میں زید
موصوف ہے اور حسن صفۃ مشبہ اور الوجہ
اس کا فاعل پس صفت مشبہ اپنے فاعل سے
مل کر جملہ ہو کر زید کی صفت واقع ہوگی اور

مستتر ہے جو عبد کی طرف راجع ہے اور
اطفالہا مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے یا
یہ کہ یزجی صیغہ واحد مؤنث غائب مجہول
ہے یعنی تزجی اور اطفالہا مفعول مالم یسم فاعلہ
کی بنا پر مرفوع ہے پس شعر کے معنی یہ ہوں
گے شاعر کا ممدوح بخشش کرنے والا ہے،
سو اونٹنیوں کی درانحالیکہ وہ نوزائیدہ بچوں
والی ہیں، اور سو غلاموں کی کہ ہنکاتے ہیں وہ
ان اونٹنیوں کے پیچھے ان کے بچوں کو یا
ہنکائے جاتے ہیں ان کے بچے یہ ترجمہ
لفظی ہے با محاورہ اس طرح ہے شاعر کا
ممدوح نوزائیدہ بچوں والی سو اونٹنیوں
اور سو غلاموں کی کہ وہ ان کے پیچھے ان کے
بچوں کو ہنکاتے ہیں بخشش کرنے والا ہے
واللہ اعلم ۱۲۔

۴۶ قولہ وحقیقۃ الخ یہاں سے
شارح یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یزجی کے معروف
و مجہول ہونے کا پتہ کیسے چلے؟ جواب یہ ہے
کہ اس شعر کے قصیدہ کو دیکھا جائے کہ اس
کے آخر میں حرف روی یعنی لام کی حرکت کیا
ہے اگر تمام قصیدہ میں لام کی حرکت ضمہ ہے
تو اس میں بھی اطفالہا کو مضموم پڑھیں گے اور
یزجی واحد مونث مجہول پڑھا جائے گا اور دوسرے
اشعار میں فتحہ ہے تو صیغہ معروف مذکر پر اس
کو پڑھیں گے حرف روی اس حرف کو کہتے ہیں
جو ہر شعر میں مکرر آئے پس اس قصیدہ کا حرف
روی لام ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۴۷ قولہ واما لانہ الخ الضارب
زید کو صحیح ثابت کرنے کے لئے فراء کی یہ
تیسری دلیل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ شاید
اس نے یہ قیاس کر لیا ہے کہ جس طرح الضارب
الرجل اور الضاربک بالاتفاق جائز ہیں اور وہ
الضارب زید کی شکل ہیں لہذا یہ نہ ہوگا کہ الضارب
الرجل اور الضاربک تو جائز ہوں اور الضارب
زید ناجائز پس اس کا جواب مصنف یہ دیتے

القیاس عدم جوازہ لانتفاء التخفیف لزوال التنوین باللام لکنہ جاز حملا علی الوجہ المُختار فِی الحُسنِ الوَجْہِ وھو جر الوجہ بالاضافۃ وفیہ وجھان آخران رفعہ علی الفاعلیۃ ونصبہ علی التشبیہ بالمفعول ووجہ الحمل اشتراکھما فی کون المضاف صفۃ والمضاف الیہ جنسًا معرفین باللام وھذا الاشتراک مفقود بین الضارب زید والحسن الوجہ فقیاسہ علیہ قیاسٌ مع الفارق وَالضَّارِبُکَ یعنی انما جاز الضاربک مع ان القیاس عدم

عدم جواز تھا کیونکہ تخفیف نہیں کہ تنوین لام کی وجہ سے زائل ہوئی (نہ کہ اضافت کی وجہ سے) لیکن ((الحسن الوجہ میں)) وجہ ((مختار پر محمول کرنے کی وجہ سے)) جائز ہوا اور وجہ مختار اضافت کی وجہ سے الوجہ کی جر ہے (کہ جانب مضاف الیہ میں خفت حاصل ہے) اور اس (الحسن الوجہ) میں (اضافت کے علاوہ) دو اور طریقے ہیں (ایک تو) اس کا رفع ہے فاعل ہونے کی بنا پر اور (دوسری) اس کی نصب مفعول کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر (کہ الحسن لازم ہے مفعول بہ کو نصب نہیں دیتا لیکن فاعل مفعول بہ کے مشابہ ہے . . . . (فاعل یعنی الوجہ مفعول بہ کے مشابہ اس طرح ہے کہ الوجہ در اصل تمیز کے بمنزلہ ہے یعنی الحسن الوجہ بمنزلہ حسن وجہًا ہے اور تمیز مفعول کی طرح منصوب ہے) اور ((الضارب الرجل کو الحسن الوجہ پر) محمول کرنے کی وجہ دونوں ترکیبوں کا اس بات میں مشترک ہونا ہے کہ (دونوں میں) مضاف اور مضاف الیہ جنس ہے جبکہ دونوں (ترکیبوں میں) مضاف (صفت) اور مضاف الیہ (جنس) معرفہ بالام ہیں اور یہ اشتراک الضارب زید اور الحسن الوجہ میں مفقود ہے (حالانکہ فراء نے الضارب زید کو الضارب الرجل پر قیاس کیا ہے نہ کہ الحسن الوجہ پر مگر شارح نے الوجہ الحسن اس لئے کہا کہ الضارب الرجل کی اضافت قصدا واصالۃ نہیں بلکہ تبعا اور اس کو الحسن الوجہ پہ محمول کرنے کی وجہ سے تھی اس لئے وہ الضارب زید کے لئے مقیس علیہ نہیں بن سکتا تھا تو اس کا جواز بھی الحسن الوجہ پہ قیاس کی وجہ سے تھا لہذا الضارب زید کا الحسن الوجہ پہ کہ اصل ہے قیاس کرنا تھا جو کہ درست نہیں کما قال الشارح) پس الضارب زید کا (کہ درحقیقت الضارب الرجل کے واسطے سے) الحسن الوجہ پہ (ہے) قیاس مع الفارق ہے (کہ دونوں میں مناسبت نہیں کہ مضاف الیہ مجرد عن اللام ہے یا مضاف الیہ جنس نہیں ہے . . . . (اور ((الضاربک)) یعنی الضاربک جائز ہوا باوجودیکہ قیاس عدم جواز ہے بآں وجہ کہ شمارا معلوم شد

قاعدہ یہ ہے کہ جب جملہ صفت ہو تو اس میں موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہاں ضمیر نہیں لہذا یہ خلاف اصل ہونے کی وجہ سے قبیح اور غیر مختار ہے دوسری

وجہ اس میں یہ ہے کہ اس کو مفعول سے مشابہ قرار دے کر منصوب پڑھیں اور اس تشبیہ بالمفعول کی وجہ یہ ہے کہ یہ مفعول کی طرح کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوا ہے جیسا

کہ مفعول ہوتا ہے اس لئے کہ قول قائل زیدٌ حسن الوجہ میں زیدٌ حسنٌ باعتبار مبتدا وخبر واقع ہونے کے کلام تام ہے اور یہ عین مفعول اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ حسن لازم ہے مفعول کی حالت نہیں ہوتی پس مشتبہ بالمفعول اس کو قرار دیں گے مگر یہ بھی قبیح ہے اس لئے کہ الوجہ میں بالاصالۃ ہے اصالۃ کی وجہ سے اور نصب باعتبار تشبیہ بالمفعول کے ہوگا اور یہ تبعیۃ ہے اور اصالۃ اولیٰ ہوتی ہے تبعیۃ سے لہذا خلاف اصالۃ ہونے کی وجہ سے یہ بھی غیر مختار ہے اب رہی یہ بات کہ الضاربُ الرجل کو الحسنُ الوجہ پر کیوں محمول کیا گیا تو اس کا جواب ووجہ الحمل الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس حمل کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور الحسن الوجہ دونوں دو امروں میں مشارک ہیں ایک یہ کہ دونوں ترکیبوں میں مضاف صیغۂ صفۃ اور معرف باللام ہے دوسرے یہ کہ مضاف الیہ دونوں میں اسم جنس اور معرف باللام ہے اور یہ اشتراک الضارب زید اور الحسن الوجہ میں مفقود ہے پس الضارب زید کو الحسن الوجہ پہ قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں کوئی علۃ مشترکہ نہیں لہذا ترکیب الضاربُ زید ناجائز ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۲۸ قولہ والضاربک الخ یہ فراء کے استدلال ثالث کی شق ثانی والضاربک کا جواب ہے تقریبا استدلال کی وہی ہے جو کہ الضارب الرجل کی ہے اس کا جواب مصنف یہ دے رہے ہیں کہ اول تو جمہور نحاۃ اس ترکیب میں اضافۃ کے قائل نہیں کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مضاف نہیں اور نہ اضافت کے باعث کاف مجرور المحل ہے بلکہ یہ مفعولیۃ کی بنا پر منصوب المحل ہے اور اس کی تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے حذف ہوئی ہے نہ کہ اضافت کے سبب سے پس اس صورت میں اس میں الف لام بمعنی الذی

جوازه لما عرفت وَكذا شبهه وهو الضاربي والضاربه وغيرهما فِيمَن قَالَ اى فى قول من قال يعنى سيبويه واتباعه انّه اى الضارب فى الضاربك مُضَافٌ دون من قال انه غير مضاف والكاف منصوب المحل على المفعولية و التنوين محذوف لاتصال الضمير لا للاضافة فانه لا يحتاج جوازه الى حمل حَمْلاً اى لمحموليته عَلَى ضَارِبِكَ فاتحد فاعل المفعول له والفعل المعلل به اعنى جاز وبيانه انهم اذا وصلوا اسماء الفاعلين والمفعولين مجردةً عن اللام

((اور)) اسی طرح ((اس کے مشابہ)) اور وہ الضاربی اور الضاربہ وغیرھما ہیں ((اس شخص کے قول میں کہ جس نے کہا)) یعنی سیبویہ اور اس کے اتباع کے قول میں (یعنی سیبویہ اور اس کے اتباع کے قول میں الضاربک میں الضارب اور اس کے امثال یہ اضافت بقیہ ضمائر مضاف ہیں اور ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے ((کہ یہ)) یعنی الضاربک میں الضارب (وہکذا فی امثالہ) ((مضاف ہے)) اس شخص کے قول میں نہیں جو کہتا ہے (الضاربک اور اس کے امثال میں) الضارب مضاف نہیں اور کاف مفعول ہونے کی بنا پر منصوب المحل ہے (نہ کہ بنا پر اضافت مجرور المحل) اور ضمیر کے (المضاف کے ساتھ) اتصال کی وجہ سے تنوین (اس میں) محذوف ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے (کہ اس میں ہے ہی نہیں (اور اس شخص کے قول میں جو کہتا ہے کہ الضارب مضاف نہیں (اور اس شخص کے قول میں جو کہتا ہے کہ الضارب مضاف نہیں، کیونکر نہیں؟)) اس لئے کہ وہ اپنے جواز میں کسی پر محمول ہونے کا محتاج نہیں (کہ اس میں ضمیر منصوب ہے مجرور نہیں کہ اسے کسی پر محمول کرنے کی حاجت پڑے . . . . (ایں اشارہ است بجانب رد قیاس فراء کہ الضارب زید را بر الضاربک قیاس مے کند ایں رد بوجہ دیگر است و ہو منع کونہ مضافاً فکیف یحمل علیہ حاصلہ انہ لیس بمضاف فکیف یحمل علیہ . . . . . . اور الضاربک) اس کے ((ضاربک پر محمول ہونے کی وجہ سے)) (جائز ہے) پس مفعول لہ اور فعل معلل بہ یعنی جائز کا فاعل واحد ہو گیا (یعنی جائز کا فاعل الضاربک و شبہہ ہے اور محمول بھی یہی ہے) اور اس (الضاربک کے ضاربک پر محمول کرنے کے جواز) کا بیان یہ ہے کہ نحوی لوگ جب اسمائے فاعلین اور اسمائے

اور ضاربٌ بمعنی اَضْرِبُ ہوگا اور کاف مفعول بہ پس ان لوگوں کے قول کے موافق تو استدلال صحیح نہیں ہوگا، بلکہ جواز حمل کی احتیاج ہی باقی نہیں رہے گی کیونکہ یہ سرے سے اضافت کے ہی قائل نہیں دوسرے یہ کہ چونکہ اس جگہ اضافت بے فائدہ ہے اس لئے کہ اس سے تخفیف حاصل نہیں ہوتی لہٰذا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ یہ ترکیب اور اسی طرح اس کی مشابہ مثلاً الضاربی اور الضاربہ ناجائز ہوں گے مگر بایں ہمہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس جگہ اضافت ہے جیسا کہ سیبویہ اور اس کے اتباع کا مذہب ہے تب بھی فراء کا استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ وہ اس ترکیب کو ضاربک پر محمول ہونے کی وجہ سے جائز کہتے ہیں، اور ضاربک میں سقوط تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے نہ کہ اضافت کے سبب سے لہٰذا اس سے فراء کا استدلال درست نہیں ہوگا، اور الضارب زید کہنا جائز نہ ہوگا اب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ حملاً کی تفسیر ای لمحمولیتہ سے کرکے لام سے تو اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حملاً مفعول لہ ہے جائز کا اور محمولیتہ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ مفعول لہ میں شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل مذکور یعنی فعل معلل بہ دونوں کا فاعل ایک ہو اور یہاں ایسا ہے نہیں اس لئے کہ فعل معلل بہ یعنی جائز کا فاعل تو الضاربک ہے اور مفعول لہ یعنی حملاً کا فاعل متکلم اس لئے کہ حمل کرنیوالا متکلم ہی ہو سکتا ہے پس خلاف شرط ہونے کی وجہ سے اس کا مفعول لہ ہونا درست نہیں شارح نے جواب دیا کہ حمل مصدر اس جگہ مبنی للمفعول یعنی بمعنے محمول ہے اور محمول وہ ترکیب ہے، اور جائز کا فاعل بھی وہی ترکیب الضاربک ہے پس مفعول لہ اور فعل معلل بہ دونوں کا فاعل متحد ہو گیا اور کوئی اعتراض باقی

نہیں رہا اب رہی یہ بات کہ حملاً مصنف دو جگہ لائے ہیں مگر شارح نے اس کی تفسیر دوسری جگہ کی ہے حالانکہ پہلی جگہ کرنی چاہیئے تھی تاکہ ثانی کو اول پر قیاس کر لیا جاتا پس اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اگرچہ ایک کا بیان دوسرے کے بیان کو مستلزم ہے، اور اول جگہ اس کی تفسیر ہونی چاہیئے تھی مگر شارح نے اس خیال سے اول جگہ کو ترک کر دیا کہ پہلے کلام کے مقصود

اصلی سے فراغت حاصل ہو جائے پھر حل ترکیب کا بیان کریں گے جو کہ مقصود بالتبع ہے لہٰذا اب بعض معترضین کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہوگا کہ شارح سے اس جگہ بموجب الانسان مرکبٌ من الخطاء والنسیان غفلت اور سہو ہوا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۷۹ قولہ وبیانہ الخ اس جگہ سے شارح ضاربک پر الضاربک کے حمل کو بیان

بمفعولاتهما وكانت مضمراتٍ متصلاتٍ التزموا الاضافة ولم ينظروا الى تحقق تخفيف فقالوا ضاربك وان لم يحصل التخفيف بالاضافة بل بنفس اتصال الضمير ثم لما لم يعتبروا التخفيف في ضاربك وجوزوه بدونه حملوا الضاربك عليه لانهما من باب واحد حيث كان كل منهما اسم فاعل مضافا الى مضمر متصل محذوفا تنوينه قبل الاضافة لا للاضافة ولم يحملوا الضارب زيد عليه لانهما ليسا من باب واحد والدليل على ان سقوط التنوين في ضاربك لاتصال

مفعولین کو جبکہ مجرد عن اللام ہوں ان کے مفعولات کے ساتھ ملاتے ہیں اور وہ مفعولات ضمائر متصلہ ہوں تو انہوں نے (ان اسمائے فاعلین واسمائے مفعولین میں سے ہر ایک کی اس کے مفعول متصل مضمر کی طرف) اضافت کا التزام کر لیا ہے اور انہوں نے تخفیف کے تحقق کی طرف نظر نہیں کی لہذا انہوں نے ضاربک کہا (ومضروبک وضاربہ وضاربی وغیرہا مثنیٰ ومجموعا) اگرچہ (احد الجانبین میں) اضافت سے کوئی تخفیف حاصل نہیں ہوئی بلکہ (تخفیف جانب مضاف میں) محض ضمیر کے اتصال سے (حاصل ہوئی) ہے (کہ اتصال اضافت سے مقدم ہے) پھر جب نحویوں نے ضاربک میں تخفیف کا اعتبار نہیں کیا اور اس (ضاربک وشبہہ) کو تخفیف کے بغیر جائز رکھا تو انہوں نے الضاربک (وشبہہ) کو (بدون تخفیف جائز ہونے میں) ضاربک پر محمول کیا کیونکہ ضاربک اور الضاربک ایک باب سے ہیں کیونکہ دونوں (مضاف ومضاف الیہ) اسم فاعل (بروزن فاعل) اور ضمیر متصل کی طرف مضاف ہیں (اور یہ دونوں ایسے اسم فاعل ہیں) جن کی تنوین اضافت سے قبل محذوف ہے اضافت کی وجہ سے (حذف) نہیں ہوئی اور نحویوں نے الضارب زید کو ضاربک پر اس لئے محمول نہیں کیا کہ الضارب زیدا ور ضاربک باب واحد سے نہیں ہیں (کہ اول میں مضاف معرفہ بالام اور مضاف الیہ اسم ظاہر اور ثانی میں مضاف معرفہ بالام نہیں اور مضاف الیہ ضمیر متصل ہے اسم ظاہر نہیں فافترقا) .... اور اس بات

کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نحاۃ کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ اسم فاعل یا اسم مفعول مجرد عن اللام کو اپنے مفعول ضمیر متصل سے ملاتے ہیں تو وہ مفعول کی طرف اضافۃ کا تو التزام کرتے ہیں اگر اضافۃ سے تحقق تخفیف کی طرف ان کی نظر نہیں ہوتی پس ضاربؐ اسم فاعل کے ساتھ جب اس کے مفعول ضمیر منصوب متصل کا الحاق کیا گیا تو ضاربک کہیں گے اضافۃ کے ساتھ اور یہ اضافۃ اس جگہ جائز ہے اگرچہ اضافت سے تخفیف حاصل نہ ہو بلکہ محض اتصال ضمیر سے حاصل ہو

جائے یعنی اس جگہ اضافت فائدہ تخفیف کے لئے نہیں ہے کیونکہ تخفیف تو اتصال ضمیر سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے کہ ضمیر متصل کے ساتھ تنوین کا اجتماع ناجائز ہے کیونکہ تنوین سے انفصال کا پتہ چلتا ہے، اور ضمیر متصل اتصال پر دلالت کرتی ہے پس جب ضاربک میں باوجود التزام اضافت کے تخفیف کی طرف التفات نہیں اور بغیر حصول تخفیف کے اس کو جائز قرار دے دیا گیا تو الضاربک میں بھی تخفیف کا لحاظ نہیں کیا جائے گا اور اس کو

ضاربک پر محمول کریں گے اس لئے کہ دونوں ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ تعلق یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایسا اسم فاعل ہے کہ جس کی تنوین قبل الاضافت محذوف ہے نہ کہ اضافۃ کی وجہ سے اور ہر ایک اسم فاعل ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے اب اگر فراد یہ کہے کہ میں الضاربؐ زید کو الضاربک کی طرح ضاربک پر محمول کرتا ہوں تاکہ الضاربؐ زید بھی بلا تخفیف کے صحیح ہو جیسا کہ ضاربک میں تخفیف مدِ نظر نہیں تو جواب یہ ہے کہ الضاربؐ زید کو اس پر محمول نہیں کر سکتے اس لئے کہ دونوں باب واحد سے نہیں کیونکہ الضاربؐ زید میں اسم فاعل کی اضافت ضاربک کی طرح ضمیر متصل کی طرف نہیں بلکہ اسم مظہر کی طرف ہے پس جب یہ دونوں ایک باب سے نہیں تو الضارب زید کو الضاربک پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہوگا، اور یہ ناجائز ہے۔ ۱۲

نٓ۵ قولہ والدلیل الخ اب رہا یہ امر کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ سقوط تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے اضافت کے سبب سے نہیں تو اس کا جواب شارح انہ لو سقطت بالاضافۃ الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگر تنوین اضافۃ کی وجہ سے ساقط ہوتی تو مناسب یہ تھا کہ حصول تنوین کا اولاً ایسے طریقہ پر تصور کیا جاتا کہ اسم فاعل پر تنوین کے ساتھ ضمیر منصوب بالمفعولیۃ کو اسم فاعل سے منفصل لاکر ضاربٌ ک کہتے پھر سقوط تنوین کے ساتھ اسم فاعل کی اضافۃ کاف کی طرف کر کے ضاربک کہا جاتا جیسا کہ ضاربٌ زید کا تصور اولاً ضاربٌ زید اُ کے ساتھ کیا جاتا ہے پھر اسم فاعل کو مضاف کر کے ضاربُ زید کہا جاتا ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ ضاربک کا تصور ضاربٌ کَ کے ساتھ ہرگز نہیں کیا جاتا پس معلوم ہو گیا کہ یہ تنوین اتصال کاف کی وجہ سے حذف ہوئی ہے، اضافۃ کے سبب سے نہیں واللہ اعلم۔

الکاف لا للاضافة انها لو سقطت بالاضافة لکان ینبغی ان یتصور ذلک اولاً علی وجه یکون الضمیر منصوباً بالمفعولیة ثم یضاف ویقال ضاربک کما یتصور ضاربٌ زیداً ثم یضاف ویقال ضارب زید ولن یتصور ضاربٌ لک فعلم انها سقطت لاتصال الکاف لا للاضافة وللقائل ان یقول لم لا یجوز ان یکون اصل ضاربک ضاربٌ ایاک للفصل بالتنوین ثم لما اضیف حذف التنوین وصار الضمیر المنفصل متصلاً فصار ضاربک وحصل التخفیف جداً ثم حمل الضاربک علیه لانهما من باب واحدٍ حیث کان کل منهما اسم فاعل مضافاً الی مضمر متصل من غیر اعتبار حذف تنوینهما قبل الاضافة لا للاضافة ولم یحملوا الضارب زید علیه لانهما لیسا من باب واحد واعلم انا حملنا قوله وضعف الواهب المائة الهجان و

کی دلیل کہ ضاربک میں تنوین کا سقوط اتصالِ (ضمیر مثلاً) کاف کی وجہ سے ہے اضافت کی وجہ سے نہیں یہ ہے کہ اگر تنوین اضافت کیوجہ سے ساقط ہوتی تو مناسب ہوتا کہ اس تنوین (کے وجود وحصول) کا پہلے ایسے طور پر تصور کیا جاتا کہ (کاف) ضمیر (منفصل ہوکر) مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہوتی (اور ضاربکَ بہ تنوین باموحدہ ہوتا) پھر صفت کو (اسقاط تنوین کرکے) مضاف کیا جاتا اور ضاربک (بہ حذف تنوین بہ اضافت) کہا جاتا جیسے ضارب زیداً متصور ہوتا ہے پھر مضاف کیا اور کہا جاتا ہے ضاربُ زید (بہ اضافت) حالانکہ (انفصال کی صورت میں باموحدہ کی تنوین کے ساتھ) ضاربک کا ہرگز تصور نہیں کیا جاسکتا تو معلوم ہوا کہ تنوین کاف ضمیر کے اتصال کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت سے نہیں اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ کیونکر نہیں ہوسکتا کہ ضاربک کی اصل تنوین کے ساتھ فصل کی وجہ سے ضاربٌ ایاک ہو (لما مران التنوین یمنع الاتصال کسائر موانعہ) پھر جب ضارب کو کاف ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا تو اس کی تنوین حذف کردی گئی اور ضمیر منفصل متصل ہوگئی پس ضاربک ہوگیا اور قطعی طور پہ تخفیف حاصل ہوگئی پھر الضاربک کو (اگرچہ اس میں جانبین سے کوئی تخفیف قطعاً حاصل نہیں ہوئی) ضاربک پہ محمول کیا گیا کیونکہ دونوں باب واحد سے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہرایک اسم اور ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے (اور الضاربک کو ضاربک پر محمول کیا جائے) ان دونوں کی تنوین کے حذف قبل الاضافة لا للاضافة کا اعتبار کئے بغیر اور نحویوں نے ضاربک پر الضارب زید کو اس لئے محمول نہ کیا کہ دونوں باب واحد سے نہیں ہیں۔ اور معلوم ہو کہ ہم نے بعض شارحین

۵۱ قولہ ولقائل الخ یہ ایک اعتراض ہے جو تقریر مذکورہ بالا پر وارد ہوتا ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ ضاربک کی اصل ضاربٌ ایاک تنوین کی وجہ سے فصل کے ساتھ ہو پھر جب ضاربٌ کی اضافت کی گئی تو تنوین حذف کردی گئی اور ضمیر منفصل متصل ہوگئی پس ضاربک ہوگیا، اور اس سے بہت زیادہ تخفیف حاصل ہوگئی مضاف میں تو اس لئے کہ تنوین حذف ہوئی ہے، اور مضاف الیہ میں اس لئے کہ ضمیر منفصل متصل سے تبدیل ہوگئی جو کہ منفصل سے اخف ہے پھر الضاربک کو ضاربک پر محمول کردیا گیا اگرچہ اس میں جانبین سے قطعاً تخفیف نہیں پائی جاتی، اور اس حمل کی وجہ یہ ہوگی کہ دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں یعنی دونوں میں مضاف اسم فاعل ہے اور ضمیر متصل کی طرف اس کی اضافت ہو رہی ہے، پھر یہ کہ اس حمل کے ساتھ اس چیز کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ ان کی تنوین قبل الاضافت حذف ہوئی ہے اضافة کی وجہ سے نہیں اور نہ اس چیز کا لحاظ ہوگا کہ الضاربُ زید کو اس پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ دونوں باب واحد سے نہیں پس جب ایسا ہوسکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اہل عرب سے قبل الاضافة ضاربٌ ایاک ضرور سنا جاتا حالانکہ کسی سے بھی ایسا نہیں سنا گیا لہٰذا خلاف سماع ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ضاربک اور کلام ہے اور ضاربٌ ایاک اور یعنی اول میں اتصال حقیقی پایا جاتا ہے اور ثانی میں انفصال حقیقی پس ایک کو دوسرے سے تبدیل کردینا خلاف مشہور ہے لہٰذا دونوں کو اپنی اصل حقیقت پر چھوڑ دیا جانے گا اور ضاربٌ ایاک میں اضافت جائز نہ ہوگی کہ بوقت اضافت ضمیر منفصل کو متصل سے تبدیل کرسکیں لہٰذا توجیہ مذکورہ بالا صحیح نہیں تیسرا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ضاربک کی اصل ضاربٌ ایاک ہے اس لئے کہ استدلال ظاہر سے ہوتا ہے اور ظاہر ضاربک ہے ضمیر متصل کے ساتھ لہٰذا اس کی اصل ضاربٌ ایاک قرار دینا ظاہر سے عدول کرنا ہے اور ناجائز ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۲ قولہ واعلم الخ اس سے شارح کا منشا اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جس طرح

عبدھا، وقولہ الضارب الرجل والضاربک حملا علی نظیریھما علی الاجوبۃ عن استدلالات الفراء علی جواز الضارب زید عن جانب المصؒ علی موافقۃ بعض الشارحین ولك ان تجعل کل واحدۃٍ منھا اشارۃً الی مسألۃ علی حدۃٍ مناسبۃ للحکم بامتناع الضارب زید فمعنی قولہ وضعف بالواھب المائۃ الھجان وعبدھا انہ ضعف عطف المجرد عن اللام علی المحلی بہ المضاف الیہ صفۃ مصدرۃ باللام لانہ بتوسط العطف یصیر مثل الضارب زید کما عرفت وانما[۵۳] لم یحکم علیہ بالامتناع بل بالضعف لانہ قد یحتمل فی المعطوف مالا یحتمل فی المعطوف علیہ وحینئذٍ یندفع ما فیہ من توھم شائبۃ المصادرۃ علی المطلوب علی التقدیر

(یعنی شارح رضی) کی موافقت پر مصنف کے قول وضعف الواھب المائۃ وعبدھا اور اس کے قول الضارب الرجل اور الضاربک کو ان دونوں کی نظیروں پر حمل کرکے الضارب زید کے جواز پر فراء کے استدلالات کے خلاف) جوابات پر محمول کیا اور تم ایسا کرسکتے ہو کہ ان مثالوں میں سے ہر ایک مثال کو الضارب زید (مثال) کے ناجائز ہونے کے حکم کے لئے ایک مناسب الگ مسئلہ کی طرف اشارہ قرار دو پس مصنف کے قول وضعف الواھب المائۃ الہجان و عبدھا میں ضعف) کا معنی یہ ہے کہ (اسم مجرد عن اللام (کہ معطوف علیہ کی ضمیر کی طرف مضاف ہے یعنی عبدھا) کا (اسم) محلی باللام کہ جس کی طرف (صیغۂ) صفت (الواہب) مصدر بالام مضاف ہے پر عطف ضعیف ہے۔ کیونکہ کلام توسط عطف کی وجہ سے جیسا کہ تم نے معلوم کرلیا الضارب زید کے مثل ہو جائے گا۔ اور (رہا یہ سوال کہ) مصنف نے (بایں ہمہ) اس پر ناجائز ہونے کا حکم نہیں لگایا بلکہ (اس کے) ضعف کا لگایا اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی معطوف میں وہ بات برداشت کی جاتی ہے جو معطوف علیہ میں نہیں کی جاتی (یعنی کبھی معطوف میں وہ کچھ روا ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں نہیں ہوتا کہ کسی شئ پر عطف ڈالنے سے لازم نہیں آتا کہ معطوف تمام امور میں معطوف علیہ کے مثل ہو) اور اس وقت مصنف کے قول (وضعف الواھب المائۃ الخ) میں جو (اعتراض) ہے یعنی بر تقدیر اول (یعنی علی کونہ جوابا عن استدلال الفراء علی جواز الضارب زید حیث لم یجعل جوابا عن استدلال الفراء حتی یلزم المصادرۃ علی المطلوب لانہا انما نشأت من حملہ علی الجواب عن استدلال الفراء بہ) مصادرۃ علی المطلوب کے شائبہ کا توہم مندفع ہو جاتا ہے ....
...... (شارح کے کلام یندفع ما میں جو لفظ ما ہے "من توہم الخ" اس کا بیان

جواز پر استدلالات فراء سے مصنف کی جانب سے جوابات پر محمول کیا جیسا کہ بعض شارحین اس بات کے موافق ہیں مثلاً شارح رضی لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ہر ایک کو ایک علیحدہ مسئلہ کی طرف اشارہ قرار دیا جائے جو کہ امتناع الضارب زید کے حکم کے مناسب ہو یعنی ہر ایک مسئلہ امتناع الضارب زید کی طرح اس مسئلہ کے امتناع پر دلالت کرے پس قول اول وضعف الواھب الخ سے ہم یہ مسئلہ مستنبط کریں گے کہ مجرد عن اللام کا عطف ایسے معرف باللام پر ناجائز ہے کہ جس کی طرف ایسی صفہ مضاف ہو رہی ہو کہ جس پر الف لام داخل ہو اس لئے کہ عطف کی صورت میں وہ کلام الضارب زید کی طرح ہو جائے گا۔ اور الضارب زید جیسا کہ معلوم ہو چکا ناجائز ہے لہٰذا یہ بھی ناجائز ہوگا تفصیل مقام کی یہ ہے کہ الواہب المائۃ الہجان وعبدھا میں عبدھا معطوف ہے اور یہ مجرد عن اللام ہے، اور اس کا عطف المائۃ پر ہو رہا ہے کہ معرف باللام بھی ہے اور صفۃ معرف باللام یعنی الواہب کا مضاف الیہ بھی پس اس قسم کا عطف ناجائز ہے اس لئے کہ جو حکم معطوف علیہ کا ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے پس جب معطوف علیہ پر الواہب داخل ہو رہا ہے تو عبدھا معطوف پر بھی یہ داخل ہوگا پس الواہب عبدھا ہو جائے گا، اور عبدھا معرفہ ہے جیسا کہ الضارب زید میں زید پس الواہب عبدھا الضارب زید کی مثل ہو جائے گا، اور الضارب زید ممتنع ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۵۳ قولہ وانما لم یحکم الخ اس سوال پیدا ہوا کہ الضارب زید کا تو امتناع ثابت ہے اور الواہب المائۃ اسی پر متفرع ہے لہٰذا یہ بھی ممتنع ہوا حالانکہ مصنف نے اس پر امتناع کا حکم نہیں لگایا بلکہ ضعف کا حکم لگایا ہے پس اس کی کیا وجہ ہے اس کا جواب لانہ قد یحتمل الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات معطوف میں وہ امر جائز ہوتا ہے،

اقوال مذکورہ کو فراء کے استدلال کے جواب میں پیش کیا جا سکتا ہے اسی طرح ہر ایک قول ایک مستقل سوال مقدر کا جواب ہو سکتا ہے، چنانچہ اسی کو شارح کہتے ہیں کہ ہم نے قول

مصنف وضعف الواہب المائۃ الہجان وعبدھا اور الضارب الرجل والضاربک دونوں کو ان کی نظیر دل الحسن الوجہ وضاربک پر حمل کرتے ہوئے تینوں قولوں کو الضارب زید کے

الاوّل وارجاع کل من الصورتین الاخیرتین الی مسالۃ ظاھر ویتضمن الرد علی الفراء فی الاستدلال بھما ولا یُضَافُ مَوْصُوفٌ اِلیٰ صِفَتِہٖ مع بقاء معنی المفاد بالترکیب الوصفی بحالہ لان لکل من ھیأتی الترکیب الوصفی والاضافی معنی آخر لا یقوم احدھما مقام الآخر ولھذا المعنی بعینہ لا تضاف صِفَۃٌ

ہے) اور دو آخری صورتوں میں سے ہر ایک کا مسئلہ علیحدہ کی طرف لوٹانا ظاہر اور دونوں مثالوں (یعنی الضارب الرجل اور الضاربک) سے استدلال کرنے میں فراء پر رد کو متضمن ہے ((اور موصوف کو اس کی صفت کی طرف مضاف نہیں کیا جائے گا)) مع آنکہ ترکیب وصفی سے جو معنی مستفاد ہے وہ اپنے حال پر باقی رہے (بلکہ وہ معنی زائل ہو جائے گا) کیونکہ ترکیب وصفی اور ترکیب اضافی دونوں ہیئتوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ معنی ہے جو کہ ان میں سے کوئی دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا ((اور)) بعینہ اسی وجہ سے ((نہ صفت کی اس کے موصوف

جو معطوف علیہ میں جائز نہیں ہوتا کما مر لہٰذا اس گنجائش کی بنا پر الواہب المائۃ الخ پر امتناع کا حکم نہیں لگائیں گے بلکہ ضعیف قرار دیدیں گے پھر وحینئذ الخ سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب ان اقوال سے مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہوگا تو وضعف الواہب الخ کی تفسیر میں شارح کے قول اول پر شائبہ مصادرۃ علی المطلوب کا شبہ وارد ہوتا تھا وہ وارد نہیں ہوگا کیونکہ پھر توقف شئی علی نفسہ لازم نہیں آئے گا اس لئے کہ اس کا تعلق استدلال فراء کے جواب سے نہیں رہے گا بلکہ یہ علیحدہ ایک مستقل مسئلہ بن جائے گا واللہ اعلم۔

۵۴ قولہ وارجاع الخ مسئلہ اولیٰ کی طرف شارح نے اشارہ کر کے اخیر کی صورتین کو ترک کر دیا اس لئے کہ ان سے مسئلہ کا استنباط بالکل ظاہر ہے اول صورت یعنی الضارب الرجل سے استنباط مسئلہ کی تفصیل تو یہ ہے کہ وصف معرف باللام کی اضافت اسم معرف باللام کی طرف الحسن الوجہ کی وجہ مختار پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے اگرچہ اس اضافت سے فائدہ تخفیف حاصل نہ ہو اور الضارب زید اس کی مثل سے نہیں اور وہ ناجائز ہے لہٰذا عدم مماثلت کی وجہ سے الضارب الرجل جائز ہوگا اور الضارب زید کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے پس ایک مسئلہ کے استنباط کیساتھ فراء کے استدلال کا بھی رد ہو گیا اب رہی صورت ثانی یعنی الضاربک تو اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ وصف معرف باللام کی اضافت ضمیر کی طرف بغیر افادہ تخفیف کے ایسی صفت پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے کہ جو مجرد من اللام اور ضمیر کی طرف مضاف ہو اور وہ ضاربک ہے پھر چونکہ الضارب زید اس کی مانند بھی نہیں لہٰذا فراء اس کو بھی اپنے استدلال میں پیش نہیں کر سکتے ورنہ قیاس مع الفارق لازم آئیگا پس اس سے بھی مستقل مسئلہ کے استنباط کے ساتھ فراء کا رد ہو گیا اسی طرف شارح نے

ویتضمن الرد الخ سے اشارہ کیا ہے واللہ اعلم

۵۵ قولہ ولا یضاف الخ یہاں سے مصنف ایک قاعدہ کلیہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ موصوف کی اضافت اپنی صفت کی طرف نہیں کی جا سکتی درانحالیکہ اضافت کے ساتھ وہ معنی بھی بحالہ ملحوظ رہیں جو ترکیب وصفی سے حاصل ہوتے ہیں اس لئے کہ ترکیب وصفی اور ترکیب اضافی دونوں کے جدا جدا معنی ہیں جب ترکیب اضافی مقصود ہوگی تو ترکیب وصفی مراد نہیں ہو سکتی اور جب ترکیب وصفی ملحوظ ہوگی تو ترکیب اضافی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ معنی ترکیب وصفی کے تو یہ ہیں کہ اتحاد فی المعنی اور اتفاق فی الاعراب وغیرہ ہو نیز یہ کہ ثانی اول کے تابع ہو اور ترکیب اضافی کے معنی یہ کہ ثانی معنی اور اعراب وغیرہ میں اول کے مغایر ہو نیز یہ کہ مضاف اور مضاف الیہ میں بواسطہ حرف جر اتصال ہوتا ہے پس موصوف اپنی صفت کی طرف معنی وصفی کی بقاء کے باوجود مضاف نہیں ہو سکتا نیز اس لئے کہ صفت حقیقت میں عین موصوف ہوتی ہے اور مضاف الیہ مضاف کے مغائر ہوتا ہے پس اگر موصوف کو اس کی صفت کی طرف مضاف کریں تو عینیت میں غیریت

لازم آئے گی اور یہ باطل ہے اور جو امر باطل کو مستلزم ہوتا ہے وہ خود باطل ہوتا ہے لہٰذا موصوف کا اپنی صفت کی طرف مضاف ہونا باطل ہے یا یہ کہا جائے کہ موصوف سے دو حال سے خالی نہیں ہوتا صفت سے اخص ہوتا ہے یا اس کے مساوی اور مضاف الیہ سے مضاف نہ تو اخص ہوتا ہے یا اس کے مساوی اسلئے کہ اول صورت میں استکمال اعلیٰ کا ادنیٰ سے لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں اور ثانی صورت میں تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور اس اضافت سے کوئی فائدہ نہیں لہٰذا موصوف کا اپنی صفت کی طرف مضاف ہونا جائز نہیں

واللہ اعلم

۵۶ قولہ ولہٰذا المعنی الخ یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ ترکیب وصفی کی ہیئت ترکیب اضافی کی ہیئت کے مغایر ہوتی ہے، اور ہر ایک کے معنی جدا جدا ہوتے ہیں تو صفت بھی اپنے موصوف کی طرف مضاف نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں اعتراضات بالا کے علاوہ تابع کی فوقیت متبوع پر لازم آئے گی، اور یہ ناجائز ہے پس ترکیب وصفی کو ترکیب اضافی سے بدل کر نہیں المسجد الجامع کے معنی مراد لیتے ہوئے

اِلیٰ مَوْصُوفِہَا فلا یقۃ مسجد الجامع بمعنی المسجد الجامع وجردُ قطیفۃٍ بمعنی قطیفۃ جرد خلافًا للکوفیۃ فان مسجد الجامع عندہم بمعنی المسجد الجامع و جرد قطیفۃٍ بمعنی قطیفۃ جرد من غیر فرق وَیرِدُ[۵۷] علی القاعدۃ الاولی وھو

قولہ لایضاف موصوف الی صفتہ مِثْلُ مَسْجِدِ الْجَامِعِ وَجَانِبِ الْغَرْبِیِّ وَ صَلٰوۃِ الْاُوْلٰی وَبَقْلَۃِ الْحَمْقَاءِ فان فی کل واحد من ہذہ التراکیب اضیف موصوف الی صفتہ فان الجامع صفۃ المسجد والغربی صفۃ الجانب والاولی صفۃ الصلوۃ والحمقاء صفۃ البقلۃ وقد اضیف الیہا موصوفاتہا واجیب بان مثل ہٰذہ الترکیب مُتَاَوَّلٌ فمسجد الجامع متاول بمسجد الوقت الجامع وذلک یحتمل معنیین احدہما ان یکون الوقت مقدرا فی نظم الکلام ویکون المسجد مضافا الیہ والجامع صفۃً للوقت فیندفع الایراد بوجہین فان الجامع لیس

کی طرف)) اضافت کی جائے گی لہٰذا مسجد الجامع "المسجد الجامع" اور جرد قطیفۃ "قطیفۃ جرد" کے معنی میں نہیں کہا جائے گا۔ بخلاف کوفیہ کے برعکس کہ ان کے نزدیک بلا فرق مسجد الجامع المسجد الجامع اور جرد قطیفۃ، قطیفۃ جرد کے معنی میں ہے ((اور)) قاعدۂ اولی یعنی لا یضاف موصوف الی صفتہ پر ((مسجد الجامع اور جانب الغربی اور صلوۃ الاولی اور بقلۃ الحمقاء کے مثل)) کا اعتراض وارد ہوتا ہے، کہ ان تمام ترکیبوں میں سے ہر ایک ترکیب میں موصوف کی اس کی صفت کی طرف اضافت کی گئی ہے کہ الجامع مسجد کی اور الغربی جانب کی اور الاولی صلوۃ کی اور الحمقاء بقلہ کی صفات ہیں جبکہ ان صفات کی طرف ان کے موصوفات کی اضافت کی گئی ہے۔ اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ترکیب ((مؤول ہے)) پس مسجد الجامع، مسجد الوقت الجامع سے مؤول ہے اور یہ تاویل دو معنوں کی محتمل ہے ایک یہ کہ نظم کلام میں "الوقت" مقدر ہو اور مسجد اس کی طرف مضاف اور الجامع وقت کی صفت ہو تو اعتراض مذکور دو طرح مندفع

مسجد الجامع نہیں کہہ سکتے اس طرح قطیفۃ جرد کے جرد قطیفۃ کا استعمال نہیں کر سکتے ان میں سے پہلی مثال اضافۃ موصوف الی الصفۃ کے عدم جواز سے متعلق ہے اور ثانی اضافۃ صفۃ الی الموصوف کے عدم جواز سے اور اس میں کوفیہ کا خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں کا استعمال اضافۃ کے ساتھ بغیر کسی فرق کے کیا جا سکتا ہے اور دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ اضافۃ تخفیف کے لئے کی جاتی ہے پس جب اضافت سے

فائدہ تخفیف حاصل ہو تو اضافت بہر صورت کیف ما کان جائز ہے پس مسجد الجامع میں تو تخفیف حذف لام تعریف کے ساتھ ہوگی اور جرد قطیفہ میں حذف تنوین کے ساتھ اور دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ اہل عرب بھی اس طرح استعمال کرتے ہیں واللہ اعلم۔

۵۵۷ قولہ ویرد الخ قاعدہ اولی ولا یضاف موصوف الی صفتہ پر کوفیہ کی جانب سے بصریہ اعتراض کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے اس لئے کہ اہل عرب سے اس کے خلاف سنا جاتا ہے جیسے مسجد الجامع جانب الغربی، صلوۃ الاولی اور بقلۃ الحمقاء کہ ان میں سے ہر ایک ترکیب میں موصوف کی اضافت اس کی صفت کی طرف کی گئی ہے اس لئے کہ الجامع المسجد کی صفۃ ہے اور الغربی الجانب کی اور الاولی صفت ہے الصلوٰۃ کی اور الحمقاء البقلۃ کی حالانکہ ان کے موصوف ان کی طرف مضاف ہیں اس کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ اس جیسی تراکیب متاول ہیں پس مسجد الجامع متاول ہے مسجد الوقت الجامع کے ساتھ یعنی اس کی اصل مسجد الوقت الجامع تھی اس لئے کہ انسانوں کا جمع کرنے والا نماز کا وقت ہے مسجد نہیں ورنہ تمام اوقات میں انسان مسجد میں جمع رہا کرتے اور یہ باطل ہے پس اس اصل کی بنا پر ان میں دو معنی کا احتمال ہے ایک یہ کہ وقت نظم کلام میں مقدر مانا جائے اور مقدر کالمذکور ہوتا ہے پس لفظ مسجد الوقت کی طرف مضاف ہوگا اور الجامع وقت کی صفت پس ایراد مذکور دو وجہوں سے مندفع ہو جائے گا اول تو اس وجہ سے کہ الجامع مسجد کا مضاف الیہ نہیں ہوگا اور ثانی اس وجہ سے کہ مضاف کی صفت واقع نہیں ہوگا بلکہ الوقت کی صفت ہوگا اور دوسرا احتمال یہ کہ الوقت اس جگہ محذوف مانا جائے اور الجامع اس محذوف کے قائم مقام کہ وہ وقت پر مشتمل ہو پس اس وقت الجامع جو کہ موصوف کے قائم مقام ہو کر معنیٔ وقت پر مشتمل ہوگا تو یہ بمنزلہ صفات غالبہ کے ہوگا اس لئے کہ جب غیر موصوف کے لئے کسی صفۃ کو کسی علاقہ کی وجہ سے صفۃ قرار دیا جاتا ہے، تو وہ بمنزلہ صفات غالبہ یعنی مجازیہ کے ہوتی ہے جیسا کہ الحکیم اور العظیم قرآن کی صفۃ قرار دیئے گئے ہیں کما فی قولہ تعالیٰ والقرآن الحکیم ایسے ہی والقرآن العظیم حالانکہ درحقیقۃ ان کا موصوف صاحب قرآن یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے پس

مضافا الیه ولا صفة للمضاف وثانیهما ان یکون الوقت محذوفا والجامع قائمًا
مقامه منطویا علیه فیکون بمنزلة الصفات الغالبة فیضاف المسجد الیه فیندفع
الایراد بوجه واحد وهو ان الجامع لیس صفة للمضاف وعلی هذا القیاس صلوة
الاولی وبقلة الحمقاء متاول بصلوة الساعة الاولی وبقلة الحبة الحمقاء علی
الاحتمالین المذکورین لکن هذا[۵۸] التاویل لا یتمشی فی جانب الغربی فانه لاشك
ان المقصود توصیف الجانب بالغربیة لا توصیف مکان هو جانبه بها اللهم
الا ان یقال هناك مکانان جزء وکل فالمکان الذی اضیف الیه الجانب هو الجزء

ہوجاتا ہے (اول) یہ کہ الجامع مسجد کا مضاف الیہ ہے ہی نہیں اور مضاف کی صفت ہے اور ثانیا یہ کہ "الوقت" محذوف ہو اور "الجامع" (کہ الوقت کی صفت ہے) اس (موصوف) کے قائم مقام اور اس پر مشتمل ہو پس الجامع (کہ موصوف کے قائم مقام ہے) صفات غالبہ کے بمنزلے ہوگا کہ صفات جب کسی علاقہ سے غیر موصوف کے لئے قرار دی جائیں تو وہ صفات غالبہ کے بمنزلے ہوتی ہیں یعنی غیر موصوف میں صفات مجازیہ قرار پاتی ہیں جیسے یٰسٓ والقرآن الحکیم اور والقرآن العظیم میں حکیم اور عظیم قرآن کی صفت واقع ہوئے ہیں کہ حکم وعظم سے در حقیقت صاحب قرآن ہی متصف ہے .... تو المسجد (موصوف) کی الجامع کی طرف اضافت کردی گئی (بعد ازاں کہ المسجد کے لام کو حذف کر دیا گیا) لہذا اعتراض (مذکور) ایک طرح سے کہ الجامع مضاف کے لئے صفت ہی نہیں مندفع ہوگیا۔ اور اسی قیاس پر صلوۃ الاولی اور بقلۃ الحمقاء صلوۃ الساعۃ الاولی اور بقلۃ الحبۃ الحمقاء کے ساتھ دو مذکورہ احتمالوں کی بنا پر مؤول ہے لیکن یہ تاویل جانب الغربی میں نہیں چلے گی کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مقصود جانب کی غربی ہونے کے ساتھ توصیف ہے (یعنی ایسی جانب جو غربی ہے) مکان کی توصیف نہیں جس کی جانب غرب میں ہے (جس کا معنی ہوگا ایسے مکان کی جانب جو غرب کی طرف منسوب ہے بلکہ اس سے مراد ہے وہ جانب ... جو غرب کی طرف منسوب ہے) اے اللہ (میرا مواخذہ نہ کرنا کہ میرا پہلا کلام غیر تام ہے بلکہ استثناء کا محتاج ہے اس لئے میں استثناء کرتا ہوں) مگر یہ کہا جائے کہ یہاں (یعنی جانب الغربی میں) دو مکان ہیں ایک تو جزء ہے (جو مشمول ہے) اور دوسرا کل (جو اس جزء کو شامل ہے) سو جس مکان کی طرف جانب کی اضافت کی گئی ہے وہ جزء ہے (وہو الموصوف وہو لا یغایر الجانب ......) رہا یہ سوال کہ مکان سے مراد اگر جزء ہو تو مضاف و مضاف

اسی طرح اس جگہ بھی الجامع کا موصوف الوقت ہے حقیقۃً مگر مجازی طور پر اس کو مسجد کی صفت قرار دے دیا گیا پھر اسی حقیقۃ کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ مسجد اصل میں موصوف نہیں ہے بلکہ مضاف ہے مسجد کو الجامع کی طرف مضاف کر دیا گیا پس اس صورت میں بھی اعتراض مذکور مندفع ہو گیا و علی ہذا القیاس صلوۃ الاولی وبقلۃ الحمقاء، صلوۃ الساعۃ الاولی اور بقلۃ الحبۃ الحمقاء کے ساتھ متاول ہیں پس قاعدہ کلیہ علی حالہ باقی ہے واللہ اعلم۔

۵۸ قولہ لکن ہذا التاویل الخ تاویل مذکور مسجد الجامع وغیرہ امثلہ میں تو جاری کر لی گئی مگر یہ تاویل جانب الغربی میں نہیں چل سکتی، اور جانب المکان الغربی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس سے جانب کی وصفیۃ غربیۃ کے ساتھ بیان کرنی مقصود ہے نہ کہ اس مکان کی وصفیۃ کردہ جانب اس کی جانب ہے اور یہ جانب کی وصفیۃ غربیۃ کے ساتھ اس وجہ سے بیان کرنی مقصود ہے کہ جانب اسم جنس ہے اگرچہ معرف باللام ہے پس اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جانب یمین مراد ہو یا یسار ایسے ہی جانب شرق یا غرب پس اس تعمیم کی وجہ سے ہم کو اپنے حصول مقصد کے لئے لا محالہ کسی ایک سمت کے ساتھ جانب کو مخصوص کرنا پڑا پس ہم نے جانب الغربی کہا تو دوسری سمتوں کی اس سے نفی ہو گئی پس جب اس تاویل مذکورہ کے اعتبار سے ہم اس کا موصوف المکان محذوف نکالیں گے تو غربیۃ جانب کی صفت نہیں رہے گی، بلکہ مکان کی صفت ہو جائے گی، اور یہ خلاف مقصود ہے، لہذا تاویل مذکور جانب الغربی میں نہیں چل سکتی اس کا جواب اللہم الا ان یقال الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس کے بدلے یہ کہنا جا سکتا ہے کہ جانب الغربی میں دو مکان ہیں ایک جزء اور ایک کل پس جس مکان کی طرف جانب کی اضافت کی گئی ہے، وہ جزء ہے، اور یہ اضافت بیانیہ ہے ای الجانب الذی ہو المکان پس مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے اور دوسرا وہ مکان ہے کہ اس جزء مضاف الیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے جانب کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ مکان کل ہوگا یعنی غربیۃ پس اس صورت میں جانب المکان الغربی کا مطلب جانب الجزء المنسوب الی الغرب ہوگا پس معنی درست ہو جائیں گے واللہ اعلم ۱۲

والاضافة بيانية والمكان الذى اعتبر الجانب بالنسبة اليه هو الكل فيستقيم
المعنى ويرد[59] على القاعدة الثانية وهو قوله ولا صفة الى موصوفها مثل
جَرْدُ قَطِيفَةٍ وَاَخْلَاقُ ثِيَابٍ فان اصلها قطيفة جرد وثياب اخلاق
قدمت الصفة على الموصوف واضيف اليه واجيب عنه بانه متأول
بانهم حذفوا قطيفة من قولهم قطيفة جرد حتى صار كانه اسم غير صفة
فلما قصد وا تخصيصه لكونه صالحا لان يكون قطيفة وغيرها مثل خاتم فى
كونه صالحا لان يكون فضة وغيرها اضافوه الى جنسه الذى يتخصص به كما
اضافوا خاتما الى فضة فليس اضافته اليها من حيث انه صفة لها بل من
حيث انه جنس مبهم اضيف اليها ليتخصص وعلى هذا القياس اخلاق ثياب

الیہ کے درمیان مغایرت حاصل نہ ہوگی جواب یہ کہ) اور اضافت بیانیہ ہے (کہ مضاف و مضاف
الیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے) اور وہ مکان کہ اس (جزء مضاف الیہ) کی نسبت
سے جانب کا اعتبار کیا گیا ہے وہ کل ہے (تو اب خاتم فضۃ کی طرح عام کی خاص کی طرف اضافت
ہوگی تقدیر یوں ہوگی جانب الجزء المنسوب الی الغرب) لہذا معنی درست ہو جائے گا (اور) دوسرے
قاعدے اور وہ مصنف کا قول ولا صفۃ الی موصوفہا پر (جرد قطیفۃ و اخلاق ثیاب کے مانند) سے
اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اصل قطیفۃ جرد اور ثیاب اخلاق ہے صفت کو موصوف پر مقدم
اور صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا اور اس اعتراض کا جواب دیا گیا کہ یہ (مؤول ہے)
(اور یہ) اس طرح (مؤول ہے) کہ نحویوں یا عربیوں نے اپنے قول قطیفۃ جرد سے قطیفۃ کو حذف
کیا حتی کہ یہ گویا کہ (موصوف کے بغیر استعمال میں رجل اور فرس کی طرح) اسم ہے صفت نہیں (کہ
صفت کے لئے موصوف مذکور یا مقدر ضروری ہے) پھر جب انہوں نے اس کی تخصیص کا قصد کیا
(تاکہ تمیز ہو جائے) کیونکہ یہ اس بات کے لائق ہے کہ قطیفہ وغیرہا ہو جیسے خاتم اس بات میں صالح
ہے کہ فضہ وغیرہا ہو تو انہوں نے اس کی اضافت اس کی ایسی جنس کی طرف کر دی جس سے اس
کو خصوصیت حاصل ہو (جرد جمع ہے اجرد کی جیسے حمر احمر کی و فی الحاشیۃ خرقۂ بے ریشہ از کہنگی و
فرسودگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در صورت قطیفۃ جرد جرد مصدر مبنی للمفعول است بمعنی
قطیفۃ مجردہ لبیان معنی قائم بہا و ہو کونہا بلا ریشۃ) جیسا کہ نحویوں یا عربیوں نے خاتم کی فضہ کی
طرف اضافت کر دی پس جرد کی اضافت قطیفۃ کی طرف اس حیثیت سے نہیں کہ وہ اس کی
صفت ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ جنس مبہم ہے جس کی قطیفہ کی طرف اضافت کی گئی تاکہ وہ
خاص ہو جائے (ولو لم یضف لکان عاما و لم یعلم جنسہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔) اور اسی قیاس پر اخلاق

[59] قولہ ویرد الخ یہ قاعدہ ثانیہ لا تضاف صفۃ الی موصوفہا پر اعتراض ہے اس کی
تقریر یہ ہے کہ یہ قاعدہ بھی غلط ہے اس لئے کہ جرد قطیفۃ اور اخلاق ثیاب صفۃ کی اضافت موصوف کی طرف ہو رہی ہے اس لئے کہ ان دونوں کی اصل قطیفۃ جرد اور ثیاب اخلاق ہے صفۃ کو موصوف پر مقدم کر کے اس کی جانب مضاف کر دیا گیا قطیفۃ چادر کو کہتے ہیں، اور جرد کہنا مدمدی کو اور اخلاق بھی پرانے کو کہتے ہیں مگر یہ جمع ہے اس کا جواب بھی مصنف نے یہ دیا کہ یہ بھی متاول ہے، اور اس تاویل کی صورت یہ ہے کہ اگرچہ موصوف ذات پر دلالت کرتا ہے اور صفت ذات مبہم پر مع وصف کے دلالت کرتی ہے لیکن کبھی صفت کو ذات کے درجہ میں مطلق ذکر کرتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ قطیفۃ جرد سے قطیفۃ کو حذف کر دیا جائے تو اس وقت جرد گویا کہ اسم ہو جائے گا غیر صفت پس جب جرد کو ذات کے درجہ میں ذکر کریں گے، تو اس میں ابہام پیدا ہوگا کہ جرد کی چیز ہے، آیا قطیفۃ ہے یا کچھ اور جیسا کہ خاتم ہے کہ اس میں فضہ اور غیر فضہ سے ہونے کی صلاحیت ہے پس جب رفع ابہام کے لئے اس کی تخصیص کا ارادہ کریں گے، تو اس کی اضافۃ اس جنس کی طرف کر دیں گے کہ جس سے اس میں تخصیص پیدا ہو کر ابہام دور ہو جائے جیسا کہ خاتم کی اضافۃ فضہ کی طرف کر کے خاتم سے ابہام کو دور کیا گیا ہے پس قطیفۃ کو رفع ابہام کے طور پر اس کے بعد ذکر کیا اور جرد کو اس کی طرف مضاف کر دیا تو ابہام جاتا رہا پس معلوم ہوا کہ یہ اضافۃ اس حیثیت سے نہیں کہ جرد قطیفۃ کی صفت ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ گویا جرد ایک جنس مبہم ہے اس کو قطیفۃ کی طرف اس لئے مضاف کیا گیا کہ اس میں تخصیص پیدا ہو جائے، اور ابہام جاتا رہے اور اسی پر بعینہ اسی تاویل کے ساتھ اخلاق ثیاب کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے پس حاصل ہوا کہ جرد قطیفۃ اضافۃ صفۃ الی الموصوف کے قبیل سے نہیں ہے واللہ اعلم ۔

وَلَا یُضَافُ اسْمٌ مُمَاثِلٌ[۶۰] ای مشابه لِلْمُضَافِ اِلَیْهِ فِی الْعُمُوْمِ وَالْخُصُوْصِ الی ذلك المضاف الیه سواء کانا مترادفین کَلَیْثٍ وَاَسَدٍ فی الاعیان والجثث وَحَبْسٍ وَمَنْعٍ فی المعانی والاحداث اوغیر مترادفین بل متساویین فی الصدق کالانسان والناطق لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ فی ذکر المضاف الیه فانك اذا قلت رأیت لیث اسدٍ لا یفید الا ما یفیده رأیت لیثا یدون ذکر الاسد واضافة اللیث الیه فیکون ذکر الاسد واضافة اللیث الیه لغوا لا فائدة فیه بِخِلَافِ[۶۱] اضافة العام الی الخاص فی مثل کُلِّ الدَّرَاهِمِ وَعَیْنِ الشَّیْءِ فَاِنَّهٗ ای المضاف فیهما یختص به ای یصیر خاصا بسبب اضافته الی المضاف الیه ولا یبقی علی عمومه سواء افادت الاضافة التعریف او التخصیص واعمیة العین عن الشیٔ اذا کان اللام فیه

ثیاب ہے ((اور کوئی اسم جو عموم وخصوص میں مضاف الیہ کے مماثل)) یعنی مشابہ ((ہو)) اس کو مضاف الیہ کی طرف ((مضاف نہ کیا جائے گا)) خواہ مضاف ومضاف الیہ مترادف ہوں ((جیسے لیث اور اسد)) اعیان اور جثث میں (عین قائم بالذات اور جثث بضمہ جیم جثہ کی جمع شخص انسان ففی العین والجثۃ عموم وخصوص مطلق) ((اور حبس ومنع)) معانی اور احداث میں (المعنی ما یتعلق بہ القصد والاحداث جمع حدث وھو معنی قائم بالغیر کالضرب والطول ویختص بالمصادر فالمعانی اعم وبینہما عموم وخصوص مطلق ایضاً) یا مترادف نہ ہوں بلکہ متساوی فی الصدق ہوں جیسے انسان وناطق ((عدم فائدہ کی وجہ سے)) (یعنی) مضاف الیہ کے ذکر میں (کوئی فائدہ نہیں) پس جب تم نے رأیت لیث اسد کہا تو اس نے صرف وہی فائدہ دیا جو رأیت لیثا نے اسد کے ذکر اور لیث کی اس کی طرف اضافت کئے بغیر فائدہ دیا لہذا اسد کا ذکر اور اس کی طرف لیث کی اضافت لغو ہوگی جس میں کوئی فائدہ نہیں ((کل الدراھم اور عین الشیٔ)) کے مثل میں عام کی خاص کی طرف اضافت ((کے برعکس کیونکہ یہ)) یعنی دونوں مضاف ((اس کی وجہ سے خاص ہو جاتا ہے)) یعنی مضاف الیہ کی طرف اضافت کی وجہ سے مضاف خاص ہو جاتا ہے اور اپنے عموم پر باقی نہیں رہتا خواہ اضافت تعریف کا فائدہ دے یا تخصیص کا اور عین کا شیٔ سے عام ہونا جب کہ الشیٔ میں لام عہد (خارجی

[۶۰] قولہ ولا یضاف الخ اور اگر دو اسم عموم اور خصوص میں ایک دوسرے کے مماثل یعنی مشابہ ہوں تو ان میں اضافت جائز نہیں عموم وخصوص میں عموم کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ دونوں اسم اس اعتبار سے عام ہوں کہ جس چیز پر ایک اسم کا اطلاق ہو سکے دوسرا بھی اس پر بولا جا سکے جیسے کہ لیث کا اطلاق شیر پر ہوتا ہے اسی طرح اسد کا بھی اس پر اطلاق کیا جاتا ہے اور خصوص کا یہ مطلب ہے کہ جس چیز پر ایک اسم کا اطلاق نہ ہو سکے دوسرا اسم بھی اس پر نہ بولا جا سکے جیسے مثلاً انسان کہ اس پر جس طرح لیث کا اطلاق نہیں کر سکتے اسی طرح اسد کا بھی اس پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان کا عکس ہے اب رہی یہ بات کہ شارح نے مماثل کی شرح مشابہ کے ساتھ کیوں کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مماثلت سے اشتراک شیئین فی النوع مراد ہوتا ہے جیسے کہ زید وعمرو مشترک ہیں انسان ہونے میں اور لیث واسد کا اشتراک فی الوصف ہے یعنی عموم وخصوص میں اس لئے کہ یہ دونوں اوصاف سے ہیں پس مثال ممثل کے مطابق نہیں رہتی پس جب شارح نے مماثلت کی تفسیر مشابہت سے کردی تو اس سے اشتراک فی الوصف بھی سمجھ میں آگیا اور مثال ممثل کے مطابق ہو گئی بہر حال جب دو اسم ایسے ہوں تو دونوں میں سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف نہ ہوگی، خواہ وہ دونوں اعیان اور جثہ کے اعتبار سے مترادف ہوں جیسے لیث واسد یا معانی اور احداث کے لحاظ سے جیسے حبس ومنع کہ دونوں کے معنی ایک ہیں یا غیر مترادف ہوں بلکہ صدق میں متساوی ہوں جیسے انسان اور ناطق کہ یہ دونوں مترادف تو نہیں مگر مصداق دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے مثلاً زید اور اس عدم اضافت کی یہ وجہ ہے کہ مضاف الیہ کے ذکر کرتے ہیں اس اضافت سے کچھ فائدہ نہیں اس لئے کہ مثلاً جب رئیت لیث اسد کہا گیا تو اس سے وہی فائدہ حاصل ہوا جو رئیت لیثا سے حاصل ہوتا ہے بغیر ذکر اسد اور مضاف الیہ کے پس اسد کا ذکر اور لیث کی اس کی طرف اضافت لغو ہوئی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا لہذا اس قسم کی اضافت ناجائز ہے واللہ اعلم ۱۲۔

[۶۱] قولہ بخلاف الخ یعنی بخلاف اس اضافت کے جو عام کی خاص کی طرف ہو تو یہ جائز ہے اس لئے کہ یہ مفید ہوتی ہے اور مضاف میں تخصیص آجاتی ہے۔ جیسے کل الدراہم اور عین الشیٔ کہ ان دونوں مثالوں میں مضاف عام ہے اس لئے کہ کل اضافت سے پیشتر دراہم اور دنانیر دونوں کو شامل تھا اضافت سے اس میں تخصیص آگئی اور کل دراہم کے ساتھ خاص ہو گیا ایسے ہی لفظ عین اضافت سے

للعهد ظاهرة واما اذا كان للجنس ففيها خفاء وَيَرِدُ[٦٢] على قولهم لا يضاف اسم مماثل للمضاف اليه فى العموم والخصوص قولهم سعيد كرز فان سعيدًا وكرزا اسمان لمسمى واحدٍ كليثٍ واسدٍ مع انه اضيف احدهما الى الآخر فاجيب بانه مُتَأَوَّل بجعل احدهما على المدلول والآخر على اللفظ فكانك اذا قلت جاءنى سعيد كرز قلت جاءنى مدلول هذا اللفظ ولم يقولوا كرز سعيد لان قصدهم بالاضافة التوضيح واللقب اوضح من الاسم غالبا وَاِذَا اُضِيفَ[٦٣] الاِسْم الصَّحِيح وهو فى عرف النحاة ماليس فى آخره حرف علة او الملحق به

یا عہد ذہنی) کا ہو ظاہر ہے (محتاجِ بیان نہیں) اور رہا اس وقت (عین کا شئ سے عام ہونا) جب کہ (الشئ کا) لام جنس کے لئے ہو تو اس (اعمیتِ عین عن الشئ) میں خفاء ہے ((اور) نحات یا عرب کے قول لا یضاف اسم مماثل للمضاف الیہ فی العموم والخصوص پر ((ان کے قول سعید کرز)) کا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سعید اور کرز لیث اور اسد کی طرح ایک ہی مسمی کے دو نام ہیں اس کے باوجود ان میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اضافت کی گئی ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ ((مؤول ہے)) کیونکہ ان دونوں میں سے ایک (یعنی اسم) کو مدلول (ومسمی) پر اور دوسرے (یعنی لفظ دیگر یعنی لقب) کو لفظ (ودال) پر محمول کیا گیا گویا کہ جب تم نے جاءنی سعید کرز کہا تو تم نے جاءنی مدلول (ومسمی) ھذا اللفظ کہا اور انہوں نے کرز سعید نہیں کہا (کہ لقب کو اسم کی طرف مضاف کیا جاتا کہ اسم اصل اور لقب عارضی ہے اور قاعدہ ہے کہ عارض اصل کی طرف مضاف ہوتا ہے کما فی خاتم فضۃ) اس کی وجہ یہ ہے کہ اضافت سے ان کا مقصود توضیح ہے (ای توضیح المضاف وقت کون المضاف الیہ معرفۃ وتخصیصہ وقت کونہ نکرۃ) اور لقب غالبا اسم سے زیادہ واضح ہوتا ہے ((اور جب اسم صحیح کی اضافت کی جائے)) اور اسم صحیح نحویوں کے عرف میں وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو (نحوی آخری حرف کا ہی اعتبار کرتے ہیں کہ انہیں اعراب وبنا سے بحث ہے اس کا تعلق کلمہ کے آخری حرف سے ہے)

قبل عام تھا موجود اور معدوم دونوں پر اس کا اطلاق عام ہوتا تھا اضافت سے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی، اور یہ موجود کے ساتھ خاص ہوگیا اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ خاص ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ شئ کا حمل صرف موجود پر ہوتا ہے پس اس اضافت سے چونکہ مضاف اپنے مضاف الیہ کے ساتھ خاص ہوجاتا ہے اپنے عموم پر باقی نہیں رہتا لہذا یہ جائز ہوگی پھر واضح رہے کہ اس ضمن میں جو لفظ تخصیص آیا

ہے وہ بمعنی تخصیص مقابل تعریف نہیں بلکہ اس کے غیر ہے، اور یہاں اس اضافت سے افادہ تعریف یا تخصیص سے کوئی بحث نہیں جو بھی حاصل ہوجائے صحیح ہوسکتی ہے خواہ تعریف ہو یا تخصیص مثال مذکور میں کل کا عموم تو ظاہر ہے رہا عین کا عموم مقابلہ میں شئے کے تو اس کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ الشئ میں اگر الف لام عہد کے واسطے لیا جائے تب تو شئے کا خاص ہونا اور عین کا عام ہونا ظاہر ہے لیکن اگر

الشئ میں الف لام جنس کے لئے ہو تو عین کی اعمیتہ میں خفا پیدا ہوجاتا ہے اس لئے کہ الف لام جنس کے لئے ہونے کی وجہ سے شئ میں بھی عمومیتہ آجاتی ہے پس اعمیتہ عین کو شئے سے ثابت کرنے کے لئے وہی تقریر عمدہ ہے جو ہم نے اوپر کی ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کا خفا نہیں پایا جاتا واللہ اعلم۔

۶۲ قولہ ویرد الخ یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جو اوپر کے قاعدہ کلیہ پر وارد ہوتا ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ سعید اور کرز دونوں ایک ذات کے علم ہیں جیسے کہ لیث واسد ہیں پس دونوں ایک دوسرے کے مماثل ہیں لہذا ان میں اضافت نہ ہونی چاہیئے تھی، حالانکہ سعید کی اضافت کرز کی طرف ہے اس کا جواب بھی مصنف نے یہ دیا کہ یہ بھی متاول ہے بایں طور کہ مضاف سے مراد مسمی کی ذات ہے، اور مضاف الیہ سے مراد نفس لفظ پس گویا کہ جب جاءنی سعید کرز کہا گیا تھا تو جاءنی مدلول ہذا اللفظ کہا گیا یعنی وہ ذات آئی جو لفظ کرز کے ساتھ مسمی اور ملقب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں مماثلت نہیں لہذا قاعدہ کلیہ اپنی جگہ پر بالکل درست ہے۔ اب رہا یہ اعتراض کہ اس کا عکس کرکے کرز سعید کیوں نہیں کیا گیا حالانکہ یہ اولی ہے اس لئے کہ لقب عارضی ہوتا ہے اور نام اصل پس لقب کی اضافت اسم کی طرف کرنی چاہیئے تاکہ نام کی وجہ سے مضاف میں مضاف الیہ کے اعتبار سے تخصیص پیدا ہوجائے اس کا جواب ولم یقولوا کرز سعید الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اس قسم کی اضافت سے مضاف کی توضیح مقصود ہوتی ہے اور لقب اسم سے زیادہ واضح ہوتا ہے اس لئے کہ لقب عوام کا عطا کردہ ہوتا ہے اور نام والدین کا رکھا ہوا پس عوام کی عطا کردہ شئ زیادہ مشہور ہوگی بمقابلہ والدین کی عطا کردہ شئے کے پس اس کا عکس نہیں ہوسکتا واللہ اعلم۔

۶۳ قولہ واذا اضیف الخ یعنی جب

وھو ما فی آخرہ واو او یاء قبلھما ساکن وانما[٦٤] کان ملحقا بالصحیح لان حرف العلۃ بعد السکون لا تثقل علیھا الحرکۃ لمعارضۃ خفۃ السکون ثقل الحرکۃ ولان حرف العلۃ بعد السکون مثلھا بعد السکوت فی الوقوع بعد استراحۃ اللسان ولا تثقل علیھا الحرکۃ بعد السکوت یعنی فی الابتداء کذا بعد السکون اِلیٰ یَاءِ الْمُتَکَلِّمِ کَسَرَ اٰخِرَہٗ للتناسب مثل ثوبی وداری فی الصحیح وظبی ودلوی فی الملحق بہ وَالْیَاءُ مَفْتُوْحَۃٌ اَوْسَاکِنَۃٌ وقد[٦٥] اختلف فی ان ایھما الاصل والصحیح انہ الفتح اذ الاصل فی الکلمۃ التی علی حرفٍ واحد

((اس اسم کی جو صحیح سے ملحق ہے)) اور یہ وہ اسم ہے کہ جس کے آخر میں واو یا یا ہو ان کا ماقبل ساکن ہو اور یہ ملحق بہ صحیح اس لئے ہے کہ حرف علت سکون کے بعد (اس طرح ہوجاتا ہے کہ) اس پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی کیونکہ سکون کی خفت ثقل حرکت کے معارض ہے (یعنی ان حروف علت پر کہ حرف ساکن کے بعد واقع ہوں حرکت ثقیل نہیں ہوتی کیونکہ ساکن خفیف ہے اس کے بعد حرکت ثقیل نہیں ہوتی) اور اس لئے کہ حرف علت (جو) سکون کے بعد (واقع ہو وہ) استراحت لسان کے بعد واقع ہونے میں (اس) حرف علت کی طرح ہے (جو) سکوت کے بعد (واقع ہو کہ زبان جب حرف ساکن پر پہنچتی ہے تو وقفہ کرتی ہے تاکہ استراحت کرے پھر دوسرے لفظ کا تلفظ کرے اسی طرح سکوت کے بعد یعنی ابتداء میں مطلب یہ کہ سکون کے بعد جن حروف علت پر حرکت ہوتی ہے وہ ان حروف کی طرح ہیں جو ابتداء میں متحرک واقع ہوں اور ان پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی جیسے وجل اور وعد. . . . . اور ان پر سکوت کے بعد یعنی ابتداء میں حرکت ثقیل نہیں ہوتی اسی طرح سکون بعد ((یائے متکلم کی طرف تو اس کے آخر کو کسرہ دی جائے گی (یاء کے) تناسب کی وجہ سے جیسے ثوبی اور داری صحیح میں اور ظبی اور دلوی ملحق بہ صحیح میں ((جبکہ یا مفتوحہ یا ساکنہ ہوگی)) اور اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ ان دو (فتح و سکون) میں سے کون کونسی چیز اصل ہے؟ اور صحیح (قول) یہ ہے کہ فتح (اصل) ہے (چنانچہ مصنف کا فتحہ کو مقدم کرنا بھی اسی وجہ سے ہے) کیونکہ جو کلمہ حرف واحد

تو سب کا اتفاق ہے لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں فتحہ اصل ہے یا کسرہ پس بعض فتحہ اصل قرار دیتے ہیں، اور بعض کسرہ لیکن صحیح یہ ہے کہ فتحہ اصل ہے اس لئے کہ جب کلمہ حرفِ واحد ہو تو اس میں اصل حرکت ہے جیسے واو عطف، ہمزہ استفہام کاف تشبیہ وغیرہ تاکہ ابتداء بالساکن لازم نہ آئے

نہ حقیقۃً اور نہ حکماً حقیقۃً کی صورت تو یہ ہے کہ وہ صدر کلام میں واقع ہو جیسے کہ زید اخوک میں کاف تشبیہ اور حکماً کی یہ صورت ہے کہ صدر کلام میں نہ ہو جیسے با کہ اس کے مبنی علی السکون ہونے کی بناء پر اگرچہ ابتداء بالساکن حقیقۃً لازم نہیں آتی لیکن حکماً ضرور لازم آتی ہے اس کے استقلال کی وجہ سے اس کا ابتداء میں واقع ہونا

اسم صحیح یا ملحق بالصحیح کی اضافت یاء متکلم کیطرف کی جائے گی تو اسم کے آخر کو مناسبت یاء کی وجہ سے کسرہ دیں گے، اور یاء متکلم کو مفتوح یا ساکن پڑھیں گے مفتوح اس لئے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور سکون میں تخفیف ظاہر ہے اب جاننا چاہیے کہ اصطلاح نحاۃ میں صحیح اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں حرف علۃ نہ ہو جیسے ثوب اور دار اور ملحق بالصحیح وہ ہے کہ اسم کے آخر میں واو یاء ہو اور ان کا ماقبل ساکن ہو جیسے دلو، ظبی پس بوقت اضافت صحیح کی مثال ثوبی اور داری ہوگی اور ملحق بالصحیح کی دلوی وظبیی واللہ اعلم ۱۲۔

٦٤ قولہ وانما کان الخ یہاں سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس اسم کے آخر میں واو یا یاء ہو اور ماقبل ساکن ہو تو اس کو ملحق بالصحیح کیوں کہتے ہیں! تو اس کا جواب یہ ہے کہ سکون کے بعد حرف علۃ پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی اس لئے کہ خفۃ سکون ثقل حرکت کو معارض ہوجاتی ہے، اور نیز اس لئے کہ سکون کے بعد حرف علۃ اس حرف علۃ کی مانند ہے کہ جس سے کلمہ کی ابتداء کی جائے اور اس سے پہلے حرف پر سکوت کے ساتھ استراحۃ زبان کے بعد واقع ہو اور سکوت کے بعد اس حرف علت پر بوقت ابتداء حرکت ثقیل نہیں ہوتی پس ایسے ہی سکون کے بعد بھی حرف علت پر حرکت ثقیل نہیں ہوگی مزید توضیح یہ ہے کہ مثلاً ہم نے جاءنی وسم کہا تو جاءنی کی یاء پر ایک قسم کا سکوت حاصل ہوگیا اور زبان کو راحت مل گئی پس جب اس سکوت کے بعد وسم کہا گیا اور واو اس میں حرف علۃ ہے تو اس حرف پر حرکت ثقیل نہیں معلوم ہوتی پس ایسے ہی دلو میں مثلاً ساکن کے بعد حرف علۃ پر حرکت ثقیل نہیں معلوم ہوگی اس کو ملحق بالصحیح قرار دیں گے واللہ اعلم ۱۲۔

٦٥ قولہ وقد اختلف الخ یعنی یاء متکلم مضاف الیہ کے مفتوح یا ساکن ہونے میں

هو الحرکة لئلا یلزم الابتداء بالساکن حقیقة او حکما والاصل فی ما بنی علی الحرکة الفتح والسکون انما هو عارض للتخفیف فَاِنْ کَانَ اخره ای آخر الاسم المضاف الی یاء المتکلم الفًا تثبت ای الالف علی اللغة الفصیحة لعدم موجب الانقلاب نحو عصای ورحای وهُذیلٌ وهی قبیلة من العرب تقلبها ای الالف حال کونها لغیر التثنیة یاءً لمشاکلة یاء المتکلم وتدغم فی الیاء مثل عصیّ ورحیّ ولا تقلب الف التثنیة کغلامای لالتباس المرفوع بغیره بسبب القلب وَاِنْ کَانَ آخر الاسم المضاف الی یاء المتکلم یاء اُدْغِمَتْ فی یاء المتکلم لاجتماع المثلین فیما هو کالکلمة الواحدة مثل مسلمین اذا

پر (وضع کیا گیا) ہو اس میں اصل حرکت ہی ہے تاکہ ابتداء بالساکن لازم نہ آئے حقیقت میں (ابتداء بالساکن لازم نہ آئے جبکہ وہ حرف صدر کلام میں ہو) یا حکم کی رو سے (جبکہ صدر کلام میں نہ ہو کہ وہ اپنے استقلال کی وجہ سے ایسے ہے جیسے اس سے ابتداء کی جارہی ہے) اور ان کلموں میں کہ مبنی بر حرکت ہیں اصل فتح ہے اور سکون تخفیف کے لئے عارض ہوتی ہے (اور تخفیف اس وقت مطلوب ہوتی ہے جب کلمہ ثقیل ہو اور کلمہ مبنیہ بر حرف واحد بذاتہا خفیف ہے لہذا اسے ساکن کرنے کی حاجت نہیں نیز ساکن کرنے سے ابتداء بالساکن لازم آئے گی) (پھر اگر اس کے آخر میں) (یعنی اس اسم کے آخر میں جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو) (الف ہو تو ثابت رہے گا) (یعنی لغت فصیحہ کی بنا پر الف ثابت رہے گا کیونکہ انقلاب کا کوئی موجب نہیں (جس سے الف واؤ یا یا کی طرف منقلب ہو) جیسے عصای اور رحای (اور ھذیل (یہ عرب سے ایک قبیلہ ہے (اس کو بدل دیتا ہے) (یعنی الف کو (یاء سے جبکہ)) وہ الف (تثنیہ کا نہ ہو) (یائے متکلم سے مشاکلہ کی وجہ سے (مشاکلہ مصدر یہاں اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل متروک ہے یعنی وہ یائے مقلوبہ چونکہ یائے متکلم سے مشاکل ہے کہ یاء متکلم کی مشاکل تو کسرہ ہے مگر کسرہ کے تعذر کی وجہ سے کسرہ کی اخت یاء کا التزام کیا گیا. . . . . . .اور یاء کو یاء میں مدغم کر دیا گیا جیسے عصیّ ورحیّ اور تثنیہ کا الف نہیں بدلا جائے گا جیسے غلامای کیونکہ قلب کے سبب سے مرفوع کا غیر مرفوع (منصوب ومجرور) کے ساتھ التباس ہوگا) (اور اگر) اسم مضاف بہ جانب یائے متکلم کے آخر میں ((یاء ہو تو)) یائے متکلم میں (اسے مدغم کیا جائے گا)) کیونکہ دو مثل اس میں جمع ہو گئے جو کلمۂ واحدہ کی طرح ہے جیسے مسلمین جب اسے

صحیح ہے اگرچہ عارض کی وجہ سے واقع نہیں پھر جب کلمہ واحدہ حرکت کا اصل ہونا ثابت ہو گیا تو اب سوال پیدا ہوا کہ حرکت میں کونسی حرکت اصل ہے اس کا جواب والاصل فی مابنی

الخ سے شارح نے یہ دے دیا کہ کلمۂ واحدہ کی بنا کی جائے تو اس میں حرکتہ فتحہ اصل ہے کیونکہ ضمہ اور کسرہ ثقیل حرکتیں ہیں اور حرف اپنے ضعف کے باعث ان کا تحمل کر نہیں سکتا

لہٰذا ضعیف کو اضعف سے مناسبت کی وجہ سے فتحہ دیا جائے گا، اور حرف اس وجہ سے ضعیف ہوگا کہ وہ تنہا ہے پس جب فتحہ اصل ہوا تو اب جو سکون آئے گا وہ عارض کی وجہ سے آئے گا اور وہ عارض تخفیف ہے اور یہ تخفیف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ دوسرا کلمہ ملا ہوا ہو اس لئے کہ حرف واحد میں تخفیف متعذر ہے کیونکہ ابتداء بالسکون لازم آتی ہے، اور وہ محال ہے واللہ اعلم ۱۲۔

٦٦ قولہ فان کان الخ یعنی اگر اس اسم کے آخر میں جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے الف ہو تو اس کو لغت فصیحہ کے مطابق ثابت و باقی رکھا جائے گا اس لئے کہ اس جگہ ابدال کا سبب متحقق نہیں یعنی نہ تو اس کے ماقبل ضمہ ہے کہ وہ اس کو واؤ سے بدلنا چاہئے اور نہ کسرہ کہ یاء تبدیل کا مقتضی ہو جیسے عصای اور رحای اور ھذیل جو کہ عرب کا ایک قبیلہ ہے وہ الف کو مشاکلہ یاء متکلم کی وجہ سے یاء سے بدل دیتا ہے بشرطیکہ وہ الف تثنیہ کے لئے نہ ہو اور پھر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا جاتا ہے جیسے عصیّ اور رحیّ اور مشاکلہ یاء متکلم کا مطلب یہ ہے کہ یاء متکلم اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، اور عصای میں ماقبل کسرہ ہے نہیں پس مشاکلہ مفقود ہوئی لہٰذا ضروری ہوا کہ الف کو یاء سے تبدیل کریں تاکہ یاء متکلم سے مشاکلہ پیدا ہو جائے اور الف تثنیہ کو اس وجہ سے یاء سے تبدیل کرتے کہ اس تبدیلی کی وجہ سے مرفوع کا التباس غیر مرفوع سے لازم آتا ہے جیسے غلامای کہ اس کا اعراب حالۃ رفع میں الف کے ساتھ ہے، اور حالت نصب وجری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ پس اگر اس میں بھی الف کو یاء سے تبدیل کر دیں گے تو حالت رفع حالت نصب وجر کے ملتبس ہو جائے گی واللہ اعلم ۱۲۔

٦٧ قولہ وان کان الخ یعنی اگر اس اسم

اضیف الی یاء المتکلم واسقطت النون للاضافۃ وادغمت الیاء فی الیاء فصار مسلمی وَاِنْ کَانَ آخرہ وَاوًا قُلِبَتْ الواو یَاءً لاجتماع الواو والیاء والاولی ساکنۃ مثل مسلمون اذا اضیف الی یاء المتکلم قلبت واوہ یاء وادغمت الیاء فی الیاء وکسر ماقبلھا لانھا لما انقلبت یاء ساکنۃ یوجب بقاء الضمۃ قبلھا تغیرھا فحرکت بالحرکۃ المناسبۃ لھا فقیل مسلمی وان کانت قبل الیاء اوالواو فتحۃ بقی ماقبلھا مفتوحا کقولک فی مسلمین مسلمیَّ فی مصطفون مصطفَیَّ لخفۃ الفتحۃ وَفُتِحَتِ الیَاءُ ای یاء المتکلم فی الصور الثلث لِلسَّاکِنَیْنِ ای للزوم التقاء الساکنین ان لم تحرک واختیر الفتح لخفتہ وَاَمَّا الْاَسْمَاءُ

یائے متکلم کی طرف مضاف کیا جائے اور اضافت کی وجہ سے نون ساقط ہو جائے گا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا جائے گا پس مسلمی ہو گیا ((اور اگر)) اس کے آخر میں ((واو ہو تو)) واو کو ((یاء سے بدلا جائے گا)) کیونکہ واو اور یاء جمع ہو گئے اور پہلا حرف ساکن ہے جیسے مسلمون جب اسے یاء متکلم کی طرف مضاف کیا جائے تو اس کا واؤ یاء سے بدل جائیگا اور یاء کو یاء میں ((ادغام کر دیا جائے گا)) اور اس کے ماقبل کو کسرہ دی جائے گی کیونکہ جب واؤ (ساکنہ) کو یائے ساکنہ سے بدل دیا گیا تو یاء سے قبل ضمہ کا باقی رہنا یاء کے (واؤ کی طرف) تغیر کو واجب کرتا ہے (کہ یائے ساکنہ کا ماقبل مضموم ہو تو وہ واؤ سے بدل جاتی ہے لہذا یہاں اسے کسرہ دینا ضروری ہوگا ورنہ قلب لغو قرار پائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس یاء کے ماقبل وہ حرکت دی جائے گی جو یاء سے مناسبت رکھتی ہے (اور وہ کسرہ ہے تاکہ یاء سلامت رہے) پس مسلمی (کسرہ کے ساتھ) کہا جائے گا اور اگر یاء یا واو سے قبل فتح ہو تو ماقبل (اضافت کے بعد) مفتوح ہی باقی رہے گا جیسے تمہارا قول (مثنی میں) مسلمین (تاکہ کسرہ سے مثنی کا مجموع کے ساتھ التباس واقع نہ ہو) اور مصطفون میں خفت فتحہ کی وجہ سے مصطفَیَّ کہا جائے گا ((اور)) تینوں صورتوں میں ((یاء کو)) یعنی یائے متکلم کو ((فتح دی جائے گی ساکنین کی وجہ سے)) یعنی دو ساکنوں کا التقاء لازم آئے گا اگر یائے متکلم کو حرکت نہ دی گئی اور (حرکات ثلاثہ میں سے) فتح کو خفت کی وجہ سے اختیار کیا

کے آخر میں جو کہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہے یاء ہو تو اس کو یاء متکلم میں مدغم کر دیں گے اس لئے کہ ایسے دو کلمے جو بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہوں ان میں دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو ادغام کر دیا جاتا ہے جیسے مسلمین (تثنیہ و جمع جبکہ اس کی اضافت یاء متکلم کی طرف کی جائے، اور نون کو اضافۃ کی وجہ سے ساقط کر دیا جائے تو اس میں مضاف اور مضاف الیہ بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہوں گے پس جب یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا تو مسلمیَّ ہو گیا واللہ اعلم ۱۲۔

۶۸ قولہ وان کان آخرہ اور اسم کے آخر میں واو ہو تو واو کو یاء سے بدل دیا جائے گا، اجتماع واو اور یاء کی وجہ سے درانحالیکہ پہلا ساکن ہے جیسے مسلمون کہ جب اس کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہو گی تو واؤ یاء سے تبدیل ہو جائے گا اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا جائے گا، اور یاء کے ماقبل کو کسرہ دے دیا جائے گا اس لئے کہ جب واؤ یاء ساکنہ سے منقلب ہو گیا تو اس یاء منقلبہ کے ماقبل کا ضمہ اس یاء کے تغیر کو واجب کرتا ہے اس لئے کہ ضمہ واو کا مقتضی ہے پس اگر ضمۂ ماقبل باقی رہتا ہے واو کو یاء سے بدل دینے سے کوئی نہیں ہوتا لہٰذا یاء ساکنہ کے مناسب جو حرکت ہے اس سے اس ضمہ کو تبدیل کر لیا جائے گا، اور وہ مناسب حرکت کسرہ ہے لہٰذا اس کو کسرہ دیدیں گے پس مسلمون سے مسلمیَّ ہو جائے گا، اور اگر یاء اور واؤ سے پہلے فتحہ ہو تو خفت فتحہ کی وجہ سے ان کا ماقبل علیٰ حالہ مفتوح باقی رہے گا جیسے مسلمین (تثنیہ) سے مسلمیَّ اور مصطفیٰ کی جمع مصطفون سے مصطفَیَّ واللہ اعلم ۱۲۔

۶۹ قولہ وفتحت الخ اس کا تعلق مذکورۂ سابق تینوں صورتوں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یاء متکلم کو التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے تینوں صورتوں میں فتحہ دیں گے اس لئے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور التقائے ساکنین ناجائز واللہ اعلم

۷۰ قولہ واما الاسماء الخ یعنی اسماء ستہ مکبرہ میں کہ جن کی بحث غیر یاء متکلم کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں گذر چکی ہے؛ اخ اور اب کا حال جبکہ یہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں یہ ہے کہ یدی اور دمی کی طرح اخی اور ابی کہیں گے اور محذوف کو رد نہ کریں گے۔ یعنی ید اور دم کی طرح اخ وغیرہ سے جو لام کلمہ حذف

کر دیا جاتا ہے اور وہ نسیًا منسیًا کے درجہ میں محذوف ہو چکا ہے تو اس کو یاء متکلم کی طرف اضافت کے تحت رد نہیں کریں گے اس لئے کہ ان دونوں کا کثرت استعمال تخفیف کو چاہتا ہے اور رد کرنا تخفیف کے منافی ہے اس جگہ شارح نے ای فالحال الخ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الاسماء الستہ مبتدا متضمن معنی

السِتَّة التی مر البحث عنها مضافة الی غیر یاء المتکلم فاخی وابی ای فالحال فی اخ واب منها اذا اضیف الی یاء المتکلم ان یقال اخی وابی مثل یدی ودمی بلا رد المحذوف بجعله نسیًا منسیا وَاَجَازَ الْمبرد فیهما اخی وابی برد لام الفعل فیهما وهی الواو وجعلها یاءً وادغام الیاء فی الیاء وتمسك فی ذلك بقول الشاعر ع وابی مالك ذو المجاز بدار، وحمل الاخ علی الاب لتقاربهما لفظا ومعنی واجاب عنه المصؔ فی شرحه بان ذلك خلاف القیاس واستعمال الفصحاء مع انه یحتمل ان یکون المقسم به ای ابی جمع اب فاصله ابین سقطت النون فی الاضافة فاجتمعت یاآن فادغمت الاولی فی الثانیة فصار ابی وقد جاء جمعه هکذا فی قول الشاعر شعر فلما تبین اصواتنا ؛ بکین وفدّ یننا بالابینا ،

گیا ((اور اسمائے ستہ)) جن کی بحث گذر چکی جبکہ یائے متکلم کے غیر کی طرف مضاف ہوں ((پس اخی وابی)) یعنی ان اسمائے ستہ (مکبرہ موحدہ) میں اخ واب میں جب ان دو میں سے ہر واحد یائے متکلم کی طرف مضاف ہو حال یہ ہے کہ حرف محذوف (یعنی لام کلمہ کو لوٹائے بغیر اس طرح کہ اسے نسیا منسیا کرکے یدی ودمی کی طرح اخی وابی کہا جائے گا ((اور مبرد نے)) ان دونوں میں ((اخیّ وابیّ جائز رکھا ہے)) دونوں میں لام فعل یعنی واؤ کو واپس لوٹا کر اور اسے یاء بنا کر یاء کو یاء میں ادغام کرکے اور اس (اخیّ وابیّ) کے جواز میں مبرد نے شاعر کے قول) وابی مالک ذو المجاز بدار، سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے اخ کو اب پر محمول کیا کیونکہ اب واخ لفظ اور معنی میں ایک دوسرے کے قریب ہیں (کہ دونوں کے اول میں ہمزہ اور آخر میں حرف علت یعنی واو محذوف ہے اور معنیً اس طرح کہ باپ کی عدم موجودگی میں نفس ومال میں تصرف کرنے میں بھائی باپ کے قائم مقام ہوتا ہے) اور مصنف نے اپنی شرح میں مبرد کے استدلال کا جواب دیا کہ شاعر کا قول مذکور قیاس اور فصحاء کے استعمال کے خلاف ہے اس کے باوجود کہ قول شاعر اس بات کا محتمل ہے کہ مقسم بہ یعنی ابیّ اب کی جمع ہے اس کی اصل ابین ہے نون اضافت میں ساقط ہوگیا پس دو یاء جمع ہوگئیں پہلی کو دوسری میں مدغم کر دیا گیا تو ابی ہوگیا اور اس کی جمع شاعر کے قول میں اس طرح آئی ہیں شعر فلما تبین اصواتنا ؛ بکین وفدّیننا بالابینا ، یعنی جب

شرط کو ہے اور جزا جملہ ہوتی ہے، اور فاخی وابی جملہ ہے نہیں پس شرح سے اس کا جملہ ہونا معلوم ہوگیا اور اخ واب کی اصل اخوٌ اور ابوٌ بفتحتین فعلٌ کے وزن پر واللہ اعلم۔

سلہ قولہ واجاز الخ یعنی مبرد نے ان دونوں کو یاء متکلم کی طرف مضاف کرنے وقت

رد لام کلمہ یعنی واو کی اجازت دی ہے پس وہ بجائے ابی اور اخی کے ابیّ اور اخیّ کہتے ہیں اس لئے کہ واو مشاکلۃ یاء کی وجہ سے یاء سے بدل جائے گا، اور پھر یاء کا یاء میں ادغام ہو جائے گا اور اندریں صورت رد لام کلمہ کے بارے میں دلیل میں شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں ؎

قد احلك ذا المجاز وقد اری
وابی مالك ذو المجاز بدار

کہ اس میں بوقت اضافت الی یاء المتکلم ابٌ کا لام کلمہ لوٹا لیا گیا ہے اسی واسطے ابی کہا گیا ہے یاء کی تشدید کے ساتھ شعر کی تشریح یہ ہے کہ قدر بمعنی تقدیر ہے اور احلّ احلال باب افعال سے ہے اس کے معنی ہیں اترنا اور ذو المجاز عرفات سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے ایک بازار کا نام ہے اور اُری علی صیغۃ المجہول بمعنی اظنّ علی صیغۃ المعلوم ہے اور وابیّ مقسم بہ ہے اور مالک میں ما نافیہ ہے ترجمہ یہ ہے قدرت خداوندی نے تجھ کو اے نفس اس بازار میں اتار دیا اور حالیکہ میں گمان کرتا ہوں، اور اپنے باپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ذو المجاز (باوجود اپنے شرف کے) تیری منزل بننے کے لائق نہیں (اس لئے کہ تو اس سے تقریبا کوچ کر جائے گا) اب رہا اخی میں استدلال مبرد تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اخ کو اب کے اوپر محمول کر لیں گے کیوں کہ دونوں لفظاً ومعنیً متقارب ہیں لفظاً تو اس وجہ سے کہ دونوں کے شروع میں ہمزہ اور آخر میں حرف علۃ یعنی واؤ محذوف ہے اور معنیً اس طرح کہ جب باپ نہیں ہوتا تو مال وغیرہ میں بھائی تصرف کرتا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ ضرورۃ شعری پر محمول ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جو مصنف نے اپنی شرح میں دیا ہے کہ قول شاعر میں ابی خلاف قیاس اور خلاف استعمال فصحاء ہے نیز یہ کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مقسم بہ یعنی ابی ابٌ کی جمع ہو پس اس کی اصل ابینَ تھی نون اضافۃ کی وجہ سے ساقط ہوگیا پھر دو یاء کے اجتماع کی وجہ سے اولی کا ثانیہ میں ادغام کر دیا گیا پس ابیّ ہوگیا اور اس جمع پر دلیل میں شاعر کا یہ شعر پیش کیا جا سکتا ہے ؎

فلما تبین اصواتنا
بکین وفدّیننا بالابینا

ای لما سَمِعْنَ وعَلِمْنَ اصواتنا بَكَيْنَ وقلن لنا آباؤنا فداؤكم وَتَقُولُ[۲] ای امراة قائلة لامتناع اضافة الحم الی المذكر حَمِي وَهَنِي بلا رد المحذوف عند الاضافة الی یاء المتكلم وانما فصلهما عن اخی وابی لانه لم ینقل عن المبرد فیهما فی المشهور ما یخالف مذهب الجمهور وان نقل عنه بعضهم ذلك الخلاف فی الاسماء الاربعة وَيُقَالُ[۳] فی فَمٍ حال اضافته الی یاء المتكلم فِيَّ بالرد والقلب والادغام فِي الْاَكْثَرِ ای فی اكثر موارد استعمالاته وَفَمِي فی بعضها ابقاء المیم المعوض عن الواو عند قطعه عن الاضافة وَإِذَا[۴] قُطِعَتْ هذه الاسماء الخمسة عن الاضافة قِيلَ اَخٌ وَاَبٌ وَحَمٌ وَهَنٌ وَفَمٌ

ان عورتوں نے سنا اور انہیں ہماری آوازوں کا علم ہوا تو رو پڑیں اور ہم سے کہنے لگیں کہ ہمارے آباء تم پر فدا ہوں ((اور کہے گی)) یعنی کہنے والی عورت کہے گی (مونث کا صیغہ) اس لئے (لائے) کہ حم کی اضافت مذکر کی طرف ممتنع ہے (حم دیور یعنی خاوند کا بھائی) ((حمی اور ھنی)) یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت حرف محذوف (یعنی لام فعل) کو واپس لائے بغیر اور مصنف نے حمی وھنی کو اخی وابی سے اس لئے جدا کر کے بیان کیا کہ قول مشہور میں ان دونوں کے بارے میں امام مبرد سے کوئی ایسی روایت منقول نہیں جو مذہب جمہور کے مخالف ہو (جیسا کہ اخی وابی کے بارے میں منقول ہوئی) اگرچہ بعض نحویوں نے مبرد سے اسمائے اربعہ کے بارے میں اس اختلاف کو نقل کیا ہے ((اور)) فم میں جبکہ وہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو ((فی کہا جائے گا)) حرف محذوف کو رد کر کے (پھر یا سے) قلب و ادغام کے ساتھ ((اکثر میں)) یعنی اس کے استعمالات کے اکثر مواضع میں ((اور فمی)) (کہا جائے گا) بعض استعمالات میں اس میم کو باقی رکھنے کی وجہ سے جو قطع عن الاضافت کے وقت واو کا عوض ہوتی ہے ((اور جب قطع کیا جائے)) ان اسمائے خمسہ کو اضافت سے ((تو کہا جائے گا اخ و

کہ اس میں اب کی جمع ابین آئی ہے شعر کا مطلب شارح نے یہ بیان کیا ہے کہ جب ان عورتوں نے سنا اور ہماری آوازوں کو پہچان لیا تو وہ روئیں اور ہمارے متعلق کہا کہ ہمارے آباء تم پر فدا ہوں پس ان جوابات کے ہوتے ہوئے مبرد کا یہ قول درست نہیں واللہ اعلم

۲ قولہ وتقول الخ اس جگہ تقول واحد مونث غائب کا صیغہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ حم اور ہن کی یا متکلم کی طرف اضافت کرتے وقت بغیر محذوف کے واپس لائے حمی اور ہنی کہے پھر ان دونوں کو اخی اور ابی سے اس لئے جدا کیا ہے کہ ان دونوں میں جمہور کے ساتھ مبرد کی مخالفت مشہور نہیں اگرچہ بعض نے مخالفت اب، اخ وغیرہ چاروں میں ذکر کی ہے اور صیغہ مونث کا تقول اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ حم بمعنی دیور کی اضافت مذکر کی طرف ممتنع ہے اس لئے کہ رشتہ دیور صرف عورت سے تعلق رکھتا ہے (دیور عورت کے شوہر کے چھوٹے بھائی کو کہتے ہیں) واللہ اعلم۔

۳ قولہ ویقال الخ فم اصل میں فوہ تھا ہا کو خلاف قیاس حذف کر کے نسیاً منسیاً کا درجہ دے دیا گیا اور پھر عین کلمہ کے واو کو میم سے بدل لیا فم ہو گیا پس جب لفظ فم کی اضافت یاء متکلم کی طرف کریں گے تو اس کا عین کلمہ جو کہ واو مبدل عن المیم تھا وہ لوٹ آئے گا پھر واو کو مثل کلمۃ باء کے لئے یاء سے بدل کر آپس میں یا ادغام کر دیں گے پس فیّ کہیں گے اور اکثر موارد استعمالات میں فیّ ہی کہا جاتا ہے لیکن بعض مواقع میں اس کا استعمال اس طرح بھی ہوا ہے کہ اس میم کو باقی رکھیں جو کہ واو کے عوض میں ہے اور بوقت عدم اضافت اسی میم کے ساتھ اس کا استعمال کیا جاتا ہے پس اس صورت میں بجائے فیّ کے فمی کہیں گے جیسا کہ اس کے نظائر اخ وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے واللہ اعلم

۴ قولہ واذا قطعت الخ یعنی جب اسماء ستہ مکبرہ میں سے اسماء خمسہ مذکورہ کو اضافت سے قطع کریں گے تو ان پر مطلقاً اعراب بالحرکات جاری کریں گے پس اخٌ ابٌ الخ کہیں گے اور فمٌ میں تین لغت ہیں فاء کا فتحہ، ضمہ، کسرہ لیکن تینوں لغتوں میں فاء کا فتحہ اس کے ضمہ اور کسرہ سے افصح ہے اب اگر کوئی کہے کہ صرف فم میں ہی تینوں لغات کیوں ہیں اس کے نظائر اخ، اب وغیرہ میں کیوں نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کی اضافت بغیر میم کے غیر متکلم کی طرف ہوتی ہے تو اس میں فتحہ کسرہ اور ضمہ تینوں حرکات جاری ہوتی ہیں یعنی فوک (حالت رفعی میں) فاک (حالت نصبی میں) اور فیک حالت جری میں) پس حرکات اعرابیہ کی متابعت کرتے ہوئے فم میں بھی تینوں لغتیں جائز قرار دی گئیں واللہ اعلم ۱۲۔

بالحرکات الثلث وَلکن فتح الفاء افصح منهما ای من الضم والکسر و جَاءَ حَمٌ مِثْلُ یَدٍ فیقال هذا حمٌ او حَمُك ورایت حما او حمك و مررت بحم او بِحمِكِ ومثل خَبْءٌ بالهمزة فیقال هذا حمء او حموك ورأیت حمأ او حماك ومررت بحمءٍ او حمئك وَمثل دَلْوٍ بالواو فیقال هذا حموٌ و حموك ورأیت حموًا او حموك ومررت بحموٍ او حموك ومثل عصًا بالالف فیقال هذا حمًا او حماك ورأیت حمًا او حماك ومررت بحمًا او حماك مطلقًا ای جوازحم مثل هذه الاسماء الاربعة مطلقا غیر مقید بحال الافراد والاضافة بل تجی هذه الوجوه فیه فی کل من حالتی الافراد والاضافة وَجَاءَ هَنٌ مِثْلُ یَدٍ مطلقا ای فی الافراد والاضافة یقال هذا هنٌ ورأیت هنًا ومررت بهنٍ وهذا هنك ورأیت هنك ومررت بهنك وَذُوْ لَایُضَافُ اِلٰی مُضْمَرٍ لانه وضع وصلة الی الوصف باسماء الاجناس و

اب وحم وهن وفم)) حرکات ثلاثہ کے ساتھ ((اور)) لیکن ((فاء کی فتح ان دونوں)) یعنی ضم وکسر ((سے فصیح تر ہے)) ((اور حم آیا ہے جیسے ید)) تو کہا جائے گا ھذا حمٌ یا حمك اور رایت حما یا حمك اور مررت بحم یا حمکِ ((اور خبءٌ)) کے مثل (خبءٌ) ہمزہ کے ساتھ تو کہا جائے گا ھذا حمءٌ یا حموك ورأیت حمأ یا حماك ومررت بحمءٍ یا بحمئك ((اور دلو)) کی طرح واو کے ساتھ پس کہا جائے گا ھذا حمو یا حموك ورأیت حموا یا حموك ومررت بحمو یا حموك ((اور عصًا)) کیطرح الف (مقدرہ یا ملفوظہ) کے ساتھ پس کہا جائے گا ھذا حما یا حماك ورأیت حما یا حماك ومررت بحما یا حماك (کہ افراد کی صورتوں میں اعراب بالحرکۃ تقدیری ہے کہ محل اعراب الف مقدرہ ہے اور اضافت کی صورت میں الف ملفوظ ہے جو حرکت کو قبول نہیں کرتا) ((مطلقا)) یعنی ان اسمائے اربعہ کی طرح مطلقا حم کا جواز افراد یا اضافت کے حال کے ساتھ مقید نہیں بلکہ حم میں یہ وجوہ افراد واضافت کی دونوں حالتوں میں سے ہر ایک حالت میں آتے ہیں ((اور ھن ید کی طرح آیا ہے مطلقاً)) یعنی افراد واضافت میں کہا جائے گا ھذا ھن ورایت ھنا ومررت بھن وھذا ھنك ورآیت ھنك ومررت بھنك ((اور ذو مضمر کی طرف مضاف نہیں کیا جاتا)) کیونکہ ذو (کسی کے) اسمائے جنس کے ساتھ وصف (موصوف ہونے) کی طرف

۷۵ قولہ وجاء الخ یعنی حمٌ میں چند لغت ہیں ایک یہ کہ وہ اعراب میں یدٌ کیطرح ہے پس جس طرح حالت اعراب میں ہذا یدٌ رأیتُ یداً وغیرہ کہا جاتا ہے اسی طرح ہذا حمٌ یا ہذا حُمک اور رئیتُ حماً اور حمک اور مررت حَمٍ اور حُمکَ کہیں گے دوسرے یہ کہ وہ مہموز الآخر ہو خبْءٌ کی طرح پس ہذا حَمْءٌ او حموک۔ رئیت حمأ او حماک اور مررت بحَمْءٍ اور حمئک کہیں گے تیسرے یہ کہ اس کے آخر واو اور ماقبل اس کا ساکن ہو جیسے دَلو پس ہذا حَمْوٌ او حموکِ الخ کہیں گے چوتھے یہ کہ لام فعل الف سے بدل جائے اور وہ حالت رفع ونصب وجر میں عصًا کی مثل ہو جائے چنانچہ حالت اضافۃ میں عصاک کی طرح حماک کہیں گے اور حالت غیر اضافۃ میں اس کو عصًا پر قیاس کریں گے جیسے ہذا حمًا او حماکِ الخ اور مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ اسماء اربعہ مذکورہ کی طرح حمٌ کا جواز کسی قید کے ساتھ مقید نہیں یعنی خواہ اس کی اضافۃ ہو یا نہ ہو پس اس میں وجوہ اربعہ مذکورہ افراد عن الاضافۃ اور اضافۃ ہر ایک صورت میں جاری ہوں گی واللہ اعلم ۱۲۔

۷۶ قولہ وجاء ہنٌ الخ یعنی ہنٌ میں علاوہ لغت مذکورہ کے ایک لغت اور ہے وہ یہ کہ اس کو حالت اضافت اور غیر اضافۃ میں مثل یدٍ کے پڑھیں محذوف کو واپس نہ لائیں پس رفع نصب اور جر میں اس پر حرکات ثلثہ جاری کریں گے پس کہا جائے گا۔ ہذا ہنٌ۔ رئیتُ ہنًا مررت بِہنٍ اور بوقت اضافۃ ہذا ہنک۔ رئیت ہنکِ مررت بہنک واللہ اعلم۔

۷۷ قولہ وذو لایضاف الخ اسماء ستہ مکبرہ میں سے پانچ کا حکم بیان ہو گیا اب چھٹے اسم ذو کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ضمیر کی طرف مضاف نہ ہوگا اس لئے کہ ذو اس واسطے وضع کیا گیا ہے کہ اسم جنس کی طرف مضاف ہو کر اس کو کسی دوسری چیز کی صفت قرار دے پس اگر وہ ضمیر کی طرف مضاف ہو گا تو خلاف وضع لازم آئے گا اس لئے کہ ضمیر اسم جنس نہیں ہوتی لیکن کبھی علی سبیل الشذوذ اس کی اضافۃ ضمیر کی طرف بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ قول شاعر ؎

انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ

میں ذووہ اضافۃ الی الضمیر کے ساتھ واقع ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ فضل والا ہی فضل والے شخص کو پہچانتا ہے اس جگہ اگر فارسی کی یہ مثل پیش

الضمیر لیس باسم جنس وقد اضیف الیه علی سبیل الشذ وذ کقول الشاعر شعر
انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہٗ ؛ ولو قیل لا یضاف الی غیر اسم الجنس
لکان اشمل وکانه خص المضمر بالذکر لانه کان لبعض تلک الاسماء حکم
خاص عند اضافته الی یاء المتکلم فنفی اضافته الی المضمر مطلقاً نفیاً لاختصا
بحکم خاص باعتبار اضافته الیه وَلَا یُقْطَعُ ای ذو عن الاضافة لانّ
جعله وصلةً الی اسماء الاجناس لیس الا باضافته الیها۔

وصلہ (ذریعہ ووسیلہ ہونے) کے طور پر وضع کیا گیا ہے (یعنی جب کسی کی وصف اسم جنس لانا ہو تو ذو کو وسیلہ بنایا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے جاء رجل ذو ذهب ۔۔۔۔۔ اور ضمیر اسم جنس نہیں اور ذو کی ضمیر کی طرف اضافت شذوذ کے طور پر کی گئی ہے جیسے شاعر کا قول ہے شعر انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ ۔ اور اگر (مصنف کی عبارت میں وذو ولا یضاف الی مضمر کی بجائے) لا یضاف الی غیر اسم الجنس کہا جاتے تو یہ (اپنے مطلوب کو نسبۃً) زیادہ شامل ہوتا (کہ جس طرح ذو مضمر کی طرف مضاف نہیں ہوتا اسی طرح علم کی طرف بھی نہیں ہوتا۔ غیر اسم الجنس کا لفظ مضمر اور علم دونوں کو شامل ہے ۔۔۔۔۔ اور گویا کہ مصنف نے (اس کے باوجود) مضمر کا اس لئے خاص کر ذکر کیا کہ (ذو کے بغیر) ان اسمائے ستہ میں سے بعض کا یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت حکم خاص تھا (مثل رد المحذوف عند المبرد فی اخی وابی والرد والقلب والادغام فی اکثر الاستعمال فی فمی)، تو مصنف نے اضافتہ الی الیاء کے اعتبار سے ذو کے حکم خاص کے ساتھ مختص ہونے کی نفی کرنے کے لئے اس کے مضمر (خواہ مضمر متکلم ہو یا مخاطب یا غائب) کی طرف اضافت کی نفی کر دی (اور قطع نہ کیا جائے گا) یعنی ذو کو اضافت سے کہ اسے اسمائے اجناس کی طرف وصلہ (ذریعۂ وصول) کرنا ان کی طرف اضافت سے ہی ہے

کر دی جائے تو مزید تحسین کا باعث ہوگا وہ مثل یہ ہے قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری پس اس جواز کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر غائب چونکہ ابہام میں اسم جنس کی طرح ہے تو ذو کی اضافۃ اس کی طرف جائز قرار دے دی گئی مگر چونکہ اس کا مرجع سابق ہے، اور اس میں ابہام بہ وجہ اتم نہیں کیونکہ مرجع متعین ہونے کی وجہ سے یہ معرفہ کے حکم میں ہے لہٰذا اس کی طرف اضافۃ کو شاذ قرار دے دیا گیا واللہ اعلم ۱۲۔

۵ے قولہ، ولو قیل الخ یعنی جب دلیل مذکور سے یہ معلوم ہو گیا کہ ذو غیر اسم جنس کی طرف مضاف نہیں ہوتا تو اس وقت اس تخصیص سے کوئی فائدہ نہیں تھا کہ لا یضاف الی مضمر کہا جاتا بلکہ اگر لا یضاف الی غیر اسم الجنس کہتے تو یہ اشمل وافضل تھا اس لئے کہ غیر اسم جنس اعم ہے کہ وہ ضمیر ہو یا کوئی اسم ظاہر اسم جنس کا غیر ہو مثلاً زید۔ عمرو وغیرہ اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ گویا کہ مصنف نے مضمر کو ذکر کے ساتھ اس وجہ سے خاص کیا کہ اسماء ستہ میں سے بعض کے لئے حکم خاص ہے جو بعض آخر میں نہیں پایا جاتا مثلاً اخی اور ابی میں رد محذوف عند المبرد اور قلب وادغام وغیرہ فی میں فی الاکثر اور یہ حکم خاص اس وقت ہے جبکہ ان بعض اسما کی اضافۃ یا متکلم کی طرف ہو پس مصنف نے مضمر کی طرف مطلقاً ذو کی اضافۃ کی ہی نفی کر دی تاکہ ذو کی اضافۃ الی یا متکلم کے اعتبار سے کسی حکم خاص کے ساتھ ذو کا اختصاص سمجھ میں نہ آئے یعنی جس طرح کہ ذو کے اخوات کے لئے باعتبار ان کے یا متکلم کی طرف مضاف ہونے کے کوئی نہ کوئی حکم خاص ہے تو لا یضاف الی مضمر سے گویا کہ مصنف نے یہ بتا دیا کہ ذو مطلقاً کسی ضمیر کی طرف مضاف ہی نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس کے یا متکلم کی طرف مضاف ہونے کے کوئی نہ کوئی حکم خاص ہے تو لا یضاف الی مضمر سے گویا کہ مصنف نے یہ بتا دیا کہ ذو مطلقاً کسی ضمیر کی طرف مضاف ہی نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس کے یا متکلم کی طرف مضاف ہونے کے اعتبار سے اس کے لئے اس کے نظائر کی طرح کوئی حکم خاص ہو پس اس فائدہ دقیقہ کے پیش نظر مصنف نے لا یضاف الی مضمر کہا واللہ اعلم ۱۲۔

۶ے قولہ ولا یقطع الخ یعنی چونکہ اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ وہ اسم جنس کی طرف مضاف ہو کر اس کو دوسری چیز کی صفت قرار دے اور یہ چیز اسم جنس کی طرف اضافۃ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کی اضافت اسم جنس کی طرف لازم ہوئی اور جب اس کو اضافہ لازم ہوئی تو اس کو اضافۃ سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا ورنہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ پس اس

التوابع

وَهُوَ جمع تابع منقول عن الوصفية الى الاسمية والفاعل الاسمي يجمع على فواعل كالكاهل على الكواهل والمراد بها توابع المرفوعات والمنصوبات والمجرورات التى هى اقسام الاسم فلا ينتقض حدها بخروج نحو اِنَّ اِنَّ وضَرَبَ ضَرَبَ لعدم كونهما من افراد المحدود كُلُّ ثَانٍ اى متاخر متى لوحظ مع سابقه كان فى الرتبة الثانية منه فدخل فيه التابع الثانى و الثالث فصاعدا متلبسٍ بِاعراب سابقه اى بجنس اعراب سابقه بحيث يكون اعرابه من جنس اعراب سابقه ناشئ كلاهما مِنْ جِهَةٍ وَّاحِدَةٍ

((اور وہ)) تابع کی جمع ہے جو وصفیت سے اسمیت کی طرف منقول ہے (تو گویا کہ فاعل کے وزن پر اسم ہے) اور فاعل اسمی فواعل (کے وزن) پر جمع کیا جاتا ہے جیسے کاهل پر (وزن) کواهل اور توابع سے مراد مرفوعات و منصوبات و مجرورات کے وہ توابع ہیں جو اسم کے اقسام سے ہیں (حقیقۃً یا حکماً لہذا جمل وصفیہ اور جملہ معطوفہ علی مالہ اعراب سے اشکال نہ ہوگا) پس اِنَّ اِنَّ اور ضَرَبَ ضَرَبَ (توابع کی تعریف سے) خارج ہونے سے توابع کی تعریف نہیں ٹوٹ سکتی کیونکہ یہ دونوں (ان ان اور ضرب ضرب) محدود (یعنی توابع) کے افراد سے نہیں ہیں (کہ مراد یہاں اسم کے توابع ہیں نہ کہ مطلق توابع) ((ہر دوسرا ہے)) یعنی پچھلا جب پہلے کے ہمراہ اس کا لحاظ (و مشاہدہ) کیا جائے تو وہ پہلے کی نسبت دوسرے درجہ میں ہو تو اس ثان میں تابع دوسرا اور تیسرا اور اس سے زائد داخل ہو جائے گا جو (اپنے سابق کے اعراب کے ساتھ)) متلبس ہو یعنی اپنے سابق کے اعراب کی جنس کے ساتھ اس طرح (متلبس ہو) کہ اس کا اعراب اس کے سابق کے اعراب کی جنس سے ہو (سابق و مسبوق) دونوں کا اعراب ((ایک جہت سے))

کے حسب وضع جاءنی رجلٌ ذو مالٍ کہیں گے اس میں مال اسم جنس ہے، اور بواسطہ ذو کے رجل کی صفت ہے واللہ اعلم ۱۲، تمت المحررات بعون اللہ و توفیقہ۔

سلہ قولہ التوابع الخ توابع تابعٌ کی جمع ہے نہ کہ تابعۃٌ کی اس لئے کہ توابع اسماء کی صفت ہے یعنی اسماء توابع کے ساتھ متصف ہوتے ہیں پس اسم کی جمع اسماء کے مقابلہ میں توابع لفظ جمع بولا گیا پس جب جمع کے مقابلہ میں جمع ہوئی تو ان کے آحاد کے مقابلہ میں آحاد صفۃً واقع ہوں گے ما ورا اسماء کا واحد اسم ہوگا اور توابع کا تابعٌ پس اسم اور تابعۃٌ موصوف و صفۃ کے درمیان تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت نہیں رہتی لہٰذا جب ہم اس کو تابعٌ کی صفت قرار دیں گے تو یہ اعتراض رفع ہو جائے گا پھر سوال پیدا ہوا کہ تابع کی جمع توابع درست نہیں اس لئے کہ فاعل صفتی یعنی جب اسم فاعل میں وصف کے معنی پائے جائیں اس کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی بلکہ فاعل وصفی کی جمع الف تاء کے ساتھ فاعلات کے وزن پر آتی ہے اس کا جواب منقول عن الوصفیۃ الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگرچہ حقیقۃً میں فاعل وصفی ہے مگر اس جگہ وصفیۃ سے اسمیۃ کی طرف منقول کر لیا گیا ہے پس گویا کہ اسم فاعلٌ کے وزن پر آیا اور فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے۔ جیسا کہ کاہل بمعنی ما بین الکتفین کی جمع کواہل آتی ہے، اور فرق تابع اور کاہل کے درمیان یہ ہے کہ کاہل بحسب الاصل اسم ہے اور تابع بحسب النقل اس اس لئے کہ یہ وصفیۃ سے اسمیۃ کی طرف منقول ہے پھر یہ کہ توابع سے مراد توابع مرفوعات و منصوبات و مجرورات ہیں جو کہ اسم کی اقسام ہیں پس توابع بھی اپنے متبوع کے اعتبار سے اسم ہوں گے لہٰذا وہ توابع کہ جو اسم نہ ہوں گے تعریف سے خارج ہو جائیں گے مثلاً اِنَّ اِنَّ ضرب ضرب کہ ان میں سے انّ ثانی اور ضرب ثانی تابع کا فرد ہے اس لئے کہ یہ دونوں اول کی تاکید واقع ہو رہے ہیں، اور تاکید تابع کا ایک فرد ہے مگر ان پر باعراب سابقہ من جہۃ واحدۃ صادق نہیں آتا اس لئے کہ ان پر سرے سے اعراب ہی نہیں کیونکہ یہ مبنی الاصل ہیں پس یہ اسم نہ ہونے کی وجہ سے افراد محدود میں داخل نہیں ہوں گے، اور تعریف دخول غیر سے مانع ہو جائیگی واللہ اعلم۔

سلہ قولہ کل ثانٍ الخ تابع اصطلاح نحاۃ میں ہر اس ثانی اسم کو کہتے ہیں جو اپنے سابق اسم کے اعراب میں موافق ہو اور دونوں کے اعراب کی جہۃ ایک ہو یعنی اگر پہلے کلمہ پر اعراب مثلاً فاعلیت سے آیا ہے تو دوسرے کلمہ پر بھی اسی جہت سے آئے اور اگر اولیٰ پر جہت مفعولیت سے اعراب آیا ہو تو ثانیہ پر بھی مفعولیت ہی کی جہت سے اعراب آئے۔ رہا یہ امر کہ شارح نے ثانٍ کی تفسیر ای کل متاخر کے ساتھ کیوں کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ثانی سے متاخر عن الاول مراد نہیں لیں گے تو مثلاً جاءنی زید و عمرو و بکر میں بکرٌ پر یہ

شخصیة مثل(۳) جاء نی زید العالم فان العالم اذا لوحظ مع زید کان فی الرتبة الثانیة منه واعرابه من جنس اعرابه وهو الرفع والرفع فی کل منهما ناشیٔ من جهة واحدة شخصیة هی فاعلیة زید العالم لان المجیٔ المنسوب الی زید فی قصد المتکلم منسوب الیه مع تابعه لا الیه مطلقا فقوله(۴) کل ثان یشمل التوابع وخبر المبتدء وخبری کان واَنَّ واخواتهما وثانی مفعولی ظننت واعطیت وقوله باعراب سابقه یخرج الکل الا خبر المبتدا وثانی مفعولی ظننت و اعطیت

پیدا ہو (دو مختلف جہتوں سے نہیں) شخصیہ (جہت) سے (ہو جنسیہ یا نوعیہ سے نہیں) جیسے جاءنی زید العالم تو العالم کا جب زید کے ہمراہ لحاظ (و مشاھدہ) کیا جائے تو یہ اس کی نسبت دوسرے مرتبہ میں ہوگا اور اس کا اعراب اس کے اعراب کی جنس سے ہے اور وہ رفع ہے اور ان دونوں (تابع و متبوع) میں سے ہر ایک میں رفع ایک جہت شخصیہ سے ناشی ہے اور وہ (جہت شخصیہ واحدہ) زید عالم کی فاعلیت ہے کیونکہ آمد جو متکلم کے قصد میں زید کی طرف منسوب ہے وہ زید کی طرف اس کے تابع کے ہمراہ منسوب ہے مطلقا زید کی طرف نہیں تو مصنف کا قول "کل ثان" (جنس کے بمنزلہ ہے جو) توابع، مبتدا کی خبر، کان وان اور ان دونوں کے اخوات کی دو خبروں اور ظننت اور اعطیت کے دو مفعولوں میں سے مفعول ثانی کو شامل ہے اور مصنف کا قول باعراب سابقہ سوائے خبر مبتدا اور ظننت اور اعطیت کے مفعول ثانی کے باقی سب کو

تعریف صادق نہیں آئے گی اس لئے کہ وہ مرتبہ ثانیہ کے بجائے مرتبہ ثالثہ میں ہے حالانکہ یہ بھی تابع ہے پس جب ثانٍ سے مراد متاخر لیں گے، اور متاخر کو سابق کے اعتبار سے دیکھیں گے تو متاخر رتبہ ثانیہ میں ہو جائے گا خواہ وہ تابع ثانی ہو یا ثالث یا اس سے بھی نائد پس تعریف درست ہو جائے گی، پھر شارح نے متلبس کا اضافہ کر کے اشارہ کر لیا کہ باعراب سابقہ میں جار مجرور محذوف کے متعلق ہے پھر اپنے متعلق محذوف سے مل کر متاخر یا ثانٍ کی صفت واقع ہے پھر ای بجنس اعراب سابقہ اس وجہ سے کہا کہ عرض واحد کا محلین مختلفین میں قیام لازم نہ آئے اس لئے کہ یہ بداہۃً سمجھ میں آتا ہے کہ جو اعراب سابق کا ہوگا وہی متاخر کا ہوگا پس اعراب ایک ہوا اور محل دو پس عرض واحد کا قیام دو محلوں کے ساتھ لازم آیا اور یہ ناجائز ہے پس جب لفظ جنس کا اضافہ کر دیا گیا تو یہ اشکال دور ہو گیا اس لئے کہ اس سے بعینہ وہ اعراب مراد نہیں ہوگا جو سابق کا ہے بلکہ سابق کی جنس والا اعراب مراد ہوگا پھر بحیث یکون الخ سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ یہی ضروری نہیں کہ اگر اول کا اعراب حرفی ہوگا تو ثانی کا بھی حرفی ہو بلکہ رفع و نصب و جر میں مطابقت ہونی چاہیئے خواہ حرکت و حرف کے اعتبار سے اعراب تابع و متبوع میں مطابقت نہ ہو اور ناشئی کلاھما سے یہ مقصد ہے کہ من جہۃ واحدۃ محذوف کے متعلق ہو کر اعراب سابقہ کی صفت واقع ہے، اور من جہۃ واحدۃ ظرف لغو نہیں مستقر ہے پھر شارح نے شخصیۃ کے اضافہ سے یہ ارادہ کیا ہے کہ جہۃ واحدۃ میں وحدت سے مراد وحدت شخصیۃ ہے نوعیہ نہیں پس اس سے باب علمت و ظننت کے دونوں مفعول خارج ہو گئے اس لئے کہ ان دونوں کے نصب کی جہت باعتبار نوع یعنی مفعولیت کے متحد ہے شخصی اعتبار سے نہیں اس لئے کہ اس کا مفعول ثانی اول کا غیر ہے اسی طرح

اس سے خبر بھی خارج ہو گئی اس لئے کہ وہ وحدت شخصیہ کے ساتھ معرب نہیں ہوتی بلکہ مبتدا کا اعراب عامل ابتدا ہے باعتبار مسند الیہ ہونے کے حاصل ہوتا ہے، اور خبر کا باعتبار مسند بہ ہونے کے واللہ اعلم

(۳) قولہ مثل جاءنی الخ یہ شارح کی جانب سے بطور ایضاح کے تابع کی مثال ہے اس میں العالم تابع ہے اس لئے کہ جب عالم کا زید کے ساتھ لحاظ کیا گیا تو وہ بہ نسبت زید کے دوسرے مرتبہ میں ہے اور اس کا اعراب زید کے اعراب کی جنس سے ہے، یعنی جس طرح زید پر رفع ہے اسی طرح العالم بھی مرفوع ہے پھر دونوں ایک ہی جہۃ شخصیہ سے مرفوع ہیں اور وہ جہت فاعلیت ہے اس لئے کہ زید ن العالم موصوف صفۃ سے مل کر جاء کا فاعل ہے اس لئے کہ متکلم کے قصد و ارادہ میں جو مجیٔ زید کی طرف منسوب ہے وہ زید کے اپنے تابع کے ساتھ منسوب ہے مطلقاً زید کی طرف

نہیں پس دونوں کا رفع ایک ہی جہت اور حیثیت سے ہے واللہ اعلم ۱۲۔

(۴) قولہ فقولہ کل الخ اس سے شارح فوائد قیود بتا رہے ہیں کہتے ہیں کہ قولہ کل ثانٍ بمنزلہ جنس کے ہے کہ ہر اسم موخر کو شامل ہے خواہ وہ توابع ہوں یا مبتدا کی خبر یا کان اور انّ اور ان کے اخوات کی خبر یا باب ظننت و اعطیتُ کا ثانی مفعول اور قولہ باعراب سابقہ فصل کے ہے کہ اس سے سوائے خبر مبتدا اور مفعول ثانی باب ظننتُ و اعطیت کے سب خارج ہو گئے پھر قولہ من جہۃ واحدۃ سے یہ بھی خارج ہو گئے اس لئے کہ مبتدا و خبر میں اگرچہ ابتدا عامل ہے یعنی ان کا اسناد کے واسطے عوامل لفظیہ سے خالی ہونا لیکن یہ معنی اس حیثیت سے ہیں کہ باعتبار مسند الیہ ہونے کے مبتدا میں عامل ہوں گے اور باعتبار اقتضاء مسند کے خبر میں پس ان دونوں

وقوله من جهة واحدة يخرج هذه الاشياء لان العامل فى المبتدء والخبر وان كان هو الابتداء اعنى التجرد عن العوامل اللفظية للاسناد لكن هذا المعنى من حيث انه يقتضى مسند اليه صار عاملا فى المبتداء ومن حيث انه يقتضى مسندا صار عاملا فى الخبر فليس ارتفاعهما من جهة واحدة وكذا ظننت من حيث انه يقتضى مظنونا فيه ومظنونا عمل فى مفعوليه فليس انتصابهما من جهة واحدة وكذلك اعطيت من حيث انه يقتضى آخذا وماخوذا عمل فى مفعوليه فليس انتصابهما من جهة واحدة واعلم ⁵ ان الاعراب المعتبر فى هذا التعريف بالنسبة الى اللاحق والسابق اعم من ان يكون لفظيا او تقديريا او محليا حقيقة او حكما فلا يرد نحو جاءنى هؤلاء الرجال ويا زيد العاقل ولا رجل ظريفا ثم ⁶ ان لفظة كل ههنا ليست فى موقعها لان التعريف انما يكون للجنس و

نکال رہا ہے) اور مصنف کا قول "من جہۃ واحدۃ" ان سب اشیاء کو نکال دے گا (کہ یہ بمنزلے فصل کے ہوگا) کیونکہ مبتدا و خبر میں عامل اگرچہ ابتداء یعنی تجرد عن العوامل اللفظیۃ الاسنادی ہے لیکن یہ معنی (یعنی تجرید) اس حیثیت سے کہ مسند الیہ کا مقتضی ہے مبتدا میں عامل ہوگیا اور اس حیثیت سے کہ مسند کا مقتضی ہے خبر میں عامل قرار پایا پس مبتدا و خبر کا مرفوع ہونا جہت واحدہ سے نہیں (بلکہ ان میں دو جہتوں سے عمل کیا گیا ہے اگرچہ دونوں جنس اعراب میں متفق ہیں) اور اسی طرح ظننت نے اس حیثیت سے کہ مظنون فیہ اور مظنون کا مقتضی ہے اپنے دونوں مفعولوں میں عمل کیا تو دونوں کا منصوب ہونا ایک جہت سے نہیں اسی طرح اعطیت نے اس حیثیت سے کہ آخذ اور ماخوذ کا مقتضی ہے اپنے دونوں مفعولوں میں عمل کیا پس دونوں کا منصوب ہونا ایک جہت سے نہیں اور معلوم ہو کہ اعراب جو اس تعریف میں لاحق و سابق کی نسبت سے معتبر ہے وہ عام ہے اس سے کہ لفظی ہو (جیسے جاءنی زید العالم) یا تقدیری (جیسے جاءنی القاضی) یا محلی جیسے ضربت انت (پھر خواہ وہ اعراب) حقیقی ہو یا حکمی ہو لہذا جاءنی ھؤلاء الرجال اور یا زید ن العاقل کا اعتراض وارد نہ ہوگا اور نہ ہی لا رجل ظریفا کا (کیونکہ اول مثال میں کسرہ اعراب نہیں نہ حقیقۃ اور نہ حکما نہ لفظا اور نہ تقدیرا بلکہ اس میں اعراب محلی ہے اس لئے اس کے لفظ پر حمل جائز نہیں بلکہ محل پر کیا جائے گا اور اس کا محل رفع ہے لہذا الرجال کا رفع واجب ہے اور مثال ثانی میں زید کا اعراب حکمی ہے کیونکہ زید کا ضمہ اگرچہ حقیقت میں اعراب نہیں لیکن اعراب کے حکم میں ہے اس لئے دو وجوہ جائز ہیں تو اگر زید کا ضمہ رفع کے حکم میں نہ ہوتا تو اس کی صفت کو لفظ پر محمول کرکے مرفوع پڑھنا جائز نہ ہوتا اور تیسری مثال میں رجل کی فتح اعراب یعنی نصب کے حکم میں ہے اس لئے نصب کے ساتھ ظریفا کا رجل لفظ پر حمل جائز ہے اور ظریفا کو رجل پر محمول کرکے مبنی پڑھنا بھی جائز ہے اور محل بعید پر حمل کرکے رفع بھی کما مر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر یہاں لفظ کل اپنے موقع میں

کا رفع جہۃ واحدہ سے نہیں اور ایسے ہی ظننت ہے کہ یہ دونوں مفعولوں میں اس حیثیت سے عامل ہے کہ اس کو مظنون فیہ اور مظنون کی ضرورت پیش آتی ہے پس ان دونوں مفعولوں کا انتصاب بھی جہۃ واحدہ سے نہیں ہوا لہذا یہ بھی تعریف سے خارج ہیں اسی طرح اعطیت کا مفعول اول وثانی کہ اس میں آخذ اور ماخوذ کی ضرورت پیش آتی ہے پس یہ دونوں مفعول اسی حیثیت سے معرب ہوں گے، اور ان کا انتصاب بھی جہۃ واحدہ سے نہیں ہوگا لہذا یہ بھی تعریف سے خارج ہیں واللہ اعلم۔

۵ قولہ واعلم الخ اس سے شارح کا منشا ایک سوال کا جواب دینا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ یہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ اس سے الرجال، العاقل اور ظریفا خارج ہو جاتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل مثالوں میں موجود ہیں، جاءنی ھؤلاء الرجال یا زید ن العاقل لا رجل ظریفا اس لئے ان میں سے ہر ایک اپنے ماقبل کا تابع ہے مگر اعراب سابق کے ساتھ معرب نہیں اس لئے کہ سابق یا تو مبنی ہے یا اعراب تقدیری کے ساتھ معرب ہے پس شارح نے کہا کہ اس تعریف میں جو اعراب معتبر ہے وہ بہ نسبت لاحق اور سابق کے ہے یعنی باعتبار تابع و متبوع ہونے کے ہے اور یہ اس بات سے اعم ہے کہ ان دونوں میں اعراب لفظی ہو یا تقدیری یا محلی اور حقیقی ہو یا حکمی یہ ضروری نہیں کہ اگر متبوع کا اعراب مثلاً تقدیری ہوگا تو تابع کا بھی تقدیری ہو پس الرجال وغیرہ سب تعریفات میں داخل ہو جائیں گے، اور تعریف اپنے افراد کو جامع ہو جائے گی واللہ اعلم ۱۲۔

۶ قولہ ثم ان الخ یہ ایک اعتراض ہے جو مصنف کی عبارت پر وارد ہوتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ قولہ کل ثان الخ میں لفظ کل موقع کے اعتبار سے مناسب نہیں اس لئے کہ کلمہ کل احاطہ افراد کے لئے آتا ہے پس اس وقت تعریف بالافراد

بالجنس لا للافراد و بالافراد فالمحدود بالحقيقة التابع والحد مدخول كل وهو ثان باعراب سابقه من جهة واحدة لكنه لما ادخل كل عليه افاد صدق الحد على كل افراد المحدود فيكون مانعا والظاهر انحصار المحدود فيها لعدم ذكر غيرها فيكون جامعا فيحصل حد جامع ومانع يكون جمعه ومنعه كالمنصوص

نہیں کیونکہ اس کا موقع احاطۂ افراد ہے جیسے کل انسان ناطق کیونکہ یہاں کل تعریف پر داخل ہے اور تعریف تو جنس کے لئے اور جنس کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ افراد کے لئے اور (نہ ہی) افراد کے ساتھ (جیسے زید و رجل کے افراد من حیث ھی ھی محتاج تعریف نہیں اور تعریف میں جنس و فصل ہوتی ہے اور افراد کی کوئی جنس و فصل نہیں) تو حد حقیقت محدود تابع ہے (کہ جنس مفرد میں ہی ہوتی ہے اور بہ ظاہر محدود توابع ہیں) اور حد کل کا مدخول یا ور حد " ثان باعراب سابقه من جهة واحدة " ہے تو جب اس پر کل داخل ہوا تو جنس کی تعریف افراد سے ہو گئی کہ کلمہ کل اپنے مدخول میں عموم افراد کا فائدہ دیتا ہے جب کہ نکرہ ہو لیکن (جواب یہ ہے کہ) جب کل تعریف مذکور پر داخل ہوا تو دخول کل نے محدود کے تمام افراد حد پر صادق آنے کا فائدہ دیا (یعنی صریحاً کہ کل جب محمول پر داخل ہو تو اس سے موضوع کا حد کے تمام افراد پر صادق آنا لازم آتا ہے کما فی قولک الحیوان کل جسم نام حساس الخ) تو تعریف مانع ہو گئی اور ظاہر محدود کا افرادِ حد میں انحصار ہے کیونکہ افرادِ حد کا غیر مذکور نہیں تو حد جامع بھی ہو گئی تو (ہمارے لئے) ایک جامع اور

لازم آئے گی حالانکہ تعریف بالجنس ہوا کرتی ہے پھر یہ کہ محدود میں بھی لفظ جمع مناسب نہیں اس لئے کہ لفظ توابع سے اس کے افراد کی طرف اشارہ ہو رہا ہے پس اس سے تعریف للافراد لازم آئی حالانکہ تعریف للجنس ہوا کرتی ہے پس دونوں شقوں کو ملا کر نتیجہ یہ نکلا کہ اس جگہ تعریف للافراد بالافراد ہے یعنی توابع کے افراد کی تعریف اُن افراد کے ساتھ کی جا رہی ہے کہ جن کو کل افراد کی محیط ہے تعریف للجنس بالجنس نہیں ہوئی اور یہ ناجائز ہے اس کا جواب فالمحدود الخ سے شارح نے یہ دیا کہ محدود اس جگہ توابع نہیں کہ تعریف للافراد کا اعتراض وارد ہو بلکہ محدود حقیقت میں تابع ہے یو کہ حد التوابع ہے التوابع نہیں پس محدود محذوف نکالا جائیگا جو کہ التوابع کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور پھر تعریف میں محدود کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ضمیر لائیں گے پس عبارت اس طرح ہو گی التابع ہو کل ثانٍ الخ اور تعریف میں جو لفظ کل ہے تو اس کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ تعریف میں کل سے قطع نظر کر کے مدخول کل یعنی ہو ثانٍ باعراب سابقه من جهة واحدة مراد ہے پس تعریف للجنس بالجنس ہو جائے گی اور اعتراض مذکور وارد نہ ہو گا، واللہ اعلم ۱۲۔

ئـه قوله لكنه الخ اب سوال پیدا ہوا کہ اگر تعریف میں لفظ کل کا اعتبار نہیں تو اس کو تعریف میں لایا ہی کیوں گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے تعریف کا دخول غیر سے مانع کرنا مقصود ہے یعنی جب تعریف پر لفظ کل داخل کیا گیا تو اس سے یہ فائدہ حاصل ہو گیا کہ محدود تعریف کے تمام افراد پر صادق آئے گا کوئی فرد اس صدق سے باہر نہ ہو گا پس تعریف مانع ہو جائے گی اس لئے کہ یہ جب تمام افراد پر صادق آئے گی تو غیر افراد حد پر اس کا صادق آنا درست نہ ہو گا اس لئے کہ جو شئی کسی شئے پر دلالت کیا کرتی ہے، اور وہ اس شئے کے لئے خاص ہوتی ہے تو اس کا اس شئے کے غیر پر صادق آنا اور اس پر دلالت کرنا جائز نہیں ہوا کرتا پھر

ہوئی اس لئے کہ توابع میں محدود تابع کو قرار دیا گیا ہے، اور حد افراد ہوئے پس محدود تو سوال پیدا ہوا کہ تعریف مانع تو ہو گئی مگر جامع نہیں تمام افراد حد پر صادق آئے گا مگر محدود واحد ہونے کے اعتبار سے اس کے جو بقیہ افراد ہیں ان کا صدق تعریف پر سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ تعریف تابع کی کی گئی ہے توابع کی نہیں پس تعریف سے توابع خارج ہوئے جاتے ہیں اس کا جواب والظاہر الخ سے شارح نے یہ دیا کہ ظاہر یہ ہے کہ افراد حد میں محدود کا انحصار ہے کیونکہ غیر تابع کا تعریف میں ذکر نہیں پس محدود کے تمام افراد اس میں منحصر ہو گئے کیونکہ بہر حال وہ تابع ہیں جیسا کہ محدود میں لفظ جمعیۃ یعنی توابع اس پر دلالت کر رہا ہے پس جمعیۃ محدود کی وجہ سے جامعیۃ تعریف پر دلالت ہوئی اور محدود میں لفظ جمع لانا قابل اعتراض نہیں رہا جیسا کہ ابھی اس پر اعتراض کیا گیا تھا۔ پس تعریف جامع ہو گئی اس لئے کہ جمع کے معنی

یہ ہیں کہ جس چیز پر محدود صادق آئے حد بھی اس پر صادق آئے۔ اب جاننا چاہیئے کہ معترض نے لفظ کل اور التوابع کی جمعیۃ پر جو اعتراض تعریف للافراد بالافراد کا کیا تھا وہ اس جگہ بدستور باقی ہے اس لئے کہ اس کا جو جواب شارح نے فالمحدود بالحقیقة الخ سے دیا تھا وہ اس جگہ چنداں کارگر نہیں ہوا اس لئے کہ لفظ کل اور توابع کی جمعیۃ کو تعریف کے جامع مانع ہونے میں دخل ہے پس اصل اعتراض اپنی جگہ پر باقی رہا لہٰذا اس کا جواب یہ ہے کہ تعریف سے کبھی تو مقصود ماہیت کل پہچاننا ہوتا ہے، اور کبھی انحصار افراد فقط پس اگر معنی اول مراد ہوں تو تعریف للافراد بالافراد ناجائز ہوتی ہے، اس لئے کہ اس سے نفس ماہیت کا علم حاصل نہیں ہوتا اور اگر معنی ثانی مراد ہوں تو چونکہ منشاء تعریف انحصار افراد ہوتا ہے، اور وہ تعریف للافراد بالافراد سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ تعریف کر سکتے ہیں پس چونکہ یہاں تعریف

علیه النعتُ تابعٌ جنس شامل للتوابع کلها وقوله یدل علیٰ معنی فی متبوعه ای یدل بهیئته ترکیبیه مع متبوعه علی حصول معنی فی متبوعه مُطلقاً ای دلالة مطلقة غیر مقیدة بخصوصیة مادة من المواد احتراز عن سائر التوابع ولا یرد علیه البدل فی مثل قولك اعجبنی زید علمه والمعطوف فی مثل قولك اعجبنی زید وعلمه ولا التاکید فی مثل قولك جاء نی القوم کلهم لدلالة کلهم علی معنی الشمول فی القوم فان دلالة التوابع فی هذه الامثلة علی حصول معنی فی المتبوع انما هی لخصوص موادها فلو جردت عن هذه المواد کما یقال اعجبنی زید غلامه او اعجبنی زید وغلامه او جاء نی زید نفسه لا تجد لها دلالة

مانع تعریف حاصل ہو گئی جس کا جامع و مانع ہونا منصوص علیہ کی طرح ہو گیا (نعت وہ تابع ہے)) لفظ تابع جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور مصنف کا قول (جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے متبوع میں ہے)) یعنی تابع اپنے متبوع کے ہمراہ مرکب ہونے کی ہیئت کے ساتھ ایسے معنی کے حصول پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں ہے ((مطلقاً)) یعنی ایسی دلالت (کرے) جو امثلہ میں سے کسی مثال کی خصوصیت کے ساتھ مقید نہ ہو (بلکہ تمام امثلہ کو شامل ہو) مصنف کا قول مطلقاً ایک ایسی قید ہے جس کے ذریعے) باقی توابع سے احتراز ہے (کیونکہ باقی توابع کی اپنے متبوع میں معنی کے حصول پر دلالت مطلق طور پر نہیں بلکہ خاص خاص مثالوں کے ساتھ مقید ہے کما سیاتی توضیحہ ..... اور نعت کی تعریف پر تمہارے قول اعجبنی زید علمہ کے مانند میں بدل اور تمہارے قول اعجبنی زید وعلمہ کے مانند میں معطوف اور تمہارے قول جاءنی القوم کلھم کے مثل میں تاکید کا اعتراض وارد نہ ہوگا کیونکہ کلھم (کا لفظ تاکید ہے جو ساری) قوم میں شمول کے معنی کے حصول پر دلالت کرتا ہے پس ان امثلہ میں توابع (بدل و عطف و تاکید) متبوع میں حصولِ معنی پر ان امثلہ کے خصوص کے لئے ہے (نہ عموم کے لئے) پس اگر ان امثلہ کو ان مواد سے (اس طرح) خالی کر لیا جائے (کہ ان میں توابع مذکورہ کے علاوہ دوسرے مختلف توابع ذکر کئے جائیں) جیسا کہ کہا جائے اعجبنی زید غلامہ یا اعجبنی زید وغلامہ یا جاءنی زید

سے مراد انحصار افراد ہے، معنیٰ اول نہیں لہٰذا اس تقدیر پر تعریف للافراد میں کوئی قباحت نہیں پس مذکورہ بالا توجیہ کے مطابق لفظ کل اور توابع کی جمعیتہ کے افادہ کی وجہ سے ایسی جامع مانع تعریف حاصل ہو گئی کہ جس کا جامع مانع ہونا منصوص علیہ کی مانند ہے، مانع کا منصوص علیہ کی مانند ہونا تو اس واسطے کہ تعریف میں لفظ کل لایا گیا، اور جامع کا دعویٰ ظہور کی وجہ سے محدود

کی جمعیتہ کے باعث پس اگر حد میں لفظ کل اور محدود میں لفظ جمع نہ لایا جاتا تو تعریف کا جامع ہونا مصرح نہ ہوتا بلکہ ضمناً حاصل ہوتا واللہ اعلم

۸ قولہ النعت الخ یعنی نعت اس تابع کو کہتے ہیں کہ جو اپنے متبوع کے معنے اور وصف پر مطلقاً ہر حال میں دلالت کرے اس عبارت میں تابعٌ بطور جنس کے ہے کہ جس میں تمام توابع داخل ہیں اور قولہ یدل الخ بطور فصل کے

کہ اس سے تمام توابع خارج ہو جاتے ہیں اب اگر کوئی کہے کہ یہ تعریف صحیح نہیں اس لئے کہ جاءنی زیدٌ ہذا میں ہذا زید کی صفت ہے مگر اس کے باوجود یہ اپنے متبوع کے معنی پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ اس کے معنی اشارہ کے ہیں، اور وہ اس کے موصوف زید میں موجود نہیں اس کا جواب دینے کے لئے شارح نے ای یدل بہیئتہ ترکیبیۃ الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ نعت اس چیز سے عبارت ہے کہ جو اپنے متبوع کے ساتھ ہیئتہ ترکیب میں ان معنی پر دلالت کرے کہ جو اس کے متبوع میں موجود ہیں پس مثال مذکور میں جب ہذا کی ترکیب اس کے متبوع زید کے ساتھ کی گئی تو ہذا زید کے مشارٌ الیہ ہونے پر دلالت کرے گا پس تعریف صحیح ہو گئی پھر مطلقاً کی تفسیر ای دلالۃً الخ سے کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ مطلقاً باعتبار موصوف محذوف دلالۃً کے یدل کا مفعول مطلق ہے، اور غیر مقیدۃ الخ سے مطلقاً کے معنی بتلا دیئے، اور قولہٗ احترازٌ عن سائر التوابع قولہ شارح دقولہٗ یدل الخ مبتدا کی خبر ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۹ قولہٗ ولا یرد الخ اس سے شارح کا منشاء ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے سوال یہ ہے کہ نعت کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں بدل معطوف اور تاکید داخل ہو جاتے ہیں جیسا کہ قول قائل اعجبنی زیدٌ علمہٗ اور اعجبنی زیدٌ و علمہٗ۔ اور جاء فی القوم کلہم میں علمہٗ وعلمہٗ اور کلہم علی الترتیب بدل معطوف اور تاکید ہیں، اور تینوں ان معنی پر دلالت کرتے ہیں کہ جو ان کے متبوع میں ہیں اس لئے کہ علم زید میں موجود ہے۔ اور کلہم شمول فی القوم کے معنی پر دلالت کرتا ہے، پس اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ تعریف نعت میں مطلقاً کی قید ملحوظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نعت کی دلالت اپنے متبوع کے معنی پر کسی مادہ کے ساتھ خاص نہ ہو پس بدل تاکید اور معطوف اگرچہ ان معنی پر کہ جو ان کے متبوع میں ہیں دلالت

علی معنی فی متبوعاتها بخلاف الصفة فان الهیئة الترکیبیة بین الصفة والموصوف
تدل علی حصول معنی فی متبوعها فی ای مادة کانت وَفَائِدَتُهُ۱۰ ای فائدة
النعت غالبا تَخْصِیْصٌ فی النکرة کرجل عالم اَوْ تَوْضِیْحٌ فی المعرفة کزید الظریف
وَقَدْ یَکُوْنُ۱۱ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ من غیر قصد تخصیص وتوضیح نحو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرحیم اَوْ لِمجرد الذم نحو اعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم اَوْ لمجرد التَّاکِیْد
مِثْلُ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ اذ الوحدة تفهم من التاء فی نفخة فاکدت بالواحدة ولما۱۲
کان غالب مواد الصفة المشتقات توهم کثیر من النحویین ان الاشتقاق شرط

نفسه تم ان امثلہ کے لئے ایسے معنی (کے حصول) پر دلالت نہ پاؤگے جو ان کے متبوعات میں ہو
صفت کے برعکس کہ صفت اور موصوف کے درمیان جو ھیئت ترکیبیہ ہے وہ جس مادہ میں ہو
اپنے متبوعات میں معنی کے حصول پہ دلالت کرتی ہے (جیسے جاءنی زید العالم یا الفاضل یا الشاعر
یا الکاتب وغیرہا) ((اور اس کا فائدہ)) یعنی نعت کا فائدہ غالبا نکرہ میں ((تخصیص ہے)) جیسے
رجل عالم ((توضیح ہے)) معرفہ میں جیسے زید ن الظریف ((اور صفت کبھی محض ثناء کے لئے ہوتی
ہے)) بلا قصدِ تخصیص وتوضیح جیسے بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ((یا)) محض ((ذم کے لئے)) جیسے اعوذ
باللّٰہ من الشیطان الرجیم ((یا)) محض ((تاکید کے لئے)) جیسے نفخۃ واحدۃ)) کیونکہ وحدت تو نفخہ
میں تاء سے سمجھی جاتی ہے تو اس وحدت کی (جو تاء سے سمجھی جارہی ہے) (لفظ واحدۃ کی) وحدت
سے تاکید کردی گئی اور جبکہ صفت کی غالب امثلہ مشتق تھیں تو بہت سے نحویوں کو وہم لگا کہ نعت

کرتے ہیں مگر یہ دلالت ہمیشہ نہیں بلکہ بعض مواد کے
ساتھ خاص ہے اس لئے کہ ان اخلاق کو اگر مذکورہ
مواد سے مجرد کرکے کسی دوسرے مادے کے ساتھ
ذکر کریں، اور ان کے بجائے اعجبنی زیدٌ غلامہ یا اعجبنی
زیدٌ وغلامہٗ یا جاءنی زیدٌ نفسہٗ کہیں تو ان امثلہ
کے توابع کی دلالت اپنے متبوعات کے معنی پر نہیں
ہوگی کما ہو الظاہر بخلاف صفت کے کہ اس کی ہیئتِ
ترکیبیہ ہر حال اور ہر مادہ میں معنی متبوع پر دلالت
کرتی ہے لہٰذا بدل وغیرہ تعریف نعت سے
خارج ہوگئے، اور تعریف نعت دخول غیر سے
مانع ہوگئی واللّٰہ اعلم۔

۱۰ قولہ وفائدتہ الخ یعنی نعت کا فائدہ
نکرہ میں تخصیص پیدا کرتا ہے جیسے جاءنی رجلٌ
اور معرفہ میں توضیح جیسے جاءنی زیدن الظریف
پھر توضیح سے مراد یہ ہے کہ متبوع سے اجمال
کو دور کیا جائے جیسا کہ مثال مذکور میں کہ صفت
سے پیشتر زید میں اجمال تھا کہ کون سا زید آیا ظریف
یا غیر ظریف پس اس کی صفت ظرافت نے زید
سے اجمال کو دور کردیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ عبارت میں اصل ایجاز واختصار ہے، لہٰذا
مصنف کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنی عبارت اس
طرح ذکر کرتے وفائدتہ تخصیص او توضیح او ثناءٌ
او ذمٌ الخ اس کی کیا وجہ ہے کہ وقد یکون لمجرد الثناء
کہا؟ اس کا جواب شارح نے غالباً سے یہ دیا کہ
فائدہ تخصیص وتوضیح افادۂ نعت میں غالب
ہے بخلاف فائدہ ثنا وغیرہ کے کہ وہ قلیل فی
الافادہ ہے لہٰذا اس تقلیل پر دلالت کرنے کے
لئے وقد یکون الخ کہا گیا واللّٰہ اعلم ۱۲۔

۱۱ قولہ وقد یکون الخ یعنی کبھی نعت
کو مجرد ثناء یا ذم یا تاکید کے لئے لاتے ہیں تخصیص
وتوضیح کا اس سے قصد نہیں کیا جاتا اور یہ اس
جگہ ہوتا ہے کہ منعوت معرفہ ہو اور نعت
منعوت میں ضمناً معلوم ہو پس ثناء کی مثال بسم اللّٰہ
الرحمٰن الرحیم ہے، اور ذم کی اعوذ باللّٰہ من الشیطان
الرجیم کہ ان میں اللّٰہ اور شیطان منعوت ہیں اور
ان کے ضمن میں نعت معلوم ہے، اور تاکید
کی مثال نفخۃٌ واحدۃٌ ہے کہ اس میں اگرچہ تاء سے
وحدۃ کے اوپر دلالت ہورہی ہے، مگر اس کی
تاکید واحدہ کے ساتھ لائی گئی واللّٰہ اعلم ۱۲۔

۱۲ قولہ ولما کان الخ اس سے شارح
قول مصنف ولا فصل الخ کے متعلق کہنا چاہتے
ہیں کہ یہ ان بعض نحاۃ پہ رد ہے جو یہ کہتے
ہیں کہ نعت میں اشتقاق شرط ہے حتیٰ کہ اگر
کہیں کوئی صفت غیر مشتق آجاتی ہے تو اس کو
بتاویل مشتق کرلیتے ہیں پس جبکہ یہ مذہب
مصنف کا پسندیدہ نہیں ہے تو اس پہ رد کرتے
ہوئے کہتے ہیں کہ نعت کے مشتق اور غیر مشتق
ہونے میں کوئی فرق نہیں پس جس طرح نعت
مشتق ہوتی ہے اسی طرح غیر مشتق بھی ہوتی

ہے، بشرطیکہ اس کی وضع ان معنی پر (کہ جو
متبوع میں پائے جاتے ہیں) دلالت کرنے کے
لئے بطریق عموم ہو یعنی اس کی وضع معنی متبوع
پر جمیع استعمالات میں پائی جاتی ہو جیسے تمیمیٌ
اور ذومالٍ کہ تمیمی کی دلالت تو ہمیشہ اس ذات
پر ہے کہ جو قبیلہ بنی تمیم کی طرف منسوب ہے
اور ذومال کی دلالت ہمیشہ اس ذات پر کہ
جو صاحب مال ہے اس جگہ شارح نے فی صحۃ
وقوعہ نعتاً کا اضافہ کرکے ایک سوال کا جواب
دیا ہے سوال یہ ہے کہ صفت مشتق اور غیر مشتق میں
کسی فرق کا نہ ہونا غیر مسلم ہے اس لئے کہ صفت
جب مشتق ہوتی ہے تو اس میں موصوف کیطرف
عائد کی ضرورت پیش آتی ہے، اور غیر مشتق میں
ضرورت نہیں ہوتی پس یہ فرق کیا کم ہے؟

فی النعت حتی تأولوا غیر المشتق الی المشتق ولما لم یکن هذا مرضیا للمصنف ردہ
بقوله ولا فصل ای لا فرق بین ان یکون النعت مشتقا او غیره فی صحة وقوعه
نعتا اذا کان وضعه ای وضع غیر المشتق لغرض المعنی ای لغرض الدلالة
علی المعنی الواقع فی المتبوع عموما ای فی جمیع الاستعمالات مثل تمیمی و ذی
مال فان التمیمی یدل دائما علی ان لذات ما نسبة الی قبیلة تمیم وذی مال
یدل علی ان ذاتا ما صاحب مال او خصوصا[۱۳] ای فی بعض الاستعمالات بان
یدل فی بعض المواضع علی حصول معنی لذات ما وحینئذ یجوز ان یقع نعتا و
فی بعضها لا یدل علی ذلک وحینئذ لا یصح جعله نعتا مثل[۱۴] مررت برجل
ای رجل ای کامل فی الرجولیة فای رجل باعتبار دلالته فی مثل هذا الترکیب
علی کمال الرجولیة یصح ان یقع نعتا وفی مثل ای رجل عندک لا یدل علی هذا
المعنی فلا یصح ان یقع نعتا و مثل[۱۵] مررت بهذا الرجل فان هذا یدل علی

میں اشتقاق شرط ہے یہاں تک کہ انہوں نے غیر مشتق کی مشتق کی طرف تاویل کی اور جب یہ
شرط مصنف کے لئے پسندیدہ نہ تھی تو مصنف نے اسے اپنے (اس) قول سے رد کر دیا (اور نہیں
فصل) یعنی کوئی فرق نہیں (اس بات کے درمیان کہ) نعت (مشتق ہو یا غیر مشتق) نعت کے
نعت واقع ہونے کی صحت میں (کوئی فرق نہیں یعنی مشتق ہو یا غیر مشتق اس کا نعت واقع
ہونا صحیح ہے) (جبکہ اس وضع) یعنی غیر مشتق کی وضع (معنی کی غرض کے لئے ہو) یعنی (اس کی
وضع) اس معنی پر دلالت کرنے کی غرض کے لئے ہو جو متبوع میں واقع ہو (عموما) یعنی جمیع استعمالات
میں (اور عام استعمالات میں) (جیسے تمیمی اور ذی مال) کہ تمیمی ہمیشہ کے طور اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ (ذوات میں سے) ایک ذات کی قبیلہ تمیم کی طرف نسبت ہے (لہذا جس ذات میں یہ
معنی پایا جائے گا یہ بلا تاویل مشتق اس کی صفت واقع ہوگا) اور ذو مال اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ (ذوات میں سے) ایک ذات صاحب مال ہے (یا خصوصا) یعنی بعض استعمالات
میں اس طرح کہ بعض مواضع میں (ذوات میں سے) ایک ذات کے لئے معنی کے حصول پر
دلالت کرے اور اس وقت اس کا نعت واقع ہونا صحیح ہے اور بعض مواضع میں اس معنی پر
دلالت نہیں کرے گا اور اس وقت اسے نعت قرار دینا صحیح نہ ہوگا (جیسے مررت برجل ای رجل)
یعنی کامل فی الرجولیة تو ای رجل کا اس جیسی ترکیب میں کمال رجولیت پر دلالت کے اعتبار سے
نعت واقع ہونا صحیح ہے اور ای رجل عندک کے مثل میں اس معنی (کمال) پر دلالت نہیں کرتا
(بلکہ صرف ذات پر دلالت کرتا ہے لہذا اس کا نعت واقع ہونا صحیح نہیں ہے) (اور) (جیسے مررت
(بهذا الرجل) کہ هذا ذات مبهم پر

جواب یہ ہے کہ عدم فرق سے ہماری مراد غیر مشتق

سے بطور نعت کے وقوع کا صحیح ہونا ہے،
پس جس طرح نعت مشتق واقع ہو سکتی ہے
اسی طرح غیر مشتق بھی اس سے کوئی بحث نہیں
کہ کسی میں مانند کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی میں
نہیں اور ای لغرض الدلالة الخ سے شارح نے
لغرض المعنی کے مطلب کی تشریح کی ہے اور بس
واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳ قولہ او خصوصا الخ اس کا عطف
عموما پر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یا اس غیر
مشتق کی وضع ان معنی پر دلالت کرنے کے لئے
کہ جو متبوع میں ہیں بطریق خصوص بعض استعمالات
میں ہو یعنی بعض مواضع میں وہ اس معنی پر دلالت
کرتا ہو کہ جو ذوات متبوع میں پائے جاتے ہیں پس
اس وقت اس کا نعت واقع ہونا صحیح ہوگا اور
بعض مواضع میں وہ ذات متبوع کے معنی پر
دلالت نہ کرے پس اس وقت اس کا نعت
واقع ہونا صحیح نہ ہوگا واللہ اعلم

۱۴ قولہ مثل مررت الخ یہ صحت نعت
کی مثال ہے اس میں ای رجل کمال رجولیة
پر دلالت کرتا ہے، اور یہ معنی اس کے متبوع
میں پائے جاتے ہیں لہذا وہ رجل کی نعت واقع
ہو سکتا ہے پھر یہ کہ یہ معنی اسی جگہ کے ساتھ
خاص ہیں کیونکہ اس جگہ ای کا استعمال اس کی
اصل وضع یعنی استفہام کے خلاف معنی کمال میں
ہوا ہے پس جہاں اس کا استعمال اصل وضع کے
مطابق ہوگا وہاں اس کا نعت واقع ہونا
درست نہ ہوگا جیسے مررت برجل ای رجل
عندک کہ اس میں ای اپنی اصل وضع کے مطابق
معنی استفہام میں مستعمل ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵ قولہ ومثل الخ یہ مثل مذکور کی دوسری
مثال ہے اس میں الرجل اس معنی پر دلالت کرتا
ہے جو متبوع میں ہیں اس لئے کہ ہذا ذات مبہم
پر دلالت کرتا ہے اور الرجل ذات معین پر اور
چونکہ ذات معین کی خصوصیۃ بمنزلہ ایسے معنی کے
ہے کہ جو ذوات مبہم میں پائے جاتے ہیں اس لئے

ذات مبهمة والرجل على ذات معنية وخصوصية الذات المعينة بمنزلة معنى حاصل فى الذات المبهمة فلهذا صح ان يقع الرجل صفة لهذا وفى المواضع الاخر التى لايدل على هذا المعنى لايصح ان يقع صفة وذهب بعضهم[۱۶] الى ان الرجل بدل عن اسم الاشارة وبعضهم الى انه عطف بيان ومثل[۱۷] مررت بزيد هذا اى بزيد المشار اليه فهذا فى هذا الموضع يدل على معنى حاصل فى ذات زيد فوقع صفة له وفى المواضع الاخر التى لايدل على هذا المعنى لايصح ان يقع صفة وتوصف النكرة لا المعرفة[۱۸] بالجملة الخبرية التى هى فى حكم النكرة

. . . . دلالت کرتا ہے اور الرجل ذات معینہ پر اور ذات معینہ کی خصوصیت اس معنی کے بمنزلے ہے جو ذات مبہم (ھذا) میں حاصل ہے (اور اس میں وہ معنی ذات معینہ ہے تو معنی ہوگا مررت بہذا الذات المعینہ) لہذا اس (دلالت بر ذات معینہ حاصلہ در ھذا) کی وجہ سے الرجل کا ہذا کے لئے صفت واقع ہونا صحیح ہے اور دوسرے ان مواضع میں کہ جہاں الرجل اس معنی (مقصود) پر دلالت نہیں کرتا وہاں اس کا صفت واقع ہونا صحیح نہیں (جیسے جاء نی الرجل اس سے قبل ھذا کا ذکر کئے بغیر) اور بعض (اشتقاق کو شرط قرار دینے والے) اس بات کی طرف گئے ہیں کہ الرجل (صفت نہیں بلکہ) اسم اشارہ سے بدل ہے اور بعض اس بات کی طرف کہ یہ عطف بیان ہے (مگر مصنف اور جمہور نحات کہتے ہیں کہ ذی لام ھذا کی وصف واقع ہوتا ہے) (اور) جیسے مررت (بزید ھذا) یعنی بزید المشار الیہ پس اس موضع میں ھذا اس معنی پہ دلالت کرتا ہے جو ذات زید میں حاصل ہے (اور وہ معنی، معنی مشار الیہ ہے) تو اسم اشارہ زید کی صفت واقع ہوا (برائے ایضاح معنی کہ در صفت حاصل است) اور ان دوسرے مواضع میں کہ جہاں اسم اشارہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتا وہاں اس کا صفت واقع ہونا صحیح نہیں (اور) نکرہ کی وصف لائی جاتی ہے (معرفہ کی نہیں (جملہ خبریہ سے) جو کہ نکرہ کے حکم میں ہے کہ (صفت

اس اعتبار سے الرجل کا ہذا کی صفۃ واقع ہونا صحیح ہو جائے گا اور ان مواضع میں کہ جہاں رجل کی دلالت ان معنی پر مقصود نہ ہو کر جو بمنزلہ ایسے معنے کے ہیں جو ذات مبہم میں پائے جاتے ہیں یا متبوع میں حاصل ہیں تو اس کا صفۃ واقع ہونا صحیح نہ ہوگا واللہ اعلم۔

۱۶ قولہ وذہب الخ مذکورہ بالا توجیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ مررت بہذا الرجل میں الرجل کو ہذا کی صفت قرار دیا گیا تھا لیکن بعض نحاۃ اس توجیہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں الرجل اسم اشارہ سے بدل الکل ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ عطف بیان ہے اس لئے کہ الرجل ان معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اس کے متبوع میں ہیں بلکہ ذات پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس کا صفۃ واقع ہونا کیسے درست ہوگا پس یہ یا تو بدل الکل ہے یا عطف بیان واللہ اعلم۔

۱۷ قولہ ومثل الخ یہ تیسری مثال ہے اس میں چونکہ ہذا اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو زید میں پائے جاتے ہیں لہٰذا وہ زید کی صفت واقع ہو جائے گا بخلاف ان مواضع کے کہ جہاں اسم اشارہ ان معنی پر دلالت نہ کرے جو ذات مشار الیہ میں پائے جاتے ہیں تو اس کا صفت واقع ہونا درست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۸ قولہ وتوصف الخ یعنی کبھی نکرہ کی صفت جملہ خبریہ لائی جاتی ہے معرفہ کی صفت جملہ نہیں ہو سکتی اس جگہ شارح نے لا المعرفۃ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ متن میں نکرہ کی قید احترازی ہے اب رہی یہ بات کہ معرفہ کی صفۃ جملہ کیوں نہیں ہو سکتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ادوات تعریف سے خالی ہوتا ہے اور موصوف وصفۃ میں باعتبار تعریف وتنکیر کے مطابقت ضروری ہے پس اگر موصوف معرفہ ہوگا اور اس کی صفت جملہ لائی جائے گی تو مطابقت فوت ہو جائے گی پس اس کی صفت جملہ نہیں لائی جا سکتی نہ خبریہ نہ انشائیہ پھر نکرہ سے مراد نکرہ ہے جو حقیقۃً ہو یا اس کے حکم میں پس معرف بلام عہد ذہنی چونکہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے اس کی صفۃ جملہ خبریہ لائی جا سکتی ہے۔ پھر چونکہ جملہ خبریہ کو نکرہ کا حکم دیا گیا ہے حقیقۃً نہ تو نکرہ ہوتا ہے، اور نہ معرفہ لہٰذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہو سکتا کہ نکرہ کا اتصاف جملہ خبریہ کے ساتھ جائز نہیں اس لئے کہ موصوف وصفۃ کے درمیان مطابقت ضروری ہے تعریف وتنکیر میں اور اس جگہ یہ مطابقت نہیں پائی جاتی اس لئے کہ جملہ صفات اسم سے ہونے کی وجہ سے نہ نکرہ ہوتا ہے نہ معرفہ پس التی ہی فی حکم النکرۃ کہنے سے اعتراض دفع ہو گیا اس لئے کہ یہ حکم میں نکرہ کے ہے کیونکہ جس طرح مفرد مبہم پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ بھی مضمون مبہم پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ مثلاً ضرب زیدٌ کا مضمون ضرب زیدٍ ہوا پس یہ اس حیثیت سے مبہم ہے کہ ضرب میں آیا تشدید ہے یا تخفیف پھر یہ کہ زمان ومکان غیر متعین ہے پس یہ اس ابہام کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہو گیا پس جس طرح نکرہ کی صفت مفرد لائی جائے گی اور وہ اپنے متبوع کے معنی کے حصول پر دلالت

لان الدلالة علی معنی فی متبوعه کما توجد فی المفرد کذلک توجد فی الجملة الخبریة (۱۹) وانما قید الجملة بالخبریة لان الانشائیة لا تقع صفة الا بتاویل بعید کما اذا قلت جاءنی رَجُلٌ اضربه ای مقول فی حقه اضربه ای مستحق لان یؤمر بضربه (۲۰) وَیلزم فیها الضمیر الراجع الی تلک النکرة للربط نحو جاءنی رجل ابوه قائم واذا لم یکن فیها الضمیر الرابط تکون اجنبیة بالنسبة الی الموصوف فلا یصح ان تقع صفة له مثل جاءنی رجل زید عالم (۲۱) وَیوصَفُ بِحَالِ المَوصُوفِ ای بحال قائمة به نحو مررت برجل حسن اذ الحسن حال الرجل وصفته وَبِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ای متعلق الموصوف یعنی بصفة اعتباریة تحصل له بسبب متعلقه نَحوُ مَرَرتُ بِرَجُلٍ حسن غُلَامهُ اذ کون الرجل حسن الغلام معنی فیه وان کان

کی اس) معنی پر دلالت کہ اس کے متبوع میں (حاصل) ہے جیسے مفرد میں پائی جاتی ہے اسی طرح جملہ خبریہ میں پائی جاتی ہے اور مصنف نے جملہ خبریہ کی قید اس لئے لگائی کہ جملہ انشائیہ بتاویل بعید کے بغیر صفت واقع نہیں ہوسکتا جیسا کہ تم کہو جاءنی رجل اضربہ یعنی مقول فی حقہ اضربہ یعنی مستحق لان یؤمر بضربہ ((اور)) اس جملہ خبریہ میں (ضمیر لازم ہے)) جو ربط کے لئے اس نکرہ کی طرف لوٹے جیسے جاءنی رجل ابوہ قائم اور جب جملہ خبریہ میں ضمیر رابط نہ ہو تو جملہ خبریہ (اپنے) موصوف کی نسبت اجنبی ہوگا تو وہ اس کی صفت واقع نہ ہوگا جیسے جاءنی رجل زید عالم ((اور وصف لائی جاتی ہے موصوف کے حال کے ساتھ)) یعنی ایسے حال کے ساتھ جو موصوف کے ساتھ قائم ہو (یوصف بحال الموصوف میں جار ومجرور یوصف کا نائب فاعل ہے) جیسے مررت برجل حسن (حسن میں اسم وفعل دونوں کے ہونے کا احتمال ہے لہذا یہ وصف مفرد کی مثال بھی ہوسکتی ہے اور وصف جملہ کی بھی) کیونکہ حسن رجل ہی کا حال اور اس کی صفت ہے ((اور (وصف لائی جاتی ہے) (اس کے متعلق کے حال کے ساتھ)) یعنی موصوف کے متعلق کے ساتھ یعنی (موصوف کو) ایسی صفت اعتباریہ کے ساتھ (متصف کیا جاتا ہے) جو موصوف کیلئے اس کے تعلق دار کے سبب سے حاصل ہوتی ہے ((جیسے مررت برجل حسن غلامہ)) کیونکہ رجل کا حسن الغلام (خوبصورت غلام والا) ہونا ایک ایسا معنی ہے جو رجل میں حاصل ہے اگرچہ یہ وصف

کرے گی اسی طرح یہ دلالت جملہ خبریہ میں بھی معنی تبرع کے حصول پر پائی جائے گی واللہ اعلم۔

۱۹ قولہ وانما قید الخ اب رہا یہ امر کہ نکرہ کی صفت کو جملہ خبریہ کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انشائیہ صفت واقع نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ صفت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر موصوف نکرہ ہے تو اس میں تخصیص پیدا کرے اور معرفہ ہے تو اس کی توضیح کرے کما مر پس موصوف کا پہلے سے موجود ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی تخصیص یا توضیح ہو سکے اور جملہ انشائیہ فی الحال ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں ہر ایک حکم آئندہ کے لئے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو صدق وکذب کے ساتھ بھی متصف نہیں کر سکتے پس انشائیہ صفت لانے سے نہ تخصیص حاصل ہو سکتی ہے، اور نہ توضیح (پس انشائیہ نہ نکرہ کی صفت بن سکتا ہے) اور نہ معرفہ کی ہاں البتہ تاویل بعید سے صفت واقع ہو سکتا ہے جیسا کہ مثلاً جاءنی رجلٌ اضربہٗ کہا جائے تو اس میں یہ تاویل کی جائے گی جاءنی رجلٌ مقولٌ فی حقہ اضربہٗ پھر یہ کہ مقول لہٗ سے بھی مقولیت بالفعل مراد نہیں ہوگی بلکہ یہ مراد ہوگی کہ وہ ضرب کا حکم دیئے جانے کا مستحق ہے اس لئے کہ اگر مقول کو اپنے معنی پر رکھتے ہوئے رجل کی صفت قرار دیا جائے تو یہ غلط ہوگا کیونکہ رجل میں معنی مقولیت ہی موجود نہیں پس اس سے لامحالہ استحقاق مراد ہوگا واللہ اعلم۔

۲۰ قولہ ویلزم الخ یعنی جب نکرہ کی صفت جملہ خبریہ لائی جائے گی تو موصوف وصفت ارتباط پیدا کرنے کے لئے صفت میں ضمیر للنا ضروری ہے جو کہ موصوف کی طرف راجع ہو جیسے جاءنی رجلٌ ابوہ قائمٌ اس لئے کہ اگر صفت میں ضمیر عائد الی الموصوف نہیں ہوگی تو ربط کے بغیر بہ نسبت موصوف کے صفت بطور اجنبی کے ہوگی پس اس کا صفت واقع ہونا صحیح نہیں ہوگا جیسے جاءنی رجلٌ زیدٌ عالمٌ کہ اس میں زیدٌ عالمٌ جملہ خبریہ ہے مگر چونکہ اس میں کوئی عائد نہیں لہٰذا یہ رجل کی صفت واقع نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔

۲۱ قولہ ویوصف الخ اس سے مصنف صفت کی تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ صفت کی دو قسمیں ہیں ۱ صفت بحال موصوف اور ۲ صفت بحال متعلق موصوف۔ صفت بحال موصوف تو وہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو ذات موصوف میں جاتے ہیں جیسے مررتُ برجلٍ حسنٍ کہ اس میں صفت حسن اس کے موصوف یعنی رجل میں پائی جاتی ہے اور صفت بحال متعلق موصوف اس کو کہتے ہیں کہ جو اس معنی پر دلالت کرے جو بالذات متعلق موصوف میں اور بالاعتبار موصوف میں پائے جاتے ہیں جیسے مررتُ برجلٍ حسنٍ غلامُہٗ کہ اس میں رجل کا حسن الغلام ہونا ایسے معنی ہیں جو رجل میں پائے جاتے ہیں اگرچہ یہ معنی اعتباری ہیں واللہ اعلم

اعتباریا فَالْاَوَّلُ[۵۲۲] ای النعت بحال الموصوف یتبعه ای الموصوف فی عشرة امور یوجد منها فی کل ترکیب اربعة فِی الْاِعْرَابِ رفعا ونصبا وجرا وَالتَّعْرِیْفِ وَ التَّنْکِیْرِ وَالْاَفْرَادِ وَالتَّثْنِیَةِ وَالْجَمْعِ وَالتَّذْکِیْرِ وَالتَّاْنِیْثِ الا اذا کان صفة یستوی فیه المذکر والمؤنث کفعول بمعنی فاعل نحو رجل صبور و امرءة صبور او فعیل بمعنی مفعول کرجل جریح وامرءة جریح او کان صفته مونثة تجری علی المذکر کعلامة وَالثَّانِیْ[۵۲۳] ای النعت بحال متعلق الموصوف یتبعه فِی الْخَمْسَةِ الْاُوَلِ وهی الرفع والنصب والجر والتعریف والتنکیر ویوجد منها فی کل ترکیب اثنان وَفِی الْبَوَاقِیْ[۵۲۴] من تلک الامور العشرة وهی ایضا خمسة الافراد والتثنیة والجمع والتذکیر والتانیث کَالْفِعْلِ لشبهه به

اعتباری (ومجازی) ہے ((پس اول)) یعنی صفت بحال الموصوف ((اس کے تابع ہوتی ہے)) یعنی دس امور میں موصوف کے تابع ہوتی ہے جن میں سے ہر ترکیب میں چار (ضرور) پائے جائینگے ((اعراب میں)) رفع ونصب وجر (کی حالت) میں ((اور تعریف وتنکیر وافراد وتثنیہ وجمع وتذکیر اور تانیث میں)) مگر جب کوئی ایسی صفت ہو کہ اس میں مذکر ومؤنث ... برابر ہوں (تو اس وقت چار کی بجائے تین امور پائے جائیں گے) جیسے فعول فاعل کے معنی میں (بشرطیکہ موصوف بھی مذکور ہو جو قرینہ بنے کہ یہ تذکیر کے لئے ہے ورنہ اس میں مذکر ومؤنث برابر نہ ہوں گے ہاں موصوف مذکور ہو تو ہوں گے) جیسے رجل صبور (بمعنی صابر) یا فعیل بمعنی مفعول جیسے رجل جریح (بمعنی مجروح وامرءة جریح بمعنی مجروحة اور جب موصوف مذکور نہ ہو تو پھر فعول وفعیل میں تانیث وتذکیر میں فرق ضروری ہے بخوف الالتباس) یا صفت مؤنث ہو جو مذکر پر جاری ہوتی ہو جیسے علامة (اور نسابة بمعنی کثیر العلم وکثیر النسب) ((اور ثانی)) یعنی صفت بحال متعلق الموصوف ((اس کے تابع ہوتی ہے پہلی پانچوں میں)) اور وہ رفع ونصب وجر وتعریف وتنکیر ہے اور ان پانچ میں سے ہر ترکیب میں دو پائے جائیں گے ((اور باقی میں)) ان امور عشرہ میں سے اور وہ (باقی) بھی پانچ ہیں افراد وتثنیہ وجمع وتذکیر وتانیث ((فعل کی طرح ہے)) کیونکہ صفت بحال متعلق موصوف فعل

کے فاعل کو دیکھا جائے گا پس اگر وہ مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو صفت کو مفرد لایا جائے گا جیسا کہ فعل کو مفرد لایا جاتا ہے اور اگر فاعل مذکر ومؤنث حقیقی ہے اور صفۃ واس کے فاعل کے درمیان فاصلہ نہیں ہے تو صفۃ کو وجوبا فاعل کے مطابق لایا جائے گا جیسا کہ فعل تذکیر وتانیث میں فاعل کے مطابق لایا جاتا ہے مؤنث حقیقی

اس کو کہتے ہیں جس کے مقابلہ میں جاندار مذکر ہو جیسا کہ عورت کے مقابلہ میں مرد ناقہ کے مقابلہ میں جمل وغیرہ وغیرہ اور اگر فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو یا حقیقی ہو مگر صفۃ اور اس کے فاعل کے درمیان فاصلہ ہو تو فاعل کا مذکر یا مؤنث لانا برابر ہے یعنی اس کی تذکیر وتانیث میں اختیار ہے واللہ اعلم۔

۵۲۲ قولہ فالاول الخ یعنی صفۃ کی قسم اول قائم بحال الموصوف اپنے موصوف کے ساتھ دس امور میں تابع ہوتی ہے جن میں سے ہر ترکیب میں چار امور کا موجود ہونا ضروری ہے تمام کا موجود ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ تضاد کی وجہ سے تمام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے پس اعراب کی تینوں قسموں رفع ونصب وجر میں سے ایک کا موجود ہونا ضروری ہے اس جگہ شارح نے رفعا ونصبا وجرا اس وجہ سے کہ اعراب کی تین قسمیں ملا کر دس امور ہوتے ہیں کیونکہ اگر صرف اعراب مراد لیا جائے تو کل آٹھ امور ہوتے ہیں پس اعراب میں سے ایک افراد وتثنیہ وجمع میں سے ایک تعریف وتنکیر وتانیث میں سے ایک کا موجود ہونا ضروری ہے ہاں اگر صفۃ ایسی ہو کہ جس میں تذکیر وتانیث برابر ہو جیسے فعول کا وزن بمعنی فاعل جیسے صبور بمعنی صابر اور امراۃ صبور بمعنی امراۃ صابرۃ یا فعیل کا وزن بمعنی مفعول جیسے رجل جریح بمعنی مجروح مرد یا امراۃ جریح بمعنے مجروح عورت یا صفۃ ہو تو مؤنث مگر جاری ہوتی ہو مذکر کے لئے تو اس وقت موصوف وصفۃ میں تذکیر وتانیث کے اعتبار سے مطابقت ضروری نہیں پس اس وقت چار میں سے تین امور برائے مطابقت باقی رہ جائیں گے واللہ اعلم۔

۵۲۳ قولہ والثانی الخ یعنی صفۃ کی قسم ثانی اپنے موصوف کے ساتھ اوصاف عشرہ مذکورہ میں سے اُن پانچ میں تابع ہوگی جو اولاً مذکور ہیں یعنی رفع۔ نصب جر اور تعریف وتنکیر پھر ترکیب میں ان پانچ میں سے دو امور ایک ساتھ پائے جائیں گے واللہ اعلم۔

۵۲۴ قولہ وفی البواقی الخ اب باقی رہے پانچ امور یعنی افراد تثنیہ جمع تذکیر اور تانیث تو ان میں صفۃ مثل فعل کے ہوگی اس لئے کہ وہ اپنے مابعد کی طرف مسند ہونے میں فعل کے مشابہ ہے کیونکہ فعل بھی اپنے مابعد یعنی فاعل کی طرف مسند ہوتا ہے پس اس صفۃ

يعني ينظر الى فاعله فان كان مفردا او مثنى او مجموعا افرد كما يفرد الفعل وان كان مذكرا او مؤنثا حقيقيا بلا فصل طابقه وجوبا كما يطابق الفعل فاعله في التذكير والتانيث وان كان فاعله مؤنثا غير حقيقي او حقيقيا مفصولا يذكر او يؤنث جوازا تقول مررت برجل قائم غلامه مثل يقعد غلامه وبرجلين قاعد غلاماهما مثل يقعد غلاماهما وبرجال قاعد غلمانهم مثل يقعد غلمانهم ومررت بامرأة قائم ابوها مثل يقوم ابوها وبرجل قائمة جاريته مثل تقوم جاريته وبرجل معمور او معمورة داره مثل يعمر او تعمر داره وبرجل قائم او قائمة في الدار جاريته مثل يقوم او تقوم في الدار جاريته فان قلت اذا نظرت حق النظر وجدت الاول وهو الوصف بحال الموصوف ايضا في الخمسة البواقي كالفعل لان فاعله

کے ساتھ مشابہ ہے (اس کے وہی احکام ہیں جو فعل کے احکام ہیں) یعنی صفت کے فاعل کی طرف دیکھا جائے گا اگر وہ مفرد یا مثنیٰ یا جمع ہو صفت کو مفرد لایا جائے گا جیسے فعل کو واحد لایا جاتا ہے (جبکہ فاعل ظاہر ہو) اور اگر فاعل مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل ہو تو وصف تذکیر وتانیث میں اپنے فاعل کے مطابق ہوگی وجوباً جیسے فعل اپنے فاعل کے تذکیر وتانیث میں مطابق ہوتا ہے اور اگر وصف (ثانی) کا فاعل غیر حقیقی ہو یا مفصول ہو تو اس (وصف) کو مذکر لایا جائے گا یا مؤنث جوازی طور پر تم کہو گے مررت برجل قاعد غلامہ جیسے یقعد غلامہ اور (مررت) برجلین قاعد غلاماھما جیسے یقعد غلاماھما اور (مررت) برجال قاعد غلمانہم جیسے یقعد غلمانہم اور مررت بامرأۃ قائم ابوھا جیسے یقوم ابوھا اور (مررت) برجل قائمۃ جاریتہ جیسے تقوم جاریتہ اور (مررت) برجل معمور یا معمورۃ دارہ (فاعل مؤنث غیر حقیقی کی مثال ہے جس میں صفت کو مذکر ومؤنث دونوں لایا جا سکتا ہے) جیسے یعمر یا تعمر دارہ اور (مررت) برجل قائم یا قائمۃ فی الدار جاریتہ جیسے یقوم یا تقوم فی الدار جاریتہ پھر اگر تم سوال کرو کہ اے مخاطب اگر تو حق نظر سے دیکھو تو نوع اول کہ وصف بحال موصوف ہے کو بھی باقی پانچوں (رفع و

۲۵ قولہ تقول الخ یہاں سے شارح ہر ایک کی مثال بیان کر رہے ہیں پس مررت برجل قاعد غلامہٗ اس صفت کی مثال ہے کہ جس کا فاعل مفرد ہے اور اس میں قاعدٌ غلامہٗ یقعد غلامہٗ کی مانند ہے اور برجلین قاعد غلاماھما فاعل مثنیٰ کی مثال ہے اور رجلین تثنیہ کی صفت مفرد ہے اس میں قاعد غلاماھما یقعد غلاماھما کی مانند ہے اور رجال قاعد غلمانہم فاعل مجموع اور افراد صفت کی مثال ہے اور یہ یقعد غلمانہم کی مثل ہے ان تینوں مثالوں میں موصوف وصفت میں مطابقت باعتبار فاعل صفت کے ہے اور مررتُ بامرأۃ قائم ابوہا اس موصوف مؤنث کی مثال ہے کہ جس کی صفت فاعل کے مذکر ہونے کی وجہ سے مذکر لائی گئی ہے پس اس میں قائم ابوہا یقوم ابوہا کی مثل ہے اور برجل قائمۃ جاریتہٗ اس موصوف مذکر کی مثل ہے جس کی صفت فاعل کے مؤنث ہونے کی بنا پر مؤنث لائی گئی ہے پس اس میں قائمۃٌ جاریتہٗ تقوم جاریتہٗ کی مثل ہے یہ تمام امثلہ اس صفت کی ہیں کہ جس کا فاعل مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل کے واقع ہے لہٰذا صفت اور اس کے فاعل میں تذکیر وتانیث کے اعتبار سے مطابقت واجب ہے اور اس کے کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ یہ تمام امثلہ صفت کی قسم ثانی یعنی نعت بحال متعلق الموصوف سے تعلق رکھتی ہیں اب رہی صفت کے فاعل مؤنث غیر حقیقی یا حقیقی مفصول کی مثالیں تو برجل معمورٍ یا معمورۃٍ دارہٗ اس صفت کی مثال ہے کہ جس کا فاعل مؤنث غیر حقیقی ہے یعنی غیر جاندار ہے پس اس میں صفت کا مذکر یا مؤنث لانا برابر ہے اور اس میں معمور او معمورۃ دارہٗ یعمر او تعمر دارہٗ کی مثل ہے اور برجل قائم او قائمۃ فی الدار جاریتہٗ اس صفت کی مثال ہے کہ جس کا فاعل اگرچہ مؤنث حقیقی ہے مگر وہ صفت سے مفصول ہے پس اس میں بھی تذکیر وتانیث برابر ہوگی اور قائم او قائمۃٌ فی الدار جاریتہٗ یقوم او تقوم فی الدار جاریتہٗ کی مانند ہوگا واللہ اعلم۔

۲۶ قولہ فان قلت الخ یہ ایک اعتراض ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو نوع اول یعنی وصف بحال الموصوف بھی پانچ باقی امور یعنی افراد وتثنیہ الخ میں فعل کی مانند ہے اس لئے کہ صفت کا فاعل اس ضمیر کی مانند ہے جو فعل میں پوشیدہ ہو کر موصوف فعل کی طرف راجع ہوتی ہے پس ضروری ہوا کہ وہ ضمیر باقی پانچ امور میں اپنے موصوف کے مطابق ہو پس نعت بحال الموصوف ضمیر مستکن راجع الی الموصوف کی وجہ سے پانچ باقی امور میں فعل کی مانند ہوگی اور حال یہ ہے کہ فعل کی اسناد جب ضمیر کی طرف کی جاتی ہے تو مرجع کے تثنیہ ہونے کی صورت میں فعل میں الف لاحق کیا جاتا ہے اور جمع مذکر عاقل ہونے کی صورت میں واو اور مرجع ضمیر کے جمع مؤنث ہونے کی صورت میں نون اور

کالضمیر المستکن فیه الراجع الی موصوفه والفعل اذا اسند الی الضمیر یلحقه الالف فی التثنیة والواو فی جمع المذکر العاقل والنون فی جمع المونث ویؤنث فی الواحد المؤنث ولذلک قلت مررت برجل ضارب وبرجلین ضاربین وبرجال ضاربین وبامرءة ضاربة وبامرءتین ضاربتین وبنسوة ضاربات کما تقول فی الفعل یضرب ویضربان ویضربون وتضرب وتضربان ویضربن فلما خصصت الثانی بهذا الحکم قلنا[۲۷] المقصود الاصلی فی هذا المقام بیان نسبة الوصفین الی الموصوف بالتبعیة وعدمها ولما کان الوصف الاول یتبع فی الامور العشرة وکان لا تخرجه مشابهته للفعل فی الخمسة البواقی عن هذه التبعیة لما عرفت اکتفی فیه بالحکم علیه بالتبعیة بخلاف الوصف الثانی فانه لما حکم بالتبعیة فی الخمسة الاول لم یکتف فیه بالحکم

نصب وجر و تعریف و تنکیر) میں فعل کی مانند پاؤ گے کیونکہ اس کا فاعل اس ضمیر کی طرح ہے جو فعل میں مستتر ہے جو (ربط کے لئے) اس کے موصوف کی طرف لوٹتی ہے جبکہ فعل (کا حال یہ ہے کہ) جب اس کی ضمیر کی طرف اسناد کی جائے تو اسے تثنیہ میں الف اور جمع عاقل میں واو اور جمع مؤنث میں نون لاحق ہوتا ہے اور فعل کو واحد مؤنث میں مؤنث لایا جائے گا (جبکہ اس میں ضمیر مستتر کا مرجع مؤنث ہو) اور اسی وجہ سے وصف بحال موصوف باقی پانچوں میں بھی فعل کی مانند ہے) تم کہو گے مررت برجل ضارب (مفرد مذکر میں) اور (مررت) برجلین ضاربین (تثنیہ میں) اور (مررت) برجال ضاربین (جمع مذکر میں) اور (مررت) بامرءة ضاربة اور (مررت) بامرءتین ضاربتین اور (مررت) بنسوة ضاربات جیسے تم فعل میں کہو گے یضرب ویضربان ویضربون وتضرب وتضربان ویضربن تو نوع ثانی (یعنی وصف بحال متعلق موصوف) کو تم اس حکم (وفی البواقی کالفعل) کے ساتھ کیونکر خاص کر دیا؟ ہم جواب دیا کہ اس (وصف کے اپنے موصوف کے تابع ہونے اور نہ ہونے کے) مقام میں مقصود اصلی دونوں وصفوں کے موصوف کی نسبت (نوع اول میں) تابع ہونے اور (ثانی میں) نہ ہونے کی نسبت کا بیان ہے اور جبکہ وصف اول امور عشرہ میں موصوف کے تابع ہوتی تھی اور وصف اول کا باقی پانچوں میں فعل کے مشابہ ہونا اسے اس (امور عشرہ میں) تابع ہونے سے خارج نہیں کرتا تھا اس وجہ سے کہ تمہیں معلوم ہوئی (کہ دونوں یعنی صفت و موصوف میں اتحاد و اتصال ہے گویا دونوں شئ واحد ہیں) تو مصنف نے وصف اول (کے بیان) میں اس پر تبعیت کے حکم کے ساتھ اکتفاء کیا (یعنی اختصارا و اعلاما کہ وصف ہذا الموصوف خود قائم است کہ بہ سبب آں گویا کہ بجائے موصوف خود مسند است نہ بجانب ضمیر آں کہ درو مستتر است) نوع ثانی کے برعکس کہ جب مصنف نے اس پر پہلے پانچوں میں تابع ہونے کا حکم لگایا تو وصف ثانی میں عدم تبعیت کے

واحد مونث ہونے کی صورت میں فعل مؤنث لایا جاتا ہے، اور اسی واسطے کہ وصف بحال موصوف خمسہ بواقی میں فعل کی مثل ہے مررتُ برجلٍ ضاربٍ وبرجلین ضاربینِ الخ کہا جاتا ہے تاکہ موصوف وصفت میں باعتبار مرجع ضمیر کے مطابقت پیدا ہو جائے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فعل کی اسناد ضمیر کی طرف کرکے یضرب یضربان یضربون الخ کہا جاتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ نوع ثانی کو تو اس حکم کے ساتھ خاص کر دیا اور اول کو ترک کر دیا واللہ اعلم۔

۲۷ قولہ قلنا الخ یہ اعتراض مذکور کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس مقام میں موصوف کی طرف دونوں وصفوں کی نسبت اس اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے کہ وصف کی نوع اول تمام امور میں موصوف کی تابع ہوتی ہے اور نوع ثانی میں یہ تبعیت بعض امور کے لحاظ سے پائی جاتی ہے یعنی رفع و نصب و جر تعریف اور تنکیر کے اعتبار سے پس جبکہ وصف اول امور عشرہ میں موصوف کا تابع ہوتا ہے اور اس کا فعل کے مشابہ ہونا خمسہ بواقی میں اس کو اس تبعیت سے نہیں نکالتا جبکہ معلوم ہو چکا ہے تو اس میں مصنف نے صرف تبعیت کا حکم لگانے پر اکتفاء کی اور مشابہتہ للفعل کی نفی نہیں کی بخلاف وصف ثانی کے کہ جب اس پر اول کے پانچ امور میں تبعیت کا حکم لگا دیا تو خمسہ بواقی میں اس پر عدم تبعیت کا حکم لگانے پر اکتفاء نہ کی اس لئے کہ وہ غیر مضبوط یعنی غیر منضبط ہے کیونکہ اس میں کہیں تو افراد مناسب ہوتا ہے اگرچہ موصوف تثنیہ یا جمع ہو جیسا کہ اس وقت جبکہ فاعل صفت تثنیہ یا جمع ہو اور کہیں تذکیر و تانیث واجب ہوتی ہے کما مر بلکہ اس کی عدم تبعیت کے لئے ایک ضابطہ بیان کر دیا کہ وصف ثانی بہ نسبت ظاہر مابعد یعنی متعلق کے اعتبار سے فعل کی مانند ہے تاکہ جب وصف ثانی اپنے موصوف کا تابع نہ ہو خمسہ بواقی میں تو معلوم ہو جائے کہ اس کا حال فعل کی مثل ہے لہٰذا یہ خمسہ بواقی میں تابع نہیں پس اعتراض مذکورہ رفع ہو گیا واللہ اعلم۔

بعدم التبعية فانه غير مضبوط بل بين ضابطة عدم تبعية له بكونه كالفعل بالنسبة الى الظاهر بعده ليتبين حاله عند عدم التبعية وَمِنْ ثَمَّ اى ومن اجل كون الوصف الثانى فى الخمسة البواقى كالفعل حَسُنَ قَامَ رَجُلٌ قَاعِدٌ غِلْمَانُه كما حسن يقعد غلمانه وحسن ايضا قاعدة غلمانه لان الفاعل مؤنث غير حقيقى كما تقعد غلمانه وضعف قام رجل قَاعِدُوْنَ غِلْمَانُهٗ لانه بمنزلة يقعدون غلمانه و الحاق علامتى المثنى والمجموع فى الفعل المسند الى ظاهر هما ضعيف وَيَجُوْزُ من غير حسن ولا ضعفٍ قُعُوْدٌ غِلْمَانُهٗ وان كان قعود جمعا ايضا كقاعدون لانك اذا كسرت الاسم المشابه للفعل خرج لفظا عن موازنة الفعل ومناسبته لان الفعل

ساتھ حکم لگانے پر اکتفاء نہ کیا کیونکہ (اس میں) عدم تبعیت کا حکم منضبط نہ تھا کیونکہ بعض میں افراد مناسب تھا جبکہ فاعل مثنی یا مجموع ہو اور بعض میں تذکیر یا تانیث واجب جبکہ فاعل مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل ہو الخ، بلکہ مصنف نے وصف کے موصوف کے لئے تابع نہ ہونے کا یوں ضابطہ بیان کر دیا کہ وہ فاعل ظاہر کی نسبت فعل کی طرح ہو گی تاکہ عدم تبعیت کے وقت وصف ثانی کا حال واضح ہو جائے (یعنی اس کے بارے میں یہ واضح ہو جائے کہ جب وہ اپنے موصوف کے تابع نہ ہو تو اس کا حال وہی ہوگا جو فعل کا ہوتا ہے) ((اور اسی وجہ سے)) یعنی وصف ثانی کے باقی پانچوں میں فعل کی طرح ہونے کی وجہ سے ((قام رجل قاعد غلمانہ خوب ہے)) جیسے یقعد غلمانہ خوب ہے اور قاعدۃ غلمانہ بھی خوب ہے کیونکہ فاعل مؤنث غیر حقیقی ہے جیسے تقعد غلمانہ خوب ہے ((اور)) ((قام رجل قاعدون غلمانہ ضعیف ہے)) کیونکہ یہ یقعدون غلمانہ کے بمنزلے ہے اور مثنی و مجموع کی دو علامتوں (الف اور واو) کا اس فعل میں لاحق کرنا جو ان دونوں (مثنی و مجموع) کے ظاہر کی طرف مسند ہو ضعیف ہے (اور وجہ ضعف یہ ہے کہ اس میں تعدد فاعل بلا عطف لازم آتا ہے کہ تثنیہ و جمع میں الف اور واو بھی فاعل ہیں اور بعد کا اسم ظاہر بھی فاعل ہے ......

((اور قعود غلمانہ)) بلا حسن اور بلا ضعف ((جائز ہے)) اگرچہ قاعدون کی طرح قعود بھی جمع ہے کیونکہ جب تم اسم مشابہ للفعل کو (جمع) مکسر بناؤ تو وہ لفظ کی رو سے فعل کے ہم وزن

۵۲۸ قولہ ومن ثم الخ یعنی چونکہ صفۃ بحال متعلق موصوف خمسہ بواقی میں فعل کی مثل ہے اس لئے ترکیب قام رجلٌ قاعدٌ غلامہٗ حسن ہے جیسا کہ یقعد غلمانہ حسن ہے اس لئے کہ صفت جب اسم ظاہر کی طرف مسند ہوتی ہے تو صفۃ چونکہ فعل کی مثل ہو جاتی ہے اس لئے اس کا مفرد لانا حسن ہے اسی طرح قام رجلٌ قاعدۃٌ غلمانہ کی ترکیب بھی حسن ہے اس لئے کہ فاعل یعنی غلمانہ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لئے کہ غلمانہ جمع ہے، اور جمع بمعنی الجماعۃ ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اور ترکیب تقعد غلمانہ کی طرح حسن ہے پس اگر وصف ثانی خمسہ بواقی میں فعل کی مثل نہ ہوتا تو یہ ترکیب بوجہ عدم مطابقت کے ناجائز ہوتی مگر چونکہ یہ فعل کی مثل ہے اس لئے ترکیب مذکور جائز ہی نہیں بلکہ حسن ہوئی اور ترکیب قام رجلٌ قاعدون غلمانہ ضعیف ہے اس لئے کہ یہ بمنزلہ یقعدون غلمانہ کے ہے اور یہ اس لئے ضعیف ہے کہ جو فعل ظاہر کی طرف مسند ہوتا ہے اس میں علامت تثنیہ و جمع کا الحاق ضعیف ہوتا ہے، اور اس میں علامت جمع کا الحاق ہے لہٰذا یہ بھی ضعیف ہوا اور الحاق کی وجہ ضعف یہ ہے کہ اس سے فاعل کا تعدد لازم آتا ہے، کیونکہ واو اور نون بھی فاعل ہے اور پھر غلمانہ بھی فاعل پس یہ اگرچہ خلاف قاعدہ ہے مگر ممتنع نہیں اس لئے کہ اس میں تاویل کر کے کہہ سکتے ہیں کہ واو اور نون علامت فاعل ہیں فاعل نہیں پس تعدد فاعل لازم آئے گا، مگر چونکہ احتمال فاسد سے خالی نہیں لہٰذا یہ ترکیب ضعیف ہے، واللہ اعلم

۵۲۹ قولہ ویجوز الخ یعنی ترکیب قعودٌ غلمانہ جائز ہے مگر نہ حسن ہے نہ ضعیف اس لئے کہ قعود اگرچہ قاعدون کی طرح جمع ہے، اور غلمانہ اس کا فاعل ہے مگر چونکہ وہ جمع تکسیر ہے اور جمع تکسیر حکم میں مفرد کے ہوتی ہے پس جب اسم مشابہ للفعل کو مکسر کر دیا گیا تو یہ لفظاً موازنۃ ومناسبۃ فعل سے خارج ہو گیا اس لئے کہ فعل کی تکسیر نہیں کی جاتی ہے پس قعودٌ غلمانہ نہ تو قاعدٌ غلمانہ کی طرح ہے کہ جو حسن ہے اس لئے کہ قعود جمع ہے اور قاعدٌ مفرد اور نہ قاعدون بمعنی یقعدون غلمانہ کی مثل ہوگا کہ جو ضعیف ہے اور جس میں دو فاعل ضمیر مرفوع اور غلمانہ بظاہر موجود ہیں مگر یہ کہ یقعدون کے واو کو اسمیۃ سے حرفیۃ کی طرف نکالا جائے پس اس صورت میں واو اور نون علامت فاعل ہوں گے اور غلمانہ فاعل یا غلمانہ کو ضمیر مرفوع واو اور نون سے بدل قرار دیا جائے یا کہا جائے کہ غلمانہ مبتدا مؤخر اور یقعدون اپنے فاعل ضمیر کے ساتھ خبر مقدم ہے پس کوئی اعتراض ضعف باقی نہیں رہے گا پس چونکہ قعودٌ غلمانہ جمع تکسیر ہے اور یہ یقعدون غلمانہ کی طرح نہیں ہے لہٰذا اس کو ضعیف بھی نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم ۱۲۔

لایکسر فلم یکن قعود غلمانہ مثل یقعدون غلمانہ الذی اجتمع فیہ فاعلان فی الظاہر
الا ان تخرج الواو من الاسمیۃ الی الحرفیۃ او یجعل المظہر بدلاً من المضمر او
تجعل الفعل خبراً مقدماً علی المبتدأ **وَالمُضمَرُ لَا یُوصَفُ**[۳۰] لان ضمیر المتکلم والمخاطب
اعرف المعارف واوضحہا فلا حاجۃ لہما الی التوضیح وحمل علیہما ضمیر الغائب
وعلی الوصف الموضح الوصف المادح والذام وغیرہما طرداً للباب **وَلَا یُوصَفُ بِہٖ**[۳۱]
لانہ لیس فی المضمر معنی الوصفیۃ وھو الدلالۃ علی قیام معنی بالذات لانہ یدل
علی الذات لا علی قیام معنیً بہا وکانہ[۳۲] لم یقع فی بعض النسخ قولہ ولا یوصف بہ و
لہذا اعتذر الشارح الرضی وقال ولم یذکر المصنف انہ لا یوصف بالضمیر لانہ
تبین ذلک بقولہ **وَالمَوصُوفُ**[۳۳] **اَخَصُّ اَو مُسَاوٍ** ای الموصوف المعرفۃ اشد

اور اس کی مناسبت سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ فعل کی تکسیر (وتغیر) نہیں ہوتی پس قعود غلمانہ یقعدون غلمانہ کی طرح نہ ہوا کہ جس کے اندر ظاہر میں دو فاعل جمع ہیں مگر (ایک صورت ہے اس تاویل سے دو فاعل جمع نہ ہوں گے اور وہ) یہ کہ واؤ کو (خواہ وہ اسم میں ہو یا فعل میں) اسمیت سے حرفیت کی طرف نکالا جائے (اور فاعل کے لئے اسم ہونا ضروری ہے اس لئے کہ بعض کے نزدیک تثنیہ کا الف اور جمع کی واو کو حرف قرار دیا جو فاعل کے تثنیہ وجمع ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے ضربت ہند کی تاء حرف فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے) یا مظہر کو مضمر سے بدل بنا دیا جائے یا فعل کو مبتداء پر خبر مقدم قرار دیا جائے ((اور مضمر کی وصف نہیں لائی جائے گی)) کیونکہ متکلم اور مخاطب کی ضمیر سب معارف سے بڑھ کر معرفہ اور سب سے زیادہ واضح ہے لہذا ان دونوں کے لئے توضیح کی حاجت نہیں اور غائب کی ضمیر (میں اگرچہ من وجہٍ ابہام ہے مگر چونکہ یہ ان دونوں کی ہم جنس ہے اس لئے عدم توصیف میں اس) کو ان دونوں پر محمول کیا گیا اور وصف مادح اور وصف ذام وغیرہما (کالوصف المؤکد) کو (عدم توصیف میں) طرداً للباب وصف موضح پر محمول کیا گیا (کہ وصف موضح اصل ہے اور باقی فروع جب اصول کا یہ حکم ہے تو فرع کا بہ طریق اولی .... ((اور نہ ہی مضمر سے وصف کی جائے گی)) کیونکہ مضمر میں وصفیت کا معنی نہیں اور وصفیت کا معنی ذات کے ساتھ معنی کے قائم ہونے پر (لفظ کی) دلالت ہے (جیسے احمر ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ حمرۃ کا معنی قائم ہے اور یہ معنی ضمیر میں نہیں پایا جاتا) کیونکہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے ذات کے ساتھ معنی کے قیام پر نہیں اور میرا ظن ہے کہ بعض نسخوں میں مصنف کا قول ولا یوصف بہ واقع نہیں ہوا اور اسی وجہ سے شارح رضی نے (مصنف کی طرف سے) معذرت کی اور کہا کہ مصنف نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ ضمیر کے ساتھ وصف نہیں لائی جاتی کیونکہ (ضمیر کا صفت واقع نہ ہونا) مصنف کے قول ((اور موصوف اخص ہوگا یا مساوی)) سے روشن ہے یعنی موصوف معرفہ تعریف اور معلومیت کے اعتبار

۳۰ قولہ والمضمر الخ یعنی ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی اس لئے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب معرفہ کی تمام قسموں میں اعرف اور اوضح ہیں پس ان دونوں کی توضیح کی حاجت نہیں ہوگی، پھر رہی ضمیر غائب کہ یہ اعرف واوضح نہیں ہوتی، اور دعویٰ مطلق ضمائر کی عدم توصیف کا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضمیر متکلم اور مخاطب پر محمول ہے اسی طرح اگرچہ دلیل سے ضمیر کے موصوف ہونے کی عدم احتیاج بطور وصف موضح کے معلوم ہو رہی ہے کیونکہ معرفہ کی جب صفت لائی جاتی ہے تو افادہ توضیح مقصود ہوتا ہے اور یہاں چونکہ ضمیر خود واضح ہے لہٰذا اس کو توضیح کی ضرورت نہیں پس اس کی عدم موصوفیت سے وصف موضح کی نفی ہوئی مطلق وصف کی نہیں مثلاً وصف دال علی المدح او الذم وغیرہما تو ان کو طرداً للباب وصف موضح پر محمول کر لیا جائے گا یعنی وصف موضح کی طرح وصف دال علی المدح وغیرہ کے ساتھ بھی ضمیر کو موصوف نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۳۱ قولہ قولہ ولا یوصف بہ الخ یعنی ضمیر کسی چیز کی صفت بھی واقع نہیں ہوگی کیونکہ ضمیر میں وصفیت کے معنی نہیں ہوتے یعنی قیام معنی بالذات پر دلالت کرنا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ یہ ان معنی پر دلالت نہیں کرتی کہ جو اس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں بلکہ یہ ذات پر دلالت کرتی ہے لہٰذا یہ صفت نہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۳۲ قولہ وکانہ الخ بعض نسخوں میں کافیہ کے قولہ ولا یوصف بہ نہیں ہے اور اسی نسخہ سے شارح رضی نے اپنی شرح کی ہے لہٰذا اپنی شرح میں رضی نے عذر پیش کیا کہ مصنف نے یہ قول اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ اس کا منشا یعنی عدم وصفیۃ ضمیر قولہ والموصوف اخص او مساوٍ سے ظاہر ہو جاتا ہے پس کوئی شخص رضی پر یہ اعتراض نہ کرے کہ اس کا اعتذار درست نہیں اس لئے کہ کافیہ کے نسخوں میں قولہ ولا یوصف بہ موجود ہے واللہ اعلم ۱۲

اختصاصًا بالتعریف والمعلومیة من الصفة یعنی اعرف منها لانه المقصود الاصلی فیجب ان یکون اکمل من الصفة فی التعریف او مساویا لها لانه لو لم یکن اکمل منها فلا اقل من ان لا یکون ادون منها والمنقول[۳۴] عن سیبویه وعلیه جمهور النحاة ان اعرفها المضمرات ثم الاعلام ثم اسماء الاشارة ثم المعرف باللام و الموصولات فبینهما مساواة وَمِن ثَم[۳۵] ای ومن اجل ان الموصوف اخص او مساوٍ لَم یُوصف ذُو اللَّامِ اِلَّا بِمِثلِه ای ذی اللام الآخر والموصول فانه ایضًا مماثل لذی اللام لما عرفت من المساواة فی التعریف نحو جاء نی الرجل الفاضل او الرجل الذی کان عندك امس اَو بِالمُضَافِ[۳۶] اِلیٰ مِثلِه ای مثل المعرف

سے صفت سے زیادہ خاص (اور قوی) ہوتا ہے یعنی صفت سے زیادہ معروف ہوتا ہے کیونکہ موصوف ہی مقصود اصلی ہے لہذا اس کا تعریف میں صفت سے زیادہ کامل یا اس کے مساوی ہونا ضروری ہے کیونکہ موصوف اگر صفت سے زیادہ کامل نہ ہو تو کم از کم اس سے کم نہ ہو اور سیبویہ سے منقول اور اسی پر جمہور نحات ہیں یہ ہے کہ اعرف المعارف (واقوی المعارف) مضمرات ہیں (تمام کے تمام) پھر اعلام (شخصیہ) پھر اسمائے اشارات (خواہ مفرد ہوں خواہ تثنیہ یا جمع، مذکر ہوں یا مونث) پھر معرف بلام اور (اسمائے) موصولات پھر معرف بلام اور موصولات میں (معنی ولفظا استعمال کے اعتبار سے) مساوات ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے ذولام کو اس کے مثل کے ساتھ ہی موصوف کیا جائے گا یعنی دوسرے ذی لام یا موصول کے ساتھ کہ موصول بھی ذی لام کا مساوی ہے اس وجہ سے جو تمہیں معلوم ہوئی یعنی تعریف میں دونوں کے درمیان مساوات (کی وجہ سے) جیسے جاء نی الرجل الفاضل یا الرجل الذی کان عندک امس (یا اپنے مثلہ کی طرف مضاف کے ساتھ) یعنی معرفہ

۳۳ قولہ والموصوف الخ یعنی موصوف معرفہ صفت سے تعریف اور معلومیت کے اعتبار سے قوی الاختصاص یعنی صفت سے زیادہ اعرف ہوتا ہے اس لئے کہ موصوف وصفت میں موصوف مقصود اصلی ہے پس ضروری ہوا کہ موصوف تعریف میں یا تو صفت سے اکمل ہو یا صفت کے ساوی اس لئے کہ اگر اکمل نہیں ہو سکتا تو اس ات سے کم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ صفت سے کمتر ہو ورنہ تابع کی متبوع پر فوقیت لازم آئے گی در یہ ناجائز ہے اس جگہ شارح نے الموصوف کی تفسیر میں المعرفہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ موصوف نکرہ صفت سے اخص نہیں ہوتا بلکہ اس کے مساوی ہوتا ہے لہذا کوئی یہ اعتراض نہ کر بیٹھے کہ موصوف نکرہ میں قوۃ اختصاص تو در کنار محض اختصاص بھی نہیں پایا جاتا واللہ اعلم۔

۳۴ قولہ والمنقول الخ اس سے شارح یہ بتا رہے ہیں کہ اقسام معرفہ میں سے زیادہ اعرف کون ہے؟ کہتے ہیں کہ سیبویہ سے جو بات نقل کی گئی ہے اور جس پر جمہور نحاۃ ہیں یہ ہے کہ اعرف المعارف مضمرات ہیں پھر اعلام پھر اسماء اشارہ پھر معرف باللام اور موصولات اور ان دونوں یعنی معرف باللام اور موصولات میں مساوات ہے یعنی ایک دوسرے سے اعرف ہونے میں کوئی کم وبیش نہیں۔

۳۵ قولہ ومن ثم الخ یعنی اس وجہ سے کہ موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے ذواللام کی صفت ذواللام ہی لائی جا سکتی ہے یا موصول کیونکہ یہ بھی ذواللام کا اس حیثیت سے مماثل ہے کہ دونوں میں مساواۃ فی التعریف ہے کما عرفت آنفا پس اس کی وجہ یہ ہے کہ معرف باللام معرفہ کی تمام قسموں سے کمتر ہے لہذا اگر اس کی صفت کسی دوسرے معرفہ کے ساتھ سوائے موصول کے لائی جائے گی تو تابع کی متبوع پر فوقیت لازم آئے گی اور یہ ناجائز ہے اور ذواللام کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی الرجل الفاضل کہ موصوف وصفت دونوں معرف باللام ہیں اور جیسے جاءنی الرجل الذی کان عندک امس کہ اس میں موصوف کی صفت موصول واقع ہے واللہ اعلم۔

۳۶ قولہ او بالمضاف الخ یعنی یا معرف باللام کی صفت اس اسم کے ساتھ ہوگی جو اس جیسے معرفہ کی طرف مضاف ہے پھر اس اسم مضاف الی المعرف باللام میں تعمیم ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو جیسے جاءنی الرجل صاحب الفرس کہ اس میں صاحب مضاف اور الفرس کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں یا فاصلہ ہو جیسے جاءنی الرجل صاحب لجام الفرس کہ صاحب اور الفرس کے درمیان لجام فاصلہ وواسطہ ہے اور بالمضاف الی مثلہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ سیبویہ کے نزدیک تعریف مضاف تعریف مضاف الیہ کے مساوی ہے یعنی مضاف الیہ کی وجہ سے مضاف میں جو تعریف آئے گی اس کے اعتبار سے دونوں مساوی ہیں اور غیر سیبویہ یعنی مبرد یہ کہتے ہیں کہ تعریف مضاف تعریف مضاف الیہ سے انقص ہوتی ہے لہذا قول اول کے مطابق ذواللام کی صفت جب مضاف الی مثلہ لائی جائیگی

باللام بلا واسطة نحو جاء نى الرجل صاحب الفرس او بواسطة نحو جاء نى الرجل صاحب لجام الفرس لان تعريف المضاف مساوٍ لتعريف المضاف اليه او انقص منه على الخلاف الواقع بين سيبويه وغيره بخلاف[۳۷] سائر المعارف فانها اخص من ذى اللام فلو وقع اخصُّ نعتا لغير اخص فهو محمول على البدل عند صاحب هذا المذهب وَاِنَّمَا اُلْتُزِمَ[۳۸] وَصْفُ بَابِ هٰذَا اى باب اسم الاشارة بِذِى اللَّامِ مثل مررت بهذا الرجل مع ان القياس يقتضى جواز وصفه بذى اللام والموصول والمضاف الى احدهما لِلْاِبْهَامِ الواقع فى هذا الباب بحسب اصل الوضع المقتضى لبيان الجنس فاذا اريد رفعه لا يتصور بمثله لابهامه ولا يليق بالمضاف

بلام کے مثل (کی طرف) بلا واسطہ (مضاف) جیسے جاءنی الرجل صاحب الفرس یا بالواسطہ جیسے جاءنی الرجل صاحب لجام الفرس کیونکہ مضاف کی تعریف، مضاف الیہ کی تعریف کے مساوی ہے یا اس سے کم ہوتی ہے بنا بر اختلافیکہ سیبویہ وغیرہ میں واقع ہے (سیبویہ کہتے ہیں کہ مساوی ہے اور مبرد کہتے ہیں کہ انقص ہے) دیگر معارف کے برعکس کہ وہ ذی لام سے اخص ہیں پس اگر اخص غیر اخص کے لئے صفت واقع ہو (جیسے جاءنی زید صاحبک یا جاءنی الرجل صاحب زید) تو وہ اس مذہب والے (مصنف) کے نزدیک بدل پر محمول ہوگا ((اور باب ھذا)) یعنی اسم اشارہ کے باب ((کی وصف کا ذی لام کے ساتھ التزام کیا گیا)) جیسے مررت بہذا الرجل مع آنکہ قیاس اس بات کا متقاضی تھا کہ اسم اشارہ کی وصف ذی لام اور موصول اور ان دو میں سے کسی ایک کی طرف مضاف (ہونیوالے) اسم کے ساتھ جائز ہو (مگر صرف ذی لام کے ساتھ ہی جائز ٹھہری تو وہ) ((ابہام کی وجہ سے)) جو باب اسم اشارہ میں اصل وضع کے اعتبار سے واقع ہے جو (یعنی وہ ابہام) بیان جنس کا مقتضی ہے پس جب رفع ابہام کا ارادہ کیا جائے گا تو اس کے مثل سے متصور نہیں کیونکہ وہ بھی مبہم ہوگا اور نہ ہی مضاف سے (رفع ابہام متصور ہو سکتا ہے) جو مضاف الیہ سے تعریف حاصل کرتا

تو موصوف وصفت میں مساوات پیدا ہو جائے گی کیونکہ موصوف تو پہلے سے معرف باللام ہوگا ہی صفت مضاف میں بھی مضاف الیہ معرف باللام کی وجہ سے تعریف باللام آجائے گی کیونکہ مضاف و مضاف الیہ دونوں میں مساوات ہے اور قول ثانی کے مطابق موصوف اخص وصفت مضاف انقص من المضاف الیہ ہونے کی وجہ سے موصوف سے کم پس والموصوف اخص او مساو کا ضابطہ درست ہو جائے گا واللہ اعلم۔

۳۷ قولہ بخلاف الخ اس کا تعلق لم یوصف ذو اللام الا بمثلہ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ ذو اللام اور موصول کے علاوہ باقی معارف ان سے اخص ہیں لہٰذا ان کی صفت ذو اللام اور موصول آسکتی ہے مگر ذو اللام یا موصول کی صفت اسم مضاف الی المضمر یا علم وغیرہ نہیں آسکتی پس اگر کہیں ایسا ہو جائے کہ صفت موصوف سے اخص ہو مثلاً مضاف الی العَلَم معرف باللام کی صفت واقع ہو جائے تو صفت عند المصنف بدلیت پر محمول ہوگی جیسے جاءنی الرجل صاحب زید کہ اس میں صاحب زید کو الرجل سے بدل قرار دیں گے واللہ اعلم۔

۳۸ قولہ وانما التزم الخ اس سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ اسم اشارہ کی صفت کو معرف باللام کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا جبکہ قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کی صفت اسم اشارہ ذی اللام موصول اور مضاف الی ذی اللام والموصول جائز ہونی چاہیے کیونکہ ذو اللام اور موصول میں تو مساوات ظاہر ہے رہا معرف باللام اور مضاف بسوئے معرف باللام تو اس کے متعلق سیبویہ کا مذہب شاہد ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں رتبہ میں یکساں ہیں پس کیا وجہ ہے کہ اسم اشارہ کی صفت صرف معرف باللام لائی جاتی ہے جواب یہ دیا کہ ہذا میں ابہام ہے کیونکہ اس کی اصل وضع ہی ابہام کے لئے ہے

جو کہ بیان جنس کو مقتضی ہے پس جب رفع ابہام کا ارادہ کیا جاتا ہے تو یہ رفع ابہام اس کے مثل سے متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود مبہم ہوتا ہے پس اس کی صفت اسم اشارہ نہیں لا سکتے رہا مضاف الی ذی اللام او الی الموصول تو چونکہ مضاف بھی مبہم ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو مضاف الیہ سے اپنا ابہام دور کرنا پڑتا ہے پس وہ دوسرے کے ابہام کو کیسے دور کرے گا، اور اگر اس کی صفت مضاف بسوئے

معرف باللام یا مضاف بسوئے موصول لائی جائے گی، تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ مستعیر سے استعارہ کرنا اور محتاج وفقیر سے سوال کرنا پس اس کی صفت کے لئے اسم جنس معرف باللام متعین ہو گیا لتعینہ فی نفسہ یعنی اس اعتبار سے کہ الف لام تعریف کے لئے موضوع ہیں یہ معرفہ بنفسہ ہوگا، اور جنس پر دلالت کرے گا اب رہی اس کی صفت موصول تو اس کو اس وجہ سے بیان نہیں کیا کہ یہ ذو اللام پر محمول

المکتسب التعریف من المضاف الیہ لانہ کالاستعارۃ من المستعیر والسؤال عن المحتاج الفقیر فتعین ذواللام لتعینہ فی نفسہ وحمل الموصول علیہ لانہ مع صلتہ مثل ذی اللام مثل مررت بھذا الذی کرم ای الکریم ومن ثم ای ومن اجل ان الالتزام وصف باب ھذا بذی اللام لرفع الابہام ببیان الجنس ضعف مَرَرْتُ بِھٰذَا الْاَبْیَضِ لانہ لایتبین بہ جنس المبہم لان الابیض عام لایختص بجنس دون جنسٍ وَحَسُنَ مررت بِھٰذَا الْعَالِمِ لانہ یتبین بہ ان المشار الیہ انسان بل رجل اَلْعَطْفُ یعنی المعطوف بالحرف تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ ای قصد نسبتہ الی شئٍ او نسبۃ شئٍ

ہے کیونکہ یہ مستعیر سے استعارہ اور فقیر محتاج سے سوال کرنے کی مانند ہے پس ذو لام متعین ہو گیا کہ وہ فی نفسہ متعین ہو گیا اور اسم موصول کو (رفع ابہام میں) ذی لام پر محمول کیا گیا کہ وہ اپنے صلہ کے ساتھ (مل کر) ذی لام .... کی مانند ہے جیسے مررت بہذا الذی کرم ای الکریم ((اور اسی وجہ سے)) یعنی اور اس وجہ سے کہ ھذا کے باب کی وصف کا ذی لام کے ساتھ التزام بیان جنس کے ذریعے ابہام کو رفع کرنے کے لئے ہے ((مررت بہذا الابیض)) ضعیف ہے کیونکہ الابیض سے مبہم کی جنس واضح نہیں ہوتی کیونکہ ابیض عام ہے جو کسی ایک جنس کے ساتھ خاص نہیں ہے ((اور)) مررت ((بہذا العالم خوب ہے)) کیونکہ اس سے واضح ہوتا ہے مشار الیہ انسان ہے بلکہ مرد ہے ((عطف)) معطوف بہ حرف ((وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے ہمراہ مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے)) یعنی کسی چیز کی طرف اس

ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ دونوں میں مساوات ہے۔ اور اس لئے کہ موصول اپنے صلہ کے ساتھ رفع ابہام میں ذو اللام کی طرح ہوتا ہے جیسے مررتُ بہذا الذی کرُم ای الکریم کہ الذی کرُم الکریم کے معنی میں ہے فلا اشکال فیہ واللہ اعلم۔

۵۳۹ قولہ ومن ثم الخ یعنی اس وجہ سے کہ باب ہذا کی صفت ذو اللام اس وجہ سے لائی جاتی ہے کہ وہ بیان جنس کے ساتھ رفع ابہام کرتا ہے تو جہاں کہیں اس کی صفت معرف باللام بھی رفع ابہام نہیں کرے گی، وہاں وہ بھی جائز نہیں ہوگی پس یہ قول اول سے ترقی ہے کہ ہذا کی صفت معرف باللام تو کیا بعض جگہ معرف باللام بھی نہیں ہوگی پس اس قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مررتُ بہذا الابیض کہنا ضعیف ہے اس لئے کہ الابیض سے جنس مبہم واضح نہیں ہوتی اس لئے کہ ابیض عام ہے وہ کسی جنس کے ساتھ بھی خاص نہیں خواہ وہ جنس انسان ہو یا فرس غنم وغیرہ پھر یہ کہ اس کو خلاف قاعدہ ہونے کی وجہ سے ممتنع کیوں نہیں کیا گیا ضعیف کیوں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے فی الجملہ ابہام رفع ہو جاتا ہے کیوں کہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اسود یا احمر وغیرہ نہیں ابیض ہے لہٰذا ترکیب مذکور ممتنع نہ ہوئی بلکہ ضعیف ہے، اور ترکیب مررتُ بہذا العالم حسن ہے اس لئے کہ عالم سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مشارٌ الیہ انسان ہی نہیں بلکہ عورت سے بھی خاص ہو کر مرد ہے پس ہذا سے ابہام بدرجۂ اتم رفع ہو گیا واللہ اعلم۔

۵۴۰ قولہ العطف الخ عطف کی چونکہ دو قسمیں ہیں عطف بیان اور عطف بحرف لہٰذا شارح نے تعیین کرنے کے لئے یعنی المعطوف بالحرف کا اضافہ فرمایا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ معطوف بالحرف کو مطلقاً عطف کے ساتھ پکارتے ہیں بخلاف عطف بیان کے کہ اس میں لفظ بیان مزدود ہوتا ہے پس عطف بحرف وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ نسبۃ میں مقصود ہو اس جگہ شارح نے مقصودٌ کی تفسیر ای قُصِدَ نسبتہ الی شئٍ الخ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قولہٗ بالنسبۃ ماضی مجہول یعنی قصد کے متعلق ہے کہ جس کا نائب فاعل نسبتہٗ ہے پس اگر اس کی تفسیر نہ کی جاتی تو مقصودٌ کی ضمیر مستتر تابعٌ کی طرف راجع ہوتی، اور مطلب یہ ہو جاتا کہ تابع مقصود بالنسبۃ ہے حالانکہ مقصود یہ نہیں بلکہ مقصود بالنسبۃ نسبۃ تابع ہے پس ظاہر ہو گیا کہ سبب فساد بالنسبۃ کا مقصودٌ سے متعلق ہونا ہے کہ جس کی ضمیر تابعٌ کی طرف راجع ہے اس لئے کہ معنی اس صورت میں یہ ہو جاتے ہیں کہ تابع مقصود اور مراد من النسبۃ ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مقصود اور مراد نسبۃ ہے نسبۃ تابع ہے پس قولہ بالنسبۃ قصد کے متعلق ہے جبکہ مقصودٌ سے سمجھا جاتا ہے پھر نسبۃ میں تعمیم ہے کہ تابع کی نسبۃ کسی شئے کی طرف ہو جیسے زیدٌ قائمٌ وذاہبٌ کہ اس میں نسبۃ ذہاب زید کی طرف ہے، اور یا کسی شئے کی نسبۃ تابع کی طرف ہو جیسے جاءنی زیدٌ وعمروٌ کہ اس میں مجیئۃ کی نسبۃ عمرو کی طرف ہو رہی ہے پھر شارح نے بالنسبۃ کے بعد الواقعۃ فی الکلام سے یہ بتایا ہے کہ النسبۃ میں الف لام عہد کے لئے ہے اور اس سے نسبۃ کلامیہ مراد ہے اور مع متبوعہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح معطوف مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اسی طرح معطوف علیہ یعنی متبوع بھی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے جیسے جاءنی زیدٌ وعمروٌ پس عمرو تابع ہے اس لئے کہ وہ زید پر معطوف بحرف عطف

اليه بِالنِّسبَته الواقعة فی الكلام فقوله[۱۷۱] بالنسبته متعلق بالقصد المفهوم من المقصود مع مَتبُوعِه ای كما يكون هو مقصودًا بتلك النسبة يكون متبوعه ايضا مقصودًا بها نحو جاءنی زيد وعمرو فعمرو تابع لانه معطوف علی زيد قصد نسبة المجئ اليه بنسبة المجئ الواقعة فی الكلام وكما ان نسبة المجئ اليه مقصودة كذلك نسبته الی زيد الذی هو متبوعه ايضا مقصودة فقوله مقصود بالنسبة احترازٌ عن غير البدل من التوابع لانها غير مقصودة بل المقصود متبوعاتها وقوله مع متبوعه احتراز عن البدل لانه المقصود دون متبوعه قيل[۱۷۲] يخرج بقوله مع متبوعه المعطوفُ بلا وبَلْ ولكن واَمْ واما واو لان المقصود بالنسبة معها احد الامرين من التابع والمتبوع لا كلاهما واجيب بان المراد بكون المتبوع مقصودًا بالنسبة ان لا يذكر للتوطية

کی نسبت یا اسکی طرف کسی چیز کی نسبت کا قصد کیا جاتا ہے ایسی نسبت جو کلام میں واقع ہے تو مصنف کا قول بالنسبۃ اسی قصد سے متعلق ہے جو مقصود سے مفہوم ہوتا ہے (اور وہ اپنے متبوع کا ہمراہ مقصود بہ نسبت ہوتا ہے) یعنی جیسے وہ اس نسبت کے ساتھ مقصود ہوتا ہے اسی طرح اس کا متبوع بھی مقصود بہ نسبت ہوتا ہے جیسے جاءنی زید وعمرو۔ تو عمرو تابع ہے کیونکہ وہ زید پر معطوف ہے تو مجیئت کی اس نسبت (کے قصد) سے جو کلام میں واقع ہے عمرو کی طرف مجیٔ کی نسبت کا قصد کیا گیا ہے اور جس طرح اس کی طرف مجی کی نسبت مقصود ہے اسی طرح مجی کی نسبت اس زید کی طرف کہ اس کا متبوع ہے بھی مقصود ہے پس مصنف کا قول مقصود بالنسبۃ بدل کے سوا (باقی) توابع سے احتراز ہے کیونکہ وہ مقصود (بہ نسبت) نہیں بلکہ مقصود (بہ نسبت) ان کے متبوعات ہیں اور مصنف کا قول مع متبوعہ بدل سے احتراز ہے کیونکہ بدل ہی مقصود ہوتا ہے اس کا متبوع نہیں اعتراض کیا گیا ہے کہ (یہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں کیونکہ) مصنف کے قول مع متبوعہ سے معطوف بلا (جیسے جاءنی زید لا عمرو) اور (معطوف بہ) بل (جیسے جاءنی زید بل عمرو یا ما جاءنی زید بل عمرو) اور (معطوف بہ) لکن (جیسے جاءنی زید لکن عمرو الم یجیٔ اور ما جاءنی زید لکن عمرو اجاء) اور (معطوف بہ) ام (جیسے أزید فی الدار ام عمرو) اور (معطوف بہ) اما (جیسے جاءنی زید اما عمرو وما جاء یا ما جاءنی زید اما عمرو وجاءنی) اور (معطوف بہ) او (جیسے جاءنی زید او عمرو) نکل جائے گا کیونکہ ان کے ہمراہ مقصود بہ نسبت تابع ومتبوع دونوں میں سے ایک ہی ہوتا ہے دونوں نہیں اور جواب دیا گیا ہے کہ متبوع کے مقصود بہ نسبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ تابع کے ذکر کی تمہید کے لئے ذکر نہ کیا جائے . . . . .

ہے، اور عمرو کی طرف اس نسبت مجیئی کے ساتھ جو کلام یعنی جاءنی زیدٌ میں واقع ہے نسبۃ مجیئی کا قصد کیا گیا ہے اور جیسا کہ مجیئی کی نسبت عمرو کی طرف مقصود ہے ایسے ہی مجیئی کی نسبۃ زید کی طرف بھی مقصود ہے جو کہ عمرو کا متبوع ہے واللہ اعلم۔

۱۷۱ قولہ فقولہ الخ یعنی اس تعریف میں قولہ تابع بمنزلہ جنس کے ہے کہ تمام توابع کو شامل ہے، اور قولہ مقصودٌ الخ بمنزلہ فصل کے کہ مقصودٌ بالنسبۃ سے نعت تاکید اور عطف بیان سوائے بدل کے خارج ہو جاتے ہیں اس لئے کہ یہ مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتے بلکہ ان کے متبوعات مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں، اور بدل چونکہ مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اس لئے وہ داخل رہتا ہے پس قولہ مع متبوعہ سے بدل بھی خارج ہو گیا اس لئے کہ وہ اپنے متبوع کے بغیر مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے واللہ اعلم۔

۱۷۲ قولہ قیل الخ یہ ایک اعتراض ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ قول مصنف مع متبوعہ سے معطوف بلا و بل و لکن و اَم و اِمّا و اَو خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ ان حروف میں سے کسی کے ساتھ جو بھی معطوف آئے گا تو اس سے مقصود بالنسبۃ احد الامرین ہوں گے یعنی صرف تابع یا صرف متبوع دونوں مقصود نہیں ہوتے پس تعریف عطف اپنے افراد کو جامع نہیں رہی واجیب سے شارح نے جواب دیا کہ متبوع کے مقصود بالنسبۃ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ذکر تابع کے توطیہ وتمہید کے لئے ذکر نہ کیا جائے، اور تابع کے مقصود بالنسبۃ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ متبوع کے لئے بطور فرع کے نہ ہو یعنی تابع غیر مستقل نہ ہو جیسا کہ نعت منعوت کے لئے بطور فرع منعوت کے ہوتی ہے بلکہ تابع مستقل ہو پس جب دونوں سے مراد حسب مذکور بھی تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں معطوف اور معطوف علیہ حروف ستہ کے ساتھ اس معنی کے اعتبار سے ایک ساتھ مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں کیونکہ متبوع کا ذکر جب بطور تمہید کے نہ ہوا تو بطور استقلال کے ہوگا، اور تابع بھی مستقل ہوگا تو دونوں مقصود بالنسبۃ ہو گئے فلا اشکال فیہ واللہ اعلم ۱۲۔

ذکر التابع ویکون التابع مقصودا بالنسبة ان لایکون کالفرع علی المتبوع من غیر استقلال به ولاشك ان للمعطوف والمعطوف علیه بتلك الحروف الستة مقصودان بالنسبة معا بهذا المعنی ولما[٤٣] تم الحد بما ذکره جمعا ومنعا اردفه لزیادة التوضیح بقوله یتوسط بَیْنَه ای بین ذلك التابع وَبَیْنَ مَتْبُوْعِه اَحَد الحُرُوْفِ العَشَرَةِ وَسَیَاتِی تفصیلها فی قسم الحروف ان شاء الله تعالیٰ مِثْل قَامَ زَیْدٌ وَّعَمْرٌو ولم[٤٤] یکتف بقوله تابع یتوسط بینه وبین متبوعه احد الحروف العشرة لان الحروف قد تتوسط بین الصفات مثل جاءنی زید العالم والشاعر والدبیر فالصفة الداخل علیها حرف العطف کالشاعر والدبیر لها جهتان احدٰهما کونها صفة لزید تابعة له بتبعیة

. . . . اور تابع کے مقصود بہ نسبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ متبوع پر فرع کی طرح بلا استقلال نہ ہو اور اس میں شک نہیں کہ ان حروف ستہ کے ساتھ معطوف و معطوف علیہ اس معنے سے اکٹھے مقصود بہ نسبت ہوتے ہیں (کیونکہ عطف بہ لا میں معطوف علیہ ثبوتا اور معطوف نفیا مقصود ہوتے ہیں اور معطوف بہ بل نفیا و ثبوتا مقصود ہوتا ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ وقس علی ھذا) اور جب (معطوف کی) تعریف ان الفاظ سے کہ جنہیں مصنف نے ذکر کیا جمعا و منعا پوری ہو گئی تو مصنف اس کے بعد زیادت توضیح کے لئے اپنا یہ قول لائے کہ ((اس کے درمیان)) یعنی اس تابع کے درمیان ((اور اس کے متبوع کے درمیان گیارہ حروف میں سے ایک حرف آتا ہے اور عنقریب)) اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ حروف کے قسم میں ((آئے گی جیسے قام زید وعمرو)) اور مصنف نے (عطف کی تعریف میں) اپنے قول "تابع یتوسط بینہ وبین متبوعہ احد الحروف العشرۃ" پر اکتفاء نہ کیا کیونکہ حروف عطف کبھی صفات کے درمیان آجاتے ہیں جیسے جاءنی زید العالم والشاعر والدبیر تو اس صفت کے لیے کہ اس پر حرف عطف داخل ہے جیسے الشاعر اور الدبیر دو جہتیں ہیں ان دو میں سے ایک اس کا زید کے لئے صفت اور معطوف

۴۳ قولہ ولما تم الخ مصنف کی عبارت یتوسط بینہ الخ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تعریف سے یہ ایک حکم خارجی ہے، اور اس سے مثال کو اس لئے متاخر کر دیا کہ اس حکم سے زیادہ توضیح میں بصیرت حاصل ہوتی ہے، پس گویا کہ یہ حکم تعریف کے تتمہ کے بطور ہے یا یہ کہ مثال سے اس حکم کی تمثیل بھی مقصود ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ تعریف میں داخل ہے جیسا کہ بادی النظر میں سمجھا جاتا ہے اور تاخر مثال

اس کی تائید کرتا ہے لیکن اس کو تعریف کے جامع اور مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں پس شارح نے دونوں احتمالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ولما تم الحد الخ کہا کہ اب تک جو کچھ مصنف نے کہا تھا اس سے تعریف جامع مانع ہو گئی تھی لہٰذا اس قول کو اس کی جمعیۃ و منعیۃ میں کوئی دخل نہیں، اور یہ تعریف میں شامل بھی نہیں بلکہ زیادہ توضیح کے لئے اس کو لایا گیا ہے بہرحال عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تابع اور متبوع کے درمیان

حروف عشرہ میں سے کوئی نہ کوئی ایک حرف ہونا چاہیے، اور حروف کی تفصیل عنقریب آجائے گی واللہ اعلم۔

۴۴ قولہ ولم یکتف الخ جواب اگر کوئی کہے کہ عبارت میں ایجاز و اختصار اصل ہے پس مصنف کو مناسب یہ تھا کہ وہ اپنی تعریف میں تابع یتوسط بینہ وبین متبوعہ احد الحروف العشرۃ پر اکتفاء کرتے کیونکہ اس سے دوسرے توابع سے امتیاز حاصل ہو جاتا ہے پس اس پر اکتفاء کیوں نہیں کیا اس کا جواب لان الحروف الخ سے یہ دیا کہ حروف کبھی صفات کے درمیان بھی آتے ہیں جیسے جاءنی زید العالم والشاعر والدبیر کہ اس میں الشاعر اور الدبیر یہ صفات پر حروف عطف داخل ہے پس ان دونوں صفات میں دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ یہ دونوں زید کی صفۃ ہیں جو کہ بواسطہ معطوف علیہ زید کے تابع ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ دونوں صفۃ متقدمہ یعنی العالم پر معطوف ہونے کی وجہ سے العالم کے تابع ہیں پس اول حالت کے اعتبار سے ان صفات پر یہ صادق آتا ہے کہ یہ تابع ہیں اس لئے کہ یہ زید کی صفت ہیں اور ان کے اور زید کے درمیان حرف عطف ہے اور دو چیزوں کے درمیان حرف عطف آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثانی کا اول پر عطف ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ واو ابتدائیہ یا استینافیہ یا حالیہ وغیرہ ہو پس جہۃ اول کے مطابق زید اور الشاعر کے درمیان جو حرف عطف آئے گا وہ واجب نہیں قرار دیتا کہ زید پر اس کا عطف ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ عطف نہ ہو پس الشاعر زید کی صفت واقع ہوگا باوجودیکہ دونوں کے درمیان حرف عطف موجود ہے اور دونوں معطوف علیہ و معطوف نہیں پس اگر مصنف قولہ مقصودٌ بالنسبۃ مع متبوعہ ذکر نہ کرتے تو یہ صفت حالت اول کے اعتبار سے تعریف معطوف میں داخل ہو جاتی حالانکہ یہ اس جہۃ سے معطوف نہیں صفت ہے پس تعریف عطف دخول غیر

المعطوف علیہ واخرٰہما کونہا معطوفاً علی الصفۃ المتقدمۃ تابعۃ لہا ویصدق علی هذہ الصفۃ من جهتها الاولی انها تابعۃ لانها صفۃ لزید یتوسط بینها و بین زید حرف العطف لان توسط حرف العطف بین شیاین لایلزم ان یکون العطف الثانی علی الاول فلولم یکن قولہ مقصودا بالنسبۃ مع متبوعہ لدخل هذہ الصفۃ من جهتها الاولی فی حد المعطوف وهی من هذہ الجهۃ لیست معطوفۃ فلم یبق مانعا وقیل[٤٥] قد جوز الزمخشری وقوع الواو بین الموصوف والصفۃ لتاکید اللصوق فی مواضع عدیدۃ من الکشاف وحکم المصؔ فی شرح المفصل فی مباحث الاستثناء ان قولہ تعالی ولها منذرون فی قولہ وما اهلکنا من قریۃ الا ولها منذرون صفۃ لقریۃ فلو اکتفی بقولہ تابع یتوسط لدخل فیہ مثل هذہ الصفۃ ونقل[٤٦]

علیہ (صفت اولی) کی تبعیت سے زید کا تابع ہونا اور ان دو میں سے جہتِ دیگر اس صفت کا صفت متقدمہ (اولی) پر معطوف اور اس صفت کا تابع ہونا اور اس صفت پر جہت اولی سے یہ بات صادق آتی ہے کہ یہ تابع ہے کیونکہ یہ زید کے لئے صفت ہے اس کے اور زید کے درمیان حرف عطف ہے کیونکہ دو چیزوں کے درمیان حرف عطف اس بات کو مستلزم نہیں کہ ثانی کا اول پر عطف ہو پس اگر مصنف کا قول "مقصودا بالنسبۃ مع متبوعہ" نہ ہوتا تو یہ صفت اپنی جہت اولی معطوف کی حد میں داخل ہوتی حالانکہ یہ صفت اس جہت (اولی) سے (قصد وارادہ میں) معطوف نہیں (بلکہ یہ صفت اولی کی طرح صفت ہے) پس حد مانع (از دخول غیر) باقی نہ رہتی (کہ حد کا محدود کے بغیر صدق لازم آتا رہا یہ سوال کہ کیا صفات کے درمیان حرف کا دخول جائز ہے اور کیا علمائے نحو نے بھی اس کی تائید کی ہے؟ تو) کہا گیا ہے کہ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف کے اندر متعدد مقامات میں موصوف اور صفت کے درمیان تاکید اتصال کے لئے واؤ کے وقوع کو جائز قرار دیا (مثلاً قرآن مجید میں ویقولون سبعۃ وثامنهم کلبهم جملہ اسمیہ یعنی ثامنهم سبعۃ کی صفت ہے تو اس پر واؤ تاکید اتصال کے لئے داخل ہوئی ہے) اور مصنف نے شرح مفصل کے اندر استثناء کے مباحث میں اللہ تعالی کے قول وما اهلکنا من قریۃ الا ولها منذرون میں لها منذرون کو قریۃ کیلئے صفت قرار دیا پس اگر مصنف اپنے قول تابع یتوسط پر اکتفاء کرتے تو اس (معطوف کی تعریف)

سے مانع نہ رہتی لہٰذا مصنف نے حرف تابعٌ بتوسطہ الخ پر اکتفا نہیں کیا۔

[٤٥] قولہ وقیل الخ اس سے شارح ماقبل کی تاکید کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ صفات کے درمیان حرف آجاتا ہے کہتے ہیں کہ زمخشری نے موصوف وصفت کے درمیان واو عاطفہ کے وقوع کو جائز قرار دیا ہے تاکہ موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید ہو جائے، اور اس جواز کی طرف تفسیر کشاف کے چند مواقع میں اشارہ ہے ان میں سے ایک یہ قول باری تعالی ہے، ویقولون سبعۃ وثامنهم کلبهم کہ اس میں سبعۃ موصوف ہے، اور ثامنهم کلبهم جملہ ہوکر اس کی صفت ہے پس اس میں واؤ تاکید اتصال کی وجہ سے آیا ہے اور مصنف نے مفصل کی شرح الایضاح میں استثناء کی مباحث میں بیان کیا ہے کہ قول باری تعالی وما اهلکنا من قریۃ الا ولها منذرون میں ولها منذرون، قریۃ کی صفت ہے اور ہرا تحا لیکن واو عاطفہ موجود ہے پس اگر مصنف قولہ تابع یتوسط الخ پر اکتفاء کرتے تو اس میں اس جیسی صفت بھی داخل ہوجاتی ہے واللہ اعلم۔

[٤٦] قولہ ونقل الخ اس سے بھی موصوف وصفت کے درمیان توسط حرف عطف کی تائید مقصود ہے کہتے ہیں کہ امالی کافیہ میں مصنف سے نقل کیا گیا ہے کہ جاءنی زید والعاقل میں العاقل تابع ہے کہ اس کے اور متبوع کے درمیان حروف عشرہ میں سے ایک حرف ہے اور یہ بظاہر تو معطوف ہے مگر فی وجہ التحقیق معطوف نہیں اس لئے کہ اس حرف عطف کا حذف کرنا جائز ہے پس اگر یہ معطوف ہوتا حقیقۃً تو حذف حرف عطف جائز نہ ہوتا پس یہ باوجود حرف عطف کے اپنی حالیۃ وصفیۃ پر باقی رہتے ہوئے وصف ہے اور موصوف وصفت کے درمیان دخول عاطف اس لئے مستحسن ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں

مغایرت ہونے کے سبب سے موصوف وصفت ان کے مشابہ ہیں کیونکہ صفت اور موصوف کے درمیان بھی تغایر ہوتا ہے۔ لفظاً بھی اور معنیً بھی لفظاً تو اس طرح کہ عاقل لفظ زید کے مغایر ہے اور معنی اس طرح کہ زید کے معنی حیوان ناطق

مع التشخص کے ہیں اور عاقل کے معنی ذات متصف بالعقل کے مگر چونکہ ذات متصف بالعقل میں یہ احتمال ہے کہ وہ ذات زید ہو لہٰذا عاقل کو اس کے مناسب کر دیا گیا جیسا کہ معطوف و معطوف علیہ میں باوجود مغایرت کے بوجہ آخر

عن المصنف انه قال فی امالی الکافیة ان العاقل فی مثل جاء نی زید العالم والعاقل تابع یتوسط بینه وبین متبوعه احد الحروف العشرة ولیس بعطف علی التحقیق وانما هو باقٍ علی ما کان علیه فی الوصفیة وانما حَسُنَ دخول العاطف لنوع من الشبه بالمعطوف لما بینهما من التغایر فلوحدُّ العطف کذٰلک لدخل فیه بعض الصفات مع انه لیس بمعطوف وقال بعضهم فیه نظر لان الحروف المتوسطة بینهما عاطفة لدلالتها فیها علی ما تدل علیه فی غیرها من الجمع والترتیب وغیر ذلک ففی جعلها غیر عاطفة فی الصفات وعاطفة فی غیرها ارتکابُ امرٍ بعیدٍ من غیر ضرورةٍ داعیة الیه وَاِذَا عُطِفَ عَلَی الضمیر المرفوع لا المنصوب والمجرور المتصل

میں اس جیسی صفت داخل ہو جاتی اور مصنف سے منقول ہے کہ انہوں نے امالی کافیہ (میں کہا ہے کہ جاءنی زید العالم والعاقل کے مثل میں العاقل تابع ہے کہ اس کے اور اس کے متبوع کے درمیان دس حروف (عطف) میں سے ایک حرف آیا ہے حالانکہ بنا بر تحقیق یہ عطف نہیں ہے اور یہ تو اسی وصفیت پر باقی ہے جس پر پہلے تھا (وآں بودن او ست تابعیکہ دلالت کند بر معنی کہ در متبوع است مطلقا) اور (صفت پر) حرف عطف کا دخول اس لئے خوب ہے کہ صفت ایک طرح سے معطوف کے مشابہ ہے کیونکہ دونوں میں تغایر ہے (لفظاً و معنی، لفظاً تو ظاہر اور معنی یوں کہ زید حیوان ناطق مع التشخص ہے اور عالم یا عاقل ذات متصف بہ علم یا بعقل ہے مگر جب اس ذات میں احتمال تھا کہ وہ زید کی ذات ہو تو عاقل یا عالم اس کے مناسب ہوا جیسے معطوف و معطوف علیہ میں لفظاً و معنی تغایر ہوتا ہے اور من وجہ مناسبت اور اس مناسبت سے اس پر حرف عطف داخل ہوا) پس اگر عطف کی اس طرح تعریف کی جاتی (تابع یتوسط بینه وبین متبوعه احد الحروف العشرة) تو اس میں بعض صفات داخل ہو جاتیں مع انکہ وہ معطوف نہیں (تو حد مانع از دخول غیرنہ ہوگی) بعض نے کہا کہ اس قول میں (کہ لو اکتفی فی تعریف العطف بقوله العطف تابع یتوسط بینه وبین متبوعه احد الحروف العشرة اور تابع مقصود بالنسبة مع متبوعہ نہ کہتے تو اس میں صفات داخل ہو جاتیں جن کے درمیان حرف عطف ہے) نظر ہے کیونکہ صفات کے درمیان کے حروف عاطفہ ہیں اس لئے کہ صفات میں (واقع ہونیوالے) حروف اسی چیز پر دلالت کرتے ہیں جس پر غیر صفات میں دلالت کرتے ہیں یعنی جمع (پر جیسے واؤ) اور ترتیب (پر جیسے فاء، وغیرہ (پر جیسے ثم تراخی پر) تو ان حروف کے صفات میں غیر عاطفہ اور غیر صفات میں عاطفہ قرار دینے میں بغیر اس کے کہ اس کی طرف کوئی ضرورت داعی ہو امر بعید کا ارتکاب ہے (اور امر بعید معنی مجازی ہے کیونکہ حروف عطف کا تاکید لصوق و اتصال کے لئے ہونا مجاز ہے حقیقت نہیں ہے) اور جب ضمیر (مرفوع) نہ کہ منصوب و مجرور (متصل)

بعض صفات داخل ہو جائیں واللہ اعلم ۱۲۔

۴۷ قولہ وقال بعضهم الخ یہ جواب مذکور پر اعتراض ہے معترض کہتا ہے کہ یہ جواب محل نظر ہے اس لئے کہ صفات کے درمیان حروف متوسط عاطفہ ہیں کیونکہ یہ حروف جس طرح غیر صفت یعنی معطوف و معطوف علیہ میں جمع و ترتیب وغیرہ پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح صفات میں بھی جمع و ترتیب وغیرہ پر دلالت کرتے ہیں پس ان حروف کو صفات میں غیر عاطفہ اور غیر صفات میں عاطفہ قرار دینا بلا ضرورۃ داعیہ امر بعید کا ارتکاب کرنا ہے یعنی حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کر لینا ہے باوجودیکہ حقیقت اختیار کی جا سکتی ہے جواب یہ ہے کہ اس صفت کو معطوف قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ یہ مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتی جیسا کہ موصوف مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے بخلاف معطوف کے کہ وہ اپنے معطوف علیہ کی طرح مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے لہٰذا ان دونوں کے درمیان حروف متوسط کو عاطفہ قرار دیں گے۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۴۸ قولہ واذا عطف الخ یعنی جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے گا خواہ وہ ضمیر متصل مرفوع بارز ہو یا مستتر منصوب و مجرور اور منفصل نہ ہو تو بوقت عطف اولاً ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید لائی جائے گی پھر اس تاکید پر عطف کیا جائے گا، اور یہ اس لئے کہ ضمیر متصل مرفوع جس فعل سے یہ ملی ہوئی ہے اس کے جزء کی مانند ہے لفظاً بھی اور معنی بھی لفظاً تو اس حیثیت سے کہ یہ اس سے اس طرح ملی ہوئی ہے کہ اس کا انفصال فعل سے جائز نہیں اس لئے کہ ضمیر میں اصل اتصال ہے اور معنی اس حیثیت سے کہ یہ فاعل ہے اور فاعل فعل کے جزء کی مانند ہوتا ہے پس اگر بلا تاکید کے اس پر عطف کر دیا جائے تو یہ ایسا ہو گا جیسا کہ کلمہ کے بعض حروف پر عطف کر دیا جائے، اور یہ ناجائز ہے پس اولاً اس کی تاکید منفصل کے

مناسبت ہوتی ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے اس پر حرف عطف داخل ہوتا ہے۔

پس اگر عطف کی تعریف تابع یتوسط الخ سے کی جاتی تو اس میں باوجود معطوف نہ ہونے کے

بارزًا کان او مستترا الا المنفصل اُکِّدَ بِمُنفَصِلٍ اولا ثم عطف علیه وذلك لان المتصل المرفوع کالجزء مما اتصل به لفظا من حیث انه متصل لا یجوز انفصاله ومعنی من حیث انه فاعل والفاعل کالجزء من الفعل فلو عطف علیه بلا تاکید کان کما لو عطف علی بعض حروف الکلمة فاکد اولا بمنفصل لانه بذلك یظهر ان ذلك المتصل وان کان کالجزء منفصل من حیث الحقیقة بدلیل جواز افراده مما اتصل به بتاکیده فیحصل له نوع استقلال ولا یجوز [49] ان یکون العطف علی هذا التاکید لان المعطوف فی حکم المعطوف علیه فکان یلزم ان یکون هذا المعطوف ایضا تاکیدا وهو باطل وان کان [50] الضمیر منفصلا نحو ما ضرب الا انت وزید لم یکن کالجزء لفظا وکذا ان کان متصلا منصوبا نحو ضربتك وزیدا لم یکن کالجزء معنی فلاحاجة فیهما الی التاکید بمنفصل مِثلُ [51] ضَرَبْتُ اَنَا وَزَیْدٌ وزید ضرب هو وغلامه اِلَّا اَنْ [52] یَقَعَ فَصْلٌ بین الضمیر المرفوع المتصل وبین ما عطف

بارز ہو یا مستتر، نہ کہ منفصل (تو اس کی) (ضمیر) منفصل کے ساتھ تاکید لائی جائے گی (پہلے) پھر اس پر عطف ڈالا جائے گا اور یہ اس لئے کہ متصل مرفوع جس کے ساتھ متصل ہے اس کی جز کی مانند ہے لفظ میں (بھی جز کی مانند ہے) بایں حیثیت کہ وہ متصل ہے اس کا انفصال جائز نہیں اور معنی میں (بھی جز کی مانند ہے) بایں حیثیت کہ وہ اس کا فاعل ہے اور فاعل فعل کی جز کی طرح ہے تو اگر تاکید کے بغیر اس پر عطف ڈالا جائے تو یہ ایسے ہو جائے گا جیسے اگر کلمہ کے بعض حروف پر عطف ڈالا جائے (جو ناجائز ہے) لہذا پہلے ضمیر منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لائی جائے گی کیونکہ اس (تاکید بالمنفصل) سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ (ضمیر) متصل (بہ فعل) اگرچہ (بہ ظاہر جس کے ساتھ متصل ہے اس کی) جز کی مانند مگر، حقیقت کی رو سے بایں دلیل منفصل ہے کہ (منفصل سے) مؤکد کر کے اسے اس فعل سے الگ کرنا جائز ہے جس کے ساتھ وہ متصل ہے پس اس کے لئے ایک طرح کی (قوۃ اور) استقلال حاصل ہو جائے اور یہ جائز نہیں کہ اس تاکید پر عطف ڈالا جائے (بلکہ ضروری ہے کہ عطف اس متصل پر ہو) کیونکہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے تو لازم آئے گا کہ یہ معطوف بھی تاکید ہو حالانکہ یہ باطل ہے کہ تاکید عین مؤکد ہے والمعطوف یغایر المعطوف لفظا ومعنی کما سبق .... اور اگر ضمیر (مرفوع) منفصل ہو جیسے ما ضرب الا انت وزید تو وہ لفظی طور پر جز کی مانند نہ ہوگی (بلکہ صرف معنیً ہوگی لہذا اس میں حاجت تاکید نہیں) اور اسی طرح اگر (ضمیر مرفوع) متصل منصوب ہو جیسے ضربتک وزیدا تو معنی کی رو سے وہ جز کی مانند نہ ہوگی (بلکہ لفظ کی رو سے ہوگی) لہذا دونوں (یعنی ضمیر مرفوع منفصل اور منصوب متصل) میں منفصل سے تاکید کی طرف حاجت نہیں ہے (جیسے ضربت انا وزید) اور زید ضرب ہو وغلامہ (مگر یہ کہ فصل واقع ہو جائے (ضمیر مرفوع متصل اور اس کے

ساتھ لائیں گے اس لئے کہ اس تاکید سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ ضمیر متصل اگرچہ فعل کے جزء کی مانند ہے مگر من حیثیۃ الحقیقۃ منفصل اور مستقل کلمہ ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بوقت تاکید اس کو اپنے فعل سے منفصل کر کے علیحدہ لاتے ہیں پس اس ضمیر متصل منفصل بالتاکید کو ایک قسم کا استقلال حاصل ہو جائے گا پس جس طرح اسم ظاہر پر عطف کرنا حسن ہوتا ہے اسی طرح اس پر عطف کرنا حسن ہوگا واللہ اعلم۔

۴۹ قولہ ولا یجوز الخ یعنی یہ بات جائز نہیں کہ اس تاکید پر عطف کیا جائے اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے پس اس سے یہ لازم آئے گا کہ معطوف علیہ کی طرح معطوف بھی تاکید ہو، اور یہ باطل ہے پس عطف درحقیقت ضمیر مرفوع متصل ہی پر ہوگا، اور تاکید اس کے لئے واسطہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۵۰ قولہ وان کان الخ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ متن میں مرفوع متصل کی قید احترازی ہے پس اگر ضمیر مرفوع متصل نہ ہو منفصل ہو جیسے ما ضرب الا انت وزید تو یہ ضمیر لفظاً فعل کے جزء کی مانند نہیں ہوگی کیونکہ یہ فعل سے جدا ہے، اور ایسے ہی اگر متصل منصوب ہو جیسے ضربتک وزیدا تو یہ معنیً فعل کے جزء کی مانند نہیں ہوگی اس لئے کہ فعل اپنے فاعل پر تمام ہو جاتا ہے اور مفعول بطور فضلہ کے رہ جاتا ہے پس ان پر عطف کرتے وقت ان کی تاکید منفصل لانے کی ضرورت نہیں واللہ اعلم۔

۵۱ قولہ مثل ضربت الخ یہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کی مثال ہے کہ یہاں زیدا ور غلامہ کا عطف کرنے کے لئے انا اور ہو ضمیر منفصل لائی گئی ہے واللہ اعلم۔

۵۲ قولہ الا ان یقع الخ یعنی جب ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو تاکید کا ترک کر دینا جائز ہے

علیه فیجوز ترکه ای ترك التاکید لانه قد طال الکلام بوجود الفصل فحسن الاختصار بترك التاکید سواء کان الفصل قبل حرف العطف نَحْوُ ضَرَبْتُ الْیَوْمَ وَزَیْدٌ او بعده کقوله تعالیٰ ما اشرکنا ولا آباؤنا فان المعطوف هو آباؤنا ولا زائدة بعد حرف العطف لتاکید النفی وانما قال یجوز ترکه فانه قد یوکد بالمنفصل مع الفصل کقوله تعالیٰ فَکُبْکِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗن وقد لا یوکد و الامران متساویان هذا واعلم ان مذهب البصریین ان التاکید بالمنفصل هو الاولیٰ ویجوزون العطف بلا تاکید ولا فصل لکن علی قبح والکوفیون یجوزونه بلا قبح وَاِذَا عُطِفَ عَلَی الضَّمِیْرِ الْمَجْرُوْرِ اُعِیْدَ الْخَافِضُ حرفا کان او اسما لان

درمیان کہ جس پر عطف ڈالا تو اس کا) یعنی تاکید کا (ترک جائز ہے) کیونکہ فصل کے وجود سے کلام طویل ہو گیا لہذا تاکید کا ترک کر کے اختصار اچھا ہے خواہ فصل حرف عطف سے قبل ہو (جیسے ضربت الیوم وزید) یا حرف عطف کے بعد ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے (حکایۃ عن الکفار) ما اشرکنا ولا آباءنا پس (تفصیل یہ ہے کہ) معطوف آباءنا ہی ہے اور (حرف) لا حرف عطف کے بعد تاکید نفی کے لئے زائد ہے اور مصنف نے (یجب کی بجائے) یجوز ترکہ کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) کبھی فصل کے باوجود منفصل سے تاکید لائی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے فکبکبوا فیہا ھم والغاوون اور کبھی تاکید نہیں لائی جاتی (بلکہ فصل پر اکتفاء کیا جاتا ہے فاستقم کما امرت ومن تاب معک اور سیصلی نارا ذات لہب وامرأتہ) اور دونوں باتیں متساوی (برابر) ہیں (اس لئے یجوز ترکہ کہا) اس (نکتہ) کو لے لو اور معلوم ہو کہ بصریین کا مذہب یہ ہے کہ (عدم فصل کی صورت میں) تاکید بالمنفصل ہی اولیٰ ہے اور بصریین تاکید اور فصل کے بغیر عطف کو جائز قرار دیتے ہیں مگر قباحت پر (مبنی تصور کرتے ہیں) اور کوفیین بلا قباحت اسے جائز قرار دیتے ہیں (اور جب ضمیر مجرور پر عطف ڈالا جائے تو جار کا اعادہ کیا جائے گا) (جار) خواہ حرف

اس لئے کہ اگر تاکید لائی جائے گی تو فصل کی وجہ سے کلام طویل ہو جائے گا پس ترک تاکید کے ساتھ اختصار اچھا ہے پھر فصل میں تعمیم ہے کہ یہ حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربتُ الیومَ وزیدٌ یا بعد میں جیسے قولہ تعالیٰ ما اشرکنا ولا آباؤنا کہ اس میں معطوف آباؤنا ہے اور لا حرف عطف کے بعد تاکید نفی کے لئے زائدہ ہے اب رہی یہ بات کہ مصنف نے ترک کو جائز کیوں قرار دیا واجب کیوں نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ باوجود فصل کے کبھی منفصل کے ساتھ ضمیر مرفوع

متصل کی تاکید لے آتے ہیں جیسے قول باری تعالیٰ فکبکبوا فیہا ھم والغاوٗن کہ اس میں الغاوون کا عطف کبکبوا کی ضمیر مرفوع متصل پر ہے اور فیہا اس میں فاصل ہے مگر اس کے باوجود ھم کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لائی گئی ہے (فائدہ) کبٌ کے معنی اوندھا کر دینے کے آتے ہیں اور کبکبہ کے بار بار اوندھا کرنا کیونکہ تکرار لفظ تکرار معنی پر دلالت کرتا ہے ہا ضمیر جہنم کی طرف راجع ہے اور ھم کی معبودان باطل کی طرف اور غاوون

غوی یغوی سے گمراہ کو کہتے ہیں آیۃ کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، وہ مرۃ بعد مرۃ منہ کے بل اوندھے کئے جائیں گے حتیٰ کہ قعر دوزخ میں پہنچ جائیں گے نعوذ باللہ منہا انتہیٰ پس کبھی تو اس کی تاکید لے آتے ہیں، اور کبھی نہیں لاتے دونوں امر مساوی ہیں اس لئے مصنف نے یجوز کہا یجب نہیں کہا واللہ اعلم۔

۵۳ قولہ واعلم الخ یعنی ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے بارے میں بصریین کا مذہب یہ ہے کہ منفصل کے ساتھ تاکید لانا اولیٰ ہے اور بلا تاکید اور فصل کے بھی عطف جائز ہے، مگر قبیح ہے اس لئے کہ کلام فصیح میں اس طرح واقع نہیں ہوا اور کوفیین کے نزدیک بغیر تاکید اور فصل کے عطف بلا قبح جائز ہے اس لئے کہ یہ ضمیر اگرچہ فعل کے جزء کی مانند ہے مگر مستقل کا ہے اسم ظاہر کی طرح واللہ اعلم ۱۲۔

۵۴ قولہ واذا عطف الخ اور جب ضمیر مجرور پر عطف کریں گے تو جار کا اعادہ ضروری ہوگا خواہ جار حرف ہو یا اسم اس لئے کہ ضمیر مجرور کا جار کے ساتھ التباس اس فاعل کے اتصال سے بھی اشد ہے جو فعل سے متصل ہو اس لئے کہ فاعل اگر ضمیر متصل نہ ہو تو فاعل تو ضمیر منفصل بھی لانا جائز ہوتا ہے مگر مجرور اپنے جار سے جدا نہیں ہو سکتا پس ضمیر مجرور پر عطف کردہ ہوگا، اس لئے کہ بعض حروف کلمہ پر عطف کی مانند ہو جائے گا اور مجرور کے لئے ضمیر منفصل ہوتی نہیں جیسا کہ مضمرات میں معلوم ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ) کہ اس کے ساتھ اولاً تاکید لائی جا سکے، پھر اس پر عطف کیا جا سکے جیسا کہ مرفوع متصل میں کیا گیا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ضمیر مرفوع کو اس کے لئے مستعار لے سکیں اس لئے کہ اس کے لئے مرفوع کو مستعار لینے میں مذلت بھی ہے، اور مرفوع ومجرور میں التباس بھی لازم آتا ہے پس معطوف پر اعادہ جار ضروری ہوا واللہ اعلم۔

اتصال الضمیر المجرور بجارہ اشد من اتصال الفاعل المتصل بالفعل لان الفاعل ان لم یکن ضمیرا متصلاً جاز انفصالہ والمجرور لا ینفصل من جارہ فکرہ العطف علیہ اد یکون کالعطف علی بعض حروف الکلمۃ ولیس للمجرور ضمیر منفصل کما یجیٔ فی المضمرات حتی یؤکد بہ اولاً ثم یعطف علیہ کما عمل فی المرفوع المتصل وفی استعارۃ المرفوع لہ مذلۃ (۵۵) ولا یکتفی بالفصل لان الفصل لا تاثیر لہ الا فی جواز ترک التاکید بالمنفصل للاختصار فحیث لا یمکن التاکید بالمنفصل لعدمہ لا یتصور لہ فکیف یکتفی بہ فلم یبق الا اعادۃ العامل الاول (۵۶) نحو مَرَرْتُ بِکَ وَبِزَیْدٍ والمالُ بینی وبین زید

. . . ہو یا اسم کیونکہ ضمیر مجرور کا اپنے جار کے ساتھ اتصال اس فاعل کے اتصال سے اشد ہے جو فعل (یا شبہ فعل) کے ساتھ متصل ہے کیونکہ فاعل اگر ضمیر متصل نہ ہو (خواہ فاعل اسم ظاہر ہو یا ضمیر منفصل) تو اس کا انفصال جائز ہے اور مجرور اپنے جار سے منفصل نہیں ہوتا لہذا ضمیر مجرور پر (بلا اعادۂ خافض) عطف مکروہ ہے کیونکہ یہ (عطف بلا اعادۂ جار) کلمہ کے بعض حروف پر عطف کی مانند ہے اور مجرور کیلئے ضمیر منفصل ہے ہی نہیں (کیونکہ اس کے لئے صرف ضمیر متصل ہے) جیساکہ عنقریب مضمرات کے بیان میں آئے گا یہاں تک کہ ضمیر منفصل سے اولا اسے مؤکد کیا جائے پھر اس پر عطف ڈالا جائے جیساکہ مرفوع متصل میں عمل کیا گیا اور اس مجرور (منفصل) کے لئے مرفوع (منفصل) کو مستعار لینے میں مرفوع کی ذلت ہے (کہ اس میں اقوی کا ادنی کی جگہ کھڑا کرنا لازم آتا ہے) رہا یہ سوال کہ جب عدم منفصل کی وجہ سے تاکید بالمنفصل ممکن نہ رہی تو فصل پر اکتفاء کرکے بلا اعادۂ خافض اس پر عطف ڈالا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ فصل پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا کیونکہ اختصار کی غرض سے تاکید بالمنفصل کے ترک کے جواز میں ہی فصل کی تاثیر تھی تو جہاں عدم وجود منفصل کی وجہ سے تاکید بالمنفصل ممکن نہ رہی تو فصل کا کوئی اثر متصور نہیں ہو سکتا (کیونکہ فصل تاکید بالمنفصل کا خلیفہ ہے اور وہ اصل ہے جب اصل عدیم الوجود ہونے کی وجہ سے ممکن نہ رہا تو خلیفہ کا عدم جواز بہ طریق اولی ہوا . . . . تو فصل پر اکتفاء کیونکر ہو سکتا ہے لہذا عامل اول کا اعادہ ہی

ہو سکتا پس مناسب یہ تھا کہ المال بینہما کہا جاتا تاکہ اس کا مضاف الیہ متعدد ہو جاتا، لیکن چونکہ اس جگہ شرکاء کو علیحدہ علیحدہ ظاہر کرنا مقصود ہے اس لئے اولاً تو شرکاء کا ذکر علیحدہ کیا. اور پھر چونکہ علیحدگی کی وجہ سے اس کے مضاف الیہ کا تعدد ختم ہو جاتا ہے اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مکرر لفظ بین لائے تاکہ اس کے تکرار سے معطوف و معطوف علیہ بمنزلہ متعدد کے بھی ہو جائیں، اور دونوں کے کمال امتیاز

و افتراق پر دلیل ہی قائم ہو جائے. اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ زید کا جر عامل ثانی کی وجہ سے ہے جیساکہ کفی باللہ میں با حرف زائد ہے مگر اس کی وجہ سے لفظ اللہ مجرور ہے پس اس صورت میں خافض اول معطوف علیہ دونوں سے تعلق رکھے گا. اور خافض ثانی زائد ہوگا مگر معطوف علیہ پر جر ثانی ہی کی وجہ سے ہوگا. واللہ اعلم

۵۵ قولہ ولا یکتفی الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ محذور مذکور یعنی کلمہ کے بعض حروف پر عطف کی بناء پر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ جار مجرور کے درمیان فصل پر اکتفاء کر لیں جیساکہ مرفوع متصل میں کیا جاتا ہے کہ جس کو مصنف نے الا ان یقع فصل فیجوز ترکہ سے بیان کیا ہے حاصل یہ ہوا کہ جار و مجرور کے درمیان فصل واقع ہو جائے. اور پھر اس ضمیر مجرور پر عطف کر دیا جائے جواب یہ دیا کہ اس جگہ فصل پر اکتفاء نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ نعل میں فصل اس وجہ سے تھا کہ منفصل کے ساتھ تاکید کو ترک کر دیا جائے. یعنی جب ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل آ جائے تو اس تقدیر پر ترک منفصل جائز تھا. اور اس جگہ چونکہ تاکید بالمنفصل موجود نہیں اس لئے کہ مجرور میں منفصل کا وجود نہیں تو اس وقت فصل کے لئے کسی اثر کا تصور نہیں کیا جا سکتا یعنی جواز ترک تاکید بالمنفصل کا اس جگہ کوئی اثر نہیں پس فصل پر اکتفاء نہیں کر سکتے سوائے اس کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی کہ عامل اول کا معطوف پر اعادہ کر دیا جائے خواہ وہ عامل حرف ہو یا اسم مضاف واللہ اعلم۔

۵۶ قولہ نحو مررت الخ یہ ضمیر مجرور پر عطف کی صورت میں اعادۂ حرف جار کی مثال ہے کہ اس میں زید کا عطف کَ کے اوپر ہو رہا ہے، اور المال بینی وبین زید بصورت عطف علی الضمیر اعادۂ اسم مضاف کی مثال پس اس میں معطوف فقط مجرور یعنی زید ہے اور عامل مکرر ہے، اور اس کا جر عامل اول کی وجہ سے ہے. اور عامل ثانی معنیً کالعدم ہے، اس لئے کہ معنی اور عمل میں اس کی کوئی احتیاج نہیں کیونکہ اس کو صرف صحت عطف کے لئے لایا گیا ہے، اگرچہ لفظاً احتیاج ہے کہ اس کے بغیر عطف جائز نہیں پس معنی یہ اس لئے کالعدم ہے کہ لفظ بین سوائے متعدد کے اور کسی شئے کی طرف مضاف نہیں

فالمعطوف هو المجرور والعامل مکرر وجره بالاول والثانی کالعدم معنی بدلیل قولهم بینی وبینك اذ بین لا یضاف الا الی المتعدد وقیل جره بالثانی کما فی الحرف الزائد فی کفی بالله وهٰذا[۵۷] الذی ذکرناه اعنی لزوم اعادة الجار فی حال السعة والاختیار مذهب البصریین ویجوز عندهم ترکها اضطرارا واجاز الکوفیون ترك الاعادة فی حال السعة مستدلین بالاشعار فان[۵۸] قیل کیف جاز تاکید المرفوع المتصل فی نحو جاء وفی کلهم والابدال منه نحو اعجبتنی جمالك من غیر شرط تقدم التاکید بالمنفصل وجاز ایضا تاکید الضمیر المجرور فی نحو مررت بك نفسك والابدال منه نحو عجبت بك جمالك من غیر اعادة الجار ولم یجز العطف فی الاول الا بعد التاکید بالمنفصل وفی الثانی الا مع اعادة الجار قلنا[۵۹] التاکید عین المؤکد والبدل فی الاغلب

باقی رہ گیا۔ جیسے مررت بک وبزید" اور المال بینی وبین زید پس معطوف تو مجرور ہی ہے اور عامل مکرر ہے اور معطوف کی جر (عامل) اول کی وجہ سے ہے اور (عامل) ثانی معنی کی رو سے بے دلیل قول عرب بینی وبینک کالعدم ہے کیونکہ بین (شئی) متعدد کی طرف ہی مضاف ہوا کرتا ہے (ایسی شئی کی طرف جو قسمت کو قبول کرے کہ یہ امور اضافیہ سے ہے مگر یہ ای وایۃ وکلا وکلتا کی طرح متعدد کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے لہٰذا کہنا چاہیئے تھا المال بیننا لیکن قائل نے اپنے شریک کو جدا کر دیا اور لفظ بین کو دوسری بار اس کی طرف مضاف کر دیا تاکہ اس سے کمال امتیاز و افتراق پر دلالت ہو جائے پس بین ثانی کا عطف یائے متکلم پر متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ بین شئی متعدد کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے تو جب المال بینی وبین زید میں زید کی جر بین اول سے ہوئی تو بین اول متعدد یعنی المال بینی وبین زید میں یائے متکلم وزید اور المال بینی وبینک میں یائے متکلم وک ضمیر مخاطب کی طرف مضاف ہوا اور اگر زید کی جر بین ثانی سے ہو تو بین متعدد کی طرف مضاف نہ ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ معطوف کی جر حرف ثانی سے ہے جیسے وکفی باللہ کے اندر حرف زائد میں ہے (وکما فی بحسبک درہم وکما فی ھل زید بقائم وما زید بقائم) اور یہ جو ہم نے ذکر کیا یعنی لزوم اعادۂ جار سعۃ واختیار کی حالت میں بصریین کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک مجبورا ترک اعادۂ جار جائز ہے اور کوفیوں نے اشعار سے استدلال کرتے ہوئے سعۃ (بلا ضرورت) کی حالت میں ترک اعادۂ جار کو جائز قرار دیا اور قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے تساءلون بہ والارحام ولہم جوابات ۱۲ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر اگر سوال کیا جائے کہ جاء وفی کلہم کے مثل میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید اور اعجبتنی جمالک کے مثل میں ضمیر مرفوع متصل (ت) سے ابدال بغیر شرط تقدم تاکید بالمنفصل کیونکر جائز ہوا اور نیز مررت بک نفسک کے مانند میں ضمیر مجرور کی تاکید اور اس سے ابدال جیسے عجبت بک جمالک بلا اعادۂ جار جائز ہوا اور (حالانکہ) اول (یعنی ضمیر مرفوع متصل) میں عطف منفصل کے ساتھ تاکید کے بعد ہی جائز تھا اور ثانی (یعنی ضمیر مجرور) میں اعادۂ جار کے ہی ہمراہ

۵۷ قولہ وہذا الذی الخ یعنی اعادۂ جار کے لزوم کے متعلق حالت وسعۃ کلام اور اختیار میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ بصریین کا مذہب ہے، اور بوقت ضرورت اضطرار کی حالت میں ترک اعادہ بھی کر سکتے ہیں، اور کوفیین وسعۃ یعنی نثر کلام میں بھی ترک اعادہ کو جائز قرار دیتے ہیں، اور یہ اپنا استدلال اشعار سے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اشعار میں ترک اعادۂ جار کر سکتے ہیں تو نثر کلام میں کیوں نہیں کر سکتے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۸ قولہ فان قیل الخ یہ اعتراض ضمیر مرفوع متصل میں بوقت عطف تاکید لانے پر وارد ہوتا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ مرفوع متصل سے تاکید وابدال کے اور اس سے عطف کے مابین کوئی فرق نہیں پس کیا وجہ ہے کہ عطف میں تو اعادۂ منفصل ضروری ہوا اور تاکید وابدال میں اعادۂ منفصل ضروری نہیں پس جاء وفی کلہم میں کلہم سے ضمیر مرفوع متصل کی تاکید اور اعجبتنی جمالک میں جمالک کا تاء اعجبتنی سے بدل قرار دیا جانا بغیر شرط تقدم تاکید بالمنفصل کے کیسے جائز ہے اسی طرح ضمیر مجرور کی تاکید اور اس سے بلا اعادۂ جار ابدال بھی جائز ہے جیسے مررت بک نفسک میں نفسک تاکید ہے، اور عجبت بک جمالک میں جمالک بدل پس اس کے جواز کی کیا وجہ ہے اور اول صورت یعنی ضمیر مرفوع متصل میں عطف بغیر تاکید منفصل اور ثانی میں بغیر اعادۂ جار کیوں نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔

۵۹ قولہ قلنا الخ جواب یہ ہے کہ تاکید عین مؤکد ہوتی ہے، اور بدل اکثر یا تو کل متبوع ہوتا ہے یا بعض متبوع یا اس کے متعلق جیسا کہ بالترتیب بدل الکل بدل البعض۔ بدل الاشتمال ہیں رہا بدل الغلط سو چونکہ وہ نادر اور قلیل الاستعمال ہے لہٰذا اس کا اپنے متبوع کے مغایر ہونا کوئی مضر نہیں اس لئے کہ یہ ندرت کی وجہ سے مرتبۂ اعتبار سے ساقط ہے بحث صرف اغلب کے

اما كل المتبوع او بعضه او متعلقه والغلط قليل نادر فهما ليسا باجنبيين لمتبوعهما ولا منفصلين عنه لعدم تخلل فاصل بينهما وبين متبوعهما فلا حاجة فى ربطهما الى متبوعهما الى تحصيل مناسبة زائدة بخلاف العطف فان المعطوف يغاير المعطوف عليه ويتخلل بينهما العاطف فلا بد فيه من تحصيل مناسبة بينهما بتاكيد المتصل بالمنفصل فى المرفوع وباعادة الجار فى المجرور ليخرج المتصل المرفوع عن صرافة الاتصال ويناسب المعطوف عليه بتاكيده بالمنفصل وقوى مناسبة المجرور بانضمام الجار اليه كما فى المعطوف عليه وَالْمَعْطُوْفُ فِىْ حُكْمِ الْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ فيما يجوز له ويمتنع من الاحوال العارضة له نظرا الى ماقبله بشرط ان

(جائز قرار پایا) ہم نے جواب دیا کہ تاکید عین مؤکد ہے (خواہ تاکید لفظی ہو یا معنوی لہذا یہاں اجنبیت ہی نہیں کہ تاکید بالمنفصل یا زیادہ ارتباط کے لئے فصل کی حاجت ہو) اور بدل اغلب میں یا تو متبوع کا کل ہے (بدل الکل میں) یا اس کا بعض (بدل البعض میں) یا اس کا متعلق (بجر اللام بدل الاشتمال میں جیسے سلب زید ثوبہ یا اعجبنی زید علمہ) اور بدل الغلط قلیل اور کمیاب ہے (اور قلیل ساقط الاعتبار ہوتا ہے کما یقول العلماء القلیل کالمعدوم ۱۲ محمد سرور) پس تاکید و ابدال اپنے متبوع کے لئے اجنبی نہیں (تاکید لفظی تو عین مؤکد ہے لفظاً اور معنوی معنیً اور بدل الکل تاکید معنوی کی طرح عین مبدل منہ ہے اور بدل البعض مبدل منہ کا جزء اور بدل الاشتمال مبدل منہ کی صفت) اور نہ ہی یہ دونوں اپنے متبوع سے جدا ہیں کیونکہ ان دونوں کے اور ان کے متبوع کے درمیان (حرف عطف کی طرح کا) کوئی فاصل واقع نہیں ہے تو ان دونوں کو ان کے متبوع کی طرف مربوط کرنے میں کسی مناسبت زائد کی تحصیل کی کوئی حاجت نہیں، عطف کے برعکس کہ معطوف، معطوف علیہ کا مغایر (واجنبی) ہے دونوں کے درمیان عاطف واقع ہے لہذا اس میں مرفوع کے اندر متصل کی منفصل سے تاکید اور مجرور کے اندر جار کا اعادہ کرکے دونوں کے درمیان مناسبت (زائدہ) کی تحصیل ضروری ہے تاکہ متصل مرفوع صرافت (بکسر صاد بمعنی محض) اتصال سے خارج ہو اور منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لانے کی وجہ سے وہ اس کے مناسب بن جائے جس کا اس پر عطف ڈالا گیا (المعطوف علیہ میں ضمیر مجرور ال موصول کی طرف نہیں لوٹ رہی بلکہ مؤکد بہ منفصل کی طرف لوٹتی ہے) اور (تاکہ) مجرور (ثانی) کے ساتھ جار کے ملانے سے (اس کی مجرور اول کے ساتھ) مناسبت قوی ہو جائے جیسا کہ معطوف علیہ میں "اور معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے" ان امور میں جو معطوف علیہ کے لئے جائز ہیں اور ناجائز ہیں (اب حرف من لاکر فیما کے مابہم کا بیان کر رہے ہیں اس لئے اس کا معنی کریں گے) یعنی (معطوف ان احوال (میں) جو معطوف علیہ کو اس کے ماقبل (یعنی عامل) کی طرف نظر کرتے ہوئے عارض ہو

اعتبار سے ہے پس تاکید اور بدل اپنے متبوع کے لئے اجنبی نہیں ہوں گے، اور نہ اس سے منفصل ہوں گے اس لئے کہ تاکید و بدل اور دونوں کے متبوع کے درمیان کوئی فاصلہ متخلل نہیں ہوتا جیسا کہ عطف میں حرف عطف فاصل ہو جاتا ہے پس دونوں کو اپنے متبوع سے ربط دینے کے لئے کسی مناسبت زائدہ کے حصول کی ضرورت نہیں ہوگی بخلاف عطف کے کہ معطوف معطوف علیہ کے مغایر ہوتا ہے، اور دونوں کے درمیان حرف عطف مخل ہوتا ہے پس معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ مرفوع میں متصل کی تاکید منفصل سے لائی جائے، اور مجرور میں اعادہ جار کیا جائے تاکہ متصل مرفوع اتصال محض سے نکل کر منفصل سے مؤکد ہو کر معطوف علیہ کے مناسب ہو جائے، اور معطوف میں مجرور کی مناسبت انضمام جار کی وجہ سے قوی ہو جائے جیسا کہ معطوف علیہ میں جار کی موجودگی سے مجرور کی مناسبت باعتبار تحقیق اور وقوع کے قوی ہے واللہ اعلم۔

۲۱۶ قولہ والمعطوف الخ یعنی معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور یہ حکم اس اعتبار سے ہے کہ ماقبل کے احوال عارضہ پر نظر کرتے ہوئے معطوف علیہ کے لئے جو چیز جائز ہوتی ہے وہ معطوف کے واسطے بھی جائز ہوتی ہے اور معطوف علیہ کے لئے جو چیز ممتنع ہوتی ہے وہ معطوف کے لئے بھی ممتنع ہوتی ہے۔ مثلاً جاءنی زیدٌ وعمروٌ میں زید کو جاء کا فاعل ہونے کی وجہ سے رفع جائز ہے، اور نصب ممتنع تو عمرو کو بھی رفع جائز اور نصب ممتنع ہوگا پس یہ جواز و امتناع ماقبل یعنی جاء کے عارض وجہ سے ہوا پھر اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو مقتضا احوال اعراب وغیرہ معطوف علیہ بھی ہے وہ معطوف میں منتفی نہ ہو ورنہ معطوف اس اعتبار سے معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

لایکون مایقتضیہا منتفیًا فی المعطوف وانما[٦١] قلنا من الاحوال العارضۃ لہ نظرا الی ماقبلہ احترازًا عن الاحوال العارضۃ لہ من حیث نفسہ کالاعراب والبناء والتعریف والتنکیر والافراد والتثنیۃ والجمع فان المعطوف فیہا لیس فی حکم المعطوف علیہ وانما قلنا بشرط ان لایکون مایقتضیہا منتفیا فی المعطوف احترازا عن مثل قولنا یارجل والحارث فان الحارث معطوف علی الرجل ولیس فی حکمہ من حیث تجردہ عن اللام فان مایقتضی تجردہ عن اللام ھو اجتماع اللام وحرف النداء وھو مفقود فی المعطوف واما[٦٢] نحو رب شاۃ وسخلتہا فبتقدیر التنکیر لقصد عدم التعیین ای رب شاۃ وسخلۃ لہا او محمول علی نکارۃ الضمیر کربہ

ہیں (معطوف علیہ کے حکم میں ہے) بشرطیکہ ان احوال کا کہ معطوف علیہ کو عارض ہوں مقتضی معطوف میں منتفی نہ ہو اور یہ جو ہم نے من الاحوال العارضۃ لہ نظرا الی ماقبلہ کہا ہے ان احوال سے احتراز کی وجہ سے (کہا ہے) کہ معطوف علیہ کو من حیث الذات عارض ہوتے ہیں جیسے اعراب و بنا و تعریف و تنکیر و افراد و تثنیہ و جمع کیونکہ ان احوال میں معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں نہیں اور یہ جو ہم نے بشرط ان لایکون مایقتضیہا منتفیا فی المعطوف کہا ہمارے قول یارجل والحارث کے مثل سے احتراز کی وجہ سے (کہا ہے) کہ الحارث رجل پر معطوف ہے حالانکہ وہ مجرد عن اللام ہونے کی حیثیت سے اس کے حکم میں نہیں کیونکہ جو چیز رجل کے لام سے مجرد ہونے کی مقتضی تھی وہ لام تعریف و حرف نداء کا اجتماع ہے اور یہ معطوف میں مفقود ہے اور بہرصورت . شاۃ وسخلتہا (سخلۃ سین کی فتح اور خاء معجمہ کی سکون سے بھیڑ بکری کا بچہ چہار ماہ تک کا ہو) تو اس کا جواب یہ ہے کہ (عدم تعیین کے قصد کی وجہ سے تقدیر تنکیر کے ساتھ (مؤول) ہے یعنی رب شاۃ وسخلۃ لہا (اگرچہ ضمیر معرفہ ہے اور جو اس کی طرف مضاف ہو وہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے مگر یہاں سخلہ معینہ کا قصد نہیں کیا گیا اور اضافت مضاف الیہ کے معرفہ ہونے کے باوجود اس وقت تعریف کا فائدہ دیتی ہے جب عہد خارجی کے لئے ہو اور اگر اضافت عہد کی بجائے جنس کے لئے ہو تو وہ مفید تعریف مضاف نہیں ہوتی کما سبق فیما مر) یا ضمیر (مضاف الیہ) کی نکارت پر محمول ہے (یعنی ضمیر اگرچہ شاۃ کی طرف لوٹتی ہے تاہم معرفہ نہیں ہے کہ مرجع معرفہ نہیں) جیسے

٦١ قولہ وانما قلنا الخ ابھی یہ بات کہ شارح نے من الاحوال العارضۃ لہ الخ کیوں کہا؟ تو اس کی وجہ شارح یہ بتاتے ہیں کہ اس سے معطوف علیہ کے وہ احوال عارضہ خارج کرنے مقصود ہیں جو من حیث النفس اس کو عارض ہوتے ہیں مثلاً اعراب و بناء تعریف و تنکیر، افراد و تثنیہ و جمع اس لئے کہ ان مذکورات میں معطوف معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہوتا اور بشرط ان لایکون الخ کی قید اس لئے لگائی کہ اس سے یارجل والحارث کو خارج کرنا مقصود ہے اس لئے کہ حارث رجل پر معطوف ہے لیکن اس کے حکم میں نہیں کیونکہ رجل پر الف لام نہیں اور الحارث پر موجود ہے اس لئے کہ مقتضاء تجرد عن اللام جو کہ معطوف علیہ میں موجود ہے کہ الف لام اور حرف ندا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے وہ معطوف میں مفقود ہے پس اس پر الف لام آئے گا واللہ اعلم۔

٦٢ قولہ واما نحو الخ اب اگر کوئی کہے کہ رب شاۃ وسخلتہا میں کیا کہو گے کہ اس میں سخلتہا کا عطف شاۃ پر ہے باوجودیکہ اس میں شرط عطف منتفی ہے اس لئے کہ معطوف علیہ کا مقتضاء حال عارض باعتبار اپنے ماقبل کے معطوف میں منتفی ہے اس لئے کہ رب اس امر کا مقتضی ہے کہ اس کا مدخول نکرہ ہو جیسا کہ شاۃ نکرہ ہے حالانکہ سخلتہا جو کہ بواسطہ عطف اس کا مدخول ہے نکرہ نہیں بلکہ ضمیر کی طرف اضافت کے باعث معرفہ ہے اس کے شارح نے تین جوابات دیئے اول تو یہ ہے کہ سخلۃ میں تنکیر فرض کی جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے عدم تعیین مقصود ہو بایں طور کہ اس کی اضافت ضمیر کی طرف عہد ذہنی کے لئے قرار دی جائے اگرچہ ضمیر اسی شاۃ مذکورہ کی طرف راجع ہے پس اس صورت میں اس کا مطلب رب شاۃ وسخلتہ لہا ہوگا کہ لاعلی التعیین کوئی سی بکری اور کوئی سا اس کا بچہ پس اس وقت سخلۃ میں تنکیر آ جائے گی، دوسرا جواب یہ ہے کہ ربہ رجلا کی طرح سخلتہا کو نکارت ضمیر پر محمول کیا جائے بایں طور کہ ضمیر سے نکارت کی طرف اشارہ کیا جائے یعنی سخلتہا کی ضمیر شاۃ مذکورہ کی طرف راجع نہ ہو بلکہ شاۃ مطلقہ کی طرف عائد ہو پس رب شاۃ وسخلتہا کا مطلب رب شاۃ وسخلۃ شاۃ کا ہوگا یعنی کوئی سی بکری کا بچہ پھر یہ حمل بطور شذوذ کے ہوگا اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ ضمیر سے بعینہ سابق مراد لیا جاتا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

رجلاً على الشذوذ اى ربّ شاة وسخلة شاة وكذا المعطوف[۶۳] فى حكم المعطوف عليه فى احوال عارضة له بالنظر الى نفسه وغيره ان كان المعطوف مثل المعطوف عليه فلذا وجب بناء المعطوف فى نحو يا زيد وعمرو لان ضم زيد بالنظر الى حرف النداء والى كونه مفردا معرفة فى نفسه وعمرو مثل زيد فى كونه مفردا معرفة وامتنع بناؤه فى يا زيدُ وعبدَ الله فان عبد الله ليس مثل زيد فان زيدا مفرد معرفة وعبد الله مضاف ومن[۶۴] ثَمَّ اى ومن اجل ان المعطوف فى حكم المعطوف عليه فيما يجوز ويمتنع لم يجز فى تركيب مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ اَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو اِلَّا الرَّفع فى ذاهب اذ لو نصب او خفض لكان معطوفا على قائم او قائما فيكون خبرا عن زيد وهو ممتنع لخلوه عن الضمير الواقع فى المعطوف عليه العائد الى اسم ما فتعين الرفع على ان يكون خبرا مقدما على المبتدا وهو عمرو ويكون من قبيل عطف الجملة على الجملة ولا مانع منه ولو[۶۵] لما كان لقائل ان يقول هذه القاعدة منتقضة بقولهم الذى يطير فيغضبُ

ربہ رجلاً بنا بر شذوذ یعنی ربّ شاۃ وسخلۃ شاۃ کہ ضمیر کی وضع معرفہ کے لئے ہے جب نکرہ کے لئے ہوئی تو خلاف وضع ہوئی اور اسی کا نام شذوذ ہے) اور اسی طرح معطوف ان احوال میں جو معطوف علیہ کو اس کی ذات اور غیر ذات (یعنی عامل) کے اعتبار سے عارض ہوتے ہیں معطوف علیہ کے حکم میں ہے بشرطیکہ معطوف (افراد و تعریف میں) معطوف علیہ کے مثل ہو تو اسی وجہ سے یا زید و عمرو کے مثل (معطوف علیہ کی طرح) بنا واجب ہے کیونکہ زید کا ضم حرف ندا کے اعتبار اور زید کے فی نفسہ مفرد معرفہ ہونے کے اعتبار سے ہے اور عمرو مفرد معرفہ ہونے میں زید کے مثل ہے اور یا زید و عبد اللہ میں معطوف کی بناء جائز نہیں کیونکہ عبد اللہ زید کے مثل نہیں کہ زید مفرد معرفہ ہے اور عبد اللہ مضاف ہے «اور اسی وجہ سے» یعنی اس وجہ سے کہ معطوف جائز اور ممنوع امور میں معطوف علیہ کے حکم میں ہے «ما زید بقائم یا قائما ولا ذاہبٌ عمرو» کی ترکیب (میں) «ذاہب میں رفع ہی جائز ہے» کیونکہ اگر ذاہب کو نصب یا جر دی جائے تو وہ قائم یا قائما پر معطوف ہوگا پس وہ زید سے خبر ہوگا اور یہ ناجائز ہے کیونکہ ذاہب ایسی ضمیر سے خالی ہے جو معطوف علیہ میں واقع (مستتر) ہو اور ما کے اسم کی طرف لوٹے (کیونکہ ذاہب ایک صورت میں اپنے بعد والے اسم ظاہر کے لئے رافع ہے اور دوسری صورت میں اپنے میں مستتر ضمیر کے لئے رافع ہے جو اس اسم ظاہر کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ما کے اسم کی طرف (جبکہ اس کے معطوف علیہ قائم یا قائما میں جو ضمیر مستتر ہے وہ ما کے اسم زید کی طرف لوٹتی ہے لہذا اس کا اس پر عطف ممکن نہیں) تو رفع متعین ہو گیا بنا بر آنکہ ذاہب بتدا پر خبر مقدم ہے اور مبتدا عمرو ہے اور یہ عطف جملہ بر جملہ کے قبیل سے ہوگا جبکہ اس عطف سے کوئی مانع نہیں ہے اور جبکہ کہنے والے (معترض) کو یہ کہنا جائز تھا کہ یہ قاعدہ (کہ امور جائزہ و ممتنعہ میں معطوف کا وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا ہے) عرب کے

۶۳ قولہ وکذا المعطوف الخ یعنی اگر افراد و تعریف وغیرہ میں معطوف معطوف علیہ کی مانند ہو تو معطوف علیہ کے ان احوال عارضہ میں جو اس کو باعتبار اس کی ذات اور صفت کے عارض ہوتے ہیں معطوف بھی اس کے حکم میں ہوتا ہے پس اسی وجہ سے معطوف علیہ کے مبنی ہونے کی بنا پر معطوف کو بھی مبنی کرنا واجب ہے جیسے یا زیدُ و عمرُو میں اس لئے کہ زید کا ضمہ واجب ہے باعتبار اس کے ماقبل حرف ندا اور اس کے مفرد معرفہ فی نفسہ ہونے کے اور عمرو افراد و تعریف کے اعتبار سے زید معطوف علیہ کے موافق ہے لہذا وہ بھی مفرد معرفہ فی نفسہ ہونے کی وجہ سے زید کی طرح ہوگا، اور اس کو بھی ضمہ واجب ہوگا، اور یا زیدُ و عبد اللہ میں چونکہ دونوں افراد میں ایک جیسے نہیں اس لئے کہ زید مفرد معرفہ ہے اور عبد اللہ مضاف پس عبد اللہ میں زید پر قیاس کرتے ہوئے بنا ممتنع ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۶۴ قولہ ومن ثم الخ یعنی اسی وجہ سے کہ جواز و امتناع میں معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے ترکیب ما زیدٌ بقائمٍ یا ما زیدٌ قائماً ولا ذاہبٌ عمروٌ میں ذاہبٌ سوائے رفع کے اور کچھ جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اگر بقائم پر عطف کرتے ہوئے ذاہبٌ کو جر یا قائماً پر عطف کی صورت میں اس کو نصب دیتے ہیں تو اس کا عطف قائم یا قائماً پر ہوگا پس یہ بواسطہ عطف زید کی خبر ہوگا، اور یہ ممتنع ہے اس لئے کہ ذاہبٌ میں معطوف علیہ کی طرح ضمیر نہیں جو زید کی طرف عائد ہو کیونکہ ذاہبٌ کا فاعل عمروٌ موجود ہے لہذا ذاہبٌ کا زید کی خبر واقع ہونا ممتنع ہوگا پس اس کا رفع متعین ہو جائیگا اور وہ اس بنا پر کہ یہ خبر مقدم اور عمروٌ مبتدا مؤخر ہوگا، اور از قبیل عطف جملہ علی الجملہ ہوگا اور اس میں کوئی مانع بھی موجود نہیں واللہ اعلم۔

۶۵ قولہ ولما کان الخ یہ ایک سوال مقدر

زید ن الذباب فان یطیر فیه ضمیر یعود الی الموصول و یغضب المعطوف علیه لیس فیه ذلك الضمیر فاجاب عنه بقوله وَاِنَّمَا جَازَ الَّذِیْ یَطِیْرُ فَیَغْضَبُ زَیْدُ نِ الذُّبَابُ لِاَنَّهَا ای الفاء فی هذا الترکیب فَاءُ السَّبَبِیَّةِ ای فاء لها نسبة الی السببیة بان یکون معناها السببیة لا العطف فلا یرد نقضا علی تلك القاعدة او یکون معناها السببیة مع العطف لکنها تجعل الجملتین کجملة واحدة فیکتفی بالربط فی الاولی والمعنی الذی اذا یطیر فیغضب زید الذباب او یفهم منها سببیة الاولی للثانیة فالمعنی الذی یطیر فیغضب زید بسببه الذباب ویمکن ان یقدر فیه ضمیر ای الذی یطیر فیغضب زید بطیرانه الذباب وَاِذَا عُطِفَ ای اذا

قول الذی یطیر فیغضب زیدن الذباب سے ٹوٹ جاتا ہے کہ یطیر میں ضمیر ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے اور یغضب کا (فائے عاطفہ کے ذریعے) یطیر پر عطف ہے لیکن اس میں وہ ضمیر نہیں ہے (جو موصول کی طرف راجع ہو جیسا کہ معطوف علیہ یعنی یطیر میں ہے اور موصول کی طرف راجع ہے) تو مصنف نے اس اعتراض کا جواب اپنے اس قول سے دیا کہ (۱) اور الذی یطیر فیغضب زیدن الذباب اس لئے جائز ہے کہ (وہ) یعنی اس ترکیب میں جو فاء ہے وہ (سببیت کی فاء ہے) یعنی ایسی فاء کہ اس کے لئے سببیت کی طرف اس طرح نسبت ہے کہ اس کا معنی سببیت ہے عطف نہیں لہذا نقض کے طور پر اس قاعدہ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا یا فاء کا معنی سببیت مع العطف ہے لیکن فائے عاطفہ کہ معنی سببیت کو مفید ہے دو جملوں کو ایک جملہ کی طرح کر دیتی ہے (کہ سبب و مسبب شرط کی طرح شیٔ واحد ہیں اور اس لئے کہ فاء کی وضع جمع مع التعقیب کے لئے ہے تو فاء جملہ ثانیہ کو جملہ اولی کی جز کر دیتی ہے) لہذا اس ربط پر اکتفاء کیا جائے گا جو پہلے جملہ میں ہے اور (دونوں تقدیروں کی بناء پر) معنی ہوگا الذی اذا یطیر فیغضب زید الذباب یا اس فاء سے جملہ اولی کا جملہ ثانیہ کے لئے سبب ہونا سمجھا جاتا ہے (کیونکہ فاء سببیت میں بھی استعمال ہوتی ہے لہذا جملہ ثانیہ میں ضمیر مقدر کی جائے گی تاکہ عطف صحیح ہو لما عرفت ان الفاء لمجرد العطف) پس (اس تقدیر پر) معنی ہوگا الذی یطیر فیغضب زید بسببہ الذباب اور ممکن ہے کہ (ملاحظہ سببیت صریحا) معطوف میں ضمیر مقدر کی جائے یعنی الذی یطیر فیغضب زید

کی تقریر یہ ہے جس کا جواب مصنف نے وانما جاز الذی الخ سے دیا ہے تقریر اعتراض کی یہ ہے کہ یہ قاعدہ قول عرب الذی یطیر الخ سے منقوض ہے اس لئے کہ یطیر میں ضمیر ہے جو موصول کی طرف عائد ہے، اور یغضب باوجودیکہ یطیر پر معطوف ہے مگر ضمیر سے خالی ہے اس لئے کہ اس کا فاعل موجود ہے اس کا جواب مصنف

نے یہ دیا کہ اس ترکیب میں فاء عطف کے لئے نہیں بلکہ سببیۃ کے لئے ہے پس اب قاعدہ مذکورہ پر کوئی نقض وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ کلام عطف میں ہے، اور یہ عطف کی قسم سے نہیں یا یہ کہا جائے کہ اس جگہ فاء عطف اور سببیت دونوں کے لئے ہے لیکن چونکہ سبب اور مسبب کے درمیان اتصال ہوتا ہے اور اس وجہ سے دو جملے بمنزلہ

جملہ واحدہ کے ہو جائیں گے۔ لہٰذا جملہ اولیٰ کے ربط پر اکتفاء کر لیا جائے گا، اور ضمیر لانے کی ضرورت نہیں ہوگی، اور دونوں صورتوں میں معنے یہ ہوں گے الذی اذا یطیر فیغضب زیدن الذباب یعنی وہ چیز جبکہ اڑتی ہے پس زید غضبناک ہو جاتا ہے مکھی ہے یا یہ کہا جائے کہ فاء عطف کے لئے ہے، لیکن اس سے ثانی جملہ کے لئے اول کی سببیت سمجھ میں آتی ہے پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے الذی یطیر فیغضب زید بسببہ الذباب یعنی جو چیز کہ اڑتی ہے پس زید اس کے سبب سے غضبناک ہو جاتا ہے مکھی ہے، چوتھی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ فاء کو محض عطف کے لئے لیں اور ضمیر رابط محذوف نکالیں پس اس صورت میں عبارت یوں ہوگی الذی یطیر فیغضب زید بطیرانہ الذباب یعنی جو چیز کہ اڑتی ہے پس زید اس کے اڑنے کے سبب سے غضبناک ہو جاتا ہے مکھی ہے فلا اشکال فیہ واللہ اعلم ۱۲۔

۶۶ قولہ واذا عطف الخ یعنی جب ایک حرف عطف سے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف کیا جائے گا تو یہ عطف جمہور کے نزدیک ناجائز ہوگا اس لئے کہ ایک حرف عطف اپنے ضعف کی وجہ سے دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اس جگہ شارح نے ای اذا اوقع العطف سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فعل مصدر کی طرف مسند ہے اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ جزا شرط پر مترتب یعنی اذا عطف پر مترتب نہیں ہوتی اس لئے کہ اذا اور صیغہ ماضی تحقق وجود کو مقتضی ہیں اور لم یجز سے اس کا عدم ظاہر ہو رہا ہے پس شارح نے بتا دیا کہ یہ بوقت اسناد الی مصدرہ اوقع اور اوجد کے معنی میں ہو گیا ہے، اور اس صورت میں جزا کا ترتب شرط پر صحیح ہے اور بناء سے یہ ظاہر کیا ہے کہ علی اس جگہ بنائیہ ہے۔ اور مضاف یعنی وجود محذوف ہے پس یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ فی الدار زید

اوقع العطف بناء علیٰ وجود عاملین بان عطف اسمان علی معمولیهما بعاطفٍ واحدٍ وقال[٦٦٧] بعض شارحی اللباب الاظهر عندی ان العطف ههنا محمول علی معناه اللغوی ای امالة الاسمین نحو العاملین بان یجعلا معمولیهما واکثر الشارحین علی ان المعنی علی معمولی عاملین وانما قال علی معمولی عاملین لا علی معمولی عامل واحد فانه جائز اتفاقا نحو ضرب زید عمرا وعمرو خالدا ولا علی اکثر من اثنین فانه لا خلاف فی امتناعه مختلفین[٦٦٨] ای غیر متحدین بان لا یکون الثانی عین الاول وذلک لدفع وهم من یتوهم ان مثل ضرب ضرب زید عمرا وبکر خالدا من هذا الباب مع انه لیس منه لعدم تعدد العامل فیه اذ العامل هو الاول والثانی تاکید له وذلک[٦٦٩]

بطیرانہ الذباب ((اور جب عطف ڈالا جائے)) یعنی جب ((ایسے دو عاملوں)) کے وجود کی بنا ((پر)) عطف اس طرح واقع ہو کہ ایک عاطف کے ذریعے دو اسموں کا ان دونوں کے دو معمولوں پہ عطف ڈالا جائے اور بعض شارحینِ لباب نے کہا کہ میرے نزدیک ظاہر تر یہ ہے کہ یہاں عطف اپنے لغوی معنوں پہ محمول ہے یعنی (عطف کا لغوی معنی امالہ ہے) دو اسموں کو دو عاملوں کی طرف اس طرح مائل کرنا کہ (ایک ہی حرف عطف سے) دونوں عامل ان دونوں اسموں کو اپنا معمول بنائیں اور اکثر شارحین اس مذہب پہ ہیں کہ (مصنف کے قول واذا عطف یعنی جب عطف ڈالا جائے) دو عاملوں کے دو معمولوں پر اور مصنف نے علی معمولی عاملین .. کہا علی معمولی عامل واحد نہیں کہا کہ یہ بالاتفاق جائز ہے جیسے ضرب زید عمروا وعمرو خالدا اور نہ (مصنف نے واذا عطف علی معمولی عوامل) اکثر من اثنین (کہا) کہ اس کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (جو مختلف ہوں) یعنی متحد نہ ہوں یوں کہ ثانی اول کا عین نہ ہو اور یہ مصنف کا قول مختلفین اس شخص کے وہم کو دور کرنے کے لئے ہے جو اس بات کا وہم کرتا ہے کہ ضرب ضرب زید عمروا وبکر خالدا اسی (عطف بر دو معمولِ دو عامل کے) باب سے ہے مع آنکہ یہ اس سے نہیں کیونکہ اس میں عامل

والحجرة عمروٌ میں عاملین پر نہیں بلکہ معمولین پر عطف واقع ہے پس کلمۂ علیٰ کو عطف کا صلہ قرار دینا کیسے صحیح ہے، جواب سے ظاہر ہوگیا کہ علیٰ اس جگہ صلہ کے لئے نہیں بلکہ بمعنی بناء ہے، اور مطلب یہ ہے واذا عطف علی المعمولین بناء وجود العاملین بعاطفٍ واحدٍ یعنی جب دو معمولوں پر دو عاملوں کے وجود کی بناء پر دو اسموں کا عاطفِ واحد کے ساتھ عطف کیا جائے واللہ اعلم ۱۲۔

٦٦٧ قولہ وقال بعض الخ یہ اعتراض مذکور کا دوسرا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ لباب کے بعض شارحوں نے کہا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ عطف معنی لغوی پہ محمول ہے اور اس کے معنی لغوی امالہ کے آتے ہیں پس مطلب یہ ہوگا ای امالة الاسمین نحو العاملین بان یجعلا معمولیهما یعنی دو اسموں کا دو عاملوں کی جانب بایں طور امالہ کیا جائے کہ ان دونوں اسموں کو ان دونوں عاملوں کا معمول بنا دیا جائے تو اس صورت میں بھی اعتراض واقع نہیں ہوگا اس لئے کہ اس سے بھی دو معمولوں پہ عطف سمجھ میں آتا ہے، اور تیسرا جواب واکثر الشارحین الخ سے یہ ہے کہ علیٰ عاملین کے معنی علی معمولی عاملین کے ہیں پس اس سے بھی فی الدار زیدٌ الخ خارج ہو جاتا ہے پھر مصنف نے معمولی عاملین تو کہا علی معمول عاملِ واحد نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عاملِ واحد کے دو معمولوں پہ عطف جائز ہے اتفاقاً جیسے ضرب زیدٌ عمراً وعمروٌ خالداً کہ اس میں ضرب کے دونوں معمولوں زیدٌ وعمراً پہ عمروٌ وخالداً دو اسموں کا عطف ہے، اور پھر ولا علی اکثر من اثنین بھی نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حرف واحد اپنے ضعف کی وجہ سے دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا تو دو سے زائد کا تو کیسے ہوگا؟ پس اس کے امتناع میں کوئی خلاف نہیں واللہ اعلم

٦٦٨ قولہ مختلفین الخ یہ قید احترازی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ متحد نہ ہوں یعنی ثانی عین اول نہ ہو پس اس سے واہم کے اس وہم کو دور کرنا مقصود ہے کہ مثلاً ضرب ضرب زیدٌ عمراً وبکرٌ خالداً اسی باب سے ہے یعنی اس میں دو عامل موجود ہیں لہٰذا بکرٌ وخالداً کا عطف زیدٌ عمراً پر ناجائز قرار دیا جائے پس یہ اس باب سے نہیں اس لئے کہ عاملین کا اختلاف ضروری ہے اور یہاں اختلاف ہے نہیں بلکہ اتحاد ہے پس یہ عطف ناجائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں عامل ایک ہی ہے یعنی ضربَ اول اور ثانی اس کی تاکید ہے واللہ اعلم

٦٦٩ قولہ وذلک العطف الخ یہاں سے شارح عطف ناجائز کی مثالیں بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ ایسا عطف جس میں دو اسموں کا عطف دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر پایا جائے قول عرب کل سوداءَ تمرةٌ ولا بیضاءَ شحمةٌ ہے کہ اس میں ما نافیہ مشبہ بلیس ہے اور کل مضاف مضاف الیہ سے مل کر اس کا اسم ہے اور تمرةٌ اس کی خبر پس اس میں دو عامل ہوئے ایک ما نافیہ دوسرے لفظ کل مضاف پھر بیضاءَ شحمةٌ بیضا

العطف کما وقع فی قولہم ما کل سوداء تمرة ولا بیضاء شحمة وفی قول الشاعر شعر
اکل امرئ تحسبین امرأ + ونار توقد باللیل نارًا + فھذا وان کان بحسب
الظاھر جائزا لکنہ لم یجز عند الجمھور بحسب الحقیقة لان الحرف الواحد
لم یقو ان یقوم مقام عاملین مختلفین خلافًا للفراء فانہ یجوز ھذا العطف
بحسب الحقیقة کما جاز بحسب الصورة ولا یؤول الامثلة الواردة علیھا ولا یقتصر
علی صورة السماع بل یعمھا وغیرھا وعدم جواز ذلک العطف مع خلاف الفراء
جارٍ فی جمیع المواد عند الجمھور الا فی نحو فی الدار زیدٌ والحجرة عمرٌو وان
فی الدار زیدًا والحجرة عمرًا یعنی الا فی صورة تقدیم المجرور وتاخیر المرفوع او
المنصوب لمجیئہ فی کلامھم واقتصر الجواز علی صورة السماع لان ما خالف

متعدد نہیں کیونکہ عامل اول ہی ہے اور ثانی اس کی تاکید ہے اور یہ عطف جیسا کہ اہل عرب کے
قول ما کل سوداء تمرةٌ ولا بیضاء شحمةٌ اور شاعر کے قول شعر۔ اکل امرئ تحسبین امرأ + ونارٍ
توقد باللیل نارا + پس یہ عطف اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے جائز ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے
جمہور کے نزدیک (جائز نہیں) کیونکہ حرف واحد دو مختلف عاملوں کے قائم مقام نہیں ہو
سکتا (فراء کے برخلاف) کہ وہ اس عطف کو حقیقت کے اعتبار سے جائز قرار دیتا ہے جیسا
کہ صورت کے اعتبار سے جائز ہے اور اس صورت پر وارد ہونے والی امثلہ کی تاویل نہیں کرتا اور سماع
کی صورت پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ صورت سماع اور غیر صورت سماع دونوں کو عام کرتا ہے اور اس عطف
کا عدم جواز مع خلاف فراء (سیبویہ کے سوا) جمہور کے نزدیک تمام امثلہ میں جاری ہے (مگر فی الدار
زید والحجرة عمرو کے مثل میں) اور ان فی الدار زیدا والحجرة عمروا یعنی مگر تقدیم مجرور وتاخیر مرفوع
یا منصوب کی صورت میں کیونکہ یہ صورت ان کے کلام میں آتی ہے (اس لئے اس کے جواز میں کوئی
اختلاف نہیں اور صورت سماع پر جواز کو اس لئے مقصود ٹھیرایا گیا کہ جو صورت قیاس کے خلاف

کا عطف سودا پر ہے جو کہ کل کا معمول ہے اور شحمۃ
کا عطف تمرۃ پر جو کہ کلمۂ ما کی خبر ہے پس دو
اسموں کا عطف دو مختلف عاملوں کے معمولوں
پر متحقق ہو گیا دوسری مثال قول شاعر ہے شعر
اکل امرئ تحسبین امرأ
ونارٍ توقد باللیل نارًا
کہ اس میں ہمزۂ استفہام انکار کے لئے ہے اور
کل مضاف ہے امرئٍ کی طرف پھر مفعول اول
ہے تحسبین کا اور امرأ مفعول ثانی پس اس
میں کل اور تحسبین دو عامل مختلف ہوئے پھر
ونار توقد الخ میں نار کا عطف امرئٍ پر ہے جو کہ
کل کا مضاف الیہ ہے اور نارا کا عطف امرا پر
جو کہ تحسبین کا مفعول ثانی ہے پس دو اسموں
کا عطف دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر
لازم آیا توقد اصل میں تتوقد تھا۔ شاعر اپنی زوجہ
کو خطاب کر کے کہتا ہے کیا ہر وہ شخص جو لباس
و عمامہ وغیرہ سے مرد کی صورت میں نظر آتا ہے
تو گمان کر لیتی ہے کہ وہ مرد کامل ہے اور کیا
ہر آتش جو رات کو روشن کی جاتی ہے تو سمجھتی
ہے کہ کسی کریم اور ذی مروۃ کی آتش ہے (اس
لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ چوروں کی آگ ہو)
بہرحال ان جملوں میں چونکہ عطف واقع ہے
اس لئے اگرچہ بحسب الظاہر اس میں عطف
جائز معلوم ہوتا ہے لیکن وہ بحسب الحقیقۃ
جمہور کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ حرف
واحد میں اس قدر قوت نہیں کہ وہ عاملین مختلفین
کا قائم مقام ہو سکے واللہ اعلم ۱۲۔

نحہ قولہٗ خلافًا الخ یعنی مذکورہ عطف
کے عدم جواز میں فراء نحوی کا خلاف اس سے کہ
وہ اس عطف کو بحسب الحقیقۃ جائز قرار دیتا
ہے جیسا کہ بحسب الصورت جائز ہے اور دلیل
اس کی یہ ہے کہ حرف عطف خود تو عامل ہوتا
نہیں بلکہ اس کی وضع نیابۃ عامل کے لئے ہے
پس جس طرح یہ ایک عامل کا نائب ہو سکتا
ہے اسی طرح دو مختلف عاملوں کا بھی نائب ہو
سکتا ہے البتہ دو سے زیادہ کا نائب فراء کے
نزدیک بھی نہیں ہو سکتا پھر جو امثلہ بصورت
عطف وارد ہوئی ہیں فراء ان میں تاویل بھی
نہیں کرتا اور یہ بات بھی نہیں کہ وہ صرف سماع
از اہل عرب کی وجہ سے اس کو جائز قرار دے
کر اس پر اقتصار کرتا ہو بلکہ وہ ان کو عموما جائز
قرار دیتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر امثلہ بھی
جائز ہو سکتی ہیں لہٰذا فراء کی طرف سے کوئی
یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس میں تاویل اور سماع پر
اقتصار کی وجہ سے جواز کا قائل ہے واللہ اعلم

اکہ قولہٗ وعدم الخ یعنی مذکورہ عطف
کا ناجائز ہونا اور فراء کے ساتھ اختلاف تمام
مذکورہ جیسے مواد میں جمہور کے نزدیک جاری
ہوگا، مگر صرف ایک مادہ فی الدار زیدٌ والحجرة عمرٌو
میں یہ اختلاف نہیں ہوگا اس جگہ فی نحو سے مراد
یہ ہے کہ مجرور مقدم ہو اور مرفوع یا منصوب مؤخر
پھر معطوف بھی اسی طرح ہو منصوب مؤخر کی مثال
جیسے ان فی الدار زیدًا والحجرة عمرًا پس اس کے
جواز کی یہ وجہ ہے کہ یہ کلام عرب میں آیا ہے
اور اہل عرب سے مسموع ہے لہٰذا اس کا جواز

القياس يقتصر على مورد السماع خلافًا[۲۷] لسيبويه فانه لايجوز هذا العطف بحسب الحقيقة فى هذه الصورة ايضًا بل يحملها على حذف المضاف وابقاء المضاف اليه على اعرابه نحو تريدون عرض الحيٰوة الدنيا والله يريد الآخرة بجر الآخرة كما جاء فى بعض القرأة اى عرض الآخرة التاكيد[۲۸] تابع يقرر امر المتبوع اى حاله وشانه عند السامع يعنى يجعل حاله ثابتا مقررا عنده فى النسبة اى فى كونه منسوبًا اومنسوبًا اليه فيثبت عنده ويتحقق ان المنسوب او المنسوب اليه فى هذه النسبة هو المتبوع لاغير وذلك اما لدفع ضرر الغفلة

ہو وہ موردِ سماع پر مقصور ہوگی ((سیبویہ کے برخلاف)) کہ وہ اس صورت میں بھی حقیقت کے اعتبار سے اس عطف کو جائز نہیں کہتے ہیں بلکہ وہ اسے مضاف کو حذف اور اس کے اعراب پر مضاف الیہ کو باقی رکھنے پر محمول کرتے ہیں جیسے (اللہ تعالیٰ کا قول) تریدون عرض الحیٰوة الدنیا واللہ یرید الآخرة آخرت کی جر کے ساتھ جیسا کہ بعض قراءت میں آیا ہے یعنی (واللہ یرید) عرض الآخرة ((تاکید وہ تابع ہے جو امر متبوع کی تقریر کرتا ہے)) یعنی سامع کے نزدیک متبوع کے حال کو ثابت اور مقرر کرتا ہے ((نسبت میں)) یعنی متبوع کے منسوب ہونے میں (جیسے حدیث میں ہے ایما امرءة نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل باطل) یا (متبوع کے) منسوب الیہ (ہونے میں جیسے قطع الامیر نفسہ یا جاء نی زید زید) تو یہ بات سامع کے نزدیک ثابت اور متحقق ہو جاتی ہے کہ اس نسبت میں منسوب یا منسوب الیہ متبوع ہی ہے کوئی غیر نہیں اور یہ تاکید یا تو سامع سے غفلت کے ضرر کو دور کرنے کے لئے یا سامع کے متکلم کے حق میں غلطی کے گمان کو دور کرنے

صرف سماع پر منحصر ہے اگرچہ خلاف قیاس ہے پس جو چیز خلاف قیاس مسموع ہوتی ہے وہ مورد سماع پر منحصر ہوتی ہے اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا پس سوائے اس مثال یا اس جیسی مثال اور کسی میں یہ عطف جائز نہیں ہوگا پس انّ زیداً فی الدار وعمراً فی الحجرة تقدیم منصوب وتاخیر مجرور کے ساتھ کہنا جائز نہیں واللہ اعلم ۱۲

۲۷ قولہ خلافاً الخ اس عطف کے جواز میں سیبویہ کا اختلاف ہے اس لئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ بحسب الحقیقة باوجود سماع کے بھی اس صورت میں عطف جائز نہیں بلکہ وہ اس میں تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اس امر پر محمول ہے کہ اس میں سے مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے اعراب اول پر باقی رکھا گیا ہے پس والحجرة عمرٌو میں فی جار محذوف ہے جو کہ حکماً مضاف ہے اس لئے کہ جس طرح مضاف اپنے مدخول کو مجرور کرتا ہے اسی طرح حرف جر بھی مجرور کرتا ہے پس اس کی عبارت یوں ہوگی فی الدار زیدٌ وفی الحجرة عمرٌو اور یہ عطف جائز ہے کیونکہ جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا، اور وبیضاء شحمة میں کل مضاف محذوف ہوگا، اور عبارت یوں ہوگی ما کل سوداء تمرة وکل بیضاء شحمة (ہر سیاہ چیز کھجور نہیں ہوتی اور ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی) اسی طرح ونار توقد الخ میں کل محذوف نکالیں گے ای کل نار توقد الخ پس تمام امثلہ میں عطف جائز ہو جائے گا اس لئے کہ اس وقت دو اسموں کا عطف دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر لازم نہیں آئے گا فتدبر پھر نحو تریدون الخ قول باری تعالیٰ سے شارح حذف مضاف کی مثال دے رہے ہیں سیبویہ کی جانب سے کہتے ہیں کہ یہ حذف مضاف ایسا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ تریدون عرض الحیٰوة الدنیا واللہ یرید الآخرة میں الآخرة

ای عرض الآخرة اور یہ حذف مضاف بعض قرائتوں کی بناء پر ہے ورنہ اکثر قراء نے اس کو منصوب پڑھا ہے عرض آبرو اور عزت کو کہتے ہیں آیة کا ترجمہ ظاہر ہے واللہ اعلم

۲۸ قولہ التاکید الخ تاکید وہ تابع ہے جو متبوع کے حال کو اس کے منسوب یا منسوب الیہ ہونے میں عندالسامع ثابت کرتا ہے پس سامع کے نزدیک یہ ثابت اور متحقق ہو جاتا ہے کہ اس نسبت میں منسوب یا منسوب الیہ وہ متبوع ہی ہے نہ کہ غیر اس جگہ شارح نے ای حالہ وشانہ سے امر کی تفسیر کرکے یہ بتایا کہ امر اس جگہ حکم کرنا اور بمعنے صیغہ مشہور نہیں بلکہ اس کے معنی حال اور شان کے ہیں

پھر یہ کہ تاکید کا منشاء ذہن سامع میں متبوع کی حالت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے متکلم کو تو اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی لہٰذا شارح نے عندالسامع کا اضافہ فرمایا پھر یہ کہ تقریر کے معنی اس چیز کے بھی آتے ہیں جس کا دل سے تصور کیا جائے، اور زبان سے اظہار اور وہ اس جگہ متحقق نہیں لہٰذا یعنی یجعل حالہ الخ سے یہ بتادیا کہ اس کے معنی اس جگہ تثبیت کے ہیں یعنی تاکید متبوع کے حال کو سامع کے نزدیک ثابت اور مقرر کردے، اور متبوع کا منسوب یا منسوب الیہ ہونا ابھی معلوم ہوگا انشاء اللہ واللہ اعلم ۱۲ منہ

عن السامع اولدفع ظنه بالمتكلم الغلط وذلك الدفع يكون بتكرير اللفظ نحو ضرب زيدٌ زيدٌ اوضرب ضرب زيدٌ اولدفع ظن السامع به تجوزًا امافي المنسوب نحو قولك زيد قتيل قتيل دفعًا لتوهم السامع ان يريد بالقتل الضرب الشديد فيجب حينئذٍ ايضًا تكرير اللفظ حتى لايبقى شك في ارادة المعنى الحقيقي اوفي المنسوب اليه فانه ربما نسب الفعل الى شئ والمراد نسبته الى بعض متعلقاته كما في قطع الامير اللص اى قطع غلامه فيجب حينئذٍ تكرير المنسوب اليه لفظا نحو ضرب زيد زيد اى ضرب هولا من يقوم مقامه اوتكريره معنًى نحو ضرب زيد نفسه او عينه اوفي الشمول اى التاكيد مايقرر امرالمتبوع في النسبة بالتفصيل الذى ذكرناه اوفي شمول المتبوع افراده دفعا لظن السامع تجوزا لافي نفس المنسوب اليه بل في شموله لافراده فانه كثيرًا ماينسب

کے لئے ہے اور یہ دور کرنا تکریر لفظ سے ہوتا ہے جیسے ضرب زید زید یا ضرب ضرب زید یا (یہ تاکید) سامع کے متکلم کے حق میں مجاز کے گمان کو دور کرنے کے لئے (ہوتی ہے پھر اس کا یہ گمان) یا منسوب میں ہوگا جیسے تمہارا قول ہے زید قتیل قتیل سامع کے اس توہم کو دور کرنے کے لئے کہ متکلم قتل سے ضرب شدید کا ارادہ کرتا ہے تو اس وقت بھی تکریر لفظا ضروری ہے تاکہ معنیٔ حقیقی کے مراد ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہے یا منسوب الیہ میں (اس کے گمان کو دور کرنا ہوگا) کہ بسا اوقات ایک فعل کو کسی شئ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ مراد اس شئ کے بعض متعلقات کی طرف فعل کی نسبت ہوتی ہے جیسے قطع الامیر اللص میں ہے یعنی قطع غلامہ تو اس وقت لفظی طور منسوب الیہ کی تکریر ضروری ہوتی ہے جیسے ضرب زید زید یعنی ضرب ھولا من یقوم مقامہ یا معنوی طور پر (اس کی تکریر ضروری ہوتی ہے) جیسے ضرب زید نفسہ یا عینہ (یا شمول میں) یعنی تاکید وہ ہے جو نسبت میں متبوع کے امر کو اس تفصیل کے مطابق مقرر (و محقق) کرے جس کا ہم نے ذکر کیا یا (تاکید وہ ہے جو) متبوع کے اپنے افراد کو شامل ہونے میں (متبوع کے امر کو) سامع کے (متکلم کے حق میں تکلم بہ) مجاز کے گمان کو دور کرنے کے لئے منسوب الیہ کی ذات میں نہیں بلکہ منسوب الیہ اپنے افراد کو شامل ہونے میں (سامع کے متکلم کے حق میں

---

۷۴ قولہ وذلک الخ یعنی تاکید کا فائدہ یہ ہے کہ یہ یا تو سامع سے غفلت کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے لائی جاتی ہے یا سامع کے متکلم کی نسبت غلطی کے گمان کو دفعیہ کیلئے پس اس دفعیہ کی صورت یہ ہے کہ یا تو لفظ منسوب الیہ کو مکرر لایا جائے جیسے ضرب زیدٌ زیدٌ کہ اس میں زید منسوب الیہ ہے کیونکہ اس کی طرف ضرب کی نسبت ہے۔ اور متبوع منسوب یا لفظ منسوب کو مکرر لائیں جیسے ضرب ضرب زیدٌ یا منسوب اور منسوب الیہ دونوں کو مکرر لائیں جیسے ضرب ضرب زیدٌ زیدٌ پس اس سے سامع کی غفلت کا ضرر بھی دفع ہو جائے گا اور تکرار کی وجہ سے سامع کو متکلم کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہوگا کہ وہ غلطی کر رہا ہے یا تاکید سامع کے اس گمان کو دور کرنے کے لئے لائی جاتی ہے کہ متکلم لفظ سے معنے حقیقی ترک کرکے معنی مجازی کا ارتکاب کر رہا ہے پھر یہ تجوز کا گمان یا تو منسوب میں ہوتا ہے جیسے زیدٌ قتیلٌ قتیلٌ کہ اس میں قتیلٌ منسوب ہے پس اس کا تکرار کرکے سامع کے اس وہم کو دور کر دیا گیا کہ متکلم نے قتل سے مراد ضرب شدید لی ہے یعنی اس سے مراد ضرب شدید نہیں بلکہ قتل ہے پس اس وقت سامع کے ظن کو دور کرنے کے لئے لفظ منسوب کا تکرار واجب ہے تاکہ معنی حقیقی کے مراد ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہے یا یہ گمان منسوب الیہ میں ہوتا ہے اس لئے کہ بسا اوقات کسی شئ کی طرف فعل کی نسبت کی جاتی ہے اور مراد اس سے اس شئے کے بعض متعلقات کی طرف نسبت ہوتی ہے جیسا کہ قطع الامیر اللص میں قطع ید کی نسبت امیر کی طرف ہے مگر مراد اس سے اس کا غلام ہے اس لئے کہ امیر صرف حکم دیتا ہے پس اس وقت توہم سامع کو دور کرنے کے لئے منسوب الیہ کا تکرار واجب ہوتا ہے لفظاً بھی اور معنًی بھی لفظاً جیسے ضرب زیدٌ زیدٌ یعنی زید ہی نے مارا اس کے قائم مقام نے نہیں مارا اور معنًی جیسے ضرب زیدٌ نفسہٗ یا عینہٗ مطلب اس کا بھی وہی ہے صرف اس میں لفظ زید کی بجائے اس کا ہم معنی لفظ استعمال ہوا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۷۵ قولہ اوفی الشمول الخ اس کا عطف فی النسبۃ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ تاکید وہ ہے جو متبوع کے حال کو ثابت فی النسبۃ کرے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا یا تاکید وہ تابع ہے جو شمول میں اپنے متبوع کے حال کو ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام افراد کو اس حکم میں شامل ہے جو کہ اس کے لئے ہے پھر اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ متکلم

الفعل الی جمیع افراد المنسوب الیہ مع انہ یرید النسبۃ الی بعضہا فیندفع ہذا الوہم بذکر کل واجمع واخواتہ وکلاہما وثلثہم واربعتہم ونحوہا فہذا ہو الغرض من جمیع الفاظ التاکید واذا عرفت[۷۶] ہذا فنقول اخرج المصؔ الصفۃ و العطف والبدل عن حد التاکید بقولہ یقرر امر المتبوع اما البدل والعطف فظاہر خروجہما بہ واما الصفۃ فلان وضعہا للدلالۃ علی معنیً فی متبوعہ وافادتہا توضیح متبوعہا فی بعض المواضع لیست بالوضع واما عطف البیان وہو لتوضیح متبوعہ فہو یقرر امر متبوعہ ویحققہ لکن لا فی النسبۃ والشمول ہذا حاصل ما ذکرہ المصؔ فی شرحہ وَہُوَ ای التاکید لَفْظِیٌّ ای منسوب الی اللفظ لحصولہ من تکریر اللفظ وَمَعْنَوِیٌّ ای منسوب الی المعنی لحصولہ من ملاحظۃ المعنی فَاللَّفْظِیُّ منہ تَکْرِیْرُ اللَّفْظِ الْاَوَّلِ ای مکرر اللفظ الاول ومعادہ حقیقۃ

تکلم یہ مجاز کے گمان کو دور کرنے کے لئے تاکید لائی جاتی ہے) کہ اکثر اوقات فعل کی منسوب الیہ کے جمیع افراد کی طرف نسبت کی جاتی ہے باوجودیکہ متکلم بعض افراد کی طرف نسبت کا ارادہ کرتا ہے پس کل اور اجمع اور اس کے امثال اور کلاھما اور ثلاثتہم اور اربعتہم اور اسی طرح (کی تاکیدات) کے ذکر سے یہ وہم دور ہو جاتا ہے پس جمیع الفاظ تاکید سے یہی غرض ہے اور جب اے مخاطب تونے یہ معلوم کر لیا تو ہم کہتے ہیں کہ مصنف نے صفت وعطف وبدل کو اپنے قول یقرر امر المتبوع کے ذریعے تاکید کی تعریف سے خارج کر دیا رہا بدل اور عطف تو اس قول سے ان دونوں کا خارج ہونا ظاہر ہے اور رہی صفت تو (وہ بھی) اس لئے خارج ہو گئی) کہ اس کی وضع ایسے معنی پر دلالت کے لئے ہے جو اس کے متبوع میں ہے اور بعض مواضع میں صفت کا متبوع کی توضیح کا فائدہ دینا وضع کے اعتبار سے نہیں ہے (بلکہ اس میں توضیح استعمال کے عارض کی وجہ سے ہے لہذا صفت اپنے موصوف کی تقریر کے لئے نہیں ہے نہ نسبت میں اور نہ ہی شمول میں) اور رہا عطف بیان تو وہ اپنے متبوع کی توضیح کے لئے ہے اور اپنے متبوع کے امر کو مقرر ومحقق کرتا ہے لیکن نسبت اور شمول میں نہیں (بلکہ وہ اس کی ذات کو مقرر ومحقق کرتا ہے) یہ (بیان فوائد قیود) اس کا خلاصہ ہے جو خود مصنف نے اپنی (کافیہ کی) شرح میں بیان کیا ((اور وہ)) یعنی تاکید ((لفظی ہے)) یعنی لفظ کی طرف منسوب ہے کہ اس کا حصول تکریر لفظ سے ہے ((اور معنوی ہے)) یعنی معنی کی طرف منسوب ہے کہ اس کا حصول معنی کے لحاظ سے ہے ((پس)) اس تاکید میں سے ((لفظی لفظ اول کی تکریر ہے)) یعنی لفظ اول کا معاد

کی نسبت سامع کے اس گمان کو دور کرے کہ متکلم مجاز کے ساتھ تکلم کرتا ہے یعنی منسوب الیہ میں دفع ضرر غفلت عن السامع وغیرہ کسی شئے کو ثابت نہیں کرے گا بلکہ یہ اثبات وتقرر متبوع کے اپنے افراد کو شمول میں ہوگا اس لئے کہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ فعل کی نسبت جمیع افراد منسوب الیہ کی طرف ہوتی ہے اور اس کے باوجود بعض افراد کی طرف نسبت کا ارادہ کیا جاتا ہے، پس لفظ کل اور اجمع اور اس کے اخوات اور کلاہما ثلثہم وغیرہا لاکر اس وہم کو دور کر دیا جائے گا، اور ظاہر کر دیا جائے گا کہ اس جگہ متبوع سے مراد اپنے تمام افراد کو شمول ہے اس کے بعض افراد مراد نہیں پس خواہ تقریر متبوع فی النسبۃ ہو یا فی الشمول جمیع الفاظ تاکید سے غرض یہی ہے جو بیان ہوئی واللہ اعلم ۱۲۔

[۷۶] قولہ واذا عرفت الخ یعنی جب تاکید کی غرض اور تعریف معلوم ہو چکی تو اب فوائد قیود سن لیجئے پس قولہ یقرر امر المتبوع سے تو صفۃ عطف اور بدل تعریف تاکید سے خارج ہو گئے بدل اور عطف کا خروج تو ظاہر ہے کہ یہ امر متبوع کی تقریر کے لئے نہیں ہوتے عطف میں تو عدم تقریر ظاہر ہے اور بدل میں اگرچہ امر متبوع کی تقریر ہوتی ہے مگر وہ مقصود اصلی نہیں بلکہ ضمناً حاصل ہوتی ہے کیونکہ بدل میں مبدل منہ یعنی متبوع سے بالکلیہ بحث نہیں ہوتی بلکہ ضمناً ہوتی ہے پس یہ دونوں تعریف تاکید سے خارج ہیں اب رہی صفۃ تو اس کی وضع متبوع کے معنی پر دلالت کے لئے ہوتی ہے تقریر امر متبوع کے لئے نہیں اب اگر کوئی کہے کہ صفۃ کبھی توضیح یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اور یہ دونوں احوال متبوع سے ہیں لہذا اس سے خارج نہیں بلکہ اس میں داخل ہوئی تو اس کا جواب وافادتہا الخ سے یہ دیا کہ اگر یہ بعض مواضع میں توضیح متبوع کا فائدہ دیتی

ہے تو یہ اس کی اصل وضع نہیں اور یہاں اس کا اخراج کرنا ہے اصل وضع کے اعتبار سے لہذا یہ خارج ہے اور قولہ فی النسبۃ او الشمول سے

عطف بیان خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ اپنے متبوع کی توضیح کے لئے آتا ہے پس یہ امر متبوع کو ثابت اور محقق کرتا ہے لیکن نسبۃ اور

نحو جاءنی زید زید او حکما نحو ضربت انت وضربت انا فان ذلک فی حکم تکریر اللفظ وان کان مخالفا للاول لفظا اذ الضرورة داعیة الی المخالفة لانہ لا یجوز تکریرہ متصلا ویجری[۷۸] ای التکریر مطلقا لا التکریر الذی ھو التاکید الاصطلاحی فی الالفاظ کلھا اسماء او افعالا او حروفا او جملا او مرکبات تقییدیة او غیر ذلک ولا یبعد ارجاع الضمیر الی التاکید اللفظی الاصطلاحی وتخصیص الالفاظ بالاسماء ویکون المقصود من ھذا التعمیم عدم اختصاص بالفاظ محصورة کالتاکید المعنوی والتاکید[۷۹] المعنوی مختص بالفاظ محصورة

وکرر حقیقت میں (جیسے جاءنی زید زید) یا حکم کی رو سے جیسے ضربت انت وضربت انا کہ یہ (ہر ایک مثال) متبوع کے) لفظ کی تکریر کے حکم میں ہے اگرچہ لفظوں میں اول کے خلاف ہیں کیونکہ مخالفت کی طرف ضرورت داعیہ ہے اس لیے کہ متصل طور پر اس کی تکریر جائز نہیں ہے (یعنی لفظ اول کی متصل حالت میں تکریر جائز نہیں) ((اور جاری ہوتی ہے)) یعنی تکریر مطلقا (یعنی اصطلاحی ولغوی) نہ صرف وہ تاکید جو اصطلاحی ہے ((تمام الفاظ میں)) خواہ اسماء ہوں یا افعال یا حروف یا جملے یا مرکبات تقییدیہ یا ان کے علاوہ (اور تاکید اصطلاحی تو صرف اسماء میں جاری ہوتی ہے) اور (یجری کی) ضمیر (مستتر) کا تاکید لفظی اصطلاحی کی طرف لوٹانا اور الفاظ کو اسماء کے ساتھ خاص کرنا بعید نہیں ہے اور (یہ بھی بعید نہیں کہ) اس تعمیم (یعنی الفاظ عامہ غیر مراد کے ذکر) سے مقصود تاکید لفظی (اصطلاحی) کا الفاظ محصورہ (ومعدودہ) کے ساتھ مخصوص نہ ہونا ہے جیسا کہ (اس کے برعکس) تاکید معنوی (الفاظ محصورہ کے ساتھ مخصوص) ہے ((اور)) تاکید

شمول میں نہیں لہذا یہ بھی خارج ہو گیا، اور تعریف جامع مانع ہو گئی واللہ اعلم۔

[۷۷] قولہ وھو الخ یعنی تاکید کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی جو کہ لفظ کی طرف منسوب ہے اس لئے کہ یہ تکرار لفظ متبوع سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرے معنوی جو معنی کی طرف منسوب ہے اور معنی کے ملاحظہ کے بعد حاصل ہوتی ہے پس تاکید لفظی لفظ اول کے مکرر لانے سے حاصل ہو جاتی ہے پھر اس میں تعمیم ہے کہ لفظ اول کا اعادہ حقیقۃً ہو جیسے جاءنی زید زید کہ لفظ زید حقیقۃً مکرر ہے یا حکماً ہو جیسے ضربت انت اور ضربت انا کہ اس میں انت اور انا تکریر لفظ متبوع کے حکم میں ہے اگرچہ لفظا لفظ اول یعنی ضربتُ کی تاء کے مخالف ہے مگر چونکہ لفظ اول کی تکریر متصلاً نہیں ہو سکتی کہ ثانی کو بھی اس سے ملا دیا جائے اور نہ منفصلاً ہو سکتی ہے اس لئے کہ اول جبکہ بلا مانع متصل ہے تو اس کا انفصال جائز نہیں پس اس تعذر کی وجہ سے مخالفت کی طرف ضرورت داعی ہوئی کہ لفظ اول متصل ہو اور لفظ ثانی منفصل لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اگر تاکید لفظی میں تکریر لفظ اول بعینہ مراد ہے تو اس سے ضربت انت وغیرہ خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تکریر لفظ اول بعینہ نہیں ہے اور اگر تکریر سے مطلقاً تکریر مراد لی جائے خواہ لفظ اول کا مرادف ہی آ جائے تو اس میں تاکید معنوی بھی داخل ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں لفظ اول مرادف مکرر آتا ہے جیسے جاءنی القوم کلھم میں کلھم القوم کے مرادف ہے پس شق اول کا جواب تو ظاہر ہے کہ اس میں مخالفت کی طرف ضرورت داعی ہے کیونکہ لفظ اول کی تکریر نہ تو متصلاً ہو سکتی ہے اور نہ منفصلاً اور شق ثانی کا یہ ہے کہ اس میں مخالفت کی طرف ضرورت داعی نہیں ہوتی بلکہ بلا ضرورت لفظ اول کا مرادف مکرر لاتے ہیں اس لئے کہ جاءنی القوم کلھم میں جاءنی القوم القوم کہہ سکتے ہیں پس لفظ قوم کی مخالفت اس میں بلا ضرورت ہوئی اور ضرورت و عدم ضرورت میں فرق ہے لہذا ضربت انت اس میں داخل ہو گیا اور تاکید معنوی اس سے خارج ہو گئی واللہ اعلم۔

[۷۸] قولہ ویجری الخ اس جگہ شارح نے ای التکریر مطلقا سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یجری کی ضمیر غائب تاکید اصطلاحی کی طرف راجع ہے پس اس وقت اس میں اور فی الالفاظ کلھا میں منافات ہوگی اس لئے کہ تاکید اسم کی قسم سے ہے اور الفاظ میں اسم وفعل وحرف سب آ جاتے ہیں پس شارح نے کہا کہ اس کا مرجع تاکید اصطلاحی نہیں بلکہ تکریر مطلق ہے پس مطلب یہ ہوا کہ مطلقاً تکریر تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے خواہ وہ الفاظ اسماء ہوں یا افعال یا حروف یا جملے یا مرکبات تقییدیہ یا غیر تقییدیہ وغیر ذلک اور یہ بھی ممکن ہے کہ یجری کی ضمیر تاکید لفظی اصطلاحی کی طرف لوٹائی جائے، اور الفاظ کو اسماء کے ساتھ خاص کر لیا جائے، اور الفاظ کی اس تعمیم سے تاکید لفظی کا الفاظ محصورہ میں عدم اختصاص مقصود ہو جیسا کہ تاکید معنوی الفاظ مخصوصہ میں محصور ہے پس یہ معنی ہوں گے کہ تکریر کسی ایک اسم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام اسماء میں جاری ہو سکتی ہے پس اس وقت مصنف کا یہ قول اصطلاح کے مطابق ہو جائے گا واللہ اعلم ۱۲۔

[۷۹] قولہ والتاکید الخ یعنی تاکید معنوی

ای معدودةٍ محدودةٍ وَهِیَ نَفْسُہٗ وَعَیْنُہٗ وَکِلَاهُمَا وَکُلُّہٗ وَاَجْمَعُ وَ اَکْتَعُ وَاَبْتَعُ وَاَبْصَعُ بالصاد المهملة وقیل بالضاد المعجمة قیل لامعنیٰ لهذه الکلمات الثلث فی حال الافراد مثل حَسَنٍ بَسَنٍ وقیل اکتع مشتق من حولٍ کتیع ای تامٍ وابصع بالمهملة من بَصَعَ العرقُ ای سال وبالمعجمة من بضع ای ردی وَابتع من التبع وهو طول العنق مع شدة مغرزه ویمکن استنباط مناسباتٍ خفیة بین هذه المعانی ومعناها التاکیدی بالتامل الصادق

۸۰ فَالْاُوْلَانِ ای النفس والعین یعمّانِ ای یقعان علی الواحد والمثنیٰ والمجموع والمذکر والمؤنث بِاِخْتِلَافِ صیغتهما افرادًا وتثنیةً وجمعًا واختلاف ضَمِیْرِهِمَا العائد الی المتبوع المؤکد تَقُوْلُ نَفْسُہٗ فی المذکر الواحد نَفْسُهَا فی المؤنث

((معنوی الفاظ محصورہ)) یعنی معدودہ محدودہ ((کے ساتھ)) مخصوص ہوتا ہے اور وہ .. نفسہ وعینہ وکلاهما وکلہ واجمع واکتع وابتع والبصع ہیں)) (البصع) صاد مہملہ کے ساتھ اور کہا گیا ہے کہ ضاد معجمہ کے ساتھ (لیکن صاد مہملہ کے ساتھ لغت فصیحہ ہے اور کہا گیا ہے کہ افراد (یعنی عدم تاکید ہوتے) کی حالت میں حسن بسن کی طرح ان کلمات ثلاث (اکتع وابتع والبصع) کا کوئی معنی نہیں اور کہا گیا ہے کہ اکتع حول کتیع یعنی تام سے مشتق ہے اور البصع بصع العرق یعنی سال سے ماخوذ ہے اور (البضع ضاد) معجمہ کے ساتھ بضع یعنی ردی (از باب علم از ری ضد عطش) اور ابتع (ماخوذ) از بتع اور وہ (اونٹ کی طرح) گردن کا لمبا ہوتا ہے اس کی شدت مغرز کے ہمراہ (مغرز اسم مکان ہے یعنی سینے کے ساتھ کی وہ جگہ جس میں گردن گڑی ہوئی ہے اور شدت سے مراد مستحکم ومضبوط ہے) اور ان (الفاظ کے ان وضعیہ لغویہ) معانی اور ان کے تاکیدی معانی کے درمیان تامل صادق (اور عقل ونقل اور ذہن) کی مدد سے مناسبات خفیہ کا استخراج ممکن ہے (اور یہ استخراج تامل تام کے ذریعے اذکیاء لوگ ہی کر سکتے ہیں) ((پس پہلے دو)) یعنی نفس اور عین ((عام ہیں)) یعنی واحد وتثنیہ وجمع ومذکر ومؤنث پر واقع ہوتے ہیں ((ان کے اختلاف صیغوں کے ساتھ)) مفرد وتثنیہ وجمع ہونے کے اعتبار سے ((اور ان دونوں کے ضمیر کے)) اختلاف کے ((ساتھ)) جو متبوع مؤکد کی طرف لوٹتی ہے ((تم کہو گے نفسہ))

الفاظ محصورہ محدودہ معدودہ کے ساتھ مختص ہے تمام الفاظ میں سوائے معدودے چند کے جاری نہیں ہو سکتی اور وہ الفاظ یہ ہیں نفسہ، عینہ، کلاہما، کلہ، اجمع، اکتع، ابتع، ابصع صاد معجمہ کے ساتھ ابضع کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بغیر تاکید کے اکتع، ابتع، ابصع کے کوئی معنی نہیں آتے بلکہ یہ حسنٌ اور بسنٌ کی طرح مہمل ہوتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ مہمل نہیں بلکہ اکتع حولٌ کتیعٌ سے مشتق ہے کہ جس کے معنی تمام ہونے کے آتے ہیں یعنی تمام سال اور البصع بصع العرقُ سے مشتق ہے جس کے معنے بہنے کے آتے ہیں یعنی پسینہ بہا اور البضع مشتق ہے بضعٌ سے جس کے معنی ردیٌ یعنی سیراب ہونے کے آتے ہیں، اور ابتع التبعُ سے مشتق ہے کہ جس کے معنی اس لمبی گردن کے آتے ہیں کہ جس میں سختی ہو اب سوال پیدا ہوا کہ جب یہ الفاظ معانی لغویہ سے معانی تاکیدی کی طرف منقول ہیں تو ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت ضرور ہونی چاہیے، اس کا جواب ویمکن استنباط الخ سے شارح نے یہ دیا کہ ان دونوں کے درمیان تامل صادق اور کامل توجہ کے ساتھ مناسبات خفیہ کا استنباط کر لینا ناممکن نہیں بلکہ بہت ممکن ہے پس اکتع کے معنی تمام کے آتے ہیں، اور اس کے معنیٰ تاکیدی عموم کے اور عموم تمام الافراد والاجزاء کو کہتے ہیں پس دونوں کے درمیان مناسبت ہو گئی، اور البصع کے معنی سیلان واجتماع کے آتے ہیں، اور معنی تاکیدی عموم کے اور سیلان بھی عام ہوتا ہے پس ان دونوں میں بھی مناسبت ہے اور البضع کے معنے علی وجہ التمام پانی پینے کے آتے ہیں، اور معنی تاکیدی عموم کے پس ان دونوں میں بھی مناسبت ظاہر ہے اور ابتع کے معنی طول مع الشدة کے آتے ہیں اور معنی تاکیدی قوی اور عام کے اور عام میں بھی من حیث الوجود طول پایا جاتا ہے پس ان دونوں کے درمیان بھی مناسبت موجود ہے واللہ اعلم۔

۸۰ قولہ فالاولان الخ یعنی تاکید معنوی کے الفاظ میں سے اول کے دو نفس اور عین عام ہیں یعنی واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لئے آتے ہیں، البتہ متبوع کے لحاظ سے ان کا صیغہ اور ضمیر بدلتی رہے گی جو کہ متبوع موکد کی طرف راجع ہوتی ہے لیکن پھر متبوع کے لحاظ سے صیغہ کا بدلنا صرف واحد اور جمع میں ہوگا تثنیہ کے لئے جمع کا صیغہ

مستعمل ہوتا ہے جیسے جاء زیدٌ نفسہ وجاء الزیدان انفسہما وجاءت خالدةٌ نفسہا پس واحد مذکر میں نفسہ کہیں گے، اور واحد مؤنث میں نفسہا اور تثنیہ مذکر ومؤنث میں لفظ نفس کو جمع لا کر ضمیر تثنیہ کو اس کے ساتھ لاحق کر کے انفسہما کہتے ہیں، اور بعض عرب سے نفساہما اور عیناہما مسموع ہے

الواحدة اَنْفُسُهُمَا بایراد صیغة الجمع فی تثنیة المذکر والمؤنث وعن بعض العرب نفساهما وعیناهما اَنْفُسُهُمْ فی جمع المذکر العاقل اَنْفُسُهُنَّ فی جمع المؤنث وغیر عاقل من المذکر وَالثَّانِیْ ۸۱ لما سمی النفس والعین اولین تغلیبًا کالقمرین سمی الثالث ثانیًا لِلْمُثَنّٰی کِلَاهُمَا للمذکر وَکِلْتَاهُمَا للمؤنث وَالْبَاقِیْ بعد الثلثة المذکورة لغیر الْمُثَنّٰی مفردا کان او جمعا بِاِخْتِلَافِ الضَّمِیْرِ العائد الی المتبوع المؤکد فِیْ کُلِّهٖ نحو قرأت الکتاب کله وَکُلِّهَا نحو قراءت الصحیفة کلها وَکُلِّهِمْ نحو اشتریت العبید کلهم وَکُلِّهِنَّ نحو طلقت النساء کلهن وَبِاخْتِلَافِ ۸۲ الصِّیَغِ فی الکلمات الْبَوَاقِیْ وهی اجمع واکتع وابتع وابصع بالمهملة او المعجمة تقول اَجْمَعُ فی المذکر الواحد وَجَمْعَاءُ فی المؤنث الواحدة او الجمع بتاویل الجماعة وَاَجْمَعُوْنَ فی جمع المذکر وَجُمَعُ فی جمع المؤنث وکذا اکتع کتعاء اکتعون کتع وابتع بتعاء ابتعون بتع وابصع بصعاء ابصعون بصع وَلَا یُؤَکِّدُ ۸۳ بِکُلٍّ وَاَجْمَعَ اِلَّا ذُوْ اَجْزَاءٍ مفردا کان او

واحد مذکر میں ((نفسہا)) واحد مؤنث میں ((انفسہما)) تثنیہ مذکر و مؤنث میں جمع کا صیغہ لاکر اور بعض عرب سے نفساھما اور عیناھما (منقول) ہے ((انفسہم)) جمع مذکر عاقل میں ((انفسہن)) جمع مؤنث اور مذکر عاقل کے غیر میں (کما تقول اشتریت الافراس انفسہن) ((اور ثانی)) مصنف نے جب نفس اور عین کو قمرین کی طرح تغلیباً اولین قرار دیا تو ثالث کو ثانی ٹھیرایا ((مثنی کے لئے کلاھما)) مذکر کیلئے ((اور کلتاھما)) مؤنث کے لئے ((اور باقی)) ثلاثہ مذکورہ کے بعد ((غیر مثنی کے لئے)) مفرد ہو یا جمع ((اختلافِ ضمائر کے ساتھ)) جو متبوع مؤکد کی طرف لوٹے ((کلہ میں)) جیسے قرأت الکتاب کلہ ((اور کلہا)) جیسے قرأت الصحیفۃ کلہا ((اور کلہم)) جیسے اشتریت العبید کلہم ((اور کلہن)) جیسے طلقت النساء کلہن ((اور صیغوں کے)) اختلاف کے ساتھ ((باقی کلمات میں)) اور وہ (کلمات چار ہیں یعنی) اجمع واکتع و ابتع و ابصع (صاد مہملہ یا ضاد معجمہ کے ساتھ تم کہوگے ((اجمع)) واحد مذکر میں ((اور جمعاء)) واحد مؤنث یا جمع (مذکر عاقل) میں (جیسے جاء نی الرجال جمعاء اور غیر عاقل میں جیسے اشتریت الجذوع جمعاء لیکن) جماعۃ کی تاویل کے ساتھ ((اور اجمعون)) جمع مذکر (عاقل) میں ((اور جمع)) جمع مؤنث میں اور اسی (اجمع) کی طرح اکتع کتعاء اکتعون کتع اور ابتع تبعاء ابتعون بتع اور البصع بصعاء البصعون بصع ہے ((اور کل و اجمع سے ذو اجزاء کی ہی تاکید لائی جائے گی)) ذو اجزاء مفرد ہو (جیسے عبد) یا جمع ہو (جیسے

اور جمع مذکر عاقل میں انفسہم اور جمع مؤنث عاقل و جمع مذکر غیر عاقل میں انفسہن کہتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۸۱ قولہ والثانی الخ یعنی حقیقۃ کے اعتبار سے یہ ثانی نہیں بلکہ ثالث ہے مگر چونکہ نفس اور عین کو تغلیباً اولین سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ شمس وقمر کو قمرین اور اب وام کو ابوین سے موسوم کرتے ہیں تو ثالث کو ثانی نام دیا گیا۔ اور وہ کلاہما ہے تو تثنیہ مذکر کے لئے کلاہما، اور تثنیہ مونث کے لئے کلتاہما کہا جائے گا، اور اب جو باقی رہے تو وہ سب غیر تثنیہ یعنی واحد اور جمع کے لئے آتے ہیں۔ اور ان میں صرف لفظ کل باختلاف ضمیر کے ساتھ آتا ہے جو کہ متبوع موکد کی طرف راجع ہوتی ہے پس واحد مذکر میں کلہ جیسے قرأت الکتاب کلہ اور واحد مؤنث میں کلہا جیسے قرأت الصحیفۃ کلہا اور جمع مذکر میں کلہم جیسے اشتریت العبید کلہم اور جمع مونث میں کلہن جیسے طلقت النساء کلہن کہیں گے، واللہ اعلم۔

۸۲ قولہ وباختلاف الخ یعنی کلہ وغیرہ کے علاوہ جتنے باقی الفاظ ہیں وہ باختلاف صیغہ آئے ہیں، اور وہ باقی یہ ہیں اجمع۔ اکتع۔ ابتع۔ ابصع بالصاد اور بالضاد پس مذکر واحد میں اجمع اور مونث واحد یا جمع مذکر بتاویل الجماعۃ میں جمعاء اور ابتع تبعاء ابتعون تبع اور البصع بصعاء البصعون بصع بالصاد و بالضاد کہیں گے ۱۲۔

۸۳ قولہ ولا یؤکد الخ یعنی لفظ کل اور اجمع کے ساتھ اس چیز کی تاکید کی جاتی ہے، جو ذو اجزاء ہو پھر وہ ذو اجزاء مفرد ہو جیسے عبد کہ اس کی خرید میں بہت سے افراد شریک ہو سکتے ہیں یا جمع ہو جیسے قوم اس لئے کہ لفظ کل کی کلیۃ اور اجمع کا اجتماع صرف ذو اجزاء میں ہی متحقق ہو سکتا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف پہ یہ لازم تھا کہ وہ الا ذو اجزاء کے ساتھ ذو افراد بھی کہتے اس لئے کہ جائز ہے کہ ان کی تاکید ذو افراد کے ساتھ بھی لائی جائے مثلاً انسان ذو افراد ہے اس کی تاکید دونوں کے ساتھ لائی جا سکتی ہے شارح نے ولا حاجۃ الخ سے جواب یہ دیا کہ ذکر افراد کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جب تک کلی کے افراد کا بحیثیت مجتمع ہونے کے لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ افراد مجتمع ہو کر جب تک اجزاء نہیں بن جائیں گے اس وقت تک اس کلی کی تاکید لفظ کل اور

جمعا اذ الکلیۃ والاجتماع لا یتحققان الا فیہ ولا حاجۃ الی ذکر الافراد لان الکلی مالم تلاحظ افرادہ مجتمعۃ ولم تصر اجزاء لا یصح تاکیدہ بکل واجمع ویجب ان تکون تلک الاجزاء بحیث یصح افتراقہا حسًّا کاجزاء القوم اَوْ حُکْمًا کاجزاء العبد لیکون فی التاکید بکل واجمع فائدۃ مِثْلُ اَکْرَمْتُ الْقَوْمَ کُلَّھُمْ وَاشْتَرَیْتُ الْعَبْدَ کُلَّہٗ فان العبد قد یتجزأ فی الاشتراء فیصح تاکیدہ بکل لیفید الشمول بِخِلَافِ جَاءَ زَیْدٌ کُلُّہٗ لعدم صحۃ افتراق اجزائہ لا حسًّا ولا حکما فی حکم المجئ وَاِذَا اُکِّدَ الضَّمِیْرُ الْمَرْفُوْعُ الْمُتَّصِلُ بارزا کان او مستکنا بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنِ ای اذا ارید تاکیدہ بہما اُکِّدَ ذلک الضمیر اولا بِمُنْفَصِلٍ ثم بالنفس والعین مِثْلُ ضَرَبْتَ اَنْتَ نَفْسُکَ فنفسک تاکید لتاء الضمیر بعد تاکیدہ بمنفصل ھو انت اذ لولا ذلک لالتبس التاکید

قوم) کیونکہ کلیت اور اجتماعیت ذو اجزاء میں ہی متحقق ہوتے ہیں اور (ذو اجزاء کے بعد افراد کے ذکر کی حاجت نہیں (یعنی ذو اجزاء و افراد کہنے کی ضرورت نہیں) کیونکہ کلی (کی شان یہ ہے کہ) جب تک اس کے افراد کے مجتمع ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے اور اس کے افراد جب تک (مجموع مؤکد کے) افراد نہ بنیں کل اور اجمع کے ساتھ اس کی تاکید نہیں لائی جا سکتی اور (لیکن) ضروری ہے کہ وہ اجزاء اس طرح ہوں کہ (ان کا حسی طور پر افتراق درست ہو) (قوم کے اجزاء کی طرح) (یا حکمی طور پر) عبد کے اجزاء کی طرح (کہ اشتراء و بیع ایسے بعض افعال میں اس کے اجزاء کا افتراق حکمی ہو سکتا ہے کما تقول اشتریت نصف العبد) تاکہ کل اور اجمع کے ساتھ تاکید لانے میں کوئی فائدہ ہو (اکرمت القوم کلہم اور اشتریت العبد کلہ) (کہ عبد کبھی اشتراء میں متجزی (ومنقسم) ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی کل کے ساتھ تاکید صحیح ہے تاکہ تاکید (عبد کے جمیع اجزاء کو اشتراء کے) شمول کا فائدہ دے (جاء زید کلہ کے برعکس) کیونکہ حکم مجئ میں زید کے اجزاء کا افتراق صحیح نہیں ہے نہ حسا اور نہ حکماً (اور جب ضمیر مرفوع متصل کی) (بارز ہو یا مستتر) (نفس اور عین کے ساتھ تاکید لائی جائے) یعنی جب ان دونوں کے ساتھ تاکید کا ارادہ کیا جائے (تو) پہلے اس ضمیر کی (منفصل کے ساتھ تاکید لائی جائے گی) پھر نفس اور عین کے ساتھ (جیسے ضربتَ انتَ نفسکَ) تو نفسک تائے ضمیر (بارز مرفوع متصل) کے لیے اس کی ضمیر منفصل یعنی انت سے تاکید لانے کے بعد تاکید ہے (یعنی ضربت کی تائے ضمیر کی پہلے انت ضمیر مرفوع سے تاکید لا کر اس کے بعد نفسک سے دوسری تاکید لائی گئی) کیونکہ اگر یہ (مرفوع متصل کی مرفوع منفصل کی اولاً تاکید لانے کا معاملہ) نہ ہوتا تو تاکید

اجمع کے ساتھ نہیں لائی جا سکتی یعنی جب کلی کے افراد مجتمعۃ ملحوظ ہوں گے تو اس حیثیت سے اس کے افراد اجزاء بن جائیں گے پس قولہ ذو اجزاء ذو افراد کو بھی شامل ہے واللہ اعلم۔

۸۴ قولہ ویجب الخ ان اجزاء کے لیے ضروری ہے کہ ان کا افتراق حسًّا یا حکماً صحیح ہو سکے جیسے حسًّا اجزاء قوم کا افتراق اور حکماً اجزاء عبد کا افتراق صحیح ہے حسًّا کا مطلب یہ ہے کہ نظر آ سکے اور لفظ کل اور جمع کے ساتھ ذو اجزاء کی تاکید اس لیے لائی جائے گی کہ ان دونوں کے ساتھ تاکید لانے میں فائدہ ہو جیسے اکرمت القوم کلہم اور اشتریت العبد کلہ کہ اس میں عبد کے بوقت شراء بہت سے اجزاء ہو سکتے ہیں، اور ان کا افتراق حکماً صحیح ہے پس اس کی تاکید لفظ کل کے ساتھ صحیح ہے تاکہ اس سے اشتراء میں جمیع اجزاء عبد کے شمول کا فائدہ حاصل ہو بخلاف جاء زیدٌ کلہ کے کہ حکم مجئ میں زید کے اجزاء کا افتراق نہ تو حسًّا صحیح ہے اور نہ حکماً لہٰذا یہ ناجائز ہے، واللہ اعلم ۱۲۔

۸۵ قولہ واذا اکد الخ یعنی جب کہ ضمیر مرفوع متصل کی خواہ وہ بارز ہو یا مستتر لفظ نفس اور عین کے ساتھ تاکید لانے کا ارادہ کریں گے تو اولاً اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائیں گے، پھر نفس اور عین کے ساتھ جیسے ضربتَ انت نفسک کہ اس میں پہلے ضربتَ کی تاء ضمیر کی تاکید انت منفصل کے ساتھ لائی گئی، پھر نفسک کے ساتھ اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر ایسا نہ کریں گے تو بعض مواقع میں تاکید کا التباس فاعل کے ساتھ ہو جائے گا، مثلاً جب کہ تاکید مستکن کی واقع ہو جیسے زیدٌ اکرمنی ہو نفسہ کہ جب ہم منفصل کے ساتھ تاکید لائے بغیر زیدٌ اکرمنی نفسہ کہیں گے تو یہ معلوم نہ ہو گا کہ تاکید یعنی نفسہ فاعل ہے یا اس میں ضمیر مرفوع مستتر ہے اور وہ فاعل ہے۔ اور نفسہ اس کی تاکید ہے پس اس التباس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اولاً ضمیر متصل کی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائیں پھر لفظ نفس اور عین سے تاکید کریں پھر چونکہ اس صورت میں التباس واقع ہوا ہے لہٰذا جن صورتوں میں التباس نہیں ہوتا ان میں بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے ضمیر منفصل کے ساتھ اولاً تاکید لانا ضروری قرار دیا گیا واللہ اعلم ۱۲۔

بالفاعل اذا وقع تاكيدٌ للمستكن نحو زيد اكرمنى هو نفسه فلو لم يؤكد الضمير المستكن فى اكرمنى بقوله هو ويقال زيد اكرمنى نفسه لالتبس نفسه الذى هو التاكيد بالفاعل ولما وقع الالتباس فى هذه الصورة أُجرى بقية الباب عليها و[۵۸۶]انما قيد الضمير بالمرفوع لجواز تاكيد الضمير المنصوب والمجرور بالنفس والعين بلا تاكيدهما بالمنفصل نحو ضربتكَ نفسكَ ومررتُ بكَ نفسكَ لعدم اللبس وبالمتصل لجواز تاكيد المرفوع المنفصل بالنفس والعين بلا تاكيده بمنفصل نحو انت نفسكَ قائمٌ لعدم اللبس وانما قيد بالنفس والعين لجواز تاكيد المرفوع المتصل بكلٍ واجمعينَ بلا تاكيد نحو القوم جاء وني كلهم اجمعونَ لعدم التباس التاكيد بالفاعل لان كلاً واجمعين يليان العوامل قليلاً بخلاف النفس والعين فانهما يليانها كثيرا و[۵۸۷]

أَكْتَعُ وَأَخَوَاهُ يعنى ابتع وابصع اتباع بفتح الهمزة على ما هو المشهور لِأَجْمَعَ

(ثانی) اسوقت فاعل کے ساتھ ملتبس (مختلط ومشتبہ) ہو جائے جبکہ تاکید (ثانی یعنی نفس وعین) زید اکرمنی ہو نفسہ ایسی صورت میں ضمیر مستتر کی تاکید واقع ہو پس اگر اکرمنی میں موجود ضمیر مستتر کو اس کے قول ھو سے اولا مؤکد نہ کیا جائے اور زید اکرمنی نفسہ کہا جائے تو نفسہ کا کہ تاکید ہے فاعل کے ساتھ التباس (واشتباہ) ہو جائے (اس طرح کلام کے مؤکد اور غیر مؤکد ہونے کا پتہ نہ چلے گا) اور جبکہ اس ضمیر کے مستتر ہونے کی) صورت میں التباس واقع ہوا (نہ کہ بارز میں) تو بقیہ باب (یعنی ضمیر بارز) کو اس صورت (مستتر) پر جاری کیا گیا اور مصنف نے ضمیر کو مرفوع کے ساتھ اسی لئے مقید کیا کہ ضمیر منصوب ومجرور کو منفصل سے مؤکد کئے بغیر ان کی نفس وعین کے ساتھ تاکید جائز ہے جیسے ضربتک نفسک اور مررت بک نفسک عدم لبس کیوجہ سے (یہ تاکید جائز ہے) اور (مصنف نے ضمیر کو مرفوع کی قید کے بعد) متصل کے ساتھ اس لئے (مقید کیا) کہ (ضمیر مرفوع منفصل سے احتراز ہو جائے کیونکہ) ضمیر مرفوع منفصل کو متصل کے ساتھ مؤکد کئے بغیر اس کی نفس وعین کے ساتھ تاکید جائز ہے جیسے انت نفسک قائمُ (یہ) عدم لبس کی وجہ سے (جائز ہے) اور (مصنف نے) نفس وعین کی قید اس لئے لگائی کہ ضمیر مرفوع متصل کی (منفصل کے ساتھ) تاکید لائے بغیر کل اور اجمعون کے ساتھ تاکید جائز ہے جیسے القوم جاء ونی کلھم اجمعون کیونکہ (یہاں پر) تاکید (یعنی کلھم واجمعون) کا فاعل (کہ ضمیر مرفوع راجع بہ قوم ہے) کے ساتھ التباس نہیں ہوتا کیونکہ کل اور اجمعون عوامل کے ساتھ قلیل طور پر متصل ہوتے ہیں (یعنی یہ فعل کے لئے فاعل واقع نہیں ہوتے لہذا جاء کلھم یا جاء اجمعون کہنا جائز نہیں) نفس وعین کے برعکس کہ یہ بکثرت عوامل کے ساتھ متصل (عوامل کے بعد فاعل ہو کر واقع) ہوتے ہیں ((اور اکتع اور اس کے دو بھائی)) (یعنی ابتع اور ابصع ((اجمع کے تابع ہیں))

۵۸۶ قولہ وانما قید الخ یعنی متن میں ضمیر مرفوع کی قید احترازی ہے اس لئے کہ ضمیر مجرور

اور منصوب کی لفظ نفس اور عین کے ساتھ اولاً منفصل کے ساتھ تاکید لائے بغیر تاکید لائی جا سکتی ہے جیسے ضربتک نفسک اور مررت بک نفسک کیونکہ اس سے کسی قسم کا التباس لازم نہیں آتا اور متن میں متصل کی قید بھی احترازی ہے اس لئے کہ مرفوع منفصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ تاکید لائے بغیر جائز ہے جیسے انت نفسک قائم کیونکہ اس سے بھی کوئی التباس لازم نہیں آتا اور قید نفس وعین بھی احترازی ہے، اس لئے کہ مرفوع متصل کی کل اور اجمعین کے ساتھ اولاً منفصل کے ساتھ تاکید لائے بغیر تاکید لانی جائز ہے جیسے القوم جاؤنی کلھم اجمعون اس لئے کہ اس سے بھی تاکید کا فاعل کے ساتھ التباس نہیں ہوتا اس لئے کہ کل مضمر کی طرف اضافت کی صورت میں اور اجمعین عوامل سے بہت کم متصل واقع ہوتے ہیں پس ان دونوں کا فاعل واقع ہونا صحیح نہیں ہو سکتا پس القوم جاء کلھم نہیں کہہ سکتے جاء کل القوم کہہ سکتے ہیں لہذا ان کے ساتھ تاکید لاتے ہوئے اولاً تاکید بالمنفصل کی ضرورت نہیں بخلاف نفس اور عین کے کہ وہ اکثر فعل کے متصل ہوتے ہیں، اور وہ فاعل ہو سکتے ہیں، جیسے زید جاء نفسہ، لہذا ان کے تاکید اور فاعل ہونے میں تمیز کے لئے اولاً تاکید بالمنفصل ضروری ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۸۷ قولہ واکتع الخ یعنی اکتع اور اس کی دونوں نظیر ابتع اور ابصع لفظ اجمع کے تابع ہیں یعنی یہ الفاظ تابع ہونے کی حیثیت سے مستعمل ہوتے ہیں بالاصالۃ نہیں کیونکہ اجمع مقصود یعنی جمعیۃ پر ان سے زیادہ واضح طور پر دلالت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ نہ تو اجمع پر مقدم ہوتے ہیں اگر یہ اجمع کے ساتھ مقدم ہوں اور نہ ان کا ذکر اجمع کے بغیر قوی ہے بلکہ ضعیف ہے اس لئے کہ ان الفاظ کی دلالت معنی جمعیۃ پر ظاہر نہیں نیز ان کی تقدیم اور ذکر سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ فرع اصل پر مقدم ہو یا بغیر اصل کے پائی جائے اور یہ باطل ہے اس جگہ قول

یعنی تستعمل هذه الکلمات الثلث تبعیته لا بالاصالة لکونه اوّل منها علی المقصود
وهو الجمعیة فلا یتقدم یعنی اَکتع واخویه عَلَیْهِ ای علی اجمع لو اجتمعت
معه وَذِکرهَا ای ذکر اکتع مع اخویه دُوْنَه ای دون ذکر اجمع ضَعِیْفٌ لعدم
ظهور دلالتها علی معنی الجمعیة وللزوم ذکر ما من شانه التبعیة بدون الاصل
البدل تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ اِلَی الْمَتْبُوْعِ ای تقصد النسبة الیه بنسبة
ما نسب الی المتبوع دُوْنَهٗ ای دون المتبوع ای لاتکون النسبة الی المتبوع مقصودة
ابتداءً بنسبة ما نسب الیه بل تکون النسبة الیه توطیةً وتمهیدًا للنسبته الی
التابع سواء کان ما نسب الیه مسندًا او غیره مثل جاءنی زید اخوك وضربت
زیدا اخاك واحترز بقوله مقصود بما نسب الی المتبوع عن النعت والتاکید و[۸۹]

اتباع ہمزہ کی فتح کے ساتھ (تبع کفرس کی جمع اور فرس کی جمع افراس ہے) بنا بر انکہ مشہور ہے
یعنی یہ تینوں کلمے (اکتع وابتع والبصع) اجمع کے تابع ہو کر استعمال ہوتے ہیں بالاصالۃ نہیں کیونکہ
اجمع ان تینوں کی نسبت مقصود یعنی جمعیت پر زیادہ دلالت کرتا ہے ((لہذا نہ آگے بڑھیں گے)) یعنی
اکتع اور اس کے دونوں بھائی ((اس سے)) یعنی اجمع سے اگر وہ اجمع کے ہمراہ جمع ہوں ((اور ان کا
ذکر)) یعنی اکتع کا ذکر اس کے دونوں بھائیوں کے ساتھ ((اس کے بغیر)) یعنی اجمع کے ذکر کے بغیر
((ضعیف ہے)) کیونکہ اکتع وابتع والبصع کی جمعیت کے معنی پہ دلالت ظاہر نہیں اور (اس سے)
ایک ایسی چیز کا ذکر اصل کے بغیر لازم آئے گا جس کی شان اصل کے تابع (ہو کر مذکور) ہوتا ہے
((اور بدل وہ تابع ہے جو اس چیز کے ساتھ مقصود ہوتا جس کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی))
یعنی اس چیز کی نسبت سے جو متبوع کی طرف کی گئی تابع کی طرف نسبت مقصود ہوتی ہے
((نہ کہ وہ)) یعنی نہ کہ متبوع یعنی اس چیز کی نسبت سے کہ متبوع کی طرف کی گئی متبوع کی طرف
نسبت ابتداءً مقصود نہیں ہوتی بلکہ متبوع کی طرف نسبت تابع کی طرف نسبت کے لئے
وسیلے اور تمہید کے طور پہ ہوتی ہے خواہ جس کی متبوع کی طرف نسبت کی گئی مسند ہو (اور
متبوع مسند الیہ ہو) یا مسند نہ ہو جیسے جاءنی زید اخوک (یہ مسند کی مثال ہے کہ جاء کی زید
کی طرف اسناد کی گئی جاء مسند اور زید کہ متبوع ہے مسند الیہ ہوا کہ فاعل ہے) اور ضربت زیدا
اخاک (یہ غیر مسند کی مثال ہے یعنی اس مثال میں متبوع کہ زید ہے کی طرف جس ضرب کی نسبت
کی گئی وہ زید کے لئے مسند نہیں کہ زید تو مفعول بہ ہے اور مفعول بہ مسند الیہ نہیں ہوتا بلکہ
ضرب کی تاء ضمیر بارز مرفوع متصل کی طرف اسناد کی گئی ہے کہ وہی فاعل ہے . . . . . .
. . . . . . اور مصنف نے اپنے قول مقصود بما نسب الی المتبوع سے نعت وتاکید وعطف بیان
نعت تاکید اور عطف بیان خارج ہو گئے اس
لئے کہ یہ توابع نسبۃ سے مقصود نہیں ہوتے بلکہ
ان کے متبوع مقصود ہوتے ہیں، اور قولہ دونہ
سے عطف بحرف خارج ہو گیا اس لئے کہ اس

ماتن اتباع بفتح الهمزه ہے اس لئے کہ یہ تبع بفتح
العین کی جمع ہے جیسے فرس کی جمع افراس واللہ اعلم

[۸۸] قولہ البدل الخ یعنی بدل وہ تابع
ہے کہ جو اس چیز کی نسبت سے کہ متبوع کی طرف
ہے بغیر متبوع کے مقصود ہو اب سوال یہ پیدا
ہوتا ہے کہ عبارت متن سے یہ سمجھ میں آتا ہے
کہ متبوع کی طرف فعل کی نسبت سے بدل مقصود
ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ جاء زیدٌ اخوک
میں زید کی طرف مجیئت کی نسبت سے اخوک مقصود
نہیں بلکہ جب زید کی طرف نسبت مجیئت ہے تو
وہی مقصود ہے اس کا جواب ای تقصد النسبة
الخ سے شارح نے یہ دیا کہ مقصودٌ تابعٌ کی صفت
باعتبار اس کے حال کے نہیں بلکہ اس کے متعلق
کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ متبوع
کی طرف فعل کی نسبت سے تابع کی طرف فعل
کی نسبت کا قصد کیا جائے پس جاءنی زیدٌ
اخوک میں اخوک تابع ہے اس لئے کہ اس فعل
کے سبب سے کہ جس کی نسبت متبوع یعنی زید
کی طرف ہے (یعنی مجیئت کے سبب سے فعل
کی نسبت کا تابع یعنی اخوک کی طرف قصد کیا
گیا ہے پس اس معنی کے اعتبار سے زید مقصود
نہیں ہوگا، بلکہ اخوک ہوگا پھر یہ کہ اس میں متبوع
کی طرف نسبت کا قصد نہ ہو یعنی متبوع کی طرف
فعل کی نسبت ابتداءً مقصود نہ ہو بلکہ وہ صرف
اپنے تابع کے لئے بطور توطیہ اور تمہید کے آیا
ہو یعنی متبوع کی طرف فعل کی نسبۃ تابع کی طرف
فعل کی نسبت کے لئے بطور توطیہ اور تمہید کے ہو
پھر اس میں تعمیم ہے کہ جو فعل متبوع کی طرف منسوب
ہے وہ اپنی متبوع کی طرف مسند ہو یا نہ ہو جیسے
جاءنی زیدٌ اخوک کہ اس میں جاء متبوع کی طرف
مقصود ہے، اور جیسے ضربتُ زیداً اخاک کہ اس
میں فعل کا اسناد متبوع یعنی زید کی طرف نہیں
بلکہ ضربت کی ضمیر انا کی طرف ہے واللہ اعلم ۱۲

[۸۹] قولہ واحترز [illegible]
نیز دیہ ہیں کہ قولہ مقصود بما نسب الی المتبوع سے

عطفِ البیان لانہا لیست مقصودۃ بما نسب الیہ بل المتبوع مقصودٌ بہ وبقولہ
دونہ احترز عن العطف بحرف فان المتبوع فیہ مقصودٌ بما نسب الیہ مع التابع
ولا یصدق الحد علی المعطوف ببل لان متبوعہ مقصود ابتداءً ثم بدا لہ فاعرض
عنہ وقصد المعطوف فکلاہما مقصودان بہذا المعنی فان قیل ^٩٠ ہذا الحد لا یتناول
البدل الذی بعد الا مثل ما قام احدٌ الا زیدٌ فان زیدًا بدل من احد ولیست نسبۃُ
ما نسب الیہ من عدم القیام مقصودۃً بالنسبۃ الی زید بل النسبۃ المقصودۃ بنسبۃ
ما نسب الی احد نسبۃ القیام الی زید قلنا ^٩١ ما نسب الی المتبوع ہہنا ہو القیام فانہ
نسب الیہ نفیًا ونسبۃ القیام بعینہ الی التابع مقصودۃٌ ولکن اثباتًا فیصدق علی زید

سے احتراز کیا ہے کیونکہ یہ (توابع ثلاثہ) اس نسبت سے کہ متبوع کی طرف کی گئی مقصود نہیں بلکہ اس سے (بالاصالۃ والاستقلال) متبوع مقصود ہے اور مصنف نے اپنے قول "دونہ" کے ذریعے عطف بحرف سے احتراز کیا ہے کیونکہ عطف بحرف میں متبوع اس نسبت سے کہ اس کی طرف کی گئی اپنے تابع کے ہمراہ مقصود ہوتا ہے اور بدل کی تعریف معطوف بحرف بل پر صادق نہیں آتی کیونکہ معطوف بحرف بل کا متبوع شروع میں مقصود (بہ نسبت) ہے پھر متکلم کے لئے (حکم آخر) ظاہر ہوا تو اس نے اس (حکم اول یا رائے اول) سے انحراف کیا اور معطوف کا قصد کیا پس اس معنی کے اعتبار سے (معطوف بحرف بل میں) دونوں (تابع ومتبوع) مقصود ہیں پس اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ تعریف اس بدل کو شامل نہیں جو الا کے بعد (کلام غیر موجب میں) واقع ہو جیسے ما قام احد الا زید کہ زید احد سے بدل ہے حالانکہ وہ نسبت جو احد کی طرف کی گئی ہے یعنی عدم قیام کی زید کی نسبت مقصود نہیں ہے بلکہ اس نسبت سے جو احد کی طرف کی گئی ہے نسبت مقصودہ زید کی طرف قیام کی نسبت ہے (یعنی احد کی طرف قیام کی نسبت نفی کے طور پر اور زید کی طرف ایجاب کے طور پر مقصود ہے اور بدل میں دونوں نسبتوں میں اتحاد شرط ہے جو یہاں نہیں ہے) ہم نے جواب دیا کہ (بدل میں نسبت شخصیہ کا اتحاد شرط نہیں بلکہ نسبت جنسیہ کا اتحاد شرط ہے اور وہ یہاں موجود ہے کیونکہ) جو متبوع کی طرف یہاں منسوب ہے وہ (جنس) قیام ہے جو اس کی طرف نفی کے طور پر منسوب ہے اور قیام کی بعینہ (بجنسہ) نسبت تابع کی طرف مقصود ہے لیکن اثبات کے طور پر لہذا

میں نسبتہ سے متبوع مع التابع مقصود ہوتا ہے اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ تعریف معطوف ببل پر صادق آتی ہے کہ اس میں متبوع کے بغیر تابع مقصود من النسبۃ ہوتا ہے اس لئے کہ ہم کہیں گے کہ یہ اعتراض غلط ہے اس لئے کہ

اس میں ابتداءً متبوع مقصود ہوتا ہے پھر متکلم پر کچھ ظاہر ہو جاتا ہے، اور وہ اس سے اعراض کرکے معطوف کا قصد کرتا ہے پس اس معنی کے اعتبار سے متبوع اور تابع دونوں مقصود ہوئے لہٰذا دونہ سے یہ بھی خارج ہو گیا واللہ اعلم۔

٩٠ قولہ فان قیل الخ یہ اعتراض وارد ہوا کہ یہ تعریف اس بدل کو شامل نہیں جو ما قام احدٌ الا زیدٌ میں الا کے بعد واقع ہے اس لئے کہ زید احدٌ سے بدل ہے مگر فعل منسوب الیہ یعنی عدم قیام کی نسبت بہ نسبت زید کے مقصود نہیں بلکہ جس فعل کی نسبت احد کی طرف کی گئی ہے اس سے نسبتہ مقصودہ زید کی طرف قیام کی نسبتہ ہے اور ان دونوں میں مغایرت ہے اس لئے کہ احد کی طرف نسبتِ مقصودہ قیام کی نفیًا ہے، اور زید کی طرف ایجابًا اور شرط بدل میں یہ ہے کہ تابع اور متبوع دونوں کی نسبتیں ایجاب وسلب میں متحد ہوں پس مثال مذکور میں زید کا احد سے بدل واقع ہونا صحیح نہیں واللہ اعلم۔

٩١ قولہ قلنا الخ جواب یہ ہے کہ اس جگہ متبوع کی طرف جس فعل کی نسبت ہے وہ قیام ہے اس لئے کہ وہ نفیًا متبوع کی طرف منسوب ہے، اور بعینہ قیام کی نسبت تابع کی طرف بھی مقصود ہے لیکن اثباتًا پس اگرچہ دونوں میں نفی اور اثبات کا فرق ہے مگر قیام کے اعتبار سے دونوں نسبتیں متحد ہیں پس زید پر تعریف مذکور صادق آتی ہے کہ زید ایسا تابع ہے کہ جس کی نسبت بہ نسبت اس فعل کے جو متبوع کی طرف منسوب ہے مقصود ہے، اس لئے کہ تعریف میں جو نسبتہ مذکور ہے وہ اس بات سے اعم ہے کہ خواہ بطریق اثبات ہو یا بطور نفی اب اگر کوئی کہے کہ اس بنا پر توطیہ نقیض بالنقیض لازم آیا اس لئے کہ متبوع میں نسبتہ مقصودہ نفیًا ہے جو کہ بطور توطیہ کے ہے اور تابع میں ایجابًا جو کہ مقصود بہ نسبت الی الاول ہے اس کا جواب ویمکن ان یقصد الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اس سے کوئی حرج نہیں واقع ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ تعریف سے اس بات کا قصد ہو کہ شئی اول کی طرف فعل منسوب کی نسبت بطور نفی کے ہو اور شئے آخر کی طرف اثباتًا اس کی نسبتہ کا قصد کیا جائے اور اول ثانی کے لئے بطور توطیہ اور تمہید کے واقع ہو، واللہ اعلم۔

انه تابع مقصود نسبته بنسبة ما نسب الى المتبوع فان النسبة الماخوذة فی الحد اعم من ان یکون بطریق الاثبات او النفی ویمکن ان یقصد بنسبته الی شیٔ نفیا نسبتہ الی شیٔ آخر اثباتا ویکون الاول توطیة للثانی وَهُوَ ای البدل انواعٌ اربعةٌ بَدَلُ الْکُلِّ ای بدلٌ هو کل المبدل منه وَبدل البَعْضِ ای بدلٌ هو بعض المبدَلِ منه فالاضافة فیهما مثلها فی خاتمِ فضة وَبدل الِاشْتِمَالِ ای بدلٌ مسببٌ غالباً عن اشتمال احد المبدلین علی الآخر امّا اشتمال البدل علی المبدل منه نحو سُلِب زیدٌ ثوبه او بالعکس نحو یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ وَبدل الغلط ای بدلٌ مسبب عن الغلط فالاضافة فی الاخیرین من قبیل اضافة المسبب الی السبب لادنی ملابسةٍ فالْاَوَّلُ ای بدل الکل مَدْلُوْلُهٗ مَدْلُوْلُ الْاَوَّلِ یعنی

زید پر یہ بات صادق آتی کہ وہ تابع ہے وہ اس نسبت سے مقصود ہے جو متبوع کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ نسبت جو (بدل کی) تعریف میں ماخوذ ہے وہ اس سے عام ہے کہ اثبات کے طریق سے ہو یا نفی کے اور ممکن ہے کہ ایک چیز کی کسی چیز کی طرف نفی کے طور پر نسبت سے اسی چیز کی دوسری چیز کی طرف اثبات کے طور پر نسبت مقصود ہو اور اول دوسری کے لئے وسیلہ ہوگی (یعنی نسبت جنسیہ کے اعتبار سے اول کی طرف نسبت دوسری چیز کی طرف نسبت کے لئے ذریعہ ہوگی) ((اور وہ)) یعنی بدل چار قسم ہے ((بدل الکل)) یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا کل (یعنی عین) ہے ((اور)) بدل ((البعض)) یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا بعض ہے پس ان دونوں (بدل الکل اور بدل البعض) میں جو اضافت ہے وہ اس اضافت کی طرح ہے جو خاتم فضۃ میں ہے ((اور)) بدل ((الاشتمال)) یعنی وہ بدل جو غالباً دونوں مبدل سے ایک کے دوسرے پر مشتمل ہونے سے مسبب ہے (وانما قال غالباً لئلا یخرج عن التعریف مثل اعجبنی زید علمہ او حسنہ لان الاشتمال فیہ لیس بمعنی کون البدل مسبباً بل المبدل منہ محل والبدل حال فیہ بھر یہ اشتمال) یا تو بدل کے مبدل منہ پر مشتمل ہونے کی صورت میں ہوگا جیسے سلب زید ثوبہ یا اس کے برعکس جیسے یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ ((اور)) بدل ((الغلط)) یعنی وہ بدل جو غلط سے مسبب ہو پس دو اخیرین (یعنی بدل الاشتمال اور بدل الغلط) میں جو اضافت ہے وہ ادنی علاقہ کی وجہ سے مسبب کی سبب کی طرف اضافت کے قبیل سے ہے ((پس اول)) یعنی بدل الکل (کی بات یہ ہے کہ) ((اس کا مدلول اول کا مدلول ہوگا))

۹۲ قولہ وہو الخ یعنی بدل کی چار قسمیں ہیں ۱ بدل الکل جو کہ مبدل منہ کا عین ہوتا ہے اور ۲ بدل البعض جو کہ مبدل منہ کا بعض یعنی جزء ہوتا ہے پس بدل کی اضافت کل اور بعض کی طرف اس جگہ ایسی ہے جیسی کہ خاتم فضۃ میں اضافت ہے یعنی اضافت بیانیہ اور ۳ بدل الاشتمال یعنی وہ بدل جو احد المبدلین کے آخر پر اشتمال کی وجہ سے بطور تغلیب کے ہوتا ہے یعنی اس بدل کا سبب احد المبدلین کا آخر پر اشتمال ہے پس اس کی دونوں صورتیں ہیں کہ بدل مبدل منہ پر شامل ہو یا عکس ہو اول کی مثال جیسے سلب زیدٌ ثوبہ کہ اس میں ثوب بدل زید کو شامل ہے، اور ثانی کی مثال جیسے قول باری تعالی یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ کہ اس میں الشہر الحرام مبدل منہ قتال بدل کو شامل ہے اس لئے کہ شہر حرام سے مراد وہ مہینہ ہے جو حالت جنگ و قتال میں واقع ہو جائے پس شہر حرام قتال کو مشتمل اور اس کا ظرف ہوا اس لئے کہ قتال اس مہینہ میں واقع ہوا اس جگہ غالباً سے اس طرف اشارہ ہے کہ بدل الاشتمال کی وجہ تسمیہ اشتمال کے ساتھ تغلیباً ہے اس لئے کہ بعض صورتوں میں بدل الاشتمال پایا جاتا ہے مگر اشتمال بالکل نہیں ہوتا جیسے جاءنی زیدٌ حمارہٗ کہ اس میں بدل الاشتمال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا مگر حمار زید پر مشتمل نہیں، اور نہ اس کا عکس ہے پس یہ احدہما کا آخر پر اشتمال باعتبار اکثر اور اغلب کے ہے اور ۴ بدل الغلط یعنی کے ایراد کا سبب اول میں غلطی ہوتی ہے پس اخیر کی دو صورتوں کی طرف بدل کی اضافت اضافۃ مسبب الی سبب کے قبیل سے ہے ادنی ملابست کی وجہ سے پس یہ اضافت لامیہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۹۳ قولہ فالاول الخ یعنی بدل کل میں تابع اور متبوع کے معنی از روئے ذات کے متحد ہوتے ہیں مفہوم کے اعتبار سے اتحاد نہیں ہوتا تاکہ دونوں مترادف نہ ہو جائیں اگرچہ بعض صورتوں میں کبھی اتحاد مفہومی ہو جاتا ہے۔ جیسے زیدٌ ضربتہ ایاہ پس بدل الکل کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی زیدٌ اخوک کہ اس میں اگرچہ زید اور اخ کا مفہوم مغایر ہے، مگر دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہیں کیونکہ ذات زید اور ذات اخوک ایک ہے اور مغایرت فی المفہوم بایں طور ہے کہ مفہوم اخ مفہوم زید کا مغایر ہے اس

متحدان ذاتا لا ان یتحد مفهوماهما لیکونا مترادفین نحو جاءنی زید اخوک فزید واخوک وان اختلفا مفهومًا فهما متحدان ذاتا قال[۹۴] الشارح الرضی وانا الی الآن لم یظهر لی فرقٌ جلیٌّ بین بدل الکل من الکل وبین عطف البیان بل لا اری عطف البیان الا بدل الکل وما قالوا من ان الفرق بینهما ان البدل هو المقصود بالنسبة دون متبوعه بخلاف عطف البیان فانه بیان والبیان فرع المبین فیکون المقصود هو الاول فالجواب انا لا نسلم ان المقصود فی بدل الکل هو الثانی فقط ولا فی سائر الابدال الا الغلط وقال بعض المحققین فی جوابه الظاهر انهم لم یریدوا انه لیس مقصودًا بالنسبة اصلا بل ارادوا انه لیس مقصودا اصلیًا والحاصل[۹۵] ان مثل قولک جاءنی اخوک زیدٌ ان قصدت فیه الاسناد الی الاول وجئت بالثانی تتمة له

یعنی دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں یوں نہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں تاکہ دونوں مترادف ہوں (اب مترادف نہ ہوں گے) جیسے جاءنی زید اخوک پس زید اور اخوک اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہیں تاہم دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہیں (مفہوم کے اعتبار سے مختلف یوں ہیں کہ اخ کا مفہوم جنسی اور زید کا مفہوم شخصی ہے فاختلفا .... شارح رضی نے کہا کہ اب تک میرا حال یہ ہے کہ میرے لئے بدل الکل من الکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی واضح فرق ظاہر نہیں ہوا بلکہ مجھے تو عطف البیان بدل الکل ہی معلوم ہوتا ہے اور جو نحویوں نے کہا کہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ بدل مقصود بہ نسبت ہوتا ہے اس کا متبوع نہیں، عطف بیان کے برعکس کہ وہ (اپنے متبوع کے) بیان (کے لئے لایا جاتا) ہے اور بیان (یعنی مبین بہ صیغہ اسم فاعل) مبین (بہ صیغہ اسم مفعول) کی فرع ہے تو مقصود اول (یعنی متبوع مبین) ہی ہوا (نہ کہ تابع مبین) تو جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ بدل الکل میں مقصود ثانی ہوتا ہے فقط (اور اس میں متبوع کے قصد کو کوئی دخل نہیں ہوتا) اور نہ ہی ہم یہ ماننے کو تیار ہیں کہ بدل الغلط کے سوا باقی بدلوں میں ثانی مقصود ہوتا ہے فقط اور بعض محققین (یعنی السید السند المیر الشریف الجرجانی رحمہ اللہ) نے رضی کے جواب میں فرمایا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نحویوں کی یہ مراد نہیں کہ (بدل میں متبوع) بالکل مقصود بہ نسبت ہوتا ہی نہیں (نہ اصالۃً اور نہ تبعًا کما فی بدل الغلط بلکہ البدل ہو المقصود بالنسبۃ دون متبوعہ سے) ان کی مراد یہ ہے کہ بدل کا متبوع مقصود اصلی نہیں ہوتا (یعنی مقصود اوّلی نہیں ہوتا) اور (ان دونوں میں فرق کا) حاصل یہ ہے کہ تمہارے قول جاءنی اخوک زید کا مثل (محل غور ہے کہ) اگر تم اس قول میں اول (یعنی اخوک) کی طرف اسناد کا قصد کرو اور دوسرے (یعنی زید) کو لفظ اخوک کے لیے تتمہ اور

لئے کہ اول کا مفہوم جنسیہ ہے کہ ہر اخ کو شامل ہے اور ثانی کا مفہوم شخصیۃ واللہ اعلم۔

۹۴ قولہ قال الشارح الخ شارح رضی کہتے ہیں کہ مجھے اب تک بدل الکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی جلی فرق معلوم نہیں ہو سکا بلکہ میں تو عطف بیان کو بدل الکل ہی سمجھتا ہوں، اور جن لوگوں نے دونوں میں یہ فرق بتایا ہے کہ بدل اپنے متبوع کے بغیر مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے بخلاف عطف بیان کے کہ وہ بیان ہے اور بیان مبیّن کی فرع ہوتا ہے پس عطف بیان میں مقصود اول ہوا اور بدل الکل میں ثانی لہٰذا فرق ظاہر ہے تو اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ یہ بات ہمیں تسلیم نہیں کہ بدل الکل میں صرف ثانی ہی مقصود ہے اول نہیں اسی طرح سوائے بدل الغلط کے دیگر ابدال میں بھی صرف ثانی مقصود نہیں ہوتا، اس کا جواب سید السند نے حواشی رضی میں دیا ہے جس کو شارح وقال بعض المحققین سے بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے دونوں کے درمیان فرق بتلایا ہے انہوں نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ متبوع بالکل مقصود بالنسبۃ ہوتا ہی نہیں نہ اصالۃً نہ تبعًا بلکہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ متبوع مقصود اصلی نہیں ہوتا اور عطف بیان میں متبوع مقصود اصلی ہوتا ہے پس دونوں میں فرق ظاہر ہے واللہ اعلم۔

۹۵ قولہ والحاصل الخ یعنی فرق کا حاصل یہ ہوا کہ جاءنی اخوک زیدٌ سے اگر اخوک کی طرف اسناد فعل کا قصد کیا جائے، اور ثانی یعنی زید کو اول کے لئے بطور تتمہ اور توضیح کے لایا جائے تو ثانی عطف بیان ہوگا، اور اگر فعل کی اسناد ثانی یعنی زید کی طرف مقصود ہو اور اول کو اس کے توطیہ اور تمہید کے لئے لایا جائے تاکہ اسناد مبالغہ ہو تو ثانی بدل ہوگا، اور اس وقت اس سے جو توضیح حاصل ہوگی، وہ مقصود بالتبع ہوگی اور مقصود اصلی توطیہ کے بعد تابع کی طرف فعل کا اسناد ہوگا پس فرق ظاہر ہے واللہ اعلم۔

توضیحًا فالثانی عطف بیانٍ وان قصدتَ فیه الاسنادَ الی الثانی وجئتَ بالاول توطیة لہ مبالغةً فی الاسناد فالثانی بدل وحینئذٍ یکون التوضیح الحاصل به مقصودًا تبعًا والمقصود اصالةً هو الاسناد الیه بعد التوطیة فالفرق ظاهر (٩٦) وَ

الثَّانِی ای بدل البعض جزء وہ ای جزء المبدل منه نحو ضربت زیدا راسه وَ

الثَّالِثُ ای بدل الاشتمال بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْاَوَّلِ ای المبدل منه ملابسة بحیث توجب النسبةُ الی المتبوع النسبةَ الی الملابس اجمالًا نحو اعجبنی زید علمہ حیث یعلم ابتداءً انه یکون زید معجبا باعتبار صفاته لا باعتبار ذاته وتتضمن نسبةُ الاعجاب الی زید نسبته الی صفة من صفاته اجمالًا وکذا فی سُلب زید ثوبه بخلاف ضربت زید احمارہ وضربت زیدا غلامه لان نسبة الضرب الی زید تامة ولا یلزم فی صحتها اعتبار غیر زید فیکون من باب بدل الغلط (٩٧) بِغَیْرِهِمَا

توضیح کے طور پر لاؤ تو ثانی عطف بیان ہے اور اگر تم اس قول میں ثانی (یعنی زید) کی طرف اسناد کا قصد اونین کرو اور اول (یعنی اخوک متبوع) کو اس (مقصود) کے لئے ذریعہ (و تمہید اور) مبالغہ فی الاسناد کے طور پر لاؤ تو ثانی بدل ہے اور اس وقت (جبکہ تم توطیہ و تمہید اور ذریعہ کا قصد کرو ایضاح کا نہ کرو تو) اس قول سے جو توضیح حاصل ہوگی وہ تبعا مقصود ہوگی اور اصالةً مقصود توطیہ (و تمہید) کے بعد ثانی کی طرف اسناد ہی ہے (حاصل حاصل یہ کہ اس مثال میں جب ثانی کی طرف اسناد کا قصد کیا جائے اور مدار الحکم اسی کو قرار دیا جائے تو گویا کہ اخوک سے قطع نظر کرکے جاء زید کہا گیا ہے اور اسی طرح اکرمت زیدا اخاک کہا جائے اور اس سے مخاطب پر احسان جتایا جائے کہ میں نے زید کی تعظیم اس لئے کی کہ وہ تمہارا بھائی ہے تو گویا زید سے قطع نظر کرکے اکرمت اخاک کہا گیا ہے وھذا منتف فی عطف البیان فقط ۔۔۔۔۔۔ اور فرق ظاہر ہے (کہ بدل مقصود اصلی و اوّلی ہوتا ہے لیکن عطف بیان مقصود اصلی نہیں ہوتا بلکہ وہ تو توضیح کے لئے لایا جاتا ہے) «اور ثانی» یعنی بدل البعض «اس کا جزو ہوتا ہے» یعنی مبدل منہ کا جزو ہوتا ہے جیسے ضربت زیدا راسہ «اور تیسرا» یعنی بدل الاشتمال (یوں ہے کہ) «اس کے اور اول کے» یعنی مبدل منہ «کے درمیان ایک تعلق ہے» (اور وہ تعلق) اس طرح (ہے) کہ متبوع کی طرف (جو) نسبت (ہے وہ) ملابس (تابع) کی طرف نسبت کو اجمالی طور پر ثابت کرتی ہے جیسے اعجبنی زید علمہ کیونکہ یہ بات ابتداءً (اعجبنی زید سے ہی) معلوم ہو رہی ہے کہ زید اپنی صفات کے اعتبار سے معجب ہے اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں اور زید کی طرف اعجاب کی نسبت اس کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف اجمالی طور پر اس کی نسبت کو متضمن ہے اور اسی طرح سلب زید ثوبہ میں، ضربت زیدا حمارہ اور ضربت زیدا غلامہ کے برعکس کیونکہ زید کی طرف ضرب کی نسبت تامہ ہے اس

---

٩٦ قولہ والثانی الخ یعنی بدل البعض مبدل منہ کا جز ہوتا ہے جیسے ضربتُ زیداً راسہ، اور ثالث یعنی بدل الاشتمال تو اس کی تعریف یہ ہے کہ اس کے اور مبدل منہ کے درمیان ملابست ہو بایں طور کہ متبوع کی طرف نسبت سے ملابس یعنی تابع کی طرف اجمالاً نسبت واجب ہو جیسے اعجبنی زیدٌ علمہ، کہ اس سے ابتداءً یہ معلوم ہوا کہ زید اپنی بعض صفات (نہ باعتبار ذات) کے اعتبار سے باعث تعجب ہے پھر زید کی طرف اعجاب کی نسبت اس کی صفات میں سے ایک صفت کی طرف نسبت کو اجمالاً متضمن ہے اس جگہ اجمالاً کا مطلب یہ ہے کہ ملابِس بالکسر اور ملابَس بالفتح دونوں ایک نہ ہوں یعنے دونوں کے درمیان کلیتہ اور جزئیت کے علاوہ کوئی اور تعلق و علاقہ ہو اور اعجبنی الخ کی طرح سلب زیدٌ ثوبہ میں بھی تابع کی طرف اجمالاً نسبت سمجھ میں آرہی ہے بخلاف ضربتُ زیداً حمارہٗ اور ضربت زیداً غلامہ، کے کہ ان میں زید کیطرف ضرب کی نسبت تامہ ہے اور اس نسبت کے صحیح ہونے میں غیر زید کی طرف نسبت کا اعتبار لازم نہیں آتا پس یہ باب بدل الغلط سے ہوگا بدل الاشتمال سے نہیں واللہ اعلم۔

٩٧ قولہ بغیرہما الخ یعنی وہ ملابستہ اس طرح ہو کہ بدل کل مبدل منہ یا جزء مبدل منہ نہ ہو پس اس میں وہ چیز داخل ہو جائے گی کہ جس میں مبدل منہ بدل کا جزء ہو پس بدل کا مبدل منہ سے ابدال اس ملابستہ کی بناء پر ہو جیسے نظرتُ الی القمر فلکہ کہ اس میں قمر بدل مبدل منہ فلک کا جزء ہے اور یہ ابدال اسی ملابست کی وجہ سے ہے واللہ اعلم ۱۲۔

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD

ای تکون تلک الملابسة بغیر کون البدل کل المبدل منه او جزءه فیدخل فیه ما اذا کان المبدل منه جزءًا من البدل ویکون ابداله منه بناءً علی هذه الملابسة نحو نظرت الی القمر فلکه والمناقشة[98] بان القمر لیس جزءً من فلکه بل هو مرکوز فیه مناقشة فی المثال ویمکن ان یورد لمثاله مثل رأیت درجة الاسد برجه فانه لا مجال لهذه المناقشة فیه فان البرج عبارة عن مجموع الدرجات وانما لم یجعل هذا البدل قسمًا خامسًا ولم یسم ببدل الکل عن البعض لقلته [99] وندرته بل قیل لعدم وقوعه فی کلام العرب فان هذه الامثلة مصنوعة وَالرَّابِعُ ای بدل الغلط اَنْ تَقْصِدَ ای ان یکون بان تقصد انت اِلَیْهِ ای الی البدل من غیر اعتبار ملابسة بینهما بَعْدَ اَنْ غَلَطْتَ بِغَیْرِهِ ای بغیر البدل وهو المبدل منه وَیَکُوْنَانِ البدل والمبدل منه مَعْرِفَتَیْنِ نحو ضرب زید اخوک وَنکرتَیْن

نسبت کی صحت میں غیر زید کا اعتبار لازم نہیں آتا لہذا لفظ حمارہ اور غلامہ (زیدا و اس کے مابعد میں عدم مناسبت کی وجہ سے) بدل الغلط کے باب سے ہوا ((جو کلیت و جزئیت کے بغیر ہے)) یعنی وہ تعلق بدل کے مبدل منہ کے کل یا اس کے جزو ہونے کے بغیر ہے پس مصنف کے قول بغیرھما میں وہ تعلق بھی داخل ہو جائے گا جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ (نوع ثانی کے برعکس) مبدل منہ بدل کا جزو ہو اور اس نوع کا ابدال اس تعلق کی بنا پر بدل الاشتمال سے ہوگا (یا مُبدل منہ کا بدل سے ابدال اس ملابستہ کی بنا پر ہوگا پس اس ابدال پر یہ بات صادق آتی ہے کہ مبدل منہ اور بدل کے مابین جو علاقہ ہے وہ کلیت و جزوبیت کے بغیر ہے) جیسے نظرت الی القمر فلکہ (مبدل منہ یعنی قمر بدل یعنی فلک کا جزو ہے) اور اس بات کا جھگڑا کہ قمر فلک کا جز نہیں بلکہ اس میں مرکوز ہے مثال میں جھگڑا ہے اور اس کے رأیت درجة الاسد برجہ کی مثال وارد کی جا سکتی ہے پس اس مثال میں اس جھگڑے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ برج مجموعۂ درجات سے عبارت ہے (لہذا برج کل ہوتے ہوئے درجہ سے بدل ہے جو اس کا جزو ہے جب یہ بات ہے تو سوال یہ ہے کہ مصنف کو بدل کا یہ قسم خامس بھی بتانا چاہیے تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ) اور مصنف نے اس بدل کو اسلئے قسم خامس قرار نہیں دیا اور بدل الکل من البعض اس کا نام نہیں رکھا کہ یہ قلیل اور نادر ہے بلکہ کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ قسم کلام عرب میں واقع ہی نہیں ہوا اور یہ مثالیں مصنوعی ہیں ((اور چوتھا)) یعنی بدل الغلط ((یہ ہے کہ تم قصد کرو)) یعنی (چوتھا قسم بدل الغلط کا) یہ ہے کہ تم قصد کرو ((اس کی طرف)) یعنی بدل کی طرف بدل اور مبدل منہ کے درمیان کسی علاقہ کے بغیر ((بعد از اں کہ تم نے اس کے غیر کے ساتھ غلطی کی)) یعنی بدل کے غیر کے ساتھ (یعنی اسے بول کر غلطی کی) اور وہ غیر (جسے بول کر غلطی کی) مبدل منہ ہے ((اور ہوں وہ دونوں)) بدل اور مبدل منہ ((معرفے)) جیسے ضرب زید

۹۸ قولہ والمناقشة الخ یعنی مثال مذکور میں مناقشہ ہے اس لئے کہ قمر اپنے فلک کا جز نہیں ہے بلکہ وہ بغیر علاقۂ جزئیۃ کے فلک میں مرکوز و ثابت ہے پس ایسی مثال کہ جس میں مناقشہ نہ ہو یہ ممکن ہے کہ رأیت درجة الاسد برجہ پیش کر دی جائے اس لئے کہ اس میں مناقشہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ برج مجموعۂ درجات سے عبارت ہے پس درجہ برج کا جز ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم یعنی بدل الکل عن البعض کو قسم خامس قرار دینا چاہیئے تھا اس لئے کہ اس میں مبدل منہ بدل کا جز ہوتا ہے، اور یہ تمام ابدال کے مغایر ہے جو اس کا جواب وانما لم یجعل الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اس کو قسم خامس اور اس کا نام بدل الکل عن البعض اس وجہ سے قرار نہیں دیا گیا کہ قلیل اور نادر ہے بلکہ اس کے کلام عرب میں عدم وقوع کی بنا پر کہا گیا ہے کہ یہ امثلہ مصنوعہ ہیں، وقوع سے ان کا کوئی تعلق نہیں واللہ اعلم۔

۹۹ قولہ والرابع الخ یعنی بدل الغلط وہ ہے کہ مبدل منہ کو غلط ذکر کرنے کے بعد دونوں کے درمیان کسی قسم کی ملابستہ کا اعتبار کئے بغیر جس کا قصد کیا جائے جیسے جاءنی زیدٌ حمارٌ کہ اس مثال میں حمار بدل غلط ہے اس لئے کہ متکلم جاءنی حمارٌ کہنا چاہتا تھا غلطی سے اس کی زبان پر زید آ گیا، اور اس نے اس غلطی کے تدارک کیلئے زید کے بعد حمارٌ کہا پھر یہ کہ بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ بھی ہوتے ہیں، اور نکرہ بھی اور تعریف و تنکیر میں مختلف بھی اول کی مثال جیسے ضرب زیدٌ اخوک کہ اس میں زید بھی معرفہ ہے، اور اخوک بھی ثانی کی مثال جیسے جاءنی رجلٌ غلامٌ لک کہ اس میں رجل اور غلام دونوں نکرہ ہیں ثالث کی مثال جیسے قول باری تعالی بالنا صیة ناصیة کاذبة کہ اول ناصیہ معرف باللام ہے اور ثانی منکر اور جیسے جاء رجلٌ غلامُ زیدٍ کہ اول نکرہ اور ثانی زید کی طرف اضافت کے باعث معرفہ ہے، واللہ اعلم۔

نحو جاءنی رجل غلام لک ومختلفین نحو بالناصیة ناصیة کاذبة وجاء رجل غلام زید واذا کان البدل نکرة مبدلة من معرفة فالنعت ای نعت البدل النکرة واجب لئلا یکون المقصود انقص من غیر المقصود من کل وجه فاتوا فیه بصفة تکون کالجابر لما فیه من نقص النکارة مثل بالناصیة ناصیة کاذبة ویکونان ظاهرین نحو جاءنی زید اخوک ومضمرین نحو الزیدون لقیتہم ایاہم ومختلفین نحو اخوک ضربتہ زیداً او اخوک ضربت زیدا ایاہ ولا یبدل ظاہر من مضمر بدل الکل الا من الغائب نحو ضربتہ زیداً الا ان المضمر المتکلم والمخاطب اقوی واخص دلالة من الظاہر فلو ابدل الظاہر منہما بدل الکل یلزم ان یکون المقصود انقص من غیر المقصود مع کون مدلولیہما واحداً بخلاف بدل البعض والاشتمال والغلط فان المانع فیہا مفقود اذ لیس مدلول الثانی فیہا مدلول الاول فیقال اشتریتک نصفک واشتریتنی نصفی و

اخوک ((اور نکرے)) جیسے جاءنی رجل غلام لک ((اور مختلف ہوں)) جیسے بالناصیة ناصیة کاذبة اور جاء رجل غلام زید ((اور جب)) بدل ((نکرہ معرفہ سے)) مبدل ((ہو تو نعت ہوگی)) یعنی بدل نکرہ کی صفت لانا ضروری ہے تاکہ مقصود غیر مقصود سے ہر طرح انقص نہ ہو تو نحوی اس میں صفت لائے تاکہ یہ صفت اس نکارت کی وصف کی تلافی کردے جو بدل میں ہے ((جیسے بالناصیة ناصیة کاذبة اور دونوں ظاہر ہوں گے)) جیسے جاءنی زید اخوک ((اور مضمر)) جیسے الزیدون لقیتہم ایاہم ((اور دونوں مختلف ہوں)) جیسے اخوک ضربتہ زیدا واخوک ضربت زیدا ایاہ ((اور اسم ظاہر اسم مضمر سے بدل الکل کے طور پر بدل نہیں ہوسکتا مگر غائب کی ضمیر سے جیسے ضربتہ زیدا)) کیونکہ مضمر متکلم اور مضمر مخاطب دلالت کی رو سے اسم ظاہر سے زیادہ خاص اور زیادہ قوی ہے تو اگر اسم ظاہر کو مضمر متکلم و مضمر مخاطب سے بدل الکل کے طور پر بدل بنایا جائے تو لازم آئے گا کہ مقصود غیر مقصود سے انقص ہو باوجودیکہ (بدل الکل میں) بدل اور مبدل منہ کا مدلول متحد ہوتا ہے بدل البعض وبدل الاشتمال اور بدل الغلط کے برعکس کہ ان تینوں میں (اسم ظاہر کے مضمر متکلم و مخاطب سے بدل ہونے میں) مانع مفقود ہے کیونکہ ان میں ثانی کا مدلول اول کا مدلول نہیں ہے (اب شارح تینوں کی مثالیں دیتے ہوئے کہتے ہیں) پس کہا جائیگا اشتریتک نصفک یہ ضمیر مخاطب منصوب سے بدل کی مثال ہے) اور اشتریتنی نصفی (اس

قولہ واذا کان الخ یعنی جب بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ تو اس وقت نکرہ کی نعت لانا واجب ہے تاکہ مقصود غیر مقصود من کل الوجہ انقص نہ ہو جائے کیونکہ نکرہ بہ نسبت معرفہ کے انقص ہوتا ہے پس نکرہ کی صفت لائیں گے تاکہ وہ نقص نکارت کے لئے بطور جبر نقصان اور عوض کے ہو کر اس سے نقص نکارت زائل ہو جائے جیسے قول باری تعالیٰ بالناصیة ناصیة کاذبة کہ اس میں ناصیة کی صفت کاذبة لائی گئی ہے، واللہ اعلم ۱۲

قولہ ویکونان الخ یعنی کبھی بدل اور مبدل منہ اسم ظاہر ہوتے ہیں جیسے جاءنی زید اخوک اور کبھی مضمر جیسے الزیدون لقیتہم ایاہم کہ اس میں ہم مبدل منہ اور ایاہم بدل ہے، اور کبھی دونوں مختلف ہوتے ہیں جیسے اخوک ضربتہ زیدا کہ اس میں مبدل منہ مضمر اور بدل مظہر ہے، اور جیسے اخوک ضربت زیدا ایاہ کہ اس میں مبدل منہ مظہر اور بدل مضمر ہے، واللہ اعلم ۱۲

قولہ ولا یبدل الخ یعنی اسم ظاہر سوائے ضمیر غائب کے کسی اور ضمیر سے بدل الکل نہیں ہوتا جیسے ضربتہ زیداً اس لئے کہ اگر بدل کل کی صورت میں مبدل منہ ضمیر متکلم یا ضمیر مخاطب ہو اور بدل اسم ظاہر تو لازم آئے گا کہ متکلم اور مخاطب غائب بن جائیں اس لئے کہ جتنے اسم ظاہر ہیں سب بمنزلہ غائب کے ہیں پس ضمیر متکلم اور مخاطب اسم ظاہر سے دلالة اقوی اور اخص ہوئیں پس اگر اسم ظاہر کو ان دونوں میں بدل الکل لایا جائے تو لازم آئیگا کہ مقصود غیر مقصود سے انقص ہو باوجودیکہ دونوں کا مدلول واحد ہوتا ہے یعنی بدل کل میں بدل کا مدلول عین مبدل منہ ہوتا ہے پس لازم آئے گا کہ متکلم اور مخاطب عین بدل ہو کر غائب ہو جائیں اور یہ باطل ہے بخلاف بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط کے کہ ان میں مانع مفقود ہے اس لئے کہ ان میں مدلول ثانی عین اول نہیں ہوتا پس ان میں اسم ظاہر ضمیر مخاطب اور متکلم سے بدل واقع ہوسکتا ہے جیسے بدل البعض کی مثال اشتریتک نصفک کہ اس میں اسم ظاہر ضمیر مخاطب سے بدل ہے اور اشتریتنی نصفی کہ اس میں ضمیر مخاطب سے بدل ہے، اور بدل الاشتمال کی مثال جیسے ضربتک الحمار اور ضربتنی الحمار واللہ اعلم

اعجبتنی علمك واعجبتك علی وضربتك الحمار وضربتنی الحمار عَطْف البَیان تَابِعٌ شامل لجمیع التوابع غَیْرُ صِفَۃٍ احترز به عن الصفة یوضح متبوعه احترز به عن البدل والعطف بالحرف والتاکید ولا یلزم من ذلك ان یکون عطف البیان اوضح من متبوعه بل ینبغی ان یحصل من اجتماعهما ایضاحٌ لم یحصل من احدهما علی الانفراد فیصح ان یکون الاول اوضح من الثانی مِثْلُ اَقْسَمَ بِاللهِ ابو حفصٍ عمر فابو حفصٍ کُنیةُ امیر المؤمنین عمرَ بْنِ الخطاب رضؓ وعمر عطف بیان له وقصته انه اتی اعرابیٌّ الی عُمَرَ ابن الخطاب رضؓ فقال اِنَّ اهلی بعیدٌ وانی علی ناقةٍ دَبْرَاءَ عَجْفَاءَ نقباءَ واستحمله فظنه کاذبًا فلم یحمله فانطلق

میں نصبی ضمیر متکلم منصوب متصل سے بدل ہے یہ دونوں بدل البعض کی مثالیں ہیں) اور (بدل الاشتمال میں کہا جائے گا) اعجبتنی علمک (اس میں علمک مرفوع لفظاً ضمیر مخاطب سے بدل الاشتمال ہے) واعجبتک علمی (علمی مرفوع محلاً ضمیر متکلم سے بدل الاشتمال ہے) اور ضربتک الحمار (الحمار ضمیر مخاطب سے بدل الغلط ہے) اور ضربتنی الحمار (اس میں الحمار ضمیر متکلم سے بدل الغلط ہے) ((عطف بیان وہ تابع ہے)) لفظ تابع (جنس کے بمنزلہ) جمیع توابع کو شامل ہے ((صفت کے علاوہ)) اس قید سے صفت سے احتراز کیا ((جو اپنے متبوع کو واضح کرے)) اس قید سے بدل اور عطف بحرف اور تاکید سے احتراز ہے اور اس سے لازم نہیں آتا کہ عطف بیان اپنے متبوع سے زیادہ واضح ہو (یا اس کے برعکس یا مساوی ہو) بلکہ مناسب ہے کہ (عطف بیان میں) تابع اور متبوع کے اجتماع سے وہ ایضاح (و بیان) حاصل ہو جو انفراد کے طور پر کسی ایک سے بھی حاصل نہ ہو لہٰذا یہ صحیح ہے کہ اول ثانی سے زیادہ واضح ہو ((جیسے اقسم باللہ ابو حفص عمر)) تو ابو حفص امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور اس کے لئے عطف بیان ہے اور اس کلام کے ورود کا واقعہ و سبب یہ ہے کہ ایک اعرابی حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (آپ کے دور خلافت باسعادت میں) حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے اہل بعید ہیں (یعنی میرا وطن جس میں میرے اہل و عیال ہیں بعید ہے) اور میں ایک بیمار و کمزور اونٹنی پر سوار ہوں (دبراء دبر سے مشتق ہے یہ ایک طرح کی بیماری ہے جو اونٹوں کو عارض ہوتی ہے عجفاء بمعنی لاغر نقباء النقب کی مؤنث ماخوذ از نقب یہ بیماری ہے جس سے اونٹ کے جسم کے بال جھڑ جاتے ہیں اور اس کا رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے) تو اس اعرابی نے آپ سے سواری طلب کی آپ کے گمان میں وہ جھوٹ بولتا تھا تو آپ نے اسے سواری مہیا نہ کی

۳۰ قولہ عطف البیان الخ یعنی عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت نہ ہونے کے باوجود اپنے متبوع کو واضح کرے، پھر اس کے صفت نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ صفت کی طرح اس معنی پر دلالت نہیں کرتا کہ جو ذات متبوع کیساتھ قائم ہیں اس تعریف میں تابع بمنزلہ جنس کے ہے کہ تمام توابع کو شامل ہے اور غیر صفت سے صفت یعنی نعت خارج ہو گئی اور یوضح متبوعہ سے بدل، عطف بحرف اور تاکید خارج ہو گئے، پھر یہ کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عطف بیان اپنے متبوع سے اوضح ہو بلکہ اس میں تابع اور متبوع کے اجتماع سے ایسا ایضاح حاصل ہو جائے جو علی الانفراد احدہما سے حاصل نہیں پس اگر متبوع تابع سے اوضح و اظہر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے جاءنی سیبویہ عمرو کہ اس میں سیبویہ زیادہ واضح و اشہر ہے بہ نسبت عمرو کے اور ان دونوں میں علی الانفراد ایضاح نہیں اس لئے کہ سیبویہ کہنے سے اس کا نام واضح نہیں ہوتا، اور عمرو کہنے سے غیر سیبویہ سے امتیاز پیدا نہیں ہوتا پس دونوں کے اجتماع کا حقہ ایضاح حاصل ہو گیا واللہ اعلم ۱۲۔

۳۱ قولہ مثل الخ اس میں ابو حفص امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے، اور عمر اس کا عطف بیان ہے اس میں بھی ایضاح کے متعلق سابقہ تقریر ہے ماتن نے مثال میں پورا مصرعہ پیش فرمایا ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اعرابی آیا، اور کہا کہ میرا وطن دور ہے، اور میں ایسی اونٹنی پر سوار ہوں کہ جس کی پشت زخمی جسم لاغر اور پاؤں گھسے ہوئے ہیں، اور آپ سے سواری چاہی آپ نے اعرابی کو کاذب سمجھا، اور اس کو دوسری اونٹنی نہیں دی پس اعرابی چل دیا، اور اپنی اونٹنی کو ہنکاتے چلا پھر بطحا کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنا شروع کیا درانحالیکہ وہ اپنی ناقہ کے پیچھے چل رہا تھا، شعر، اقسم باللہ ابو حفص عمر،

ما مسها من نقب ولا دبر
اغفر له اللهم ان کان فجر

یعنی حضرت ابو حفص رضی اللہ عنہ نے اس سے بدظن ہو کر گویا کہ اللہ کی قسم کھالی کہ اس کی ناقہ کے نہ تو پاؤں گھسے اور نہ پشت زخمی ہے دیا یہ کہ حقیقۃً آپ نے اللہ کی قسم کھالی ہو) اے اللہ ان کی مغفرت فرما اگر انہوں نے یہ عطف جھوٹا اٹھایا ہو پس جب

الاعرابی فحمل بعیرہ ثم استقبل البطحاء وجعل یقول وھو یمشی خلف بعیرہ
شعر اقسم باللہ ابو حفص عمر ۞ ما مسّہا من نقبٍ ولا دبر ۞ اغفر لہ اللّٰھمّ
ان کان فجر ۞ وعمر مقبل من اعلی الوادی فجعل اذا قال ۞ اغفر لہ اللّٰھم ان
کان فجر ۞ قال اللّٰھم صدّق صدّق حتی التقیا فاخذ بیدہ فقال ضع عن
راحلتک فوضع فاذا ھی نقباء عجفاء فحملہ علی بعیرہ وزودہ وکساہ فصلہ
ای فرقہ من البدل لفظا ای من حیث الاحکام اللفظیۃ واقع فی مثل
انا ابن التارک البکری بشرٍ فان قولہ بشر ان جعل عطف بیان للبکری جاز
وان جعل بدلا منہ لم یجز لان البدل فی حکم تکریر العامل فیکون التقدیر

تو وہ اعرابی چلا گیا اور اپنی (اسی لاغر) اونٹنی پر سامان لادا پھر وادیٔ بطحا کو چل پڑا اور اپنی اونٹنی کے پیچھے چلا جاتا کہتا جا رہا تھا ـــ ابو حفص عمر نے خدا کی قسم کھائی کہ میری اونٹنی کو بیماری اور لاغری نے نہیں چھوا اے اللہ میرے امیر المؤمنین کو بخش دے اگر انہوں نے (خلاف واقعہ قسم کھا کر) گناہ کیا ہے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ اپنے ظن میں اس اعرابی کو جھوٹا قرار دیا تھا اس لئے ان کی قسم یمین غموس قرار نہ پائے گی کہ ان کے گمان میں قسم خلاف واقعہ چیز سے متعلق نہ تھی اس لئے آپ گنہگار نہ ہوئے بلکہ یہ قسم یمین لغو متصور ہوگی جس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اعرابی نے فجر کو ان کان کے ساتھ ذکر کرکے مشروط کر دیا کہ وہ فاروق اعظم کی عدالت و شفقت سے باخبر تھا اس لئے کہا کہ اگر بالفرض فاروق اعظم سے غلطی ہوئی تو اے میرے اللہ انہیں بخش دیجیو حضرت عمر رضی اللہ عنہ! اس کی یہ بات سنتے چلے آرہے تھے) تو آپ نے (از راہ تقویٰ و کمال تنزہ) کہا اے اللہ (میری جانب سے) اعرابی کا عذر قبول فرما یہاں تک کہ دونوں کی ملاقات ہوگئی تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ اپنی اونٹنی سے سامان اتار دو اس نے سامان نیچے اتارا تو واقعی وہ بیمار و کمزور تھی پھر آپ نے اسے اپنا اونٹ دیا اور زاد راہ بھی دیا اور پہننے کے کپڑے دئے ((اور اس کا فصل)) یعنی فرق ((بدل سے لفظی طور پر)) یعنی احکام لفظیہ کے اعتبار سے ((انا ابن التارک البکری بشر کے مثل میں)) واقع ہے پس شاعر کے قول بشر کو اگر بکری کے لئے عطف بیان بنایا جائے تو جائز ہے اور اگر اسے بکری سے بدل بنایا جائے تو جائز نہیں کیونکہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہے (اور یہاں

وقت ۔۔۔ یہ شعر پڑھا حضرت عمرؓ وادی کی ۔۔۔ سے اس کے کلام کو سن کر اس کے روبرو آئے، اور جس وقت اعرابی نے اغفر لہ اللّٰھم ان کان فجر کہا تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ اگر میں گنہگار ہوں تو اس اعرابی کے قول کو سچا فرما اور میری مغفرت کر حتی کہ آپ نے اس کے قریب آکر اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اپنی اونٹنی سے سامان اتار پس اس نے اتارا اور آپ نے دیکھا کہ وہ واقعی حسب بیان اعرابی تھی پس آپ نے اس کو اپنے ذاتی اونٹ پر سوار کر دیا اور اس کو عطا فرما دیا، اور اس کو زاد راہ دیا، اور کپڑا پہنایا واللہ اعلم ۱۲۔

قولہ وفصلہ الخ یہاں سے مصنف عطف بیان اور بدل میں لفظی فرق بتانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ ان دونوں میں احکام لفظیہ کے اعتبار سے مثل انا ابن التارک البکری بشر میں فرق واقع ہے اس لئے کہ بشر کو اگر البکری کا عطف بیان قرار دیا جائے تو جائز ہے اور اگر اس کو البکری سے بدل قرار دیں تو ناجائز اس لئے کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے پس اس کی تقدیر انا ابن التارک بشر ہوگی اور یہ ناجائز ہے جیسا کہ اس کی تفصیل الضارب زید کے عدم جواز میں مجرورات میں گذر چکی اس کا آخری مصرعہ یہ ہے، علیہ الطیر ترقبہ وقوعا ۞ شعر میں تارک کے معنی قاتل اور مصیّر کے ہیں بکر شہر کا نام ہے اور یاء اس میں نسبت کے لئے ہے، اور مراد البکری سے لقب پہلوان ہے بشر اس کا نام ہے، اور التارک البکری میں اضافۃ الضارب الرجل کی طرح ہے، اور علیہ الطیر التارک کا مفعول ثانی ہے بشرطیکہ التارک کو مصیّر کے معنی میں لیں پس یہ جار مجرور اپنے متعلق سے مل کر مفعول ثانی ہوگا اور اگر اس کو بمعنی مصیّر نہ لیں تو یہ مفعول بالتارک یعنی البکری سے حال واقع ہوگا، اور قولہ ترقبہ الطیر سے حال ہے بشرطیکہ اس کو عیدہ کا فاعل قرار دیں یعنی علیہ ثبت یا وقع کے متعلق ہو اور الطیر اس محذوف کا فاعل ہو اور اگر ۔۔۔ علیہ خبر ہو تو ترقبہ علیہ کی ضمیر مستکن یعنی اس کے ۔۔۔ کی ضمیر مستتر سے حال

واقع ہوگا، اور وقوعا واقع کی جمع ہے اور یہ ترقبہ کے فاعل سے حال واقع ہے، اور یہ مطلب ہے واقعۃ حولہ مترقبۃ الخ یعنی وہ پرندے البکری کے گرد اگرد واقع ہو کر اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں، اس لئے کہ انسان میں جب تک کچھ بھی جان باقی ہوتی ہے پرندے اس کے

قریب نہیں آتے مکمل شعر کا ترجمہ یہ ہے میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر کو پچھاڑنے والا ہے اور حال یہ ہے کہ پرندے اس کے ارد گرد واقع ہو کر اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں شعر کی حل ترکیب کے مطابق ترجمہ خود کر لیا جائے، اب رہا عطف بیان اور بدل کے درمیان

LIBRARY

انا ابن التارك بشر وهو غير جائز كما ذكرنا فيما سبق في الضارب زيد، وآخره: عليه الطيرُ ترقبه وقوعاً، وعليه الطير ثاني مفعولي التارك ان جعلناه بمعنى المصير والا فهو حال وقوله ترقبه حال من الطير ان كان فاعلا لعليه وان كان مبتداء فهو حال من الضمير المستكن في عليه ووقوعاً جمعُ واقع حال من فاعل ترقبهُ اي واقعة حوله مترقبةً لانزهاق روحه لان الانسان ما دام به رمقٌ فان الطير لا تقربه وأما الفرق المعنوي بينهما فقد تبين فيما سبق والمراد بمثل انا ابن التاركِ البكري بشرٍ: كل ما كان عطفَ بيان للمعرف باللام الذي

عامل التارک ہے مطلب یہ ہے بدل میں یہ ضروری ہے کہ اسے مبدل منہ کی جگہ رکھا جائے تو کوئی حرج واقع نہ ہو یعنی مبدل منہ کے عامل کو بدل پر مکرر لایا جائے تو اس میں کوئی قباحت لازم نہ آئے مگر یہاں بدل بنانے کی صورت میں التارک کو جو مبدل منہ یعنی بکری کا عامل ہے بدل یعنی بشر پر مکرر لایا جائے) تو تقدیر عبارت انا ابن التارک بشر ہو گی اور وہ جائز نہیں جیسا کہ ہم نے ماسبق میں الضارب زید کی بحث میں ذکر کیا (کہ الضارب زید اضافت لفظی کی صورت میں جائز نہیں التارک بشر کو اسی پر قیاس کیجئے) اور آخری مصرع ہے علیہ الطیر ترقبہ وقوعا اگر ہم التارک کو (فعل ناقص قرار دے کر) مصیر (جعل) کے معنی میں کریں تو البکری مفعول اول اور جملہ) علیہ الطیر التارک کا دوسرا مفعول ہوگا (اور علیہ خبر مقدم اور الطیر مبتدا مؤخر ہوئی اور یہ جملہ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہوگا) ورنہ (یعنی اگر التارک کو مصیر وجعل کے معنی میں نہ کریں بلکہ اسے ودع کے معنی میں کریں) تو وہ (علیہ الطیر کی ترکیب التارک کے مفعول بکری سے) حال ہوگا اور اس کا قول ترقبہ (کا جملہ کہ دراصل تترقبہ تھا ایک تاء حذف ہو گئی ترقبہ باقی رہ گیا جو) طیر سے حال ہوگا (یہ اس صورت میں ہے کہ) اگر الطیر (مرفوع لفظا) علیہ (کے متعلق محذوف شبہ فعل) کا فاعل ہو اور اگر لفظ الطیر مبتدا ہو تو وہ (ترقبہ کی ترکیب) اس ضمیر سے حال ہوگا جو علیہ میں مستتر ہے (یعنی اس ضمیر سے جو متعلق محذوف سے منتقل ہوئی لہذا ضمیر ظرف مستقر کے لئے فاعل ہوئی) اور وقوعا (کالفظ) واقع کی جمع ہے (جیسے شہود شاہد کی جمع ہے اور وقوعا) ترقبہ کے فاعل (یعنی ھی ضمیر راجع بسوئے الطیور) سے حال ہے یعنی (تقدیر عبارت یوں ہے) واقعة حول البکری مترقبة لخروج روحہ کیونکہ انسان میں جب تک زندگی کچھ نہ کچھ باقی رہتی ہے پرندے اس کے قریب نہیں آتے اور رہا عطف بیان وبدل میں فرق معنوی تو وہ فیما سبق میں واضح ہو چکا ہے (کہ بدل تابع مقصود بہ نسبت ہے اور عطف بیان مقصود بہ نسبت نہیں ہے) اور انا ابن التارک البکری بشر کی مثل سے مصنف علیہ الرحمۃ کی مراد ہر وہ لفظ ہے جو (لفظ بشر کی طرح مجرد عن اللام ہو اور البکری ایسے

فرق معنوی تو اس کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں اس لئے کہ وہ دونوں کی تعریفوں میں گذر چکا واللہ اعلم۔

۱۰۶ قولہ والمراد یعنی اس جگہ مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے کہ جس میں عطف بیان کا متبوع وہ معرف باللام ہو جو صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہے جیسے الضارب الرجل زیدا اور انا ابن التارک البکری بشر پس مثال مذکور میں بشر عطف بیان اور البکری اس کا متبوع ہے جو کہ التارک صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وہ چیز مراد ہو جو اس سے عموما سمجھ میں آتی ہے یعنی یہ کہ ہر وہ لفظ کہ جب وہ عطف بیان واقع ہو تو اس کا حکم اس لفظ کے بدل واقع ہونے کے حکم کے مخالف ہو جیسا کہ مثال مذکور میں ہے کہ بشر کو عطف بیان قرار دینا تو صحیح ہے مگر اس کو بدل قرار دینا جائز نہیں پس اس صورت میں قول مصنف صورت نداء کو بھی شامل ہو جائے گا جیسے یا غلامُ زیدٌ وزیداً لفظ پر حمل کرتے ہوئے تنوین رفع کیساتھ اور محل منادی یعنی نصب بالمفعولیۃ پر حمل کرتے ہوئے تنوین منصوب کیساتھ جبکہ زید کو عطف بیان قرار دیا جائے اور جب اس کو بدل قرار دینگے غلام سے تو زیدُ پڑھا جائے ضمہ کے ساتھ اس لئے کہ اس صورت میں اسکا مبنی ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ منادی مستقل کے حکم میں ہوگا۔ اور اس کو بصورت افراد علامت رفع پر مبنی کیا جاتا ہے، اور مثل کے جو دو معنی بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے اول معنی اظہر ہیں اس لئے کہ التارک البکری بشر سے متبادر یہی معنی ہوتے ہیں، اور ثانی معنی زیادہ مفید ہیں، اس لئے کہ اس وقت ان کے عموم کے باعث اس میں صورت نداء بھی داخل ہو جاتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تمت بالخیر

اضيف اليه الصفة المعرفة باللام نحو الضارب الرجل زيد ويمكن ان يراد به ما هو اعم من هذا الباب اي كل ما خالف حكمه اذا كان عطف بيان حكمه اذا كان بدلا فيتناول صورة النداء ايضا فانك تقول يا غلام زيدٌ وزيدا بالتنوين مرفوعا حملا على اللفظ ومنصوبا حملا على المحل اذا جعلته عطف بيان ويا غلام زيدُ بالضم اذا جعلته بدلا والمعنى الاول اظهر والثاني افيد

معرفہ باللام کے لئے عطف بیان ہو جس کی طرف (التارک جیسی) صفت معرفہ باللام مضاف ہو جیسے الضارب الرجل زید اور ممکن ہے کہ مصنف کے قول مثل انا ابن التارک الخ سے وہ صورت مراد ہو اس (الضارب الرجل زید کے) باب سے عام ہو یعنی وہ صورت (مراد ہو) جس کا حکم جبکہ وہ (لفظ) عطف بیان ہو اس کے حکم کے خلاف ہو جبکہ وہ (لفظ) بدل ہو یعنی عطف بیان ہونے کی صورت میں اور حکم ہو اور بدل ہونے کی صورت میں حکم دیگر ہو لہذا مصنف کا قول وفصلہ من البدل الخ (جیسا کہ اضافت کی صورت کو شامل ہے یوں ہی) نداء کی صورت کو بھی شامل ہوگا پس تم کہوگے یا غلام زیدٌ اور زیدًا تنوین کے ساتھ لفظ (منادی) پر محمول کرنے کی وجہ سے مرفوع کرکے اور محل پر محمول کرنے کی وجہ سے (کہ مفعول بہ ہونے کی بنا پر نصب کا محل ہے) منصوب کرکے (اور یہ اس وقت جائز ہے) جبکہ تم لفظ زید کو عطف بیان بناؤ (کہ این حکم عطف بیان است چنانچہ مصنف در بحث توابع گفتہ وتوابع المنادی المبنی المفردہ من التاکید الخ ترفع حملا الخ اور یہ عطف بیان کا حکم بدل ہونے کے حکم کے خلاف ہے چنانچہ فرماتے ہیں) اور یا غلام زید ضمہ کے ساتھ (تنوین ونصب ...) ... سے بدل بناؤ اور معنی اول ظاہر تر اور معنی ثانی مفید تر ہے (کیونکہ مصنف ... ... سے معنی اول ہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ مصنف مثال میں مضاف کو ... بشر کو عطف بیان قرار دیا جیسا کہ الضارب زید ہے اور ثانی یوں مفید تر ہے کہ ... کی صورت کو بھی شامل ہے۔

الحمد للہ جلد دوم پوری ہوگئی۔ آگے بحث المبنی زیر طبع ہے، البتہ صرف بحث فعل (دار العلوم دیوبند کے کورس میں داخل ہونے کی وجہ سے) پہلے طبع کرائی گئی ہے۔ تاکہ طلباء واساتذہ کو تعلیم وتعلم میں سہولت رہے۔ فقط

المشتہر:- مختار علی بن محمد علی مینیجر کتبخانہ امدادیہ دیوبند (یو پی)

ہر قسم کی اسلامی ودرسی کتب
نیز درس نظامیہ کی اردو شروحات عمدہ اور ارزاں ملنے کا پتہ
کتب خانہ امدادیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)
حقوق طبع محفوظ ہیں